اور قبر کھل گئی

اے حمید

مکتبہ اقرأ

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

اور قبر کھل گئی

اے۔ حمید

ترتیب

بار اول ١٩٨٣ء
ناشر: مکتبہ اقرا۔ ۱۳ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز۔ لاہور

قیمت ۵/۵۰ روپے

پیارے دوستو!

مرے ہوئے ہواباز کی وصیت کے مطابق ناگ اور ماریا، اس کی بیوی ہیلن کو دشمنوں کے علاقے سے نکال کر ایک چھوٹے سے جنگی ہوائی اڈے پر سے ایک بمبار ہوائی جہاز اغوا کرتے ہیں اور اس میں فرار ہوتے ہیں۔ جرمن طیارہ شکن توپیں اس پر گولے برساتی ہیں۔ جرمن لڑاکا طیارے اس کے پیچھے اُڑتے ہیں۔ مگر ناگ اور ماریا جہاز کو نکال لے جانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ناگ ہوائی جہاز کا رُخ اُوپر کو کر دیتا ہے۔ ہوائی جہاز آسمان کی فضاؤں کو چیرتا ہوا اوپر ہی اوپر اڑتا چلا جاتا ہے۔ پھر جب وہ جہاز کے منہ کو نیچے کی طرف کرنے کی کوشش کرتا ہے تو مشین میں خرابی کی وجہ سے جہاز کا رُخ نیچے کی طرف نہیں ہوتا۔ جہاز خلاء کی

طرف اُڑا جا رہا ہے۔ خوف سے ہیلن بے ہوش ہو جاتی ہے۔ ماریا پریشان ہے۔ ناگ مشین کو ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جہاز اُوپر ہی اُوپر خلاء کی طرف جا رہا ہے۔ ستارے قریب آنا شروع ہو گئے ہیں۔ پھر کیا ہوتا ہے؟

اس کا مزا تو آپ کو خود پڑھ کر ہی آئے گا۔

جلدی سے ورق اُلٹیے:

آپ کا

اے۔ حمید

خلا میں موت؟

جیپ ستر میل کی رفتار پر بھاگی جا رہی تھی۔

بونداباندی رُک گئی تھی مگر آسمان بادلوں میں چھپا تھا۔ ناگ چونکہ جرمن فوجی کی وردی میں تھا اس لیے راستے میں آتے جاتے جرمن سپاہیوں نے اسے شک کی نظر سے نہ دیکھا۔ لیکن آگے ایک مصیبت آ رہی تھی۔ آگے ایک چوکی تھی جہاں تمام گاڑیوں کی پڑتال ہوتی تھی اور کاغذات چیک کیے جاتے تھے۔

ہیلن نے کہا:

"آگے چیکنگ پوسٹ ہے۔ یہاں سے گاڑی واپس کر لو۔"

ناگ نے ماریا سے پوچھا:

"ماریا! تمہارا کیا خیال ہے؟"

ہیلن بولی:

"یہ تم کون سی ماریا سے باتیں کرتے ہو؟ مجھے

تو سوائے اپنے یہاں کوئی عورت دکھائی نہیں
دیتی اور میرا نام ماریا نہیں ہے۔"
ناگ نے کہا:
"خدا کے لیے خاموش رہو۔ ماریا میری بہن ہے
وہ میرے ساتھ ہے۔ اب تم اس کی آواز بھی
سن لوگی۔"
پھر اس نے ماریا سے کہا:
"ماریا! تم اسے اپنی آواز سنا دینا۔"
ماریا بولی:
"یہ ڈر تو نہیں جائے گی۔"
ایک ایسی عورت کی آواز سن کر ہیلن چونک پڑی جو
اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ چیکنگ پوسٹ اب
قریب آ رہی تھی۔
ماریا نے کہا:
"ناگ! جیپ یہیں روک لو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"
ناگ نے جیپ سڑک کے کنارے ایک طرف روک لی۔ ماریا
اتر کر چلی گئی۔ ہیلن کے چہرے پر خوف کے اثرات تھے۔
"یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے آج؟ پہلے میرا مرا ہوا
خاوند مرنے کے بعد میرے پاس آ گیا۔ اب ایک غیبی

عورت ہمارے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ آخر یہ کیا
راز ہے؟ تم کون ہو؟"
ناگ سامنے چیکنگ پوسٹ کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں چار
پانچ جرمن افسر کھڑے گاڑیوں کی تلاشی لے رہے تھے اور
ڈرائیوروں کے خواہ وہ فوجی ہوں کاغذات چیک کر رہے تھے۔
اس نے آہستہ سے کہا:
"ہیلن! اگر تم خاموشی سے کام لو تو ہمارا کام بڑا
آسان ہو جائے گا۔ جن باتوں سے تمہارا کوئی تعلق
نہیں ان کے بارے میں سوالات مت کرو۔"
ہیلن خاموش ہو گئی۔ ماریا چیکنگ پوسٹ کے بند گیٹ میں
سے گذر کر چھوٹے سے لکڑی کے کیبن میں آ گئی جہاں ایک
جرمن میجر میز پر بیٹھا کاغذوں پر مہریں لگا رہا تھا۔ دیوار کے
ساتھ ایک کھڑکی تھی۔ کھڑکی کے پیچھے گولہ بارود کے کچھ بکس
پڑے تھے۔ ماریا کیبن سے باہر آ گئی۔ اس کے ذہن نے
ایک ترکیب سوچ لی تھی۔ کیبن کے پیچھے ایک جرمن سپاہی
لکڑی کے خالی کھوکھے پر بیٹھا رائفل پاس ہی رکھے پہرہ
دے رہا تھا۔ وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ ماریا نے بارود کے ایک
بکس کو نیچے گرا دیا۔ سپاہی ہڑبڑا کر اٹھا۔ سگریٹ دور پھینکا
اور بکس کو اٹھانے لگا۔ کالے رنگ کا کچھ بارود باہر گر پڑا تھا

ماریا یہی چاہتی تھی۔ اس نے دور گرا ہوا سگریٹ اٹھا لیا۔ سگریٹ ابھی تک سلگ رہا تھا۔ پھر اس نے جلتا ہوا سگریٹ جہاں زمین پر بارود گرا تھا وہاں پھینک دیا۔

سگریٹ کے گرتے ہی بارود میں آگ لگ گئی۔ ایک زبردست دھماکہ ہوا اور جرمن سپاہی اور لکڑی کا کیبن زمین سے پچاس فٹ اوپر اچھل کر گرے اور ان کے پرخچے اڑ گئے۔ ماریا چونکہ دھماکے کی جگہ کے قریب ہی تھی وہ بھی زمین سے اوپر اچھلی اور ہوا میں تیرتی ہوئی سڑک پر آ گئی۔ دھماکے اور آگ کی وجہ سے وہاں افراتفری مچ گئی۔ جو جرمن فوجی سڑک پر چیکنگ کر رہے تھے۔ وہ بھی آگ بجھانے کے لیے بھاگے۔

ناگ یہ منظر جیپ میں بیٹھا دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہیلن سے کہا:

"ماریا نے اپنا کام کر لیا ہے۔"

اتنے میں ماریا کی آواز آئی:

"اب یہاں سے نکل چلو۔"

ناگ نے جیپ سٹارٹ کی اور چیکنگ پوسٹ کے اوپر کو اٹھے ہوئے بانس کے نیچے سے گزر کر وہاں سے نکل گیا۔

ہیلن نے کہا:

"کیا میں پوچھ سکتی ہوں اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟ کیونکہ جس طرف تم جا رہے ہو۔ میرا مطلب ہے تم اور تمہاری غیبی بہن ماریا جا رہی ہے ادھر راستے میں کئی چیکنگ پوسٹیں آئیں گی۔ کیا تمہارا ہر چیکنگ پوسٹ کو بارود سے اڑانے کا ارادہ ہے؟"

ناگ نے کہا:

"تم یہاں کی رہنے والی ہو۔ یہ بتاؤ کہ ہم سرحدی سمندر کی طرف کدھر سے جا سکتے ہیں؟"

ہیلن بولی:

"ہم لوگ ابھی پیرس میں ہیں اور سرحد جہاں سے سمندر شروع ہوتا ہے یہاں سے کافی دور ہے۔"

ناگ نے ماریا سے پوچھا:

"ماریا! تم فرانس میں کئی دنوں سے ہو۔ کیا تمہیں ان راستوں کا کچھ پتہ ہے؟"

ماریا نے کہا:

"میں شہزادی کے رتھ میں سے فرانس کے ایک جنگل میں گری تھی جو یہاں سے پچاس میل کے فاصلے پر تھا وہاں سے میں پیدل یہاں آئی تھی۔ اس کے سوا میں

پیدل یہاں آئی تھی۔ اس کے سوا میں کسی راستے
سے واقف نہیں ہوں۔"

"شہزادی کا رتھ؟" ہیلن نے تعجب سے کہا "کونسی
شہزادی کا رتھ؟"

ناگ نے کہا:

"تم نے پھر ایسی باتوں میں دخل دینا شروع کر دیا
جن سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

ہیلن منہ پھلا کر بولی:

"میں خاموش ہو جاتی ہوں۔ مگر خدا کے لیے یہاں
سے بوردو شہر کو جانے والی سڑک پر مڑ جاؤ۔
وہاں سے ہم سرحد کی طرف روانہ ہو سکیں گے۔"

ناگ بولا:

"شاباش! بس ایسی باتیں کیا کرو۔ یہ بتاؤ کہ بوردو
جانے والی سڑک کہاں سے شروع ہوتی ہے؟"

"سامنے جو چوراہا آئے گا وہاں سے دائیں ہاتھ کو
ہو جانا۔"

چوراہے پر جا کر ناگ نے جیپ دائیں جانب کو موڑ لی۔
تھوڑی دیر بعد وہ شہر پیرس سے باہر آ گئے تھے اور
ان کی جیپ ایک کھلی سڑک پر جا رہی تھی۔ سڑک پر

جرمن فوجوں کے کانوائے گذر رہے تھے مگر کوئی ناگ کی
جیپ کی طرف دھیان نہیں دے رہا تھا جس کی ایک بڑی
وجہ یہ تھی کہ ناگ جرمن سپاہی کی وردی پہنے ہوئے تھا۔
دن بھر کے سفر کے بعد شام کو وہ بوردو کے چھوٹے
سے شہر میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک بہت بڑا فوجی ہوائی اڈہ
تھا جہاں سے جرمن طیارے اڑ کر لندن جا کر وہاں بمباری
کرتے تھے۔ ناگ ہیلن اور ماریا کو لے کر شہر سے باہر
ایک کھلی جگہ پر آ گیا جہاں درختوں میں ایک چھوٹی سی
پرانی عمارت کھڑی تھی۔ یہ ویران عمارت تھی اور آدھی
بمباری کی وجہ سے ڈھے چکی تھی۔ یہاں انہوں نے تھوڑا بہت
کھانا کھایا اور پھر وہاں سے فرار کی سکیم پر غور کرنے لگے۔

ماریا نے کہا:

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے کوئی طیارہ اغوا
کرنا چاہیے۔"

ہیلن نے کہا:

"یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ یہاں جرمن فوج کی
بھاری تعداد موجود ہے اور ہوائی اڈے سے صرف
بمبار طیارے ہی پرواز کرتے ہیں۔ کوئی مسافروں کا
طیارہ نہیں اڑتا۔"

ماریا نے کہا:

"میں بمبار طیارہ ہی اغوا کرنا چاہتی ہوں۔"

ہیلن حیرانی سے اُدھر دیکھنے لگی جدھر سے ماریا کی آواز آئی تھی۔ کیوں کہ وہ ماریا کی شکل تو دیکھ ہی نہیں سکتی تھی

ناگ کو ماریا کی یہ سکیم پسند آئی۔ کیوں کہ ایک طیارہ اگر وہ اغوا کر لیں تو ہزار بک بک سے ان کی جان چھوٹ جاتی تھی اور وہ ہیلن کو آدھے گھنٹے کے اندر اندر اس کے گھر لندن پہنچا سکتے تھے۔

اُس نے ماریا سے کہا:

"اس کے لیے ہمیں ہوائی اڈے پر جا کر طیاروں کی پرواز، وہاں پہرے داروں، فوج کی نفری اور نگرانی کرنے والوں کا جائزہ لینا ہوگا۔"

ماریا نے کہا:

"یہ کام میں کر لوں گی۔"

ہیلن بولی:

"اور ہوائی جہاز کون چلائے گا؟"

ناگ نے کہا:

"میں طیارہ چلا سکتا ہوں۔ میں ہوا باز بھی ہوں۔ شاید تمہیں علم نہیں۔"

ہیلن خاموش ہو گئی۔ اسے یہ سکیم بڑی خطرناک لگ رہی تھی، کہنے لگی:

"اس میں جان کا خطرہ ہے۔ جرمنوں کو ذرا شک پڑ گیا وہ طیارے کو فضا میں ہی تباہ کر دیں گے۔"

ماریا خاموش رہی۔

ناگ نے کہا:

"اس بات کی تم فکر نہ کرو ہیلن! اگر اس میں جان کا خطرہ ہوا تو ہم سکیم بدل دیں گے۔ ہمیں ہر حالت میں تمہیں تمہارے گھر پہنچانا ہے۔ میں نے تمہارے خاوند سے اس کا وعدہ کیا تھا اور میں اسے پورا کروں گا۔"

پھر اس نے ماریا سے کہا:

"ماریا تم ائر پورٹ پر جاؤ اور جائزہ لے کر آؤ کہ وہاں حالات کیا ہیں اور کتنے طیارے موجود ہیں۔"

"او کے۔"

ماریا یہ کہہ کر وہاں سے روانہ ہو گئی۔

اگرچہ وہاں چاروں طرف بلیک آؤٹ تھا مگر ماریا کو اندھیرے میں بھی سب کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ بوردو کا ہوائی اڈا وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ گیٹ پر دو جرمن

سپاہی مشین گنیں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ رن وے پر
دس بارہ بمبار اور لڑاکا طیارے اندھیرے میں کھڑے تھے۔
کنٹرول ٹاور میں جرمن فوجی موجود تھے مگر انہوں نے روشنی
بجھا رکھی تھی اور شیڈ والے مدھم لیمپوں کی مدد سے کام کر
رہے تھے۔ ہوائی اڈے کے چاروں طرف طیارہ شکن توپیں
مورچوں میں لگی ہوئی تھیں۔ یہاں سے کسی طیارے کو اغوا کر کے
لے جانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لیکن سمندر کے راستے سے
فرار ہونا بھی کوئی آسان بات نہیں تھی۔ جرمن جنگی جہاز اور
آبدوزیں سارے سمندری علاقے میں گشت کر رہی تھیں۔

ماریا نے واپس آ کر ساری صورت حال ناگ کو بتا دی۔
اب وہ اس بات پر غور کرنے لگے کہ طیارہ کس طرح اغوا کیا
جائے۔ کئی ایک ترکیبیں ان کے دماغ میں آئیں مگر ان پر
عمل کرنے میں ہیلن کی جان کو خطرہ تھا۔ آخر ناگ اور ماریا
نے ایک ترکیب پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگرچہ ہیلن کو
اس میں بھی اپنی جان کا خطرہ نظر آتا تھا مگر اس کے سوا کوئی
چارہ نہ تھا۔ دوسرے یہ بات بھی تھی کہ جرمنوں کا دباؤ بڑھ
رہا تھا۔ جتنی جلدی وہ وہاں سے نکل جائیں اتنا ہی اچھا تھا۔

جب رات آدھی سے کچھ زیادہ گزر گئی تو ناگ نے
ہیلن کو ساتھ لیا اور پرانی عمارت سے نکل کر درختوں کے

نیچے سے ہوتے ہوئے وہ ہوائی اڈے کی طرف چل پڑے۔
ماریا بھی ان کے ساتھ تھی۔ ناگ جرمن سپاہی کی وردی میں
تھا اور اس کے پاس رائفل بھی تھی۔ جیپ انہوں نے
وہیں چھوڑ دی تھی۔ ہوائی اڈے کے گیٹ سے کچھ فاصلے
پر آ کر ناگ اور ماریا نے ہیلن کو ایک جگہ جھاڑیوں میں
چھپے رہنے کو کہا اور خود گیٹ کی طرف چلے۔ دو جرمن فوجی
گیٹ کے دونوں جانب کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔

ناگ نے قریب جا کر جرمن زبان میں مدد مدد کی آواز
لگائی۔ دونوں پہرے داروں میں سے ایک پہرے دار ناگ
کی طرف بھاگا۔ اسے ناگ نے اور جو پیچھے کھڑا رہ گیا تھا
اسے ماریا نے سنبھال لیا۔ دونوں کو بے ہوش کر کے جھاڑیوں
میں پھینک دیا گیا۔ ایک جرمن سپاہی کی وردی اتار کر ہیلن
کو پہنا دی گئی۔ اس کے سر پر ہلمٹ رکھا تو وہ اس کے
سر سے ایک طرف گھوم گئی۔

ناگ نے کہا:
"ہمت سے کام لو ہیلن۔"
ہیلن نے ہلمٹ کو سر پر اچھی طرح جماتے ہوئے کہا:
"یہ بھاری ہے۔ کیا کروں؟"
"شی۔ خاموش!" ماریا نے کہا۔

دور سے ایک جیپ کی مدھم روشنی دکھائی دی۔ یہ
جیپ ہوائی اڈے کے گیٹ کی طرف آ رہی تھی۔
ناگ نے ہیلن سے کہا:
"جرمن سپاہی بن کر گیٹ کی ایک طرف کھڑی ہو جاؤ۔"
ہیلن جلدی سے گیٹ کی ایک طرف اور ناگ دوسری
طرف کھڑے جیسے پہرہ دے رہے ہوں۔ جیپ گیٹ کے
قریب آ کر رک گئی۔ ناگ نے دیکھا کہ جیپ میں جرمن
ائر فورس کا کوئی بڑا افسر اکیلا سوار تھا۔ وہ خود ہی جیپ چلا
رہا تھا۔ ناگ نے آگے بڑھ کر سیلوٹ کیا اور شناختی کارڈ طلب
کیا۔ جرمن افسر نے جھک کر ناگ کو دیکھا اور بٹوے سے شناختی
کارڈ اس کے حوالے کرتے ہوئے پوچھا:
"تمہارا رنگ اتنا سانولا کیوں ہو گیا ہے؟"
ناگ نے کہا:
"سر! دھوپ میں بھی پہرہ دیتا ہوں۔"
افسر نے کہا:
"ہمارے دوسرے سپاہی بھی دھوپ میں پہرہ دیتے
ہیں مگر وہ کالے نہیں ہوئے۔"
ناگ نے کارڈ واپس کرتے ہوئے کہا:
"سر! میری جلدی بڑی نازک ہے۔ اس پر دھوپ

کا جلدی اثر ہوتا ہے۔"
جرمن افسر نے جیب سے پستول نکال کر کہا:
"پھر اب تم مجھے اپنا شناختی کارڈ دکھاؤ اور رائفل
نیچے پھینک دو۔"
ناگ نے رائفل نیچے پھینک دی اور یونہی جیبیں ٹٹولتے
ہوئے اُردو زبان میں بولا:
"سالے! تیری بھی کم بختی آ گئی ہے۔ اری ماریا بی بی
اس کی بھی ذرا خبر لینا بدبخت کی۔"
جرمن افسر نے پستول اوپر کرتے ہوئے کہا:
"کیا کہہ رہے ہو؟ یہ کس زبان میں بات کر رہے
ہو؟ ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔ جلدی، نہیں تو گولی
چلا دوں گا۔"
لیکن گولی چلانے کی ماریا نے اسے مہلت ہی نہیں دی۔
ایک اُلٹا ہاتھ اس کی گردن پر پیچھے سے مارا اور جرمن افسر
کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر پرے گرا اور وہ منہ کے
بل جیپ کے سٹیرنگ پر بے ہوش ہو کر گرا۔
ناگ نے کہا:
"شکریہ ماریا۔"
"اب اسے یہاں سے ہٹاؤ کمینے کو۔" ماریا بولی۔

ناگ نے کہا:

"میں اس کی وردی پہنوں گا۔"

"ناگ بھیا! تم کتنی بار وردیاں بدلتے پھرو گے؟"

"ماریا! اس کی وردی ہمارا راستہ صاف کر دے گی۔"

اور اس نے جرمن افسر کی وردی پہن کر اسے جھاڑیوں میں پھینکا۔ ہیلن کو جو یہ ڈرامہ سہمی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی ساتھ بٹھایا اور جیپ لے کر گیٹ کے اندر داخل ہو گیا۔

ہوائی اڈے پر اندھیرا چھایا گیا۔ کنٹرول ٹاور پر دھیمی دھیمی سی روشنی ہو رہی تھی۔ ناگ نے جیپ کی روشنیاں بجھا دیں اور اسے ایک طرف لے جا کر کھڑا کر دیا۔ پھر وہ ہیلن کو ساتھ لے کر جیپ سے اُترا اور جس طرف بمبار ہوائی جہاز کھڑے تھے اُدھر کو چلا۔ ماریا کی خوشبو ناگ کو برابر آ رہی تھی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ بھی ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ وہ بمبار طیاروں کے قریب پہنچے تو انہوں نے ایک جرمن سپاہی کو دیکھا جو طیاروں کے آگے پہرہ دے رہا تھا۔ ناگ اور ہیلن چونکہ جرمن فوج کی وردیوں میں تھے اس لیے وہ بے دھڑک پہرے دار کے سامنے آ گئے۔ ناگ کو جرمن ائر فورس کے اعلیٰ افسر

کی وردی میں دیکھ کر سپاہی نے زور دار سلیوٹ کیا۔ ناگ نے سلیوٹ کا جواب دے کر طیارے کا رُخ کیا تو جرمن پہرے دار نے ڈرتے ڈرتے پوچھا:

"سر! آپ کے پاس اجازت نامہ ہے؟"

"شٹ اَپ! تمہیں مجھ سے اجازت نامہ طلب کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"سوری سر!"

جرمن سپاہی پرے ہٹ گیا۔

ماریا نے ناگ کے کان میں کہا:

"اب جلدی سے طیارے میں سوار ہو جاؤ۔ یہ موقع نکل گیا تو پچھتانا پڑے گا۔"

ناگ ایک بمبار B-۵۲ طیارے کے پَر پر چڑھا۔ کاک پٹ کا دروازہ اوپر اٹھایا اور ہیلن سے کہا:

"آفیسر! میرے ساتھ آؤ۔"

"یس سر!"

ہیلن نے سلیوٹ مار کر کہا اور طیارے میں ناگ کے ساتھ والی پائیلٹ کی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ماریا پچھلی سیٹ پر جا بیٹھی جہاں سے مشین گن فائر کی جاتی ہے۔ جرمن سپاہی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا مگر وہ انہیں افسر سمجھ کر خاموش

تھا۔ ابھی تک ہوائی اڈے کے کنٹرول ٹاور والوں کو کچھ خبر نہیں تھی کہ ادھر کیا ہو رہا ہے اور یہ کہ ایک بمبار طیارہ بغیر اجازت پرواز کرنے والا ہے۔ ناگ اور ہیلن نے سیٹ پر بیٹھنے کے بعد کاک پٹ کا ڈھکنا اوپر بند کر دیا۔ ہلمٹ والا آکسیجن گیس ماسک پہنا۔ ناگ نے دو انگلیاں کھڑی کر کے ہوا میں لہرائیں اور یہ اطمینان کرنے کے لیے کہ ماریا طیارے میں سوار ہو گئی ہے اسے آواز دی۔ پچھلی سیٹ پر سے ماریا نے کہا:

"میں تمہارے ساتھ ہوں ناگ! اب جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل چلو۔"

ناگ نے دل میں بسم اللہ پڑھ کر انجن سٹارٹ کر دیا۔ انجن کے سٹارٹ ہوتے ہی کنٹرول ٹاور کو پتہ چل گیا کہ کوئی طیارہ پرواز کرنے والا ہے۔ مگر اس نے ٹاور سے اجازت طلب نہیں کی۔ ناگ اور ہیلن نے جو کانوں کے ساتھ وائرلیس کے ہیڈ فون لگا رکھے تھے ان پر کنٹرول ٹاور کے فلائٹ کنٹرولر کی آواز گونجی:

"ہیلو! اپنی شناخت بتاؤ۔"

ناگ خاموش رہا۔ طیارہ رن وے پر آہستہ آہستہ اس مقام کی طرف جا رہا تھا جہاں سے اس نے پرواز کر جانا تھا۔

آواز پھر بلند ہوئی:

"ہیلو! تم کون ہو؟ طیارے کو روک دو نہیں تو تمہیں گرا لیا جائے گا۔"

ناگ نے کوئی جواب دیا۔ اور طیارے کی رفتار تیز کر دی۔ ہوائی اڈے پر خطرے کا الارم چیخ اٹھا۔ ایک دم سے گاڑیاں طیارے کی طرف روانہ ہو گئیں۔ ناگ نے رفتار اور تیز کر دی۔ طیارہ خاص مقام پر پہنچ گیا تھا۔ ماریا نے کہا:

"طیارے کو فضا میں بلند کرو۔"

ناگ نے انجن کو پورا کھول دیا۔ ایک زبردست دھچکے کے ساتھ طیارہ رن وے پر بھاگنے لگا۔ اس کے پیچھے جرمن گاڑیاں گولیاں برسا رہی تھیں۔ طیارہ پوری رفتار سے بھاگا جا رہا تھا۔ دو گاڑیاں آگے سے موڑ کاٹ کر طیارے کے آگے آ گئیں مگر جب انہوں نے دیکھا کہ طیارہ پوری رفتار پر چلا آ رہا ہے اور جلدی سے ایک طرف ہٹ گئیں۔ ایک ٹینک کہیں سے نکل آیا۔ اس نے گولہ پھینکا جو طیارے کے قریب آ کر پھٹا۔ دھماکے سے طیارہ ہل گیا۔

ہیلن نے چیخ ماری۔

ماریا نے چلا کر کہا:

"اسے اوپر اڑاؤ ناگ"

ناگ نے سٹک پیچھے کھینچ لی اور طیارے نے زمین چھوڑ دی اور فضا میں بلند ہو گیا۔ چھوٹا بمبار طیارہ تھا۔ فوراً فضا میں اوپر اٹھا اور بڑی تیزی سے اوپر آسمان کی طرف بلند ہوتا چلا گیا۔ ہیلن اور ماریا نے خدا کا شکر ادا کیا۔

ناگ نے کہا:

"ابھی ہم خطرے سے باہر نہیں آئے۔"

نیچے سے طیارے پر طیارہ شکن توپوں نے گولیاں برسانی شروع کر دی تھیں۔ لمبی تباہ کن گولیاں طیارے کے ارد گرد سے اوپر گذر رہی تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی گولی طیارے سے ٹکرا کر اسے آگ لگا سکتی تھی۔ مگر ناگ ایک ماہر ہواباز کی طرح طیارے کو بچاتا ہوا اوپر سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔ نیچے ہوائی اڈہ اب نظر نہیں آ رہا تھا۔

ہیلن بولی:

"جرمن لڑاکا طیارے ضرور ہمارا پیچھا کریں گے۔"

"دیکھا جائے گا۔" ناگ نے کہا:

پھر اس نے ماریا سے کہا:

"ماریا گن تیار رکھنا۔ ہو سکتا ہے ہمیں فضا میں تھوڑی جنگ کرنی پڑ جائے۔"

ماریا نے جواب میں کہا:

"میں تیار ہوں ناگ! اور میری گن بھی تیار ہے۔"

آخر وہی ہوا جس کا انہیں خطرہ تھا۔ ناگ نے طیارے کا رخ انگلستان کی طرف پھیر دیا تھا۔ دو منٹ بھی نہیں گذرے ہوں گے کہ ایک چھوٹا لڑاکا جرمن طیارہ زناٹے کے ساتھ ناگ کے جہاز کے پہلو سے گذر گیا۔ اس کی گولیاں تڑاتڑ طیارے کے اوپر سے ہو کر گذر گئیں۔

ناگ نے پکار کر کہا:

"ماریا! جرمن لڑاکا طیارے کو نشانہ بناؤ۔"

ماریا نے کہا:

"دو جرمن طیارے ہیں۔ میں کوشش کر رہی ہوں۔"

اور جونہی دوسرا لڑاکا طیارہ اوپر آیا ماریا نے اس پر گولیاں برسائیں۔ مگر لڑاکا طیارہ آگے نکل چکا تھا۔ اب فضا میں جھڑپ شروع ہو گئی۔ ماریا نے ایک جرمن لڑاکا طیارے کو نشانہ بنا کر گولیاں چلائیں تو اس کی دم پر جا کر لگیں اور طیارے کو آگ لگ گئی۔ وہ فضا میں آگ کا گولہ بن کر نیچے کو گرا اور پھٹ گیا۔

ماریا نے خوشی سے نعرہ بلند کیا:

"میں نے ایک طیارہ مار لیا ہے۔"

"شاباش!" ناگ نے اسے داد دی۔

ہیلن نے کہا:

"دوسرا لڑاکا طیارہ ہمیں مار گرائے گا۔ ہم بچ نہ سکیں گے۔"

ناگ چلایا:

"ہیلن! خدا کے لیے تم خاموش رہو اور ہمیں آرام سے لڑنے دو۔"

پھر اس نے لڑاکا طیارے کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ماریا سے کہا:

"ماریا! دشمن کا طیارہ سامنے سے آ رہا ہے۔ میں اس کے اوپر غوطہ لگاؤں گا۔ تم اس پر فائر کرنا۔"

اور ناگ نے طیارے کو بلند کرنے کے لیے ایک بٹن کو باہر کی طرف کھینچا۔ طیارہ ایک دم سے بلند ہو گیا مگر وہ بٹن ٹوٹ کر ناگ کے ہاتھ میں آ گیا۔ ماریا نے دشمن کے طیارے پر فائرنگ کی مگر وہ اس کی زد سے نکل چکا تھا۔ ناگ کے طیارے کا رخ اوپر آسمان کی جانب تھا اور وہ اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا جا رہا تھا۔ ناگ نے طیارے کو نیچے کی طرف لا کر رخ بدلنے کی کوشش کی مگر وہ ایسا نہ کر سکا کیوں کہ طیارے کے رخ کو نیچے کی طرف موڑنے والا بٹن ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ ہیلن ناگ کے ساتھ والی سیٹ

پر بیٹھی تھی۔ اس نے کہا:

"طیارے کو نیچے کرو ناگ۔"

"بٹن ٹوٹ گیا ہے، میں کیا کروں۔"

ناگ نے بٹن ہیلن کو دیتے ہوئے کہا۔ یہ لوہے کا بٹن تھا جو دوبارہ نہیں جڑ سکتا تھا۔ دوسری طرف جرمن لڑاکا طیارہ ایک بار حملہ کرنے کے لیے اوپر کو اٹھا مگر ناگ کا بمبار طیارہ اتنی بلندی پر چلا گیا تھا کہ وہ اس تک نہ پہنچ سکا اور واپس ہوائی اڈے کی طرف مڑ گیا۔

ماریا نے خوش ہو کر کہا:

"وہ واپس چلا گیا ہے۔"

ہیلن بولی:

"لیکن ہمارا طیارہ واپس زمین پر نہ جا سکے گا۔"

"کیوں؟ کیا ہوا؟" ماریا نے پوچھا۔

ناگ طیارے کا رخ نیچے کی طرف کرنے کی بے حد کوشش کر رہا تھا مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے ماریا کو بتایا کہ طیارے کا وہ سوئچ ٹوٹ گیا ہے جو طیارے کا رخ نیچے کی طرف کرتا ہے۔ اب تو ماریا بھی پریشان ہو گئی۔ اس نے اوپر دیکھا۔ ستارے چمک رہے تھے اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ قریب آ رہے ہیں۔ طیارے میں دو گھنٹے کا پٹرول

تھا اور ناگ نے سوچا کہ اگر دو گھنٹے تک اسی طر
ان کا طیارہ آسمان کی طرف اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا گیا ت
کہیں وہ زمین کی فضا سے باہر نہ نکل جائیں۔ اس نے طیار
کا رخ نیچے کرنے کے لیے سر توڑ کوشش شروع کر دی
جہاں سے بٹن ٹوٹا تھا اس سوراخ کے اندر تار ڈال کر
سوئچ کو گھمانے کی کئی بار کوشش کی مگر وہ اس میں کامیا
نہ ہو سکا۔ ہیلن کا خوف کے مارے برا حال ہو رہا تھا
ماریا الگ پریشان تھی۔ کیونکہ اس قسم کی مصیبت کا انہیں کبھ
سامنا نہیں ہوا تھا۔

پیارے دوستو! یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ ہماری
زمین کے ارد گرد ساٹھ میل تک فضا پھیلی ہوئی ہے۔
ساٹھ میل تک زمین کی کشش کام کرتی ہے۔ اگر کوئی
زمین سے بلند ہو کر ساٹھ میل سے اوپر چلی جائے تو
اسے زمین اپنی طرف نہیں کھینچ سکے گی اور وہ شے زمین
کے مدار میں داخل ہو کر اس کے ارد گرد گھومنا شروع
کر دے گی۔ یعنی وہ شے خلاء میں داخل ہو جائے گی
جہاں نہ زمین کی کشش ہے اور نہ سانس لینے کے لیے
آکسیجن ہوتی ہے۔

ناگ کو اندر ہی اندر یہی پریشانی تھی کہ اگر طیارے کا

رخ نیچے کی طرف نہ ہو سکا اور وہ زمین کی فضا سے
نکل کر خلا میں داخل ہو گیا تو کیا ہوگا؟ ان کے پاس آکسیجن
بھی اتنی زیادہ نہیں تھی۔ ناگ اور ماریا آکسیجن کے بغیر کچھ
روز زندہ رہ سکتے تھے مگر ہیلن دو منٹ بھی زندہ نہ رہ
سکتی تھی۔

ماریا نے کہا:

"ناگ! ایک بار پھر طیارے کو نیچے لانے کے
کوشش کرو۔"

ناگ بولا:

"میں یہی کام کر رہا ہوں مگر کامیاب نہیں ہو رہا۔"

ہیلن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے:

"میرے خدا! کیا میری موت خلا میں لکھی ہے؟"

"خاموش خدا کے لیے خاموش ہیلن!" ناگ نے چیخ کر کہا۔

ہیلن خاموش ہو گئی مگر اس کی آنکھوں سے آنسو برابر بہہ
رہے تھے۔ ناگ نے آخری بار طیارے کو نیچے لانے کے
لیے سوئچ کے اندر پیچ کس ڈال کر اسے گھمانے کی کوشش
کی تو پیچ کس ٹوٹ کر آدھا اندر ہی رہ گیا۔ ناگ نے اپنا
سر پکڑ لیا اور ناامیدی سے بولا:

"ماریا! کھیل ختم ہو گیا۔ لگتا ہے اب کوئی معجزہ

ہی ہمیں زمین پر واپس لے جائے گا۔"

ہیلن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ناگ نے اب اسے بالکل نہ ڈانٹا بلکہ پیار اور محبت سے حوصلہ دینے لگا۔ ماریا بھی خاموش تھی۔ کیوں کہ ایسی صورت حال پہلے کبھی پیش نہیں آئی تھی۔ وہ ہزاروں سالوں سے سفر کر رہے تھے۔ مگر اس قسم کی مصیبت انہیں پہلے کبھی نہیں پہلے کبھی نہیں پڑی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس مشکل کا کوئی حل نہ تو ماریا کے ذہن میں آ رہا تھا اور نہ ناگ کے ذہن میں آ رہا تھا۔

ماریا نے سوچا:

"ناگ! کیا کوئی اور ترکیب کی جا سکتی ہے؟"

ناگ بولا:

"ماریا بہن! میری تو سمجھ میں اور کوئی ترکیب نہیں آ رہی۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ طیارہ اب زمین کی فضا سے نکل جائے گا۔"

ہیلن نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئی۔

ماریا نے کہا:

"اسے کچھ دیر بے ہوش رہنے دو۔ یہ ہمیں بھی پریشان کرتی ہے اور سوچنے نہیں دیتی۔"

ناگ نے کہا:

"ماریا بہن ہم کیا سوچ سکتے ہیں اب یہ بے چاری سچی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ اب ہم شاید کبھی واپس زمین پر نہیں جا سکیں گے۔"

ماریا نے کہا:

"تم انجن بند کر دو۔"

ناگ بولا:

"انجن بند کر دو تو طیارہ زمین پر گرنے لگے گا۔"

ماریا نے کہا:

"نیچے گرنے لگے تو پھر سٹارٹ کر دینا۔"

ناگ نے کہا:

"میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ کیوں کہ اب تو یہ امید ہے کہ ہو سکتا ہے ہم کسی سیارے میں پہنچ جائیں۔ انجن دوبارا سٹارٹ نہ ہوا تو میں اور تم تو بچ جائیں گے مگر ہیلن کے جسم کے پرخچے اڑ جائیں گے۔"

ناگ نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ انہوں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔ ستارے زیادہ چمکیلے زیادہ روشن ہوتے جا رہے تھے اور آسمان

کا رنگ نیلے کی بجائے سیاہ پڑتا جا رہا تھا۔ اس کا بالکل
صاف مطلب یہ تھا کہ وہ زمین کی فضا سے دُور ہو
رہے ہیں اور خلا قریب آ رہا ہے۔
ماریا نے کہا:
"ایسا لگتا ہے ہم خلا میں داخل ہونے والے ہیں۔"
ناگ نے جو کہ اب ناامید ہو چکا تھا کہا:
"لگتا کیا ہے ماریا ہم خلا میں داخل ہونے ہی
والے ہیں۔"
ماریا نے کہا:
"یہ ایک حیرت ناک تجربہ ہوگا ناگ۔"
ناگ بولا:
"حیرت ناک نہیں بلکہ ہیبت ناک ہو۔ ہم زمین
پر چھ سات ہزار سال سے سفر کر رہے ہیں مگر
خلاء میں کبھی ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں گئے۔
خدا جانے آگے ہماری قسمت میں کیا لکھا ہے۔"
ماریا بولی:
"جو ہوگا اب ہمیں دیکھنا پڑے گا۔"
ناگ نے کہا:
"وہ تو ٹھیک ہے مگر مجھے ہیلن کی فکر کھائے جا

رہی ہے۔ میں نے اس کے خاوند سے وعدہ کیا
تھا کہ اسے حفاظت سے اس کے گھر پہنچا دوں گا۔"
ماریا نے کہا:
"اب کیا ہو سکتا ہے۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔"
ناگ اور ماریا دونوں خاموش ہو کر طیارے میں اپنی اپنی
سیٹوں میں آکسیجن کے ماسک چڑھائے بیٹھے رہے۔ طیارہ
برابر اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا جا رہا تھا۔
ماریا نے پوچھا:
"طیارے میں کتنا پٹرول باقی رہ گیا ہے؟"
ناگ نے سامنے لگے ہوئے ڈائل کو دیکھ کر کہا:
"ابھی ایک گھنٹے کا پٹرول باقی ہے۔"
ماریا نے کہا:
"ہم تو میرا خیال ہے کہ آدھے گھنٹے میں خلا میں پہنچ
کر زمین کے مدار میں داخل ہو جائیں گے اور پھر
ہمیں نہ طیارے کے انجن کی ضرورت ہوگی اور
نہ پٹرول کی۔"
ناگ بولا:
"لیکن ہیلن کے لیے آکسیجن کی ضرورت ہوگی جو کہ صرف
دو دن کے لیے ہمارے پاس باقی رہ گئی ہے۔"

ماریا نے کہا:

"ناگ! اب ہم خداوند تعالیٰ کے رحم و کرم پر ہیں زمین سے اوپر کیا ہے؟ یہ نہ تم جانتے ہو نہ میں جانتی ہوں۔ سنا ہم نے بہت کچھ ہے مگر اصل حقیقت کیا ہے؟ یہ خدا ہی جانتا ہے۔ آؤ ہم خدا کے حضور دعا کریں کہ وہ ہماری حفاظت کرے۔"

دونوں نے آنکھیں بند کر لیں اور خدا کے حضور دعا کرنے لگے۔ اچانک ایک کڑاکے کی آواز سنائی دی۔ دونوں نے آنکھیں کھول دیں۔ کوئی شے ان کے طیارے کے قریب سے ہو کر گذر گئی تھی۔ ناگ نے وقت دیکھا۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ مگر یہ سونیا کا ٹائم تھا۔ اس نے ستاروں کو دیکھا۔ وہ مدھم ہونے کی بجائے تیزی سے چمک رہے تھے اور انگاروں کی طرح لگ رہے تھے۔

"یہ آواز کیسی تھی ناگ؟" ماریا نے پوچھا۔

ناگ نے کہا:

"کوئی چیز ہمارے طیارے کے قریب سے ہو کر گذر رہی ہے۔"

ماریا نے کہا:

"خدا کا شکر ہے کہ وہ ہمارے طیارے سے ٹکرائی نہیں۔"

ابھی یہ لفظ ماریا کی زبان پر ہی تھے کہ کوئی شے طیارے کے ساتھ آ کر زور سے لگی اور ایک دھچکے کے ساتھ طیارے کا رُخ زمین کی طرف مڑ گیا۔ طیارہ جتنی تیز رفتاری سے اوپر خلا کی طرف جا رہا تھا اتنی ہی رفتار کے ساتھ نیچے زمین کی طرف جانے لگا۔

ماریا نے خوشی سے کہا:

"ہم نیچے زمین کی طرف جا رہے ہیں۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا یہ کیا ہو رہا ہے۔" ناگ نے کہا:

"طیارے کو کنٹرول میں رکھنا ناگ۔"

ہیلن ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ طیارہ زمین کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔ مگر ابھی تک زمین کی کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جب طیارہ زمین سے چالیس ہزار فٹ کی بلندی پر آ گیا تو ناگ نے اس کا رُخ سیدھا کر دیا۔ طیارے کے سارے کل پرزے بالکل ٹھیک کام کر رہے تھے

ماریا نے کہا:

"کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم پھر واپس جرمنی کے کسی شہر میں پہنچ جائیں۔ اس کا رُخ انگلستان کی طرف رکھنا۔"

ناگ بولا:

یہی کوشش کر رہا ہوں:"

اب انہیں زمین پر کہیں کہیں روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ ناگ طیارے کو نیچے لا رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ انگلستان ہی کے کسی شہر میں اترے گا۔ اس نے وائرلیس پر نیچے کسی بھی کنٹرول ٹاور سے بات کرنے کی کوشش کی۔ ایک کنٹرول ٹاور نے کافی دیر کی کوشش کے بعد ناگ سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آ رہا ہے۔

ناگ نے کہا:

"میرے طیارے میں خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ میں اترنا چاہتا ہوں۔ آپ کس شہر سے بول رہے ہیں؟"

معلوم ہوا کہ وہ انگلستان کے ایک شہر برسٹل کا ائرپورٹ ہے۔ تھوڑی دیر بعد ناگ نے طیارے کو ائرپورٹ پر اتار دیا۔ جب ائرپورٹ والوں نے جرمن طیارے کو دیکھا تو فوجی پولیس کو خبر کر دی۔ پولیس نے طیارے کو گھیرے میں لے لیا۔ ہیلن کو اب ہوش آ چکا تھا۔ ان دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ فوجی ہیڈ کوارٹر میں جا کر ناگ نے ساری کہانی بیان کی اور بتایا کہ وہ کس طرح ہیلن کو لے کر لندن روانہ ہو گیا۔ ماریا اس کے ساتھ تھی۔ ہیلن کو اس کے گھر پہنچا کر ناگ نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے ایک بہت بڑی

ذمے داری کو پورا کیا۔ ہیلن نے بھی ناگ اور ماریا کا شکریہ ادا کیا۔ ایک روز ہیلن کے گھر آرام کرنے کے بعد ناگ اور ماریا لندن شہر سے عنبر کی تلاش میں ملک عراق کی طرف روانہ ہو گئے کیونکہ انہوں نے عنبر کی خوشبو آج سے برابر بارہ سو برس پہلے عراق کے دارالخلافہ کے قریب محسوس کی تھی۔ ناگ اور ماریا کو ابھی بارہ سو برس تاریخ میں پیچھے جانا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا مرحلہ تھا۔

○

تکیے کے نیچے خنجر

اب ذرا عنبر کی خبر لیتے ہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔

عنبر ہارون الرشید کے بغداد کے زمانے میں تھا اور چونکہ اس نے مصریوں کا لباس پہن رکھا تھا اس لیے دو عرب اونٹ سواروں نے اسے اپنے ساتھ لے لیا اور کہا کہ وہ اسے اپنے ساتھ بغداد پہنچا دیں گے۔ اصل میں ان کا مطلب یہ تھا کہ وہ بغداد میں عنبر کو لے جا کر بغداد کے سپاہیوں کے حوالے کر دیں گے اور انعام حاصل کریں گے۔ کیوں کہ خلیفہ ہارون الرشید کی طرف سے اعلان کر دیا گیا تھا کہ جو کوئی کسی مصری کو پکڑ کر لائے گا اسے انعام ملے گا۔

عنبر کو اس کا علم نہیں تھا۔ وہ اونٹ سواروں کے ساتھ چھ روز تک صحراؤں میں سفر کرتا رہا۔ ساتویں روز وہ بغداد پہنچ گئے۔ وہاں ایک سرائے میں اترنے کے بعد ایک اونٹ سوار سیدھا بغداد کے سپاہیوں کے پاس گیا اور کہا کہ وہ ایک مصری کو پکڑ کر لائے ہیں۔ سپاہی

فوراً سرائے میں آ گئے۔ انہوں نے عنبر کو گرفتار کر لیا اور دونوں اونٹ سواروں کو انعام دیا گیا۔ اب عنبر پر یہ بھید کھلا کہ وہ لوگ اسے اپنے ساتھ بغداد کیوں لائے تھے۔ مگر عنبر نے انہیں کچھ نہ کہا۔ وہ سپاہیوں کے ساتھ چلا گیا جنہوں نے اسے قید خانے میں ڈال دیا۔ عنبر بھی کسی جگہ آرام سے بیٹھ کر ناگ اور ماریا کے بارے میں سوچنا چاہتا تھا کہ وہ کہاں ہوں گے اور ان سے کیسے ملا جا سکتا ہے۔

قید خانے میں عنبر کو دن میں تھوڑی دیر کے لیے چکی پیسنی پڑتی تھی۔ عنبر میں اتنی طاقت تھی کہ وہ چکی پیستے ہوئے ذرا بھی نہ تھکتا تھا۔ بلکہ وہ دوسرے قیدیوں کا بھی کام کر دیتا تھا۔ دوسرے قیدی اس کا بڑا خیال رکھتے تھے۔

ابھی عنبر کو قید خانے میں آئے چوتھا پانچواں دن ہی تھا کہ قید خانے میں یہ بات پھیل گئی کہ بادشاہ خلیفہ ہارون الرشید سخت بیمار ہے۔ حکیم اس کا علاج کر رہے ہیں مگر خلیفہ کا مرض بڑھتا جا رہا ہے اور وہ مرنے کے قریب ہے۔ عنبر چونکہ جڑی بوٹیوں کا بڑا ماہر تھا اس لیے اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے وہ خلیفہ ہارون الرشید کو تندرست کر دے۔

عنبر نے قید خانے کے داروغے سے کہا کہ اس کے چ

ایک ایسی دوائی ہے جس سے وہ خلیفہ کو تندرست کر سکتا
ہے۔ وارڈ کو یہ لالچ تھا کہ اگر خلیفہ تندرست ہو گیا تو اسے
بھی انعام ملے گا۔ اس نے کسی نہ کسی طرح خلیفہ ہارون الرشید
تک عنبر کا پیغام پہنچا دیا۔ خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ اس قیدی
کو طلب کیا جائے۔ عنبر شاہی محل میں آ گیا۔ دیکھا کہ بادشاہ کی
بیماری کی وجہ سے ہر طرف سوگ پڑا ہوا ہے۔ عنبر کو سب سے
پہلے بادشاہ کے وزیر برمکی کے سامنے پیش کیا گیا۔

عنبر نے کہا:

"سب سے پہلے تو مجھے اس الزام سے بری کیا جائے
کہ میں حکومت کا دشمن ہوں اور مصری ہوں۔ میں مصر
میں ضرور پیدا ہوا تھا مگر کسی حکومت سے میری
دشمنی نہیں ہے۔"

وزیر برمکی نے کہا:

"ہم تمہیں اس الزام سے بری کرتے ہیں مگر یہ بتاؤ
کہ تمہارے پاس ایسی کون سی دوائی ہے جو بادشاہ
سلامت کو تندرست کر سکتی ہے۔"

عنبر نے کہا:

"پہلے مجھے یہ بتایا جائے کہ بادشاہ کو بیماری کون سی
ہے؟"

وزیر نے کہا:

"تین چار روز کی بات ہے۔ بادشاہ سلامت دربار
میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک یہودی نجومی نے
آ کر زائچہ بنایا اور بتایا کہ شاہی فوجیں ایران کے
شمالی صوبے میں داخل ہو گئی ہیں یہ بات درست
نکلی۔ بادشاہ سلامت یہودی نجومی کے ستاروں کے
علم سے بڑے متاثر ہوئے۔ انہوں نے نجومی سے
پوچھا کہ اچھا زائچہ بنا کر بتاؤ کہ ہماری عمر کتنے سال
باقی رہ گئی ہے۔ احمق یہودی نے بادشاہ سلامت
کا زائچہ بنایا اور کہا کہ حضور آپ کی عمر صرف دو سال
باقی رہ گئی ہے۔ دو سال کے بعد آپ وفات پا
جائیں گے۔ اتنا سننا تھا کہ بادشاہ سلامت کا رنگ
زرد ہو گیا اور موت کا خوف طاری ہو گیا۔ بس اس
روز سے بادشاہ کمزور سے کمزور ہوتے جا رہے ہیں
اور کوئی دن کے مہمان ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ تم ان
کا کیا علاج کرو گے اور کیسے علاج کرو گے؟"

عنبر کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا:

"کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ مجھے بادشاہ سلامت خلیفہ
ہارون الرشید کے سامنے پیش کیا جائے اور وہاں

یہودی نجومی کو بھی بلا لیا جائے؟"
وزیر برمکی نے کہا:
"کیوں نہیں۔ مگر تم بادشاہ کا علاج کیا کرو گے؟"
عنبر بولا:
"یہ میں بادشاہ کے سامنے بتاؤں گا۔ ہاں میری ایک اور شرط ہے۔"
"کیا شرط ہے وہ؟" وزیر نے پوچھا۔
عنبر نے کہا:
"میری شرط یہ ہے کہ اس وقت میں جو حکم دوں اسے فوراً پورا کر دیا جائے۔"
"تمہاری شرط قبول کی جاتی ہے۔" وزیر نے کہا۔
وزیر برمکی اسی وقت بادشاہ سلامت کے پاس گیا اور اسے ساری بات بیان کی۔ بادشاہ سلامت موت کے خوف سے مر رہا تھا بولا:
"اسے فوراً لاؤ۔ شاید وہ میرے موت کے خوف کو میرے دل سے نکال سکے۔ مگر نجومی نے تو کہا تھا کہ ما بدولت دو سال بعد مر جائیں گے اس کا علاج کیا ہو سکتا ہے۔"
اور یہ کہہ کر بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

وزیر نے کہا:
"حضورِ انور! عنبر مجھے کوئی نہایت عقل مند حکیم لگتا ہے، ہو سکتا ہے وہ حضور کے دل سے موت کا خوف نکال دے۔"
"مگر وہ موت کو تو نہیں ٹال سکتا۔"
وزیر بولا:
"حضور انور! نجومی کا زائچہ بھی تو غلط ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے جھوٹ بولا ہو۔"
"اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے اور پھر اس کا آج تک کوئی زائچہ غلط نہیں نکلا۔"
بادشاہ نے کہا اور آہ بھر کر آنکھیں بند کر لیں۔ وزیر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد عنبر کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ عنبر نے جھک کر تعظیم کی۔ بادشاہ نے اشارے سے سلام کا جواب دیا۔ عنبر نے دیکھا کہ بادشاہ کا رنگ زرد ہے اور موت کے خوف سے سوکھ کر کانٹا ہو رہا ہے۔ شاہی حکیم پاس کھڑا ہے اور تھوڑی دیر بعد بادشاہ کو عرق صندل پلاتا ہے۔ مگر عنبر کو معلوم تھا کہ یہ بادشاہ کی بیماری کا علاج نہیں ہے۔ عنبر کی شرط کے مطابق اس یہودی نجومی کو بھی وہاں لایا گیا جس نے یہ پیش گوئی کی تھی

بادشاہ سلامت دو سال بعد مر جائیں گے اور جس کی
پیش گوئی کی وجہ سے بادشاہ کا بُرا حال ہو رہا تھا اور
وہ مرنے والا ہو گیا تھا۔

بادشاہ نے آہستہ سے کہا:

"اے حکیم عنبر! یہ ہمارا شاہی نجومی ہے۔ اس کا
حساب کبھی غلط نہیں ہوا۔ اس نے حساب لگا کر
زائچہ بنا کر آج تک جو کچھ کہا درست ثابت ہوا۔
پھر بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس نے ہماری
عمر کے بارے میں جو حساب لگایا ہے وہ غلط ہو۔
بس! اب اللہ ہی اللہ ہے۔ ہماری عمر دو برس
باقی رہ گئی ہے۔ کاش! ہم زیادہ دیر زندہ
رہ سکتے۔"

یہ کہہ کر بادشاہ نے ٹھنڈی آہ بھری اور ان کی آنکھوں
سے آنسو جاری ہو گئے۔ عنبر بڑے غور سے یہودی جوتشی
کو دیکھنے لگا جس کے زائچے اور حساب کی وجہ سے بادشاہ
سلامت پر مصیبت ٹوٹ پڑی تھی۔ یہودی جوتشی یعنی
نجومی بڑی شان سے کھڑا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کا
حساب کبھی غلط ہوا ہی نہیں۔ خود بادشاہ سلامت نے کہا
ہے کہ اس نے آج تک جو حساب لگایا بالکل سچ ثابت

ہوا۔ وہ عنبر کو حقارت کی نظروں سے تک رہا تھا کہ یہ
نوجوان حکیم کہاں سے آ گیا ہے اس کے حساب کو غلط
ثابت کرنے۔

عنبر نے وزیر اعظم برمکی سے کہا:

"وزیر صاحب! آپ کو میری دوسری شرط یاد ہے
کہ میں جو حکم دوں گا اسے پورا کیا جائے گا؟"

وزیر اعظم برمکی بولا:

"ہاں اے نوجوان حکیم! مجھے یاد ہے۔"

اب عنبر یہودی نجومی کی طرف متوجہ ہوا:

"اے یہودی نجومی! کیا تمہارا لگایا ہوا حساب ہمیشہ
سچ ہوتا ہے؟"

یہودی نجومی نے گردن اکڑا کر کہا:

"میرا حساب کبھی غلط نہیں نکلتا۔ میں نے یہ علم
چالیس برس کی ریاضت سے سیکھا ہے۔"

عنبر نے پوچھا:

"تمہارے حساب کے مطابق بادشاہ سلامت کی
عمر کتنے برس باقی رہ گئی ہے؟"

یہودی نجومی نے کہا:

"میرے حساب کے مطابق بادشاہ کی عمر صرف دو

سال باقی رہ گئی ہے"

عنبر نے کہا:

"کیا تمہیں یقین ہے کہ بادشاہ سلامت دو برس سے زیادہ زندہ نہیں رہیں گے؟"

"بالکل نہیں۔ میرا حساب یہی کہتا ہے"

عنبر نے پوچھا:

"اچھا اب تم حساب لگا کر یہ بتاؤ کہ تمہاری عمر کتنی باقی رہ گئی ہے؟"

یہودی نجومی اس سوال سے کچھ تھوڑا سا گھبرایا، مگر جلد ہی سنبھل گیا اور بولا:

"میں ابھی حساب لگا کر بتائے دیتا ہوں"

اور نجومی نے حساب لگانا شروع کر دیا۔ بادشاہ خلیفہ ہارون الرشید اور وزیراعظم اور شاہی حکیم عنبر کے سوالوں کو غور سے سن رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد یہودی نجومی نے اپنا زائچہ بنا لیا اور مسکراتے ہوئے بولا:

"سنو اے نوجوان حکیم! میری عمر کا زائچہ میرے سامنے ہے۔ اس زائچے کے مطابق میری عمر ابھی چالیس برس باقی ہے"

عنبر نے کہا:

"یعنی تم ابھی نہیں مر سکتے"

"ہرگز نہیں۔ میں ابھی چالیس برس تک زندہ رہوں گا"

اتنا سن کر عنبر نے وزیر اعظم کی طرف دیکھا اور ہاتھ سے یہودی نجومی کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"میری شرط پوری کی جائے۔ اس یہودی نجومی کا سر کاٹ کر بادشاہ سلامت کے سامنے پیش کیا جائے"

یہودی نجومی تو خوف سے کانپنے لگا۔ عنبر نے بادشاہ سلامت کی طرف دیکھا:

"حضور انور! میری شرط پوری ہونی چاہیے"

وزیر اعظم نے ایک پہرے دار کی طرف دیکھ کر حکم دیا:

"نجومی کو لے جاؤ اور اس کا سر کاٹ کر بادشاہ سلامت کے حضور پیش کرو"

یہودی نجومی کی ٹانگوں میں چلنے کی بھی طاقت نہیں رہی تھی۔ سپاہی اسے اٹھا کر باہر لے گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد نجومی کا سر کاٹ کر طشت میں رکھ کر بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔

عنبر نے کہا:

"حضور انور! یہ اس شخص کا سر ہے جو ابھی ابھی کہہ رہا تھا کہ میری عمر ابھی چالیس سال باقی ہے اور میں نہیں مر سکتا۔ میں ابھی چالیس برس تک زندہ رہوں گا۔ آپ خود اندازہ لگا لیجئے کہ جو شخص اپنے بارے میں حساب غلط لگاتا ہے وہ آپ کے بارے میں کیسے صحیح حساب لگائے گا۔ جسے خود نہیں معلوم تھا کہ میری عمر دس سیکنڈ رہ گئی ہے وہ آپ کے بارے میں کیسے کہہ سکتا ہے کہ آپ کی عمر دو برس باقی رہ گئی ہے؟"

خلیفہ ہارون الرشید یہ سن کر عنبر کی ذہانت پر دنگ رہ گیا۔ وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے عنبر کو قریب بلا کر اسے گلے سے لگایا اور کہا:

"اے نوجوان! تو نے مجھے پھر سے نئی زندگی دے دی ہے۔ میں تمہارا احسان عمر بھر نہیں بھولوں گا۔"

عنبر نے کہا:

"اے بادشاہ سلامت! نئی زندگی اللہ تعالےٰ نے آپ کو دی ہے۔ اس نجومی نے آپ کے سامنے جھوٹ بولا تھا۔ زندگی اور موت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے صرف اللہ ہی جانتا ہے کہ کسی کی

کتنی زندگی باقی ہے۔ اس لیے اب خوش ہو کر اٹھیے اور رعایا کی خدمت کیجیے۔"

ہارون الرشید کے چہرے پر پھر سے زندگی کی تازگی آ گئی۔ وزیر اعظم برمکی اور شاہی حکیم بھی بادشاہ کو پھر سے تندرست ہوتے دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ انہوں نے عنبر کی عقل مندی کی بہت تعریف کی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے عنبر سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور بغداد میں اس کا کیوں کر آنا ہوا تھا؟ عنبر نے ساری کہانی بیان کر دی اور یہ بھی کہا کہ وہ مصر میں ضرور پیدا ہوا تھا مگر وہ کسی حکومت کے خلاف نہیں ہے:

"اگر میں آپ کا دشمن ہوتا تو آپ کو تندرست نہ کرتا۔ آپ کا دشمن یہ یہودی نجومی تھا جس کا سر آپ کے سامنے پڑا ہے۔"

خلیفہ ہارون الرشید نے کہا:

"آج سے تم ہمارے خاص مشیر ہو اور ہمارے طبیبِ خاص بھی ہو۔"

عنبر نے کہا:

"حضور انور! حکیم خاص آپ کے شاہی حکیم صاحب ہی ہوں گے مگر آپ کے حکم کے مطابق میں

ان کی مدد ضرور کروں گا۔"

وزیر اعظم اور شاہی حکیم نے کہا کہ ہم عنبر کے ساتھ تعاون کریں گے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے خوش ہو کر عنبر کو گلے کا قیمتی ہار تحفے میں دیا اور اسی وقت حکم صادر کر دیا کہ عنبر کو محل کے خوب صورت باغ میں ایک سنگِ مرمر کا مکان عطا کیا جائے اور نوکر چاکر ہر وقت اس کی خدمت کے لیے وہاں موجود ہوں۔ عنبر نے بادشاہ سلامت کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے لوٹ کر اپنے شاہی مکان میں آگیا۔

عنبر کو ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن وہ وہاں رہ کر ناگ اور ماریا کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ اس شاہی مکان میں رہنے لگا۔ وہ دن کے وقت بادشاہ کے دربار میں بھی جاتا اور شہر میں اور شہر کے ارد گرد گھوم پھر کر ناگ اور ماریا کو تلاش بھی کرتا۔ کتنے ہی دن گزر گئے مگر ناگ اور ماریا کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ عنبر نے بغداد چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ ایک روز بادشاہ سے اجازت طلب کرنے گیا تو بادشاہ بڑا پریشان تھا۔

عنبر نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو بادشاہ نے کہا:

"حسن بن صباح نے بغاوت کر دی ہے۔ اس نے اپنے قلعے میں اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ ہم بڑے پریشان ہیں کیوں کہ ہم اس کے قلعے کو فتح نہیں کر سکتے۔ ہماری فوجوں نے قلعے کا محاصرہ کر کے بھی دیکھ لیا ہے۔ قلعے کو کسی خفیہ طریقے سے رسد پہنچتی رہتی ہے۔ پانی قلعے کے اندر سے نکلتا ہے۔ ہم اسے فتح نہیں کر سکے۔"

عنبر نے کہا:

"کیا اس قلعے کو شاہی فوج بھی تباہ نہیں کر سکتی جہاں پناہ!"

بادشاہ نے فکر مند ہو کر کہا:

"حسن بن صباح کا قلعہ پہاڑی کے اوپر بڑی خطرناک چٹانوں کے درمیان بنا ہوا ہے۔ وہاں تک دنیا کی کوئی فوج نہیں جا سکتی۔ ہماری فوج نے کئی بار قلعے تک پہنچنے کی کوشش کی مگر حسن صباح کے سپاہیوں نے آگ کے تیروں کی بارش کر دی چونکہ وہ اوپر چٹانوں میں خفیہ ٹھکانے بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں اس لیے ہمارے سپاہی انہیں ہلاک نہیں کر سکتے۔ ہم حسن بن صباح کو کچل دینا چاہتے ہیں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ قلعے کو کیسے فتح کیا جائے؟"

عنبر نے حسن بن صباح کے بارے میں اور اس کے

قلعے کے بارے میں پہلے بھی بہت کچھ سن رکھا تھا۔
اسے یہ بھی معلوم تھا کہ حسن بن صباح کے سپاہی اس
کے ایک اشارے پر اس پر اپنی جان فدا کر دیتے
ہیں۔ اسی لیے انہیں فدائی کہا جاتا ہے اور اس کے فدائی
ہر جگہ پر موجود ہیں۔ وہ جس کو چاہے حسن صباح کے
اشارے پر قتل کر دیتے ہیں جس کو قتل کرنا ہو اس کے
پاس پہلے ایک خنجر پہنچاتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے
کہ ہم تمہیں قتل کرنے والے ہیں۔ وہ آدمی چاہے غاروں
کے اندر ہو چلا جائے حسن صباح کے فدائی اسے ٹھیک وقت
پر قتل کر ڈالتے ہیں۔ اس کے فدائی جاسوس بن کر شاہی
درباروں میں بھی بھیس بدل کر نوکریاں کرتے ہیں۔ کوئی نہیں
بتا سکتا کہ دربار میں کون سا آدمی حسن بن صباح کا فدائی
ہے اور وہ کس وقت کس کو قتل کر ڈالے گا۔ بادشاہ
نے عنبر کو سرہانے کے نیچے سے ایک دو دھاری آگے
سے مڑا ہوا خنجر نکال کر دکھایا اور کہا:
"حسن بن صباح کو اتنی جرأت ہو گئی ہے کہ اس
نے ہمیں بھی قتل کی دھمکی دی ہے اور یہ خنجر
اپنے کسی فدائی جاسوس کے ذریعے ہمارے سرہانے
کے نیچے رکھوا دیا ہے۔"

عنبر حیران رہ گیا۔ کہنے لگا:
"اس کا تو صاف صاف مطلب یہی نکلتا ہے کہ
حسن بن صباح کے جاسوس ہمارے دربار شاہی
میں بھی موجود ہیں۔"
بادشاہ بولا:
"ہاں — اور یہی بات ہمیں بہت زیادہ پریشان
کر رہی ہے۔ کیوں کہ ہم کسی شخص پر ہاتھ رکھ کر
نہیں کہہ سکتے کہ یہ شخص حسن بن صباح کا جاسوس ہے
اور ہمارا دشمن ہے۔"
عنبر سوچ میں پڑ گیا۔ بادشاہ کی زندگی خطرے میں تھی۔
وہ اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے بھی کہ وہ مسلمانوں
کا بادشاہ تھا اور اس لیے بھی کہ وہ بڑا نیک اور انصاف
پسند بادشاہ تھا اور غریب رعایا کی بڑی مدد کرتا تھا۔ اس
کا زندہ رہنا عالمِ اسلام اور غریب رعایا کے لیے بہت
ضروری تھا۔ مگر اس کا دشمن حسن بن صباح بے حد مکار
عیار اور چالاک شخص تھا۔ وہ ایک خطرناک پہاڑی پر
قلعہ بند ہو کر رہتا تھا اور اس کے سپاہی اس کے ذرا سے
اشارے پر اپنی جان قربان کر دیتے تھے۔ وہ ایک سفاک
قاتل تھا اور وہ اب تک کئی لوگوں کو ان کے گھروں میں

قتل کروا چکا تھا۔ چونکہ اس کے جاسوس جو اس پر جان
فدا کرتے تھے گھروں، محلوں، گلی کوچوں اور شاہی دربار
تک میں گھسے ہوئے تھے اس لیے اس کی زد سے کوئی
بھی بچا ہوا نہیں تھا۔ وہ جس کو چاہتا قتل کروا دیتا تھا یہی
وجہ تھی کہ خود بادشاہ پریشان تھا۔

بادشاہ نے عنبر سے کہا:

"ہم حسن بن صباح کے جاسوسوں کا سراغ نہیں لگا
سکتے۔ ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ وہ کس کس طرح کے
بھیس بدل کر ہمارے دربار میں موجود ہیں۔ اس
وقت ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ اس کے قلعے
کو کسی طریقے سے فتح کر کے تباہ کر دیا جائے۔
جب دشمن کا گڑھ ختم ہو جائے گا تو ہو سکتا ہے
کہ اس کی سرگرمیوں میں بھی کمی آ جائے۔"

عنبر نے کہا:

"بادشاہ سلامت! اس قلعے کو ہم طاقت کے ذریعے
نہیں بلکہ کسی ترکیب، کسی تدبیر کے ذریعے ہی
ختم کر سکتے ہیں۔"

بادشاہ نے کہا:

"یہی ہم بھی چاہتے ہیں کہ کوئی ایسی تدبیر نکالو کہ ہم

اس دشمن سے جو ہماری جان کا بھی قاتل ہے
نجات حاصل کریں اور اپنی رعایا کو بھی اس بدکردار
قاتل کے فتنے سے نجات دلوائیں۔"

عنبر سوچ میں پڑ گیا۔ بادشاہ نے خنجر کو سنگ مرمر کی
ہیرے موتی جڑی میز پر رکھا اور کہا:

"ہم دربار میں حسن بن صباح کے بارے میں کوئی
بات نہیں کر سکتے۔ ہمیں کوئی خبر نہیں کہ کون
اس کا جاسوس ہے اور اس کو ساری بات جا کر
بتا دے اس لیے ہم نے تمہیں خاص طور پر اپنی
خواب گاہ میں بلایا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"مجھے ایک دن غور کرنے کی مہلت دیجئے۔ اس
دوران میں آپ کسی سے اس بارے میں کوئی
بات نہ کریں۔ انشاء اللہ اس فتنے سے نجات کی
کوئی راہ نکل آئے گی۔"

اتنا کہہ کر عنبر نے جھک کر تعظیم کی اور باہر نکل گیا۔

دوسرے دن عنبر حسن بن صباح کے قلعے کو فتح کرنے اور
اس کے جاسوسوں کا سراغ لگانے کے بارے میں سوچتا رہا۔

حسن بن صباح نے اپنے قلعے کا نام ہی الموت یعنی موت

کا قلعہ رکھ چھوڑا تھا۔ کیوں کر وہاں تک باہر کا کوئی آدمی
نہیں پہنچ سکتا تھا اور وہاں بیٹھ کر لوگوں کو قتل کرنے کے
حکم جاری کیے جاتے تھے۔ حسن بن صباح نے اپنے قلعے
میں ایک جنت بھی بنا رکھی تھی۔ جہاں نہریں بہتی تھیں۔ پھولوں
کے تختے تھے اور اس کے فدائیوں کو وہاں بھنگ پلا کر
بھیج دیا جاتا تھا۔ وہ بھنگ کی ترنگ میں اس جھوٹی جنت
کی سیر کرتے اور پھر جب انہیں ہوش آنے لگتا تو حسن
بن صباح اٹھ کر وہ دوسروں کو بتاتے کہ رات انہوں نے
اپنے مالک کی جنت کی سیر کی تھی۔ حسن بن صباح نے اپنے
فدائیوں کو یقین دلا رکھا تھا کہ مرنے کے بعد وہ اسی جنت
میں ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے چلے جائیں گے۔ یہی وجہ تھی
کہ اس کا ہر فدائی ہر سپاہی اس پر جان قربان کر کے جلدی
سے جلدی اس بناوٹی جنت میں جانے کا خواہش مند تھا
اور وہ ذرا اشارہ کرتا تو اس کا فدائی اپنی جان قربان کر
دیتا تھا۔

حالات بڑے مشکل اور الجھے ہوئے تھے۔ مگر عنبر نے
بادشاہ کو بچانے اور قلعے کی بناوٹی جنت کو ہمیشہ کے لیے
ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسلام میں یہ ایک بہت بڑا
فتنہ تھا اور عنبر اس فتنے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر

دینا چاہتا تھا۔ شام کے وقت وہ بادشاہ سے ملنے دریا پر
گیا۔ بادشاہ دریا کے کنارے والے محل کے باغ میں
بیٹھا کچھ درباریوں سے گفتگو کر رہا تھا۔ اسے عنبر کے آنے
کی اطلاع ملی تو اس نے درباریوں کو رخصت کر دیا۔ وہ عنبر
سے اکیلے میں ملنا چاہتا تھا۔ عنبر نے آکر کورنش بجا لائی۔
بادشاہ آبنوس کے تخت پر بیٹھا تھا جس پر جواہرات کا چھتر
تھا۔ اس نے عنبر کی طرف دیکھا اور پوچھا:

"عنبر! تم نے کچھ سوچا؟"

عنبر نے کہا:

"بادشاہ سلامت! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ قلعہ
الموت کے فتنے کو ہمیشہ کے لیے مٹا دینا ہوگا۔
اس کے لیے میں بھیس بدل کر قلعے میں کسی طرح
سے داخل ہو جاؤں گا اور قلعے کے اس کمزور
پہلو کو تلاش کروں گا جہاں سے اسے تباہ کیا
جا سکتا ہے۔"

بادشاہ نے کہا:

"اگر تم قلعے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جاؤ
تو پھر تم حسن بن صباح کو قتل بھی کر سکتے ہو۔"

عنبر کو چونکہ اچھی طرح معلوم تھا کہ تاریخ میں حسن بن صباح

اس کے ہاتھوں قتل نہیں ہوا تھا اس لیے وہ اسے قتل
کر کے تاریخ کے آنے والے سارے واقعات کی کڑیوں کو
درہم برہم نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کہا،

"جہاں پناہ! میری سب سے پہلی کوشش یہی ہوگی
کہ حسن بن صباح کو قتل کر دوں۔ آپ فکر نہ کریں"

بادشاہ بولا:

"لیکن عنبر! اس قلعے میں داخل ہونا کوئی آسان بات
نہیں ہے۔ ایک تو وہ قلعہ بلند چٹانوں پر بنا ہوا ہے
پھر صباح کے جاں نثار فدائی راستے میں جگہ جگہ چھپ
کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا مسافر بھی
ادھر آ نکلے تو وہ اس کی تکا بوٹی کر دیتے ہیں"

عنبر نے کہا:

"بادشاہ سلامت! میں ان سب خطروں سے واقف
ہوں۔ اس کے باوجود میں قلعے میں داخل ہونے
کی کوشش کروں گا"

بادشاہ کہنے لگا:

"اگر تم اپنے ساتھ سپاہیوں کا مسلح دستہ لے جانا
چاہو تو میں اپنے بہترین جانباز مجاہد تمہارے ساتھ
بھجوا دوں گا"

عنبر بولا:

"اس کی ضرورت نہیں ہے جہاں پناہ! میں خفیہ
طریقے سے قلعے میں داخل ہونا چاہتا ہوں"

بادشاہ نے کہا:

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی عنبر! اگر تم اپنے
مقصد میں کامیاب ہو گئے تو سلطنت عباسیہ کی تاریخ
میں تمہارا نام سنہری حروف میں لکھا جائے گا"

"خدا مجھے کامیاب کرے"

"آمین!"

بادشاہ نے آگے بڑھ کر عنبر کو گلے لگایا۔ اس کے لیے دعا
کی اور عنبر واپس اپنے شاہی مکان کی طرف روانہ ہو گیا۔

O

تباہی کا راز

اسی رات بادشاہ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا۔

بادشاہ خلیفہ ہارون الرشید عنبر کو رخصت کرنے کے بعد اپنے شاہی محل میں آ گیا۔ کچھ وقت اس نے وزیر اعظم برمکی اور شاہی حکیم کے ساتھ گذارا۔ خلیفہ نے وزیر اعظم اور شاہی حکیم کو عنبر کے بارے میں کچھ نہ بتایا کہ وہ بھیس بدل کر قلعے میں جا کر حسن بن صباح کو ہلاک کرنے کی کوشش کرنے والا ہے۔ رات کو وہ اپنے خاص محل میں آ گیا۔ اس نے ملکہ اور بچوں کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ کچھ دیر باتیں کیں اور پھر اپنی خواب گاہ میں سونے کے لیے چلا گیا۔

بادشاہ باغ صباح کے بارے میں پریشان تھا۔ اگرچہ اس کے محل کے گرد سخت پہرہ لگا ہوا تھا پھر بھی اسے ہر دم اپنی جان کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حسن بن صباح کے جاں نثار فدائی ہر جگہ موجود ہوتے تھے اور وہ کسی کو بھی کسی بھی وقت ہلاک کر سکتے تھے۔ وہ بادشاہ کے کئی گورنروں، امیروں اور شہر کے سوداگروں کو قتل کر چکے تھے۔ انہوں نے تو بادشاہ کے تکیے کے نیچے بھی اس یاد دہانی کے لیے خنجر رکھ دیا تھا کہ ہم تمہیں بھی قتل کر سکتے ہیں جو شخص اس قدر سخت پہرے میں خنجر لے کر بادشاہ کے کمرے میں داخل ہو سکتا ہے وہ بادشاہ کو قتل بھی کر سکتا تھا۔ اسی لیے بادشاہ پریشان تھا۔ کیوں کہ اسے یہ بھی شک تھا کہ ہو سکتا ہے حسن بن صباح کا کوئی جانثار فدائی پہرے داروں میں سے کوئی ایک پہرے دار ہو اور وہ بادشاہ کو قتل کر دے۔

بادشاہ نے ایک خفیہ رسی پلنگ کے ساتھ لٹکا رکھی تھی جس کو کھینچنے سے سارے محل میں گھنٹیوں کا شور گونج اٹھتا تھا۔ اس رسی کے بارے میں سوائے بادشاہ اور اس آدمی کے جس نے اسے تیار کیا تھا اور کسی کو خبر نہیں تھی۔ بادشاہ کچھ دیر کمرے میں پلنگ کے پاس ٹہلتا رہا۔ پھر اس نے شمعیں بجھا دیں۔ خواب گاہ میں اندھیرا چھا گیا۔ صرف کھڑکی پر جو ریشمی پردا گرا ہوا تھا اس میں سے چاند کی ہلکی ہلکی روشنی چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔

جانے کیوں بادشاہ کا دل کہہ رہا تھا کہ آج کوئی بات ہونے والی ہے۔ اس نے پلنگ پر دو تکیے لٹا کر اوپر

کمبل ڈال دیا۔ ایسا لگنے لگا جیسے بادشاہ کمبل اوڑھے سو
رہا ہے اور خود تلوار لے کر پلنگ کے پیچھے چھپ کر
بیٹھ گیا۔ بادشاہ کا اندازہ بالکل صحیح نکلا۔ جب رات آدھی
سے زیادہ گذر گئی تو خواب گاہ کی کھڑکی کا پٹ ایک
طرف ہٹا اور ایک آدمی جس نے منہ سر لپیٹ رکھا
تھا ہاتھ میں چمکتا ہوا خنجر لیے اندر آ گیا۔ وہ سیدھا بادشاہ
کے پلنگ کے پاس آیا اور کمبل کے نیچے چھپائے ہوئے
سرہانوں کو بادشاہ سمجھ کر اس پر وار کر دیا۔
بادشاہ نے پلنگ کے پیچھے سے نکل کر قاتل کے
بازو پر تلوار کا بھرپور وار کیا جس سے اس کا پورا بازو کٹ
کر دور جا گرا۔ بادشاہ نے خطرے کی گھنٹیوں کی رسی کھینچ
دی۔ محل میں شور مچ گیا۔ قاتل درد سے کراہتا ہوا ایک
طرف کو گرا اور زمین پر گرے ہوئے خنجر سے خودکشی کرنے
ہی لگا تھا کہ بادشاہ نے دوسرا وار کر کے اس کا دوسرا
بازو بھی کاٹ دیا۔ اتنے میں سپاہی بھی تلواریں لہراتے
اندر آ گئے۔

بادشاہ نے حکم دیا:
"اسے قتل مت کرنا۔ زندہ رکھنے کی کوشش کرو۔"
بادشاہ کا خیال تھا کہ قاتل سے دوسرے ایسے جاسوسوں

کا پتہ چل جائے گا جو دربار میں موجود ہیں اور حسن بن
صباح کے اشاروں پر لوگوں کو قتل کرتے پھرتے ہیں مگر
قاتل نے ایک سپاہی کی تلوار پر اپنے آپ کو گرا دیا۔
تلوار اس کے پیٹ کے اندر جا گھسی اور وہ تڑپ
تڑپ کر مر گیا۔ عنبر بھی وہاں آ گیا تھا۔ بادشاہ نے اسے
ایک طرف لے جا کر اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ
قاتل نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا:
"ہم اس سے دوسرے جاسوسوں کے بارے میں
معلومات حاصل نہیں کر سکے۔"

عنبر نے پوچھا:
"یہ قاتل کون سا تھا؟ کیا اس کا تعلق شاہی دربار
سے تھا؟"

بادشاہ نے کہا:
"پریشانی کی یہی بات ہے کہ قاتل ہمارے شاہی
محل کا ایک پہرے دار تھا۔"

بادشاہ نے اسی وقت شاہی محل کے باقی تمام پہرے داروں
کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور عنبر سے کہا کہ اسے اپنی مہم
تیز کر دینی چاہیے۔
"اگر اس ملک کے بادشاہ پر قاتلانہ حملہ ہو سکتا ہے

تو پھر یہاں کے کسی آدمی کی زندگی سفاک قاتل حسن
بن صباح کے قاتلوں سے محفوظ نہیں ہے۔"
عنبر نے جواب میں کہا:
"میں کل اپنی مہم شروع کر رہا ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔
خدا نے چاہا تو اس فتنے کو خاک میں ملا دیا جائیگا۔"
عنبر اپنے سنگ مرمر کے مکان میں آکر ٹہلنے لگا۔ رات
کافی گذر چکی تھی۔ دریا کی طرف ہلکی ہلکی چاندنی میں کھجور کے
درختوں کے سائے سے دکھائی دے رہے تھے۔ ہر طرف خاموشی
تھی۔ رات کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ عنبر چھت کی بارہ دری
میں آکر دریا کا نظارہ کرنے لگا۔ چاند کی روشنی دریا پر پڑرہی
تھی اور اس کا پانی چمک رہا تھا۔

عنبر کو سامنے والے محل کی ڈیوڑھی سے ایک گھوڑ سوار
اندھیرے میں نکلتا نظر آیا۔ وہ محل کی دیوار کے ساتھ ساتھ
جنوب کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے انداز سے پتہ چل رہا
تھا کہ وہ کسی خفیہ مہم پر جا رہا ہے۔ ابھی ابھی بادشاہ سلامت
پر محل میں قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور اس کے تھوڑی دیر بعد
شاہی محل سے ایک گھوڑ سوار نکل کر جنوب کی پہاڑیوں کی
طرف آدھی رات کے اندھیرے میں بھاگا جا رہا تھا۔
عنبر فوراً اپنے مکان کی چھت سے نیچے اترا، گھوڑے

پر سوار ہوا اور اسے لے کر پُر اسرار گھوڑ سوار کے پیچھے پیچھے
روانہ ہو گیا۔ اس نے رات کے اندھیرے اور ہلکی ہلکی چاندنی
کے مطابق اتنا فاصلہ رکھا کہ پُر اسرار گھوڑ سوار اگر پیچھے مُڑ کر
دیکھے تو اسے عنبر نظر نہ آئے۔ گھوڑ سوار شہر کی فصیل سے
نکل کر ویران پہاڑیوں اور ٹیلوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ عنبر
اس کا برابر تعاقب کر رہا تھا۔

گھوڑ سوار بہت تیز گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ اس کا کالا
لبادہ ہوا میں اس کے پیچھے لہرا رہا تھا۔ عنبر اندھیرے میں
بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ گھوڑ سوار گھاٹیوں میں سے گذرتا،
ٹیلوں پر چڑھتا، وادی اور صحرا میں سے ہوتا اس پہاڑی کی
طرف روانہ ہو گیا جس کی چوٹی پر سنگلاخ اور نوکیلی چٹانوں
کے درمیان حسن بن صباح کا قلعہ بنا ہوا تھا۔ عنبر فوراً سمجھ
گیا کہ یہ گھوڑ سوار کوئی جاسوس ہے جو حسن بن صباح کو
بادشاہ پر ناکام قاتلانہ حملے کی خبر دینے جا رہا ہے۔ عنبر نے
اس کا پیچھا جاری رکھا۔ پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر گھوڑ سوار
ایک جگہ کھجوروں کے جھنڈ کے پاس رُک گیا۔ عنبر نے بھی
ریت کے ٹیلے کی اوٹ میں اپنا گھوڑا روک لیا۔
پر اسرار گھوڑ سوار نے ایک مشعل روشن کی اور اسے
تین بار ہوا میں لہرا کر ریت میں پھینک کر بجھا دیا اور

پہاڑی کی طرف دیکھنے لگا۔ چند لمحوں بعد پہاڑی کے اوپر کسی نے مشعل روشن کر کے تین بار ہوا میں لہرائی۔ اس کے ساتھ ہی گھوڑ سوار پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا۔ عنبر بھی اس کے پیچھے چل پڑا۔ جہاں پہاڑی کی چڑھائی شروع ہوتی تھی وہاں حسن صباح کے جاں نثار فدائی جھاڑیوں اور پتھریلی چٹانوں میں چھپ کر چوبیس گھنٹے پہرہ دیا کرتے تھے۔ گھوڑ سوار نے کوئی خفیہ لفظ بولا جس کے جواب میں جاں نثاروں نے ایک نعرہ لگایا اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔

پر اسرار گھوڑ سوار قلعے کی چڑھائی چڑھنے لگا۔

یہاں پہنچ کر عنبر رُک گیا۔ کیوں کہ اسے خفیہ لفظ معلوم نہیں تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اس راستے سے کیسے گذرے کہ جاں نثار پہرے داروں کو خبر تک نہ ہو۔ عنبر کو معلوم تھا کہ جاں نثاروں نے اس پر حملہ بھی کیا تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا مگر وہ خاموشی سے اور کسی کو خبر لگے بغیر قلعے میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ وہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ پہلا کام اس نے یہ کیا کہ گھوڑے کو واپس محل کی طرف بھگا دیا۔ پھر جھاڑیوں کے پیچھے سے ہو کر ریت پر کھسکتا کھسکتا ان بڑے بڑے پتھروں کی طرف بڑھا جن کے پیچھے پہرے دار جان نثار چھپے ہوئے تھے۔ عنبر نے

دیکھ لیا تھا کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر پتھروں اور جھاڑیوں کے پیچھے جانثار چھپے ہوئے ہیں اور پہرہ دے رہے ہیں۔

زمین پر رینگتے ہوئے عنبر ایک جاں نثار کے پیچھے پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ جاں نثار نے سیاہ لباس پہن رکھا ہے۔ سر پر سیاہ رنگ کا عمامہ بندھا ہے۔ گلے میں تلوار لٹکی ہوئی ہے۔ تیر کمان پاس پڑا ہے۔ خنجر ہاتھ میں ہے اور وہ گھات لگائے بیٹھا اس کچے راستے پر نظریں جمائے ہوئے ہے جو قلعے کی طرف جاتا ہے۔ یہاں جو کوئی بھی اجنبی مسافر گزرتا یہ جاں نثار اسے تیر مار کر ہلاک کر دیتے اور اس کی لاش گڑھے میں پھینک دیتے تھے۔ کسی کو ادھر آنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

عنبر رینگتا ہوا جانثار کے سر پر پہنچ گیا۔ اچانک جانثار کو آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے جونہی سر گھما کر پیچھے دیکھا عنبر نے اس کی گردن دونوں ہاتھوں میں دبوچ لی۔ جانثار نے خنجر سے عنبر کے جسم پر وار کرنے شروع کر دیئے۔ خنجر عنبر کے جسم میں کھپ رہے تھے مگر خون کا ایک قطرہ بھی نہیں نکل رہا تھا اور زخم بھی نہیں ہو رہے تھے۔ چند سیکنڈ سیکنڈ کے بعد ہی جانثار کے ہاتھ سست پڑ گئے۔ عنبر کے

لوہے ایسے ہاتھوں کے شکنجے نے جانثار کی گردن کی رگوں
کو مسل کر رکھ دیا۔ اس کی آنکھیں اور زبان باہر نکل آئی اور
وہ مرگیا۔ عنبر نے جلدی جلدی اپنا لباس اتار کر جانثار فدائی
کا سیاہ لبادہ پہن کر سیاہ عمامہ باندھا۔ کمر میں تلوار لٹکائی، ہاتھ
میں خنجر لیا اور جاں نثار کی لاش کو قریب ہی ایک گڑھے
میں پھینک کر اوپر جھاڑیاں ڈال دیں۔

پھر وہ خاموشی سے پتھروں کی اوٹ میں حسن بن صباح
کا جاں نثار بن کر چپکے سے بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اب
اسے کیا کرنا چاہیے۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ جانثار کب
پہرہ بدل کر قلعے میں جاتے ہیں۔ وہ اکیلا ایسا نہیں کرنا چاہتا
تھا۔ اس طرح سے اس کے راز فاش ہو جانے کا خطرہ تھا۔
اس کا کام حسن بن صباح کو قتل کرنا نہیں بلکہ قلعے کا
جائزہ لینا اور پھر یہ معلوم کرنا تھا کہ قلعے پر کس طرف سے
چڑھائی ہو سکتی ہے؟ قلعے کا جب محاصرہ کیا جاتا ہے
تو اس کے اندر کھانے پینے کی چیزیں کدھر سے جاتی
ہیں؟ اور دوسرے یہ کہ قلعے کو کس طریقے سے تباہ کیا جا
سکتا ہے۔ اس نے تاریخ میں پڑھ لیا تھا کہ حسن بن صباح
کو کسی نے قتل نہیں کیا تھا بلکہ قلعے کو تباہ ہوتے دیکھ
کر اس نے قلعے کی فصیل سے چھلانگ لگا کر خودکشی

کر لی تھی۔ عنبر تاریخ کے واقعات کو الٹ پلٹ نہیں کر سکتا
تھا۔ چنانچہ وہ کسی نہ کسی طرح قلعے کے اندر پہنچنا چاہتا تھا۔

جب رات گزر گئی اور صبح کا اجالا چاروں طرف پھیل
گیا تو رات کو پہرہ دینے والے جاں نثار پتھروں اور جھاڑیوں
کی اوٹ سے نکل نکل کر قلعے کی طرف جانے لگے۔ ان
کی جگہ دوسرے جاں نثار آ رہے تھے۔ عنبر بھی پتھروں کے
پیچھے سے نکل کر قلعے کی طرف چل پڑا۔ اب اسے ایک ڈر
یہ تھا کہ جانثار اسے اجنبی سمجھ کر گرفتار نہ کر لیں۔ وہ اسے
ہلاک تو کبھی بھی نہیں کر سکتے تھے مگر اس کے گرفتار ہو
جانے سے بھی عنبر کا کام رک جاتا تھا اور وہ اپنے کام
کو روکنا نہیں چاہتا تھا۔ عنبر کے پاس ایک جانثار آ کر
عربی میں بولا:

"رات مجھے اونگھ آ گئی تھی۔ پھر میں بہت جلد
ہوشیار ہو گیا۔ تمہیں تو اونگھ نہیں آئی تھی؟"

عنبر سمجھ گیا کہ یہاں رات کو پہرہ دینے والے جاں نثار
ایک دوسرے کی شکلوں سے زیادہ واقف نہیں ہیں، کیونکہ
اگر وہ ایک دوسرے کی شکلوں سے واقف ہوتے تو یہ
جاں نثار فوراً پہچان جاتا کہ عنبر کوئی اجنبی شخص ہے۔ اس
سے عنبر کو تسلی ہوئی۔ اس نے بھی عربی میں کہا:

"میں کبھی نہیں اونگھ سکتا۔ حسن بن صباح ہمارا مالک
ہے اس کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔"
دوسرا جانثار بولا:
"فرض نہیں ایمان ہے، کہو ایمان ہے۔"
عنبر نے جلدی سے کہا:
"ہاں - ایمان ہے۔"
پھر اس نے عنبر کی طرف غور سے دیکھ کر کہا:
"تم مجھے اجنبی دکھائی دیتے ہو۔"
عنبر پریشان ہو گیا۔ یونہی ذرا سا کھانس کر بولا:
"نہیں نہیں۔ میں تو ...."
جانثار نے اس کی بات کاٹ کر کہا:
"اچھا اچھا۔ تم جانثاروں کے اس دستے کے ساتھ
آئے ہو جو ملک شام سے کل رات قلعے میں
پہنچا تھا۔"
عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کل رات ملک شام سے
جانثاروں کا کوئی دستہ قلعے میں پہنچا تھا۔ اس نے فوراً
جواب دیا:
"ہاں ہاں۔ میں اسی دستے کے ساتھ آیا ہوں۔
میرا نام جبال بن غازی ہے۔"

جانثار نے اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھ کر کہا:
"خدا کی قسم تم شام کے لوگ غدار ہوتے ہو لیکن
اگر تم نے ہمارے مالک صباح کے خلاف کوئی
حرکت کی تو میری تلوار تمہارے اتنے ٹکڑے کریگی
کہ اسے کوئی بھی گن نہ سکے گا۔"
عنبر نے بھی اپنی تلوار پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا:
"خدا کی قسم ہماری جانیں مالک صباح پر قربان ہوں
ہم غدار نہیں ہیں۔ غداروں کو ہم ملک شام میں
پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔"
اسی طرح باتیں کرتے وہ قلعے کے دروازے پر پہنچ
گئے۔ عنبر نے دیکھا کہ قلعے کے دروازے تک ایک پُل بنا
ہوا تھا جو چٹانوں پر کھڑا تھا اور جس کے نیچے اتنی گہری
کھائی تھی کہ اگر کوئی انسان گر پڑے تو اس کی لاش بھی
نہ ملے۔ یہ پل لکڑی کا تھا اور قلعے کے دروازے کی جانب
سے رسوں کے ذریعے اوپر اٹھایا اور گرایا جاتا تھا۔ یہ پل
اس وقت اُوپر اُٹھا ہوا تھا۔ جب سب سیاہ پوش جانثار
وہاں جمع ہو گئے تو انہوں نے مل کر حسن بن صباح کی
جنت کا خفیہ نعرہ بلند کیا۔ اس کے ساتھ ہی پل نیچے آنے
لگا۔ جب پل کھائی کے اوپر چٹانوں کے ساتھ آ کر لگ
گیا تو سب جانثار اس پر سے گذر کر قلعے میں داخل

ہو گئے۔ عنبر بھی ان کے ساتھ ہی تھا۔
اب ایک اور مسئلہ سامنے کھڑا ہو گیا کہ قلعے میں جا کر عنبر کدھر جائے، اس نے یہی سوچا کہ دوسرے جانثاروں کے ساتھ چلتا جائے۔ کہیں نہ کہیں تو وہ جائیں گے ہی، آخر اس کے واقف جانثار نے اس کی طرف دیکھ کر کہا:
"جمال بن غازی! تم ادھر کہاں چلے آ رہے ہو تمہارے شام سے آئے ہوئے ساتھی تو قلعے کے جنوبی حجروں میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"
عنبر نے اپنی گھبراہٹ کو چھپاتے ہوئے مسکرا کر کہا:
"میں ذرا قلعے کی سیر کرنا چاہتا تھا۔"
جانثار نے اپنی لال لال آنکھوں سے عنبر کو گھورا اور کہا:
"کیا تمہیں شام سے روانہ ہوتے ہوئے کسی نے نہیں بتایا کہ یہ موت کا قلعہ ہے اور یہاں کسی کو سیر کی اجازت نہیں ہے؟"
عنبر نے سر کھجاتے ہوئے کہا،
"ہاں یاد آیا۔ غلطی ہو گئی۔ جا رہا ہوں۔"
اور عنبر یونہی منہ اٹھا کر قلعے کی مغربی جانب چل پڑا۔ وہ دکھانے کے لیے یوں چل رہا تھا جیسے اسے قلعے کے چپے چپے کی خبر ہو۔ حقیقت یہ تھی کہ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کدھر جا رہا ہے۔ اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ جب

وہ شام سے آئے ہوئے جاں نثاروں میں جائے گا تو وہ پہچان لیا جائے گا اور شامی جانثار ہی اسے اجنبی جاسوس سمجھ کر ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہلاک تو وہ نہیں ہو گا لیکن اس کا مشن ناکام ہو جائے گا اور بادشاہ کے ساتھ کیا ہوا وعدہ پورا نہ کر سکے گا اور دین اسلام کے خلاف اٹھے ہوئے اس فتنے کو بھی وہ نہ مٹا سکے گا جس کا عہد کر کے وہ شاہی محل سے نکلا تھا۔ قلعے کی مغربی جانب فصیل کی دیوار کے اندر غاروں کی شکل کے حجرے بنے ہوئے تھے۔ یہاں اس نے سیاہ کپڑوں والے جانثاروں کو دیکھا جو چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر پر کسی نے شک نہ کیا۔ شام سے آنے والے جانثار ایک دوسرے سے زیادہ واقف نہیں تھے۔
رات کے وقت ان جانثاروں کو حسن بن صباح کے دربار میں پیش کیا جانا تھا۔ یہ کل پندرہ جانثار تھے جن میں اب عنبر بھی شامل ہو گیا تھا۔ حسن بن صباح کا دربار قلعے نیچے تہہ خانے میں لگا تھا۔ عنبر دوسرے لوگوں کے ساتھ کئی ایک سیڑھیاں اتر کر تہہ خانے میں پہنچا۔ بہت بڑا ہال کمرہ تھا۔ فرش پر قالین بچھے تھے۔ چاندی کا تخت لگا تھا جس پر ایک سیاہ پوش اونچا لمبا مضبوط جسم اور چھوٹی سی سیاہ ڈاڑھی والا آدمی سر پر بڑا سیاہ عمامہ پہنے بیٹھا

تھا۔ اس کی آنکھیں عقاب کی طرح تیز اور چمکیلی تھیں۔
انگلیوں میں قیمتی جواہرات کی انگوٹھیاں تھیں۔ تخت کی دونوں
طرف صباح کے جانثار فدائی ننگی تلواریں لیے کھڑے تھے۔
شام سے آنے والے جانثاروں کو ایک ایک کر کے لایا جانے
لگا یہاں ان کی آخری آزمائش تھی۔ ہر جانثار کو بھنگ کا
پیالہ پینے کو دیا جاتا پھر ان کے بازو پر گرم گرم لوہے کی
مہر لگائی جاتی۔ اگر کوئی جانثار تکلیف سے چلاتا تو جلاد
وہیں کھڑے کھڑے اس کی گردن اتار دیتا۔ جب عنبر کی باری
آئی تو اسے حسن بن صباح کے سامنے لایا گیا۔ عنبر نے جھک
کر سلام کیا۔ مکار اور خونی صباح نے بڑے غور سے عنبر
کو دیکھا:

"تمہارا نام؟"

"جبال بن غازی مالک!"

"نجد کے ہو یا شام کے؟" حسن بن صباح نے پوچھا۔

عنبر نے یوں ہی کہہ دیا:

"نجد کا ہوں مالک۔"

حسن بن صباح مسکرایا:

"مگر تمہارا رنگ مصریوں جیسا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"میں مصر میں پیدا ہوا تھا۔"

حسن بن صباح کے پاس ایک طوطے کی ناک اور کرخت
چہرے والا بوڑھا کھڑا تھا۔ اس نے جھک کر صباح کے کان
میں کچھ کہا۔ صباح نے گھور کر عنبر کو دیکھا اور کہا:

"چلو ہماری غلامی کا نشان لگواؤ۔"

جسم داغنے والے نے آگے بڑھ کر عنبر کے بازو پر سے
کپڑا ہٹایا اور گرم گرم لوہا اس کے بازو پر لگا دیا۔ عنبر کو ذرا
سی بھی تکلیف نہ ہوئی مگر اس نے محض دکھاوے کی خاطر
چہرے پر معمولی سی تکلیف کا نشان بنایا اور آگے بڑھنے لگا
تو مہر لگانے والے نے عنبر کے بازو کو غور سے دیکھ کر کہا:

"مہر نہیں لگی۔"

حسن بن صباح نے اٹھ کر عنبر کے بازو کو دیکھا وہاں
سے گوشت جل کر پھر ٹھیک ہو گیا تھا۔ صباح نے عنبر کی
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا:

"یہ کیوں کر ہو گیا؟ کیا تم کوئی جادوگر ہو؟"

عنبر نے کہا:

"مالک! میرے پاس میرے باپ کی دی ہوئی
ایک خاص بوٹی ہے۔ اگر آپ وہ بوٹی پانی میں
گھول کر پی لیں تو دو روز تک آپ کے جسم پر
آگ کا اثر نہیں ہو گا۔"

حسن بن صباح نے کہا:
"کیا تم مجھے وہ بوٹی لا کر دے سکتے ہو؟"
عنبر بولا:
"مالک! وہ بوٹی میں نے ایک روز پہلے یہاں پہنچنے پر پانی میں گھول کر پی لی تھی۔ اب میں اسے آس پاس کے جنگلوں میں تلاش کر کے ہی آپ کو دے سکتا ہوں۔"
حسن بن صباح کے لیے یہ ایک انوکھی بوٹی تھی۔ اس نے کہا:
"تمہیں قلعے کے آس پاس اور قلعے کے اندر بوٹی تلاش کرنے کی اجازت ہے۔"
عنبر یہی چاہتا تھا کہ اسے قلعے کے اندر اور باہر سے دیکھنے کی کھلی چھٹی مل جائے۔ اس نے جھک کر آداب بجا لاتے ہوئے کہا:
"میں بوٹی تلاش کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔"
حسن بن صباح نے تلوار کھینچ لی اور اس کی نوک عنبر کی گردن پر رکھتے ہوئے کہا:
"کوشش نہیں۔ تمہیں بوٹی تلاش کرنی ہو گی۔ اگر دو روز کے اندر اندر تم بوٹی ہمارے پاس نہ لا سکے تو میں

اپنے ہاتھ سے تمہاری گردن اڑا دوں گا۔"
عنبر نے کہا:
"میں بوٹی تلاش کر لوں گا مالک! آپ فکر نہ کریں۔"
صباح مسکرایا:
"اب تم جا سکتے ہو۔ تمہیں قلعے کے اندر اور باہر گھومنے پھرنے کی آزادی ہے۔"
دوسرے روز عنبر نے قلعے کا گھوم پھر کر جائزہ لینا شروع کر دیا۔ قلعہ بہت بڑا تھا۔ اندر کھیت اور میدان تھے جھاڑیوں کی بھرمار تھی۔ ایک جگہ سے پہاڑی چشمہ بہہ رہا تھا۔ محاصرے کے وقت یہاں پانی اور گندم کا پورا پورا انتظام تھا۔ قلعے کی دیواریں چٹانوں کی بنی ہوئی تھیں جن پر نہ تو آگ اثر کرتی تھی اور نہ ان پر سیڑھیاں لگا کر چڑھا جا سکتا تھا۔ اس قلعے کو دنیا کی کوئی طاقت فتح نہیں کر سکتی تھی۔ بوٹی تلاش کرنے کا تو محض بہانہ تھا۔ عنبر نے قلعے کے باہر اور اندر گھوم پھر کر اس کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ قلعے کے اندر ایک پراسرار دنیا آباد تھی۔ دوسرے دن رات کو عنبر نے حسن بن صباح کی جنت کی بھی سیر کی۔ یہاں پھول کھلے تھے اور ٹھنڈے پانی کی نہریں بہہ رہی تھیں۔

حوریں گھوم پھر کر خدمت کر رہی تھیں۔ عنبر اس بناوٹی
جنت کے ایک دروازے میں سے گزر کر قلعے کے نیچے
آ گیا۔ یہاں غار بنا ہوا تھا۔ اس غار میں جگہ جگہ حسن
بن صباح کے جانثار بھنگ گھوٹ رہے تھے۔ عنبر کو
چونکہ ہر جگہ گھومنے کی اجازت تھی اس لیے کسی نے
اسے کچھ نہ کہا۔

عنبر غار میں آگے نکل گیا۔ ایک جگہ اس نے پتھروں
میں سے کالے رنگ کا تیل سا بہتا دیکھا۔ عنبر نے اسے
سونگھا۔ وہ خام شکل کا گندے بیروزے کا تیل تھا جو
فوراً آگ پکڑ لیتا تھا۔ حسن بن صباح کے آدمیوں کو اس
تیل کی خاصیت معلوم نہیں تھی۔ عنبر نے دیکھا کہ تیل
قلعے کے نیچے پورے غار میں پتھروں میں جگہ جگہ سے
رس رہا تھا۔ وہ غار کے اندر ہی اندر دور تک چلا گیا۔
آگے ایک جگہ غار ختم ہو جاتا تھا۔ یہاں اس سیاہ تیل
کا تالاب سا بنا ہوا تھا اور دیوار کے ایک سوراخ میں
سے تیل باہر کو بہہ رہا تھا۔

اچانک عنبر کا چہرہ کسی انوکھے خیال سے چمک اٹھا۔
اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ جس چیز کی تلاش میں وہاں
آیا تھا وہ اسے مل گئی ہے۔ وہ غار میں واپس چل پڑا۔

اب اسے وہاں رکنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اسی
رات وہاں سے فرار ہو جانا چاہتا تھا۔ جب رات کا
اندھیرا ہر طرف چھا گیا تو وہ اپنے حجرے سے نکلا اور
قلعے کی فصیل کی طرف چلا۔ وہ فصیل سے اتر کر نیچے
گہری کھائی کے اوپر بنے ہوئے پل پر سے دوسری طرف
چھلانگ لگا کر فرار ہونا چاہتا تھا۔

ابھی وہ فصیل تک نہیں پہنچا تھا کہ اچانک اندھیرے
میں سے ایک سایہ نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔ عنبر نے
دیکھا کہ یہ وہی طوطے کی ناک والا مکار بوڑھا تھا جو
حسن بن صباح کے پاس کھڑا تھا اور جس نے عنبر کے
بارے میں جھک کر صباح کے کان میں کچھ کہا تھا۔ وہ
مسکرا رہا تھا:

"جبال بن غازی! تمہیں ہمارے مالک نے یاد کیا ہے
کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گے؟"

عنبر نے سوچا کہ اس شخص سے الجھنے کا کوئی فائدہ
نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ اس کے ساتھ چل کر صباح سے
ملاقات کر لی جائے۔ ابھی تو بوٹی تلاش کر کے لانے میں
ایک دن باقی ہے۔ عنبر کے پاس مہلت کا وقت موجود
ہے۔ وہ مکار بوڑھے کے ساتھ چل دیا۔ بوڑھا اسے قلعے

کے ایک حجرے میں لے گیا جہاں حسن بن صباح ایک شان
کرسی پر تلوار ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا۔ اس نے عنبر کو کھا
جانے والی نظروں سے دیکھا اور گرج کر کہا:
"تم ہمارے قلعے سے فرار ہو رہے تھے؟"
عنبر حیران ہوا کہ اس شخص کو کیسے معلوم ہو گیا جبکہ
یہ حجرے میں بیٹھا ہے۔
عنبر نے کہا:
"مجھے فرار ہونے کی کیا ضرورت ہے مالک! ابھی
تو میری مہلت کا پورا کل کا دن باقی ہے اور مجھے
یقین ہے کہ میں بوٹی ضرور تلاش کر لوں گا۔"
حسن بن صباح مسکرایا۔ کرسی سے اُٹھا، عنبر کے بازو
کو پکڑا اور اسے باہر لے آیا۔ رات کا اندھیرا پھیلا تھا۔
حسن بن صباح کے ساتھ وہ مکار بوڑھا بھی تھا۔ اس
نے تالی بجائی۔ اچانک دس جانثار اندھیرے میں سے
نکل کر ادب سے سامنے آن کھڑے ہوئے۔
حسن بن صباح نے عنبر سے کہا:
"شاید تم میری طاقت سے واقف نہیں ہو۔ میں
تمہیں اس کا ایک نمونہ دکھاتا ہوں۔ یہ سارے جانثار
میرے ایک اشارے پر اپنی جان قربان کر دیں گے۔"

اس نے ایک جانثار کی طرف انگلی اٹھا کر کہا:
"مر جاؤ۔"
اور اس جاں نثار نے خنجر نکالا اور اپنے پیٹ میں
گھونپ دیا۔ وہ تڑپا اور وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ حسن بن صباح
نے دوسرے جانثار کو اشارہ کیا اور کہا:
"مر جاؤ۔"
دوسرے جانثار نے بھی خنجر سے خودکشی کر لی۔ اسی
طرح تیسرے نے بھی اپنے آپ کو ایک سیکنڈ میں ہلاک
کر ڈالا۔
عنبر نے جلدی سے کہا:
"بس بس مالک! مجھے یقین آ گیا۔ آپ کی طاقت
بہت زیادہ ہے۔"
حسن بن صباح نے عنبر کی گردن پر تلوار رکھ کر کہا:
"پھر تمہیں یہاں سے فرار ہونے اور ہمیں دھوکہ دینے
کی جرأت کیسے ہوئی؟"
عنبر کو ایک دم غصہ آ گیا۔ اس نے تلوار کو ہاتھ سے
پکڑ کر زور سے پرے کر دیا اور کہا:
"میں جب اور جس وقت چاہوں یہاں سے فرار
ہو سکتا ہوں۔ آدھی رات کا وقت میں نے اس

لیے چنا تھا کہ میں ناحق کسی انسان کا خون نہیں
کرنا چاہتا تھا۔"

حسن بن صباح کی تلوار کو یوں جھٹکنے کی آج تک کسی کو
جرأت نہیں ہوئی تھی۔ اس کے جانثاروں نے عنبر کو تلوار
جھٹکتے اور حسن بن صباح کی شان میں گستاخی کرتے دیکھا تو
اس پر خنجروں سے ٹوٹ پڑے کہ اس کی تکا بوٹی کردیں گے
وہ چھ سات جانثار تھے۔ حسن بن صباح نے بلند آواز
میں کہا:

"جو کوئی مجھ سے گستاخی کرتا ہے اس کی یہی سزا
ہوتی ہے۔"

جانثار عنبر پر خنجر چلا رہے تھے۔ وار پر وار کر رہے
تھے اور عنبر اپنی جگہ پر بڑے سکون سے کھڑا تھا۔ اُلٹے
خنجروں سے جانثاروں کے ہاتھ زخمی ہو گئے تھے۔ انہیں ایسا
لگ رہا تھا کہ وہ کسی پتھر کے بُت پر خنجروں کے وار کر
رہے ہیں۔ عنبر نے ایک جانثار کو گردن سے پکڑ کر کھینچا
اور اس کی کمر پر ہاتھ مار کر اسے یوں توڑ ڈالا جیسے کوئی
کسی درخت کی سوکھی ہوئی شاخ کو توڑتا ہے۔ اس کے
بعد عنبر نے دوسرے جانثار کو پکڑ کر ہوا میں اچھالا۔ وہ
زمین سے پچاس فٹ اوپر اچھلا اور قلعے کی گہری کھائی

میں گر گیا۔ حسن بن صباح، اس کا بوڑھا وزیر حیران و
پریشان کھڑے عنبر کو تک رہے تھے کہ یہ کس قسم کا
انسان ہے۔ اس کے اندر اتنی طاقت کہاں سے آگئی ہے
حسن بن صباح کی بہرحال توہین ہوئی تھی۔ اس نے تلوار
لہرائی اور عنبر کی گردن پر بھرپور ہاتھ مارا۔ مگر اس کی
تلوار عنبر کی پتھر ایسی گردن سے ٹکرا کر جھنجھنائی اور دو
ٹکڑے ہو گئی۔

عنبر نے حسن بن صباح کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:

"اے موت کے قلعے کے خونی قاتل! تُو کیا تیرا
باپ بھی مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

حسن بن صباح کا خون کھول اٹھا۔ جانثاروں نے نعرہ
لگایا اور عنبر پر خنجروں سے ایک بار پھر حملہ کر دیا۔
حسن بن صباح نے بھی خنجر نکال لیا اور عنبر کے پیٹ پر
وار کرنے لگا۔ عنبر نے حسن بن صباح کے جانثاروں کی
گردنیں ایک ایک کرکے توڑ ڈالیں۔ پھر حسن بن صباح
کی گردن پر ہاتھ رکھ کر بولا:

"میں ایک سیکنڈ میں تمہاری گردن توڑ سکتا ہوں
مگر میں ایسا نہیں کروں گا، کیوں کہ میں جانتا ہوں
کہ تمہاری موت میرے ہاتھوں نہیں لکھی۔ تم

کسی دوسرے طریقے سے مر گئے:

اب حسن بن صباح کو بھی محسوس ہوا کہ وہ کسی عام انسان کے سامنے نہیں کھڑا بلکہ کسی غیر معمولی طاقت کے انسان کے سامنے کھڑا ہے۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ عنبر پر آگ اثر نہیں کرتی اور اب اس نے اپنی آنکھوں سے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ تلوار خنجر بھی اس پر کوئی اثر نہیں کرتے۔ اب باقی کیا رہ گیا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس شخص کو مارا نہیں جا سکتا۔ نہ قتل کیا جا سکتا ہے۔ نہ آگ میں جلایا جا سکتا ہے۔ مگر حسن بن صباح ایک زبردست طاقت کا مالک تھا اور اتنی جلدی ہار ماننے والا نہیں تھا۔ غصے اور طیش کے مارے اس کا سارا بدن کانپ رہا تھا۔ اس نے شیر کی طرح گرج کر کہا:

"اسے پھانسی پر چڑھا دو۔"

اسی وقت جاں نثاروں نے عنبر کو جکڑ کر اس کے گلے میں رسی ڈال دی اور اسے قلعے کی فصیل پر لٹکانے کے لیے کھینچنے لگے۔ عنبر نے ایک ہی جھٹکے سے اپنے گلے کی موٹی رسی کو توڑ ڈالا اور جو آدمی اسے کھینچنے کی کوشش کر رہے تھے ان کے سروں کو ایک دوسرے سے اتنی زور سے ٹکرایا کہ ان کی کھوپڑیاں کھل گئیں اور وہ

وہیں ڈھیر ہو گئے۔

عنبر نے کہا:

"اے حسن بن صباح! تو مجھے نہ پھانسی لگا سکتا ہے نہ قتل کر سکتا ہے۔ اگر تو مجھے کھولتے ہوئے تیل کے کڑاہے میں بھی ڈال دے گا تو میں اس طرح باہر نکل آؤں گا جس طرح کوئی ٹھنڈے پانی کے کڑاہے سے باہر نکلتا ہے۔"

حسن بن صباح کے وزیر نے اس کے کان میں کچھ کہا۔ حسن بن صباح نے ایک سرد آہ بھری اور کہا:

"میرے ساتھ آؤ۔"

اور وہ عنبر کو لے کر اپنے خاص حجرے میں آ گیا۔ اس نے بوڑھے وزیر کو بھی وہاں سے بھیج دیا۔ اب حجرے میں وہ اور عنبر اکیلے رہ گئے تھے۔ یہاں شمع روشن تھی۔ حسن بن صباح کرسی پر بیٹھ گیا۔ عنبر بھی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ حسن بن صباح ایسے ظالم آدمی نے کسی دوسرے انسان کے آگے اپنی ہار مانی تھی۔ اس نے عنبر سے پوچھا:

"یہ جادو تم نے کہاں سے سیکھا ہے؟"

وہ عنبر کو کوئی بڑا زبردست جادوگر سمجھ رہا تھا۔ عنبر نے کہا

"نہیں کوئی جادوگر نہیں ہوں۔ میرے پاس کوئی جادو نہیں ہے۔"

صباح نے کہا:

"پھر تمہارے پاس اتنی طاقت کہاں سے آگئی؟ سوائے جادو کے اتنی طاقت کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔"

عنبر نے کہا:

"یہ طاقت مجھے خدا کے حکم سے ملی ہے اور دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا جادوگر بھی میری طاقت کو ضائع نہیں کر سکتا۔"

حسن بن صباح نے عنبر کی طرف جھک کر کہا:

"کیا تم مجھے اپنی طاقت میں شامل نہیں کر سکتے۔ اگر تم میرے ساتھ مل جاؤ تو ہم ساری دنیا پر حکومت کر سکتے ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"اے بے رحم انسان! میری بات غور سے سن! میں جانتا ہوں تیرا انجام کیا ہو گا۔ میں تجھے تیرے انجام سے نہیں بچا سکتا۔ لیکن تجھے آخرت کے عذاب سے بچنے کی ترکیب بتا سکتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ

ظلم کرنا چھوڑ دے۔ اس قلعے سے باہر نکل کر انسانوں کی خدمت کر۔ غریبوں کی مدد کر۔ کسی کو اپنے ظلم کا نشانہ نہ بنا کسی کو قتل نہ کر اور اپنے گناہوں سے توبہ کر۔"

حسن بن صباح نے قہقہہ لگایا اور کہا:

"تم جادوگر ہو۔ مجھے نصیحتیں مت کرو۔ اگر تیرے پاس جادو کی طاقت نہ ہوتی تو میں تمہارے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلا دیتا۔ بہتر یہی ہے کہ میرے قلعے سے اسی وقت ابھی نکل جاؤ اور پھر کبھی اس طرف کا رُخ نہ کرنا۔"

عنبر اُٹھ کھڑا ہوا۔ سمجھ گیا کہ اس ظالم شخص پر نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہو گا اور تاریخ میں اس کا جو انجام لکھا جا چکا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ عنبر اسی وقت قلعے سے باہر نکل گیا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور رات کے پچھلے پہر اپنے سنگِ مرمر کے مکان میں پہنچ گیا۔

دوسرے روز وہ خلیفہ ہارون الرشید سے ملنے گیا۔ اس نے بادشاہ کو اور تو کوئی بات نہ بتائی۔ صرف یہ بتایا کہ اس نے قلعے کی تباہی کا راز دریافت کر لیا ہے۔ بادشاہ کے لیے اس سے بڑی اور کیا خوش خبری ہو سکتی تھی۔ اسی

روز وہ اکیلا گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے کی پہاڑیوں کی
طرف نکل گیا۔ اسے قلعے کے پچھواڑے کی پہاڑیوں کی
اس جگہ کی تلاش تھی جہاں سے آگ پکڑنے والا گندے
بیروزے کا تیل بہہ رہا تھا۔ اس تیل کو اس نے قلعے کے
نیچے سارے غار میں پھیلے ہوئے دیکھا تھا۔ سارا دن وہ
اس پہاڑی دیوار کی تلاش میں لگا رہا۔ اسے کامیابی نہ
ہوئی۔ دوسرے روز وہ پھر پہاڑیوں میں نکل آیا۔ وہ پہاڑیوں
میں گھوم پھر کر ایک ایک پتھر کو ایک ایک پتھریلی دیوار
کو غور سے دیکھتا۔ ٹٹولتا اور سونگھتا۔ آخر بڑی کوشش
کے بعد اسے وہ جگہ مل گئی۔ جہاں سے سیاہ رنگ کا
تیل بہہ رہا تھا۔ یہ تیل قلعے کے غاروں سے باہر نکل رہا
تھا۔ عنبر کا چہرہ خوشی سے دمک اُٹھا۔ اس علاقے میں
اس پر کئی جگہوں سے تیروں کی بارش کی گئی۔ اسے کئی تیر
بھی لگے مگر اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

شاہی محل میں واپس آکر اس نے بادشاہ سے کہا
کہ قلعے پر حملہ کر دیا جائے۔

بادشاہ اس کا منہ تکنے لگا:

"حملہ تو ہم کئی بار کر چکے ہیں مگر سوائے ذلت و
خواری کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔"

عنبر نے کہا:

"اس دفعہ آپ میری نگرانی میں حملہ کریں گے
یقین کریں فتح آپ کی قسمت میں لکھی جا
چکی ہے۔"

عنبر نے خلیفہ ہارون الرشید کو پہاڑی دیوار سے بہنے
والے تیل کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ بادشاہ نے
موت کے قلعے پر حملے کا حکم دے دیا۔ دو روز بعد شاہی
فوج کا ایک زبردست لشکر قلعے کے قریب پہنچ گیا۔
بادشاہ خود فوج کے ساتھ تھا۔ عنبر نے کہا کہ جب تک وہ حکم
نہ دے قلعے پر حملہ نہ کیا جائے۔ فوجیں صفیں باندھ کر کھڑی
ہو گئیں۔ ادھر حسن بن صباح کو بھی شاہی فوج کی خبر ہو گئی۔
اس نے بھی حکم دے دیا کہ قلعے کے دروازے کو اٹھا لیا
جائے اور قلعے کی دیوار کے اوپر کھولتے ہوئے پانی اور
تیل کے کڑاؤ تیار رکھے جائیں۔ اگر شاہی فوج قلعے کی
دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرے تو اوپر سے کھولتا ہوا پانی
اور تیل پھینک کر اسے بھسم کر دیا جائے۔ دوسری طرف عنبر
نے اپنے ساتھ تیل میں بھگوئے ہوئے کپڑوں کے بورے دو
گھوڑوں پر لدوائے اور انہیں لے کر اکیلا ہی پہاڑیوں کی جانب
روانہ ہو گیا۔ وہ گھوڑوں کو دوڑاتا ہوا جا رہا تھا۔ کیونکہ وہ ان گھوڑوں

کو چٹانوں میں اور قلعے کی فصیل پر بیٹھے دشمن کے تیروں سے
بچانا چاہتا تھا۔ پھر بھی ایک گھوڑا زخمی ہو گیا مگر عنبر اسے
لے کے اس دیوار تک لے گیا جہاں سے گندے بیروزے کا
سیاہ تیل رس رس کر نیچے ایک گہرے گڑھے میں گر کر جذب
ہو رہا تھا۔

اسی تیل میں موت کے قلعے کی تباہی کا راز چھپا ہوا تھا۔

○

اور قبر کھل گئی

غار کی باہر والی دیوار کے پاس پہنچ کر عنبر نے گھوڑوں کو
چھوڑ دیا۔

سیاہ تیل دیوار کے پتھروں سے بہہ رہا تھا۔ عنبر نے
تیل میں بھگوئے ہوئے کپڑوں کو ایک موٹے رسے کی طرح
ایک دوسرے سے باندھ رکھا تھا۔ اس نے کپڑے کے رسے
کے سرے کو تیل والی دیوار کے نیچے گڑھے میں ڈال دیا اور
پھر رسے کو زمین پر پتھروں اور ٹیلوں اور جھاڑیوں میں بچھاتا
ہوا پیچھے ہٹتا چلا گیا۔ فصیل کی جانب سے اس پر تیروں
کی بارش ہونے لگی۔ عنبر کو تیر لگتے اور اس کے جسم سے ٹکرا
کر ٹوٹ جاتے۔ فصیل پر حسن بن صباح اور اس کا بوڑھا
وزیر بھی آ گیا۔ اوپر سے انہیں کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ
عنبر زمین پر کیا چیز بچھا رہا ہے۔ اب انہیں معلوم ہو گیا تھا
کہ یہ عنبر کے سوا اور کوئی نہیں ہے کیوں کہ اس پر تیر
اور نیزے اثر نہیں کر رہے تھے۔ عنبر اسی طرح تیل میں بھیگے

ہوئے کپڑے کے رسے کو بچھاتا پیچھے اس میدان میں آگیا
جہاں خلیفہ ہارون الرشید کی فوجوں نے خیمے ڈال رکھے تھے۔
خود بادشاہ کی فوجوں، فوجوں کے سپہ سالار اور بادشاہ
سلامت کو پتہ نہیں چل رہا تھا کہ عنبر یہ کپڑوں کی رسی
قلعے کی پچھلی پہاڑی دیوار تک کس لیے بچھا رہا ہے۔ عنبر
نے بھی انہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔ عنبر سیدھا بادشاہ کے خیمے
میں آگیا۔ بادشاہ اپنے وزیر برمکی کے ساتھ وہاں بیٹھا بے چینی
سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

بادشاہ نے عنبر سے پوچھا:

"تم جو کچھ کر رہے ہو وہ ہماری سمجھ سے باہر ہے
ہمیں صرف اتنا بتا دو کہ کیا تم جو کچھ کر رہے ہو
اس میں کامیاب ہو جاؤ گے؟ کیوں کہ ہماری فوجیں
قلعے کا محاصرہ کر سکتی ہیں مگر اسے فتح نہیں کر سکتیں"

عنبر گہری سوچ میں تھا۔ وہ جس خطرناک سکیم پر عمل
کر رہا تھا اس میں وہ کامیاب بھی ہو سکتا تھا اور اسے
ناکامی بھی ہو سکتی تھی۔ گندے بیروزے کے تیل نے اگر آگ
پکڑ لی تو قلعے کی اینٹ سے اینٹ بج سکتی تھی۔ لیکن
اگر کسی وجہ سے عنبر کا خیال غلط ہو گیا اور تیل نے آگ نہ
پکڑی تو اس کی ساری سکیم فیل ہو جائے گی اور بادشاہ کے

آگے شرمندگی الگ ہو گی۔ اس نے بادشاہ سلامت سے کہا:

"جو کچھ میں کر رہا ہوں مجھے اس کی کامیابی کی بہت
زیادہ امید ہے۔ آپ فوجوں کو حملے کے لیے
حکم دے دیں"

بادشاہ اور وزیر اعظم نے ایک دوسرے کی طرف
دیکھا۔ یہ بڑا اہم فیصلہ تھا۔ اس میں سینکڑوں سپاہیوں کے
مارے جانے کا خطرہ تھا۔

بادشاہ نے عنبر سے کہا:

"عنبر! مجھے تمہاری نیک نیت پر کوئی شک نہیں
ہے مگر تم کو جنگ کا تجربہ نہیں۔ میں نے فوجوں
کو حملے کا حکم دیا تو میری فوجیں قلعے کی طرف
بڑھیں گی اور اوپر سے ان پر تیروں اور کھولتے
ہوئے تیل کی بارش ہو گی اور قلعہ پھر بھی فتح
نہیں ہو سکے گا"

عنبر نے جواب دیا:

"بادشاہ سلامت! مجھے یقین ہے کہ قلعہ ضرور
فتح ہو گا"

وزیر اعظم برمکی نے پوچھا:

"تمہیں کیسے یقین ہے؟"

عنبر نے کہا:

"اس لیے کہ قلعے کے فتح ہونے اور حسن بن صباح کے خودکشی کرنے کا وقت آ گیا ہے۔"

بادشاہ حیرانی سے عنبر کا منہ تکنے لگا:

"یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ کیا تم غیب کا علم جانتے ہو؟"

عنبر اب بادشاہ اور اس کے وزیر کو کیسے سمجھاتا کہ وہ تاریخ کے سارے گذرے ہوئے زمانوں پر سے گزر کر آ رہا ہے اور جو جو کچھ تاریخ میں ہونے والا ہے اس کی اسے ساری خبر ہے۔ یہ بات بادشاہ اور وزیر کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی۔

عنبر نے کہا:

"آپ سپاہیوں کو قلعے پر حملہ شروع کرنے کا حکم دیں۔ وقت آن پہنچا ہے۔ وقت آن پہنچا ہے۔"

یہ کہہ کر عنبر خیمے سے باہر نکل گیا۔ بادشاہ نے وزیر اعظم کی طرف دیکھ کر کہا:

"میرا دل کہتا ہے کہ عنبر ٹھیک کہہ رہا ہے۔"

وزیر اعظم نے کہا:

"بادشاہ سلامت! ایک بار پھر غور کر لیں۔ اس

سے پہلے ہم کئی بار قلعے پر حملہ کر کے اپنا فوجیوں کا جانی نقصان اٹھا چکے ہیں۔"

بادشاہ خیمے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ پھر وہ نکلا۔ اس نے خیمے کا پردہ اٹھا کر دور پہاڑی پر بنے ہوئے اپنے سب سے بڑے دشمن کے قلعے کو دیکھا اور پکار کر کہا:

"وزیر اعظم! سپہ سالار کو کہو کہ قلعے پر حملہ کر دیا جائے۔"

اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے تلوار نکال کر لہرائی۔ سپہ سالار کو خبر ملی تو اس نے جنگ کا اعلان کر دیا۔ بگل بجائے گئے۔ اور فوجوں نے قلعے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ ادھر عنبر نے ایک مشعل جلائی اور اس کے شعلے سے تیل میں بھیگے ہوئے کپڑے کے رستے کو آگ لگا دی۔ آگ رستے کے اوپر سے دوڑتی ہوئی پہاڑی کی طرف جانے لگی۔ عنبر ایک بلند چٹان پر کھڑا ہو گیا اور آگ کو آگے بڑھتے دیکھنے لگا۔

فوجیں جب قلعے کے نیچے پہنچیں تو ان پر تیروں اور نیزوں کی بارش شروع ہو گئی۔ عنبر کی نگاہ رستے پر دوڑتی ہوئی آگ پر تھی۔ آگ کا شعلہ رستے پر آہستہ آہستہ دوڑتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ کبھی وہ ٹیلے کی اوٹ میں

ہو جاتا اور کبھی جھاڑیوں کو آگ لگاتا آگے بڑھتا قلعے
کی فصیل پر دشمن کی فوجیں بادشاہ کی فوجوں پر تیر برسا
رہی تھیں۔ کوئی اس آگ کی طرف توجہ نہیں دے
رہا تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ قلعے کے پیچھے فصیل پر جو برج
بنا تھا اس میں حسن بن صباح اپنے مکار وزیر کے ساتھ
نمودار ہوا اور اس نے رسے کی آگ کی طرف اشارہ کر کے
اپنے وزیر سے کوئی بات کہی۔ وہ اس آگ کے شعلے کو
تعجب سے دیکھ رہے تھے جو قلعے کی پچھلی دیوار والی پہاڑی
کی طرف برابر بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی
تھی کہ یہ آگ کا شعلہ ادھر پہاڑیوں میں کس لیے پہنچایا
جا رہا ہے۔

مگر عنبر کی آنکھ اسی شعلے پر لگی تھی۔ بادشاہ اور وزیراعظم
برکی بھی اپنے خیمے کے باہر تخت کے قریب کھڑے بے چینی
سے عنبر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ آگ کا شعلہ پہاڑی کی
اس دیوار کے قریب پہنچ گیا جہاں رسہ تیل کے گڑھے
میں اتر گیا تھا۔ عنبر کو یقین تھا کہ اب کچھ ہونے والا ہے
رسے کی آگ نیچے گڑھے میں اتر گئی۔ گڑھے میں گندے بیروزے
کا سیاہ تیل بھرا ہوا تھا۔ جونہی اس تیل کو شعلے نے چھوا
وہاں ایک دھماکہ ہوا اور آگ دیوار میں بہتے ہوئے تیل کو

گئی۔ اس تیل نے آگ کو دیوار کے اندر پہنچا دیا۔
وار کے اندر قلعے کا غار تھا جو قلعے کے نیچے ہی نیچے
پھیلا ہوا تھا۔ یہاں جگہ جگہ تیل پھیلا ہوا تھا۔ آگ نے
یہاں تیل کو بھڑکا دیا اور ایک بھیانک دھماکے کے ساتھ
قلعے کی پچھلی دیوار اڑ گئی۔

عنبر نے خوش ہو کر بادشاہ کی طرف دیکھا اور چٹان سے
اتر کر اس کے قریب آ گیا۔

"مبارک ہو بادشاہ سلامت! میری ترکیب کامیاب
رہی قلعہ کھنڈر بن کر آپ کے قدموں میں ہو گا۔"

"تم نے یہ سب کچھ کیسے کر لیا؟" بادشاہ نے حیرانی
سے پوچھا۔

"قلعے کے نیچے تیل بہتا میں دیکھ آیا تھا۔ میں نے
اس تیل کو آگ لگا دی ہے۔ بس میں نے اتنا
ہی کیا ہے اس سے آگے تیل اپنا کام کر رہا ہے۔"

قلعے میں زبردست دھماکے ہونے شروع ہو گئے۔ غار
میں پھیلے ہوئے گندے سیاہ تیل کے ذخیروں میں جونہی
آگ لگتی ایک خوفناک دھماکہ ہوتا اور قلعے کا ایک
حصہ تباہ ہو کر ملبے کا ڈھیر بن جاتا۔ حسن بن صباح اور
وزیر اعظم اور اس کے درباری پریشان پھر رہے تھے۔ جاں نثاروں

نے جب قلعے کو تباہ ہوتے اور جگہ جگہ آگ لگتے دیکھی
تو ان کے بھی حوصلے پست ہونے لگے۔ انہوں نے قلعے
سے چھلانگیں لگانا شروع کر دیں۔ وہ نیچے گر کر مر رہے
تھے اور اگر بچ جاتے تو بادشاہ کی فوجیں ان کے ٹکڑے
اڑا دیتیں۔ قلعے میں جگہ جگہ آگ لگ رہی تھی۔ قلعہ آدھے
سے زیادہ ڈھے چکا تھا۔ بادشاہ کی فوجیں قلعے میں داخل ہو
گئیں۔ انہیں قلعے میں داخل ہوتا دیکھ کر حسن بن صباح
قلعے کی اس دیوار پر چڑھ گیا جو باقی بچی رہ گئی تھی۔ تاریخ
اپنے ایک واقعے کو دہرانے لگی تھی۔
حسن بن صباح نے قلعے پر سے چھلانگ لگا دی اور
مر گیا۔

قلعہ فتح ہو گیا۔ شاہی فوجوں نے قلعے کے کھنڈروں پر
قبضہ کر لیا۔ اس رات بغداد میں زبردست جشن منایا گیا۔
شاہی دربار میں جو حسن بن صباح کے جاسوس تھے انہوں
نے ہتھیار ڈال دیے یا محل سے فرار ہو گئے یا انہیں
قتل کر دیا گیا۔ بادشاہ نے دوسرے دن دربار بلایا۔ سارے
امیر اور وزیر جمع تھے۔ عنبر بادشاہ کے تخت کے ساتھ ہی
ایک شاندار کرسی پر بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے اعلان کیا کہ آج
سے عنبر کو شاہی فوج کا نیا سپہ سالار مقرر کیا جاتا ہے۔

عنبر یہ ذمے داری قبول کرنے پر تیار نہیں تھا۔ اس کو
اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس نے اسلام کے ایک
بہت بڑے فتنے کو ختم کر دیا تھا۔ اب اس کا بغداد میں
کوئی کام نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ ماریا اور ناگ
کو تلاش کرے اور اگر وہ اسے نہ ملیں تو کسی دوسرے
ملک میں جا کر ان کا سراغ لگائے۔ لیکن بادشاہ کے سامنے
وہ بھرے دربار میں انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خاموش
رہا۔ دوسری طرف فوج کے پہلے سپہ سالار کو سخت صدمہ
ہوا۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ عنبر کو قتل کروا
دے گا۔

جب دربار برخاست ہوا تو عنبر نے وزیر اعظم برمکی کو
سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ بادشاہ سلامت سے کہہ کر
وہ اپنا حکم واپس لے لیں مگر وزیر اعظم نے کہا:

"یہ بادشاہ سلامت کی توہین ہو گی۔ انہوں نے
جو حکم دیا ہے وہ اسے اب کبھی واپس نہیں
لیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ تم یہ نیا عہدہ قبول
کر لو۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ تمہیں اتنا بڑا
عہدہ مل گیا ہے۔"

عنبر خاموش رہا۔ دل میں اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ

ایک دو دنوں میں بغداد سے کسی دوسرے ملک کے لیے روانہ ہو جائے گا۔ ادھر شاہی فوج کے سپہ سالار حسد کے مارے جل بھن گیا۔ مگر بادشاہ کے حکم کے آگے وہ بھی مجبور تھا۔ سوائے اس کے وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ عنبر کو قتل کروا دے۔ اس بات کا عنبر کو بھی خطرہ تھا۔ اگرچہ اسے خطرہ تو کوئی بھی نہیں تھا مگر اسے خیال تھا کہ سپہ سالار اسے قتل کروانے کی ضرور کوشش کرے گا۔ کیونکہ اس نے تاریخ کے اپنے پانچ ہزار سالہ سفر میں ہزاروں لوگوں کو اس طرح قتل ہوتے دیکھا تھا۔ آخر وہی ہوا۔ اسی رات عنبر پر قاتلانہ حملہ ہو گیا۔ وہ اپنے مکان کی چھت پر چھپرکھٹ پر لیٹا ناگ اور ماریا کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ قاتل خنجر لیے اس کی چھت پر آ گیا۔ عنبر نے اندھیرے میں بھی اسے دیکھ لیا تھا۔

جب قاتل قریب آیا تو عنبر نے کہا،

"جس نے تمہیں یہاں بھیجا ہے جاؤ اسے ساتھ لے کر آؤ۔"

قاتل بوکھلا گیا۔ اس نے گھبرا کر عنبر پر خنجر سے وار کر دیا۔ خنجر کا وار عنبر کے سینے پر لگا اور پہلے ہی وار میں خنجر عنبر کے سینے سے ٹکرا کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ عنبر نے

قاتل کا ہاتھ پکڑ لیا۔ قاتل نے ہاتھ چھڑانے کی بہت کوشش کی مگر بھلا وہ کیسے چھڑا سکتا تھا۔ عنبر نے اسے چھت پر گرا لیا اور اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر کہا:

"تمہارے مالک نے تجھے موت کے منہ میں بھیجا ہے۔ مگر میں تمہاری جان بخشی کرتا ہوں۔"

قاتل اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے عنبر کو تک رہا تھا۔ اس نے ہاتھ جوڑ دیئے اور کہا:

"کیا تم وہ انسان ہو جو کئی ہزار سال سے زندہ ہے۔"

اب عنبر کے حیران ہونے کی باری تھی۔ یہ سوال ابھی تک کسی نے اس سے نہیں کیا تھا۔

عنبر نے پاؤں قاتل کی گردن سے اٹھا لیا اور قاتل کو اپنے پلنگ پر بٹھاتے ہوئے تعجب سے پوچھا:

"تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ میں کئی ہزار سال سے زندہ ہوں؟ تم خود کون ہو؟"

قاتل نے کہا:

"میرا نام شہاب ہے۔ میں شاہی فوج کے سپہ سالار کا غلام ہوں۔ میں تمہیں ہلاک کرنے آیا تھا۔"

عنبر کہنے لگا:

"وہ تو مجھے بھی معلوم ہے کہ تم مجھے ہلاک کرنے

آئے تھے مگر تمہیں میری زندگی کے سب سے
گہرے راز کا کیوں کر علم ہوا؟"

شہاب نے کہا:

"جب میں غلام نہیں تھا تو اپنے گاؤں میں پہاڑی
وادی میں بکریاں چراتا تھا۔ میری ایک ہی معصوم
بیٹی تھی۔ ہمارا گھر ایک پہاڑی غار میں تھا۔ ایک
دن میں وادی میں بکریاں چرا رہا تھا۔ میری بیٹی
غار میں روٹیاں پکا رہی تھی کہ اچانک زلزلہ آگیا
زلزلہ اتنا زبردست تھا کہ زمین پھٹ گئی۔ پہاڑی
کے اوپر سے ایک بہت بڑا پتھر ڈھلک کر غار
پر آن گرا اور غار کا منہ بند ہو گیا۔ اور میری بیٹی
غار میں زندہ دفن ہو گئی۔ میں نے پتھر کو ہٹانے
کی بہت کوشش کی۔ لوگوں کی منتیں کیں مگر کسی
میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اتنے بھاری پتھر
کو غار کے منہ سے ہٹا سکتا۔ میں آنکھوں میں آنسو
لیے غار کے باہر بیٹھا تھا کہ ایک بزرگ ادھر
سے تشریف لائے میں نے اپنا دکھ انہیں بیان کیا
انہوں نے کہا کہ ملک بغداد میں جاؤ۔ وہاں تمہیں
ایک ایسا انسان ملے گا جو کئی ہزار سال سے زندہ
ہو گا اور اس کی نشانی یہ ہو گی کہ اس پر آگ اور
تلوار اثر نہیں کرے گی۔ وہی اس بھاری پتھر
کو غار کے منہ سے ہٹا سکے گا۔ پھر میں تمہاری
تلاش میں بغداد میں آگیا اور سپہ سالار کے
آدمیوں نے پکڑ کر مجھے غلام بنا لیا۔ آج سپہ سالار
نے مجھے تمہارے پاس تمہیں قتل کرنے کے لیے
بھیجا اور مجھے میری مراد مل گئی۔ کیا تم میرے
ساتھ چل کر میری بیٹی کی جان بچاؤ گے؟"

عنبر خاموشی سے غلام شہاب کی باتیں سن رہا تھا۔
اس کی ایک ایک بات میں سچائی تھی۔ اس نے شہاب
سے کہا:

"کل صبح میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

شہاب بولا:

"کل صبح مجھے سپہ سالار قتل کر چکا ہو گا کیوں کہ
میں تمہیں ہلاک کرنے میں ناکام رہا ہوں۔ ابھی
رات کا اندھیرا ہے۔ میں اس اندھیرے میں یہاں
سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ کیا تم ایک دکھی باپ
کی مدد نہیں کرو گے؟"

عنبر نے کہا:

"کیوں نہیں۔ میں اسی وقت تمہارے ساتھ جانے
کو تیار ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔"

عنبر نے شہاب کو ساتھ لیا۔ مکان کی چھت سے
اتر کر پچھلی جانب اصطبل سے دو گھوڑے باہر نکالے اور
ان پر سوار ہو گئے۔ عنبر نے پوچھا کہ انہیں کتنی دُور
جانا ہو گا۔ شہاب نے بتایا کہ وہاں سے ایک دن کے
سفر پر اس کا گاؤں ہے جو دریائے فرات کے کنارے
پر واقع ہے۔

عنبر بولا:

"تو پھر خدا کا نام لے کر چلو۔"

دونوں نے اپنے اپنے گھوڑے آگے بڑھائے۔ وہ
بڑی راز داری کے ساتھ بغداد شہر کی فصیل میں سے باہر
نکل گئے۔ سامنے صحرا پھیلا ہوا تھا۔ جہاں کھجوروں کے
جھنڈ بھی تھے اور ریت کے ٹیلے بھی تھے۔ رات کی
تاریکی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ شہر سے نکلتے ہی
انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور وہ ہوا سے باتیں
کرنے لگے۔ ساری رات سفر کرنے کے بعد صبح ہوئی تو
وہ ایک ایسے میدان میں آ گئے تھے جہاں پتھریلی چٹانیں ابھری
ہوئی تھیں اور کانٹے دار جھاڑیاں جگہ جگہ پھیلی تھیں۔ انہوں نے

ایک چشمے کے کنارے آرام کیا۔ منہ ہاتھ دھویا۔ شہاب کچھ
کھجوریں توڑ کر لے آیا۔ عنبر کو ضرورت تو نہیں تھی مگر اس
نے بھی شہاب کے ساتھ تھوڑی سی کھائیں۔

تھوڑی دیر وہاں آرام کرنے کے بعد وہ پھر اپنے سفر
پر روانہ ہو گئے۔ شام کے وقت وہ دریائے فرات کے کنارے
اس وادی میں پہنچ گئے جہاں ایک پہاڑی غار میں شہاب
کی بیٹی زندہ دفن ہو گئی تھی۔ پریشان باپ عنبر کو غار کے
پاس لے آیا۔ عنبر نے دیکھا کہ ایک بہت بڑے پتھر نے
غار کا منہ بند کر رکھا تھا۔

عنبر نے شہاب سے کہا:

"تم ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔ میں پتھر کو
وادی میں لڑھکانے لگا ہوں۔"

شہاب ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ خدا سے دُعا مانگ
رہا تھا کہ پتھر ہٹ جائے اور اس کی بیٹی زندہ باہر نکل
آئے۔ عنبر نے ایک جگہ پتھر کے نیچے ہاتھ ڈالا اور خدا
کا نام لے کر اسے پورا زور لگا کر دھکا دے دیا۔ پتھر جو
ایک خود پہاڑ تھا اپنی جگہ سے کھسکا اور پھر زبردست
گڑگڑاہٹ کے ساتھ وادی میں لڑھکتا چلا گیا۔ عنبر اور
شہاب غار میں داخل ہو گئے۔ شہاب نے اپنی بیٹی کو آوازیں دیں۔

تین آوازوں کے بعد ایک طرف سے اس کی بیٹی کی کمزور سی آواز سنائی دی۔ عنبر اور شہاب بھاگ کر اس طرف گئے۔ دیکھا کہ بے چاری معصوم لڑکی خوف اور دہشت کے مارے ایک جگہ پڑی تھی۔ اس نے تین چار روز سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ شہاب اسے اٹھا کر باہر لے آیا۔ اس کے منہ میں پانی ٹپکایا۔ لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔ باپ نے بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔ خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ عنبر نے بچی کو درخت سے کچھ پھل توڑ کر کھلائے۔ اس نے کہا:

"میری جوتی غار میں رہ گئی ہے۔"

عنبر نے کہا:

"تم اپنے باپ کے پاس ٹھہرو۔ میں لے کر آتا ہوں۔"

عنبر غار میں دوبارا داخل ہو گیا۔ جہاں لڑکی لیٹی ہوئی تھی وہاں اس کی جوتی نہیں تھی۔ عنبر جوتی کی تلاش میں غار میں کچھ آگے نکل گیا۔ غار میں اگرچہ اندھیرا تھا مگر اسے وہ گہرا کنواں بالکل دکھائی نہ دیا جو دو قدم کے فاصلے پر تھا اور جس کے اوپر گھاس پھونس کی پتلی سی چھت پڑی تھی۔ جونہی عنبر نے گھاس پر پاؤں رکھا وہ دھڑام سے کنوئیں کے اندر گر پڑا۔ اس کنوئیں میں پانی نہیں

تھا۔ عنبر چھوٹے پتھروں کے ایک ڈھیر پر گرا۔ اس نے حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھا کہ وہ کنوئیں میں کہاں سے آن گرا۔ یہاں اتنا اندھیرا تھا کہ عنبر کو بھی بہت کم دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ہاتھ پھیر کر محسوس کیا کہ وہ جس ڈھیر پر گرا ہے بیٹھا ہے وہ ایک قبر ہے۔ عنبر نے کنوئیں کے اوپر دیکھا وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کنوئیں کا منہ کسی غیبی طاقت نے بند کر دیا تھا۔ گویا اب عنبر غار کے اس کنوئیں میں بند ہو گیا تھا۔ عنبر قبر کے پاس کنوئیں کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے اور وہاں سے کس طرح باہر نکلا جا سکتا ہے۔

غار سے باہر رات ہو گئی تھی۔ غار میں اندھیرا تھا۔ بے چارے شہاب نے عنبر کو بے حد تلاش کیا تھا مگر وہ اسے نہیں مل سکا تھا۔ شہاب ناکام ہو کر اپنی بیٹی کو لے کر اپنے باپ کے گھر روانہ ہو گیا تھا۔ عنبر کنوئیں سے باہر نکلنے کی بہت کوشش کر چکا تھا مگر کنوئیں کی دیواروں کے پتھر بالکل سیدھے تھے۔ وہ اوپر نہیں چڑھ سکتا تھا۔ وہ ناامید ہو کر قبر کے پاس بیٹھا تھا کہ اچانک قبر میں حرکت پیدا ہوئی اور اس کے اوپر سے پتھر اور مٹی گرنے لگی۔ پہلے تو عنبر سمجھا کہ بھونچال آیا ہے

مگر جہاں وہ بیٹھا تھا وہاں زمین بالکل نہیں ہل رہی تھی۔
اس کا مطلب تھا کہ بھونچال نہیں آیا تھا۔ عنبر آنکھیں
پھاڑے غور سے قبر کو تکنے لگا۔ قبر کے پتھر گر رہے تھے۔
پھر نیچے سے مٹی نکل آئی اور وہ بھی ادھر اُدھر گرنے
لگی۔

عنبر غور سے دیکھ رہا تھا کہ خدا جانے قبر میں سے
کیا شے نکلتی ہے۔ اب قبر کی مٹی اندر کو جا رہی تھی۔
جیسے کوئی نیچے سے سوراخ کر رہا ہو۔ پھر وہاں ایک چوڑا
سوراخ بن گیا۔ عنبر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے جھانک کر
سوراخ میں دیکھا۔ قبر میں اندھیرا تھا۔ اس اندھیرے میں کافی
غور سے دیکھنے پر عنبر کو ایک تابوت نظر آیا۔ تابوت پر
پر سیاہ بلی کا بُت بنا ہوا تھا۔ پھر یہ بُت ایک طرف کو
لڑھک کر گر پڑا اور تابوت کا ڈھکنا آہستہ آہستہ کھلنے لگا۔
عنبر کو کافور کی تیز بُو آئی۔

تابوت کا ڈھکنا پورا کھل گیا۔ عنبر نے دیکھا کہ تابوت
کے اندر ایک خوبصورت سنہری بالوں والی لڑکی لیٹی ہے۔
اس کی آنکھیں بند ہیں۔ سنہری بال سینے پر پھیلے ہیں۔ گردن
پر زخم کا ایک نشان ہے۔ اس کے کپڑے قدیم مصر کی
شہزادیوں ایسے ہیں۔ عنبر نے اس قسم کی شہزادیوں کو دیکھا تھا۔

وہ سمجھ گیا کہ یہاں کسی مصری شہزادی کی قبر تھی۔ مگر قبر
کیسے کھل گئی اور تابوت کا ڈھکنا اپنے آپ کس طرح
سے اُٹھ گیا؟ اس میں ضرور کوئی گہرا راز تھا۔ عنبر نے
آواز دی:

"اے تابوت میں سونے والی! اگر تو زندہ ہے تو
مجھ سے بات کر۔"

لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔ عنبر نے دیکھا کہ اس
کی آنکھیں نیلی تھیں اور بے حد خوبصورت تھیں۔ وہ عنبر
کی طرف خاموش اور گہری نظروں سے تک رہی تھی وہ
پلکیں بالکل نہیں جھپک رہی تھی۔

عنبر نے پوچھا:

"اے لڑکی! کیا تو مصر کی شہزادی ہے؟"

لڑکی نے کہا:

"عنبر! تیرا خیال درست ہے۔ میں مصر کے ایک
امیر کی بیٹی ہوں۔"

"کیا تو میرا نام جانتی ہے؟"

"ہاں۔ میں تیرا انتظار کر رہی تھی۔"

"وہ کس لیے؟" عنبر نے پوچھا۔

لڑکی نے کہا:

"میرا نام ماتری ہے۔ میں بتوں کی پوجا نہیں کرتی
تھی بلکہ ایک خدا کی عبادت کیا کرتی تھی۔ ایک
روز میں اپنے محل کے اوپر بارہ دری میں بیٹھی
خدا کی عبادت کر رہی تھی کہ کسی کافر نے تیر چلایا
جو میری گردن پر آ کر لگا اور میں مر گئی۔ میری
لاش محل میں پڑی تھی مگر میں سب کچھ سن رہی
تھی۔ ایک بوڑھے کاہن نے میرے باپ کو کہا کہ
ہزاروں سال بعد میں ایک بار پھر اس دنیا میں آؤں
گی۔ مگر کسی شمال مشرق کے ایک ملک میں پیدا
ہوں گی۔ پھر جب میں جوان ہوں گی تو ایک حادثے
میں زخمی ہو کر مر جاؤں گی لیکن میری لاش زندہ ہو
کر اپنے تابوت سے نکل کر اس شہر پہنچے گی اور
اپنی لاش میں داخل ہو کر پھر سے زندہ ہو جائیگی،
لیکن اس کاہن نے یہ بھی کہا تھا کہ ایک پُراسرار
مصری نوجوان عنبر مجھے کنوئیں میں آ کر ملے گا اور وہ
مجھے اپنے ساتھ میری لاش کے پاس لے جائے گا
وقت آ گیا ہے۔ تم آ گئے ہو۔ ہونے والی بات
ہو کر رہے گی۔"

یہ کہہ کر ماتری تابوت میں سے اٹھ کر قبر سے باہر نکل

آئی۔ عنبر نے کہا:
"مگر —— مگر تم لاش ہو، تم —— تم میرے ساتھ
شمال مشرق کے ملک میں کیسے جاؤ گی؟"

ماتری نے کہا:
"میں اگرچہ ایک لاش ہوں مگر چونکہ میں ایک
ملک میں ہزاروں سال بعد اس وقت زندہ ہوں
اور اپنی اسی شکل میں زندگی گزار رہی ہو اس لیے
میں اب جسم نہیں بلکہ ایک روح ہوں اور روح
تمہارے ساتھ پہاڑوں، جنگلوں اور سمندروں میں
آسانی سے سفر کر سکتی ہے جس طرح تجھ میں ایک
خاص طاقت ہے اسی طرح میرے پاس بھی خاص
طاقت ہے۔"

عنبر نے کہا:
"ہم اس ملک کو کیسے تلاش کریں گے جہاں تم
ایک جوان لڑکی کی شکل میں زندگی بسر کر رہی ہو
اور جس کا حادثہ ہو کر اس کے مرنے کے بعد
تم ان کے جسم میں داخل ہو جاؤ گی؟"

ماتری نے کہا:
"مجھے اپنے جسم کی دور سے خوشبو آ جائے گی میں

اس ملک اور شہر کو تلاش کر لوں گی جہاں میں ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہی ہوں۔"

عنبر نے پوچھا:

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم اس ملک میں کس نام سے زندگی بسر کر رہی ہو؟"

"نہیں، میں نہیں جانتی۔ مگر وہاں جا کر معلوم ہو جائے گی۔ میرے ساتھ آؤ۔ ہم یہاں سے باہر نکلتے ہیں۔"

عنبر بولا:

"مگر یہاں تو باہر نکلنے کا کوئی بھی راستہ نہیں ہے؟"

ماتری مسکرائی۔ اس نے اپنے سنہری بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کنوئیں کی دیوار کی طرف ہاتھ کا اشارہ کیا۔ ہاتھ کے اشارے کے ساتھ ہی کنوئیں کی دیوار اپنی جگہ سے ہٹ گئی اور وہاں اندر ہی اندر سے سیڑھیاں اوپر کو جا رہی تھیں۔ ماتری نے عنبر سے کہا:

"میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ میں جانتی ہوں تم ڈرتے نہیں ہو۔ اور تم ایک نیک مقصد کے لیے جا رہے ہو۔ تم تاریخ کا ایک مطالبہ پورا کرنے والے ہو۔ تم شمال مشرق کے ایک شہر میں

رہنے والی ایک لڑکی کو جو مر چکی ہو گی دوبارہ زندگی دو گے۔"

عنبر نے کہا:

"مگر کیا یہ کام تم اکیلی نہیں کر سکتیں؟ تم خود اس شہر میں جا کر اپنی لاش میں روح بن کر داخل کیوں نہیں ہو جاتیں؟"

نیلی آنکھوں والی ماتری نے کہا:

"اگر یہ کام میں اکیلی کر سکتی تو تمہارا انتظار نہ کرتی۔ قدرت تمہیں غار کے اس کنوئیں میں کھینچ کر نہ لاتی۔ اب میں تمہیں اس کی وجہ بتاتی ہوں کہ تمہارا میرے ساتھ جانا کیوں ضروری ہے۔ میں ابھی تک ایک لاش ہوں۔ میں نہ دیکھ سکتی ہوں نہ سن سکتی ہوں۔ مجھے صرف اس وقت دکھائی دیتا ہے جب تم میرے پاس ہوتے ہو۔ بوڑھے کاہن نے میرے باپ کو یہ بھی کہا تھا کہ میں عنبر کے بغیر نہ دیکھ سکوں گی نہ سن سکوں گی۔ اس لیے میں تم سے درخواست کرونگی کہ تم میرے ساتھ رہنا۔ مجھ سے الگ ہو گئے تو میں ایک زندہ لاش کے سوا کچھ نہیں ہوں گی۔"

عنبر حیرانی سے اس نیلی آنکھوں اور سنہری بالوں والی لڑکی کا منہ تک رہا تھا جو سچ مچ ایک لاش تھی مگر چہرے پر اور آنکھوں میں زندگی کی چمک تھی شاید یہ اس وجہ سے تھا کہ عنبر اس کے ساتھ تھا۔

عنبر نے کہا:

"فکر نہ کرو ماتری! میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔"

"شکریہ عنبر! آؤ میرے ساتھ۔"

اور زندہ لاش ماتری عنبر کو لے کر کنوئیں کے اندر نمودار ہونے والی سیڑھیاں چڑھنے لگی!!

○

وہ لاش میں داخل ہوگئی

عنبر ماتری کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتا گیا۔

پہلے اندھیرا آگیا۔ گہرا اندھیرا۔ عنبر کو بھی کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے بعد نیلی نیلی دھند آگئی۔ وہ دھند میں سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے۔ پھر یہ دھند سفید ہوگئی۔ سیڑھیاں ختم ہونے میں نہیں آتی تھیں۔

عنبر نے ماتری سے پوچھا:

"ابھی کتنی سیڑھیاں باقی ہیں ماتری؟"

ماتری نے کہا:

"کیا تم تھک گئے ہو؟ تم تو نہیں تھکا کرتے۔"

عنبر بولا:

"تھکاوٹ تو ذرا بھی نہیں ہوئی، لیکن میں ان سیڑھیوں سے تنگ آگیا ہوں۔ کم بخت ختم ہونے میں ہی نہیں آتیں۔"

ماتری نے کہا:

"شاید تمہیں معلوم نہیں کہ جب تم ایک سیڑھی چڑھتے ہو تو کئی سال اگلے زمانے میں چلے جاتے ہو۔"

عنبر خاموش رہا۔ وہ جانتا تھا کہ وقت آگے کی طرف گذرتا جا رہا ہے۔ اور بڑی تیزی سے گذرتا جا رہا ہے۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کس زمانے میں نکل آئے گا اور وہ کون سا شہر ہوگا۔

ماتری جیسے عنبر کے دل کی بات پہچان گئی تھی، کہنے لگی:

"فکر نہ کرو۔ مجھے اس شہر میں سے اپنے جسم کی خوشبو آ رہی ہے جہاں ہم جا رہے ہیں اور جہاں میں ایک بالکل ہی نئی لڑکی کے روپ میں ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہی ہوں۔ ہم سیدھا اسی شہر میں نکلیں گے۔"

عنبر نے پوچھا:

"زمانہ کون سا ہوگا؟"

ماتری نے کہا:

"وہ زمانہ ہوگا جس میں سے یہ دنیا اس وقت گذر رہی ہوگی۔"

"سن کون سا ہوگا؟" عنبر نے پوچھا۔

ماتری کہنے لگی:

"یہ میں خود بھی نہیں جانتی۔"

ان کا سیڑھیوں کا سفر جاری رہا۔

ایک جگہ پہنچ کر ماتری رک گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ راستہ بھول گئی۔ کیوں کہ اب وہ سیڑھیوں کو چھوڑ کر ایک گہرے تاریک غار میں سے گذر رہے تھے۔

عنبر نے پوچھا:

"کیا بات ہے ماتری؟ کیا ہم راستہ بھول گئے ہیں؟"

ماتری سانس لے کر کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کہنے لگی:

"مجھے اپنی خوشبو نہیں آ رہی ہے۔"

"اس کی کیا وجہ ہے؟" عنبر نے پوچھا:

ماتری نے کہا:

"ابھی بتاتی ہوں۔"

وہ غار میں ادھر اُدھر دیوار کے پاس کئی بار گئی اور اس نے گہرے گہرے سانس کھینچ کر اپنی خوشبو سونگھنے کی کوشش کی مگر خوشبو نہیں آ رہی تھی کہنے لگی:

"ہم راستہ نہیں بھولے مگر ـــ مگر قسمت کو شاید یہی منظور تھا۔"

"کیا منظور تھا؟ کیا کوئی بری بات ہو گئی ہے؟"

"نہیں۔ ایسی بات نہیں ——— صرف سوا سو سال کا
فرق پڑ گیا ہے۔ میری خوشبو مجھ سے سوا سو سال
دُور چلی گئی ہے۔"

عنبر نے کہا:

"یہ کون سی پریشانی کی بات ہے بھلا۔ ہم دو
ڈھائی ہزار سال پرے سے گذر کر یہاں تک آ گئے
ہیں تو کیا سوا سو سال آگے نہیں جا سکتے۔"

ماتری نے آہ بھر کر کہا:

"یہ موت کا حکم ہے عنبر ——— میری خوشبو مجھ سے
یہاں بچھڑ گئی ہے۔ میں وہاں سے ایک قدم بھی
آگے نہیں جا سکتی۔ جب تک کہ موت مجھے اجازت
نہ دے۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ موت اس
وقت میرے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔ وہ مجھے
میرے دوسرے جنم کے جسم میں داخل کر کے واپس
چلی جائے گی۔"

عنبر نے پوچھا:

"اس وقت ہم کہاں اور کس زمانے میں ہیں؟"

ماتری بولی:

"یہی میں معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ میرے ساتھ آؤ۔"

مجھے یقین ہے یہاں سے باہر جانے کا کوئی راستہ
قریب ہی ہو گا۔"

غار میں ایک جگہ آگے جا کر اوپر سے روشنی آ رہی تھی۔
یہاں ایسا لگتا تھا کہ جیسے یہ کوئی خشک سوکھا ہوا
کنواں ہے اور اوپر سے کھلا ہونے کی وجہ سے دن کی
روشنی نیچے تک آ رہی ہے۔ ماتری اور عنبر نے اوپر
دیکھا تو اوپر آسمان دکھائی دے رہا تھا۔

عنبر بولا:

"یہ کوئی اندھا ویران کنواں ہے۔ ہمیں یہاں سے
باہر نکلنا ہو گا۔ مگر یہاں کوئی رسی نہیں لٹک
رہی ہے اور دیوار کے ساتھ جھاڑیاں بھی نہیں
ہیں جنہیں پکڑ کر میں تمہیں اوپر لے چلوں۔"

ماتری مسکرائی:

"مجھے دنیا کے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہے
میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لو۔"

عنبر نے ماتری کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کا ہاتھ لاش کی
طرح ٹھنڈا تھا۔ ماتری نے آنکھیں بند کر لیں اور منہ ہی
منہ میں کچھ بڑبڑا کر پڑھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ زمین سے
بلند ہونا شروع ہو گئے۔ وہ دونوں زمین پر سے اپنے

آپ اوپر اٹھتے کنوئیں سے باہر آ گئے۔ کنوئیں کے باہر دن نکلا ہوا تھا۔ مگر آسمان پر گرد و غبار پھیلا تھا اور دھوپ کھل کر نہیں نکلی ہوئی تھی۔ فضا میں گرمی تھی۔ یہ کنواں جس میں سے عنبر اور ماتری باہر نکلے ایک پرانے باغ میں بنا ہوا تھا۔ یہاں اونچے اونچے درخت تھے مگر کسی آدمی کا دور دور تک نشان نظر نہ آتا تھا۔ عنبر نے فضا میں جلی ہوئی لکڑیوں کی بو محسوس کی۔ اس نے ماتری سے کہا:

"ہم کس ملک میں آ گئے ہیں اور یہ زمانہ کون سا ہے؟"

ماتری نے کہا:

"زمانہ یقیناً ۱۸۵۷ء کا ہے اور ملک خدا جانے کون سا ہے۔"

عنبر نے پوچھا:

"کیا تمہیں اپنے دوسرے جنم کی لڑکی کی خوشبو آ رہی ہے؟"

"نہیں — وہ خوشبو مجھ سے ایک سو سال کے فاصلے پر چلی گئی ہے۔ ہمیں ابھی ایک سو سال کا آگے کے زمانے کا سفر کرنا ہوگا۔"

عنبر نے کہا:

"پہلے تو یہ پتہ لگنا چاہیے کہ ہم کس ملک میں ہیں۔"

درختوں کی طرف سے کسی عورت کی چیخ کی آواز آئی۔

ماتری نے عنبر کی طرف دیکھا:

"کسی عورت پر ظلم ہو رہا ہے۔ آؤ اس کی مدد کرتے ہیں۔"

وہ تیز تیز چلتے جھاڑیوں میں سے گزرتے درختوں کی دوسری طرف آ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت کو تین آدمی، جن کے پاس تلواریں تھیں، گھسیٹتے ہوئے لیے جا رہے ہیں۔ عورت بار بار روتے ہوئے زمین پر بیٹھ جاتی ہے اور مرد اسے زبردستی آگے کو کھینچنے لگتے ہیں اور مارتے ہیں۔

عنبر نے آگے بڑھ کر ان مردوں سے کہا:

"تم اس عورت کو زبردستی کہاں لیے جا رہے ہو؟"

تینوں مرد ٹھٹھک گئے اور تعجب سے عنبر کو سر سے پاؤں تک دیکھنے لگے۔ پھر ماتری بھی عنبر کے قریب آ گئی۔ اب وہ آدمی بہت زیادہ حیرانی سے ماتری کو دیکھنے لگے۔ کیوں کہ ان کے لباس عجیب تھے۔ عورت کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ سنبھل گئی مگر آدمیوں نے اسے بازو سے پکڑ رکھا تھا۔ ایک آدمی نے تلوار کھینچ لی اور

عنبر کی طرف بڑھا۔ اس نے عنبر کو گھور کر دیکھا اور کہا:
"تم کون ہو اور یہ عورت کون ہے؟"
عنبر نے کہا:
"یہی بات تو میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم
کون ہو اور یہ عورت کون ہے؟"
باقی دو مرد ہنس پڑے۔
ایک نے کہا:
"ارے تارو سنگھ اس کو تلوار مار کر گرا دے اور
اس کی عورت کو بھی پکڑ کر ساتھ لے جاتے ہیں۔"
ماتری جو کہ لاش کی طرح ٹھنڈی اور بے حس تھی مصر
کے پرانے لباس میں تھی اور اس کے گلے میں جواہرات
کی مالا بھی تھی۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر ماتری کو بازو
سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا:
"ارے بھیم سنگھ! اس کے زیور بڑے قیمتی ہیں رے
اسے بیچ کر بڑا مال ہاتھ لگے گا۔"
اس آدمی نے محسوس کیا کہ ماتری کا بازو لاش کی طرح
ٹھنڈا تھا۔ مگر وہ یہ سمجھا کہ خوف کے مارے عورت کا
جسم ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ تارو سنگھ نے تلوار اٹھائی تو عنبر
نے کہا:

"اگر تم نے مجھ پر حملہ کیا تو مجھے کچھ نہیں ہوگا۔
لیکن میں نے حملہ کیا تو تم مر جاؤ گے۔"
تارو سنگھ نے قہقہہ لگایا اور نعرہ لگا کر تلوار عنبر کی
پر زور سے ماری۔ چھن کی آواز آئی۔ جیسے تلوار کسی چٹان
سے ٹکرائی ہو اور تلوار دو ٹکڑے ہو گئی۔ بھیم سنگھ اور
دوسرا آدمی حیران ہو گئے کہ یہ کیا ہوا ہے۔ بھیم سنگھ نے کہا:
"ارے اس نے گلے میں لوہے کا پٹا ڈال رکھا ہے
اس کتے کا پیٹ خنجر سے پھاڑ دو۔"
مگر اب عنبر نے حملہ کر دیا۔ تارو سنگھ خنجر نکال ہی رہا
تھا کہ عنبر نے اس کی گردن پر ایک الٹا ہاتھ مارا۔ وہ
دوہرا ہو کر گرا اور پھر نہ اٹھ سکا۔ اپنے ساتھی کو گرتا دیکھ
کر اس کے دوسرے ساتھیوں نے عنبر پر حملہ کر دیا۔ وہ
عنبر پر خنجر اور تلوار سے وار پر وار کر رہے تھے مگر عنبر
پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ عنبر نے انہیں بھی گردنیں توڑ
کر وہیں ڈھیر کر دیا۔ اب وہ اور ماتری اس عورت کی
طرف آئے جس کو یہ تینوں بدمعاش اغوا کر کے لیے جا
رہے تھے۔ وہ عورت پریشان اور دہشت زدہ تھی۔ وہ
ڈر رہی تھی کہ اب عنبر اور ماتری اسے اغوا کر کے لے
جائیں گے۔ ماتری نے اس کی طرف گہری نظروں سے

دیکھا اور کچھ نہ کہا۔ کیوں کہ ماتری کی زبان وہ عورت نہیں
سمجھ سکتی تھی۔ وہ قدیم مصری زبان بولتی تھی۔ اس کی زبان
صرف عنبر ہی سمجھ سکتا تھا۔ اس سے عنبر نے اسی زبان
میں بات کی جو اسے اغوا کرنے والے بول رہے تھے اور
یہ آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے کی اردو زبان تھی۔

"تم کون ہو بہن؟ اور یہ لوگ تمہیں کہاں سے
اغوا کر کے لائے تھے؟"

"بہن" کا لفظ سن کر عورت کے چہرے پر ایک سکون
سا آگیا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپکے اور بولی:

"تم نے مجھے بہن کہہ کر مجھے نئی زندگی دی ہے۔
میرا نام مہرالنساء ہے۔ یہ سکھ تھے۔ میں مسلمان ہوں
یہ مجھے ہمارے گھر سے اغوا کر کے لیے جا رہے تھے۔"

ماتری نے عنبر سے کہا کہ اس عورت سے پوچھو کہ
یہ کون سا ملک ہے اور یہاں کس کی بادشاہت ہے۔
عنبر نے جب یہ سوال مہرالنساء سے کیا تو اس نے پوچھا:

"تم لوگ کیا اس ملک کے رہنے والے نہیں ہو؟ کیا
تمہیں معلوم نہیں کہ یہ ملک ہندوستان ہے اور
یہاں لوگوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کر
دی تھی۔ انگریزوں نے بغاوت کو کچل دیا ہے اور

ہر طرف لوٹ مار مچا رکھی ہے۔ سکھ انگریزوں
کے ساتھ ہیں اور مسلمانوں کے گھروں کو لوٹ رہے
ہیں اور عورتوں کو اغوا کر رہے ہیں۔"

عنبر نے یہ ساری بات ماتری کو بیان کر دی۔ ماتری
نے عنبر سے کہا کہ اس عورت کو اس کے ماں باپ کے
پاس پہنچانا چاہیے۔ عنبر نے مہرالنساء سے پوچھا:

"تم کہاں رہتی ہو؟ ہم تمہیں تمہارے گھر چھوڑ کر
آئیں گے۔"

مہرالنساء بولی:

"میں تمہارا یہ احسان عمر بھر نہیں بھولوں گی۔"

عنبر اور ماتری نے اس عورت یعنی مہرالنساء کو ساتھ
لیا اور اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ پرانے باغ سے
نکلے تو سامنے ایک کچی سڑک شہر کی فصیل کی طرف جاتی
نظر آئی۔ مہرالنساء نے کہا:

"یہاں سے گزرنا خطرناک ہے۔ یہاں سکھ اور
انگریز فوجی گشت لگا رہے ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"تم فکر نہ کرو بہن — ہم سب کو سنبھال لیں گے۔"

لیکن سارا علاقہ ویران تھا۔ انہیں جگہ جگہ مسلمانوں کی

لاشیں پڑی ہوئی ملیں۔ شہر کی فصیل ایک جگہ سے ٹوٹی
ہوئی تھی۔ وہ یہاں سے شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ شہر
میں ہر طرف ویرانی پھیلی تھی۔ مکان ٹوٹے ہوئے تھے۔
سامان باہر بکھرا پڑا تھا۔ مہرالنساء اپنے بوڑھے باپ کے
ساتھ ایک گلی کے کونے والے مکان میں رہتی تھی۔ عنبر
اور ماتری نے اسے اس کے گھر اس کے باپ کے پاس
پہنچا دیا۔ اس نیک کام کو کرنے کے بعد عنبر اور ماتری شہر
کی ٹوٹی ہوئی فصیل سے باہر نکل رہے تھے کہ انگریزی فوج کا
ایک دستہ وہاں سے گزرا۔ دستے کے انگریز کمانڈر نے عنبر اور
ماتری کو دیکھا اور حکم دیا:

"یہ بھی باغیوں کے ساتھی ہیں۔ انہیں پکڑ لو۔"

انگریز فوجیوں نے ماتری اور عنبر کو پکڑ کر گھوڑے پر بٹھایا
اور شہر سے باہر ایک میدان میں لے آئے۔ یہاں توپیں
لگی تھیں۔ پھانسیاں گڑھی تھیں۔ مسلمان مجاہدوں کو پھانسی
چڑھایا جا رہا تھا اور توپ کے آگے باندھ کر اڑایا جا رہا
تھا۔ ماتری نے عنبر سے کہا:

"یہ گورے ظلم کر رہے ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"تاریخ اپنا کام کر رہی ہے۔ ہم اس میں دخل

نہیں دے سکتے۔ یہ جو لوگ مر رہے ہیں یہ
مر چکے ہیں۔"

ماتری نے کہا:

"مگر میں اس عورت کو ضرور بچاؤں گی وہ نوجوان
ہے۔ اسے توپ کے ساتھ باندھا جا رہا ہے۔"

عنبر نے ماتری کو روکا مگر وہ نہ مانی۔ انگریز فوجیوں
نے اس کے بازو رسی سے باندھے ہوئے تھے۔ ماتری
نے ایک ہی جھٹکے سے رسی کو توڑ ڈالا اور اس عورت
کی طرف بڑھی جسے توپ کے آگے باندھ دیا گیا تھا اور
اب توپ چلنے ہی والی تھی۔ توپ کے گولے کے چلتے
ہی اس عورت کے جسم کے پرزے اڑ جانے تھے۔ عورت
کا رنگ ہلدی کی طرح زرد تھا اور موت کے خوف سے
آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ماتری قدیم مصر کی ایک مُردہ لاش
تھی جس کو اب کوئی نہیں مار سکتا تھا۔ اس میں زندوں
سے زیادہ طاقت آ چکی تھی۔ وہ اپنی قبر سے نکل کر اپنے
دوسرے جسم کی طرف جا رہی تھی۔ وہ عجیب پُراسرار طاقتوں
کی مالک بن چکی تھی۔ اسے رسی تڑا کر توپ کی طرف
بڑھتے دیکھ کر انگریز کمانڈر نے چلا کر کہا:

"اس عورت کو بھی پکڑ کر توپ کے آگے باندھ دو۔"

ماتری نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔ وہ بدقسمت عورت
کے قریب آئی اور ایک ہی جھٹکے سے اس کی رسی کو
توڑ کر اسے آزاد کیا اور اس پر اپنے لمبے سنہری بال
ڈال دیئے۔ جونہی سکھ سپاہی اسے پکڑنے کے لیے
آگے بڑھے ماتری کے جسم سے آسمانی بجلی کی ایک لہر
کڑاکے کے ساتھ نکلی ان سکھ فوجیوں پر گری اور انہیں
وہیں جلا کر بھسم کر دیا۔ انگریز کمانڈر سمجھا کہ یہ کوئی جادوگرنی
ہے۔ وہ تلوار لے کر اس کی طرف لپکا۔ آسمانی بجلی کا
دوسرا شعلہ ماتری کے جسم سے نکلا اور اس نے انگریز
کو جلا کر خاک کر دیا۔ دوسرے فوجی ڈر کے مارے پرے
پرے ہٹ گئے۔ ماتری نے دوسرے مجاہدوں کو جو
توپ کے منہ کے آگے بندھے ہوئے تھے کھول کر آزاد
کر دیا اور اپنی قدیم مصری زبان میں عنبر سے کہا:
"انہیں کہو کہ یہاں سے فرار ہو جائیں۔"
عنبر نے کہا:
"اے لوگو! یہاں سے جس طرف بھاگ کر جان
بچا سکتے ہو بھاگ جاؤ۔"
وہ لوگ جنگل کی طرف دوڑے۔ سکھ فوجی ان کی
طرف لپکے کہ گرفتار کریں۔ ماتری نے اپنے بال عورت کے

کر کے اوپر سے اٹھا لیے اور ہاتھ اٹھا کر سکھ فوجیوں
کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی پانچوں انگلیوں میں سے موت
کی پانچ شعاعیں نکل کر سکھ فوجیوں پر پڑیں اور وہ ڈھیر
گھوڑوں سمیت جل کر کوئلہ بن گئے۔
ماتری نے عنبر سے کہا:
"اس عورت کو یہاں سے فرار ہونے کا کہو۔"
عنبر نے عورت سے کہا:
"بہن! تم بھی اپنی جان بچا کر چلی جاؤ۔"
اس عورت کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ ایک
ہی پل میں کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ اس نے ماتری کا شکریہ
ادا کیا اور ایک گھوڑے پر بیٹھ کر وہاں سے فرار ہو گئی۔
میدان خالی رہ گیا تھا۔ صرف توپیں پڑی تھیں۔
ماتری نے عنبر سے کہا:
"اب ہمیں بھی یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"
اور وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور گھوڑے دوڑاتے
میدان سے نکل کر ایک کچی سڑک پر آ گئے جو آگے دریا
پر جا کر ختم ہو جاتی تھی۔ دریا پر ایک گھاٹ بنا تھا۔
ایک کشتی ٹوٹی پڑی تھی۔ درختوں کے نیچے کچھ لاشیں
بکھری پڑی تھیں۔ ماتری اور عنبر گھوڑوں سے اتر کر گھاٹ

پر آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ دریا کے کنارے گھاٹ
کے پاس ایک چبوترہ بنا تھا جس پر ایک سر منڈا جوگی
آلتی پالتی مارے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ اس کے آگے
مٹی کے پیالے میں گیندے کے پھول پڑے تھے۔ عنبر
اور ماتری جوگی کے قریب آئے تو جوگی نے آنکھیں کھول
دیں۔ اس کی آنکھوں میں زبردست چمک تھی۔ اس نے
ماتری کی طرف نگاہ اٹھائی اور اسی کی قدیم مصری زبان
میں کہا:

"ماتری بیٹی! تم آ گئیں؟"

ماتری نے پہلے حیرانی سے عنبر کی طرف اور پھر جوگی
کی طرف دیکھا اور کہا:

"جوگی بابا! تم میری زبان جانتے ہو؟"

جوگی نے مسکرا کر کہا:

"بیٹا! ہم سب زبانیں جانتے ہیں۔ ہم پرندوں کی
بولیاں بھی سمجھ لیتے ہیں۔ آؤ عنبر بیٹا! تم بھی میرے
پاس آ کر بیٹھ جاؤ۔"

عنبر نے جوگی کی زبان سے اپنا نام سنا تو وہ بھی بڑا
حیران ہوا۔ ماتری اور عنبر جوگی کے سامنے چبوترے پر
بیٹھ گئے۔

جوگی نے کہا:

"یہ جو کچھ لوگوں کا قتل عام ہو رہا ہے یہ خدا
کی مرضی ہے۔ اس میں کوئی دخل نہیں دے
سکتا۔ ماتری بیٹی! میں جانتا ہوں کہ تم اپنے
نئے جنم کی تلاش میں اپنی قبر سے نکل کر یہاں
تک پہنچی ہو۔"

ماتری تو دنگ رہ گئی۔ اس نے پوچھا:

"بابا! آپ کو کیسے پتہ چلا؟"

جوگی بولا:

"بیٹی! ہمیں سب کچھ پتہ لگ جاتا ہے جو نظر
آ رہا ہے ہم اسے بھی دیکھتے ہیں اور جو نظر نہیں
آ رہا اسے بھی دیکھ لیتے ہیں۔ ہم سے کسی کی کوئی
بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے
ہیں کہ تم اس وقت یہاں سے تین سو میل دور
ایک شہر کے بنگلے میں بیٹھی ہو اور اپنی بوڑھی
ماں کے لیے چائے بنا رہی ہے۔ ہمیں یہ بھی
معلوم ہے کہ آج شام تم اس شہر میں مر جاؤ گی۔
تمہاری لاش اسی بنگلے کے ایک کمرے میں پڑی
ہو گی۔ تمہارے گھر والے رو رہے ہوں گے پھر تم

اس لاش میں داخل ہو جاؤ گی اور لاش زندہ ہو جائے گی اور تمہارا دوسرا جنم شروع ہو جائے گا۔"

ماتری منہ کھولے حیرانی سے جوگی کی باتیں سن رہی تھی، عنبر بھی حیران تھا۔

ماتری نے پوچھا:

"جوگی بابا! کیا آپ مجھے اس شہر میں پہنچا سکتے ہیں تاکہ میں اپنا دوسرا جنم شروع کر سکوں؟"

جوگی بابا مسکرایا، کہنے لگا:

"بیٹی! قسمت اسی لیے تمہیں میرے پاس یہاں لائی ہے۔"

اب عنبر نے جوگی سے پوچھا:

"بابا کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ میں ماریا اور ناگ سے کہاں ملاقات کر سکتا ہوں؟"

جوگی نے کہا:

"یہ ایک راز ہے جو تم پر اس وقت ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت تم بھی ماتری بیٹی کے ساتھ اس کے دوسرے جنم والے شہر میں جاؤ گے۔ وہاں ایک پرانی شمشان بھومی ہے جہاں کبھی ہندو اپنے

مردوں کی لاشیں جلایا کرتے تھے۔ یہ شمشان بھومی اب ویران ہو چکی ہے۔ اسے تلاش کرنا۔ میں تمہیں وہاں ملوں گا۔ اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

پھر جوگی ماتری کی طرف دیکھ کر بولا:

"بیٹی ماتری! عنبر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر میرے پیالے میں سے گیندے کے دو پھول اٹھا کر ایک پھول اپنے آگے اور ایک پھول عنبر کے آگے رکھو۔"

ماتری نے ایسا ہی کیا۔ جوگی نے کہا:

"اب تم دونوں آنکھیں بند کر لو اور جب تک میں نہ کہوں آنکھیں مت کھولنا۔"

ماتری اور عنبر نے آنکھیں بند کر لیں۔ جوگی نے بھی اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے چہرے پر بڑی پرسکون مسکراہٹ آ گئی اور بند آنکھوں سے روشنی کی شعاعیں نکل کر ماتری اور عنبر پر پڑنے لگیں۔ عنبر اور ماتری کو ایسا لگا جیسے وہ سفید سفید دھند میں سفر کر رہے ہیں۔ پھر یہ سفید دھند بھی غائب ہو گئی۔ انہیں جوگی کی آواز سنائی دی:

"آنکھیں کھول دو میرے بچو۔"

عنبر اور ماتری نے آنکھیں کھول دیں۔ کیا دیکھتے ہیں کہ
نہ وہاں کوئی دریا ہے۔ نہ گھاٹ، نہ وہ جوگی بابا ہے
اور نہ وہ چبوترہ ہے۔ وہ ایک چھوٹی سی سڑک کے
کنارے درختوں کے درمیان کھڑے ہیں۔ آس پاس خوبصورت
ماڈرن کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں۔ شام ہو رہی ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی
ہوا چل رہی ہے۔

ماتری نے گہرا سانس لے کر کہا،
"مجھے اپنی بہت تیز خوشبو آ رہی ہے۔"
پھر ایک کوٹھی کی طرف منہ کر کے سانس اندر کو کھینچی
اور عنبر سے کہا،
"عنبر! میرا دل کہہ رہا ہے کہ میں اس کوٹھی میں
اپنا دوسرا جنم شروع کرنے والی ہوں۔ میں ان
درختوں میں چھپ کر بیٹھ جاتی ہوں۔ تم کسی طرح
اس کوٹھی میں جاؤ اور دیکھو کہ کیا میں اندر
موجود ہوں؟"
عنبر نے کہا:
"تم یہاں بھی ہو اور کوٹھی میں بھی موجود ہو گی؟
یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"
ماتری نے کہا:

"مجھے بڑی تیز خوشبو آ رہی ہے۔ میں اس کوٹھی
میں ضرور موجود ہوں۔ جلدی سے جا کر معلوم کرو
میں تمہارا انتظار کروں گی۔"
عنبر سوچنے لگا کہ وہ ایک اجنبی کوٹھی میں کس طرح
جا کر پتہ کرے کہ ماتری اندر موجود ہے کہ نہیں؟ وہ
کوٹھی میں کیسے داخل ہو؟ آخر اسے ایک ترکیب سوجھی۔
کوٹھی کے باہر تختی پر پروفیسر سراج احمد قریشی کا نام لکھا
تھا۔ عنبر نے گھنٹی دبا دی۔ ایک نوکرانی نے دروازہ کھول کر
پوچھا، کس سے ملنا ہے آپ کو؟
عنبر نے کہا:
"میں ٹیلی فون کے محکمے سے آیا ہوں۔ آپ کا
ٹیلی فون چیک کرنا ہے۔ اس علاقے کی مین لائن
میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے۔"
اتنے میں ایک ادھیڑ عمر کا بھاری بھرکم آدمی آ گیا۔
عنبر نے اسے بھی یہی بہانا بتایا۔ وہ اسے اندر لے گیا۔
کمرہ بڑا سجا ہوا تھا۔ کونے میں میز پر ٹیلی فون رکھا تھا۔
عنبر کو جس چہرے کی تلاش تھی وہ اسے نظر نہیں آ رہا
تھا۔ عنبر نے یونہی ٹیلی فون کو الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع
کر دیا۔ پھر اسے ایک لڑکی کی آواز آئی۔ یہ آواز ماتری

کی آواز سے بڑی ملتی جلتی تھی۔ عنبر کے کان کھڑے ہو
گئے۔ لڑکی نے اپنے باپ کو آواز دی تھی۔ وہ کمرے میں
آ گئی۔

"ڈیڈی! آج انکل امجد کی پارٹی پر چلیں گے ناں آپ؟"

"ہاں بیٹی! ضرور چلیں گے۔"

عنبر اس لڑکی کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ خدا کی شان دیکھ
کر دنگ رہ گیا۔ وہ بالکل ماتری کی شکل تھی۔ وہی صورت
وہی جسم، وہی نیلی آنکھیں اور سنہری بال، ماتری اور اس
لڑکی کی شکل صورت، آنکھوں، جسم اور آواز میں ذرا سا
بھی فرق نہیں تھا۔ عنبر کو ایک بار تو یوں لگا جیسے ماتری
باہر سے اندر آ گئی ہے۔ اگر کوئی فرق تھا تو صرف یہ تھا کہ
ماتری کی گردن پر چاقو کے زخم کا نشان تھا اور اس لڑکی کی
گردن پر زخم کا ابھی کوئی نشان نہیں تھا۔ ابھی اس کی گردن
پر زخم لگنا تھا۔ شاید اسی زخم سے اس لڑکی کی موت ہو
جانی تھی اور پھر ماتری کو اس کے مردہ جسم میں داخل ہو
کر دوسرا جنم ملنا تھا۔ لڑکی نے بھی محسوس کیا کہ عنبر اس کی
طرف دیکھ رہا ہے۔ اس نے پوچھا:

"کیا بات ہے؟"

عنبر نے جلدی سے نظریں ہٹا لیں اور ٹیلی فون کو رکھ

کر بولا:

"آپ کا فون ٹھیک ہے۔ بس یہی معلوم کرنا تھا
شکریہ!"

اور عنبر کوٹھی سے باہر نکل آیا۔ ذرا فاصلے پر درختوں
میں ماتری اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے آتے ہی پوچھا:

"کہو — کیا میں اندر موجود ہوں؟"

"ہاں ماتری! بالکل تمہاری ہم زاد اس کوٹھی میں
موجود ہے۔ تمہاری شکل صورت، تمہاری نیلی آنکھیں
تمہاری ہی سنہرے بال اور تمہارا ہی جسم صرف
اس کی گردن پر زخم کا نشان نہیں ہے۔"

ماتری نے کہا:

"زخم کا نشان آج رات اس کی گردن پر بنے گا۔"

"کیا مطلب؟" عنبر نے پوچھا۔

ماتری نے بے حس آواز میں کہا:

"کوئی میرے اندر کہہ رہا ہے کہ آج آدھی رات کو
اس گھر میں ڈاکہ پڑے گا۔ ایک ڈاکو چھری سے
اس لڑکی کی گردن پر حملہ کرے گا اور وہ مر
جائے گی۔"

عنبر نے کہا:

"یہ تو بڑا ظلم ہو گا۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ میں ابھی انہیں جا کر خبردار کرتا ہوں کہ آج رات ڈاکہ پڑنے والا ہے وہ پولیس کو اطلاع کر دیں"

ماتری نے عنبر کو گھور کر دیکھا:

"کیا تم چاہتے ہو کہ میں مر جاؤں اور میرا دوسرا جنم شروع نہ ہو؟ یہ لڑکی مر جائے گی مگر میرے روپ میں ایک نئی زندگی حاصل کرے گی"

عنبر نے کہا:

"لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ دوبارہ زندہ ہونے کے بعد اپنے ماں باپ کو پہچان لے گی"

"ہاں — وہ سب کو پہچانے گی اس کی یادداشت ویسے ہی رہے گی۔ فرق صرف اتنا ہو گا کہ وہ تمہیں نہ پہچان سکے گی۔ یعنی میں اس لڑکی کے جسم میں داخل ہونے کے بعد تمہیں نہ پہچان سکوں گی۔ مجھے اس کا افسوس ہے مگر قسمت میں ایسا ہی لکھا ہے اور قسمت کا لکھا ہو کر رہے گا"

عنبر خاموش نظروں سے ماتری کو دیکھنے لگا جو شام کے گہرے ہوتے اندھیرے میں اور زیادہ پُر اسرار لگ رہی تھی۔ ماتری نے گلے کا موتیوں کا ہار اتار کر عنبر کو دیا اور کہا:

"جب میں اس لڑکی کے جسم میں داخل ہو جاؤں تو یہ ہار کسی طرح اسے یا مجھے پیش کر دینا اگر میں تمہیں پہچان نہ سکوں تو ناراض نہ ہونا"

عنبر نے ہار لے کر اپنی پتلون کی جیب میں رکھ لیا۔ درختوں کے پاس جھاڑیوں میں ایک بنچ بچھا تھا۔ ماتری عنبر کو لے کر اس بنچ پر بیٹھ گئی اور بولی:

"آؤ یہاں بیٹھ کر اس وقت کا انتظار کرتے ہیں جب آدھی رات کو اس کوٹھی میں ڈاکو ڈاکہ ڈالنے آئیں گے اور اس لڑکی کو قتل کر دیں گے"

عنبر اور ماتری درختوں میں جھاڑیوں کے پاس بچھی ہوئی بنچ پر بیٹھ کر آدھی رات کا انتظار کرنے لگے۔ وقت آہستہ آہستہ گذرتا جا رہا تھا۔ ٹھیک جب رات آدھی ہو گئی اور گہری خاموشی چھا گئی تو دو آدمی جنہوں نے کالے نقاب پہن رکھے تھے کوٹھی کے باغ میں باڑ پھلانگ کر داخل ہو گئے۔ عنبر کو وہ خوب صورت لڑکی یاد آ گئی جس کو یہ ڈاکو قتل کرنے والے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھنے لگا تھا کہ ماتری نے اسے بازو سے پکڑ کر بٹھا لیا۔

"تم ہونے والی بات کو نہیں روک سکتے"

نقاب پوش ڈاکو روشن دان کی جالی اتار کر کوٹھی میں داخل ہو گئے۔!!

○

- ○ کیا سنہری بالوں، نیلی آنکھوں والی لڑکی قتل ہو گئی؟
- ○ کیا ماتری کا دوسرا جنم شروع ہو سکا؟
- ○ عنبر جب جوگی کو شمشان بھومی یعنی ہندوؤں کے مُردوں کو جلانے والے مقام پر ملا تو جوگی نے اسے کیا کہا؟
- ○ عنبر ماریا ناگ کی ملاقات کہاں اور کیسے ہوئی؟

ان سوالوں کے جواب کے لیے اگلی قسط نمبر ۶۱ "لاش کا دوسرا جنم" اپنے قریبی بک سٹال سے آج ہی خریدیئے۔

لاش کا دوسرا جنم

اے حمید

٦١

ناگ ماریا اور عنبر کی واپسی

کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

لاش کا دوسرا جنم

اے حمید

ترتیب

قیمت - ۷/۵۰ روپے

پیارے دوستو!
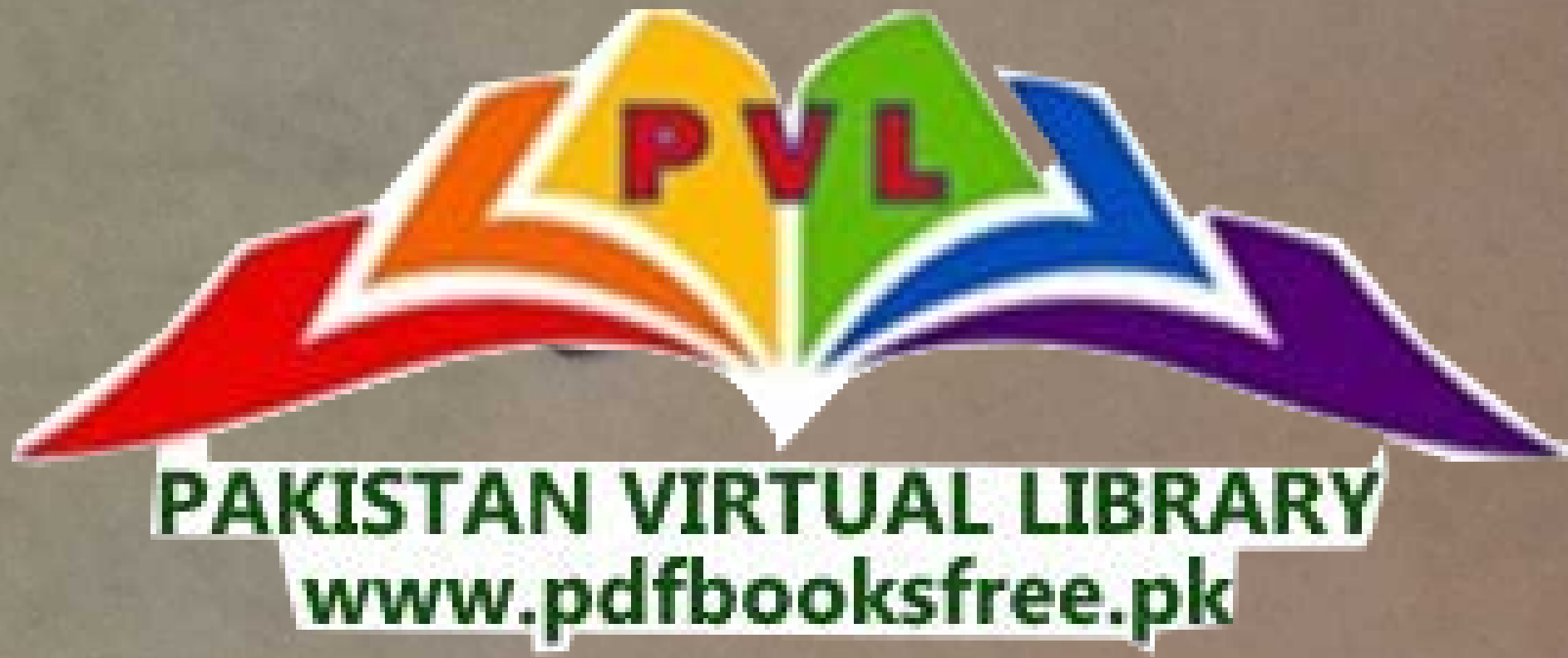
عنبر قدیم مصر کی پُراسرار شہزادی ماتری کے ساتھ ماڈرن زمانے کے لاہور شہر کی ایک کوٹھی کے باہر آدھی رات کو درختوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ ڈاکو اس کوٹھی میں داخل ہوتے ہیں۔ پُراسرار شہزادی ماتری اصل میں مر چکی ہے اور لاش کی شکل میں اپنا دوسرا جنم شروع کرنے یہاں لاہور کی اس کوٹھی کے پاس آئی ہے جس میں بالکل اسی کی شکل والی ایک لڑکی عزالہ رہتی ہے۔ عزالہ کو آج رات ڈاکوؤں نے قتل کر دینا ہے اور پھر اس کی لاش میں ماتری کو داخل ہو کر دوبارا زندہ ہو کر اپنا دوسرا جنم شروع کرنا ہے۔ ڈاکوؤں کے شور سے عزالہ کی آنکھ کھل جاتی ہے اور ڈاکو اسے زخمی کر دیتے ہیں۔ ماتری ہسپتال سے اس کی لاش کے آنے کا انتظار کر رہی ہے۔ عنبر بھی اس کے ساتھ ہے۔

اسے معلوم ہے کہ عزالہ زخموں کی تاب نہ لاکر مر
جائے گی۔ پھر ایمبولینس میں عزالہ کی لاش آتی ہے مگر
عنبر وہاں نہیں ہے اور ماتری کو لاش میں داخل ہونے
کے لیے ضروری ہے کہ لاش کمرے میں اکیلی ہے اور
وہاں سوائے لاش کے اور کوئی نہ ہو۔ مگر لاش اکیلی
نہیں چھوڑی جاتی۔ پھر کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ خود پڑھیے گا۔

آپ کا

اے حمید

لاش کا دوسرا جنم

نقاب پوش ڈاکو ڈرائینگ روم میں آ گئے۔

انہیں اس کمرے کی تلاش تھی جہاں زیوروں والی تجوری تھی
اندھیرے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ دوسرے کمرے میں داخل
ہونے کے بعد ڈاکوؤں نے غسل خانے کے دروازے کے ساتھ
ہی ایک دروازہ دیکھا جو بند تھا۔ دونوں ڈاکوؤں نے کان لگا کر
سنا۔ دوسرے کمرے میں خاموشی تھی۔ انہیں گھر کے نوکر نے جو
اطلاع دی تھی اس کے مطابق تجوری اسی کمرے میں تھی۔
ڈاکوؤں کے پاس دروازے کی چٹخنی کھولنے اور توڑنے والے
اوزار موجود تھے۔ ایک ڈاکو نے لوہے کا تار نکال کر دروازے
کے تالے والے سوراخ میں ڈال کر گھمایا۔ کلک کی آواز کے
ساتھ تالا کھل گیا۔ دروازے کا ایک پٹ آہستہ سے کھول
کر وہ اندر داخل ہو گئے۔ یہاں بھی اندھیرا تھا۔ دوسرے ڈاکو
نے چھوٹی ٹارچ نکال کر روشنی کی۔ لوہے کی ایک بڑی تجوری
یعنی الماری دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ وہ الماری کے

پاس آ گئے۔ اس الماری کو نمبروں والا تالا لگا تھا۔ گھر کے نوکر نے انہیں کسی نہ کسی طرح الماری کے تالے کے نمبر معلوم کر کے بتا دیئے تھے۔ ڈاکوؤں نے نمبر ملا کر تالا کھول دیا۔ الماری کے ایک خانے میں سونے کے زیورات اور سو سو کے نوٹوں کی گڈیاں پڑی تھیں۔ انہوں نے جلدی جلدی زیورات اور نوٹ ایک تھیلے میں ڈالنے شروع کر دیئے۔

اچانک ایک ڈاکو کے ہاتھ سے لوہے کا پلاس فرش پر گر پڑا۔ اس کی آواز پیدا ہوئی اور ساتھ والے کمرے میں سوئے ہوئے گھر کے مالک کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے گھر کی بتیاں روشن کر دیں۔ ڈاکو باہر کو بھاگے۔ چور چور چور کا شور مچ گیا۔ ماتری کی ہم شکل لڑکی جس کا نام غزالہ تھا اپنے کمرے سے شور سن کر نکلی تو ڈاکوؤں کے سامنے آ گئی۔ اس نے ایک ڈاکو کو پکڑ لیا۔ ڈاکو نے پہلے تو اپنے آپکو چھڑانے کی کوشش کی۔ جب ایسا نہ کر سکا تو جیب سے خنجر نکال کر غزالہ کی گردن میں گھونپ دیا، وہ چیخ مار کر فرش پر گر پڑی۔

ڈاکو فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

کوٹھی کی بتیاں روشن ہوتے دیکھ کر ماتری نے عنبر سے کہا

"اب ڈاکو باہر کو بھاگیں گے۔"

اور ایسا ہی ہوا۔ دونوں ڈاکو ڈرائینگ روم میں سے نکلے۔

بھاگ کر لان کی جھاڑیاں کو پھلانگا اور کوٹھی کے گیٹ میں سے بڑی تیزی سے نکلتے ہوئے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ کوٹھی میں ایک شور مچا ہوا تھا۔ ساتھ والی کوٹھیوں کے لوگ بھی جاگ پڑے اور اس کوٹھی کی طرف بھاگے جس میں ڈاکہ پڑا تھا۔

عنبر نے ماتری سے پوچھا:

"اندر کیا ہوا ہے؟"

ماتری نے کہا:

"ایک ڈاکو نے میری ہم شکل غزالہ کی گردن میں خنجر گھونپ کر بڑا کاری زخم لگا دیا ہے۔"

اتنے میں کوٹھی کے ڈرائینگ روم میں سے غزالہ کا باپ اس کی ماں اور نوکر غزالہ کو اٹھائے باہر نکلے۔ غزالہ کی گردن سے خون بہہ رہا تھا اور وہ بے ہوش تھی۔ ڈرائیور نے تیزی سے گیراج میں سے گاڑی نکالی۔ غزالہ کو گاڑی میں ڈالا اور کار اسے لے کر ہسپتال کی طرف روانہ ہو گئی۔

عنبر نے پوچھا:

"تم اب کس بات کا انتظار کر رہی ہو ماتری؟"

ماتری نے کہا:

"غزالہ کے مرنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ جب وہ مر

جائے گی تو میں اس کے جسم میں داخل ہو جاؤں گی اور وہ پھر سے زندہ ہو جائے گی۔"

تھوڑی دیر میں وہاں پولیس آ گئی۔ انسپکٹر ڈاکوؤں کے پاؤں کے نشان تلاش کرنے لگا۔ عنبر اور ماتری درختوں کے نیچے بیچ پر اندھیرے میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ انہوں نے دیکھا کہ انسپکٹر پولیس دوسرے دو سپاہیوں کے ساتھ اس طرف چلے آ رہے ہیں جدھر عنبر اور ماتری چھپے ہوئے تھے۔

ماتری نے کہا:

"یہ لوگ ہمیں ڈاکے اور قتل کے شبے میں پکڑ سکتے ہیں میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ کیوں کہ مجھے عزالہ کی لاش کا یہاں انتظار کرنا ہے۔ میں کہیں اور جا کر چھپ جاتی ہوں تم بھی کسی دوسری جگہ جا کر چھپ جاؤ۔"

یہ کہہ کر ماتری جھاڑیوں میں سے نکل کر درختوں میں غائب ہو گئی۔ عنبر جھاڑیوں میں سے نکل کر درختوں کی طرف جا رہا تھا کہ پولیس انسپکٹر نے اسے دیکھ لیا اور پستول نکال کر بولا:

"خبردار ــــ وہیں رُک جاؤ نہیں تو گولی چلا دوں گا۔"

عنبر اس خیال سے رُک گیا کہ ماتری کو وہاں سے فرار ہونے کا موقع مل جائے۔ انسپکٹر نے عنبر کو قابو کر لیا۔ اس کی تلاشی

لی تو اس کے پاس سے ماتری کا دیا ہوا موتیوں کا قیمتی ہار نکلا۔ انسپکٹر کو یقین ہو گیا کہ یہی وہ ڈاکو ہے جس نے ابھی ابھی سامنے والی کوٹھی میں ڈاکہ ڈالا ہے۔ عنبر کو گرفتار کر کے ہتھکڑی لگا دی گئی۔

"اسے تھانے لے چلو۔"

موتیوں کا ہار انسپکٹر نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ عنبر کو اس بات کی خوشی تھی کہ ماتری کی طرف پولیس کی توجہ نہیں گئی اور وہ گرفتار ہونے سے بچ گئی ہے۔ اس کا گرفتاری سے بچنا بہت ضروری تھا۔ پولیس عنبر کو گاڑی میں بٹھا کر تھانے لے گئی۔

ماتری باغ کی دوسری طرف درختوں کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔ اس نے عنبر کو گرفتار ہوتے دیکھ لیا تھا۔ اسے افسوس ہوا تھا کیوں کہ وہ سمجھ گئی تھی کہ یہ قربانی عنبر نے اس کے لیے دی ہے۔ افسوس اسے اس بات کا تھا کہ اب وہ عنبر کو نہ دیکھ سکے گی۔ وہ اب ماتری کی شکل میں نہیں بلکہ عزالہ کی شکل میں دوسرے جنم میں آ کر زندگی بسر کرے گی اور عنبر کو نہ پہچان سکے گی۔ وہ عزالہ کی لاش کی واپسی کا انتظار کرنے لگی۔ ماتری کی ہم شکل عزالہ کو شدید زخمی حالت میں ہسپتال لے جایا گیا تھا۔ ماتری کو معلوم تھا کہ وہ زندہ

نہیں آئے گی اور ابھی اس کی لاش واپس آئے گی۔

ماتری لاش کا انتظار کر رہی تھی۔

آدھے گھنٹے بعد غزالہ کے باپ کی گاڑی اور ہسپتال کی ایمبولینس کوٹھی میں داخل ہوئی۔ اس کی ماں اور چھوٹی بہن زار و قطار رو رہی تھیں۔ باپ اپنے آنسو پونچھتا غم سے نڈھال کار سے باہر نکلا اور پھر غزالہ کی لاش ایمبولینس سے باہر نکال گئی۔ لاش سفید چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ کوٹھی میں کہرام مچ گیا۔ ماتری یہ سب کچھ خاموش نظروں سے دیکھ رہی تھی اس وقت اگر گھر کا کوئی آدمی درختوں میں آکر ماتری کو دیکھ لیتا تو دہشت کے مارے چیخ مار کر بھاگ جاتا۔ کیونکہ وہ دیکھتا کہ غزالہ کی لاش کوٹھی میں پڑی ہے اور غزالہ زندہ حالت میں درختوں کے پاس کھڑی ہے۔

غزالہ کی لاش کوٹھی کے ڈرائینگ روم میں رکھ دی گئی اس کی ماں اور بہن اس کے سرہانے بیٹھ کر روتے ہوئے قرآن شریف پڑھنے لگیں۔ اس کے باپ نے فون پر کراچی پنڈی اور حیدر آباد میں سب رشتہ داروں کو غزالہ کی موت کی خبر کر دی۔ ہمسائے کی عورتیں اور مرد بھی افسوس کرنے وہاں جمع ہو گئے۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ ہمسایہ عورتیں اور مرد اپنے گھروں کو چلے گئے تھے۔ جنازہ صبح دس

بجے اٹھنا تھا۔ غزالہ کی ماں اور بہن سر جھکائے لاش کے پاس بیٹھی تھیں اور قرآن شریف پڑھ رہی تھیں۔ غزالہ کا باپ سر ہاتھوں میں تھامے کرسی پر بیٹھا آنسو بہا رہا تھا۔

ماتری درختوں میں سے چپکے سے نکلی اور کوٹھی کی طرف بڑھی۔ اس نے برآمدے میں آکر جھانک کر اندر دیکھا۔ لاش کے پاس غزالہ کے ماں باپ اور بہن بیٹھی تھیں۔ اب ماتری کو ڈرائینگ روم میں جا کر لاش کے جسم میں داخل ہونا تھا۔ مگر اس کے لیے ضروری تھا کہ کمرے میں سوائے لاش کے اور کوئی نہ ہو۔ یہ بڑا نازک لمحہ تھا کیونکہ اگر یہ لوگ لاش کو تنہا نہیں چھوڑتے تو صبح ہونے تک دوسرے لوگ بھی آ جائیں گے۔ پھر لاش کو قبرستان لے جا کر دفن کر دیا جائے گا اور ماتری کے لیے لاش کے جسم میں داخل ہونا مشکل ہو جائے گا۔ ماتری یہ چاہتی تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے صبح ہونے سے پہلے پہلے غزالہ کی ماں بہن اور باپ لاش کو اکیلی چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلے جائیں اور وہ اندر جا کر اپنا خاص منتر پڑھے۔ جادو پھونکے اور لاش کے جسم میں داخل ہو کر دوسرے جنم میں داخل ہو جائے اور لاش کو زندہ کر دے۔ مگر بھلا جس باپ کی اور جس ماں کی بیٹی اور جس لڑکی کی بڑی بہن کی لاش سامنے پڑی ہو اسے کہاں نیند

آتی ہے اور وہ کہاں لاش کو چھوڑ کر جاتے ہیں؟

ماتری برآمدے میں پریشانی سے ایک طرف دیوار سے لگ کر کھڑی تھی کہ ایک کار کوٹھی کے گیٹ کی طرف آتی دکھائی دی۔ ماتری برآمدے سے نکل کر کوٹھی کے پیچھے جھاڑیوں میں جا کر چھپ گئی۔ غزالہ کی موت کا سن کر اس کے رشتے دار آئے تھے۔ رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد کچھ اور رشتے دار آ گئے۔ اسی طرح دن نکل آیا۔ ماتری کی ساری سکیم فیل ہو گئی تھی۔ وہ لاش کے جسم میں داخل نہیں ہو سکی تھی۔ اب تو لاش کا اکیلا ملنا ناممکن تھا۔ ڈرائنگ روم میں لاش کے گرد سارے رشتہ دار بیٹھے تھے۔ ماتری کو اب مجبوراً لاش کے قبر میں دفن ہونے کا انتظار کرنا تھا۔

سارا دن کوٹھی میں سوگ کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ جنازے کو دس بجے لے جانا تھا مگر کراچی سے غزالہ کے ماموں ابھی نہیں آئے تھے۔ انہیں جہاز نہیں مل سکا تھا۔ اسی طرح سارا دن گذر گیا۔ ماتری بہت پریشان تھی۔ اس کو چھپنے کے لیے کوئی مناسب جگہ نہیں مل رہی تھی۔ اس کی شکل غزالہ سے ملتی تھی۔ اگر اسے کوئی دیکھ لیتا تو ماتری اپنا دوسرا جنم غزالہ کے روپ میں شروع نہیں کر سکتی تھی۔ سب لوگ یہی سمجھتے کہ غزالہ مر گئی ہے مگر اس کی ایک

ہم شکل لڑکی مل گئی ہے۔ لیکن ماتری کا دوسرا جنم غزالہ کی ہم شکل لڑکی کی حیثیت سے نہیں بلکہ غزالہ کی شکل میں ہی شروع ہو سکتا تھا۔

ماتری جھاڑیوں میں سے نکل کر کوٹھیوں سے دور اینٹوں کے ایک بھٹے کی دیوار کے پاس آ کر چھپ گئی تھی۔ اب وہ غزالہ کے جنازے کے جانے کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے یہ بھی ڈر تھا کہ کوئی اسے دیکھ کر یہ شور نہ مچا دے کہ جو لڑکی مر گئی ہے وہ اس جگہ چھپی ہوئی بیٹھی ہے۔

دن گذرتا گیا۔ سورج غروب ہونے لگا۔ پھر شام کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا۔ اندھیرا ماتری کے لیے بڑا اچھا تھا۔ وہ اندھیرے میں اینٹوں کے بھٹے سے نکل کر دوبارہ غزالہ کی کوٹھی کے سامنے والے درختوں میں آ کر چھپ گئی۔ اتنے میں شور مچا کہ کراچی سے غزالہ کا ماموں آ گیا ہے۔ ایک بار پھر اس کوٹھی میں رونے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس کے بعد جنازہ لے جانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ماتری کو اسی گھڑی کا انتظار تھا۔

غزالہ کا جنازہ اٹھا۔ محلے کے لوگ اور رشتہ دار روتے ہوئے ساتھ ہوئے اور جنازہ قبرستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ علاقہ لاہور شہر کے ماڈل ٹاؤن کے شمال کا علاقہ تھا اور

اس کا قبرستان وہیں تھوڑے فاصلے پر ایک کھلے میدان میں تھا جہاں کیکر اور نیم کے درختوں کے جھنڈ اُگے ہوئے تھے۔ ماتری بھی کچھ فاصلہ ڈال کر جنازے کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ شام کا اندھیرا رات کے اندھیرے میں گم ہو رہا تھا۔ جنازہ قبرستان میں داخل ہو گیا۔ جنازے کے ساتھ روشنی کیلئے دو گیس بھی تھے۔ قبر پہلے سے تیار تھی۔ قبرستان کی جنازگاہ میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور پھر غزالہ کی کفن میں لپٹی ہوئی لاش کو اس کے عزیزوں اور باپ نے مل کر روتی آنکھوں کے ساتھ قبر میں اتار دیا۔ اوپر مٹی ڈال کر قبر بنا دی گئی۔ فاتحہ پڑھا گیا اور سب لوگ واپس اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

جب قبرستان میں ہر طرف گہری خاموشی چھا گئی اور قبر کھودنے والے بھی دُور اپنی کوٹھڑیوں کی طرف چلے گئے تو ماتری جنازگاہ کے پیچھے سے نکل اور ادھر اُدھر دیکھتی ہوئی قبر کے پاس آ گئی۔ وہاں گھپ اندھیرا تھا۔ قبر پر گلاب کے تازہ پھولوں کے ہار پڑے تھے۔ ماتری اب وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کے پاس قبر کھودنے کے لیے کوئی کدال وغیرہ نہیں تھی۔ مگر چونکہ قبر ابھی تازہ تھی اس لیے اس کی مٹی نرم تھی۔ ماتری دونوں ہاتھوں سے قبر کی مٹی ہٹانے لگی۔ آدھے گھنٹے کی سخت محنت کے بعد قبر میں

ایک طرف گہرا اور چوڑا سوراخ بن گیا۔ ماتری تھک گئی تھی اور اسے پسینہ آ گیا تھا۔ پھر بھی وہ قبر کو اور زیادہ کھودتی چلی گئی۔ اب اسے لحد میں سے غزالہ کی لاش کا سفید کفن دکھائی دینے لگا۔ اس نے تیزی سے مٹی ادھر ادھر ہٹانی شروع کر دی۔ آخر لحد صاف ہو گئی۔ غزالہ کی پوری لاش کفن میں لپٹی ماتری کے سامنے پڑی تھی۔ اب ماتری نے اپنا عمل شروع کر دیا۔ اس نے غزالہ کی لاش کے چہرے پر سے کفن ہٹا دیا۔ ماتری اپنی شکل دیکھ کر ایک بار تو دنگ ہو کر رہ گئی۔ وہی سنہری بال، نیلی آنکھیں اور ستواں ناک — فرق صرف یہ تھا کہ ماتری زندہ حالت میں تھی اور اس کے سامنے اس کی ہم شکل ماتری مردہ پڑی تھی۔ ماتری نے غزالہ کی لاش کے ماتھے پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے اور منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ وہ منہ ہی منہ میں منتر پڑھ رہی تھی۔ پھر اس کی آواز آہستہ آہستہ بلند ہوتی گئی۔ اس کے بعد وہ پھر منہ میں منتر پڑھنے لگی۔ جب اس نے پورے منتر پڑھ لیے تو غزالہ کی لاش کے اوپر بالکل سیدھی ہو کر لیٹ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

لاش کے اوپر ماتری لیٹی تو قبر میں دو بار کسی کے سسکی لینے کی آواز سنائی دی۔ پھر قبر یوں ایک دو بار ہلی جیسے ہلکا

سا زلزلے کا جھٹکا آیا ہو۔ پھر ماتری کے جسم نے پگھل کر
غزالہ کے جسم میں جذب ہونا شروع کر دیا۔ یہ بالکل ایسا
لگ رہا تھا جیسے لاش کے اوپر برف کا ڈلا رکھا ہوا
ہو اور گرمی میں اس کا پانی پگھل پگھل کر لاش کے جسم میں
جذب ہو رہا ہو۔ یہ بڑا خطرناک وقت تھا۔ اگر اس وقت
کوئی قبر کے اوپر آ جاتا اور شور مچا دیتا تو ماتری دوبارا غزالہ
کے روپ میں کبھی زندہ نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ بھی پگھل کر
لاش کے ساتھ لاش بن کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے
نیست و نابود ہو جاتی۔ اس وقت ماتری بے بس تھی۔ اسے
اپنی کوئی خبر نہیں تھی۔ کوئی ہوش نہیں تھا کہ اس کے ساتھ
کیا ہو رہا ہے۔ اصل میں اس وقت ماتری بھی دوبارہ مر چکی
تھی اور اس کی لاش پگھل کر غزالہ کی لاش میں جذب ہو
رہی تھی۔

یہ ماتری کی خوش قسمتی تھی کہ قبرستان میں اس وقت کوئی
نہ آیا۔ قبرستان میں اندھیرا اور ویرانی چھائی رہی۔ صرف کسی
وقت ایک درخت پر سے کسی الو کے بولنے کی آواز سنائی
دے جاتی تھی جو قبرستان کی ڈراؤنی فضا کو اور زیادہ ڈراؤنی
بنا رہی تھی۔

لاش کے پگھلنے کا عمل آدھ گھنٹہ تک جاری رہا۔ پھر

ماتری کی لاش غائب ہو گئی۔ ماتری پوری کی پوری سر سے
لے کر پاؤں تک غزالہ کی لاش میں جذب ہو کر گم ہو گئی
تھی۔ اب لحد میں کفن میں لیٹی ہوئی ماتری کی لاش غزالہ کے
روپ میں پڑی تھی۔ پہلے وہ غزالہ کے روپ میں پڑی تھی۔
پہلے دو غزالہ اور دو ماتری تھیں اب ایک غزالہ اور ایک
ماتری بن چکی تھی۔

ماتری کا غزالہ کی شکل میں دوسرا جنم شروع ہونے والا
تھا۔ ماتری کی لاش غزالہ کی شکل میں بے حس و حرکت پڑی
تھی۔ قبرستان میں موت ایسی خاموشی تھی۔ رات کے ڈراؤنے
اندھیروں نے قبروں پر اپنے سیاہ پر پھیلا رکھے تھے۔ اچانک
لاش میں حرکت پیدا ہوئی۔ غزالہ کی لاش میں ماتری کی روح
داخل ہو چکی تھی۔ ماتری غزالہ کی شکل میں دوسرے جنم کے لیے
زندہ ہو چکی تھی۔ اب وہ ماتری نہیں بلکہ غزالہ تھی۔ ساری یادداشت
غزالہ کی تھی۔ ماتری اپنی پہلی جنم کی یادداشت ہمیشہ کے لیے
کھو چکی تھی۔ اب اگر عنبر اس کے سامنے آتا تو وہ اسے
بالکل نہ پہچان سکتی تھی۔

غزالہ کی لاش نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کی گردن کے
زخم پر خون ابھی تک جما ہوا تھا۔ اب وہ غزالہ تھی اور
ماتری کی روح حاصل کرنے کے بعد دوبارا زندہ ہو گئی تھی۔

اس نے اپنے آپ کو کفن میں لپٹی قبر میں لیٹے دیکھا تو خوف سے اس کی چیخ نکل گئی۔

قبر میں ایک طرف چوڑا سوراخ تھا اور اس میں سے ستاروں کی ہلکی ہلکی روشنی قبر میں داخل ہو رہی تھی۔ غزالہ کا جسم کفن کے اندر ننگا تھا۔ اس کی آنکھوں کے پپوٹوں اور ناک میں مشک کافور پھنسا ہوا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ جب گھر میں ڈاکہ پڑا تھا تو اس نے ایک ڈاکو کو پکڑ لیا تھا اور اس ڈاکو نے اس کی گردن میں چھری ماری تھی اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔ اس کے بعد یقیناً اسے ہسپتال لے جایا گیا ہوگا۔ جہاں وہ لوگوں کی نظروں میں مر گئی ہو گی مگر اصل میں وہ زندہ تھی اور اسے سکتہ ہو گیا تھا۔

غزالہ کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ اس نے ایسے کئی واقعے پڑھے تھے کہ ایک آدمی کو سکتہ ہو گیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ وہ مر گیا ہے۔ اسے دفن کر دیا گیا اور وہ پھر زندہ ہو گیا اور کسی نہ کسی طرح اپنی قبر کھود کر واپس گھر پہنچ گیا۔

اب غزالہ کی نظر قبر کے سوراخ کی طرف گئی۔ وہ یہ سوچ کر حیران ہوئی کہ اس کی قبر کس نے کھودی تھی؟ یہ قبر تو اسے خود کھودنی چاہیے تھی۔ پھر باہر سے آکر کون قبر

کھود گیا؟ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ جب اسے مردہ سمجھ کر قبر میں دفن کر دیا گیا ہو تو تھوڑی دیر بعد کوئی کفن چور وہاں آیا ہو۔ اس نے قبر کھودی ہو مگر لاش کو دیکھ کر اس پر خوف طاری ہو گیا ہو اور وہ بھاگ گیا ہو۔

غزالہ کو یقین ہو گیا کہ اسے سکتہ ہو گیا تھا اور گھر والوں نے اسے مردہ سمجھ کر قبر میں دفنا دیا تھا اور اب خدا نے اسے دوبارہ زندگی عطا کر دی ہے۔ اس کا سکتہ دور ہو گیا ہے۔ سب سے پہلے غزالہ نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کا سکتہ ختم ہو گیا اور وہ پھر سے زندہ ہو گئی۔ اس کے بعد غزالہ نے اس کفن چور کا شکریہ ادا کیا جس نے اس کی قبر کھود کر اس کو تازہ ہوا عطا کی تھی اور اس کے لیے قبر سے باہر نکلنے کا راستہ بنا دیا تھا۔

غزالہ رینگ کر لحد سے نکلی اور قبر کے سوراخ میں سے اوپر کو کھسکتی ہوئی قبر کے سوراخ سے باہر نکل آئی۔ اس نے اپنی آنکھوں اور ناک میں سے کافور کو صاف کیا۔ کفن کو اپنے جسم کے گرد اچھی طرح لپیٹ لیا۔ کفن پر اس کی کہنیوں پر جگہ جگہ قبر کی مٹی لگی ہوئی تھی۔ وہ ابھی تک خوف زدہ تھی اور اس کا جسم گرمی کی اس تاریک رات میں بھی دہشت کے مارے کانپ رہا تھا۔ اس نے اپنی

کھدی ہوئی قبر کو دیکھا تو اس کا سارا جسم لرز گیا۔ وہ جلدی
سے قبر سے ہٹ گئی۔

اس قبرستان کو غزالہ نے اپنی ایک سہیلی کی کو کوٹھی کی
طرف جاتے ہوئے کئی بار دن کے وقت دیکھا تھا۔ مگر اس
وقت وہ رات کے سناٹے میں اپنی ہی قبر کے پاس کفن
جسم کے گرد لپیٹے کھڑی تھی۔ اسے ایک پل کے لیے بھی یہ
خیال نہ آرہا تھا کہ وہ اصل میں ماتری ہے۔ قدیم مصر کی
ایک شہزادی اور یہ اس کا دوسرا جنم ہے۔ وہ اب غزالہ
تھی اور غزالہ کی تمام یادداشت کے ساتھ زندہ ہوگئی تھی۔

غزالہ کو اپنے باپ اپنی پیاری ماں اور بہن کا خیال
آگیا کہ وہ اس کی موت پر کس قدر روتے ہوں گے اور
جب اسے دوبارا زندہ دیکھیں گے تو کس قدر خوش ہوں گے
پھر اسے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے وہ ڈر کے مارے بے ہوش
ہو جائیں اور کوئی یقین نہ کرے کہ وہ دوبارا زندہ ہو گئی
ہے۔ مگر غزالہ نے سوچا کہ وہ تو سچ مچ زندہ ہے۔ اس سے
کون انکار کر سکتا ہے؟

قبرستان میں قبروں کے درمیان ایک کچا راستہ قبرستان
سے باہر جاتا تھا۔ غزالہ کا دل ڈر رہا ہے۔ وہ اس راستے
پر سے ہو کر قبرستان سے باہر نکل آئی۔ یہ ماڈل ٹاؤن کا

قبرستان تھا اور غزالہ گھر کے راستے سے خوب واقف تھی۔
اسے یہی ڈر تھا کہ راستے میں کوئی شخص نہ مل جائے وہ
خاموشی سے اپنے بنگلے میں داخل ہونا چاہتی تھی۔ رات کے
دس ساڑھے دس کا وقت تھا۔ کچھ فاصلے پر نالے کے
پار ماڈل ٹاؤن کی کوٹھیوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ اسے
پانی کی گول ٹینکی کا سایہ سا بھی نظر آرہا تھا۔ اسی ٹینکی کے
پاس غزالہ کی کوٹھی تھی۔

غزالہ رات کے اندھیرے میں قبرستان سے نکل کر کھیتوں
میں سے ہو کر اپنی کوٹھی کی طرف چل پڑی۔ اس کو اپنی گردن
پر کوئی ٹھنڈی شے بہتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے ہاتھ لگا
کر اندھیرے میں دیکھا۔ یہ خون تھا۔ جو اس کی گردن کے زخم
سے بہنے لگا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھانے لگی تاکہ گھر جا کر زخم
کی پھر سے مرہم پٹی کی جا سکے۔

ایک رکشا سامنے والی سڑک پر تیزی سے گذر گیا۔ غزالہ
ایک درخت کے پیچھے ہو گئی۔ رکشا دور چلا گیا تو وہ
درخت کی اوٹ سے نکلی اور اپنی کوٹھی کی طرف چلنے لگی۔
نالے کا پل خالی تھا۔ وہ پل پر سے گذر گئی۔ اگر کوئی اسے
کفن میں لپٹے ہوئے دیکھ لیتا تو یقیناً ڈر کر بھاگ جاتا یا
بے ہوش ہو جاتا۔ غزالہ کوٹھیوں کے پیچھے سے ہو کر اپنی

کوٹھی کے پیچھے لان کی دیوار کے پاس آ گئی۔ اچانک اس چھوٹی سی گلی میں ایک سکوٹر سوار اس کے سامنے آ گیا سکوٹر کی تیز روشنی غزالہ کے جسم پر پڑی تو سکوٹر سوار نے اپنے سامنے سفید کفن میں لپٹی ہوئی ایک عورت کو دیکھا۔ اس نے سکوٹر وہیں پھینکا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔

غزالہ نے ایک جگہ سے اپنی کوٹھی کی دیوار پھاندی اور پچھلے صحن میں چھلانگ لگا دی۔ وہ گر پڑی۔ آہستہ سے اٹھی تو اس نے دیکھا کہ پچھلے کمرے کے غسل خانے کی بتی روشن تھی۔ برآمدے میں اس کی موت پر آئے ہوئے رشتے داروں کے لیے چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ان کے گھر کی نوکرانی کسی کام سے وہاں برآمدے میں آئی تو اس نے پچھلے برآمدے کی بتی روشن کر دی۔ اس روشنی میں نوکرانی نے صحن کے گھاس پر سفید لباس والی عورت کو دیکھا تو چیخ مار کر واپس بھاگی۔ اس نے غزالہ کو نہیں پہچانا تھا وہ دیکھتے ہی اسے کوئی بھوت سمجھ کر ڈر گئی تھی۔

غزالہ جلدی سے جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گئی۔ وہ ایک دم گھر والوں کے سامنے نہیں جانا چاہتی تھی۔ نوکرانی کی چیخ سن کر غزالہ کا ماموں اور ممانی باہر آ گئے۔

"کم بخت کیا ہو گیا تھا تمہیں؟ کیوں چیخی تھی؟"

ممانی یہ کہتی ہوئی برآمدے میں چارپائیوں کو تکنے لگی۔ غزالہ کا ماموں بھی ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس کے بعد جب نوکرانی نے اندر جا کر بتایا کہ باہر پچھلے صحن میں کوئی سفید لباس والی چڑیل کھڑی ہے تو دوسرے رشتے دار مرد بھی ادھر آ گئے۔ وہ سب صحن میں پیڑ پودوں میں چڑیل کو تلاش کرنے لگے۔ غزالہ کا چچا اچانک اس جھاڑی کے پاس آ گیا جہاں غزالہ چھپی ہوئی تھی۔ اس نے جو اپنے سامنے مری ہوئی بھتیجی غزالہ کو کفن میں لپٹا دیکھا کہ اس کی گردن سے خون بھی بہہ رہا ہے تو وہ بے ہوش ہو کر وہیں گر پڑا اسے بے ہوش ہوتا دیکھ کر دوسرے مرد لوگ ادھر کو دوڑے۔

اب غزالہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بولی:

"میں مری نہیں زندہ ہوں۔"

رشتے دار مردوں نے غزالہ کو کفن میں اپنے سامنے دیکھا تو سارے ڈر کر ایک دوسرے کے اوپر گرتے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ کوٹھی میں ایک دم شور مچ گیا کہ غزالہ زندہ ہو کر قبرستان سے واپس آ گئی ہے۔ غزالہ کی ماں، باپ اور چھوٹی بہن دوڑی دوڑی وہاں آ گئی۔

وہ سب پتھر کے بت بنے غزالہ کو تکتے رہے۔ ہر ایک کی زبان پر کلمہ شریف کا ورد تھا۔ وہ سب کلمہ شریف

پڑھنے لگے۔ غزالہ نے آگے بڑھ کر اپنی بہن کو چھونا چاہا
تو وہ بھی بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

غزالہ نے کہا:

"ابا جی! امی جان! مجھے سکتہ ہو گیا تھا۔ میں
مری نہیں تھی۔ زندہ تھی۔ قبر کھود کر واپس آگئی
ہوں۔ میری گردن سے خون بہہ رہا ہے۔ میں
زندہ ہوں میں آپ کی بیٹی غزالہ ہوں...."

ماں آخر ماں ہوتی ہے۔ وہ میری بچی میری بیٹی کہہ کر
آگے بڑھی اور اس نے غزالہ کو سینے سے لگا لیا۔ پھر اس
کا باپ بھی آگے بڑھا اور روتا ہوا دھاڑیں مارتا ہوا اپنی
بیٹی سے لپٹ گیا۔ وہ جلدی سے غزالہ کو اندر لے گئے۔
ساری کوٹھی میں شور مچ گیا کہ غزالہ زندہ ہو گئی ہے۔ ہمسایوں
میں بھی پتہ چل گیا۔ بیڈ روموں کی بتیاں روشن ہو گئیں۔ غزالہ
کو دیکھنے اس کی کوٹھی کی طرف بھاگیں۔ وہاں ایک ہجوم
اکٹھا ہو گیا۔ لوگ ابھی تک ڈرے ہوئے تھے اور دُور
دُور کھڑے تھے۔ غزالہ کی ماں اور اس کی بہن نے غزالہ
کو پلنگ پر لٹا کر اس کی گردن پر پٹی باندھ دی تھی۔
اور پنکھا کھول دیا تھا۔ انہوں نے غزالہ کو دودھ پلایا
اور پولیس کو اور ڈاکٹر کو فون کر کے سارا حال بتا دیا۔ تھوڑی

دیر میں وہاں پولیس آگئی۔ پولیس انسپکٹر نے دوبارہ رپورٹ
درج کی کہ ڈاکے کے بعد جو لڑکی قتل ہوئی تھی وہ دوبارہ
زندہ ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر نے آکر غزالہ کا اچھی طرح سے
معائنہ کیا۔ غزالہ زندہ تھی۔ اس نے اعلان کر دیا کہ غزالہ
زندہ ہے۔ اسے سکتہ ہو گیا تھا مری نہیں تھی۔ اس نے
غزالہ کے باپ کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا:

"شیخ صاحب آپ خوش قسمت ہیں۔ خدا کا شکر
ادا کریں۔ آپ کی بیٹی پھر سے زندہ ہو گئی۔ اگر
قبر میں وہ کچھ دیر اور بند رہتی تو آکسیجن نہ ملنے
کی وجہ سے سچ مچ مر سکتی تھی۔"

ڈاکٹر نے غزالہ کے گردن کے زخم پر دوائی لگا کر اس
کی پھر سے مرہم پٹی کی۔ اسے طاقت کا انجکشن دیا اور
نیند لانے والی دو گولیاں دودھ کے ساتھ کھلا کر اس کی
والدہ کو ایک طرف لے جا کر کہا:

"اب بچی کو آرام کرنے دیں۔ سب لوگوں کو یہاں
سے ہٹا دیں۔"

غزالہ کی امی نے پوچھا:

"ڈاکٹر صاحب! میری بچی اب زندہ رہے گی ناں؟ پھر
تو نہیں مر جائے گی کہیں؟"

ڈاکٹر نے تسلی دیتے ہوئے کہا:
"خدا کا شکر ہے کہ آپ کی بیٹی کو نئی زندگی ملی۔ میرے
ٹیسٹ کے مطابق وہ بالکل تندرست ہے اور اب
نارمل انسانوں کی طرح زندہ رہے گی ویسے کبھی کبھی
ایسا ہو جایا کرتا ہے کہ ڈاکٹر بھی دھوکا کھا جاتے ہیں
یہ خدا کے کام ہیں۔ اس میں کوئی انسان دخل نہیں
دے سکتا۔ ہمارے تمام ڈاکٹری آلات نے غزالہ کی موت
کی تصدیق کر دی تھی۔ ویسے ہو سکتا ہے کہ اسے سکتہ
ہو گیا ہو اور وہ بھی ایسا کہ اس پر موت کا شبہ
بلکہ یقین ہو گیا تھا۔ بہرحال یہ اللہ کے کام ہیں۔ وہ
جسے چاہے دوبارہ زندگی عطا کر سکتا ہے۔ اب
میں جاتا ہوں۔ غزالہ بیٹی کو آرام کرنے دیں۔"

ڈاکٹر نے پولیس کے کاغذات پر بھی اس بات کی تصدیق
کر کے دستخط کر دیئے کہ ڈاکے میں قتل ہونے والی لڑکی زندہ
ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر اور پولیس کے سپاہی واپس چلے گئے غزالہ
پلنگ پر لیٹی تھی۔ اس کے چہرے پر دوبارہ زندہ ہو جانے
کی خوشی کی چمک تھی۔ اس کی چھوٹی بہن بار بار اپنی بہن کا
منہ چوم رہی تھی۔ باپ اپنی پھر سے زندہ ہو جانے والی
بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ رشتے دار حیران کھڑے

غزالہ کو تک رہے تھے جس گھر میں ایک گھنٹہ پہلے ماتم ہو
رہا تھا وہاں اب خوشیوں کے شادیانے بج رہے تھے
غزالہ کی ماں نے سب لوگوں کو اس کمرے سے ہٹا دیا
کیوں کہ غزالہ کو نیند آ رہی تھی۔
اور پھر وہ گہری نیند سو گئی!!

○

جہاں مُردے جلتے تھے

اب عنبر کی سنیں کہ اس کے ساتھ کیا گذری۔

وہ تو اس لیے انسپکٹر پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا کہ ماتری کو وہاں سے فرار ہونے کا موقع مل سکے۔ وہ جانتا تھا کہ اگر ماتری گرفتار ہو گئی تو اس کے دوسرے جنم کے شروع ہونے میں اگر دیر نہ ہوئی تو کچھ گڑبڑ ضرور ہو جائے گی۔ چنانچہ عنبر نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ آگے سے مقابلہ بھی نہ کیا۔ اور گرفتار ہو گیا۔ وہ چاہتا تو انسپکٹر پولیس کیا اگر سارے شہر کی پولیس بھی وہاں آ جاتی تو عنبر کو گرفتار نہیں کر سکتی تھی۔ انسپکٹر پولیس نے عنبر کے قبضے سے ایک موتیوں کا ہار بھی برآمد کر لیا تھا۔ وہ یہ سمجھا کہ یہ ہار عنبر نے غزالہ کی کوٹھی سے چرایا ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ ہار غزالہ کا یا اس کی والدہ کا نہیں ہے۔ انسپکٹر پولیس نے سوچا کہ یہ ہار عنبر نے کسی دوسری کوٹھی سے چرایا ہو گا۔ وہ اسے تھانے لے گیا اور حوالات میں بند کر دیا۔ دوسرے دن عنبر سے

پولیس نے پوچھ گچھ شروع کر دی۔ پولیس جب چوروں یا ڈاکوؤں سے پوچھ گچھ کرتی ہے تو انہیں مارتی بھی ہے اور اذیت بھی پہنچاتی ہے۔ پہلے تو انسپکٹر پولیس نے عنبر سے ویسے ہی پوچھ گچھ شروع کی کہ بتاؤ یہ کہاں سے چوری کیا ہے اور اس سے پہلے کہاں کہاں چوریاں کی ہیں اور کوٹھی میں تمہارے ساتھ جو دوسرے ڈاکو چوری کرنے گئے تھے وہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟

عنبر دل میں انسپکٹر کے سوالوں پر ہنس رہا تھا کیسا بیوقوف آدمی ہے۔ چور اور شریف آدمی میں پہچان ہی نہیں کر سکتا۔ مگر چونکہ عنبر کو وقت گذارنا تھا۔ اتنا وقت گذارنا تھا کہ غزالہ کی لاش واپس اس کی کوٹھی آ سکے اور ماتری اس لاش کے اندر داخل ہو کر اپنا دوسرا جنم شروع کر سکے۔ چنانچہ وہ یوں ہی ادھر اُدھر کی باتیں ہانکتا رہا اور انسپکٹر کے ساتھ لڑائی جھگڑے سے بچنے کی خاطر عنبر نے دو تین چوریوں کو مان بھی لیا۔ انسپکٹر پولیس بڑا خوش ہوا کہ اس نے بڑے عادی ڈاکو کو پکڑا ہے۔ اس نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے عنبر سے پوچھا:

"دوسری چوری کی وارداتوں کا تو بعد میں پوچھوں گا پہلے یہ بتاؤ کہ ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی میں رات کو

جو ڈاکہ ڈالا تھا اس میں تمہارے ساتھ کون تھا
اور غزالہ پر قاتلانہ حملہ کس نے کیا تھا؟"

عنبر نے کہا:

"یقین کریں یہ ڈاکہ میں نے نہیں ڈالا۔ میں تو قصور
شہر سے اپنے ایک چور ساتھی کو ملنے گیا ہوا تھا۔
اس نے موتیوں کا ایک قیمتی ہار امانت کے طور پر
مجھے دیا کہ میں اسے اپنے پاس رکھ لوں۔ واپس آکر
ماڈل ٹاؤن کی کوٹھی کے قریب سے گذر رہا تھا کہ
وہاں چور چور کی آوازیں آئیں۔ میں بھاگ اٹھا اور
آپ نے مجھے پکڑ لیا۔ بس یہ ہے میری ساری
کہانی۔"

انسپکٹر نے عنبر کی گردن کو پکڑ کر ایک بار ہلایا اور کہا:

"مجھے گدھا مت سمجھو۔ میں نے تمہارے ایسے بڑے
چور دیکھے ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں تھرڈ ڈگری
استعمال کروں مجھے ساری باتیں صاف صاف بتا دو۔"

پھر عنبر کے قریب آکر رازداری سے بولا:

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں قید ہونے سے بچا
لوں گا۔"

عنبر کو جب انسپکٹر نے گردن سے پکڑ کر ہلانے کی کوشش کی

تو اسے غصہ تو بہت آیا مگر وہ غصے کو پی گیا کیوں کہ
معاملہ ماتری کے دوسرے جنم کا تھا اور اسے ابھی انسپکٹر سے
ماتری کی نشانی نہایت قیمتی ہار بھی واپس لینا تھا۔ اس کے
علاوہ وہ خواہ مخواہ مسلمان سپاہیوں اور انسپکٹر کا خون نہیں
بہانا چاہتا تھا۔ اس نے انسپکٹر سے اتنا ضرور کہا:

"انسپکٹر صاحب! آپ مسلمان ہیں اور خدا کا شکر ہے
کہ میں بھی مسلمان ہوں۔ میں آپ کو کسی قسم کا کوئی
نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ اس لیے برائے مہربانی
میرا موتیوں کا ہار واپس کر دیں اور مجھے یہاں سے
جانے دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں چور نہیں بلکہ
شریف آدمی ہوں اور میرا کسی چوری کسی ڈاکے سے
کوئی تعلق نہیں ہے۔"

انسپکٹر مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا۔ عنبر کی یہ بات سن کر
طنز کے انداز میں ہنسا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف
سے آواز آئی۔

"ماڈل ٹاؤن کے ڈاکے میں جس لڑکی پر قاتلانہ حملہ کیا
گیا تھا وہ مر گئی ہے۔ اس کی لاش ہسپتال سے اس
کی کوٹھی لے جائی جا رہی ہے...."

انسپکٹر نے فون بند کر دیا۔ اس نے عنبر کی طرف گھور کر

دیکھا اور کہا:

"اب تم پر قتل کا مقدمہ چلے گا۔ کیوں کہ جس لڑکی پر ڈاکے کے دوران تم نے یا تمہارے ساتھی نے چھری کا وار کیا تھا وہ مرگئی ہے۔"

عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اگر حالات دوسری قسم کے ہوتے تو عنبر کو افسوس ہوتا مگر اب اس نے یہ خبر سن تو اس کے دل کو تسلی ہوگئی کیوں کہ غزالہ کی موت کے بعد ہی ماتری کا اور غزالہ کا دوسرا جنم شروع ہو سکتا تھا۔ عنبر کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔ اسے اس بات کا اطمینان ہوگیا تھا کہ غزالہ مرگئی ہے اور اس کی لاش میں داخل ہو کر پھر سے زندہ کر کے اپنے دوسرے جنم کے شروع ہونے کا کام ماتری اپنے آپ کرے گی۔ اب وہ تھانے سے جس وقت چاہے نکل سکتا تھا۔ ایک طرح سے وہ آزاد ہو گیا تھا۔ اگرچہ اس کے دل میں ایک بات ضرور اٹکی ہوئی تھی کہ وہ یہاں سے یہ سن کر نکلے کہ غزالہ پھر سے زندہ ہو گئی ہے۔ کیوں کہ تھوڑی دیر میں ہی ماتری کو اس کے جسم میں داخل ہو کر اسے زندہ کر دینا تھا۔ عنبر نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ یہاں سے غزالہ کے دوبارا زندہ ہوجانے کی خبر سن کر ہی نکلے گا۔ چنانچہ وہ انسپکٹر کی باتوں کے پھر

سے گول مول جواب دینے لگا تا کہ کچھ اور وقت گزر جائے

اسی طرح رات کے دو بج گئے۔ انسپکٹر دوسرے روز پھر پوچھ گچھ کرنے کا کہہ کر چلا گیا۔ عنبر حوالات میں بھیج دیا گیا۔ یہاں ایک دوسرا حوالاتی بھی تھا جس کو کمبل کی جوئیں سونے نہیں دے رہی تھیں اور وہ انہیں مار رہا تھا۔ ساری رات گذر گئی۔ غزالہ کے پھر سے زندہ ہونے کی خبر نہ آئی۔ اب عنبر کو فکر لگ گئی کہ بات کیا ہے؟ غزالہ رات کو مرگئی تھی اور ماتری بالکل آزاد تھی۔ وہ اس کے جسم میں کیوں داخل نہیں ہو سکی؟ پہلے اس نے سوچا کہ وہ خود ماڈل ٹاؤن غزالہ کی کوٹھی میں جا کر پتہ کرے کہ معاملہ کیا ہے۔ پھر یہ سوچ کر وہیں بیٹھا رہا کہ ہو سکتا ہے ماتری اپنی کسی ترکیب پر عمل کر رہی ہو اور اس کے وہاں جانے سے اس کی توجہ ہٹ جائے یا ہو سکتا ہے اسے لاش میں داخل ہونے کا موقع نہ مل رہا ہو۔ عنبر کو اتنا پتہ لگ گیا تھا کہ غزالہ کی لاش کو ابھی دفن نہیں کیا گیا اور کراچی سے اس کے ماموں کے آنے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ شام ہوگئی۔ پھر رات ہوگئی۔ عنبر بے تاب ہو گیا۔ کیوں کہ غزالہ کے پھر سے جی اٹھنے کی کوئی خبر ابھی تک تھانے نہیں پہنچی تھی۔

اتنے میں انسپکٹر پولیس دوبارہ پوچھ گچھ کے لیے آ گیا۔ کمبخت وہ بھی ہمیشہ آدھی رات کو آتا تھا تاکہ عنبر کو سونے نہ دیا جائے اور وہ نیند کے ہاتھوں تنگ آ کر اپنے جرم کو تسلیم کر لے۔ اسے کیا خبر تھی کہ عنبر کون ہے اور کس لیے وہاں بیٹھا ہے اور اصل معاملہ کیا ہے۔ اصل ڈاکو لوٹ مار کر کے اور غزالہ کو ہلاک کر کے خدا جانے کہاں کے کہاں جا چکے تھے اور انسپکٹر عنبر کے ساتھ اپنا سر کھپا رہا تھا۔

انسپکٹر پولیس نے عنبر کو حوالات سے اپنے خاص کمرے میں بُلا لیا۔ اسے زمین پر بٹھا دیا اور خود اس کے آگے کرسی ڈال کر ہاتھ میں بید لے کر بیٹھ گیا۔ اس نے عنبر سے دوبارہ پوچھ گچھ شروع کر دی۔ عنبر کی ساری توجہ غزالہ کی طرف لگی ہوئی تھی کہ کب اس کے دوبارہ زندہ ہونے کی خبر آتی ہے۔ کیوں کہ اسے یقین تھا کہ اس کی خبر قانونی طور پر پولیس کو ضرور دی جائے گی۔ انسپکٹر اس سے سوال پوچھنے لگا اور عنبر بے دلی سے ان کے جواب دیتا رہا۔
رات کے گیارہ بجنے والے تھے کہ اچانک تھانے میں خبر آ گئی کہ جو لڑکی ڈاکے میں زخمی ہو کر مر گئی تھی وہ زندہ ہو گئی ہے اور قبر کھود کر واپس اپنی کوٹھی آ گئی ہے۔

اس خبر نے تھانے میں سب کو حیران کر دیا۔ کسی کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا مگر ڈاکٹر نے غزالہ کے دوبارہ زندہ ہو جانے کی تصدیق کر دی تھی۔

اس خبر نے عنبر کی ساری ذہنی پریشانی دور کر دی اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب وہ سمجھا کہ ماتری کو اپنا دوسرا جنم شروع کرنے میں دیر کیوں لگی۔ ضرور اس کو لاش کے پاس جانے کا موقع نہیں ملا ہو گا چنانچہ اسے انتظار کرنا پڑا کہ غزالہ کو قبر میں دفن کیا جائے تو وہ اپنا کام شروع کرے۔ اس خبر سے جہاں عنبر کو خوشی ہوئی وہاں یہ سوچ کر اس کا دل اداس بھی ہو گیا کہ اب شاید اس کی ملاقات ماتری سے کبھی نہیں ہو سکے گی۔ وہ غزالہ سے ضرور ملے گا جو ہو بہو ماتری کی شکل صورت کی ہو گی مگر وہ ماتری نہیں ہو گی بلکہ غزالہ تو عنبر کو پہچان بھی نہیں سکے گی۔

انسپکٹر پولیس نے اچانک اپنا بید عنبر کی گردن پر رکھ کر اسے پیچھے دھکا دیا اور کہا:

"الّو کے پٹھے! کیا سوچ رہے ہو۔ میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟"

عنبر کو ایک دم طیش آ گیا۔ اسے کسی نے ایسی گالی

نہیں دی تھی اور اب اسے کسی کی پروا بھی نہیں تھی۔
اس نے ایک ہاتھ سے بید پکڑ کر زور سے اپنی طرف کھینچی اور اس کے تین ٹکڑے کر دیئے۔ حالانکہ بید ایسی شے ہے جو ٹیڑھا ہو جاتا ہے مگر ٹوٹتا نہیں۔ انسپکٹر حیران بھی ہوا کہ بید کیسے ٹوٹ گیا اور اسے عنبر کی اس گستاخی پر سخت غصہ بھی آیا کہ اس چور کی یہ جرأت کہ انسپکٹر کا بید پکڑ کر توڑ ڈالے۔ وہ کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اب انسپکٹر نے ایک حماقت کی جو اسے کبھی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ اس نے عنبر کو زور سے ٹھڈا مار دیا۔ یہ عنبر کی دوسری بڑی توہین تھی۔ اگرچہ ٹھڈا مارنے کے بعد انسپکٹر اپنا پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا کیونکہ اسے یوں لگا تھا کہ جیسے اس نے کسی پتھر کی دیوار پر ٹھڈا مارا ہے۔ لیکن عنبر کا پارہ چڑھ گیا تھا۔

عنبر نے انسپکٹر کو گردن سے پکڑ کر نیچے گرا لیا اور خود کرسی پر بیٹھ گیا اور انسپکٹر کے پیٹ پر اپنا پاؤں رکھ کر کہا:

"سپاہیوں کو بلاؤ۔ انہیں حکم دو کہ میرا موتیوں کا ہار واپس لا کر مجھے دے دیں۔ اس کے بعد میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔ نہیں تو آج تمہاری خیر نہیں ہے۔"

انسپکٹر کا خون کھول رہا تھا۔ لیکن اس کے جسم پر عنبر کے پاؤں کا اتنا بوجھ پڑا ہوا تھا کہ جیسے اس پر کسی نے پتھر کی بہت بڑی سل رکھ دی ہو اور وہ اٹھ نہیں سکتا تھا۔ اس بات سے انسپکٹر حیران ضرور ہوا کہ اس آدمی نے بید کے بھی تین ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ اسے ٹھڈا مارنے سے پاؤں بھی زخمی ہو گیا ہے اور اب اس کے ایک پیر کا اتنا بوجھ ہے کہ وہ نیچے سے اٹھ نہیں سکتا۔ لیکن آخر وہ بھی پولیس آفیسر تھا۔ اس نے پلک جھپکنے میں پیٹی میں سے پستول نکالا اور عنبر کی ٹانگوں پر دو فائر کر دیئے۔ دونوں گولیاں عنبر کی ٹانگوں پر لگیں۔ انسپکٹر کا خیال تھا کہ عنبر زخمی ہو کر گر پڑے گا مگر عنبر اپنی کرسی پر آرام سے بیٹھا رہا۔ دونوں گولیاں اس کی پتلون میں سوراخ کر کے اس کی ٹانگوں سے ٹکرائیں اور پھر پھسل کر کمرے کی دیوار پر جا کر لگیں اور دیوار کا پلستر اکھڑ گیا۔

انسپکٹر نے دو اور فائر کیے۔ ان کا بھی یہی حشر ہوا۔
عنبر نے کہا:

"اس سے پہلے کہ میں تم پر کوئی وار کروں میرا ہار مجھے واپس منگوا دو تاکہ میں تمہاری جان بخشی کر کے یہاں سے چلا جاؤں۔"

گولیوں کی آواز سن کر تھانے کے سپاہی کمرے میں بھاگے بھاگے آ گئے۔ انہوں نے انسپکٹر پولیس کو فرش پر عنبر کے پاؤں کے نیچے پڑا دیکھا تو عنبر پر ٹوٹ پڑے مگر عنبر نے ان سب کو باری باری ایسے گھونسے رسید کیے کہ سارے کے سارے سپاہی ٹوٹے ہوئے بازو لے کر فرش پر پڑے کراہ رہے تھے۔ ایک سپاہی کی گردن ٹیڑھی ہو گئی اور وہ دیوار کے ساتھ لگ کر دوہرا ہو گیا تھا۔ عنبر نے انسپکٹر کا پستول چھین لیا اور اسے پستول کی زد میں لے کر کہا:

"تمہاری جان صرف ایک ہی صورت میں بچ سکتی ہے کہ میرا ہار مجھے واپس کر دو اور یقین کر لو کہ یہ میں نے چرایا نہیں ہے۔"

انسپکٹر نے ہار تسلیم کر لی تھی۔ وہ اٹھا۔ عنبر کے آگے آگے چلتا تھانے کے دفتر میں آیا۔ الماری کھولی اور ہار نکال کر عنبر کو دیتے ہوئے کہا:

"مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم چور نہیں ہو۔ مگر کم از کم مجھے بتا دو کہ تم کون ہو؟"

عنبر نے ہار لے کر جیب میں رکھا اور پستول انسپکٹر کو دیتے ہوئے بولا:

"کم از کم میں تم کو نہیں بتاؤں گا کہ میں کون ہوں۔"

پھر وہ تھانے سے باہر جانے کے لیے گھوما، تو انسپکٹر سے کہا:

"میرا خیال ہے کہ تم مجھ پر پیچھے سے گولی چلانے کی کوشش نہیں کرو گے۔ کیوں کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ اس طرح سے تمہاری گولی ہی ضائع ہو گی۔"

یہ کہہ کر عنبر تھانے کی عمارت سے باہر نکل گیا۔

اس وقت رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ بلکہ آسمان پر تارے پھیکے پڑنے لگے تھے اور صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی لاہور شہر کی سڑکیں خاموش تھیں۔ عنبر ماڈل ٹاؤن کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ایک بار اور شاید آخری بار سنہرے بالوں اور نیلی آنکھوں والی ماتری کو عزالہ کے روپ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ ماڈل ٹاؤن وہاں سے کافی دور تھا۔ وہ ایک سڑک پر روانہ ہو گیا۔ جب وہ عزالہ کی کوٹھی کے سامنے والے درختوں کے پاس پہنچا تو صبح ہو رہی تھی۔ کسی مسجد سے صبح کی اذان کی آواز آ رہی تھی۔ عزالہ کی کوٹھی کے ایک کمرے کی بتی جل رہی تھی۔ عزالہ سو رہی تھی۔ اس کی والدہ قرآن شریف پڑھ رہی تھی اور والدہ نماز کے لیے وضو کر رہے تھے۔ عنبر درختوں کی چھاؤں میں گھاس پر بیٹھ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ عزالہ کو کیسے ملے؟ جب دن کافی نکل آیا تو بسیں چلنے لگیں اور بچے سکول جانے لگے۔

لوگ کوٹھیوں سے نکل کر اپنی کاروں میں بیٹھ کر دفتروں کو روانہ ہو گئے۔

عنبر دیر تک وہاں بیٹھا رہا مگر غزالہ کوٹھی سے باہر نہ نکلی۔ آخر عنبر کو ایک ترکیب سوجھی۔ اس کے پاس روپے پڑے تھے۔ وہ ماڈل ٹاؤن کی ایک دکان پر گیا۔ وہاں سے ایک کاپی اور پنسل خریدی اور غزالہ کی کوٹھی میں آکر گھنٹی بجائی۔ نوکرانی نے دروازہ کھولا تو عنبر نے کہا:

"شیخ صاحب سے کہو کہ میں کراچی کے اخبار ڈان کا نامہ نگار ہوں اور غزالہ بی بی کا انٹرویو لینے آیا ہوں۔"

نوکرانی چلی گئی۔ پھر غزالہ کا باپ آگیا۔ اس نے عنبر سے ہاتھ ملایا اور اسے ڈرائینگ روم میں لے جا کر بٹھادیا:

"میں غزالہ کو لے کر آتا ہوں۔ آپ کیا پئیں گے؟"

"شکریہ! اس کی ضرورت نہیں۔ دراصل میں جلدی میں ہوں۔ مجھے آج ہی یہ انٹرویو بائی ایئر میل کراچی بھجوانا ہے۔"

"میں غزالہ کو لاتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد غزالہ کا باپ غزالہ کو لے کر اندر آگیا۔ عنبر نے غزالہ کو دیکھا تو ایک دم اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

اور اس کے منہ سے اپنے آپ نکل گیا۔

"ماتری بہن!"

غزالہ اور اس کے باپ نے حیرانی سے عنبر کی طرف دیکھا۔ عنبر کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس نے کھسیانی سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا:

"معافی چاہتا ہوں غزالہ بہن۔ ایک عرصہ ہوا کراچی میں میں نے ہو بہو آپ کی شکل کی ایک لڑکی دیکھی تھی۔ اس کا نام ماتری تھا۔ مجھے ایسے لگا کہ وہ میرے سامنے آگئی ہے۔"

غزالہ مسکراتے ہوئے عنبر کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔ غزالہ نے نئے کپڑے پہن رکھے تھے۔ مگر وہ بالکل ماتری معلوم ہو رہی تھی۔ وہی شکل صورت، وہی سنہری لمبے بال، نیلی آنکھیں، وہی قد، وہی چال ڈھال — عنبر سچ مچ دھوکا کھا گیا تھا۔ ماتری نے غزالہ کے جسم میں داخل ہو کر اپنا نیا جنم شروع کر دیا تھا۔

ماتری نے ٹھیک کہا تھا۔

"عنبر! میرا دوسرا جنم شروع ہونے کے بعد جب تم مجھے ملو گے تو میں تمہیں پہچان نہ سکوں گی قدرت مجھ سے میری یادداشت واپس لے لے گی۔

"یہ وہ قیمت ہے جو مجھے اپنے نئے جنم کے لیے
ادا کرنی ہو گی۔"

عنبر کے سامنے شلوار قمیص میں ماتری بیٹھی تھی مگر کتنے
دکھ کی بات تھی کہ وہ عنبر کو بالکل نہیں پہچان سکتی تھی۔ عنبر
اس کی صورت کو تکے جا رہا تھا۔ غزالہ کے باپ نے ذرا
کھانس کر کہا:

"انٹرویو شروع کیجیے۔"

عنبر فوراً سنبھل گیا۔ اس نے کاپی پنسل نکال لی اور غزالہ
کو سوال کرنے شروع کر دیے کہ جب اس پر سکتہ طاری
ہوا تو کیا وہ کچھ محسوس کر رہی تھی اور قبر میں جب اس کی
آنکھیں کھلیں تو اسے کیا محسوس ہوا وغیرہ وغیرہ — غزالہ نے
شروع سے لے کر آخر تک ساری کہانی بیان کر دی۔ عنبر
سب کچھ سن رہا تھا اور محض دکھانے کے لیے ساتھ ساتھ
کاپی پر کچھ لکھتا بھی جاتا تھا مگر وہ بار بار غزالہ کا چہرہ دیکھتا
تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ ماتری کے سامنے بیٹھا اس
کی باتیں سن رہا ہے۔ غزالہ کی آواز بھی بالکل ماتری کی
آواز کی طرح تھی۔

آخر غزالہ کی باتیں ختم ہو گئیں۔ انٹرویو ختم ہو گیا۔ عنبر
نے جانے سے پہلے ایک آخری بات آزمانے کے لیے

جیب سے ماتری کا دیا ہوا موتیوں کا ہار نکال کر غزالہ کو
دکھایا۔ غزالہ ہار دیکھ کر بہت خوش ہوئی:

"کتنا پیارا ہار ہے۔" اس نے کہا۔

عنبر نے یونہی کہہ دیا:

"کیا آپ اسے پہچانتی ہیں؟"

غزالہ نے ہار کو دیکھنے کی بجائے عنبر کے چہرے کی طرف
دیکھ کر پوچھا:

"پہچاننے سے کیا مطلب؟ کیا اس ہار کا مجھ سے
بھی تعلق ہے؟"

عنبر سمجھ گیا کہ غزالہ نے ہار کو نہیں پہچانا۔ بات کو ٹالنے
کے لیے بولا:

"میرا مطلب یہ تھا کہ لاہور میں آج کل اسی قسم
کے ہاروں کا رواج نہیں ہے کیا؟ کراچی میں ایسے
ہار عورتیں بہت پہنتی ہیں۔"

غزالہ نے کہا:

"نہیں — لاہور میں اس قسم کے ہار میں نے
نہیں دیکھے۔"

عنبر نے ہار واپس اپنی جیب میں رکھ لیا اور پنسل کاپی
سنبھالتے ہوئے بولا:

"اب ایک آخری سوال پوچھنے کی اجازت چاہونگا۔"
عزالہ نے کہا:
"پوچھئے۔"
عنبر نے عزالہ کی آنکھوں کی طرف دیکھا۔ بالکل ماتری کی آنکھیں تھیں۔ جیسے ماتری اسے دیکھ رہی تھی مگر پہچان نہیں رہی تھی۔
عنبر نے پوچھا:
"قبر میں جب پہلی بار آپ نے آنکھیں کھولیں تو کیا وہاں آپ کے علاوہ کوئی اور بھی تھا؟"
عزالہ نے کہا:
"جی نہیں۔ میں بالکل اکیلی تھی قبر میں۔"
عنبر سمجھ گیا کہ عزالہ نے جب قبر میں آنکھیں کھولی تھیں تو ماتری اس کے جسم میں داخل ہو چکی تھی۔ پھر اس نے پوچھا:
"کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ قبر کے جس سوراخ سے باہر نکلیں وہ کس نے کھودا تھا؟"
عزالہ بولی:
"یہ مجھے خود نہیں معلوم کہ قبر میں وہ سوراخ کس نے کیا تھا۔ میرا خیال ہے کوئی کفن چور

میرا کفن چرانے آیا ہوگا۔ بہرحال میں اس کی شکر گذار ہوں۔"
عنبر اسے کہنا چاہتا تھا کہ جس نے اس کی قبر میں سوراخ کیا تھا وہ کفن چرانے نہیں بلکہ اسے نئی زندگی دینے آئی تھی اور اس کا نام ماتری تھا۔ مگر وہ ایسا نہ کہہ سکا۔ کیوں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ماتری عزالہ کے جسم میں داخل ہو کر اپنا پہلا جنم بالکل بھول چکی تھی اور عزالہ کو ماتری کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ عنبر نے مسکرا کر عزالہ کو دیکھا:
"شکریہ عزالہ صاحبہ! آپ کا بہت بہت شکریہ۔"
اور وہ عزالہ کو ماتری کو آخری بار دیکھ کر کوٹھی سے باہر نکل آیا۔ اس نے وہاں سے رخصت ہونے سے پہلے ایک الوداعی نگاہ کوٹھی پر ڈالی اور کہا:
"میری بہن ماتری! تجھے تمہارا دوسرا جنم مبارک ہو۔"
اور وہاں سے روانہ ہوگیا۔
اب عنبر کو ماریا اور ناگ کی تلاش شروع ہوگئی۔
جس جوگی بابا سے دریائے جمنا کے کنارے عنبر اور ماتری کی ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے عنبر سے کہا تھا کہ مجھ سے لاہور کی ایک ویران شمشان بھومی میں ملنا۔ میں

تمہیں ماریا اور ناگ کے بارے میں بتاؤں گا۔ یہ آج
سے سوا سو سال پہلے کی بات تھی۔ مگر وقت تو عنبر کے
لیے کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اب اسے شمشان بھومی
کی تلاش تھی۔ شمشان بھومی وہ جگہ ہوتی ہے جہاں ہندو
لوگ اپنے مردوں کو لکڑیوں کی چتا پر رکھ کر جلاتے ہیں۔
لاہور میں پاکستان بن جانے کے بعد ہندو بہت کم رہ گئے
تھے۔ بلکہ نہ ہونے کے برابر تھے۔ چنانچہ اکثر شمشان ویران ہو گئے
تھے۔ عنبر کسی ہندو سے ملنا چاہتا تھا تاکہ اس ویران شمشان
بھومی کو تلاش کر سکے جس کے بارے میں جوگی نے کہا تھا کہ میں
تمہیں وہاں ملوں گا۔

عنبر لاہور شہر کی سڑکوں پر آوارہ پھر رہا تھا۔ اس شہر میں
کوئی اس کا واقف نہیں تھا۔ ایک دوست ماتری تھی وہ بھی
جدا ہو گئی۔ عنبر اتنے بڑے شہر میں اپنے آپ کو اکیلا محسوس
کر رہا تھا۔ چلتے چلتے وہ شہر کی آبادی سے باہر آ گیا۔ یہاں
کھیت شروع ہو گئے۔ ریلوے لائن کے پار تھوڑے سے
مکان بنے ہوئے تھے۔ عنبر ادھر کو چلا۔ وہاں اسے ایک چھوٹا
سا کچا مندر دکھائی دیا۔ عنبر بڑا خوش ہوا۔ یہ ہندوؤں کا مندر
تھا۔ وہ مندر کے پاس آ گیا۔ وہاں ایک ہندو پجاری مندر
کی ڈیوڑھی میں بیٹھا تھا۔

عنبر نے جا کر پرنام کیا اور کہا:
"مہاراج! کیا یہاں کوئی شمشان ہے؟"
پجاری نے عنبر کو غور سے دیکھا اور پوچھا:
"تم شمشان جا کر کیا کرو گے؟ وہاں تو مُردوں کو جلانے
کے لیے لے جایا جاتا ہے؟"
عنبر نے کہا:
"مہاراج! اصل میں مجھے اپنے ایک دوست کے
مکان کی تلاش ہے۔ اس نے کہا تھا کہ میرا مکان
ایک ایسے شمشان کے قریب ہے جو اب ویران
ہو چکا ہے اور جہاں مُردوں کو اب نہیں جلایا جاتا۔"
پجاری بولا:
"بیٹا! یہاں قریب ہی ایک شمشان ہے مگر وہاں ہم
اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔ ہاں شہر میں دریا پار
رنجیت سنگھ کے زمانے کے ایک کھنڈر کے پاس
پرانا شمشان ہے وہاں اب کوئی نہیں جاتا کئی سالوں
سے ویران پڑا ہے۔"
عنبر نے کہا:
"ٹھیک ہے۔ میں وہیں جاتا ہوں میرے دوست
کا مکان وہیں ہو گا۔"

پجاری نے کہا:

"مگر بیٹا اس شمشان کے اندر مت داخل ہونا کیوں کہ وہاں بدروحوں کا قبضہ ہے کہتے ہیں وہاں جو کوئی جاتا ہے زندہ واپس نہیں آتا۔"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"مہاراج فکر نہ کریں میں شمشان کے اندر نہیں جاؤں گا۔ ویسے آپ یقین کریں کہ کوئی بدروح مجھے مار نہیں سکے گی۔"

پجاری نے کہا:

"بیٹا سب یہی کہتے ہیں مگر جب ایک بار شمشان میں داخل ہوئے تو پھر ان کی لاش ہی واپس آئی ہے وہاں سے۔"

عنبر بولا:

"میری لاش واپس نہیں آئے گی مہاراج!"

یہ کہہ کر عنبر نے پجاری کا شکریہ ادا کیا اور بدروحوں کے شمشان کی طرف روانہ ہو گیا۔ لوگوں سے پوچھتا عنبر دریا کنارے پہنچ گیا۔ دریا پر ایک پل بنا ہوا تھا جس پر سے موٹر کاریں ٹرک اور بسیں گزر رہی تھیں۔ عنبر نے پل پار کیا اور دریا کے دوسرے کنارے پر آ گیا۔ ایک اجاڑ ویرانے

میں اسے ایک پرانا کھنڈر دکھائی دیا۔ عنبر سمجھ گیا کہ شمشان اس کھنڈر کے قریب ہی ہو گا۔ یہ کھنڈر ویران تھا اور اس میں چھپکلیاں رینگ رہی تھیں۔ کھنڈر کے پیچھے ایک ٹوٹی ہوئی چار دیواری تھی۔ اس کے اندر کیکر کے درختوں کے جھنڈ اُگے ہوئے تھے۔ یہی وہ شمشان تھا جہاں کسی زمانے میں ہندو لوگ اپنے مُردے جلایا کرتے تھے اور جہاں اب بدروحوں کا ڈیرا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہاں کوئی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عنبر نے خدا کا نام لیا اور شمشان کی پرانی ٹوٹی پھوٹی ڈیوڑھی میں سے گزر کر شمشان میں داخل ہو گیا۔ یہاں جگہ جگہ جنگلی جھاڑیاں اُگی تھیں۔ ایک جگہ درختوں کے نیچے پرانا چبوترہ تھا جس پر گھاس اُگی ہوئی تھی۔ یہی وہ چبوترہ تھا جس پر ہندو لوگ اپنے مُردوں کو رکھ کر اوپر لکڑیاں لگا دیتے اور پھر گھی ڈال کر آگ لگا دیا کرتے تھے۔

چبوترے پر اب بھی کہیں کہیں جلے ہوئے مُردوں کی راکھ بارش کی وجہ سے جمی ہوئی تھی۔ اس جمی ہوئی راکھ میں عنبر کو دو تین چھوٹی چھوٹی انسانی ہڈیاں بھی دکھائی دیں۔ عنبر نے چل پھر کر شمشان کا جائزہ لیا۔ وہاں بڑی ڈراؤنی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اسے فضا میں کسی بڑے پرندے کے

پروں کے پھڑپھڑانے کی آواز سنائی دی۔ عنبر نے اوپر درختوں میں دیکھا۔ درختوں کی شاخیں خاموش تھیں خالی تھیں، وہاں کوئی پرندہ نہیں تھا۔

پھر عنبر کو کسی عورت کے آہستہ آہستہ رونے کی آواز سنائی دی۔ عنبر نے چونک کر اس طرف دیکھا جدھر سے آواز آ رہی تھی۔ وہاں بھی کوئی عورت نہیں تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ بدروحیں آ گئی ہیں۔ اب ایسی آواز آئی جیسے کوئی بچہ رو رہا ہے۔ یہ آواز دُور ہوتے ہوتے غائب ہو گئی پھر کسی لڑکی کی چیخ بلند ہوئی:

"مجھے آگ نہ لگاؤ۔ مجھے آگ نہ لگاؤ۔"

یہ آواز اس چبوترے سے آ رہی تھی جہاں ہندو اپنے مُردوں کو آگ لگا کر جلایا کرتے تھے۔ عنبر چبوترے کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ وہ ذرا پیچھے ہٹ گیا۔

کیا دیکھتا ہے کہ ایک عورت کے سارے جسم کو آگ لگی ہوئی ہے اور وہ چبوترے پر لیٹی لیٹی تڑپ رہی ہے اور کہہ رہی ہے:

"مجھے آگ نہ لگاؤ۔ مجھے آگ نہ لگاؤ۔"

آگ کے شعلوں میں لپٹی ہوئی یہ عورت چبوترے سے اٹھی اور چیختی ہوئی عنبر کی طرف بڑھی۔ عنبر نے کلمہ پڑھ کر

اس پر پھونک ماری۔ عورت ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ غائب ہو گئی۔ ایک بار پھر شمشان میں موت کی خاموشی چھا گئی۔ اس خاموشی میں عنبر کو ایک مہربان نرم آواز سنائی دی:

"میری طرف دیکھو بیٹا"

عنبر نے گھوم کر دیکھا۔ کیکر کے ایک درخت کی چھاؤں میں وہی جوگی آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا جو اسے اور ماتری کو سوا سو سال پہلے دریائے جمنا کے کنارے ملا تھا۔ عنبر نے قریب جا کر آداب عرض کیا اور ادب سے کھڑا ہو گیا۔ جوگی نے آنکھیں کھولیں اور عنبر کی طرف دیکھ کر بولا:

"تم نے ابھی ابھی جس عورت کو آگ کے شعلوں میں جلتا ہوا دیکھا ہے یہ عورت اسی شمشان میں جائیداد کے جھگڑوں کی وجہ سے زندہ جلا دی گئی تھی۔ مگر اس عورت کو اس کے ایک گناہ کی سزا ملی ہے جو اس نے آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے کیا تھا جب اس ملک میں راجہ منو اس کی حکومت تھی۔ تم نے اس عورت کی شکل دیکھی ہے عنبر؟"

عنبر نے کہا:

"جی ہاں مہاراج!"

جوگی بولا:

"جب تم اسے ڈھائی ہزار سال پہلے کے زمانے میں جاکر دوبارا دیکھو گے تو پہچان لو گے۔"

عنبر نے کہا:

"لیکن مہاراج آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ ماریا اور ناگ سے میں کہاں مل سکتا ہوں؟"

جوگی نے جواب دیا:

"عنبر! تم ٹھیک کہتے ہو! میں نے وعدہ کیا تھا اور میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ لیکن اس کے لیے تمہیں ڈھائی ہزار سال پیچھے کے زمانے میں جانا ہوگا۔ ماریا اور ناگ بھی تمہیں اسی زمانے میں ملیں گے۔"

عنبر نے پوچھا:

"وہ اس وقت کہاں ہیں مہاراج؟"

جوگی بولا:

"وہ اس وقت جہاں کہیں بھی ہیں وہاں سے تمہیں ملنے ڈھائی ہزار برس پیچھے کے زمانے میں چلے جائیں گے اب تم ڈھائی ہزار سال پیچھے کے

زمانے میں جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

عنبر نے کہا:

"مہاراج! میرے پاس ماتری کا موتیوں کا ہار ہے۔ کیا وہ بھی میں اپنے ساتھ لے جاؤں یا اسے یہاں پھینک دوں؟"

جوگی نے کہا:

"یہ ہار لے کر عزالہ کے پاس جاؤ اور اسے پیش کر دو اس کے بعد تم قبرستان میں اس قبر پر جاؤ جس میں عزالہ کو دفن کیا گیا تھا اور ماتری نے اس کے جسم میں داخل ہو کر اپنا دوسرا جنم شروع کیا تھا۔ وہ قبر ابھی تک کھلی ہے اور لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں۔ تم اس قبر میں اُتر جانا۔ پھر تم ڈھائی ہزار سال پیچھے کے زمانے میں چلے جاؤ گے اور سنو۔ تم اس بار راجہ منوداس کی راجدھانی وارا ناسی میں پہنچو گے اور راجہ کے اکلوتے بیٹے راج کمار کنالا کے خادم بن کر ظاہر ہو گے۔ تمہارا نام چنا ہو گا۔ اور جس عورت کو تم نے ابھی اس شمشان میں زندہ جلتے دیکھا ہے یہ عورت راجکمار کنالا کی سوتیلی ماں ہو گی۔ اس نے کیا گناہ کیا تھا؟

یہ تمہیں وہاں پہنچ کر معلوم ہو گا۔ وقت آ گیا ہے۔
تم جاؤ۔ میں بھی جا رہا ہوں۔"
یہ کہہ کر جوگی غائب ہو گیا۔ عنبر کچھ دیر وہاں کھڑا اپنے
آئندہ کے ڈھائی ہزار سال کے سفر کے بارے میں سوچتا رہا۔
پھر ویران شمشان سے نکلا اور عزالہ کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو
گیا۔ دریا کے پُل پر اسے ایک بس مل گئی۔ اس سے پہلے
بھی عنبر اپنے جنم جنم کے سفر کے سلسلے میں ایک بار ناگ
اور ماریا کے ساتھ لاہور آ چکا تھا۔ بس اس کے لیے کوئی
نئی سواری نہیں تھی۔ بس میں بہت رش تھا۔ گرمی کی وجہ
سے لوگوں کا بُرا حال تھا۔ مسافروں کو پسینے آ رہے تھے مگر
عنبر کو نہ گرمی ستا رہی تھی اور نہ پسینہ آ رہا تھا۔ وہ بڑے
اطمینان سے بیٹھا تھا۔

اچانک ایک مسافر نے چلانا شروع کر دیا:
"اس نے میری جیب کاٹ لی ہے۔ اسے پکڑو
۔۔۔ پکڑو۔۔۔"

ایک کالے رنگ کا آدمی بس کے دروازے کی طرف
بھاگا کہ باہر کُود جائے۔ عنبر نے اچھل کر اسے پکڑنا چاہا تو
اس جیب کترے نے دھوتی کی ڈھب سے لمبے پھل والا
چاقو نکال کر عنبر کے پیٹ پر پوری طاقت سے وار کیا۔ چاقو

عنبر کے پیٹ سے بڑی زور سے لگا اور اس کا پھل
دوہرا ہو گیا۔ جیب کترا ہکا بکا ہو کر عنبر کو تکنے لگا۔ عنبر
نے اسے دبوچ لیا تھا۔ لوگوں نے جیب کترے کو قابو
میں کر لیا۔ بس روک دی گئی۔ جیب کترے کو پولیس کے
ایک سپاہی کے حوالے کر دیا گیا۔ جیب کترا ابھی تک
تک عنبر کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس
نے کئی لوگوں کو چاقو گھونپے تھے مگر یہ پہلا موقع تھا کہ
ایک آدمی کے پیٹ نے اس کے چاقو کے پھل کو دوہرا
کر دیا تھا۔

عنبر نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے آنکھ ماری اور بس
آگے روانہ ہو گئی۔ عنبر ماڈل ٹاؤن کے بس سٹاپ پر اتر گیا
اور سیدھا عزالہ کی کوٹھی پر آ گیا۔ عزالہ گھر پر ہی تھی اور وہ
اپنے رشتہ داروں کو جانے کتنی بار بتا رہی تھی کہ قبر میں جب
اس کی آنکھ کھلی تو اس نے کیا دیکھا۔ عنبر عزالہ کے والد
اور ماموں سے ملا اور کہا کہ وہ عزالہ بہن کو ایک بھائی
کی حیثیت سے موتیوں کا یہ ہار پیش کرنا چاہتا ہے۔ عزالہ
بھی وہاں آ گئی۔ عنبر کو ایک بار پھر یوں لگا جیسے ماتری
اس کے سامنے آ گئی ہے۔ اس نے ہار عزالہ کی طرف
بڑھاتے ہوئے کہا:

"عزالہ بہن! موتیوں کے اس ہار کو ایک بھائی کی طرف سے تحفے کے طور پر قبول کرو۔ انکار نہ کرنا۔ نہیں تو تمہارے بھائی کا دل ٹوٹ جائیگا۔"

عزالہ بولی:

"مگر یہ ہار تو بڑا قیمتی ہے۔"

عنبر نے کہا:

"تم بھی بڑی قیمتی ہو میری بہن؟"

عنبر نے یہ کہہ کر ہار عزالہ کو دیا اور خاموشی سے واپس چلا گیا۔ عزالہ ہار لیے کچھ حیران اور کچھ خوش کھڑی تھی۔ اسے کیا خبر تھی کہ یہ اس کا اپنا ہی ہار ہے۔

عنبر وہاں سے پوچھتا پچھاتا سیدھا اس قبرستان میں آ گیا جہاں عزالہ کو دفن کیا گیا تھا۔ قبرستان میں کتنی ہی قبریں تھیں۔ کئی قبروں پر باسی ہار پڑے تھے۔ ایک قبر کے گرد کچھ لوگ کھڑے تھے۔ عنبر سمجھ گیا کہ یہی عزالہ کی قبر تھی۔ وہاں وہ آیا تو دیکھا کہ قبر ابھی تک ویسے ہی کھلی ہوئی ہے اور قبر کے سوراخ میں سے اندر لحد نظر آ رہی ہے جس میں ابھی تک گلاب کے چند ایک پھول پڑے تھے۔ یہ وہ پھول تھے جو عزالہ کے کفن پر ڈالے گئے تھے۔ یہاں سے عنبر کا ڈھائی ہزار سال کا پیچھے کا سفر شروع ہونے

والا تھا۔ وہاں کھڑے کسی آدمی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ان کے درمیان ایک ایسا آدمی بھی کھڑا ہے جو ابھی اس قبر میں اترے گا اور پھر پلک جھپکتے میں ڈھائی ہزار سال پرانے زمانے میں پہنچ جائے گا۔ عنبر اب قبر میں اترنے کی تیاری کرنے لگا۔ تیاری بھی اس نے کیا کرنی تھی۔ بس لوگوں کو ادھر اُدھر ہٹاتا ہوا آگے بڑھا

ایک آدمی نے کہا:

"بھائی آگے کہاں جا رہے ہو۔ آگے تو قبر ہے۔"

عنبر نے کہا:

"بھائی میں اس قبر میں ہی جا رہا ہوں۔"

سب لوگوں نے چونک کر عنبر کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھے کہ عنبر کوئی پاگل ہے جو پاگل خانے سے بھاگ کر وہاں آ گیا ہے۔ عنبر اب قبر کے سوراخ میں ٹانگیں ڈالے اندر جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لوگوں نے شور مچا دیا۔

"ارے اس پاگل کو پکڑو۔"

مگر عنبر قبر کے اندر اُتر چکا تھا۔ وہ لحد میں جا کر سیدھا لیٹ گیا اور اس نے ہاتھ ہلا کر لوگوں سے کہا:

"خدا حافظ دوستو! اس وقت میں پاگل ہوں، لیکن مجھے غائب ہوتے دیکھ کر تم پاگل ہو جاؤ گے۔"

لوگ ہنسنے لگے:

"ارے پاگل ہے بے چارہ"

وہ قبر میں دیکھ ہی رہے تھے کہ عنبر غائب ہو گیا۔ اب تو لوگ حیران ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ پھر وہ بھوت بھوت کا شور مچاتے ڈر کر وہاں سے اٹھ دوڑے۔ تھوڑی ہی دیر میں قبر ویران ہو گئی۔ اب وہاں ایک آدمی بھی نہیں تھا۔

پیارے دوستو! یہ تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ ناگ اور ماریا دوسری جنگِ عظیم یعنی ۱۹۴۲ء کے زمانے کے انگلستان میں تھے اور انگریز ہوا باز کی بیوی ہیلن کو اس کے گھر پہنچا کر خود عنبر کی تلاش میں بغداد کی طرف روانہ ہوئے تھے کیونکہ انہوں نے ہندوستان کی طرف جاتے ہوئے راستے میں بغداد کے قریب عنبر کی خوشبو سونگھی تھی۔ لیکن چونکہ جنگ کا زمانہ تھا اس لیے لندن سے ان دونوں کا نکلنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ ناگ تو پرندہ بن کر اڑ کر بھی جا سکتا تھا مگر ماریا اگرچہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی تھی پھر بھی اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ کسی ہوائی جہاز یا کسی دوسری سواری پر بیٹھ کر وہاں سے جائے۔ پیدل جانے میں اسے بہت دن لگ جاتے اور پھر وہ ناگ کو چھوڑ کر اکیلی سفر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ناگ نے پتہ کیا کہ ایک مسافر ہوائی جہاز پندرہ دنوں کے بعد

ترکی کی طرف روانہ ہونے والا ہے۔ ناگ نے ماریا کے ساتھ مشورہ کر کے یہی فیصلہ کیا کہ وہ پندرہ دن کے بعد اسی ہوائی جہاز میں بیٹھ کر ترکی جائیں گے اور پھر وہاں سے بغداد جانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ وہ لندن کے ایک ہوٹل میں ٹھہر گئے۔ ناگ کے پاس پیسے تھے۔ اس نے ایک کمرہ کرائے پر لے لیا اور ماریا اس کے ساتھ ہی اسی کمرے میں بغیر کرایہ ادا کیے رہنے لگی۔

ناگ اور ماریا کو ہم پندرہ دنوں کے لیے لندن کے اس ہوٹل میں چھوڑتے ہیں اور خود عنبر کی طرف آتے ہیں اور معلوم کرتے ہیں کہ قبر میں اترنے کے بعد وہ ڈھائی ہزار سال پیچھے کے زمانے میں کس مقام پر باہر نکلا؟

عزالہ کی قبر میں اترنے کے بعد عنبر لحد میں لیٹ گیا تھا اور اس نے لوگوں کو خدا حافظ کہنے کے بعد آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اس کے کانوں میں تماشہ دیکھنے والے لوگوں کی آوازیں آئیں۔

"ارے کوئی پاگل ہے"

اس کے بعد اس کے کانوں میں آوازیں آنا بند ہو گئیں ایک سناٹا چھا گیا۔ اس نے آنکھیں بند رکھیں۔ اس کی آنکھوں میں سرخ نیلے اور زرد رنگ کے تارے رقص کر رہے تھے۔

کانوں میں شاں شاں کی ایسی آواز آ رہی تھی جیسے وہ کسی
بہت بڑی آبشار کے پاس لیٹا ہو جو پہاڑ کی بلندی سے
گر رہی ہو۔ پھر یہ آواز بھی بند ہو گئی۔ اب اس کے
کانوں میں گھنٹیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جیسے کوئی بیل یا
ہاتھی اس کے قریب سے گذر رہا ہو جس کے گلے میں
گھنٹیاں بندھی ہوں۔ عنبر نے آنکھیں کھول دیں۔

اس نے دیکھا کہ ایک شاندار محل کے آگے ایک خوبصورت
باغ ہے۔ فوارے چل رہے ہیں اور وہ مولسری کے ایک خوشبودار
پھولوں والے گھنے درخت کے نیچے سو رہا ہے۔ اس نے
سر پر صافہ باندھا ہوا ہے۔ سفید کُرتا اور سفید دھوتی جسم سے
لپٹی ہے اور کمر کے گرد سرخ رنگ کا کمر بند بندھا ہے
صاف لگتا تھا کہ وہ کسی راج کمار کا شاہی خادم ہے جیسا کہ
جوگی نے کہا تھا کہ وہ ڈھائی ہزار سال پیچھے کے زمانے
میں راجہ منوداس کی راج دھانی میں راج کمار کنڈلا کے خادم
کے روپ میں ظاہر ہو گا۔ اس کے قریب سے ایک سجا
سجایا ہاتھی گذر رہا تھا جس کے گلے کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔
ہاتھی کے اوپر کجاوہ تھا جس پر گنبد کی طرح کی چھت پڑی
تھی۔ عنبر ابھی آنکھیں ہی مل رہا تھا کہ ایک کھلے سیاہ
بالوں اور بڑی بڑی کالی آنکھوں والی ایک شاہی خادمہ

اس کے پاس آ کر کہنے لگی:

"چنا! راج کمار تمہیں بلا رہے ہیں۔"

عنبر کو یاد آیا۔ جوگی نے کہا تھا کہ اس زمانے میں اس
کا نام چنا ہو گا۔ عنبر نے اٹھتے ہوئے کہا:

"جاتا ہوں میا!"

خادمہ نے حیرانی سے چنا کو دیکھ کر کہا:

"تم تو مجھے ہمیشہ لکشمی کہا کرتے تھے یہ آج تم نے
مجھے میا کیوں کہا؟"

عنبر کو فوراً خیال آیا کہ اس خادمہ کا نام لکشمی ہے، کہنے لگا:

"اری لکشمی بھول گیا۔ معاف کر دے ری۔"

اور ہنستا ہوا اور کچھ حیران ہوتا ہوا محل کی طرف بڑھا۔
اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ راج کمار کنڈلا محل میں کس جگہ پر
ہے۔ وہ محل میں داخل ہو کر بائیں طرف گھوم گیا۔ سامنے
چھوٹے سے چمن میں پھول کھلے تھے اور عورتیں ہار سنگھار کر رہی
تھیں۔ وہ عنبر کو دیکھ کر ہنسنے لگیں۔

"اری یہ کم بخت کدھر آ نکلا ہے" ایک عورت نے کہا:
ان میں سے ایک بڑی عمر کی عورت نے عنبر کو کان
سے پکڑ کر باہر کا راستہ دکھاتے ہوئے کہا:

"ارے چنا آج تو پاگل ہو گیا ہے کیا؟ راج کمار تو

اپنے محل کی بارہ دری میں تیرا انتظار کر رہے ہیں
جا اوپر جا کاٹھ کے الو۔"
عنبر کو بڑا غصہ آیا کہ یہ بھوتنی اسے بُرا بھلا کہہ رہی ہے
مگر وہ اوپر سے ہنستا رہا۔
"اری چڑیل! آج میں راستہ بھول گیا تھا۔"
"ہائیں — تُو نے مجھے چڑیل کہا؟" عورت نے چیخ
کر کہا۔

اور جوتا اتار کر عنبر کو مارنے ہی والی تھی کہ عنبر وہاں سے
بھاگ کر باہر آ گیا۔ عجیب مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ اس
نے سوچا۔ ایک جگہ سیڑھیاں محل کے اوپر جاتی تھیں۔ عنبر سیڑھیاں
چڑھ کر محل کی دوسری منزل پر آ گیا۔ یہاں چھت پر تین
بارہ دریاں بنی تھیں۔ برآمدے کے ستونوں پر چاندی کے
پترے چڑھے تھے۔ ایک بارہ دری میں راج کمار کنالا شاہی
چھتر کے نیچے مور لیے بنے ہوئے تخت پر بیٹھا تھا۔ داسیاں
اس کے شاہی لباس کے ہیرے جواہرات چمکا رہی تھیں۔
عنبر کو یہ سوچنے میں دیر نہ لگی کہ یہی راج کمار کنالا ہے جس
کا وہ خادم ہے۔

عنبر نے جھک کر سلام کیا۔
راج کمار نے مسکرا کر کہا:

"چنا! ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"
عنبر بولا:
"ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی راج کمار۔ نیند آ گئی معافی
چاہتا ہوں۔"
راج کمار نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا:
"کوئی بات نہیں چنا! نیند تو ہر انسان کو پکڑ لیتی ہے
نیند ہمیں بھی پکڑ سکتی ہے۔"
اتنے میں سامنے والے محل کے برآمدے میں سے ایک عورت
نمودار ہوئی اس کا لباس ریشمی اور شاہانہ تھا۔ سر پر سونے کا چھوٹا
سا تاج تھا۔ جسم پر بھی ہیرے جواہرات لٹک رہے تھے جب
وہ قریب آئی تو عنبر چونک اٹھا۔ یہ وہی عورت تھی جس کو اس
نے تھوڑی دیر پہلے لاہور کے شمشان میں چبوترے پر آگ کے
شعلوں میں جلتے ہوئے دیکھا تھا اور چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی:
"مجھے آگ نہ لگاؤ۔ مجھے آگ نہ لگاؤ۔"
اور جس کے بارے میں جوگی بابا نے کہا تھا کہ اس
عورت نے پچھلے جنم میں آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے
ایک بھیانک گناہ کیا ہے جس کی اسے سزا مل رہی ہے
اور پھر عنبر سے کہا تھا کہ عنبر! تم اس عورت کو ڈھائی ہزار
برس پیچھے کے زمانے میں جا کر ملو گے اور پھر تمہیں معلوم

ہو جائے گا کہ اس نے کون سا ایسا بھیانک گناہ کیا تھا جس کی اسے یہ سزا مل رہی ہے کہ ڈھائی ہزار برس سے مرنے کے بعد اب تک شعلوں میں جل رہی ہے۔ عنبر نے اس عورت کو فوراً پہچان لیا تھا اور یہ عورت راج کمار کُنالا کی سوتیلی ماں رانی کرونا تھی۔

○

سانپ خوشبو پر آگیا

سوتیلی ماں رانی کرونا کو آتا دیکھ کر راج کمار کُنالا ادب سے اٹھ کھڑا ہوا:

کنالا نے سر جھکا کر سوتیلی ماں کو سلام کیا اور ادب سے ہاتھ باندھ لیے۔ رانی کرونا کے چہرے پر مسکراہٹ تھی مگر عنبر کو صاف پتہ چل گیا کہ اس مسکراہٹ میں ممتا نہیں بلکہ مکاری ہے۔ اس نے راج کمار کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"بیٹا! اگرچہ میں تمہاری سوتیلی ماں ہوں مگر مجھے تم سے اپنے سگے بیٹے پرتاپ کمار کی طرح محبت ہے۔ تم شکار پر جا رہے ہو۔ اپنا خیال رکھنا اور بہت جلد محل کو واپس لوٹنا۔"

راج کمار کنالا نے سر جھکا کر کہا:

"رانی ماں! میں بھی آپ کو اپنی سوتیلی ماں نہیں بلکہ اصلی ماں سمجھتا ہوں اور پرتاپ کمار کو اپنا سگا بھائی سمجھتا ہوں۔ فکر نہ کریں۔ میں شکار سے بہت

جلد لوٹ آؤں گا۔"

رانی کرونا نے راج کمار کنالا کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے دعا دی۔ پھر آہستہ سے تالی بجائی۔ اس کے پیچھے دو شاہی نوکرانیاں کھڑی تھیں۔ ایک نوکرانی نے ہاتھوں میں ہاتھی دانت کی بنی ہوئی سفید ٹوکری اٹھا رکھی تھی۔ وہ ٹوکری لے کر آگے بڑھی۔ رانی ماں کرونا نے ٹوکری کا ڈھکنا اٹھا کر اندر سے نیلے پتھر کی ایک خوب صورت بوتل نکال کر راج کمار کنالا کو دیتے ہوئے کہا:

"بیٹا! جنگل میں گرمی ہو گی۔ چشمے یا دریا پر نہانے کے بعد یہ عطر اپنے کپڑوں پر لگانا تمہیں ٹھنڈک پہنچے گی۔"

راج کمار کنالا نے نیلی بوتل خوشی سے لے کر اپنے پاس رکھ لی اور اپنی سوتیلی ماں کا شکریہ ادا کیا۔ رانی کرونا مسکراتی ہوئی واپس چلی گئی۔ عنبر نے ایک بار پھر اس عورت کی مسکراہٹ میں مکاری کی جھلک صاف پہچان لی تھی۔ راجکمار کنالا نے نیلی بوتل عنبر کو دے کر کہا:

"چنا! اس بوتل کو شکار کے سامان میں ساتھ رکھ لینا۔"

عنبر نے بوتل لے لی۔ بوتل میں سے عجیب قسم کی تیز خوشبو

آ رہی تھی۔ عنبر جڑی بوٹیوں کا ماہر تھا۔ اس کو لگا کہ اس عطر میں کسی بڑی ہی خاص بوٹی کا عرق ملایا گیا ہے۔

اسی روز راج کمار کنالا چنا اور دوسرے نوکروں کو ساتھ لے کر گھوڑوں پر سوار ہو کر جنگل کی طرف شکار کے لیے روانہ ہو گیا۔ دو روز تک سفر کرنے کے بعد شاہی قافلہ ایک گھنے جنگل میں پہنچ گیا۔ اس جنگل میں ہرن کا بہت شکار تھا۔ یہاں پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ شام کا وقت تھا۔ جہاں پڑاؤ ڈالا گیا وہاں ایک چھوٹی سی قدرتی نہر بہہ رہی تھی۔ اس کا پانی بڑا ٹھنڈا اور میٹھا تھا۔ راج کمار نے اس ندی میں چنا کے ساتھ غسل کیا اور نئے کپڑے پہنے۔ پھر اس نے عنبر سے کہا:

"چنا! رانی ماں کا دیا ہوا عطر کہاں ہے؟ میں اسے اپنے کپڑوں پر لگاؤں گا۔ رانی ماں نے کہا تھا کہ اس کے لگانے سے ٹھنڈک پہنچے گی۔"

عنبر نے نیلی بوتل لا کر راج کمار کو پیش کر دی مگر ساتھ ہی کہا:

"راج کمار جی! مجھے اس میں سے کسی عجیب پُراسرار بوٹی کی بُو آتی محسوس ہو رہی ہے۔ اسے نہ لگائیں تو اچھا ہے۔"

راج کمار کنالا نے کہا:

"چنا! یہ ہماری رانی ماں نے ہمیں دیا ہے اور وہ ہمیں اپنی مری ہوئی اصلی ماں کی طرح پیاری ہے۔ اس کا حکم ہے کہ ہم اسے اپنی پوشاک پر لگائیں۔ ہم اپنی رانی ماں کا حکم ضرور مانیں گے۔"

عنبر خاموش ہو گیا۔ اس نے آگے سے کچھ نہ کہا۔ اسے معلوم تھا کہ بادشاہوں اور راجاؤں اور راج کماروں کے مزاج بڑے نازک ہوتے ہیں اور پھر راج کمار کنالا اپنی سوتیلی ماں سے بالکل اپنی سگی ماں جتنا پیار کرتا تھا اور اس کے ہر حکم پر عمل کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ پھر بھی عنبر چاہتا تھا کہ راجکمار وہ عطر اپنے کپڑوں پر نہ لگائے۔ لیکن راج کمار نے بوتل کھول کر اس میں سے عطر نکال کر اپنی ہتھیلی پر ڈالا اور پھر اسے اپنے کپڑوں پر مل لیا۔ بڑی تیز قسم کی خوشبو اٹھی جو آہستہ آہستہ جنگل کی فضا میں جذب ہونے لگی۔

آگ کا الاؤ روشن کر دیا گیا۔ رات ہو گئی تھی۔ راستے میں نوکروں نے جنگلی بکریوں کا شکار کیا تھا۔ انہیں آگ پر سالم بھونا جانے لگا۔ تھوڑی دیر میں سب کھانا کھا کر فارغ ہو گئے۔ نوکر بھی تھکے ہوئے تھے۔ فوراً سو گئے۔ راج کمار اور چنا ابھی تک جاگ رہے تھے۔ راج کمار کو اپنے باپ

راجہ مئوداس سے بھی بڑی محبت تھی۔ وہ چنا سے اپنے باپ کی باتیں کرنے لگا:

"چنا! تم ہمارے خاندانی ملازم ہو۔ تم سے کوئی شے چھپی ہوتی نہیں ہے۔ میرا راجہ باپ اب بہت بوڑھا ہو گیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ایک ہزار برس تک زندہ رہیں اور میں ان کی خدمت کرتا رہوں۔ مگر وہ چاہتے ہیں کہ تخت چھوڑ دیں اور میں راجہ بن کر رعایا کی خدمت کروں۔"

عنبر نے کہا:

"اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے راج کمار؟"

راج کمار کنالا کہنے لگا:

"چنا! اگر میں راجہ بن بیٹھا تو لوگ کہیں گے کہ میں نے اپنے باپ کو زبردستی تخت سے اتار دیا ہے اور میں یہ نہیں چاہتا۔ مجھے اپنے باپ سے پیار ہے۔ تخت سے پیار نہیں ہے۔"

عنبر کے دل میں یہ بات صاف کھٹک رہی تھی کہ راج کمار کی سوتیلی ماں اپنے بیٹے پرتاپ کمار کو تخت پر بٹھانا چاہتی ہے اور وہ کسی نہ کسی طریقے سے راج کمار کنالا کو اپنے بیٹے کے راستے سے ہٹا دینا چاہتی ہے۔ مگر وہ

یہ بات کھل کر راج کمار سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ کیوں کہ
اسے معلوم ہو گیا تھا کہ راج کمار کنالا اپنی سوتیلی ماں سے
بھی اپنی سگی ماں کی طرح پیار کرتا ہے۔ عنبر خاموشی سے
راج کمار کنالا کی باتیں سنتا رہا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اسے
راج کمار کے کپڑوں سے اٹھنے والی تیز خوشبو بھی برابر آ
رہی تھی۔

جنگل کی رات کسی قبرستان کی طرح خاموش تھی۔ آگ کا
الاؤ بجھ چکا تھا۔ نوکر چاکر خیموں کے باہر سو رہے تھے۔
راج کمار کنالا کو بھی نیند آنے لگی۔

اُس نے کہا:

"چنا! نیند آ رہی ہے۔ اب ہمیں بھی آرام کرنا چاہیے
صبح شکار پر بھی چلنا ہے۔"

راج کمار اُٹھنے ہی لگا تھا کہ اس کے پیچھے پھنکار کی
آواز بلند ہوئی اور پھر ایک سیاہ کالے سانپ نے اپنا
پھن اُوپر اُٹھا کر زور سے راج کمار کی گردن پر مارا اور
اسے ڈس دیا۔ راج کمار گردن پکڑ کر بیٹھ گیا۔ عنبر نے
چھلانگ لگا کر سانپ کو قابو کیا اور راج کمار سے کہا:

"لیٹ جاؤ راج کمار۔"

راج کمار کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ اتنی جلدی

سب کچھ کیسے ہو گیا۔ وہ فوراً گھاس پر لیٹ گیا۔ عنبر نے
راج کمار کی گردن پر انگلی رکھی اور سانپ کو گردن سے
پکڑ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سانپوں کی اُس
زبان میں جو اسے ناگ نے سکھائی تھی کہا:

"اے بدبخت! کیا تجھے میرے جسم میں سے ناگ
دیوتا کی خوشبو کا احساس نہیں ہوا؟ کیا تجھے معلوم
نہیں تھا کہ ناگ دیوتا میرا بھائی ہے؟"

سانپ نے ایک عام آدمی کو اپنی زبان میں بات کرتے
اور ناگ دیوتا کا نام لیتے سنا تو گھبرا گیا۔ بولا:

"اے ناگ دیوتا کے بھائی! مجھے معاف کر دینا اگر
اس راج کمار نے اپنے کپڑوں پر یہ خاص خوشبو
نہ لگائی ہوتی تو مجھے تمہارے جسم میں سے ناگ
دیوتا کی ہلکی سی خوشبو بھی آ جاتی اور میں ادھر
آنے کی کبھی جرأت نہ کرتا۔ مگر میں راج کمار کے
کپڑوں کی خوشبو کی وجہ سے مجبور ہو گیا کہ اس کے
پاس آ کر اسے ڈس دوں۔"

عنبر نے کہا:

"اب جلدی سے راج کمار کے جسم میں ڈالا ہوا
زہر چوس لے۔ نہیں تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا

اور ناگ دیوتا سے کہہ کر اس علاقے کے سارے
سانپوں کو ہلاک کروا دوں گا۔"

سانپ نے گڑگڑا کر کہا:

"میں ابھی زہر چوس لیتا ہوں میرے آقا۔"

راج کمار نے عنبر سے کہا:

"چنا! تم میری گردن پر انگلی رکھے اس سانپ کی
طرف ٹکٹکی باندھے کیا دیکھ رہے ہو۔ نوکروں کو
بلاؤ اور میرا علاج کرنے کی کوشش کرو۔ وقت
ضائع نہ کرو۔ زہر میرے جسم میں داخل ہو چکا ہے۔"

عنبر خاموش زبان سے سانپ کے ساتھ باتیں کر رہا تھا
اس لیے راج کمار کو ایسا لگا کہ وہ سانپ کو بس ٹکٹکی
باندھے دیکھے جا رہا ہے اور وقت گذرتا جا رہا ہے۔ عنبر نے
راج کمار کی طرف منہ پھیر کر کہا:

"راج کمار جی! میں آپ کا علاج ہی کر رہا ہوں
میں نے ایک منتر پڑھ کر سانپ پر پھونکا ہے
اب وہ آپ کی گردن پر منہ رکھ کر اپنا سارا
زہر واپس چوس لے گا۔ آپ بالکل کسی قسم کی
کوئی حرکت نہ کریں اور سیدھے لیٹے رہیں۔"

عنبر نے سانپ کو چھوڑ دیا۔ سانپ زمین پر رینگتا، بل

کھاتا۔ راج کمار کے سر کے پاس آ گیا اور اپنا منہ راجکمار
کی گردن کے ساتھ لگا کر اپنا زہر چوسنے لگا۔ اس نے
راج کمار کے جسم میں داخل کیا ہوا سارا زہر چوس کر نکال
دیا اور پیچھے ہٹ گیا۔ عنبر نے سانپ کی طرف دیکھ کر
اس سے ایک بڑی ضروری بات پوچھی:

"راج کمار نے جو خوشبو لگا رکھی ہے کیا تم اس کی
وجہ سے مجبور ہو کر آئے تھے؟"

سانپ نے کہا:

"ہاں میرے آقا! یہ ایک خاص قسم کی خوشبو ہے
جس میں ایک خاص بوٹی ناگ پھنی کا عرق ملایا
گیا ہے۔ یہ خوشبو جس آدمی نے بھی لگائی ہو گی
وہاں کوئی نہ کوئی سانپ ضرور آ جائے گا اور اسے
ڈس کر ہلاک کر دے گا۔ یہ خوشبو سانپ کو ڈسنے
کے لیے اپنی طرف بلاتی ہے۔"

راج کمار نے زمین پر سے اٹھتے ہوئے کہا:

"چنا! یہ منتر تم نے کہاں سے سیکھا تھا؟ تم نے
پہلے کبھی اس منتر کا ہم سے ذکر نہیں کیا۔ میں تو
پھر سے تندرست ہو گیا ہوں۔"

عنبر نے کہا:

"مہاراج! پہلے کبھی کسی سانپ نے آپ کو ڈسا نہیں تھا۔ اس لیے منتر کی ضرورت نہ پڑی۔"

راج کمار بولا:

"اب یہ سانپ کیوں یہاں بیٹھا ہے؟"

عنبر بولا:

"مہاراج! یہ آپ سے معافی مانگ رہا ہے۔ کہتا ہے مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ راج کمار ہیں۔ اسے معاف کر دیں یہ چلا جائے گا۔"

راج کمار نے مسکرا کر کہا:

"میں سانپ کو معاف کرتا ہوں۔"

عنبر نے سانپ سے کہا:

"اب تم جا سکتے ہو۔ لیکن ہاں! جانے سے پہلے مجھے ایک بات بتاؤ۔ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ ناگ دیوتا اس وقت کہاں ہو گا؟"

سانپ نے کہا:

"میرے آقا! میں ایک معمولی سانپ ہوں۔ بھلا میری ہمت کہاں کہ میں ناگ دیوتا کا سراغ لگا سکوں۔"

عنبر نے کہا:

"تم جا سکتے ہو۔"

سانپ چلا گیا۔ راج کمار کو عنبر نے خیمے میں گدیلوں پر لے جا کر لٹا دیا اور دودھ گرم کر کے پلایا۔ کیوں کہ زہر کا تھوڑا بہت اثر اور کمزوری انسان میں ضرور باقی رہ جایا کرتی ہے۔ مگر راج کمار کو ذرا بھی کمزوری نہیں ہوئی تھی۔ وہ عنبر کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

"چتا! اگر تمہیں منتر یاد نہ ہوتا تو ہم زندہ نہ بچتے۔ بھگوان نے ہمیں تمہارے ذریعے سے بچایا ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"مہاراج! اگر آپ وہ خوشبو نہ لگاتے جو آپ کو رانی ماں کرونا نے دی تھی تو یہ سانپ جنگل میں آ کر آپ کو کبھی نہ ڈستا۔"

راج کمار نے کچھ اس طرح عنبر کو دیکھا جیسے اسے عنبر کی یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ اس نے پوچھا:

"چتا! تم یہ کس طرح کہہ سکتے ہو کہ سانپ میرے کپڑے پر لگی ہوئی خوشبو کی وجہ سے آیا تھا اور اس خوشبو کی وجہ سے ہی اس نے مجھے ڈسا تھا؟"

عنبر نے کہا:

"مہاراج اگر میں آپ کو یہ کہوں کہ یہ راز مجھے سانپ نے بتایا ہے تو آپ یقین نہیں کریں گے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بات مجھے اسی سانپ نے بتائی ہے جس نے آپ کو ڈسا تھا۔"

راج کمار ہنسنے لگا:

"چنا! یہ بات تو میں مانے لیتا ہوں کہ تم سانپوں کا منتر جانتے ہو مگر یہ بات میں کبھی نہیں مان سکتا کہ سانپ تم سے باتیں کرتے ہیں اور تم ان کی زبان سمجھ لیتے ہو۔ بھلا کبھی سانپ بھی انسانوں سے باتیں کرتے ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"اے راج کمار! سانپ انسانوں سے چاہے باتیں کریں یا نہ کریں، لیکن یہ بات آپ کو بھی ماننی ہوگی کہ آپ کو سانپ سے ڈسوا کر ہلاک کرنے کی سازش کی گئی تھی۔"

راج کمار سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا:

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہماری رانی ماں نے ہمیں ہلاک کروانے کی سازش کی تھی؟"

عنبر نے کہا:

"ایسا کہنا نہیں چاہتا۔ مگر کہنے پر مجبور ہوں۔"

راج کمار بستر پر ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ غصے سے بھر گیا۔

"چنا! تم ہمارے ملازم ہو۔ تمہیں میری ماں پر سازش کا الزام لگانے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

عنبر بولا:

"میں الزام نہیں لگا رہا مہاراج بلکہ حقیقت بیان کر رہا ہوں۔"

"خاموش!" راج کمار نے گرج کر کہا۔

عنبر خاموش ہو گیا۔ راج کمار غصے میں بستر پر سے اُٹھ کر خیمے کے اندر ٹہلنے لگا۔ پھر عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا:

"چنّا! تم میرے ملازم ہی نہیں دوست بھی ہو۔ میں نے تمہیں ڈانٹا ہے۔ مجھے معاف کر دو اور ——— اور آئندہ کبھی ہماری رانی ماں کے بارے میں ایسی بات منہ سے نہ نکالنا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ جہاں ہم بیٹھے تھے وہاں سانپ نکل آیا اور اس نے ہمیں ڈس دیا۔ اس بات کو بھول جاؤ۔"

عنبر نے کہا:

"جو حکم مہاراج!"

راج کمار نے عنبر کو سینے سے لگا لیا اور کہا:

"اب تم بھی جا کر سو جاؤ۔ صبح شکار پر چلنا ہے۔"

عنبر اپنے خیمے میں آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ عنبر کو جوگی کی باتوں کا خیال آنے لگا۔ اس نے کہا تھا کہ رانی ماں کرونا یعنی راج کمار کی سوتیلی ماں کوئی بھیانک گناہ کرے گی جس کی سزا اسے یہ ملے گی کہ جنم جنم تک اس کا جسم آگ میں جلتا رہے گا۔ ایک گناہ تو اس نے یہ کیا تھا کہ راج کمار کو سانپ سے ڈسوانے کی کوشش کی تھی مگر راج کمار کی جان بچ گئی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ ایک بار پھر راج کمار کو مروانے کی کوشش کرے۔ عنبر نے سوچا کہ وہ راج کمار کی جان کی حفاظت کرے گا۔ کیوں کہ جوگی نے کہا تھا:

"عنبر! اپنا فرض پوری طرح ادا کرنا۔ اس کے بعد حالات ایسا رخ پلٹیں گے کہ تمہاری ناگ اور ماریا سے ملاقات ہو جائے گی اور تم یہ بھی دیکھو گے کہ انسان کو اس کے برے کاموں کی سزا کس طرح ایک نہ ایک دن مل کر رہتی ہے۔"

عنبر نے سوچا کہ راجکمار کے پاس جو سانپ کو اپنی طرف بلانے

گدھوں کو درختوں کے اوپر آسمان پر گول چکر کاٹتے دیکھا اس نے راج کمار کو ساتھ لیا اور ان درختوں کے پاس آگیا۔ وہاں جو منظر انہوں نے دیکھا اس سے راج کمار کا چہرہ دہشت سے سفید پڑ گیا۔ وہاں درختوں کے نیچے گھاس پر راجکمار کے نوکر کی لاش پڑی تھی۔ لاش کا رنگ سیاہ پڑ چکا تھا۔ اور چھ سات کالے سانپ پھن اٹھائے لاش کے گرد چکر لگا رہے تھے اور لاش کو بار بار ڈس رہے تھے۔ فضا میں اس عطر کی تیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی جو راج کمار کنالا کی سوتیلی ماں نے اسے دیا تھا اور جس کی وجہ سے ایک رات پہلے سانپ راج کمار پر بھی حملہ کر چکا تھا۔ عطر کی نیلی شیشی ٹوٹی ہوئی لاش کے پاس پڑی تھی اور سارا عطر نوکر کے کپڑوں پر اور گھاس پر پھیلا ہوا تھا۔

عنبر نے راج کمار کی طرف دیکھ کر کہا:

"مہاراج! اس شخص کی موت عطر کی خوشبو کی وجہ سے ہوئی ہے۔ بوتل اس کے پاس تھی۔ یہ گھوڑے سے گر پڑا۔ بوتل ٹوٹ گئی۔ عطر کی خوشبو پھیلی اور سانپوں نے جنگل سے نکل کر اس پر حملہ کر کے ہلاک کر دیا۔"

راج کمار خاموشی سے نوکر کی لاش کو دیکھتا رہا پھر عنبر سے

کہنے لگا:

"چنا! واپس چلو۔ میں اس سے زیادہ نہیں دیکھ سکتا:"

راج کمار کے دل کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی سوتیلی ماں نے سانپ کو بلانے والے عطر کی بوتل دے کر اسے ہلاک کرنے کی سازش کی تھی۔ مگر اس کا دل اداس ہو گیا تھا۔ وہ اسی روز شکار سے اپنے محل میں واپس آ گیا۔

راج کمار کو زندہ واپس آتے دیکھ کر راج کمار کی سوتیلی ماں رانی کرونا کو بڑی حیرانی اور مایوسی ہوئی۔ مگر وہ راجکمار سے پوچھ نہیں سکتی تھی کہ اس نے خوشبو لگائی تھی کہ نہیں مگر اس کا دل یہ معلوم کرنے کو بے چین تھا کہ آخر اس کی سازش کامیاب کیوں نہیں ہوئی۔ یہ مسئلہ عنبر نے حل کر دیا۔ جب رانی کرونا نے راج کمار سے پوچھا کہ وہ اتنی جلدی شکار سے کیسے واپس آ گیا تو عنبر نے کہا:

"رانی ماں! نوکر کرم داس مر گیا۔ جانے کیا ہوا۔ آپ کی دی ہوئی عطر کی بوتل اس کے پاس تھی۔ بوتل ٹوٹ گئی اور سانپوں نے اسے ڈس کر ہلاک کر دیا:"

راج کمار نے عنبر کی طرف غصے سے دیکھا اور کہا:

"تم کون ہوتے ہو یہ فیصلہ کرنے والے؟"

پھر اس نے اپنی سوتیلی ماں سے کہا:

"ماتا جی! نوکر اپنی موت مرا ہے۔ جنگل میں وہ اس طرف نکل گیا جہاں سانپوں کا بسیرا تھا۔ سانپوں نے انہیں ڈس لیا۔ پھر میرا جی اداس ہو گیا اور میں واپس اپنے محل آ گیا:"

رانی کرونا نے بڑی عیاری سے کہا:

"بھگوان اسے سورگ باش کرے۔ اب تم آرام کرو اور اپنے جی کو اداس نہ ہونے دو:"

رانی کرونا واپس چلی گئی۔ وہ اپنا دل مسوس رہی تھی کہ اس کی سکیم کامیاب نہیں ہو سکی۔ اب اس نے ایک اور ترکیب پر غور کرنا شروع کر دیا۔ ادھر راج کمار کے دل میں بھی اپنی سوتیلی ماں کے بارے میں کچھ شک سا پڑ گیا تھا مگر اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ جس سوتیلی ماں کے ساتھ وہ سگی ماں ایسا پیار کرتا ہے وہ اس کی جان لینے کی کوشش کر سکتی ہے۔ راج کمار نے اپنے دل کا حال عنبر پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ کیوں کہ وہ ایک راج کمار تھا اور راج کمار اپنے راز نوکروں کو نہیں بتایا کرتے۔

مگر عنبر چوکس ہو گیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ رانی کرونا اب کوئی اور سازش کرے گی۔ لیکن اس بار رانی کرونا جو سازش

کر رہی تھی اس کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ایک
رات عنبر راج کمار کی کمر کے گرد لپٹی ہوئی ہیرے موتیوں
والی چمڑے کی پیٹی اتار رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ خنجر
کے نیام میں سے راج کمار کا خنجر غائب ہے اور نیام خالی
ہے۔ عنبر نے راج کمار سے خنجر کے بارے میں پوچھا تو
نے حیرانی سے خالی نیام کو دیکھ کر کہا:

"مجھے نہیں معلوم کہاں چلا گیا۔ سارا دن تو اس
نیام میں رہا تھا"

عنبر کا ماتھا ٹھنکا۔ اس میں کوئی سازش ہو سکتی ہے۔
لیکن وہ سمجھ نہ سکا کہ آخر راج کمار سے خنجر کو غائب کرنے
میں کیا سازش ہو سکتی ہے۔ راج کمار کھانا کھا کر اپنے کمرے
میں جا کر سو گیا۔ عنبر بھی اپنی کوٹھڑی کے باہر چارپائی
پر لیٹ گیا اور سب باتوں کو بھلا کر ناگ اور ماریا
کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہ ڈھائی ہزار سال پیچھے
کے زمانے میں آ گیا ہے اور جوگی نے کہا تھا کہ حالات
اپنے آپ ایسی شکل اختیار کریں گے کہ اس کی ناگ
اور ماریا سے ملاقات ہو جائے گی۔

رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی کہ اچانک راجکمار
کی سوتیلی ماں رانی کرونا کے محل میں پکڑو پکڑو کا شور

بلند ہوا اور محل کی مشعلیں روشن ہو گئیں۔ شور کی آواز سن
کر راج کمار کی بھی آنکھ کھل گئی۔ وہ اپنے کمرے سے
باہر آ گیا۔ عنبر پہلے سے ہی جاگ رہا تھا۔ راج کمار نے
عنبر سے پوچھا کہ یہ شور کیسا تھا اور رانی ماں کے محل
میں آدھی رات کو روشنی کیوں ہو گئی ہے؟ عنبر کسی
گہری سوچ میں گم تھا، چونک کر بولا:

"رانی ماں کے محل سے پکڑو پکڑو کا شور بلند ہوا
تھا پھر محل کی شمعیں روشن ہو گئیں اور اب
خاموشی چھا گئی ہے۔"

راج کمار نے تلوار نکالی اور عنبر کو ساتھ لے کر رانی
ماں کے محل کی طرف گیا۔ محل میں داسیاں پریشان پھر رہی
تھیں۔ رانی ماں اپنے کمرے میں نہیں تھی۔ راجکمار نے
نوکرانیوں سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟

ایک داسی نے کہا:

"مہاراج! کسی نے رانی ماں کو قتل کرنے کی کوشش
کی تھی۔"

"رانی ماں کو قتل کرنے کی؟" راج کمار نے حیرت سے کہا۔

"ہاں راج کمار!" داسی نے کہا:

"قاتل بھاگ گیا ہے۔"

"اور رانی ماں کہاں ہیں؟"

"مہاراج کے محل میں گئی ہیں۔"

راج کمار نے عنبر کو ساتھ لیا اور اپنے پتا یعنی باپ راجہ منوداس کے محل کی طرف آ گیا جو رانی ماں کے محل کے ساتھ ہی تھا۔ راج کمار اپنے باپ راجہ منوداس کے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کی سوتیلی ماں پلنگ پر بیٹھی آنسو بہا رہی ہے۔ اس کا باپ غصے کے عالم میں پلنگ کے پاس ٹہل رہا ہے اور راجکمار کا خنجر پلنگ پر رکھا ہوا ہے۔ راج کمار نے جاتے ہی باپ کو ادب سے سلام کیا۔ عنبر ایک طرف ادب سے کھڑا ہو گیا۔ راج کمار کا خنجر وہاں راجہ کے پلنگ پر دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا کہ کوئی گہری سازش ہو گئی ہے۔ راجہ نے اپنے بیٹے راج کمار کی طرف غصے سے دیکھا اور پھر پلنگ پر رکھے ہوئے خنجر کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"راج کمار گنولا! اس خنجر کو پہچانتے ہو؟"

راج کمار نے کہا:

"ہاں مہاراج! یہ میرا خنجر ہے۔ مگر یہاں کیسے آ گیا؟ یہ تو کل سے گم ہو گیا تھا؟"

پھر راج کمار نے اپنی سوتیلی ماں کی طرف دیکھ کر کہا:

"ماتا جی! وہ کون گستاخ تھا جس نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا؟"

راجہ نے طیش میں آ کر کہا:

"اپنی سوتیلی ماں پر خود ہی قاتلانہ حملہ کر کے پوچھتے ہو کہ قاتل کون تھا؟"

"میں کچھ سمجھا نہیں مہاراج؟" راج کمار نے حیرانی سے کہا۔

مگر عنبر سب کچھ سمجھ گیا تھا اور سر جھکائے کھڑا تھا۔ راجکمار کی سوتیلی ماں نے بڑی ہی خطرناک چال چلی تھی اور کوئی بھیانک بات اب ہونے والی تھی۔ راجہ کا چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا۔ اس نے راج کمار کا خنجر اٹھاتے ہوئے کہا:

"جب تم یہ خنجر لے کر اپنی سوتیلی ماں کو قتل کرنے اس کے کمرے میں داخل ہوئے تھے تو اس وقت تم کچھ نہیں سمجھے تھے کہ تم کیا کرنے والے ہو؟ تمہیں ایک پل کے لیے بھی یہ خیال نہ آیا کہ تم اپنی ماں کو قتل کرنے آئے ہو؟"

راج کمار کے چہرے پر ایک نورانی چمک آ گئی۔ اب ہر بات اس کے ذہن میں کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ اس کی سوتیلی ماں نے اسے پہلے بھی ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی اور اب اس پر ایک ایسا الزام لگایا تھا جس کا

وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اُس نے اپنے باپ سے کہا:

"پتا جی! میں دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے رانی ماں کو قتل کرنے کی کوشش نہیں کی۔"

"تو پھر یہ خنجر تمہاری ماتا کے کمرے میں کیسے آ گیا؟ تم اندر داخل ہوئے۔ تم نے اپنی ماں کو ہلاک کرنا چاہا۔ وہ جاگ پڑی۔ اس نے شور مچا دیا اور تم خنجر وہیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔"

راج کمار نے کہا:

"مگر کیا رانی ماں نے مجھے وہاں سے بھاگتے دیکھا تھا۔ کیا انہیں یقین ہے کہ وہ میں ہی تھا؟"

راجہ نے رانی کرونا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"مہارانی! اس بدبخت کو بتاؤ تم نے کیا دیکھا تھا؟"

رانی کرونا بڑی مکاری سے آنسو بہا رہی تھی۔ اس نے کہا:

"مہاراج! جب میں نے شور مچایا تو ایک آدمی خنجر پھینک کر بھاگا۔ میں بھی اس کے پیچھے بھاگی اور جب وہ کھڑکی میں سے چھلانگ لگانے لگا تو میں یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ وہ راج کمار کُنالا تھا۔"

راجہ نے کنالا کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں غصے سے خون اُترا ہوا تھا۔

"اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟ کیا تمہاری ماں جھوٹ بول رہی ہے؟ کیا ایک ماں اپنے بیٹے پر کبھی قاتلانہ حملے کا الزام لگا سکتی ہے؟ جب تک کہ وہ اس پر حملہ نہ کرے۔"

راج کمار نے کہا:

"پتا جی! رانی ماں کو میں نے ہمیشہ اپنی سگی ماں کی طرح جانا ہے۔ میں انہیں جھوٹا کہہ کر ان کی بے عزتی نہیں کر سکتا۔"

راجہ نے کہا:

"تو پھر تم مانتے ہو کہ تم نے اپنی ماں کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور اس قتل سے تمہارا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے بیٹے پرتاپ کمار کو تخت پر بٹھانے کی کوشش نہ کر سکے۔"

راج کمار نے کہا:

"میں نے اپنی ماں کو قتل کرنے کی ہرگز کوشش نہیں کی۔ میں ایسا سوچنا بھی گناہ سمجھتا ہوں اور مجھے تخت کی بھی کوئی خواہش نہیں ہے۔"

"لیکن مہاراج! میں اپنی ماں کو جھوٹا نہیں کر سکتا
آپ مجھے جو سزا دیں گے۔ میں اسے خوشی سے
قبول کروں گا۔"

راجہ کا جسم غصے سے کانپ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ
اُٹھا کر کہا:

"ہم کل تمہاری سزا کا اعلان کریں گے۔ کل ساری
دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ منوداس راجہ کا انصاف
کیا ہے اور جو لڑکا اپنی ماں کو قتل کرنے کی
کوشش کرتا ہے اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اب تم
میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔"

راج کمار نے جھک کر پہلے اپنے باپ اور پھر ماں کو
سلام کیا اور عنبر کو ساتھ لے کر راجہ کے محل سے باہر
نکل آیا۔

راج کمار باقی رات سو نہ سکا۔ عنبر اس کے پلنگ کے
پاس بیٹھا اس کی خدمت کرتا رہا۔ راج کمار کو اب پتہ چلا
کہ اس کا وفادار ملازم چیتا ٹھیک کہتا تھا کہ اس کی سوتیلی
ماں اس کو ہلاک کروانے کی سازش کر رہی ہے۔ اب وہ
اپنی سازش میں کامیاب ہو گئی تھی کہ صبح خدا جانے اسے
کون سی سزا ملنے والی تھی۔ راج کمار اس لیے پریشان نہیں

تھا کہ صبح اسے بہت بڑی سزا ملنے والی تھی۔ بلکہ وہ اس
لیے اداس تھا کہ جس ماں کو وہ اپنی سگی ماں سمجھتا تھا اس
نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ اس نے آہ بھر کر کہا:

"چاچا! کیا دنیا سے نیکی اٹھ گئی ہے؟ کیا ایک ماں
بھی اپنے بیٹے پر جھوٹا الزام لگا سکتی ہے؟"

عنبر نے کہا:

"مہاراج! آپ جی ہلکا نہ کریں۔ آپ کا ضمیر صاف
ہے۔ آپ نے کوئی گناہ نہیں کیا۔"

اسی طرح رات گزر گئی۔

دوسرے روز دربار لگا۔ راجہ نے اعلان کر دیا کہ راجکمار
نے اپنی ماں کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ ایک بھیانک
جرم ہے۔ ایک بھیانک گناہ ہے۔

"چنانچہ ہم حکم دیتے ہیں کہ اس بھیانک جرم کی
وجہ سے راجکمار کنالا کی آنکھیں گرم سلائی پھیر کر
اندھی کر دی جائیں۔"

دربار کے وزیر نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"مہاراج! راج کمار کے لیے کوئی نرم سزا سوچی
جائے۔"

"خاموش" راجہ نے گرج کر کہا: "انصاف کے سامنے

اولاد کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ہم نے جو فیصلہ
کیا ہے وہ عین انصاف کے مطابق کیا ہے۔ آئندہ
ہمارے فیصلے پر کسی کو اعتراض کی جرأت نہ ہو۔
دربار میں سناٹا چھا گیا۔ راج کمار کو زنجیروں میں جکڑ کر
قید میں ڈال دیا گیا۔ عنبر محل کے سامنے اپنی کوٹھڑی میں
اداس بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ تخت اور تاج کے لیے
ایک سوتیلی ماں اپنے سوتیلے بیٹے کو راہ سے ہٹانے کے
لیے ایسا ظلم بھی کر سکتی ہے۔ راج کمار نے اپنی سوتیلی ماں
کی اتنی عزت کی تھی کہ بھرے دربار میں اسے جھوٹا نہیں
کہا بلکہ اس کی عزت رکھنے کے لیے خود اپنی آنکھیں نکلوانا
قبول کر لیا۔ عنبر راج کمار کے اس کردار سے بڑا متاثر ہوا
تھا۔ اس نے اپنی سوتیلی ماں کے لیے بہت بڑی قربانی
دی تھی۔ جوگی نے سچ کہا تھا۔ سوتیلی ماں ظالم رانی گردنا
نے ایک بھیانک گناہ کر لیا تھا۔ یہی وہ گناہ تھا جس
کی سزا اسے یہ ملنے والی تھی کہ وہ ہمیشہ جہنم کی آگ
کے شعلوں میں جلتی رہے گی اور جس کی لاش کو عنبر نے
خود اپنی آنکھوں سے لاہور کے ویران شمشان میں جلتے
دیکھا تھا۔ عنبر خود ایک درد انگیز ڈرامے میں الجھ گیا تھا۔
خدا جانے ابھی کون کون سے خوف ناک واقعات پیش

نے والے تھے۔ عنبر کو ماریا اور ناگ سے ملنا تھا اور
گی نے کہا تھا کہ وہ ان واقعات میں سے گذر کر ہی
ماریا اور ناگ سے مل سکتا ہے۔ عنبر نے اپنے آپ
کو آنے والے تمام خوف ناک واقعات کے لیے تیار
کر لیا تھا۔

اگلے دن جب سورج ڈھل رہا تھا تو بے گناہ راجکمار
کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کے لیے اسے تہہ خانے
میں لے جایا گیا۔ وہاں سوائے جلاد اور سپاہیوں کے
اور کوئی نہیں تھا۔ لوہے کی سلائیاں آگ میں تپائی جا
رہی تھیں۔ راج کمار زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس کے
چہرے پر نیکی کا نور پھیلا ہوا تھا۔ اسے لکڑی کے ایک
کھمبے کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ ایک سپاہی گرم سلائیاں
جو آگ سے سرخ ہو رہی تھیں لے کر آ گیا۔ جلاد نے
نے سلائیاں پکڑیں اور راج کمار کی طرف بڑھا۔

راج کمار نے اوپر آنکھیں اٹھائیں اور کہا:
"اے دنیا کے پالنے والے! تو جانتا ہے کہ میں
بے گناہ ہوں۔ میری ماں کو معاف کر دینا۔"
اور جلاد نے راج کمار کی آنکھوں میں گرم سلائیاں
پھیر دیں۔ تکلیف سے راج کمار کے ہونٹ بھنچ گئے۔ مگر

اُس نے آواز تک نہ نکالی۔ راج کمار کی آنکھوں سے خون نکلا اور جل کر جم گیا۔ وہ اندھا ہو چکا تھا۔ اس کی زنجیریں کاٹ دی گئیں اور اسے سپاہیوں نے اس کے محل میں پہنچا دیا۔ عنبر محل کے باہر راج کمار کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے تہہ خانے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اس نے راجکمار کو اندھا دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عنبر کی آنکھوں میں شاید پہلی بار آنسو آئے تھے۔ اس نے آگے بڑھ کر راج کمار کو بازو سے تھام لیا اور آنسوؤں بھری آواز میں کہا:

"راج کمار! ان لوگوں نے آپ کے ساتھ کیا کر دیا!"

راج کمار نے کہا:

"سزا میرے باپ کا حکم تھا۔ میں نے اپنے باپ کا حکم مانا تھا۔ میں نے اپنے باپ کا حکم مانا ہے اور اپنی سوتیلی ماں کی لاج رکھی ہے۔ میرا ضمیر صاف ہے چنا۔ مجھے کوئی دکھ نہیں۔"

عنبر راج کمار کو محل میں لے جانے لگا تو راج کمار نے کہا:

"چنا! اب اس محل سے میرا دل اُٹھ گیا ہے۔ اس محل میں اب میں داخل نہیں ہوں گا مجھے

جنگل میں جنگلی جانوروں میں چھوڑ کر تم بھی چلے جاؤ۔ جنگلی جانوروں میں انسانوں سے زیادہ مہر و محبت ہوتی ہے۔"

عنبر نے راج کمار کا بازو تھام کر کہا:

"راج کمار! میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ تم جہاں جاؤ گے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔"

راج کمار نے کہا:

"تو پھر اس محل سے نکل چلو۔ ہم جنگل میں جا کر بسیرا کریں گے۔"

عنبر نے راج کمار کو ساتھ لیا۔ اسے گھوڑے پر بٹھایا خود بھی ایک گھوڑے پر بیٹھا اور محل کے بڑے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کی دونوں طرف محل کے نوکر اور داسیاں اندھے راج کمار کو محل سے رخصت ہوتے دیکھ کر رو رہی تھیں۔

راج کمار نے عنبر سے کہا:

"چنا! ان لوگوں کو کہو کہ مجھے اس حالت میں محل سے جاتا دیکھ کر آنسو نہ بہائیں۔ میں نے اپنے ماں باپ کی لاج کی خاطر اپنی آنکھیں نکلوائی ہیں۔ میرا دل دکھی نہیں ہے۔ انہیں کہو واپس

محل میں جا کر میری ماتا اور میرے پتا کو میرا
سلام کہیں۔"

عنبر نے راج کمار کا پیغام نوکروں اور داسیوں کو دیا
تو وہ دھاڑیں مار کر رونے لگیں۔ راج کمار کا گھوڑا آہستہ
آہستہ چلتا محل کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ عنبر گھوڑے
پر بیٹھا اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ یہ دردناک منظر
دیکھ کر سورج بھی اداس ہو گیا اور اس نے درختوں کے
پیچھے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ راج کمار اور عنبر کے گھوڑے
آہستہ آہستہ چلتے محل سے دور ان درختوں میں جا کر رات
کے اندھیرے میں گم ہو گئے جہاں سے جنگل شروع
ہوتا تھا۔

جنگل میں کافی دیر تک چلنے کے بعد جب رات
گہری ہونے لگی تو عنبر نے ایک چشمے کے کنارے راج کمار
کو گھاس پر لٹا دیا۔ خود جنگل سے خاص قسم کی جڑی
بوٹیاں توڑ لایا۔ انہیں پتھروں پر گھسا اور ان کی دوا تیار
کر کے راج کمار کی آنکھوں پر لگا کر اوپر کیلے کے پتے
باندھ دیئے۔ اس سے راج کمار کی درد کم ہو گئی۔ اس نے
عنبر سے کہا:

"چیتا! مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم دوا دارو بھی کر

لیتے ہو۔ اس دوائی نے مجھے آرام دیا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"مہاراج! مجھے جنگلی جڑی بوٹیوں کی کچھ سمجھ ہے۔
میں نے ایسی دوا بنا کر لگائی ہے جس سے
دو ایک دنوں میں آپ کا زخم اچھا ہو جائے
گا۔ کاش! مجھے کسی ایسی بوٹی کا علم ہوتا جس
سے آپ کی آنکھوں کی بینائی واپس آ سکتی۔"

راج کمار نے عنبر کا ہاتھ ٹٹول کر اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا

"چیتا! تمہاری وفاداری پر میں جتنا بھی ناز کروں کم
ہے۔ تم نے میرے لیے وہ کیا ہے جو شاید اپنا
سگا بھائی بھی نہ کر سکے۔"

عنبر نے کہا:

"مہاراج! میں اپنا انسانی فرض ادا کر رہا ہوں۔"

اس کے بعد عنبر جنگل سے توڑ کر جنگلی پھل لے آیا۔
اس نے راج کمار کو پھل کھلا کر ٹھنڈا پانی پلایا۔

راج کمار نے پوچھا:

"تم بھی کھا رہے ہو نا چیتا؟"

عنبر کچھ نہیں کھا رہا تھا۔ اسے کھانے کی ضرورت بھی
نہیں تھی۔ مگر اس نے راج کمار کا دل رکھنے کے لیے یونہی

منہ سے چپ چپ کی آواز نکالتے ہوئے کہا:

’میں کھا رہا ہوں مہاراج‘

تھوڑی دیر بعد راج کمار کو نیند آ گئی اور وہ سو
گیا۔ عنبر اس کے سرہانے بیٹھا ناگ اور ماریا کے بارے
میں سوچتا رہا۔ پھر وہ راج کمار کے ساتھ گذرے ہوئے
واقعے پر غور کرنے لگا۔ اسے راج کمار کی آنکھوں کی بینائی
چلے جانے کا بے حد دکھ تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اب
کوئی معجزہ ہی راج کمار کی آنکھیں واپس دلا سکتا ہے۔
یونہی رات گذر گئی۔ جنگل میں صبح کی روشنی پھیلنے لگی۔
درختوں میں پرندوں نے چہچہانا شروع کر دیا۔ راج کمار کی
آنکھ کھل گئی۔ عنبر نے چشمے پر لے جا کر راج کمار کا
منہ ہاتھ دھلایا۔ آنکھوں میں نئی دوا لگائی۔ کھانے کو
جنگل کے تازہ میٹھے پھل توڑ کر دیئے اور گھوڑوں پر بیٹھ
کر آگے روانہ ہو گئے۔

جنگل جنگل سفر کرتے انہیں سات روز گذر گئے۔
راج کمار کی آنکھوں کے زخم اچھے ہو گئے تھے۔ ایک
روز وہ ایک خوبصورت پہاڑی کے دامن میں پھیلی
ہوئی وادی میں پہنچے جہاں ایک نہر بہہ رہی تھی۔ درخت
طرح طرح کے پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ نہر کے کنارے

گلاب اور گیندے کے جنگلی پھول کھلے تھے۔

راج کمار نے کہا:

’یہاں مجھے پھولوں اور پھلوں کی خوشبو آ رہی
ہے اس خوشبو میں نہر کے پانی کی ٹھنڈی مہک
بھی ہے۔ چنا! کیا ہم کسی خوبصورت وادی میں
پہنچ گئے ہیں؟“

عنبر نے کہا:

”ہاں مہاراج! اتنی حسین وادی میں نے یہاں کہیں
نہیں دیکھی۔“

راج کمار نے کہا:

’چنا! میری ایک بات مانو گے؟“

’کہیے مہاراج“ عنبر نے کہا۔

راج کمار گھوڑے سے اتر آیا، کہنے لگا:

’تم کب تک ایک اندھے کا ہاتھ پکڑ کر سفر
کرتے رہو گے۔ مجھے یہاں میرے حال پر چھوڑ
دو اور واپس محل میں چلے جاؤ۔ خدا میری رکھوالی
کرے گا۔“

عنبر نے راج کمار کا ہاتھ پکڑ کر اسے آم کے ایک درخت
تلے بٹھا دیا اور کہا:

"مہاراج! ایسی بات پھر نہ کہیے گا۔ میں آپ کو اس حالت میں اکیلا کبھی چھوڑدوں گا آپ جہاں جائیں گے میں آپ کے ساتھ ہوں گا۔ میں آپ کی آنکھوں کا فرض ادا کر رہا ہوں۔ بھلا کبھی کسی کی آنکھوں نے بھی کسی کا ساتھ چھوڑا ہے۔"

راج کمار نے آہ بھر کر کہا:

"میری آنکھیں تو میرا ساتھ چھوڑ گئیں چنا!"

عنبر نے کہا:

"مگر میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا مہاراج میں یہاں آپ کے لیے ایک جھونپڑی بناؤں گا جہاں آپ آرام اور سکون سے جتنی دیر تک چاہے رہیں گے۔"

راج کمار نے آہ بھر کر کہا:

"جیسے تمہاری مرضی چنا!"

○

شاہی لاش کا راز

عنبر نے درختوں کی ٹہنیوں کی ایک جھونپڑی بنائی۔ اوپر کیلے کے پتوں کی چھت ڈالی۔ اندر ناریل اور کیلے کے نرم پتوں کا بچھونا بچھا کر اس پر راجکمار کو لٹا دیا۔

"آپ یہاں آرام کریں مہاراج! میں آپ کی خدمت کروں گا۔"

راج کمار نے اداسی سے مسکرا کر کہا:

"چنا! میں تمہارے احسان کا بدلہ نہ چکا سکوں گا۔"

عنبر نے کہا:

"مہاراج! میں یہ کسی احسان کے لیے نہیں کر رہا ہوں۔"

اب اس جنگل میں عنبر نے راج کمار کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔ ایک ماہ گذر گیا۔ راجکمار دن کو جھونپڑی سے نکل کر عنبر کا ہاتھ پکڑ کر وادی کی سیر کرتا۔ ندی پر نہاتا۔ خدا کی عبادت کرتا۔ اور رات کو سونے سے پہلے وہ اپنے ماں باپ کو یاد کر کے ان کے حق میں

اللہ سے دعائیں مانگتا اور پھر سو جاتا۔ عنبر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ واقعات آگے کیوں نہیں بڑھ رہے یہ وقت ایک جگہ آ کر تھم کیوں گیا ہے۔ آخر قدرت کیا چاہتی ہے اور جوگی نے جو پیش گوئی کی تھی کہ ماریا اور ناگ انہی حالات سے گزر کر اسے ملیں گے کب پوری ہو گی؟

ایک روز راج کمار اپنے راجہ باپ اور سگی ماں کو جو مر چکی تھی یاد کر کے بہت اداس ہو گیا۔ دوسرے روز سو کر اٹھا تو راج کمار نے عنبر کو آواز دے کر جھونپڑی میں بلایا اور کہا:

"چنا! رات میری سگی ماتا جی خواب میں آئی تھیں۔"

عنبر نے کہا:

"اچھا مہاراج! پھر ماتا جی نے کیا کہا؟"

راج کمار بولا:

"ماتا جی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ کہہ رہی تھیں میرے بیٹے مجھے تمہارا دکھ جنت میں بھی چین سے نہیں رہنے دے رہا۔ میری بات سنو۔ کل ایک بزرگ تمہارے پاس آئے گا۔ وہ جو کہے اس کی بات پر عمل کرنا۔"

عنبر نے کہا:

"پھر؟"

راج کمار بولا:

"پھر میری آنکھ کھل گئی۔ خیال رکھنا چنا! آج ایک بزرگ ادھر آئے گا۔"

"میں انتظار کروں گا مہاراج!"

دوپہر کے بعد عنبر نہر کے کنارے بیٹھا تھا ماریا اور ناگ کو یاد کر رہا تھا۔ راج کمار جھونپڑے سے باہر گھاس پر درخت کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا کہ ایک سفید پوش بزرگ نہر کنارے چلتے ہوئے آ گئے۔

عنبر سمجھ گیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے بارے میں راج کمار کی ماں نے خواب میں اشارہ دیا تھا۔ عنبر نے اٹھ کر بزرگ کی تعظیم کی۔

راج کمار نے پوچھا:

"کون آیا ہے چنا؟"

عنبر نے کہا:

"راج کمار! ایک بزرگ تشریف لائے ہیں۔"

راج کمار نے بھی اٹھ کر ادب سے سلام کیا۔

سفید پوش بزرگ قریب آکر رُک گئے۔ راج کمار کی
طرف دیکھ کر بولے،
"بیٹا! تم نے اپنی سوتیلی ماں کے ظلم و ستم کو
صبر و شکر سے برداشت کیا ہے۔ خدا نے تم پر
اپنی رحمتیں نازل فرمائیں ہیں۔ تمہارے دُکھوں کا
وقت ختم ہوگیا ہے"۔
پھر بزرگ نے عنبر کی طرف دیکھا اور کہا:
"تم نے بھی جو قربانی دی ہے وہ بھلائی نہیں جا
سکے گی میں اس سے زیادہ تمہارے بارے میں
کچھ نہیں کہوں گا۔ تم یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔
نہر کنارے چلتے جانا۔ ایک دن اور ایک رات
کے سفر کے بعد تمہیں ایک گاؤں ملے گا جہاں
مہاتما بدھ درشن دیں گے اور ایک بہت بڑے
مجمعے سے خطاب کریں گے۔ جب یہ جلسہ ختم
ہو جائے گا تو ایک بوڑھی عورت سے
تمہاری ملاقات ہو گی۔ اس کے بال چاندی کی
طرح سفید ہوں گے۔ وہ تمہیں جو کچھ کہے ویسے
ہی کرنا"۔
یہ کہہ کر بزرگ نہر کے کنارے آگے کو روانہ ہوئے

اور تھوڑی دُور جا کر غائب ہو گیا۔
راج کمار نے پوچھا۔
"چچا! کیا بزرگ بابا چلے گئے"؟
"ہاں راج کمار ــــ اور اب تمہیں اکیلا چھوڑ کر
مجھے بھی جانا ہو گا"۔
راج کمار نے کہا:
"بزرگ یہی کہہ رہے تھے۔ میں نے سن لیا ہے مگر
تمہارے بغیر میں اداس ہو جاؤں گا چچا"!
عنبر بولا:
"راج کمار! میرا جانا بہت ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے
اس میں تمہاری بھلائی کا کوئی پہلو نکل آئے میں آج
ہی نکل چلوں گا"۔
عنبر نے شام کو راج کمار کو کھانا کھلا کر جھونپڑی میں لٹا
دیا۔ اس کے پاس پھل اور پانی کا مٹکا رکھ دیا اور اس
سے اجازت لے کر اپنے بڑے اہم سفر پر روانہ ہو گیا۔
عنبر نہر کے کنارے کنارے چل پڑا۔ چلتے چلتے اسے
رات ہو گئی۔ عنبر کو سونے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔
وہ چلتا چلا گیا کیوں کہ بزرگ نے کہا تھا کہ اسے ایک
رات اور ایک دن چلنا ہو گا۔ عنبر ساری رات سفر

کرتا رہا۔ نہر آگے جا کر وادیوں اور ٹیلوں میں گھومتی ہوئی
کے وقت ایک ویران غیر آباد علاقے میں نکل آئی تھی۔
عنبر کہیں نہ رکا اور چلتا ہی رہا۔ دن گذر گیا نہر اب
دو پہاڑیوں کے درمیان آ گئی تھی۔ ان پہاڑیوں پر سرسبز
جھاڑیاں اُگی تھیں۔ عنبر ایک چٹان کے پاس ذرا دم لینے
کو رُک گیا۔ یہاں پہاڑی کے دامن میں دور دور تک
اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ اس علاقے کو دیکھنے سے
ہی انسان کے دل پر دہشت چھا جاتی تھی۔

عنبر نے نہر میں اتر کر غسل کیا۔ پھر چٹان کے پاس
ایک پتھر کی سل کی آڑ میں بیٹھ گیا اور راج کمار، سفید پوش
بزرگ، سوتیلی ماں کے ظلم اور ماریا اور ناگ کے بارے
میں سوچنے لگا۔ اتنے میں اسے ایک انسانی آواز سنائی
دی۔ یہ آواز بڑی باریک تھی اور ایسے لگ رہا تھا
جیسے زمین کے اندر سے آ رہی ہو۔ عنبر چوکنا ہو کر
اُٹھ بیٹھا اور آواز پر کان دھر دیئے۔ یہ آواز کسی عورت
کی معلوم ہوتی تھی۔ عنبر آواز کے تعاقب میں آگے
بڑھنے لگا۔ یہ آواز ایک جگہ سے بہت قریب لگ
رہی تھی۔ یہاں ایک بہت بڑا پتھر پہاڑی کی ڈھلانی دیوار
کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ عنبر نے کان لگا کر سُنا۔ آواز اس

پتھر کے پیچھے سے آ رہی تھی۔ عنبر نے پتھر کے ایک
کنارے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور اسے ایک ہی جھٹکے
سے دور پھینک دیا۔

پتھر کے پیچھے ایک کھوہ بنی ہوئی تھی۔ کھوہ میں
جھاڑیاں ہی جھاڑیاں ٹھونسی ہوئی تھیں۔

عنبر نے آواز دی:

"تم کون ہو؟"

اندر سے عورت کی کمزور آواز آئی:

"میرا نام سندری ہے۔ میں گاؤں رتناولی کے جلاہے
کی بیٹی ہوں۔ مجھے ڈاکو اغوا کر کے یہاں لے آئے
تھے بھگوان کے لیے مجھے باہر نکالو۔ میرا دم گھٹ
رہا ہے۔"

عنبر نے کانٹے دار جھاڑیوں کو نکال کر باہر پھینکا اور
اندر ایک دبلی پتلی سانولی سی لڑکی کو دیکھا جس کے
بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرہ پریشان تھا۔ عنبر نے
اس کا ہاتھ تھام کر باہر نکالا۔ نہر پر لا کر اسے پانی پلایا۔
لڑکی کی جان میں جان آئی۔ مگر وہ اب بھی ڈری ہوئی
تھی:

"ڈاکو آ جائیں گے۔ وہ تمہیں بھی زندہ نہیں

چھوڑیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"تم فکر نہ کرو۔ اب تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا گاؤں یہاں سے کس طرف ہے؟"

لڑکی نے اسی طرف اشارہ کیا جدھر عنبر جا رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ سندری کا گاؤں بھی وہی ہے جہاں عنبر جا رہا ہے۔ عنبر نے لڑکی سندری کو ساتھ لیا اور کہا:

"میں بھی اسی گاؤں میں جا رہا ہوں۔ میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دوں گا۔"

لڑکی نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"کہیں تم بھی تو مجھے اغوا کر کے نہیں لے جاؤ گے؟"

عنبر مسکرایا:

"نہیں بہن! بھلا کوئی بھائی بھی اپنی بہن کو اغوا کرتا ہے۔"

لڑکی سندری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ اس کے ساتھ اپنے گاؤں کی طرف روانہ ہو گئی۔ گاؤں کا راستہ نہر کے کنارے کنارے ہی جاتا تھا۔ وہ نہر کے کنارے کنارے چلے جا رہے تھے۔ دوپہر گذر چکی تھی۔ شام کو انہیں

گاؤں پہنچ جانا تھا۔ ابھی سورج پوری طرح غروب نہیں ہوا تھا کہ پیچھے سے تین گھوڑ سوار گھوڑے دوڑاتے آئے اور انہوں نے عنبر اور سندری کو گھیرا ڈال دیا۔

سندری نے سہمی ہوئی آواز میں کہا:

"یہی وہ ڈاکو ہیں بھیا جنہوں نے مجھے اغوا کیا تھا۔"

ان میں ایک ڈاکوؤں کے گروہ کا سردار تھا جس کے سر پر بڑا سا پگڑ تھا اور ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ سندری بے چاری سہم کر عنبر کے پیچھے چھپ گئی۔ ڈاکوؤں سردار نے قہقہہ لگایا اور تلوار کی نوک عنبر کی جانب کرتے ہوئے کہا:

"تو تم ہو جو ہمارا مال اڑا کر لیے جا رہے ہو؟"

پھر سردار نے اپنے ایک ڈاکو کا نام لے کر کہا:

"سردارے! یہ چوہا شیر کا شکار چرا کر لے جا رہا تھا۔ اس کی کیا سزا ہونی چاہیے۔"

سردارے ڈاکو نے کہا:

"سردار! اس کی گردن تین بار کاٹی جانی چاہیے۔"

تیسرے ڈاکو نے کہا:

"پہلے اس کے ایک ایک کر کے ہاتھ پاؤں کاٹے

جانے چاہئیں۔

سردار نے عنبر سے پوچھا:

"تمہارا کیا خیال ہے؟ پہلے تمہارے ہاتھ پیر کاٹے جائیں یا تین بار گردن کاٹی جائے؟ بولو تمہاری کیا مرضی ہے؟"

سندری بے چاری تھرتھر کانپ رہی تھی۔ دل میں سوچ رہی تھی کہ اُس نے خوامخواہ بے چارے اجنبی کو موت کے منہ میں ڈالا۔ عنبر کے چہرے پر کوئی پریشانی نہیں تھی، اُس نے کہا:

"بہتر یہی ہے کہ جدھر سے آئے ہو اُدھر کو واپس چلے جاؤ۔"

سردار نے ایک بلند قہقہہ لگایا اور اپنے تیسرے ڈاکو ساتھی سے کہا:

"ارجن! یہ چوہا کیا کہہ رہا ہے؟"

ارجن کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ چیخ کر بولا:

"سردار! میں اسے نیزے میں پرو ڈالوں؟"

سردار نے عنبر سے کہا:

"سُن میرا پٹھہ کیا کہہ رہا ہے؟"

عنبر نے بڑے آرام اور سکون سے کہا:

"تمہارا پٹھہ ہو کہ الو کا پٹھہ ہو۔ مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں۔ میں تمہیں ایک بار پھر شرافت سے کہتا ہوں کہ جدھر سے آئے ہو اُدھر ہی کو واپس چلے جاؤ۔"

اس سے زیادہ ڈاکوؤں کے سردار کی کوئی بے عزتی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ارجن سے چلّا کر کہا:

"ارجن! زمین میں گاڑ دو اسے:"

ڈاکو ارجن نیزہ تانے گھوڑا دوڑا کر عنبر کی طرف آیا کہ اسے اپنے نیزے میں پرو کر اوپر اٹھا لے اور پھر زمین میں نیزہ کے ساتھ ہی گاڑ دے۔ یہ ڈاکو لوگوں کو اس طرح قتل کرنے کا ماہر تھا۔ عنبر نے اسے آنے دیا اور اپنی جگہ سے ذرا نہ ہلا۔ جونہی ڈاکو نیزہ لے کر قریب آیا۔ عنبر نے نیزے کو پکڑ کر زور سے ایک جھٹکا دیا۔ ڈاکو ارجن گھوڑے پر سے اُچھلا اور لڑھکنیاں کھاتا زمین پر عنبر کے قدموں میں آن گرا۔ عنبر نے نیزہ اس کے سینے میں پوری طاقت سے گھونپ دیا۔ ایک چیخ بلند ہوئی اور نیزہ ڈاکو ارجن کے سینے سے ہو کر زمین میں آدھے سے زیادہ دھنس گیا۔ اپنے ساتھی کا یہ حشر دیکھ کر ڈاکوؤں کا سردار پاگل ہو گیا۔ وہ تلوار لہراتا

چیخ مار کر عنبر پر ٹوٹ پڑا:

مگر دوسرے ہی لمحے وہ بھی زمین پر اس طرح پڑا تھا کہ اس کی تلوار اسی کے سینے میں دستے تک اتری ہوئی تھی۔ تیسرا ڈاکو دم دبا کر بھاگ گیا۔ سندری جو سہمی ہوئی تھی اپنے منہ بولے بھائی کی بہادری پر دنگ رہ گئی۔ عنبر نے ڈاکوؤں کے دونوں گھوڑوں کو پہچان لیا۔ گھوڑے بھی عنبر کے قریب آ کر تھوتھنیاں اٹھا اٹھا کر خر خر کرنے لگے تھے۔ یہ وہ گھوڑے تھے جن پر وہ اور راج کمار سوار ہو کر شاہی محل سے نکلے تھے اور جنہیں انہوں نے جنگل میں جھونپڑی بنانے کے بعد آزاد کر دیا تھا۔ عنبر نے ایک گھوڑے پر سندری کو بٹھایا۔ دوسرے گھوڑے پر خود سوار ہوا اور گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

شام کے وقت عنبر اور سندری گاؤں پہنچ گئے۔

یہی وہ گاؤں تھا جس کے بارے میں سفید پوش بزرگ نے کہا تھا کہ عنبر کو ایک چاندی کے تار ایسے سفید بالوں والی بوڑھی غریب عورت ملے گی اور اسے راج کمار کے بارے میں کوئی بات بتائے گی۔ عنبر نے سندری کو اس کے ماں باپ کے گھر چھوڑا اور خود اس میدان کی طرف آ گیا جہاں اس رات مہاتما گوتم بدھ نے

وعظ کرنا تھا۔ میدان میں لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا تھا۔ جو کوئی آتا اپنے ساتھ زیتون کے تیل کا دیا روشن کر کے لاتا اور چبوترے کی سیڑھیوں پر رکھ دیتا۔ یہ سیڑھیاں اوپر چبوترے تک چلی گئی تھیں جہاں مہاتما بدھ نے آ کر وعظ کرنا تھا۔ سیڑھیوں پر اوپر سے نیچے بے شمار دیئے روشن تھے اور جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔

عنبر نے بھی مٹی کا ایک دیا خریدا اور درخت کے نیچے بنی ہوئی کوٹھڑی میں اس موٹے آدمی کے پاس آ گیا جو زیتون کا تیل لوگوں کے دیوں میں ڈال کر ان سے منہ مانگی قیمت وصول کرتا تھا۔ یہ بڑا لالچی اور سخت مزاج موٹا آدمی تھا اور گاہکوں کے ساتھ برا برتاؤ کر رہا تھا۔ عنبر نے اپنا مٹی کا چراغ آگے کیا تو اس نے اس میں زیتون کے تیل کی ایک ڈوئی ڈالی اور کہا:

"لاؤ جی ایک اشرفی"

اس زمانے میں سونے کی ایک اشرفی کی بڑی قیمت ہوا کرتی تھی مگر لوگ مجبور ہو کر تیل والے لالچی دکاندار کو ایک اشرفی ہی دے رہے تھے کیوں کہ انہیں مہاتما گوتم بدھ سے عقیدت تھی اور وہ اس کا وعظ سننے آئے تھے اور سیڑھیوں پر مذہبی رسم کے طور پر زیتون کے

تیل کا دیا ضرور روشن کرنا چاہتے تھے۔ عنبر کے پاس
صرف ایک ہی اشرفی تھی۔ اس نے اشرفی دے دی اور
دیئے میں تیل ڈلوا کر واپس چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد دوسرے لوگ اپنے اپنے
چراغوں میں تیل ڈلوانے لگے۔ وہاں کافی بھیڑ ہو گئی تھی۔
اس بھیڑ میں ایک بوڑھی عورت جس کے سر کے سارے
بال چاندی کے تاروں کی طرح سفید تھے اور بڑھاپے
کی وجہ سے سر آہستہ آہستہ ہل رہا تھا اپنا مٹی کا خالی
چراغ تھامے ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔
لوگ اپنے اپنے چراغوں میں تیل ڈلوا کر باہر جاتے اور
اسے روشن کر کے سیڑھیوں میں رکھ دیتے۔ بے چاری بوڑھی
عورت کو کوئی نہیں پوچھ رہا تھا۔ اس کے پاس زیتون
کا تیل خریدنے کے لیے ایک پیسہ بھی نہیں تھا۔ اس
نے دو تین آدمیوں سے کہا بھی کہ بھائی میں غریب عورت
ہوں۔ مجھے اپنے چراغ میں سے تھوڑا سا تیل دے دو
تاکہ میں بھی اپنا چراغ روشن کر لوں۔ مگر کسی نے اس
غریب بوڑھی عورت کی بات نہ سنی۔ کسی نے اسے
تیل کا ایک قطرہ بھی نہ دیا۔ جب سب لوگ چلے گئے
تو بوڑھی عورت کو دیکھ کر بددماغ دکاندار نے کہا:

"کیوں مائی بوڑھی! تو اپنا چراغ لیے وہاں کیا
کر رہی ہے۔ چراغ میں تیل کیوں نہیں
ڈلواتی؟"
بوڑھی غریب عورت نے خالی چراغ والا ہاتھ آگے
پھیلا کر کہا:
"بیٹا میرے پاس تیل خریدنے کے لیے پیسے
نہیں ہیں کیا تو مجھے تھوڑا سا تیل خیرات کر دے
گا۔ تاکہ میں بھی مہاتما جی کی سیڑھیوں پر اپنا چراغ
روشن کر لوں؟"
دکاندار نے قہقہہ لگایا اور نفرت سے کہا:
"چل مائی بھاگ جا یہاں سے، پیسے نہیں ہیں تو
تیل بھی نہیں ملے گا۔"
بوڑھی عورت نے منت کرتے ہوئے کہا:
"بیٹا! میں غریب ہوں۔ بڑی مشکل سے ایک
وقت کی روٹی بھیک مانگ کر کھاتی ہوں مجھے
میرے چراغ کے لیے تھوڑا سا تیل دے دے
تجھے دعائیں دوں گی۔"
دکاندار نے جھڑک کر کہا:
"مائی تجھے کہہ جو دیا کہ پیسے لائے گی تو تیل

ملے گا نہیں تو بھاگ جا یہاں سے۔"

بوڑھی عورت مایوس ہو گئی۔ اس کا دل اداس ہو گیا۔ وہ مہاتما بدھ کے لیے اپنا مٹی کا دیا ضرور روشن کرنا چاہتی تھی۔ اچانک اسے اپنے بالوں کا خیال آ گیا۔ وہ تیر کمان کا زمانہ تھا اور اس زمانے میں عورتوں کے بالوں کی رسیاں بنا کر کمانیں بنائی جاتی تھیں۔ ایسی کمانیں بہت مضبوط ہوا کرتی تھیں چنانچہ عورتیں اپنے بال فروخت کر دیا کرتی تھیں۔ بوڑھی عورت نے اپنے سفید بالوں پر ہاتھ رکھ کر دکاندار سے کہا:

"میرے پاس سوائے ان سفید بالوں کے اور کچھ نہیں اسے کاٹ لے اور میرے دیئے میں تھوڑا سا تیل ڈال دے۔"

بدماغ دکاندار نے کہا:

"مائی میں ان کمزور سفید بالوں کو لے کر کیا کروں گا۔ اچھا۔ تو کہتی ہے تو کاٹے لیتا ہوں۔"

دکاندار نے چھری اٹھائی۔ بوڑھی عورت نے اپنا سر آگے کر دیا۔ دکاندار نے بڑی بے دردی سے عورت کے سر کے سارے بال کاٹ کر ایک کونے میں رکھ دیئے اور اس کے مٹی کے چراغ میں زیتون کا تیل ڈال دیا۔

ی بہت خوش ہوئی۔ اس نے اپنا دیا جلایا اور باہر
ر مہاتما بدھ کے چبوترے کی سیڑھیوں میں ایک
ن رکھ دیا۔

مہاتما بدھ چبوترے پر بیٹھے وعظ سنا رہے تھے۔ سب
ل خاموش بیٹھے۔ عنبر بھی وہاں بیٹھا تھا اور اس کی
میں سفید بالوں والی بوڑھی عورت کو تلاش کر رہی
یں۔ اتنے میں بڑے زور کی آندھی آ گئی کئی درخت
وں سے اکھڑ گئے۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ لوگ اپنی
ان کے لیے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ نیز ہوا میں سیڑھیوں
لوگوں نے جو چراغ روشن کیے تھے وہ ایک ایک
ر کے بجھنے لگے۔ بوڑھی عورت ایک طرف ہاتھ باندھے
ٹھی اپنے چراغ کی ننھی سی لو کو دیکھ رہی تھی اور خدا
ے دعا مانگ رہی تھی کہ اے خدا میرے چراغ کو
وشن رکھنا۔ آندھی کے ساتھ ہی بادل چمکنے لگے۔ بجلی
وکنے لگی اور بارش شروع ہو گئی۔ جو چراغ باقی رہ
گئے تھے وہ بارش میں بجھتے چلے گئے۔

میدان لوگوں سے خالی ہو گیا۔ اب صرف چبوترے
ر مہاتما بدھ آنکھیں بند کیے سکون سے بیٹھے تھے۔ عنبر
یک طرف بیٹھا تھا اور تیسری وہ بوڑھی عورت تھی جو

ایک درخت کے تنے کے ساتھ لگ کر بیٹھی تھی۔
سیڑھیوں پر جلائے ہوئے لوگوں کے سارے دیئے بجھ چکے
تھے، صرف ایک دیا روشن تھا اور وہ دیا بوڑھی عورت
کا تھا جس نے اپنے سر کے سفید بال بیچ کر تیل ڈلوا
کر روشن کیا تھا۔

اتنے زبردست طوفان بارش اور آندھی میں بھی بوڑھی
عورت کا چراغ روشن رہا تھا اور بجھ نہ سکا تھا۔ عنبر
اس بات پر بڑا حیران تھا کہ تیز ہوا اور بارش میں بھی
بوڑھی عورت کا چراغ جل رہا تھا۔ بوڑھی عورت اپنے
دیئے کے پاس بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ سینے پر بندھے
ہوئے تھے اور وہ مہاتما بدھ کی طرف آنسوؤں بھری
آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ مہاتما بدھ نے اپنی آنکھیں
کھول کر بوڑھی عورت کو دیکھا۔ پھر ایک ہاتھ آہستہ
سے اوپر اٹھایا اور بڑی میٹھی اور نرم آواز میں کہا:

"میری بہن! تمہارے چراغ میں تیل نہیں تمہارے
دل کا خلوص اور سچائی ہے۔ اس لیے وہ نہیں
بجھا جن لوگوں کے چراغوں میں صرف تیل تھا
وہ بجھ گئے ہیں۔ خدا تم پر اپنی رحمتیں نازل
کرے۔ جاؤ ـــ آج سے تمہاری زبان میں تاثیر آ

جائے گی۔ تم اندھوں کو آنکھوں کی روشنی دو گی
اور دکھیوں کو سکھ پہنچاؤ گی:

اتنا کہہ کر مہاتما بدھ اٹھ کر چلے گئے۔ بوڑھی عورت
کے چہرے پر ایک روحانی جلال تھا اور آنکھوں میں
آنسو تھے۔ اس نے اپنا مٹی کا دیا اٹھایا اور تیز بارش
میں اسے ہتھیلی پر رکھے ایک طرف روانہ ہو گئی۔ عنبر
اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ یہی وہ سفید بالوں والی
بوڑھی عورت تھی جس سے ملنے کے لیے وہ یہاں آیا
تھا۔ بوڑھی عورت بارش اور آندھی کے طوفان میں ہتھیلی
پر روشن چراغ رکھے گاؤں کنارے اپنی جھونپڑی میں آ
گئی۔ عنبر جھونپڑی کے باہر زمین پر بیٹھ گیا۔ بوڑھی عورت
نے روشن چراغ جھونپڑی میں رکھا اور باہر آ کر عنبر کو مامتا
بھری نظروں سے دیکھا۔ عورت کے سر کے سفید بال
چھری سے کٹے ہوئے تھے مگر پھر بھی وہ چاندی
کے تاروں کی طرح لگ رہے تھے۔ بوڑھی عورت عنبر
کے قریب آئی تو عنبر تعظیم کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

عنبر نے کہا:

"ماں جی! میں۔۔۔۔"

بوڑھی عورت مسکراتے ہوئے بولی:

"بیٹا! میں جانتی ہوں تمہیں میرے پاس کس بزرگ نے بھیجا ہے اور تم کیا مقصد لے کر آئے ہو۔ ٹھہرو میں ابھی آتی ہوں۔"

عورت جھونپڑی میں گئی۔ اس نے چمڑے کی ایک چھوٹی سی خالی بوتل میں جلتے ہوئے چراغ میں سے زیتون کا تھوڑا سا تیل نکال کر ڈالا۔ اس پر ڈھکن لگایا اور باہر لا کر عنبر کو دیتے ہوئے کہا:

"بیٹا! یہ میرے دیئے کا تیل ہے۔ اسے جا کر راج کمار کی آنکھوں پر لگا دینا۔"

یہ کہہ کر عورت واپس جھونپڑی میں چلی گئی۔ عنبر نے کچھ دیر وہاں کھڑے ہو کر انتظار کیا کہ شاید نیک عورت باہر آئے۔ مگر جب وہ باہر نہ نکلی تو عنبر نے چمڑے کی بوتل تھیلے میں رکھی۔ سندری کے گھر آ کر گھوڑا کھولا اس کے ماں باپ کو سلام کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر واپس راج کمار کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ساری رات نہر کنارے گھوڑے پر سفر کرتا رہا۔ دوسرا دن بھی سفر میں گزر گیا۔ شام ہونے والی تھی کہ وہ اس وادی میں داخل ہو گیا۔ جہاں درختوں کے جھنڈ میں ایک جگہ راج کمار کا جھونپڑا تھا۔ عنبر نے دور سے جھونپڑے کو دیکھا۔ اس کا پتوں کا

دروازہ بند تھا۔ عنبر نے سوچا کہ راج کمار اندر سو رہا ہو گا۔

عنبر گھوڑے سے اتر کر دروازے پر آیا۔ اس نے راج کمار کو آواز دی۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ عنبر نے دروازہ کھول دیا۔ جھونپڑی خالی تھی۔ راج کمار اندر نہیں تھا۔ عنبر نے نہر کنارے جا کر دیکھا۔ آس پاس تلاش کیا۔ راج کمار کہیں نہیں تھا۔ اس نے سارا جنگل چھان مارا۔ اسے آوازیں بھی دیں مگر راج کمار کہیں نہیں تھا۔ عنبر پریشان ہو گیا۔ راج کمار آخر کہاں چلا گیا تھا۔ عنبر تھک ہار کر بیٹھ گیا۔ اس نے سوچا کہ صبح دن چڑھے گا تو وہ راجکمار کو پھر تلاش کرنے نکلے گا۔

راج کمار بے چارہ ایک بہت بھاری مصیبت میں پھنس چکا تھا۔

جب راج کمار کی آنکھیں پھوڑ ڈالی گئیں اور وہ عنبر کو ساتھ لے کر محل سے نکل گیا تو اس کی ظالم سوتیلی ماں رانی کرونا نے سوچا کہ راج کمار مرا نہیں اور ابھی زندہ ہے۔ ہو سکتا ہے کبھی وہ واپس محل میں آ جائے اور اس کے باپ کے دل میں بیٹے کے لیے رحم پیدا ہو جائے اور وہ اسے تخت پر بٹھا دے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ راج کمار کا کسی طرح کام تمام کروا دیا جائے۔

چنانچہ رانی کرونا نے راج کمار کے پیچھے اپنے خاص آدمی لگا دیئے کہ جنگل میں اسے ڈھونڈ کر اس علاقے میں پھینک دیا جائے جہاں دلدل ہے اور بڑے زہریلے سانپ رہتے ہیں۔ چار سپاہی راج کمار کی تلاش میں جنگل میں چل پڑے۔ وہ کئی روز تک راج کمار کو ڈھونڈتے رہے مگر وہ اس کی جھونپڑی کا سراغ نہ لگا سکے۔ آخر ایک روز جب کہ عنبر راج کمار کے لیے بوڑھی عورت سے ملاقات کرنے جنگل سے روانہ ہو چکا تھا۔ یہ چاروں سپاہی جھونپڑی کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے راج کمار کو دیکھا کہ وہ جھونپڑی کے اندر لیٹا ہوا ہے۔ وہ بے چارہ نابینا تھا اور دیکھ نہیں سکتا تھا۔ سپاہیوں نے راج کمار کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اس کے ہاتھ پیر باندھ ڈالے اور گھوڑے پر ڈال کر جنگل کے سانپوں والے دلدل علاقے میں آ گئے۔

یہاں جگہ جگہ دلدل تھی اور سانپ پھنکاریں مارتے پھرتے تھے۔ ان سانپوں کا زہر اتنا خطرناک تھا کہ جس کو ڈستے تھے اس کی ہڈیاں بھی گل جاتی تھیں۔ سپاہیوں نے راج کمار کو ایک گڑھے میں پھینک دیا جہاں کتنے ہی سانپ رینگ رہے تھے۔ راج کمار گڑھے میں گرا تو اس نے خدا کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔

اب اتفاق ایسا ہوا کہ اس گڑھے میں وہی سانپ اپنے دوسرے سانپوں کے ساتھ رہتا تھا جس نے پہلے بھی راج کمار کو کاٹا تھا اور پھر عنبر کے حکم پر اس کا سارا زہر چوس لیا تھا۔ دوسرے سانپ راج کمار کو ڈسنے کے لیے لپکے ہی تھے کہ بڑے سانپ نے راج کمار کو پہچان لیا۔ اس نے سانپوں کو حکم دیا کہ اسے مت کاٹنا۔ سانپ وہیں رک گئے۔ راج کا منہ بند تھا۔ آنکھیں اندھی تھیں۔ نہ وہ کچھ دیکھ سکتا تھا اور نہ منہ سے آواز نکال سکتا تھا۔ وہ سانپوں کی پھنکاریں سن رہا تھا اور دل ہی دل میں خدا سے اپنی زندگی کی دعائیں مانگ رہا تھا۔ بڑے سانپ نے دوسرے سانپوں سے کہا:

"یہ ہمارا مہمان بن کر یہاں رہے گا۔ میں جا کر عنبر کو تلاش کرتا ہوں جو ہمارے عظیم ناگ دیوتا کا دوست ہے۔"

بڑا سانپ گڑھے میں سے نکل کر جھونپڑے کی طرف آ گیا۔ یہاں ابھی عنبر نہیں پہنچا تھا۔ سانپ واپس چلا گیا عنبر شام کو پہنچا۔ جب رات ہو گئی تو بڑا سانپ ایک بار پھر عنبر کو دیکھنے جھونپڑے کی طرف آیا۔ اس وقت عنبر وہاں آ چکا تھا۔ بڑا سانپ عنبر کے سامنے آ گیا۔ عنبر کو اس نے بتایا کہ راج کمار کو چار آدمیوں نے جو راج

کے سپاہی لگتے تھے سانپوں کے گڑھے میں پھینک گئے
تھے مگر وہ ہمارا مہمان بن کر ہمارے پاس خیریت سے
ہے۔ عنبر نے بڑے سانپ کا شکریہ ادا کیا اور فوراً جاکر
راج کمار کو گڑھے سے نکالا۔ اس کے منہ سے کپڑا نکالا۔ اس
کے ہاتھ پاؤں کھولے اور منہ میں پانی ٹپکایا۔ راج کمار کو ہوش
آیا تو اس نے عنبر سے کہا:

"دو تین آدمی میرے جھونپڑے میں آئے اور
انہوں نے مجھے قابو کر کے میرے منہ میں کپڑا
ٹھونسا اور یہاں پھینک گئے۔ مجھے سانپوں کے
پھنکارنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں مگر کسی سانپ
نے مجھے کاٹا نہیں چچا"

عنبر نے کہا:

"مہاراج! اس کے لیے ہمیں سانپوں کا شکریہ
ادا کرنا چاہیے۔"

عنبر نے راج کمار کو ساتھ لیا اور جھونپڑی میں واپس
آگیا۔ اس نے راج کمار سے کہا کہ یہ سازش بھی رانی کردنا
کی تھی اور اس نے ایک بار پھر اسے ہلاک کرانے کی
کوشش کی تھی تاکہ جب گڑھے سے راج کمار کی لاش
ملے تو دنیا پر یہی ظاہر ہو کہ راج کمار کو کسی نے قتل
نہیں کیا بلکہ اندھا ہونے کی وجہ سے سانپوں کے گڑھے

میں گر گیا اور سانپوں کے ڈسنے سے ہلاک ہو گیا۔ راج کمار
چپ ہو گیا۔

عنبر نے کہا:

"اب ہمیں اس جنگل سے نکل جانا ہو گا۔ کیوں کہ
رانی کے سپاہیوں نے یہ جگہ دیکھ لی ہے۔"

"ٹھیک ہے چچا! ہم کسی دوسری وادی میں چلے
جائیں گے۔"

راج کمار یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ عنبر نے راج کمار کو
صرف اتنا بتا پایا کہ وہ جس مہم پر گیا تھا وہ ناکام نہیں
ہوئی۔ وہ رات انہوں نے اسی جھونپڑے میں بسر کی۔
دوسرے دن جب صبح ہوئی تو عنبر نے راج کمار کو ساتھ
لیا اور اس وادی کو چھوڑ کر ندی کے پار سامنے والے
پہاڑ کی طرف روانہ ہو گیا۔ عنبر چاہتا تھا کہ راج کمار کو آرام
سے بتائے کہ اس کے پاس ایسا تیل آگیا ہے جس کے
لگانے سے اس کی بینائی واپس آ جائے گی۔ اب ہم ڈھائی
ہزار سال آگے کی طرف ناگ اور ماریا کی طرف جاتے
ہیں۔ وہ ۱۹۴۲ء کے زمانے کے لندن میں ایک ہوٹل میں
ٹھہرے ہوئے تھے اور انہیں پندرہ دن بعد ایک مسافر
بردار طیارے کے ذریعے عراق کے دارالحکومت بغداد جانا
تھا جہاں ان دونوں نے عنبر کی خوشبو سونگھی تھی۔

چونکہ جنگ کا زمانہ تھا۔ رات کو بلیک آؤٹ تھا۔ لندن شہر کی کسی عمارت میں روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ شہر سے دور ایک پرانے ہوائی اڈے پر سے رات کے گیارہ بجے ایک ہوائی جہاز کچھ مسافروں کو لے کر فضا میں بلند ہوا۔ ترکیہ کے شہر استنبول سے ہوتا ہوا یہ ہوائی جہاز دوسرے دن رات کے بارہ بجے بغداد پہنچ گیا۔ یہ بغداد آج سے ہزار بارہ سو سال پہلے کا بغداد نہیں تھا۔ ناگ اور ماریا جہاز سے اتر کر سیدھے ایک ہوٹل میں آ گئے۔ ناگ کے پاس بھارتی کرنسی تھی جس کو تڑوا کر اس نے بغداد کی کرنسی حاصل کر لی۔ رات گزارنے کے بعد ناگ نے ماریا کو ہوٹل میں ہی رہنے کو کہا اور خود عنبر کی تلاش میں بلکہ اس کا سراغ لگانے بغداد کے گلی کوچوں اور شاندار بازاروں میں نکل گیا۔ ماریا کو چونکہ کوئی دیکھ نہیں سکتا تھا اس لیے وہ آسانی کے ساتھ ہوٹل کے کمرے میں رہ سکتی تھی۔ ہوٹل والوں کے لیے تو وہ کمرہ خالی تھا مگر اصل میں ماریا وہاں موجود تھی۔ ناگ کو گئے ایک گھنٹہ ہوا تھا کہ اس کمرے میں ایک بڑی خطرناک شکل والا آدمی داخل ہوا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اپنے اٹیچی کیس میں سے شیشے کا چھوٹا سا گولہ نکال کر میز پر رکھا اور آنکھیں بند کر کے روحوں کو بلانے کے لیے کوئی وظیفہ

پڑھا اور پھر آنکھیں کھول کر غور سے شیشے کے گولے کو دیکھنے لگا۔ ماریا اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔ کمرے میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ اچانک شیشے کے گولے پر کسی روح کی دھندلی دھندلی شکل نمودار ہوئی اور اس نے سرگوشیوں ایسی آواز میں کہا:

"تمہارے پاس جو عورت کھڑی ہے اسے کمرے سے نکالو تب میں تمہیں شاہی لاش کے تہہ خانے کا راز بتاؤں گی۔"

آدمی نے چونک کر ادرگرد دیکھا اور کہا:

"یہاں تو کوئی نہیں ہے۔"

O

O شاہی لاش کے تہہ خانے کا راز کیا تھا؟

O عنبر راج کمار کو لے کر کس حال میں راجہ کے محل میں واپس آیا؟

O ماریا اس کمرے سے کہاں غائب ہو گئی؟

ان سوالوں کے جواب کے لیے اگلی قسط نمبر ۶۲ "ماریا قتل ہو گئی" آج ہی اپنے قریبی بک سٹال سے خریدیں۔

۶۲

اے حمید

نیا مکتبہ اقرأ
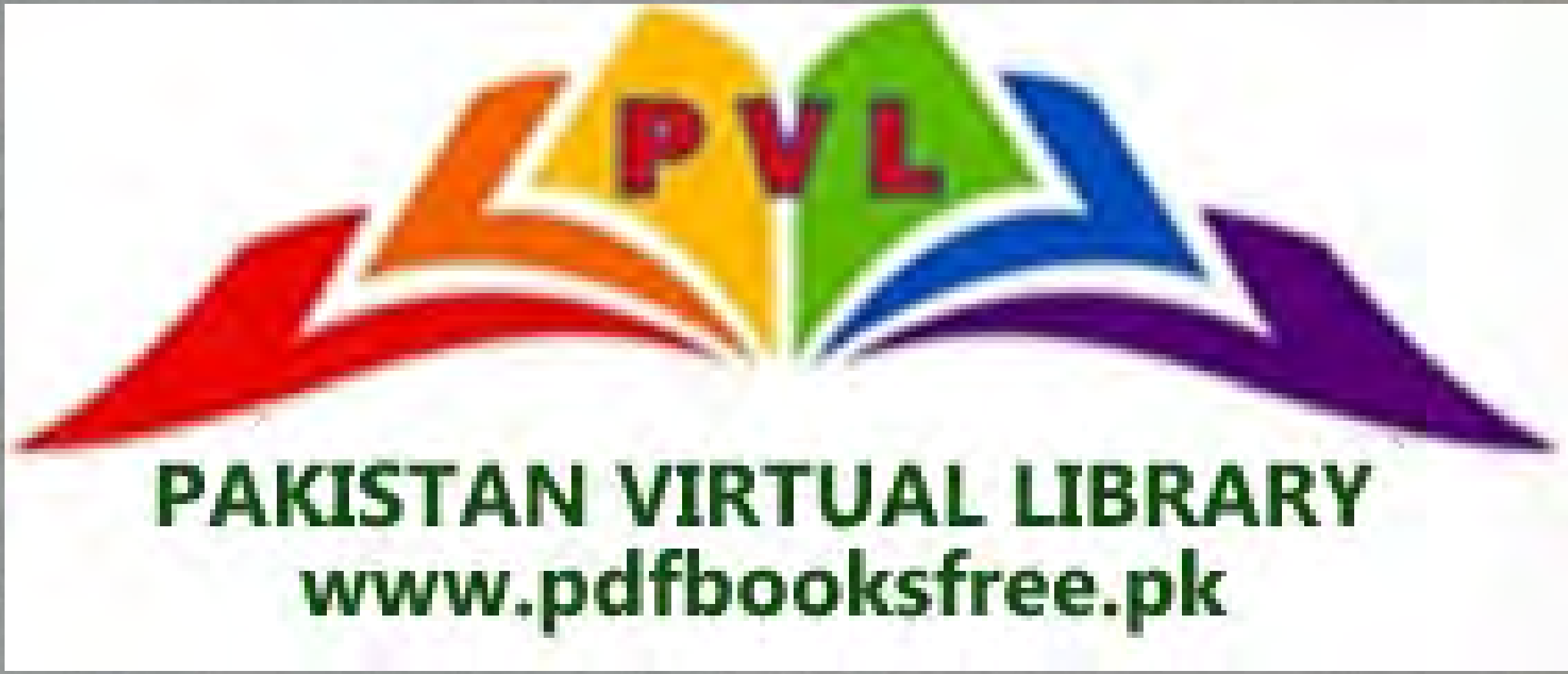
ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

ماریا قتل ہو گئی

اے حمید

ترتیب

قیمت =/۷ روپے

بار اول ۱۹۸۳ء

ناشر: نیا مکتبہ اقرا، ۱۳ بی شاہ [illegible]

طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

پیارے دوستو! خطرناک چہرے والے آدمی کو جب شیشے
کے گولے میں نمودار ہونے والی روح نے کہا کہ تمہارے پاس
ایک غیبی عورت کھڑی ہے۔ اسے ہٹا دو گے تو میں تمہیں
شاہی لاش کا راز بتاؤں گی تو ماریا وہاں سے اپنے آپ ہٹ
گئی۔ پھر روح اس آدمی کو راز بتاتی ہے اور وہ کاہن کی
لاش کے سینے پر لکھے ہوئے بے پناہ قیمتی خزانے کے نقشے
کی لاش میں بابل کے ہزاروں سال پرانے کنوئیں میں اُتر جاتا
ہے۔ ماریا بھی اس کے پیچھے پیچھے جاتی ہے۔ کاہن کی لاش
کے سینے پر بنا ہوا نقشہ بابل کی ملکہ کے تابوت کی طرف جانے
کی ہدایت کرتا ہے۔ اس تابوت میں سانپ ہی سانپ بھرے
ہوئے ہیں اور ملکہ کا کٹا ہوا سر اس کے سینے پر رکھا ہے
اور سر کھوپڑی بن گیا ہے جس کے سر پر سونے کا تاج ہے۔
خطرناک چہرے والے لالچی آدمی کو سانپ لپٹ کر اس کا
کام تمام کر دیتے ہیں۔ ماریا ملکہ کا حسین تاج اپنے سر پر رکھتی ہے تو

ایک جھٹکا لگتا ہے اور وہ کیا بن جاتی ہے اور کہاں چلی جاتی ہے؟ یہ آپ جب پڑھنا شروع کریں گے تو آپ کو خودبخود معلوم ہو جائے گا تو لیجئے۔ ورق الٹ کر پڑھنا شروع کیجئے اور سنسنی خیز پر اسرار انوکھے واقعات کی دنیا میں گم ہو جائیے۔

آپ کا

اے حمید

سانپوں سے بھرا ہوا صندوق

خطرناک شکل والے آدمی نے شیشے کے گولے کی طرف دیکھا۔ گولے پر روح کی دھندلی سی شکل لہروں پر ابھر رہی تھی اور کبھی ڈوب جاتی تھی۔ روح کی سرگوشی پھر سنائی دی:

"تمہارے پاس میں ایک خوب صورت سنہرے بالوں والی سانولی لڑکی کو دیکھ رہی ہوں۔ اسے یہاں سے باہر نکالو گے تو میں تمہیں شاہی لاش کا راز بتاؤں گی۔"

خطرناک شکل والے آدمی نے ایک بار پھر اپنے ارد گرد دیکھ کر کہا:

"مگر یہاں تو مجھے کوئی عورت دکھائی نہیں دے رہی۔"

روح نے سرگوشی کی:

"تم اسے نہیں دیکھ سکتے۔"

وہ بولا:

"تو پھر میں اسے کیسے کمرے سے نکال سکتا ہوں۔"

روح نے کہا:

"جب تک وہ یہاں موجود ہے میں تمہیں راز نہیں
بتاؤں گی۔ کیوں کہ تم نے جو عمل پڑھ کر مجھے حاضر
کیا ہے اس کی شرط ہی یہی ہے کہ اس راز کو سوائے
تمہارے دوسرا کوئی نہ جان سکے۔"

وہ آدمی بڑا پریشان ہو گیا۔ ماریا نے سوچا کہ اسے وہاں
سے کسی طرح نکل جانا چاہیے اور کوشش کرنی چاہیے کہ روح جو
کچھ اسے سرگوشی میں کہے اسے سن سکے۔ وہ کمرے سے باہر
نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی روح نے سرگوشی کی:

"اب وہ لڑکی یہاں نہیں ہے۔ وہ چلی گئی ہے۔
میں تمہیں شاہی لاش کا راز بتاتی ہوں۔ مگر یاد رکھو اگر
تم نے کسی دوسرے کو یہ راز بتایا تو پہلے روز
تمہارے سر کے سارے بال گر جائیں گے۔ دوسرے
روز تمہاری آنکھیں اندھی ہو جائیں گی اور تیسرے
روز تمہارے جسم کی کھال اپنے آپ ادھڑ کر گر
پڑے گی اور تم مر جاؤ گے۔"

خطرناک شکل والا آدمی بولا:

"میں قسم کھاتا ہوں کہ اپنے اس راز میں کسی کو
شریک نہیں کروں گا۔ مجھے بتاؤ بابل کے شاہی کاہن
اعظم کی لاش مجھے کہاں ملے گی؟"

روح نے سرگوشی میں کہا:

"سنو! بغداد شہر سے باہر دریائے دجلہ کے شمال کی
جانب پچاس میل کے فاصلے پر پرانی اینٹوں اور
مٹی کا ایک اونچا ٹیلہ ہے۔ اصل میں یہ ٹیلہ چاہ
بابل کے اوپر بن گیا ہے اور چاہ بابل اس کے
نیچے دبا ہوا ہے۔ اس چاہ بابل میں بابل کا بادشاہ
ان لوگوں کو پھینک دیا کرتا تھا جنہیں سسک سسک
کر دم توڑنے کی سزا دی جاتی تھی۔ اس کنوئیں
میں زہریلے سانپ ہوا کرتے تھے۔ شاہی کاہن اعظم
کو بھی اسی چاہ بابل میں پھینک دیا گیا تھا تمہیں اس
کی لاش وہیں ملے گی۔"

خطرناک آدمی نے پوچھا:

"مگر میں چاہ بابل کے اندر کیسے پہنچوں گا؟"

روح نے کہا:

"ٹیلے کے جنوب میں ایک جگہ خفیہ راستہ کنوئیں کے
اندر جاتا ہے۔"

خطرناک آدمی نے پوچھا:

"اس کی کوئی نشانی؟"

روح نے ایک ہلکی سی چیخ ماری اور کہا:

"اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکتی۔"

اور اس کے ساتھ ہی شیشے کا گولہ پھٹ گیا۔

ماریا نے کمرے کی دیوار کے ساتھ کان لگا کر لاش کے راز کے بارے میں روح کی سرگوشی سننے کی بہت کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکی۔ تھوڑی دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور خطرناک آدمی جس کا نام جم رُودت تھا باہر نکلا۔ اس نے شک کی نظروں سے کوریڈار میں ادھر اُدھر دیکھا اور پھر تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ ماریا نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ لاش کے راز کا معمہ ضرور حل کر کے رہے گی اسے معلوم تھا کہ ناگ اس کی تلاش میں واپس ہوٹل آئے گا۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ کمرے میں ناگ کے نام کوئی خط لکھ کر چھوڑ جاتی۔ اس نے سوچا کہ وہ ناگ کے آنے تک واپس آ جائے گی اور خطرناک شکل والے آدمی جم رُودت کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئی۔

جم رُودت ہوٹل سے نکل کر باہر پارکنگ لاٹ میں آیا یہاں ایک طرف اس کی نیلے رنگ کی سیڈان گاڑی کھڑی تھی جو اندر سے ائرکنڈیشنڈ تھی۔ وہ گاڑی میں بیٹھا انجن سٹارٹ کر کے گاڑی کو پارکنگ کی جگہ سے باہر نکالا اور بغداد شہر کے بارونق بازاروں سے گذرتا ہوا دریائے دجلہ کی طرف روانہ

ہو گیا۔ ماریا اس کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔ دریائے دجلہ کا پُل پار کر کے گاڑی ایک کچی سڑک پر آ گئی جو شمال کی طرف جا رہی تھی۔

جم رُودت نامی یہ آدمی بغداد کے سرکاری میوزیم میں ڈائریکٹر تھا۔ ایک روز وہ دو ہزار سال پرانے بابل شہر کے بارے میں ایک پرانا کرم خوردہ ہاتھ کا لکھا ہوا مسوّدہ دیکھ رہا تھا کہ اس میں ایک صفحے پر لکھا تھا کہ "بابل کے بادشاہ کو جب حکیموں نے کہہ دیا کہ اس کی بیماری کا اب کوئی علاج نہیں ہے اور وہ بہت جلد مر جائے گا تو اس نے اپنے شاہی خزانے کے سارے زیورات، جواہرات، ہیرے موتی اور سونے کے برتن اور سونے کی اشرفیاں ایک صندوق میں بند کر دیں اور اپنے دربار کے شاہی کاہن کو بُلا کر کہا:

"زمین کے اندر پتھروں کا ایک ایسا اہرام بناؤ جس کی کسی کو تاقیامت خبر نہ لگ سکے۔ میں وہاں اپنا شاہی خزانہ دفن کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرے مرنے کے بعد یہ کسی کے ہاتھ نہ لگ سکے۔"

کاہن اعظم نے حساب لگا کر ایک نقشہ بنایا اور پھر ایک رات بادشاہ اسے ساتھ لے کر زمین کے اندر اہرام میں گیا اور شاہی صندوق وہاں دفن کر دیا۔ کاہن اعظم نے

اپنی یادداشت کے لیے اس خفیہ اہرام کا نقشہ اپنے سینے
پر پکے رنگ سے بنا لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جب بادشاہ
مرجائے گا تو وہ چپکے سے اس نقشے کی مدد سے وہاں جاکر
خزانہ نکال لے گا اور کسی دوسرے ملک جاکر نئی زندگی
شروع کر دے گا۔ لیکن بادشاہ بھی اتنا بے وقوف نہیں تھا۔
اس نے اگلے ہی دن کاہنِ اعظم پر کوئی جھوٹا الزام لگاکر حکم
دیا کہ اسے چاہ بابل میں پھینک دیا جائے۔ کاہنِ اعظم سمجھ گیا
کہ بادشاہ شاہی صندوق کے راز کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کر
لینا چاہتا ہے۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سپاہیوں نے
اسے اٹھایا اور چاہ بابل کی گہرائیوں کے اندھیروں میں پھینک
دیا۔ اسے گرتے ہی ایک سانپ نے ڈسا اور وہ ایڑیاں
رگڑ رگڑ کر مرگیا۔"

بغداد میوزیم کے ڈائریکٹر جم رُدت نے اس پرانی کتاب
کو اسی وقت حفاظت سے ایک الماری میں بند کر کے تالا
لگا دیا تاکہ کوئی دوسرا آدمی اسے نہ پڑھ سکے اور خود گاڑی
میں بیٹھ کر اپنے ایک ایسے دوست کے پاس آگیا جو
کالا علم جانتا تھا اور روحوں کے بلانے کا عمل جانتا تھا۔ جم رُدت
نے اسے کہا کہ وہ روحوں کو بلانے کا عمل جاننا چاہتا ہے۔
اس کے دوست نے پوچھا کہ اسے کیا ضرورت آن پڑی ہے؟

جم رُدت نے جھوٹ موٹ کہا کہ میں اپنی دادی کی روح
سے بات کرنا چاہتا ہوں لیکن تمھارے ذریعے نہیں۔ کیوں کہ
میں نے دادی کی روح سے اپنے خاندان کے بارے میں ایک
راز کی بات پوچھنی ہے اس لیے میں اکیلا دادی کی روح کو
بلانا چاہتا ہوں۔

اس کے دوست نے کہا:

"میں تمھیں شیشے کا ایک گولہ دیتا ہوں۔ اس پر
چالیس دن تک ایک وظیفہ پڑھو۔ اس کے بعد
اسے کسی ہوٹل کے کمرے میں لے جاؤ اور اس
سے سوال کرو کہ تمھاری دادی کی روح کو بلائے۔
روح آ جائے گی۔"

جم رُدت نے گھر لے جاکر ایک کمرے میں اسے میز
پر رکھ دیا اور چالیس روز تک عمل پڑھا۔ اکتالیسویں روز
اس نے روح کو بلا لیا۔ دادی کی روح شیشے کے گولے پر
آگئی اور اس نے کہا:

"میں جانتی ہوں تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو اور تم
نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ میں تمھیں کچھ نہیں بتانا
چاہتی۔ کیوں کہ تم لالچ کر رہے ہو اور لالچ کا
انجام اچھا نہیں ہوتا مگر تم نے ایک ایسا عمل پڑھا

ہے جس کی میں پابند ہو گئی ہوں۔ اب تم مجھے
کسی ہوٹل کے کمرے میں لے چلو، کیوں کہ یہ
ایک شرط تھی جسے تم بھول گئے ہو۔"

جم رُوت ہوٹل کے کمرے والی شرط کو بھول گیا تھا۔
اس نے شیشے کا گولہ بریف کیس میں رکھا۔ ہوٹل کے ایک
خالی کمرے کو ٹیلی فون پر بُک کرایا اور وہاں پہنچ گیا۔ یہی
وہ کمرہ تھا جہاں ماریا پہلے سے موجود تھی اور جہاں جم رُوت
کی دادی کی روح نے ماریا کو دیکھ لیا تھا اور جم رُوت سے
کہا تھا کہ وہ اس لڑکی کو کمرے سے باہر نکالے۔

نیلے رنگ کی سیڈان گاڑی شہر بغداد اور دریائے دجلہ کو
بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی اور اب شمال کی جانب صحرا
میں دوڑی چلی جا رہی تھی۔ جم رُوت یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ
گاڑی میں اکیلا بیٹھا ہے مگر اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ
ماریا بھی اس کی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ہے۔
جب گاڑی شہر سے ٹھیک پچاس میل دُور نکل آئی تو
روح کے کہنے کے مطابق جم رُوت کو شمال کی طرف سڑک
کے بائیں جانب ایک بلند ٹیلہ نظر آیا۔ یہ ٹیلہ اس نے پہلے
بھی کئی بار دیکھا تھا مگر آج اسے دیکھ کر وہ بہت خوش
ہوا۔ کیوں کہ آج پہلی بار اسے یہ انمول راز معلوم ہوا

تھا کہ اس ٹیلے کے نیچے ایک ایسے خزانے کا راز دفن
ہے جس کی دولت کا کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا تھا۔

جم رُوت نے ٹیلے کی ایک جانب ببول کے درخت
کے نیچے گاڑی کھڑی کر دی اور گاڑی سے نکل کر ٹیلے
کے جنوب میں چاہ بابل میں جانے کا ایک خفیہ راستہ
ہے۔ کاش اس کی دادی کی روح اسے یہ بھی بتا دیتی کہ
وہ راستہ کس جگہ پر ہے۔ مگر خدا جانے صرف اتنا بتا کر
کیا ہوا کہ روح چیخ مار کر غائب ہو گئی اور شیشے کا روحوں
کو بلانے والا گولہ ٹوٹ گیا۔ وہ ٹیلے کے نیچے دبے ہوئے
چاہ بابل کو جانے والے خفیہ راستے کو تلاش کرنے لگا۔
ماریا بھی اس کے دو تین قدم کے فاصلے پر ساتھ تھی۔

جم رُوت نے دیکھا کہ میوزیم کی سینکڑوں سال پرانی
کتاب کے مطابق یہ ٹیلہ مٹی کا تھا اور اس میں پرانی اینٹیں
بھی دبی ہوئی تھیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ یہ کوئی ہزاروں
سالہ پرانی عمارت کا کھنڈر ہے۔ بغداد میں اس قسم کے
کتنے ہی کھنڈر ہیں اور کوئی ان کی طرف دھیان نہیں دیتا۔
کیوں کہ لوگوں کے نزدیک یہ ویران کھنڈر ہیں۔ کسی کو کیا
معلوم کہ اس ٹیلے کے نیچے بے حد قیمتی خزانے کا راز دفن
کر دیا گیا ہے۔ بغداد میوزیم کے ڈائریکٹر جم رُوت کو اس

راز کی خبر لگ گئی تھی اور اب وہ ٹیلے کے نیچے چاہ
بابل میں جانے کے خفیہ راستے کی تلاش میں تھا۔
ماریا کو اتنا تو روح کی زبانی پتہ چل چکا تھا کہ یہ خطرناک
شکل والا آدمی کسی خفیہ شاہی لاش کے چکر میں ہے اور
اس چکر میں کوئی گہرا راز پوشیدہ ہے۔ مگر اسے یہ نہیں
معلوم تھا کہ یہ شخص جم رُدت جس شاہی لاش کی تلاش
میں ہے وہ اس ٹیلے کے نیچے چاہ بابل میں لاکھوں من
مٹی کے نیچے دفن ہے اور اس لاش کے سینے پر شاہ
بابل کے بے حد قیمتی شاہی خزانے کا نقشہ بنا ہوا ہے۔
اب ماریا کو ناگ کا خیال آنے لگا کہ وہ اگر ہوٹل میں
واپس آ گیا ہو گا تو اسے تلاش کر رہا ہو گا اور پریشان ہو گا
ماریا نے سوچا کہ ناگ کو کسی طرح خبر کر دینی چاہیے کہ وہ
ٹیلے کے پاس ہے۔ اچانک ماریا کو خیال آ گیا کہ جم رُدت
کی سیڈان موٹر کار میں وائرلیس ٹیلی فون لگا ہوا ہے اور وہ
بڑی آسانی سے ہوٹل میں فون کر کے ناگ سے بات کر
سکتی ہے۔ وہ لپک کر سیڈان موٹر کار میں آ گئی۔ کار کے
شیشے بند تھے۔ دروازے بھی بند تھے اور چابی لگی تھی مگر ماریا
کو کار کے اندر داخل ہونے کے لیے دروازہ کھولنے کی ضرورت
نہیں تھی۔ وہ دروازے کے شیشے میں سے اندر گذر گئی۔

اس کو ہوٹل کا نام اور کمرے کا نمبر یاد تھا۔ اس نے
ڈائریکٹری میں سے ہوٹل کا ٹیلی فون نمبر نکال کر ڈائیل گھمایا۔
ہوٹل کے کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے کلرک نے پوچھا کہ کس سے
ملنا ہے۔
ماریا نے کہا:
"مجھے کمرہ نمبر گیارہ میں جو صاحب ناگ نامی رہتے ہیں
ان سے ملنا ہے۔"
کلرک نے کہا:
"وہ ابھی اوپر سے آئے ہیں اور اب ہوٹل سے باہر
جا رہے ہیں۔"
"انہیں جلدی سے بلاؤ۔ بڑا ضروری کام ہے۔"
"او کے۔"
تھوڑی ہی دیر میں ماریا ناگ سے فون پر بات کر رہی
تھی۔ ناگ نے ماریا کی آواز سنی تو خدا کا شکر ادا کیا اور
پوچھا کہ تم کہاں چلی گئی تھیں؟
ماریا نے کہا:
"ان باتوں کو چھوڑو۔ میں اس وقت شہر کے شمال
کی جانب پچاس میل کے فاصلے پر جو مٹی کا بلند
ٹیلہ ہے وہاں پر ہوں۔ ایک پر اسرار شخص کسی

شاہی لاش کے راز کو معلوم کرنا چاہتا ہے۔ میں یونہی دلچسپی کی خاطر اس کے تعاقب میں آگئی ہوں تم بھی یہاں آ جاؤ۔"

ناگ کی آواز آئی:

"تم خوامخواہ وہاں کیوں چلی گئیں؟"

ماریا نے کہا:

"بس تم یہاں آ جاؤ۔"

اور ماریا نے ہنستے ہوئے فون بند کر دیا۔ ماریا صرف دلچسپی کے لیے اس خطرناک شکل والے لالچی شخص کے تعاقب میں یہاں آئی تھی۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ ہنسی ہنسی میں کس مصیبت میں پھنسنے والی ہے۔

ماریا سیڈان گاڑی میں سے نکل کر جم رُوت کے قریب آگئی جو ایک جگہ زمین پر جھکا ہوا تھا اور اینٹیں اکھاڑ رہا تھا۔ اسے شاید ٹیلے کے اندر چاہ بابل میں جانے والے خفیہ راستے کا سراغ لگا لیا تھا۔ وہ تیز تیز ہاتھوں سے اینٹیں اکھاڑ کر پھینکے جا رہا تھا۔ ماریا نے دیکھا کہ جب بہت سی اینٹیں اکھاڑ دی گئیں تو وہاں غار کا ایک چھوٹا سا راستہ نکل آیا۔ جم رُوت بڑا خوش ہوا۔ وہ بھاگ کر اپنی موٹر تک گیا اور ڈگی میں سے پھاوڑا نکال کر لے آیا۔ پھاوڑے کی

مدد سے اس نے غار کا منہ چوڑا کر دیا اور پھر پھاوڑے کو ایک طرف پھینک دیا۔ جیب میں سے ٹارچ نکال کر روشن کی اور غار کے اندر آگے بڑھنے لگا۔ غار کی چھت اونچی نہیں تھی اور جم رُوت جھک کر چل رہا تھا۔ ماریا اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ آگے جا کر غار چوڑا ہو گیا اور چھت بھی اونچی ہو گئی۔ لگتا تھا کہ غار بڑا پرانا ہے۔ اس کی دیواروں پر بُت بنے ہوئے تھے۔ جم رُوت ٹارچ کی روشنی میں قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔

غار میں سیڑھیاں آگئیں۔ جو نیچے ایک کنوئیں میں اُتر رہی تھیں۔ یہی وہ سیڑھیاں تھیں جو چاہ بابل میں اترتی تھیں جم رُوت بڑا خوش تھا کہ وہ چاہ بابل تک پہنچ گیا ہے۔ ایک پل کے لیے ماریا کے دل میں خیال آیا کہ وہ واپس چلی جائے کیوں کہ اسے شاہی لاش کے راز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پھر جانے کیوں وہ واپس نہ ہوئی اور جم رُوت کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اترنے لگی۔

سیڑھیاں تنگ تھیں اور کافی دور نیچے تک چلی گئی تھیں جم رُوت نے ٹارچ کی روشنی نیچے ڈالی۔ بہت نیچے گہرائی میں کنوئیں کا پیندا تھا جہاں ایک لاش کی ہڈیاں اور کھوپڑی ٹارچ کی روشنی میں دکھائی دی۔ جم رُوت جلدی جلدی سیڑھیاں

اتر کر کنوئیں کی تہہ میں آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں ایک لاش کا ڈھانچہ پڑا ہے۔ اس لاش کا باقی سارا جسم ہڈیوں میں تبدیل ہو گیا تھا مگر سینے کی ہڈیوں پر گوشت اسی طرح تھا۔ جم رُوت نے ٹارچ کی روشنی ڈالی تو خوشی سے وہ اچھل پڑا۔ لاش کے سینے پر ٹیڑھی ترچھی لکیریں بنی ہوئی تھیں اور پرانی بابلی زبان میں کچھ لکھا تھا۔ جم رُوت پرانی بابلی زبان پڑھ سکتا تھا۔ ماریا کے لیے بھی کسی پرانی زبان کو پڑھنا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس نے سر آگے کر کے پڑھا۔ لاش کے سینے پر لکھا تھا۔

"پانچ قدم آگے۔ دو قدم دائیں، سفید پتھر کی سِل۔"

ماریا اب کچھ کچھ سمجھ گئی تھی کہ بغداد میوزیم کا ڈائریکٹر یہ شخص کسی خفیہ دستاویز یا کسی خفیہ شاہی خزانے کی تلاش میں تھا۔ اب ماریا کی بھی دلچسپی بڑھ گئی تھی۔ جم رُوت نے لاش کے سینے پر شاہی خزانے کا نقشہ بنا ہوا دیکھا تو اس کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔

یہ لاش کاہن اعظم کی لاش تھی جو بابل کے بادشاہ کے دربار میں شاہی کاہن تھا۔ اس نے ہی بابل کے بادشاہ کے شاہی خزانے کو ایک خفیہ مقام پر دفن کیا تھا اور پھر بادشاہ نے اسے چاہ بابل میں گرا دیا تھا۔ مگر کاہن اعظم نے اس

سے پہلے اپنے سینے پر یادداشت کے لیے خزانے کا ایک نقشہ بنا لیا تھا تاکہ اگر وہ بھول جائے تو یہ نقشہ اسے خزانے تک لے جائے۔ اس نے اپنے سینے پر ایک ایسی دوائی مل لی تھی جو مرنے کے بعد گوشت کو گلنے سڑنے سے بچاتی تھی۔

جم رُوت نے شاہی لاش کے سینے پر جو نشان بنے تھے اور جو کچھ لکھا تھا اسے اپنی نوٹ بک پر لکھ لیا اور ناپ تول کر پانچ قدم آگے بڑھا۔ پھر دائیں جانب دو قدم بڑھائے آگے ٹارچ کی روشنی میں اس نے ایک سفید پتھر کی چوکور سِل دیکھی جو زمین پر پڑی تھی۔ پتھر کی سِل گرد اور مٹی میں اٹی ہوئی تھی۔ اس نے پتھر کی سِل کو پوری طاقت سے پیچھے دھکیل دیا۔ سِل کے نیچے پھر ایک سیڑھی نکل آئی۔ جم رُوت نے ٹارچ روشن کی۔ سیڑھی ایک تنگ غار میں چلی گئی تھی۔ اس غار میں گذرنے کے بعد آگے ایک نیچی چھت والا دالان آ گیا جس میں کئی گول ستون بنے ہوئے تھے۔ ان ستونوں کے درمیان ایک چبوترے پر قبر سی بنی ہوئی تھی۔

جم رُوت لپک کر بے تابی سے اس قبر پر آ گیا۔ یہ قبر نہیں بلکہ لکڑی کا صندوق تھا۔ جم رُوت کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ خوشی سے نہال ہو رہا تھا۔ اسے شاہ بابل

کا قدیم ترین اور نہایت قیمتی خزانہ مل گیا تھا۔ اسی خزانہ کی تلاش میں وہ یہاں آیا تھا اور اس نے اپنی زندگی کا خطرہ مول لیا تھا۔ اب وہ صندوق کا ڈھکنا اٹھا کر شاہی خزانے کی ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب تھا۔ ماریا کے لیے اب یہ سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں تھا کہ جم رُوت اسی صندوق کی تلاش میں آیا تھا اور یہ صندوق شاہی خزانے کے قیمتی نوادرات سے بھرا ہوا ہو گا۔

جم رُوت نے ٹارچ ایک طرف چبوترے پر رکھی اور دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں زور سے رگڑا اور پھر صندوق کا ڈھکنا اُٹھا دیا۔ ماریا پاس ہی کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ ڈھکنے کا کھلنا تھا کہ شُوں شُوں پھُوں پھُوں شاں شاں کی دل کو لرزا دینے والی آوازیں باہر نکلیں اور اس کے ساتھ ہی کتنے ہی سانپ پھن اٹھا کر پانچ پانچ فٹ بلند ہوئے اور پھر صندوق میں سے گولی کی طرح نکلے اور جم روت کے جسم سے لپٹ گئے۔ جم رُوت کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سانپوں کو اپنے جسم سے الگ کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر سانپ اس کے جسم سے چمٹ گئے تھے اور اسے بار بار ڈس رہے تھے۔ جم رُوت کا جسم نیلا پڑتا جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی طاقت ختم ہوتی جا رہی تھی۔

یہ ہولناک منظر دیکھ کر ماریا بھی کانپ اٹھی۔ مگر وہ جم رُوت کی کوئی مدد نہیں کر سکتی تھی۔ سانپوں نے کاٹ کاٹ کر جم روت کو نیلا سیاہ کر دیا۔ وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔ سانپ اب بھی اس کے جسم سے چمٹے ہوئے تھے اور اس کی آنکھوں کو باہر نکال رہے تھے۔ ماریا نے آگے بڑھ کر صندوق میں جھانک کر دیکھا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ صندوق میں ایک عورت کی لاش پڑی ہے جس کا سر الگ کٹا ہوا ہے اور اس کے سینے پر رکھا ہوا ہے۔ لاش گل سڑ چکی تھی صرف عورت کے سنہری بال کھوپڑی کے ساتھ اسی طرح لگے ہوئے تھے۔ عورت کے سر پر سونے کا بڑا ہی خوب صورت تاج تھا جس میں لعل اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔

ماریا کو چاہیے تھا کہ اتنا خوف ناک منظر دیکھنے کے بعد وہیں سے اُلٹے پاؤں غار سے واپس نکل جاتی۔ مگر اس نے بھی لالچ کیا اور عورت کے سر پر پڑے تاج کو دیکھ کر سوچا کہ اگر یہ تاج وہ خود اپنے سر پر پہنے تو اسے کتنا پیارا لگے۔ پھر اسے خیال آیا کہ وہ تو کسی کو نظر ہی نہیں آتی۔ تاج سر پر رکھے گی تو اس کے ساتھ تاج بھی غائب ہو جائے گا، لیکن آخر ماریا عورت تھی اور

سونے کے زیورات عورت کی بڑی کمزوری ہوتی ہے۔ اس نے لاش کے کٹے ہوئے سر پر سے تاج اٹھایا اور اسے غور سے دیکھنے لگی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئی کہ اس کے ہاتھ میں تاج اگر غائب نہیں ہوا تھا۔ تاج بڑا ہی خوبصورت تھا اور اس کے جواہرات اس اندھیرے میں بھی چمک رہے تھے۔

ماریا نے تاج اپنے سر پر رکھ لیا۔

جونہی اس نے تاج اپنے سر پر رکھا اسے ایک جھٹکا سا لگا اور اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا جسم فضا میں ذرّے بن کر اڑ رہا ہے۔ وہ اپنے ہوش و حواس کھو چکی تھی۔

جب اسے ہوش آیا تو اس نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ سب سے پہلے تو اس نے ایک بار پھر اپنے آپ کو دیکھا۔ وہ اب غائب نہیں تھی۔ اس کا جسم ظاہر ہو چکا تھا۔ اس نے شہزادیوں ایسے بڑے ہی قیمتی کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کے شاہی لباس پر بھی ہیرے موتی لگے تھے۔ اس کے سر پر وہی سونے کا تاج تھا اور وہ ایک بڑے عالی شان دربار میں ایک تخت پر بیٹھی تھی جس کے اوپر سونے

چاندی کی چھت تھی اور چار کنیزیں اور چار حبشی غلام مور کے پروں کے بڑے بڑے پنکھے اٹھائے اسے آہستہ آہستہ جھل رہے تھے۔ اس کے بائیں جانب ٹیڑھی آنکھوں والا ایک وزیر ہاتھ میں چمڑے کا بکس لیے کھڑا تھا اور اس میں سے لعل و جواہرات نکال نکال کر ماریا کو دکھا رہا تھا۔ اس کے سامنے دربار لگا تھا اور درباری دونوں جانب ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ وزیر نے ایک نولکھا جڑاؤ ہار نکال کر ماریا کی خدمت میں پیش کیا اور کہا:

"اے بابل کی عالی وقار ملکہ اسیرامس! نولکھے ہار کا یہ قیمتی تحفہ ملک روم کے بادشاہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ اسے قبول کیجیے۔"

اب ماریا کو معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ سونے کے تاج نے کیا کھیل کھیلا تھا۔ سانپوں کے صندوق میں بند جس عورت کی لاش پڑی تھی اور جس کی گردن کاٹ کر اس کے سینے پر رکھی ہوئی تھی اور جس کی کھوپڑی پر تاج پڑا تھا وہ قدیم زمانے کے ملک بابل کی مشہور اور بدنام ملکہ اسیرامس تھی۔ ماریا نے تاریخ کے سفر میں بابل کی ملکہ کے بارے میں تھوڑا بہت سن ضرور رکھا تھا کہ وہ یہ ملکہ رعایا پر ظلم کیا کرتی تھی مگر اس کا انجام کیا ہوا؟ اس کی

اسے کوئی خبر نہیں تھی۔ اب وہ خود بابل کی ملکہ اسیرائس
بن کر تخت پر بیٹھی تھی۔
ناگ کو یاد کر کے ماریا کا دل ایک دم اداس ہو گیا۔
اس نے غلطی کی جو تاج سر پر پہن لیا۔ ناگ اس کی تلاش
میں ضرور ٹیلے کے غار میں آیا ہو گا۔ اور ماریا کو وہاں نہ
پا کر پریشان ہو رہا ہو گا۔ مگر اب وہ مجبور تھی۔ کچھ نہ کر
سکتی تھی۔ سونے کے تاج کو سر پر پہننے کی وجہ سے وہ
ہزاروں برس پیچھے کے زمانے میں چلی گئی تھی اور تاریخ
کے بھیانک اور ہولناک واقعات نے اسے اپنے شکنجے میں
جکڑ لیا تھا۔
وزیر نے سر جھکا کر ہار ماریا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا:
"ملکہ سلامت! نصیبِ دشمناں آپ کچھ پریشان
دیتی ہیں۔"
ماریا نے فوراً سنبھل کر کہا:
"نہیں تو۔۔۔ میں ناگ کے بارے میں سوچ۔۔۔"
"ناگ؟ ناگ کون ملکہ سلامت؟" وزیر نے بات کاٹ
کر حیرانی سے پوچھا:
دربار کے سارے لوگ تعجب سے ملکہ کی طرف دیکھنے
لگے۔ ماریا اب پوری طرح سنبھل گئی تھی۔ اس نے ذرا تیز

آواز میں وزیرِ اعظم کو ڈانٹ کر کہا:
"تمہیں جرأت کیسے ہوئی کہ ہم سے ہماری پریشانی
کے بارے میں پوچھو؟"
وزیر نے ادب سے سر جھکا دیا اور کہا:
"ملکہ عالم! یہ خاکسار معافی چاہتا ہے۔"
ماریا نے نولکھا ہار پر ایک نظر ڈالی اور منہ دوسری طرف
کر کے کہا:
"یہ ہار ہماری کنیز کو دے دو اور روم کے بادشاہ
کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کرو۔"
"جو حکم ملکہ عالیہ!" وزیرِ اعظم نے کہا۔
اس کے بعد وزیرِ اعظم نے ایک درخواست پڑھ کر
سنائی۔ یہ ایک غریب کسان کی طرف سے دی گئی تھی جس
کی زمین پر سرکاری فوج نے قبضہ کر لیا تھا۔
ماریا نے جھنجھلا کر کہا:
"اس کسان کی یہ ہمّت کہ ہم سے اپنی زمین
واپس مانگنے کی درخواست کرے؟"
پھر اس نے حکم دیا کہ کسان کو دیس نکالا دے
دیا جائے۔ ماریا نے محسوس کیا کہ اس کے اندر ظالم ملکہ بابل
کی ساری برائیاں اور ظلم داخل ہو چکا ہے۔ وہ اس سے

بچنے کی کوشش کر رہی تھی مگر ایسے لگ رہا تھا کہ ملکہ بابل
کی روح نے ماریا کے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا ہے۔ ماریا
نے دربار برخاست کرنے کا حکم دیا اور کنیزوں کے ساتھ
اپنے محل کی بارہ دری میں آگئی۔ اس نے تاج اتار کر
بھی دیکھا کہ شاید تاج اتارنے سے سارا جادو ضائع ہو جائے
اور وہ پھر سے غائب ہو کر ماریا کی شکل میں بغداد پہنچ
جائے مگر ایسا نہ ہوا۔ سر پر سے تاج اتارنے کے بعد بھی
وہ ملکہ ہی رہی۔ اور اس بار ماریا اپنی شکل میں نہیں بلکہ
بابل کی ملکہ کی شکل میں ظاہر ہوئی تھی۔

اب ہم واپس ۱۹۴۲ء کے شہر بغداد میں چلتے ہیں۔
ماریا کو ہوٹل کے کمرے میں چھوڑ کر ناگ شہر میں عنبر
کی تلاش میں ایک چکر لگانے کے لیے گیا تھا۔ واپس آیا
تو اس نے دیکھا کہ کمرہ خالی ہے۔ فرش پر شیشے کے گولے
کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ ناگ کی سمجھ
میں نہ آیا کہ ماریا کہاں چلی گئی ہے اور یہ شیشے کے ٹکڑے
کس چیز کے ہیں۔ کمرے میں ماریا کی خوشبو بالکل نہیں تھی۔
اس نے ماریا کو دو تین بار آوازیں بھی دیں مگر ماریا وہاں ہوتی
تو جواب دیتی۔

عنبر پریشان ہو گیا کہ یا اللہ ماریا کہاں چلی گئی۔

وہ سیڑھیاں اتر کر ہوٹل کی پہلی منزل پر آگیا اور
دروازے سے باہر نکلنے والا تھا کہ کاؤنٹر کلرک نے اسے
آواز دے کر کہا کہ آپ کا فون آیا ہے۔ فون پر ماریا کی
سن کر ناگ کی جان میں جان آئی اور جب ماریا نے اسے
کہا کہ وہ شہر سے پچاس میل شمال میں اینٹوں اور مٹی کے
پرانے ٹیلے پر پہنچ جائے تو اسے ماریا کی حماقت پر غصہ بھی
آیا کہ خوامخواہ کیوں اپنے آپ کو مشکل میں پھنسا رہی ہے لیکن
وہ کیا کرتا۔ ہوٹل سے باہر نکل کر اس نے ایک ٹیکسی پکڑی
اور شہر سے باہر نکل کر ٹیلے کی طرف روانہ ہو گیا۔

شہر سے پچاس میل دور جا کر جب وہ ٹیلے کے قریب
آیا تو اس نے دور ہی سے ببول کے ایک درخت کے نیچے
نیلے رنگ کی ایک سیڈان موٹر کار کھڑی دیکھی۔ اس نے
وہیں سے ٹیکسی کو چھوڑ دیا اور خود پیدل چل کر کار کے
پاس آیا۔ کار خالی پڑی تھی۔ اندر فون لگا ہوا تھا۔ ناگ
سمجھ گیا کہ ماریا نے اس کار میں سے اسے ہوٹل فون
کیا تھا۔ وہ ٹیلے کے پاس آگیا۔ جنوب کی طرف اسے
ایک جگہ اینٹوں کے ڈھیر میں غار کا منہ دکھائی دیا۔
باہر ایک پھاوڑا پڑا تھا۔ ناگ نے چاروں طرف منہ
کر کے ناک سکیڑ کر سونگھنے کی کوشش کی مگر ماریا کی خوشبو

اسے کہیں بھی نہ آئی۔

ضرور ماریا اس غار کے اندر چلی گئی ہو گی۔ وہ سمجھ
گیا تھا کہ کار اس آدمی کی ہے جس کے بارے میں
ماریا نے اسے بتایا تھا کہ وہ کسی شاہی لاش کے
راز کی تلاش میں ہے۔ وہ آدمی غار میں گیا ہے اور ماریا
بھی اس کے پیچھے پیچھے غار میں داخل ہوئی ہو گی۔ ناگ
بھی غار میں داخل ہو گیا۔ غار میں سے گزر کر وہ چاہ
بابل کی سیڑھیاں بھی اتر گیا۔ یہاں اسے ایک آدمی کی
لاش کا ڈھانچہ ملا جس کے سینے پر آڑھی ترچھی لکیریں بنی ہوئی
تھیں اور لکھا تھا:

"پانچ قدم آگے ــــ دو قدم بائیں جانب سفید
پتھر کی سِل....."

ناگ پانچ قدم چل کر آگے گیا۔ پھر دو قدم بائیں جانب
اٹھائے۔ آگے سفید پتھر کی ایک سِل اکھڑی ہوئی تھی اور
نیچے کسی تہہ خانے میں سیڑھیاں جاتی تھیں۔ ناگ نے زور
سے سانس کھینچ کر سونگھا۔ ماریا کی خوشبو یہاں بھی نہیں تھی۔
وہ سیڑھیاں اتر گیا۔ آگے ایک نیچی چھت اور ستونوں
والا دالان آ گیا۔ جس کے اوپر لکڑی کا ایک صندوق پڑا
تھا جس کا ڈھکنا کھلا ہوا تھا۔ جونہی ناگ اس دالان میں

داخل ہوا اور اس کی نظر صندوق پر پڑی اس میں سے
کتنے ہی سانپ اچھل اچھل کر باہر نکلے اور زمین پر
رینگتے ہوئے ناگ کی طرف آئے اور اس کے سامنے
کنڈلیاں مار کر بیٹھ گئے۔ سب سانپوں نے اپنے پھن
ادب سے جھکا رکھے تھے۔

○

کھوپڑی کی آواز

ناگ نے سانپوں سے پوچھا:

"یہ کیا ماجرا ہے؟ اس صندوق میں کیا ہے؟"

سانپوں میں سے جو سب سے بڑا سانپ تھا وہ آگے آیا۔ ادب سے سر جھکایا اور بولا:

"عظیم ناگ دیوتا! اس صندوق میں بابل کی ظالم ملکہ کی لاش ہے۔ یہ ملکہ اپنی غریب رعایا پر بہت ظلم کیا کرتی تھی۔ اس کی سزا اسے یہ ملی ہے اور ہم ہزاروں سال سے اس کی لاش کو نوچ رہے ہیں۔"

ناگ نے پوچھا:

"کیا یہاں کوئی اور عورت بھی آئی تھی؟"

سانپ بولا:

"ہم نے کسی عورت کو یہاں نہیں دیکھا۔"

ناگ نے جم رُوت کی لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"یہ کس کی لاش ہے؟"

سانپ نے سارا قصہ بیان کیا اور کہا:

"یوں ہم نے اس لالچی انسان کو اس کے لالچ کا مزا چکھایا۔ مگر اے عظیم ناگ دیوتا! ہم ایک بات پر بڑے حیران ہیں کہ جب اس آدمی کو ہم نے ہلاک کر ڈالا تو ملکہ کی لاش کے کٹے ہوئے سر پر سے شاہی تاج کون اٹھا کر لے گیا؟"

ناگ نے جواب نہ دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ شاہی تاج ماریا کے سوائے اور کوئی نہیں لے جا سکتا تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ تاج لے کر وہ خود کہاں چلی گئی؟ سانپ ماریا کو نہیں دیکھ سکتے تھے اور نہ اس کی پُر اسرار روحانی خوشبو سونگھ سکتے تھے اس لیے انہیں ماریا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا۔ ان سے ماریا کے بارے میں کچھ پوچھنا بے کار تھا۔ ناگ کو ماریا کی فکر لگ گئی تھی۔ اگر اس نے شاہی تاج لاش کے کٹے ہوئے سر سے اتارا بھی تھا تو ماریا کو اسی جگہ ہونا چاہیے تھا۔ آخر وہ تاج اتارنے کے بعد کہاں گم ہو گئی؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ شاہی تاج کے جادو نے اسے اپنے قابو میں جکڑ لیا ہو اور وہ تاج اپنے سر پر رکھتے ہی یہاں سے کسی دوسرے زمانے میں چلی گئی ہو؟ سوال یہ

ا کہ ناگ اب اس کے پاس کیسے جائے؟ اور یہ معلوم ہو کہ وہ کون سے زمانے میں نکل گئی ہے؟

ناگ نے بڑے سانپ سے سوال کیا:

"کیا اس سے پہلے بھی یہ تاج کبھی کوئی لے گیا ہے؟"

سانپ نے کہا:

"نہیں عظیم ناگ! ہم ڈھائی ہزار سال سے بلکہ اس سے بھی پہلے سے اس صندوق میں لاش کے تاج پر پہرہ دے رہے ہیں۔ آج تک یہ تاج اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ یہ آدمی جس کی لاش فرش پر پڑی ہے پہلا آدمی تھا جس نے اس شاہی تاج کو چرانے کی کوشش کی اور ہم نے اسے ہلاک کر ڈالا۔ لیکن ہم پریشان ہیں کہ جب اس کے سوا اور کوئی انسان یہاں تک نہیں پہنچ سکا تو پھر تاج کون لے اُڑا؟"

ناگ نے کہا:

"یہ تم سوچو کہ تاج کون لے اُڑا۔ مجھے یہ بتاؤ کہ کیا اس تاج پر کسی جادو کا اثر تھا؟"

سانپ بولا:

"عظیم ناگ! اگر اس تاج پر کوئی جادو کیا بھی گیا تھا تو ہم پر اس کا کبھی کوئی اثر نہیں پڑا۔"

ناگ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر سانپ کی طرف دیکھ کر بولا:

"میری بات غور سے سنو — میری ایک بہن ہے جس کا نام ماریا ہے۔ وہ کرسچین ہے اور میرے ساتھ تاریخ کے پانچ ہزار سال کے سفر پر ہے۔ اسے کسی وجہ سے غائب کر دیا گیا ہے۔ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ میں اسی کی تلاش یہاں آیا ہوں۔ کیوں کہ اس نے مجھے کہا تھا کہ وہ اس آدمی کے تعاقب میں چاہ بابل میں اتر رہی ہے۔ مجھے یقین ہے جب سانپوں نے اس آدمی کو ہلاک کیا تو ماریا نے ملکہ بابل کا تاج اتار کر اپنے سر پر پہن لیا تھا۔ اس کے بعد وہ تاج سمیت کچھ ایسی غائب ہوئی کہ نہ مجھے یہاں اس کی خوشبو محسوس ہوتی ہے اور نہ آواز ہی سنائی دے رہی ہے۔ کیا تم اس سلسلے میں میری کچھ مدد کر سکتے ہو؟"

سانپ نے کہا:

"عظیم ناگ! آپ کی خدمت کرنا میرا فرض ہے۔
لیکن ہمیں اتنا ہی علم ہے جتنا ہمیں بتایا گیا ہے
ہم کسی غیب شے کو نہیں دیکھ سکتے۔ مگر ہم
نے دیکھا ہے کہ جس لاش کو ہم ڈھائی ہزار سال
سے نوچ رہے ہیں اور اس کی ہڈیوں کو ڈس
رہے ہیں وہ کبھی کبھی رات کو اپنے آپ ہلنے
لگتی ہے۔ اس کا سر جو کاٹ کر لاش کے سینے
پر رکھ دیا گیا تھا کبھی کبھی ایک ہلکی سی آواز نکالتا
ہے۔ کھوپڑی کے منہ کے سوراخ میں سے کسی
عورت کی کمزور سی آواز سنائی دیا کرتی ہے۔ ہم
اس آواز کے لفظوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر آپ
اس آواز کو سنیں تو ہو سکتا ہے ماریا کے بارے
میں کوئی معلومات حاصل ہو جائیں۔"

ناگ نے پوچھا:
"کھوپڑی کی آواز کب آتی ہے؟"

سانپ بولا:
"یہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ لیکن آج اس کھوپڑی کا
شاہی تاج غائب ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے آج رات
کھوپڑی کوئی بات کرے۔"

ناگ نے کہا:
"تو پھر میں آج رات یہیں ٹھہروں گا۔"

سانپ نے کہا:
"یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی۔"

اس وقت دن کا ابھی ایک پہر باقی تھا۔ ناگ چبوترے
پر گیا اور اس نے صندوق میں جھانک کر ملکہ بابل کی
لاش کے ڈھانچے کو دیکھا۔ اس کے سینے پر ملکہ کا کٹا ہوا
سر رکھا تھا جو اب کھوپڑی بن چکا تھا مگر کھوپڑی کے سنہری
بال ویسے کے ویسے ہی تھے۔ سانپوں نے لاش کی ہڈیوں
کو ڈس ڈس کر اور چاٹ چاٹ کر سیاہ کر دیا ہوا تھا۔
ناگ چبوترے پر ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا اور رات ہونے
کا انتظار کرنے لگا۔

وہاں اندھیرا تھا اور رات کا کچھ پتہ نہیں چل سکتا تھا
مگر ناگ کے پاس کلائی کی گھڑی تھی۔ گھڑی دوپہر کے تین
بجا رہی تھی۔ وقت آہستہ آہستہ گذر رہا تھا۔ شام کے پانچ
بجے، پھر سات، پھر دس اور پھر رات کے گیارہ بجے
تو ناگ نے سانپ کو بلایا۔ بڑا سانپ ناگ کے ادب کے
خیال سے وہاں سے دوسرے سانپوں کے پاس غار کے ایک
کھوہ میں چلا گیا تھا۔ بڑا سانپ فوراً حاضر ہو گیا۔ ناگ نے

اس سے پوچھا کہ آدھی رات ہونے والی ہے تمہارا کیا خیال ہے کھوپڑی کی آواز آدھی رات کو آئے گی یا اس کے بعد — ؟

سانپ نے کہا:

"میں نے جب بھی کھوپڑی کی آواز سنی اس وقت رات آدھی گذر چکی تھی۔"

ناگ بولا:

"ٹھیک ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔ میں کھوپڑی کی آواز اکیلا سننا چاہتا ہوں۔"

سانپ ادب سے سلام کر کے واپس اپنے کھوہ میں دوسرے سانپوں کے پاس چلا گیا۔ ناگ لاش کے صندوق کے پاس بیٹھ گیا۔ یہاں سے اسے ملکہ کی لاش کا ڈھانچہ صاف نظر آ رہا تھا۔ اس کی نظریں ملکہ کی کھوپڑی پر لگی تھیں۔ اندھیرے میں کھوپڑی کی آنکھوں کے سوراخ بڑے ڈراؤنے لگ رہے تھے۔ اس کا منہ کھلا تھا اور دانت اوپر کو اُٹھے ہوئے تھے منہ کے اندر بھی گہرا سوراخ تھا۔ سر کے بال کٹی ہوئی گردن والی لاش کے ڈھانچے پر بکھرے ہوئے تھے۔ جب رات کے ٹھیک بارہ بج گئے تو ناگ نے اپنے کان کھوپڑی کی آواز پر لگا دیئے۔ اس کے کان آواز پر لگے تھے اور آنکھیں

کھوپڑی کو دیکھ رہی تھیں۔

اچانک ناگ کو یوں لگا جیسے لاش کے ڈھانچے میں حرکت پیدا ہوئی۔ لاش کے ایک گھٹنے کی ہڈی تھوڑی سی اوپر کو اٹھی اور پھر نیچے آ گئی۔ سینے کی پسلیاں آہستہ آہستہ کانپنے لگیں۔ پسلیوں پر رکھی ہوئی کھوپڑی بھی آہستہ آہستہ ہلنے لگ گئی تھی۔ ناگ بڑا خوش ہوا کہ کھوپڑی کچھ نہ کچھ کہنے والی ہے۔ وہ ابھی کچھ کہے گی اور ماریا کے بارے میں کوئی قیمتی معلومات ضرور حاصل ہوں گی۔

غار میں ایسی خاموشی تھی جیسی کہ گاؤں کے قبرستانوں میں آدھی رات کو ہوا کرتی ہے۔ اس خاموشی میں ناگ کو ایسی سرگوشی کی آواز سنائی دی جیسے کوئی عورت مرنے والی ہو اور اس کی آواز بڑی مشکل سے نکل رہی ہو۔ ناگ نے جھٹ اپنا کان کھوپڑی کے کھلے ہوئے منہ سے لگا دیا۔ سرگوشی کی یہ کمزور سی ڈراؤنی آواز کھوپڑی کے حلق کے سوراخ میں سے آ رہی تھی۔ وہ قدیم بابلی زبان میں کہہ رہی تھی:

"دریائے فرات کے کنارے جاؤ۔ جب رات کو بجلی چمکے، بادل گرجے — ایک عورت ملے گی۔ سیاہ کپڑوں والی وہ تمہیں ماریا کے پاس پہنچا دے گی۔"

اس کے بعد سرگوشی کی آواز بند ہو گئی۔ ناگ نے کھوپڑی

سے بات کرنے اور آگے کچھ پوچھنے کی بہت کوشش کی مگر
وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کھوپڑی بے جان اور بے آواز
ہو گئی تھی۔ بہرحال ناگ کو اتنا ضرور پتہ چل گیا تھا کہ ماریا کے
بارے میں مزید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ وہ چبوترے سے
اُتر آیا۔

اُس نے بڑے سانپ کو بلا کر کہا:
"میں نے جو پتہ کرنا تھا کر لیا ہے۔ مجھے کسی طوفانی
رات کو دریائے فرات کے کنارے جانا ہو گا۔ جہاں
ایک سیاہ پوش عورت مجھے ملے گی اور ماریا کے بارے
میں بتائے گی کہ وہ کہاں چلی گئی ہے۔"

سانپ نے کہا:
"کہیں اس میں کوئی سازش تو نہیں عظیم ناگ دیوتا؟"

ناگ مسکرایا:
"سازش بھی ہوئی تو کوئی میرا کیا بگاڑے گا۔"

سانپ بولا:
"اس میں کیا شک ہے۔"

"میں جا رہا ہوں۔" ناگ نے کہا۔

سانپ نے سر جھکا کر ناگ کو سلام کیا اور ناگ چاہ
بابل کی سیڑھیاں چڑھ کر غار میں آ گیا اور پھر غار سے نکل کر

ٹیلے کے باہر آ گیا۔ اس وقت رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔
اندھیری رات میں آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ شہر بغداد
کو جانے والی سڑک سنسان اور اندھیری تھی۔ جم رُوت کی نیلی
سیڈان گاڑی اسی طرح ببول کے درخت کے نیچے کھڑی تھی۔
ناگ کو اس گاڑی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے گہرا سانس
بھر کر سیاہ عقاب کی شکل اختیار کی اور شہر کی طرف اُڑنا
شروع کر دیا۔ اسے اب بغداد کی کسی طوفانی رات کا انتظار
کرنا تھا جب وہ دریائے فرات کے کنارے پہنچ کر سیاہ
پوش اجنبی عورت سے ملاقات کر سکے۔ اتنی دیر اسے بغداد
میں ہی رُکنا تھا۔ وہ اُڑتے اُڑتے بہت جلد شہر پہنچ گیا۔ شہر
سو رہا تھا۔ عراق چونکہ جنگ میں شامل نہیں تھا۔ اس لیے
وہاں رات کو بلیک آؤٹ نہیں ہوتا تھا۔ ناگ اسی ہوٹل کے
دروازے کے باہر ایک جگہ اترا۔ انسانی شکل بدلی اور وہی
پرانا کمرہ کرائے پر لے لیا اور بستر پر لیٹ کر ماریا اور عنبر
کے بارے میں سوچنے لگا۔ ماریا کا اتہ پتہ معلوم کرنے
کے لیے بہرحال اسے طوفان والی رات کا انتظار کرنا تھا۔

ناگ کو ہم ۱۹۴۲ء کے بغداد شہر کے ہوٹل میں چھوڑتے
ہیں جہاں وہ کسی طوفانی رات کے انتظار میں ہے اور خود
ڈھائی ہزار سال پیچھے ملک ہندوستان کے شمال میں واقع

ایک جنگل کی اس وادی میں چلتے ہیں جہاں سے نکل کر
عنبر اندھے راج کمار کنولا کو لے کر دوسرے پہاڑ کے پیچھے
ایک آبشار کے پاس آ گیا ہے۔ اس لئے راج کمار کو
ایک جگہ درخت کے نیچے بٹھا دیا۔

راج کمار نے پوچھا:

"کیا تمہاری سفید چاندی ایسے بالوں والی عورت
سے ملاقات ہوئی؟"

عنبر نے کہا:

"ہاں مہاراج! اور اس نے مجھے آپ کی آنکھوں
پر لگانے کے لیے اپنے روشن چراغ میں سے
نکال کر زیتون کا تیل بھی دیا ہے۔"

راج کمار نے خوش ہو کر کہا:

"کیا یہ تیل لگانے سے میری آنکھیں اچھی ہو
جائیں گی؟ کیا میں ایک بار پھر اپنے پیارے باپ
کی شکل دیکھ سکوں گا؟"

عنبر نے کہا:

"مہاراج! آپ اس باپ کی شکل دیکھنے کو بے تاب
ہیں جس نے آپ کی آنکھیں نکلوا دی تھیں؟"

راج کمار بولا:

"چنا! وہ میرے پتا جی ہیں۔ میرے والد ہیں۔
مجھے ان سے محبت ہے جیسی کہ اولاد کو اپنے
ماں باپ سے ہونی چاہیے۔ میری آنکھیں انہوں
نے رانی ماں کی باتوں میں لگ کر نکلوائی ہیں
اس میں ان کا کوئی قصور نہیں اور میرا دل کہتا
ہے کہ بہت جلد سچ سچ اور جھوٹ جھوٹ ثابت
ہو جائے گا۔"

پھر راج کمار عنبر کی طرف منہ کر کے بولا:

"چنا! زیتون کا وہ تیل میری آنکھوں پر لگا دو۔"

عنبر نے کہا:

"مہاراج! یہ تیل آپ کی آنکھوں پر رات کو
لگانا ہوگا۔ میں یہاں ایک نیا جھونپڑا بناتا
ہوں۔ اب ہم جب تک اس جنگل میں رہیں گے
اسی جھونپڑے میں رہیں گے۔"

عنبر نے رات ہونے سے پہلے پہلے آبشار کے کنارے
ایک نیا جھونپڑا بنا دیا۔ پھر جب رات ہو گئی تو عنبر نے
راج کمار کو بستر پر لٹایا اور چمڑے کی چھوٹی بوتل میں سے
زیتون کا تیل نکال کر راج کمار کی آنکھوں پر اس کی آہستہ
آہستہ مالش شروع کر دی۔ تھوڑی دیر مالش کرنے کے

بعد اس کی آنکھوں پر کیلے کے پتے باندھ دیئے۔

"اب آپ سو جائیں مہاراج! صبح خدا نے چاہا تو آپ کی بینائی واپس آ جائے گی۔"

راج کمار بولا:

"کیا میں تمہیں اور اپنے باپ کو ایک بار پھر دیکھ سکوں گا چنا؟"

"خدا کے حکم سے آپ ایسا کر سکیں گے۔"

اس کے بعد راج کمار سو گیا۔ عنبر جھونپڑی سے باہر نکل کر آبشار کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ یہ ایک چھوٹی سی آبشار تھی جو پتھروں میں سے نیچے ایک چشمے میں گر رہی تھی۔ عنبر کو ماریا اور ناگ سے بچھڑے بہت دن ہو گئے تھے۔ اور وہ ان دونوں کے لیے بہت اداس تھا اور بہت جلد ان سے ملنا چاہتا تھا۔ مگر جوگی کی پیش گوئی کے مطابق ابھی اسے واقعات کے ساتھ ساتھ چلنا تھا اور پھر ان واقعات کے نتیجے میں اسے ناگ اور ماریا سے ملاقات کرنی تھی۔ جوگی نے عنبر کو خاص طور پر تاکید کی تھی کہ اسے خدمت کو فرض سمجھ کر ادا کرنا ہو گا۔

آبشار کا پانی رات کے اندھیرے میں چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ وہ دھیمے دھیمے شور کے ساتھ چشمے میں

گر رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی قریب بیٹھا جل ترنگ بجا رہا ہو۔

اسی طرح رات گزر گئی۔ دن نکلا تو عنبر نے راج کمار کی آنکھوں پر بندھے ہوئے کیلے کے پتے کھول دیئے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ راج کمار کی آنکھیں بالکل پہلے کی طرح روشن چمکیلی اور تندرست ہو گئی تھیں۔ راجکمار نے اپنے ہاتھوں اور پھر سورج کی روشنی میں چمکتے درختوں اور آبشار کے پانی کو دیکھا تو خوشی سے عنبر کو گلے سے لگا لیا اور کہا:

"چنا! بھگوان نے مجھے پھر سے آنکھیں دے دی ہیں۔"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا:

"راج کمار! آپ کو آنکھیں مبارک ہوں۔ یہ خدا کا معجزہ ہے کہ آپ پھر سے دنیا کے نظارے دیکھنے لگے ہیں۔"

راج کمار کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا، کہنے لگا:

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میں پھر سے دیکھنے لگا ہوں۔"

عنبر نے کہا:

"آپ کے پتا جی نے تو آپ کی آنکھیں نکلوا دی

نھیں مگر خدا نے آپ کو آنکھیں دوبارا عطا
کر دیں۔"

راج کمار کہنے لگا:

"اس میں میرے پتا جی کا کوئی قصور نہیں۔ وہ
میری سوتیلی ماں کی سازش کا شکار ہو گئے
تھے۔ لیکن میں خود چل کر ان کے پاس نہیں
جاؤں گا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ ایک روز سچ
ثابت ہو کر رہے گا۔ اور وہ خود مجھے لینے اس
جنگل میں آئیں گے۔"

راج کمار کے منہ سے نکلی ہوئی بات ایک دن پوری
ہونے والی تھی۔ دنیا میں مشکلیں ہر انسان پر آتی ہیں لیکن
نیک اور فرماں بردار اولاد پر آئی ہوئی مشکل زیادہ دیر
تک نہیں رہتی۔ وہ بہت جلد کٹ جاتی ہے اور خدا
اسے اس کے صبر کا انعام عطا کرتا ہے۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ راج کمار کی آنکھیں نکلوانے اور
دیس نکالا دلوانے کے بعد سوتیلی ماں رانی کرونا نے راجکمار
کے باپ راجہ منوداس پر یہ اثر ڈالنا شروع کر دیا کہ اب
آپ بوڑھے ہو گئے ہیں۔ حکومت کا کاروبار ٹھیک سے
نہیں چلا سکتے اس لیے میرے بیٹے پرتاپ کو تخت پر

بٹھا کر خود کسی غار میں بیٹھ کر خدا کو یاد کریں۔ اب راجہ
پر یہ بھید کھلا کہ اس کی مکار رانی نے دھوکہ دے کر
راج کی آنکھیں نکلوا دی ہیں تا کہ وہ زندگی میں کبھی راجہ
نہ بن سکے اور اس کی جگہ اس کا بیٹا پرتاپ تخت پر
بیٹھ کر راج کرے۔ مگر دربار میں رانی کرونا کا بڑا اثر تھا۔
اس نے راجہ کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے رکھا
رکھا تھا۔ وہ من مانی کرتی تھی اور درباری اور فوج کے
افسر اسی کی مانتے تھے۔ اس لیے راجہ اس کے خلاف
کوئی کارروائی نہ کر سکتا تھا۔ راجہ کا وزیر اس کا ہمدرد تھا۔
اس نے راجہ سے کہا:

"مہاراج! اگر آپ نے رانی کی بات پر عمل نہ
کیا تو ہو سکتا ہے وہ آپ کو بھی قتل کروا کر
تخت پر اپنے بیٹے کو بٹھا دے اس لیے یہی بہتر
ہے کہ آپ خود ہی تخت چھوڑ دیں۔"

راجہ نے کہا:

"مجھے راج تخت سے کوئی دلچسپی نہیں رہی جب
سے مجھے یہ پتہ چلا ہے۔ کہ میں نے اپنے بیٹے
راج کمار کنالا کی ناحق آنکھیں نکلوا دی ہیں میرا
دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ کاش میں اس کے

پاس جا کر اپنے گناہ کی معافی مانگ سکوں۔"
وزیر نے کہا:
"کوئی پتہ نہیں کہ راج کمار کنُالا کہاں ہے۔ آپ
اس بڑھاپے میں کہاں مارے مارے پھریں گے
کوئی نہیں جانتا کہ خدا کو کیا منظور ہے۔ آپ
تخت رانی ماں کے بیٹے کے حوالے کر دیں۔
عقل مندی اسی میں ہے۔"

دوسرے ہی روز راجہ نے تخت پرتاپ کے حوالے
کرتے ہوئے اس کے راجہ بننے کا اعلان کر دیا اور خود
محل کے ایک کونے میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرنے لگا۔
راج کمار کی سوتیلی ماں رانی کرونا بڑی خوش تھی۔ یہی وہ
چاہتی تھی۔ اس کا بیٹا راج کمار پرتاپ راجہ بن کر تخت
پر بیٹھ گیا۔ جیسی رانی کرونا ظالم تھی ویسا ہی اس کا بیٹا
بھی ظالم اور مکار تھا۔ وہ رعایا پر ظلم کرنے لگا۔ ذرا ذرا
سی بات پر وہ لوگوں کو پھانسی لگوا دیتا۔ ان کی آنکھیں
نکلوا کر اندھے کنوئیں میں پھنکوا دیتا۔ اس ظلم میں اس کی
ماں رانی کرونا بھی اس کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ رعایا بڑی تنگ
آ گئی تھی مگر کچھ نہ کر سکتی تھی۔ فوج رانی کے ساتھ تھی۔
جو ذرا بغاوت کرتا اس کی کھال کھنچوا کر لاش شہر کے

دروازے میں لٹکا دی جاتی۔

اسی طرح وقت گذرتا گیا۔ راجہ بے چارہ مجبور تھا۔
اس سے رعایا کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ مگر وہ رانی
کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکتا تھا۔ لیکن ظالم کو
ایک نہ ایک روز اس کے ظلم کا بدلہ ضرور ملتا ہے۔
خدا کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں ہے۔ ایک روز
کرنا خدا کا کیا ہوا کہ رانی کرونا کا ظالم بیٹا پرتاپ شکار
کھیلنے کے لیے محل سے نکلا۔ ایک ہرن کے پیچھے اس
نے گھوڑا ڈال دیا۔ ہرن جنگل میں کافی دور جا کر جھاڑیوں
میں گم ہو گیا۔ پرتاپ گھوڑے سے اُتر کر تیر کمان لے
کر ہرن کو شکار کرنے کے لیے جھاڑیوں میں گھسا تو
وہاں ناگن اپنے بچوں سے کھیل رہی تھی۔ یہ بڑی زہریلی
ناگن تھی اور اس کا کاٹا پانی نہیں مانگتا تھا۔ پرتاپ نے
ناگن کو دیکھتے ہی تیر مارا جو ناگن کے ایک بچے کو جا کر
لگا اور وہ وہیں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ ناگن نے ایک
دل ہلا دینے والی پھنکار ماری اور پرتاپ کے چہرے
پر اپنے زہر کی پھوار ماری۔ زہر کی پھوار پرتاپ کی آنکھوں
میں بھی پڑی۔ پرتاپ کا چہرہ اور آنکھیں جلنے لگیں۔ وہ
ہاتھوں میں منہ چھپا کر وہیں بیٹھ گیا۔ ناگن نے پرتاپ کو

ہی بار اپنے زہر سے ہلاک کرنے کی بجائے اسے
ساری زندگی سسک سسک کر مرنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

پرتاپ کے چہرے پر کالے رنگ کے بڑے بڑے
چھالے پڑ گئے اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ سپاہیوں نے
بڑی مشکل سے پرتاپ کو تلاش کیا اور محل لے گئے۔
رانی کرونا نے اپنے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو کلیجہ تھام کر
رہ گئی۔ دربار کے حکیم نے علاج شروع کر دیا۔ پرتاپ
کے چہرے کے آبلے پھوٹ گئے مگر اس کی آنکھیں ہمیشہ
کے لیے اندھی ہو گئی تھیں اور چہرے کے داغوں میں سے
ہر وقت خون رستا رہتا تھا اور وہ اس قدر بدشکل ہو گیا
تھا کہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔ ظالم کو آخر اس کے ظلم کا
بدلہ مل گیا تھا۔

رانی کرونا کو ظلم کی یہ سزا ملی تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو
اندھا اور تکلیف میں دیکھ کر غم کے آنسو بہاتی رہتی
تھی۔ اب اسے احساس ہوا کہ اس نے بھی کسی ماں کے
جگر کے ٹکڑے کی ناحق آنکھیں نکلوا دی تھیں۔ ایک روز
رانی کرونا سے اپنے بیٹے کی تکلیف برداشت نہ ہو سکی۔
وہ سیدھی راجہ منوداس کے پاس گئی اور اسے صاف صاف
بتا دیا کہ راج کمار کنالا بے گناہ تھا۔ وہ اسے قتل کرنے

اس کے محل میں نہیں آیا تھا۔

"میں نے اپنے بیٹے پرتاپ کو راج پاٹ دلوانے
کے لیے سازش کر کے راج کمار کی آنکھیں نکلوا
دی تھیں بھگوان مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔"

یہ کہہ کر رانی کرونا محل کی سب سے اونچی بارہ دری
میں گئی اور اس نے دریا میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر
لی۔ پرتاپ نے راج پاٹ دوبارہ اپنے باپ راجہ منوداس
کے حوالے کر دیا اور کہا:

"مہاراج! میں اپنے ظلم پر شرمندہ ہوں۔ بھگوان
مجھے معاف کرے۔ مجھے میرے گناہوں کی سزا
مل گئی ہے۔ بھگوان میری ماں کے بھی گناہ
معاف کرے۔"

راجہ پھر سے تخت پر بیٹھ گیا۔ مگر وہ بڑا اداس رہتا
تھا۔ اس کے دونوں بیٹے اندھے ہو چکے تھے۔ ایک دن
راجہ نے شاہی نجومی سے کہا کہ وہ زائچہ بنائے کہ اس
کا بیٹا راج کمار کنالا کہاں اور کس حال میں ہے۔

نجومی نے زائچہ بنا کر بتایا:

"مہاراج! زائچہ مجھے ایک ایسی خوش خبری سنا
رہا ہے جس پر یقین نہیں آ رہا۔"

راجہ نے کہا:

"وہ خوش خبری مجھے بھی سناؤ۔ کوئی خوشی کی خبر سنے تو ایک عرصہ گذر گیا ہے۔"

نجومی بولا:

"زائچہ بتاتا ہے کہ راج کمار کنالا کی آنکھیں پھر سے ٹھیک ہو گئی ہیں اور وہ نابینا نہیں رہے اور جنگل میں ایک چشمے کے کنارے جھونپڑی میں رہتے ہیں اور چنّا ان کا نوکر ساتھ ہے۔"

راجہ خوش ہو کر بولا:

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"

نجومی نے کہا:

"مہاراج! میرا زائچہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔"

راجہ نے تخت پر اترتے ہوئے کہا:

"ہم اپنے بیٹے کو تلاش کر کے لائیں گے ہم اس سے اپنے گناہ کی معافی مانگیں گے۔"

اسی روز راجہ نے سپاہیوں اور نوکروں کا ایک دستہ ساتھ لیا اور راج کمار کنالا کی تلاش میں جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ چھ سات روز تک جنگلوں کی خاک چھاننے کے بعد آخر راجہ اس جھونپڑی کے پاس پہنچ گیا جہاں راج کمار

کنالا اپنے وفادار ساتھی چنا یعنی عنبر کے ساتھ رہتا تھا
راج کمار کنالا نے اپنے راجہ باپ کو دیکھا تو ادب سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ہاتھ باندھ کر سر جھکا دیا اور سلام کیا۔

راجہ گھوڑے سے اتر کر راج کمار کی طرف بڑھا۔ اس کا چہرہ ٹھوڑی سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور اس کی شفاف چمکیلی آنکھیں دیکھ کر اسے گلے سے لپٹا لیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا:

"مجھے معاف کر دو بیٹا۔ میں نے تمہارے ساتھ ناحق ظلم کیا۔ مگر بھگوان کے ہاں انصاف ہے۔ اس نے تمہاری آنکھیں تمہیں واپس کر کے میری آنکھوں کی روشنی بھی واپس دے دی ہے۔ بھگوان نے مجھے بھی معاف کر دیا ہے۔"

اس کے بعد راجہ نے راج کمار کو بتایا کہ اس کی سوتیلی ماں نے مان لیا تھا کہ راج کمار بے گناہ تھا اور پھر خود کشی کر لی تھی اور اب اس کا بیٹا پرتاپ اندھا ہو چکا ہے اور سسک سسک کر زندگی گذار رہا ہے۔

راجہ نے کہا:

"مجھے اس کا بھی غم ہے آخر وہ بھی میرا بیٹا ہے

اور تمہارا بھائی ہے۔ چاہے سوتیلا ہی سہی۔ تم
میرے ساتھ محل میں چلو۔ تمہیں دیکھ کر اس کا غم
بھی ہلکا ہو جائے گا۔"
راج کمار نے کہا:
"مہاراج! آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ میں نے
پرتاپ کو ہمیشہ اپنا سگا بھائی سمجھا ہے۔"
عنبر نے کہا:
"اور ہو سکتا ہے کہ خدا اسے بھی اس کی آنکھیں
واپس دے دے۔"
عنبر اور راج کمار اسی روز محل میں واپس آ گئے۔ محل
میں راج کمار کنالا کا شاندار استقبال کیا گیا۔ عنبر کو ساتھ لے
کر راج کمار سیدھا اپنے سوتیلے بھائی پرتاپ کی خبر
لینے گیا۔ اس کا بہت بُرا حال تھا۔ چہرہ زہریلے سانپ
کی پھنکار کی آگ سے جلا ہوا تھا اور آنکھیں جل چکی
تھیں۔ راج کمار نے اپنے سوتیلے بھائی کو پیار کیا اور
کیا اور تسلی دی کہ بھگوان اسے اچھا کر دے گا۔ راجہ
بھی وہاں پر موجود تھا۔
راج کمار نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:
"چنا! میرے بھائی کی آنکھوں پر بھی وہ دوا لگاؤ

تاکہ یہ بھی قدرت کا معجزہ دیکھ سکے۔"
عنبر نے اسی وقت چمڑے کی بوتل میں سے زیتون
کا تیل نکال کر پرتاپ کے چہرے اور آنکھوں پر لگایا
اور اوپر کیلے کے پتے باندھ دیئے۔ دوا ساری رات
لگی رہی۔ دوسرے اور جب کیلے کے پتے کھولے گئے
تو سب لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ راج کمار
پرتاپ کا چہرہ صاف ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں واپس
آ گئی تھیں اور وہ اب دیکھ سکتا تھا۔ وہ اپنے بھائی
سے لپٹ گیا۔ راجہ باپ کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو
آ گئے۔ محل میں خوشیاں دوبارا لوٹ آئی تھیں۔
اس رات عنبر دیر تک اپنی بارہ دری میں بیٹھا
جوگی کا خیال کر کے سوچتا رہا کہ اب آگے کیا ہوگا۔
کیوں کہ جوگی کے کہنے کے مطابق ہر بات پوری
ہو گئی تھی۔ شاہی محل کا کھیل ختم ہو گیا تھا۔ محل کی
خوشیاں واپس لوٹ آئی تھیں۔ راج کمار پرتاپ نے
اپنی خوشی سے راج کمار کنالا کے لیے تخت خالی
کر دیا تھا اور راج کمار نے عنبر کو اپنا وزیر اعظم بنا لیا
تھا۔ مگر عنبر وزیر اعظم بن کر وہاں زندگی بسر نہیں کر سکتا
تھا۔ ایک تو اس کی زندگی ابھی بڑی لمبی تھی دوسرے اسے

ناگ اور ماریا کی تلاش تھی۔ جوگی نے کہا تھا کہ جب راجکمار اور راجہ کے محل کا ڈرامہ ختم ہو جائے گا تو پھر عنبر کی ماریا اور ناگ سے ملاقات ہوگی۔

عنبر کے دل میں بار بار ایک ہی سوال اُٹھ رہا تھا کہ ناگ اور ماریا سے اس کی ملاقات کہاں ہوگی۔ کیا وہ کسی دوسری جگہ پر جائے گا یا ناگ اور ماریا وہاں آئیں گے؟

ماریا قتل ہوگئی

ماریا بابل کی ملکہ بنی بیٹھی تھی۔

ملکہ اسیرامس کے کٹے ہوئے سر پر سے سونے کا تاج اٹھا کر اپنے سر پر رکھنے کی یہ سزا ملی تھی کہ وہ ہواؤں میں بکھر کر ڈھائی ہزار برس پیچھے بابل کے زمانے میں ملکہ بابل کے روپ میں نکل آئی تھی۔ اس کی شکل ہو بہو ملکہ بابل سے ملتی تھی مگر اس کی یادداشت غائب نہیں ہوئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ماریا ہے مگر اس پر کسی خفیہ طاقت کے اثر سے ملکہ بابل کا ظلم سوار ہو گیا تھا اور وہ رعایا پر بہت ظلم کرنے لگی تھی۔

دوسری طرف ناگ جو ماریا کی تلاش میں چاہ بابل میں ملکہ بابل کی کٹے ہوئے سر والی لاش کے صندوق تک پہنچ گیا تھا اسے ملکہ کی کھوپڑی نے کہا تھا کہ وہ دریائے فرات کے کنارے پر جائے اور وہاں جا کر کسی طوفانی رات کا انتظار کرے۔ پھر جس رات بادل گرجیں گے۔

بجلی کڑکے گی۔ تیز بارش ہو گی تو اسے ایک سیاہ کپڑوں والی پُراسرار عورت ملے گی جو اسے ماریا کے بارے میں بتائے گی۔ چنانچہ ناگ دریائے فرات کے کنارے شہر بغداد میں پہنچ گیا تھا اور اسی پرانے ہوٹل کے کمرے میں ٹھہرا ہوا تھا جہاں خطرناک شکل والے جم رُوت نامی آدمی کا روحوں کو بلانے والا شیشے کا گولہ ٹوٹا تھا۔ ہوٹل کے نوکروں نے کمرہ صاف کر دیا تھا اور اب وہاں شیشے کے ٹکڑے نہیں تھے۔ ناگ کو اب طوفانی رات کا انتظار تھا۔

تیسری جانب عنبر ڈھائی ہزار سال پیچھے کے زمانے کے ملک ہندوستان کے راجہ کنالا کا وزیر اعظم بنا سوچ رہا تھا کہ دیکھو اب ناگ اور ماریا سے کہاں اور کیوں کر ملاقات ہوتی ہے۔

ناگ کو یہ خیال ہی نہیں آیا تھا کہ ملکہ بابل کی کھوپڑی نے سونے کا تاج چھن جانے کی وجہ سے ماریا کو قدیم بابل پہنچا دیا تھا جہاں ظلم کی وجہ سے ایک روز اس کا سر کاٹا جانے والا تھا۔ اور اب وہ ناگ کے خلاف بھی ایک خطرناک سازش کر چکی تھی۔ کیوں کہ ملکہ بابل کی لاش کو پتہ چل گیا تھا کہ ناگ بھی ماریا کا ساتھی ہے۔

ناگ کو بغداد کے ہوٹل میں ٹھہرے دوسرا روز ہی تھا کہ

شام کے بعد آسمان پر بادل چھا گئے اور بجلی چمکنے لگی۔ پھر تیز ہوا کے ساتھ بارش شروع ہو گئی۔ بجلی رہ رہ کر چمکتی اور بادل گرجتے۔ ناگ کو اسی طوفانی رات کا انتظار تھا۔ ہوٹل سے نکل کر اس نے ٹیکسی لینے کی کوشش کی مگر کوئی ٹیکسی والا اتنی طوفانی رات میں دریائے فرات پر جانے کے لیے تیار نہ ہوا۔ ناگ ایک بڑی بلڈنگ کے پیچھے آ گیا۔ یہاں وہ عقاب کا روپ بدل کر ہوا میں اڑتا دریائے فرات پر پہنچنا چاہتا تھا۔ یہ ایک پچاس منزل ماڈرن بلڈنگ تھی۔ ناگ گلی میں بلڈنگ کی پچھلی دیوار کے ساتھ کھڑا ہوا کہ عقاب بن کر اڑ جائے کہ ایک پولیس والا اس کے پاس ڈنڈا لہراتا آ گیا اور بڑے رعب کے ساتھ بولا:

"کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہے ہو؟"

ناگ نے کہا:

"میں ایک پرندہ ہوں۔ میرا نام عقاب ہے اور میں ہوا میں اڑنے کی تیاری کر رہا ہوں۔"

پولیس والا ہنسا اور ناگ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا:

"پاگل خانے سے کس دن بھاگے تھے؟ چلو میرے ساتھ واپس پاگل خانے میں۔"

وہ ناگ کو کوئی پاگل سمجھا جو پاگل خانے سے فرار ہو کر

وہاں آ گیا تھا۔

ناگ نے مسکرا کر کہا:

"کیا تمہیں یقین نہیں آیا کہ میں عقاب ہوں؟"

سپاہی نے ناگ کو گردن سے پکڑ کر کہا:

"چلو میرے ساتھ پاگل خانے۔ وہاں جا کر چاہے عقاب بن جانا چاہے چوہا بن جانا۔"

ناگ نے کہا:

"پاگل خانے تم جاؤ گے۔ کیوں کہ ابھی تم جو کچھ دیکھو گے وہ تمہیں پاگل کر دے گا۔"

اور ناگ نے گہرا سانس لیا اور بولا:

"خدا حافظ میرے پاگل سپاہی۔"

اور اس کے ساتھ ہی ناگ عقاب بن کر ایک چھپاکے کے ساتھ طوفانی رات کے اندھیرے میں اڑ گیا۔ پولیس کے سپاہی کے ہاتھ سے خوف کے مارے ڈنڈا گر پڑا اور وہ بے ہوش ہو کر دھڑام سے گر پڑا۔

ناگ بارش اور بادلوں کے طوفان میں اڑتا ہوا دریائے فرات کے کنارے پہنچ گیا۔ دریا پر گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا اور بجلی چمکتی تو دریا پر بارش کی بوندیں گرتی دکھائی دیتیں۔ بادل زور سے گرج رہے تھے۔ کھوپڑی نے کہا تھا کہ ایسی ہی طوفانی رات

میں ایک سیاہ پوش عورت اسے وہاں ملنے آئے گی۔ ناگ اندھیرے میں اس عورت کو دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ انسانی شکل میں واپس آ گیا تھا اور تیز بارش میں دریا کے کنارے ایک پرانے پل پر کھڑا تھا۔

ایک بار جو بجلی زور سے چمکی تو ناگ اپنے بالکل سامنے ایک سیاہ پوش انسان کو کھڑا دیکھ کر ڈر گیا۔ یہ سیاہ پوش اچانک خدا جانے کہاں سے اندھیرے میں بالکل اس کے سامنے آ گیا تھا۔ یہ سیاہ پوش وہی عورت تھی جس کے ملنے کی خبر ملکہ کی کھوپڑی نے دی تھی۔

ناگ نے کہا:

"اے سیاہ پوش عورت! مجھے ملکہ بابل کی لاش نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ کیا تو مجھ سے بات کرے گی؟"

سیاہ پوش عورت نے اپنے چہرے پر سے نقاب الٹ دیا۔ ناگ نے دیکھا کہ اس عورت کے چہرے پر کھال نہیں بلکہ ہڈیاں ہی ہڈیاں ہیں اور ایک کالا بچھو اس کی آنکھوں کے درمیان ماتھے سے چمٹا اسے بار بار ڈنک مار رہا ہے۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہ بھی کسی بدروح کا ڈھانچہ ہے۔ ایک بار اس کے دل میں خیال آیا بھی کہ کہیں وہ کسی مصیبت میں نہ پھنس

جائے۔ مگر پھر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ اسے ماریا کی تلاش تھی اور وہ ماریا کی تلاش کی خاطر ہی وہاں آیا تھا۔

سیاہ پوش عورت نے ناگ سے کہا:

"سنو! میرے جانے کے بعد اس پل کے نیچے جانا۔ وہاں تمہیں دریا کے کنارے پر ایک لکڑی کا صندوق ملے گا۔ تم اس صندوق میں جا کر لیٹ جانا اور ڈھکنا بند کر دینا۔ پھر یہ صندوق اپنے آپ دریا کی لہروں پر روانہ ہو جائے گا۔ اور تمہیں اس جگہ پہنچا دے گا جہاں ماریا تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

اس سے پہلے کہ ناگ اس سے کوئی سوال پوچھتا وہ سیاہ پوش عورت غائب ہو گئی۔ ناگ بارش اور ہوا کے طوفان میں پل پر اکیلا رہ گیا اور سوچنے لگا کہ اسے سیاہ پوش لاش کے کہنے پر عمل کرنا چاہیے یا نہیں۔ آخر اس نے صندوق میں بند ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ کیوں کہ اس نے سوچا کہ صندوق میں بند ہونے سے اس کا کیا بگڑ جائے گا۔ اگر اس میں کوئی سازش ہوئی تو وہ جب چاہے صندوق کو توڑ کر باہر نکل سکے گا۔ چنانچہ ناگ پل سے اتر کر نیچے دریا کے کنارے آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں ایک لکڑی کا صندوق دریا کی لہروں پر ہچکولے کھا رہا ہے۔ ناگ ماریا سے ملنے کو بے تاب تھا۔ اس نے صندوق کا ڈھکنا کھولا اور اس کے اندر اتر کر لیٹ گیا اور صندوق کا ڈھکنا بند کر دیا۔ صندوق کے ڈھکنے کا بند ہونا تھا کہ وہ کنارے سے ہٹنے لگا اور پھر دریا کے بیچ میں آ کر تیز اور طوفانی بارش میں لہروں پر ہچکولے کھاتا آگے کو روانہ ہو گیا۔

ناگ نے صندوق کے اندر آنکھیں کھول رکھی تھیں۔ صندوق میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ معمولی لکڑی کا صندوق تھا۔ ناگ اس وقت صندوق میں لیٹا ماریا اور عنبر کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ دل میں یہی خیال تھا کہ پہلے ماریا سے مل لے پھر وہ دونوں عنبر کی تلاش میں نکلیں گے۔

صندوق دریا کی طوفانی لہروں پر تھوڑی دور ہی بہا ہو گا کہ اچانک ناگ نے صندوق کی بند فضا میں ایک عجیب قسم کی بو محسوس کی۔ بو آہستہ آہستہ تیز ہو رہی تھی۔ ناگ کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے گہرا سانس لیا کہ شیر کا روپ اختیار کرے اور صندوق اپنے آپ ٹوٹ جائے اور وہ آزاد ہو جائے مگر ایک حیرت ناک بات یہ ہوئی کہ ناگ شیر بننے کی بجائے سانپ بن گیا۔ کالا سیاہ سانپ جو تین فٹ لمبا تھا۔ یہ ناگ کی زندگی کا پہلا واقعہ تھا کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف سانپ بن گیا تھا۔ وہ پریشان ہو گیا

اس نے ایک بار پھر زور سے پھنکار ماری کہ دوبارہ انسان کی شکل میں آ جائے مگر وہ انسان کی شکل میں نہ آ سکا۔ ناگ نے کئی بار سانپ کی بجائے کچھ اور بننے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ صندوق میں اب سفید دھواں بھر گیا تھا جس میں ناگ کو سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ تڑپ کر صندوق سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس نے صندوق کے ڈھکنے اور دیواروں سے ٹکرا کر انہیں توڑنے کی کوشش کی مگر اسے سخت چوٹ لگی۔ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

ناگ کے سامنے اب یہ بات کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے اور ایک خطرناک سازش کے ذریعے جادو کے صندوق میں بند کر کے اسے ناگ دیوتا کی بجائے ایک عام کالے سانپ میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس کا سانس بند ہونے لگا تھا اور سر چکرا رہا تھا۔ پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔ بے ہوش ناگ کو سانپ کے روپ میں لیے صندوق طوفانی رات میں دریا کی لہروں پر بہتا چلا گیا۔

ناگ کو ہم دریائے فرات کی لہروں پر چھوڑتے ہیں اور واپس ماریا کی طرف جاتے ہیں جو قدیم بابل کی ظالم

ملکہ بن کر تخت پر بیٹھی ہے۔ اس کی یادداشت اب کمزور ہو رہی ہے اور کبھی ناگ اور عنبر کا خیال آتا بھی تھا تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے ان دونوں سے وہ کبھی خواب میں ملی تھی۔ گویا وہ دونوں اس کی جیتی جاگتی دنیا کے نہیں بلکہ خواب کی دنیا کے ساتھی تھے جس طرح ناگ اور عنبر کو ماریا کی یاد ستاتی تھی اس طرح ماریا کو ان دونوں کا خیال نہیں آتا تھا۔ کھوپڑی کے تاج کی وجہ سے وہ پوری طرح بابل کی ظالم ملکہ بنتی جا رہی تھی۔ اس کی رعایا ملکہ کے ظلم سے تنگ آ گئی تھی اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ وزیر اعظم اس بات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے درباریوں کو اپنے ساتھ ملا کر ملکہ کے خلاف ایک خونی سازش کا جال بچھا رہا تھا۔ اس نے فوج کے سپہ سالار اور درباریوں کے ساتھ ملکہ کے خلاف پورا گٹھ جوڑ کر لیا تو ایک روز بغاوت کر کے تخت پر قبضہ کر لیا اور ملکہ کو قید میں ڈال دیا۔ جب ماریا کا تاج اس سے چھن گیا اور وہ قید خانے میں بے بس ہو کر پڑ گئی تو اس کی ساری یادداشت واپس آ گئی۔

اب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اس نے چاہ بابل میں جا کر اور لاش کی کھوپڑی کا تاج پہن کر سخت غلطی

کی تھی۔ وہ ملکہ بابل نہیں رہی تھی۔ مگر پوری طرح ماریا بھی نہیں بنی تھی۔ صرف اس کی یادداشت پوری کی پوری لوٹ آئی تھی۔ باقی اس کی شکل وصورت بھی ماریا کی نہیں تھی اور ماریا کی طرح وہ اپنی مرضی سے غائب بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ عجیب مشکل میں پھنس گئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وزیر اسے زندہ نہیں چھوڑے گا اور وہ غائب بھی نہیں ہوسکتی اور انسانی شکل میں ہے اور اس لیے اسے موت کی تکلیف برداشت کرنی پڑ جائے گی۔ اس بات سے ماریا بہت پریشان تھی۔ کیونکہ اس نے آج تک موت کا مزہ نہیں چکھا تھا۔ اگر وہ غائب حالت میں ہوتی تو اسے کوئی نہیں مار سکتا تھا مگر وہ غائب نہیں تھی بلکہ زندہ گوشت پوست کی ایک کمزور عورت تھی جس کو اگر چیونٹی بھی کاٹ لیتی تھی تو اسے تکلیف ہوتی تھی۔

آخر وہی ہوا جس کا ماریا کو خطرہ تھا۔

وزیر اعظم نے ملکہ بابل یعنی ماریا کی موت کا اعلان کر دیا اور کہا کہ کل صبح سویرے قلعے کے اوپر ملکہ کا سر کلہاڑے سے کاٹ ڈالا جائے گا۔ جب ماریا کو اس بڑی خبر کا علم ہوا تو اس کا تو رنگ زرد ہو گیا۔ زندگی

میں پہلی بار موت اسے اپنی آنکھوں کے سامنے کھڑی نظر آئی۔ اس نے اپنی نازک گردن پر ہاتھ پھیرا اور یہ سوچ کر اس کی روح کانپ اٹھی کہ کل صبح یہ گردن کلہاڑے سے کاٹ دی جائے گی۔ ناگ اور عنبر کو یاد کر کے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی اس وقت وہاں ہوتا تو اسے موت کے منہ سے بچا سکتا تھا، لیکن ماریا اکیلی رہ گئی تھی۔ نہ وہاں اس کی مدد کو عنبر موجود تھا اور نہ ناگ!

ماریا کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس نے ملکہ بابل بن کر رعایا پر جو ظلم کیے ہیں قدرت یہ اسے اس کی سزا دے رہی ہے۔ ملکہ بابل کو یہی سزا دی گئی تھی اور تاریخ اپنے آپ کو دوبارا دہرا رہی تھی۔ گویا ماریا ملکہ بابل کی شکل میں ایک بار پھر قتل ہونے والی تھی۔

ماریا ساری رات پریشان رہی اور قید خانے میں زخمی شیرنی کی طرح ادھر سے اُدھر ٹہلتی رہی۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ کبھی وہ بڑی آسانی کے ساتھ ایسے موقعوں پر دیوار میں سے گذر جایا کرتی تھی، لیکن اب وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ایک کمزور عورت کی طرح بےبس اور مجبور تھی۔

رات گذر گئی۔ صبح ہوئی تو سپاہی اسے لینے آگئے
ماریا کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ بدن موت کے خوف سے ٹھنڈا
پڑ گیا تھا اور اس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ دو سپاہیوں
نے اسے سہارا دے کر اٹھایا اور قدم قدم چلاتے تہہ خانے
کے خفیہ راستے سے قلعے کی چھت پر لے گئے۔ سورج
نکل رہا تھا۔ قلعے کی چھت پر ایک جگہ چبوترے پر
لکڑی کا چوکور مُڈھ پڑا تھا۔ قریب ہی سیاہ نقاب پہنے
کلہاڑا ہاتھ میں لیے جلّاد کھڑا تھا۔

چار سپاہی تلواریں لیے پہرہ دے رہے تھے۔ وہاں
نہ وزیر اعظم تھا اور نہ دربار کا کوئی امیر تھا۔ وزیر اعظم
نے جلّاد کو حکم دے رکھا تھا کہ ملکہ کا سر کاٹ کر اس کا
دھڑ شہر کے دروازے پر لٹکا دیا جائے اور سر تھال میں
رکھ کر اسے پیش کیا جائے۔

ماریا کا خوف کے مارے بُرا حال ہو رہا تھا۔ اس
کمزوری کی وجہ سے قدم نہیں اٹھایا جا رہا تھا۔ سپاہی اسے
گھسیٹتے ہوئے چبوترے پر لے گئے۔ جلّاد نے اس کی گردن
پر سے سنہری بال آگے کو کیے اور سر کو لکڑی کے چوکور
مُڈھ پر اس طرح رکھ دیا کہ کلہاڑے کا تیز پھل ٹھیک
ملکہ کی گردن پر پڑے ماریا نے خوف سے چیخ مارنی چاہی

مگر اس کی آواز نہ نکل سکی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔
جلّاد نے نشانہ باندھ کر کلہاڑا اوپر اٹھایا اور دونوں ہاتھوں
سے ماریا کی گردن پر ایک بھرپور وار کیا۔ ماریا کی گردن کٹ
کر دُور جا گری۔

گردن کے کٹتے ہی ماریا کو ایک ہلکا سا جھٹکا لگا اور
وہ جیسے اچھل کر اپنے جسم سے الگ ہو کر قلعے کی چھت پر
گر پڑی۔ وہ جلدی سے اٹھی اور سب سے پہلے اس نے
اپنے آپ کو دیکھا۔ وہ غائب تھی اور نظر نہیں آ رہی تھی۔
پھر اس نے چبوترے کی طرف دیکھا۔ ملکہ بابل کا دھڑ کٹ
کر گرا ہوا تھا اور جلّاد اس کے دُور پڑے ہوئے سر کو
اٹھا کر طشت میں رکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ماریا اس
عورت کے جسم میں داخل تھی اور اس کی گردن کے کٹنے
کے ساتھ ہی آزاد ہو کر اس کے جسم سے الگ ہو گئی تھی
اور دوبارہ ماریا کے روپ میں واپس آ گئی تھی۔ ماریا بے حد
خوش تھی کہ اس کی مصیبت کٹ گئی اور پھر سے اپنی
اصلی شکل صورت میں آ گئی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر خدا کا شکر ادا
کیا اور وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی لالچ نہیں کرے گی۔

ماریا نے جلّاد کو اپنا کٹا ہوا سر طشت میں رکھے محل
کی طرف وزیر اعظم کے پاس لے جاتے دیکھا۔ اگرچہ یہ

سر اب اس کا نہیں بلکہ بابل کی ملکہ کا تھا۔ مگر تھوڑی دیر
پہلے یہ سر اس کی گردن پر لگا ہوا تھا اور اسے جلاد نے
بڑی بے رحمی سے کاٹ ڈالا تھا۔ ماریا کے دل میں خیال
آیا کہ اسی کلہاڑے سے جلاد کا سر اتار دے، لیکن یہ
سوچ کر خاموش ہو گئی کہ بابل کی ملکہ بڑی ظالم تھی اور یہ
اس کو اس کے ظلم کی سزا ملی ہے۔

وہ قلعے کی چھت سے اتر کر قلعے کے دروازے پر
آ گئی۔ یہاں بڑا زبردست پہرہ لگا تھا۔ مگر ماریا کو کسی سے
پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب وہ پوری طاقت والی ماریا
بن چکی تھی اور کسی کو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ بڑے
آرام سے قلعے کے بند دروازے میں سے باہر نکل گئی۔ قلعے
کے باہر ایک کھلا میدان تھا۔ یہاں ایک درخت کے نیچے
بیٹھ کر ماریا سوچنے لگی کہ وہ عنبر اور ناگ کو کہاں تلاش کرے
اور ان سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔ وہ ناگ کو
ڈھائی ہزار آگے کی دنیا کے بغداد شہر کے ہوٹل میں چھوڑ
آئی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اس کے فون کرنے کے
بعد ٹیلے والے چاہ بابل میں ضرور آیا ہو گا۔ پھر خدا جانے
وہ کہاں چلا گیا ہو گا۔

ماریا نے اس قلعے اور محل پر آخری نگاہ ڈالی جہاں

وہ ملکہ بن کر کل تک حکومت کرتی تھی اور جہاں ابھی
تھوڑی دیر پہلے اس کا سر کاٹ دیا گیا تھا۔ پھر وہ اٹھی
اور میدان میں اس طرف چل پڑی جدھر دریا پار جنگل
شروع ہو جاتا تھا۔ اس نے دریا پار کیا اور جنگل میں آ
گئی۔ یہ جنگل دیودار کے درختوں کا تھا اور دریا میں سے
نکلی ہوئی ایک نہر اس کے اندر سے گذرتی تھی۔ ماریا اس
جنگل میں بھی نہ رکی اور نہر کے کنارے کنارے چلتی گئی۔

ماریا کو ہم یہیں چھوڑتے ہیں اور عنبر کی طرف جاتے ہیں۔
کیوں کہ ناگ بھی ایک عام کالے سانپ کی شکل میں صندوق
میں بند ہو کر دریائے فرات کی لہروں پر بہا چلا جا رہا ہے اور
جادوئی تیز دھند کی اثر سے بے ہوش ہو چکا ہے۔ عنبر راج کمار
کمالا کا وزیر بن کر محل میں رہ رہا تھا مگر اب اس کا وہاں
دل نہیں لگتا تھا اور وہ ماریا اور ناگ سے ملاقات کرنے
کو بے تاب تھا۔ مگر جوگی نے کہا تھا کہ حالات خود بخود اسے
ناگ اور ماریا کے پاس لے جائیں گے۔ وہ حالات کا انتظار
کر رہا تھا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ عنبر محل سے نکل کر دریا کی طرف
سیر کو گیا تو اسے ایک آدمی کی چیخوں کی آوازیں سنائی دیں۔

"بچاؤ۔ مجھے بچاؤ۔"

عنبر نے دیکھا کہ ایک آدمی دریا میں ڈوب رہا تھا۔
اس نے اسی شاہی لباس میں ہی دریا میں چھلانگ لگا دی۔
آدمی ڈوب رہا تھا اور دریا کے پانی کے اندر چلا گیا تھا
عنبر نے غوطہ لگایا کہ اس ڈوبتے آدمی کو نیچے سے پکڑ کر
پانی سے باہر لے آئے۔ مگر اسے پانی کے اندر وہ آدمی کہیں
دکھائی نہ دیا۔ عنبر ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار کر اسے تلاش کرتا
رہا مگر وہ نہ ملا۔

آخر عنبر ناکام ہو کر پانی سے باہر نکل آیا۔ جونہی اس
نے اپنے پانی بھرے لمبے بالوں کو جھٹکا اسے محسوس ہوا کہ
وہ کسی دوسری جگہ نکل آیا تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ جب
اس نے دریا میں چھلانگ لگائی تھی تو وہ صبح کا وقت
تھا اور یہاں جب وہ باہر نکلا تو شام ہو رہی تھی۔ اس
نے چھلانگ دریا میں لگائی تھی لیکن یہاں وہ ایک نہر میں
نکلا تھا جس کے دونوں کناروں پر سفیدے کے گھنے درخت
سر اٹھائے کھڑے تھے اور کھڑے دور نہر کے پل پر سے
بچے نہر میں چھلانگیں لگا رہے تھے۔ عنبر نے اپنے بھیگے
ہوئے کپڑوں کو دیکھا۔ اس کا لباس بھی وہ شاہی لباس نہیں
تھا بلکہ اس نے ایک نیلی ٹی شرٹ اور نسواری جینز نما
پتلون پہن رکھی تھی اور پاؤں میں بوٹ تھے۔

عنبر سمجھ گیا کہ وقت نے ایک دم سے چھلانگ لگائی
ہے۔ مگر ابھی تک اسے یہ نہیں معلوم ہوا تھا کہ چھلانگ
تاریخ میں آگے کو لگی ہے کہ پیچھے کو۔ شام کی سرخی نہر
کے پانی میں چمک رہی تھی۔ کنارے پر بڑی خوبصورت
چھوٹی سی سڑک بنی ہوئی تھی جہاں سے دو تین موٹر کاریں
گذریں تو عنبر سمجھ گیا کہ وقت نے پیچھے کی طرف چھلانگ
لگائی ہے۔ اب اسے یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ ملک کون سا
ہے اور یہ شہر کون سا ہے عنبر نے سوچا کہ لوگ جب
اسے دیکھیں گے کہ وہ کپڑوں سمیت نہر میں سے نکل رہا
ہے تو کہیں اسے پاگل نہ سمجھنے لگیں۔ وہ تیر کر نہر کے
کنارے پر آیا اور پھر پانی سے باہر نکل کر جھاڑی کے
پاس کپڑے نچوڑنے لگا۔ کار میں سے گذرتے ہوئے کچھ
لوگوں نے اسے غور سے دیکھا اور گذر گئے۔ عنبر نے ٹی شرٹ
دوبارا پہنی اور وہیں نہر کنارے گھاس پر بیٹھا رہا۔
موسم گرمی کا تھا اس لیے عنبر کے کپڑے تھوڑی دیر
بعد سوکھ گئے۔ وہ اٹھا اور نہر کے پل کے پاس آ کر
سڑک کنارے کھڑا ہو گیا۔ اس کی جیبیں خالی تھیں۔ ایک
لڑکا اس کے قریب سے گذرا تو عنبر نے اس سے پوچھا
کہ یہ شہر کون سا ہے؟

عنبر نے دیکھا کہ ایک آدمی دریا میں ڈوب رہا تھا۔
اس نے اسی شاہی لباس میں ہی دریا میں چھلانگ لگا دی۔
آدمی ڈوب رہا تھا اور دریا کے پانی کے اندر چلا گیا تھا
عنبر نے غوطہ لگایا کہ اس ڈوبتے آدمی کو نیچے سے پکڑ کر
پانی سے باہر لے آئے۔ مگر اسے پانی کے اندر وہ آدمی کہیں
دکھائی نہ دیا۔ عنبر ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار کر اسے تلاش کرتا
رہا مگر وہ نہ ملا۔

آخر عنبر ناکام ہو کر پانی سے باہر نکل آیا۔ جونہی اس
نے اپنے پانی بھرے لمبے بالوں کو جھٹکا اسے محسوس ہوا کہ
وہ کسی دوسری جگہ نکل آیا تھا۔ پہلی بات تو یہ کہ جب
اس نے دریا میں چھلانگ لگائی تھی تو وہ صبح کا وقت
تھا اور یہاں جب وہ باہر نکلا تو شام ہو رہی تھی۔ اس
نے چھلانگ دریا میں لگائی تھی لیکن یہاں وہ ایک نہر میں
نکلا تھا جس کے دونوں کناروں پر سفیدے کے گھنے درخت
سر اٹھائے کھڑے تھے اور کھڑے دور نہر کے پل پر سے
بچے نہر میں چھلانگیں لگا رہے تھے۔ عنبر نے اپنے بھیگے
ہوئے کپڑوں کو دیکھا۔ اس کا لباس بھی وہ شاہی لباس نہیں
تھا بلکہ اس نے ایک نیلی ٹی شرٹ اور نسواری جینز نما
پتلون پہن رکھی تھی اور پاؤں میں بوٹ تھے۔

عنبر سمجھ گیا کہ وقت نے ایک دم سے چھلانگ لگائی
ہے۔ مگر ابھی تک اسے یہ نہیں معلوم ہوا تھا کہ چھلانگ
تاریخ میں آگے کو لگی ہے کہ پیچھے کو۔ شام کی سرخی نہر
کے پانی میں چمک رہی تھی۔ کنارے پر بڑی خوبصورت
چھوٹی سی سڑک بنی ہوئی تھی جہاں سے دو تین موٹر کاریں
گزریں تو عنبر سمجھ گیا کہ وقت نے پیچھے کی طرف چھلانگ
لگائی ہے۔ اب اسے یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ ملک کون سا
ہے اور یہ شہر کون سا ہے عنبر نے سوچا کہ لوگ جب
اسے دیکھیں گے کہ وہ کپڑوں سمیت نہر میں سے نکل رہا
ہے تو کہیں اسے پاگل نہ سمجھنے لگیں۔ وہ تیر کر نہر کے
کنارے پر آیا اور پھر پانی سے باہر نکل کر جھاڑی کے
پاس کپڑے نچوڑنے لگا۔ کاریں سے گزرتے ہوئے کچھ
لوگوں نے اسے غور سے دیکھا اور گزر گئے۔ عنبر نے ٹی شرٹ
دوبارا پہنی اور وہیں نہر کنارے گھاس پر بیٹھا رہا۔

موسم گرمی کا تھا اس لیے عنبر کے کپڑے تھوڑی دیر
بعد سوکھ گئے۔ وہ اٹھا اور نہر کے پل کے پاس آ کر
سڑک کنارے کھڑا ہو گیا۔ اس کی جیبیں خالی تھیں۔ ایک
لڑکا اس کے قریب سے گزرا تو عنبر نے اس سے پوچھا
کہ یہ شہر کون سا ہے؟

لڑکے نے حیرانی سے عنبر کو دیکھا اور کہا:
"بھا جی! ایہ لاہور اے۔ تسی پاگل تے نئیں؟"
اور یہ کہہ کر لڑکا ہنستا ہوا دوڑ گیا۔

عنبر لاہور میں پہنچ گیا تھا اور یہ لاہور ۱۹۸۴ء کا جدید زمانے کا لاہور تھا۔ عنبر اس سے پہلے بھی لاہور آ چکا تھا مگر وہ اس شہر سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ ایک بات جان کر اسے خوشی ہو رہی تھی کہ جوگی کے کہنے کے مطابق اس کا ماریا اور ناگ سے ملاقات کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ اسے راج کمار کنالا کے محل سے نکلنے کی خوشی بھی تھی۔ یہ بھی خدا کا شکر ادا کرنے والی بات تھی کہ عنبر نے اپنے تمام فرض پوری دیانت داری سے ادا کر دیئے تھے۔

عنبر نہر کنارے چلتا چلتا یونیورسٹی کیمپس کی طرف آ نکلا۔ ابھی شام کا اندھیرا نہیں ہوا تھا اور دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ عنبر لاہور کے اس علاقے میں صرف ماڈل ٹاؤن میں رہنے والی غزالہ کو جانتا تھا جو اصل میں قدیم مصر کی شہزادی ماتری تھی اور جو غزالہ کے روپ میں اپنا دوسرا جنم بسر کر رہی تھی اور جس کے پاس شہزادی ماتری کا دبا ہوا موتیوں کا قیمتی ہار بھی تھا۔ مگر وہ

عنبر کو نہیں پہچانتی تھی۔ کیوں کہ غزالہ کے روپ میں دوسرا جنم اختیار کرنے کے بعد اس کی پچھلی یادداشت گم ہو چکی تھی۔ اگرچہ غزالہ کی شکل قدیم مصری شہزادی ماتری سے ہو بہو ملتی جلتی تھی۔ عنبر کو غزالہ کی کوٹھی کی طرف جانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جب وہ عنبر کو پہچان ہی نہیں سکتی تھی تو اس سے ملاقات کرنے کا فائدہ کیا تھا۔

عنبر گارڈن ٹاؤن کی کوٹھیوں کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ ایک جنازہ قبرستان کی طرف جا رہا ہے۔ عنبر چونکہ مسلمان تھا اور اسے معلوم تھا کہ اگر آدمی کوئی جنازہ دیکھے تو اسے کندھا ضرور دینا چاہیے۔ اس سے نہ صرف ثواب ہوتا ہے بلکہ انسان کے دل میں نیکی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ عنبر کے پاس کوئی کام بھی نہیں تھا۔ اس نے جنازے کو کاندھا دیا اور پھر جنازے کے ساتھ ہی شامل ہو گیا کہ میّت کو دفن کر کے فاتحہ پڑھنے کا ثواب بھی حاصل کر لے۔

عنبر نے کاندھا دیتے وقت محسوس کیا تھا کہ مُردے کی میّت بھاری ہے۔ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے مُردے کا بدن بھاری ہو۔ جنازہ قبرستان میں داخل ہو گیا۔ جنازے میں ایک لمبے بالوں والا جس نے شلوار قمیض پہن رکھی تھی بہت زیادہ

داویلا کر رہا تھا اور مرنے والے کو یاد کر کے روئے جا رہا
تھا۔ مرنے والے کے رشتہ دار اسے نہیں جانتے تھے مگر
وہ کہتا تھا کہ وہ مرنے والا کا کراچی کا دوست ہے اور
وہاں سے اس کی موت کی خبر سن کر لاہور آیا ہے۔ وہ
اتنا رو رہا تھا کہ اس کے آنسو لوگوں سے دیکھے نہیں جاتے تھے۔

نماز جنازہ پڑھنے کے بعد مردے کو قبر میں اتار کر قبر
بند کر دی گئی لوگ واپس چلنے لگے تو اس آدمی نے جو
بہت زیادہ روتا تھا ایک دم شور مچا دیا کہ قبر میں اس
کا بٹوہ گر گیا ہے جس میں اس کا پاسپورٹ اور شناختی کارڈ
اور ضروری کاغذات ہیں۔ لوگ رک گئے اور اس آدمی کا
تکنے لگے:

"کیا آپ کو یقین ہے کہ بٹوہ قبر میں گرا ہے۔"

وہ بولا:

"جی ہاں۔۔۔ مجھے سو فیصد یقین ہے۔ کیوں کہ جب
میں قبرستان میں داخل ہوا تو وہ میری جیب میں
تھا۔ جب میت کو قبر میں اتارا جا رہا تھا تو
اس وقت بٹوہ اندر گر گیا ہو گا۔ خدا کے لیے تھوڑی
دیر کے واسطے قبر کھول دیں کہ میں اپنا بٹوہ لے
لوں۔ اس میں میری جائیداد کے بڑے ضروری کاغذات
ہیں۔ اگر وہ نہ ملے تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔"

کسی نے کہا: قبر بند ہو چکی ہے اسے دوبارا کھولنا مناسب
نہیں لگتا۔ کسی نے کہا کہ آخر حرج ہی کیا ہے۔ قبر بند ہوئے
زیادہ دیر نہیں ہوئی، ہو سکتا ہے اس شریف آدمی کا بٹوہ
اندر ہی ہو۔ قبر کو دوبارا بند کر دیں گے۔ آخر طے پایا کہ
قبر کو کھول دیا جائے تا کہ اس آدمی کا بٹوہ وہاں سے نکالا
جائے۔

گورکن کو پھر بلایا گیا۔ اس نے پھاوڑے سے قبر کی مٹی
پھر سے کھودنی شروع کر دی۔ عنبر وہاں کھڑا یہ سب کچھ دیکھ
رہا تھا۔ اسے بھی یقین تھا کہ وہ آدمی ٹھیک ہی کہہ رہا ہے
اور اس کا بٹوہ ضرور قبر میں ہی رہ گیا ہو گا۔

اب ایک عجیب دل ہلا دینے والا منظر نظر آنے والا
تھا۔ جونہی قبر کھلی تو اس میں سے ایک شعلہ سا لپک کر
باہر کو آیا۔ گورکن چھلانگ مار کر باہر آ گیا۔ شعلے کے دھماکے
سے سب لوگ قبر میں دیکھنے لگے کہ یہ آگ کہاں سے
آ گئی ہے؟ اندر جو انہوں نے دیکھا وہ اس قدر ڈراؤنا
اور خون کو جما دینے والا تھا کہ کئی تو بے ہوش ہو گئے
اور باقی توبہ توبہ کرتے وہاں سے بھاگ گئے جو بے ہوش
ہوئے تھے ان کو ان کے رشتہ دار دوست اٹھا کر بھاگ

گئے۔ وہاں اب سوائے عنبر اور گورکن کے اور کوئی نہیں
تھا۔ کمال کی بات یہ تھی کہ جس آدمی نے شور مچایا تھا کہ
اس کا بٹوہ قبر میں گر گیا ہے وہ بھی غائب ہو چکا تھا۔
ایسا لگتا تھا کہ تقدیر نے اسے صرف قبر کھلوانے کے لیے
ہی وہاں بھیجا تھا۔

گورکن دُور کھڑا خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ شام
کی روشنی ابھی باقی تھی۔ عنبر نے جھک کر قبر میں دیکھا تو
ایک دفعہ تو وہ بھی دہشت سے کانپ گیا۔

کیا دیکھتا ہے کہ قبر کے اندر مردے کا اوپر کا آدھا
دھڑ اوپر کو اُٹھا ہوا ہے۔ مردے کی ٹانگوں پر ایک بہت
بڑا سانپ کنڈل مارے بیٹھا ہے اور اپنے منہ سے مُردے
کی زبان کو تالو سے باہر کھینچ رہا ہے۔ مردے کی زبان
آدھی سے زیادہ باہر لٹک چکی ہے اور اس میں سے
خون کے لوتھڑے گر رہے ہیں جنہیں سانپ کھا رہا ہے۔
تھوڑی تھوڑی دیر بعد سانپ مُردے کے منہ پر پھنکار
مارتا ہے جس سے شعلہ نکلتا ہے۔ مردے کا چہرہ سیاہ پڑ
چکا ہے اور وہ درد اور تکلیف کی وجہ سے آہستہ آہستہ کبھی
آگے اور کبھی پیچھے ہو رہا ہے۔

عنبر نے بڑے بڑے خوف ناک منظر دیکھے تھے مگر

ایسا خوف ناک منظر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اسے پیچھے
سے گورکن کی آواز آئی:

"بھائی جی پیچھے آ جاؤ۔"

عنبر نے کہا:

"تم یہاں آ کر قبر کو بند کیوں نہیں کرتے یہ تمہارا
فرض ہے۔"

گورکن ڈرتے ڈرتے آگے آ گیا۔ عنبر نے اس کے ساتھ مل
کر قبر کو پھر سے بند کر دیا۔ گورکن فوراً وہاں سے بھاگ گیا۔
شام کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ عنبر اس قبر کے پاس اکیلا رہ گیا
تھا۔ وہ واپس ہونے ہی لگا تھا کہ اسے ایک آواز سنائی
دی۔ یہ آواز کسی آدمی کی تھی مگر بڑی ہی کمزور اور درد بھری
آواز تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے قبر کے اندر سے آ
رہی ہے۔ عنبر نے اپنے کان قبر سے لگا دیئے، آواز پھر آئی:

"قبر کھولو۔ میری فریاد سنو۔ قبر کھولو۔ میری فریاد سنو۔"

عنبر سمجھ گیا کہ یہ وہی مردہ ہے جس کو ابھی ابھی دفن
کیا گیا ہے جو بڑے درد ناک قسم کے عذابِ قبر میں مبتلا
ہے۔ عنبر اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ اس کی فریاد سننا چاہتا
تھا۔ اس نے گورکن کو آواز دی کہ قبر کھودنے میں اس کی
مدد کرے۔ مگر گورکن وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر فرار

ہو چکا تھا۔

قبر سے آواز بار بار آ رہی تھی۔

"میری قبر کھولو۔ خدا کے واسطے میری فریاد سنو۔"

عنبر نے قبر پر سے مٹی ہٹانی شروع کر دی۔ جب قبر آدھی سے زیادہ کھُد گئی تو مردے کی آواز آنی بند ہو گئی۔

اب رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور قبرستان میں گہری خاموشی تھی۔ عنبر نے قبر کھود کر کھول دی تو کیا دیکھتا ہے کہ وہی مردہ جس کے گھٹنوں پر سانپ بیٹھا اس کی زبان کھینچ رہا تھا، اسی طرح قبر کے اندر بیٹھا ہے۔ سانپ کی گرم پھنکاروں سے اس کا منہ سیاہ پڑ چکا ہے۔ اس کی زبان باہر لٹک رہی ہے اور اس میں سے خون ٹپک رہا ہے۔ مگر حیرانی کی بات یہ تھی کہ سانپ وہاں نہیں تھا۔

مردے کی بے نور آنکھیں اپنے گھٹنوں پر لگی تھیں۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے سانپ بیٹھا ہوا تھا۔

عنبر نے آہستہ سے پوچھا:

"تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ کہو۔ میں تمہاری فریاد سننے کے لیے آ گیا ہوں۔"

مُردے نے عنبر کی طرف دیکھے بغیر کہا:

"مجھے عذاب دینے والا سانپ تھوڑی دیر کے لیے چلا گیا ہے۔ وہ پھر آئے گا اور میری زبان تالو سے کھینچنا شروع کر دے گا۔"

عنبر نے پوچھا:

"تم نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے جس کی تمہیں اتنی بھیانک سزا مل رہی ہے۔"

مُردے نے کہا:

"میں نے یہی بتانے کے لیے تمہیں آواز دی ہے۔ کیوں کہ صرف تم ہی میری مدد کر سکتے ہو۔ میری بات غور سے سنو۔ میرا نام نجم الدین ہے۔ میں نہروں کا ٹھیکیدار تھا۔ ایک بار میں ساہیوال کے علاقے میں ایک نہر کی کھدائی کروا رہا تھا کہ مجھے زیادہ مزدوروں کی ضرورت پڑ گئی۔ وہاں مزدور بہت پیسے لیتے تھے اور ہم بچوں اور آدمیوں کو بے گار میں پکڑ کر ان سے مفت کام لیا کرتے تھے۔ ان ہی دنوں میں جیپ پر سوار لاہور سے واپس جا رہا تھا کہ ساہیوال کے قریب نئی آبادی کے پاس سے گذرا تو ایک لڑکا نہر کنارے بیٹھا سکول کی کتاب پڑھ رہا تھا۔ میں نے اسے بے ہوش کیا اور اغوا کر کے اپنے بے گار کیمپ میں لے

گیا اور اس کے پاؤں میں لوہے کی زنجیر ڈال
دی اور اس سے زبردستی کام لینے لگا جب کبھی
پولیس چھاپہ مارتی ہیں اس لڑکے کو بھی تہہ خانے
میں چھپا دیتا۔ خدا جانے وہ کس ماں کا لختِ جگر
تھا۔ میں نے اس کی ایک ٹانگ توڑ دی تھی کہ
وہ بھاگ نہ سکے۔ پھر میں مر گیا اور جب تم
لوگ مجھے قبر میں دفن کرنے کے بعد ابھی قبرستان
میں ہی تھے کہ قبر کے اندر مجھ میں دوبارا جان
پڑ گئی اور کسی نے میرے اوپر والے دھڑ کو
اُٹھا کر مجھے قبر کے اندر بٹھا دیا۔ پھر قبر میں
سانپ کی پھنکار کے ساتھ ایک شعلہ لپکا اور
ایک سیاہ سانپ میرے گھٹنوں پر آ کر بیٹھ گیا
اور اس نے اپنا منہ میرے منہ میں ڈال کر
میری زبان کو باہر کھینچنا شروع کر دیا۔ تکلیف اور
درد سے میرا بُرا حال ہو رہا تھا مگر میرے حلق
سے آواز تک نہیں نکل سکتی تھی اور نہ میں
ہاتھ پیر ہلا سکتا تھا۔ اس بھیانک منظر کو تم لوگ
اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔"

عنبر نے کہا:

"میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

مُردہ بولا:

ساہیوال سے دس میل دُور ایک نہر کی کھدائی
ہو رہی ہے۔ وہاں نجم الدین ٹھیکیدار کے ڈیرے
پر جانا۔ وہاں ایسے لڑکے بھی ہیں جنہیں دوسروں
نے اغوا کیا تھا اور میں نے انہیں خرید لیا تھا اور
ان پر ظلم کرتا تھا۔ وہاں وہ لڑکا بھی ہے جس کو
ساہیوال کی نئی آبادی سے میں نے جیپ میں اغوا
کیا تھا۔ تم ان سب لڑکوں کو رہا کرا دو اور جس
لڑکے کو میں نے اغوا کیا تھا اسے اس کے گھر
ماں باپ کے پاس پہنچا دو۔ جب وہ لڑکا اپنے
ماں باپ کے سینے سے لگ جائے گا تو مجھے قبر
کے عذاب سے نجات مل جائے گی۔"

عنبر نے کہا:

"میں یہ نیک کام ضرور کروں گا۔ مجھے بتاؤ کہ اس
لڑکے کا نام کیا ہے؟"

مُردے نے کہا:

"وہ اپنا نام راشد اور باپ کا نام کمال دین بتاتا ہے۔"
اچانک مردے کا سانس تیز تیز چلنے لگا۔ وہ گھبرا گیا

تھا۔ اس کا اوپر والا دھڑ کانپنے لگا۔ وہ درد بھری آواز میں بولا:

"خدا کے لیے جلدی جاؤ۔ سانپ واپس آ رہا ہے۔"

عنبر نے دیکھا کہ قبر میں ایک شعلہ مردے کی طرف لپکا اور پھر وہی کالا بڑا سانپ قبر کے کونے والے سوراخ میں سے نکلا اور مردے کے گھٹنوں پر کنڈل مار کر بیٹھ گیا اور اپنا منہ کھول کر مردے کی باہر نکلی ہوئی زبان کے خون کو چاٹ کر اسے باہر کو کھینچنے لگا۔ عنبر کو مردے کی کراہیں سنائی دینے لگیں۔ وہ قبر سے باہر نکل آیا۔ اس نے قبر پر جلدی جلدی مٹی ڈالنی شروع کر دی!!

○

سانپ، قبر اور شعلہ

عنبر نے وہ رات نہر کنارے گزار دی۔

صبح صبح وہ ریلوے سٹیشن پر آ گیا اور ساہیوال جانے والی گاڑی میں سوار ہو گیا۔ اس کے پاس ٹکٹ خریدنے کو پیسے نہیں تھے چنانچہ وہ بغیر ٹکٹ کے ہی ٹرین میں سوار ہو گیا تھا۔ ٹرین چل پڑی۔ راستے میں کسی نے اس سے ٹکٹ نہ پوچھی۔ جب وہ ساہیوال کے ریلوے سٹیشن پر اترا تو گیٹ پر ٹکٹ چیکر کھڑا تھا۔ وہ ٹکٹ لے کر مسافروں کو باہر جانے دیتا تھا۔ عنبر گیٹ میں سے نکلنے کی بجائے سیدھا پلیٹ فارم پر چل کر لائن پر اُتر گیا۔ وہ لائنوں لائن آگے جا کر کھیتوں میں نکل جانا چاہتا تھا۔ مگر وہاں بھی ایک ٹی ٹی کھڑا ٹکٹ چیک کر رہا تھا۔

اُس نے عنبر کو روک لیا:

"ٹکٹ دکھائیں"

عنبر نے کہا:

"بھائی میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ میرے پاس ٹکٹ کے لیے پیسے نہیں تھے۔"

ٹی ٹی نے کہا:

"تو پھر جیل کی ہوا کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

عنبر کو غصہ آ گیا کہ اس شخص نے دوسری بات ہی نہیں کی۔ جھٹ سے اسے جیل بھجوانے کی دھمکی دے دی ہے۔ اس نے ایک بار پھر ادب سے کہا:

"بھائی صاحب! میں ایک ضروری کام سے ساہیوال آیا ہوں یقین کریں اگر میرے پاس پاکستانی کرنسی ہوتی تو میں ٹکٹ کے بغیر کبھی ٹرین میں نہ بیٹھتا۔"

ٹی ٹی کو اور غصہ آ گیا:

"تو پھر میں کیا کروں؟ میں نے تم ایسے بڑے چار سو بیس دیکھے ہیں۔"

عنبر سے غصہ برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے ٹی ٹی سے کہا:

"میرے راستے کی رکاوٹ نہ بنو۔ نہیں تو میں تمہیں اٹھا کر یہ اوپر والے درخت کی سب سے اوپر والی ٹہنی پر پھینک دوں گا۔"

اتفاق سے وہاں ان دونوں کے سوا تیسرا کوئی نہیں تھا۔

ٹی ٹی نے عنبر کی گردن پکڑ کر کہا:

"بک بک مت کرو اوئے۔"

عنبر نے ٹی ٹی کو بازو سے پکڑا۔ اسے آہستہ سے اوپر اٹھایا وہ زمین سے دو فٹ اوپر اٹھ آیا۔ ٹی ٹی عنبر کی طاقت دیکھ کر حیران سا ہو گیا۔ عنبر نے اسے زمین سے اور اوپر اٹھا لیا۔

ٹی ٹی کو خوف سے پسینہ آ گیا۔ اس نے جلدی سے کہا:

"مجھے نیچے اتار دو اور چلے جاؤ۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔"

عنبر ہنس دیا:

"اب عقل آ گئی ہے تمہیں۔"

اس نے ٹی ٹی کو زمین پر اتارا اور خود آگے روانہ ہو گیا۔ ٹی ٹی عنبر کو جاتے پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکتا رہا۔

عنبر پوچھتا پوچھتا ساہیوال شہر سے دس میل دور نجم الدین ٹھیکیدار کے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ نجم الدین کی موت کی وجہ سے اس کا بھائی لاہور گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک بڑی بڑی مونچھوں والا آدمی نہر کی کھدائی کروا رہا تھا۔ عنبر نے دیکھا کہ بچے بھی مٹی کھود کھود کر ڈھو رہے تھے اور ان کا فاقوں کے مارے برا حال ہو رہا تھا اور ان کے پاؤں میں زنجیریں بندھی ہوئی تھیں

عنبر کو آتا دیکھ کر مونچھوں والے آدمی نے اسے وہیں روک دیا:

"کون ہو تم۔ وہیں رک جاؤ۔"

عنبر ٹھہر گیا۔ مونچھوں والے ٹھیکیدار نے قریب آ کر عنبر
کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور خونخوار نظروں سے
دیکھتے ہوئے کڑک کر پوچھا:

"ادھر تم کیوں آئے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"مجھے نجم الدین ٹھیکیدار نے بھیجا ہے۔"

وہ آدمی عنبر کو اوپر سے نیچے دیکھنے لگا:

"نجم الدین ٹھیکیدار تو کل کا مر چکا ہے۔ تمہیں وہ کہاں
مل گیا تھا مرنے کے بعد؟"

عنبر نے کہا:

"بہرحال تم اسے نہ سمجھ سکو گے۔ بس وہ مجھے مل
گیا تھا اور اس نے کہا ہے کہ بیگار میں پکڑے
ہوئے جتنے بچے یہاں کام کر رہے ہیں انہیں
چھوڑ دیا جائے۔"

مونچھوں والا خونخوار آدمی قہقہہ مار کر ہنسا:

"تم مجھے کوئی پاگل لگتے ہو۔ چلو بھاگو یہاں سے
نہیں تو گولی مار دوں گا۔"

عنبر نے کہا:

"گولی تم مجھے کیا مارو گے، لیکن سیدھی طرح میری

بات مان لو گے تو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہوگا
یہ نجم الدین کی ہدایت ہے کہ ان اغوا کیے ہوئے
تمام بچوں کو رہا کر دو۔"

مونچھوں والے نے عنبر کو گھور کر دیکھا اور کہا:

"اور تم کون ہو؟"

عنبر نے کہا:

"میں ایک جن ہوں جو قبرستان میں رہتا ہے۔
وہیں نجم الدین کے مردے سے میری ملاقات
ہوئی تھی۔"

مونچھوں والا قہقہہ لگا کر بولا:

"تو تم جن ہو؟"

"ہاں — میں قبرستان کا جن ہوں" عنبر نے کہا۔

مونچھوں والے ٹھیکیدار نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ
کر کہا:

"اچھا اگر تم جن ہو تو اپنی کوئی نشانی تو بتاؤ۔"

عنبر نے کہا:

"اگر میں نے نشانی بتا دی تو کیا تم ان بے گناہ
بچوں کو آزاد کر دو گے؟"

"ہاں" مونچھوں والے نے یونہی کہہ دیا۔

عنبر نے اس کی بات پر یقین کرتے ہوئے کہا :

"تو پھر اس گدھے کے پاس آؤ۔"

"اسے آدمی بناؤ گے ؟"

عنبر نے کہا :

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کیوں کہ یہاں پہلے ہی بہت سے آدمی گدھے ہیں۔"

عنبر مونچھوں والوں کو لے کر گدھے کے پاس آ گیا جو درخت کے نیچے کھڑا تھا۔

عنبر نے کہا :

"میں اس کے پیٹ کے نیچے ہاتھ رکھ کر اسے تمہارے سر سے اوپر اٹھا کر لے جاؤں گا دیکھو۔"

اور عنبر نے گدھے کے پیٹ کے نیچے ہاتھ ڈالا اور اسے بڑے آرام سے اوپر اٹھایا اور مونچھوں والے ٹھیکیدار کے سر سے اوپر تک اٹھا کر لے گیا۔ وہ آدمی ڈر کر پرے ہٹ گیا، کیونکہ اس نے ایسا سین پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

عنبر نے کہا :

"اب اغوا کیے ہوئے بچوں کو آزاد کر دو۔ کیونکہ میں نے ثابت کر دیا ہے کہ میں جن ہوں۔"

اس آدمی نے صدری کی جیب سے پستول نکال لیا اور بولا :

"تم جادوگر ہو، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اور اس نے عنبر پر گولی چلا دی۔ ایک دو تین چار گولیاں پستول سے نکل کر عنبر کے جسم پر مختلف جگہوں پر لگیں اور ٹکرا ٹکرا کر واپس زمین پر گر پڑیں۔ مونچھوں والے کو نانی یاد آ گئی۔ اس نے زندگی میں ایسا آدمی نہیں دیکھا تھا جس کے جسم پر پستول کی گولی اثر نہ کرتی ہو۔ وہ جیب سے چاقو نکالنے ہی والا تھا کہ عنبر نے اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیا اور نالی کا رخ اس کی طرف کر کے کہا زمین پر الٹے لیٹ جاؤ۔ مونچھوں والا ٹھیکیدار پہلے ہی عنبر سے ڈر گیا تھا۔ وہ جھٹ زمین پر الٹا لیٹ گیا۔ عنبر نے اس کے ہاتھ پیچھے باندھ کر اس کی ٹانگیں بھی باندھ دیں۔

وہاں دو آدمی اور تھے۔ عنبر نے انہیں بھی پستول دکھا کر ہینڈز اپ کروا لیا۔ اب بے گار میں پکڑے ہوئے لڑکے بھی وہاں آ گئے۔ عنبر نے ایک لڑکے سے کہا۔ ان دونوں آدمیوں کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر عنبر نے سارے بچوں کے پاؤں کی زنجیریں کاٹ ڈالیں۔ وہ کل سات بچے تھے اور ان کی عمریں دس سال سے کم تھیں۔ ان میں سے ایک لڑکے کی ٹانگ بندھی ہوئی تھی۔

عنبر نے اس سے پوچھا :

"کیا تمہارا نام ارشد ہے؟"

"جی ہاں" لڑکے نے سہم کر کہا:

عنبر نے کہا:

"فکر نہ کرو۔ آج سے تم سب آزاد ہو اور جہاں جانا چاہتے ہو جا سکتے ہو۔"

پھر عنبر نے لڑکوں کی خواہش کے مطابق ایک جیپ میں بٹھایا اور انہیں لے کر ساہیوال کے پولیس سٹیشن پر آ کر تمام لڑکوں کو پولیس کے حوالے کر دیا تاکہ ان لڑکوں کو ان کے گھروں میں پہنچا دیا جائے۔ مگر راشد کو لے کر عنبر خود اس کے گھر کی طرف نئی آبادی میں آ گیا۔ ارشد سیدھا اپنے گھر پہنچ گیا۔ اپنے بیٹے کو اچانک اپنے سامنے دیکھ کر ارشد کے ماں باپ خوشی سے پاگل ہو گئے۔ انہوں نے ارشد کو اپنے سینے سے لگا اور اسے چومنے لگے۔

ارشد نے کہا:

"امی ابو! یہ صاحب مجھے آزاد کرا کر لائے ہیں۔"

ارشد کی امی اور ابو عنبر کا بار بار شکریہ ادا کر رہے تھے اور اس کی تعریف کرتے کرتے ان کی زبان نہیں تھک رہی تھی۔ انہوں نے عنبر کو انعام دینا چاہا مگر عنبر نے کہا:

"آپ مجھے صرف لاہور تک جانے کے ٹرین کے ٹکٹ کے پیسے دے دیں۔ اس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔"

کیوں کہ عنبر اب ایک بار پھر کسی ٹی ٹی کو زمین سے پانچ فٹ اوپر اٹھا کر تماشہ نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ ارشد کے ماں باپ تو حیران رہ گئے۔ وہ عنبر کو ایک ہزار روپیہ انعام دینا چاہتے تھے مگر عنبر نے صرف دس روپے ٹکٹ کے لیے اور وہاں سے واپس ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑا۔ وہ جلدی سے جلدی واپس لاہور والے قبرستان میں پہنچ کر یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ نجم الدین ٹھیکیدار کو قبر کے عذاب سے نجات ملی ہے یا نہیں؟

ریلوے سٹیشن پر ایک گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد اسے لاہور جانے والی ٹرین ملی۔ وہ ٹرین میں سوار ہو رہا تھا کہ اسے ڈبے میں سے وہی ٹی ٹی نیچے اُترتا نظر آیا جس کو عنبر نے زمین سے پانچ فٹ اوپر اُٹھا لیا تھا۔ عنبر نے شرارت سے اس کی طرف دیکھ کر سلام کیا اور وہ ٹی ٹی اچھل کر ایک طرف ہٹا اور وہاں سے بھاگ گیا اور پھر گیٹ کے پاس جا کر ڈری ڈری نظروں سے عنبر کو تکنے لگا۔

عنبر ٹرین میں بیٹھ گیا۔ اس نے دور سے ٹی ٹی کو اپنا

ٹکٹ دکھایا اور مسکرا دیا۔ ٹرین لاہور کی طرف روانہ ہو گئی۔
دوپہر کے بعد کوئی پانچ بجے کے قریب عنبر لاہور پہنچ گیا
اس کے پاس کچھ پیسے بچے ہوئے تھے۔ وہ ماڈل ٹاؤن
جانے والی بس میں سوار ہو گیا اور قبرستان کے سٹاپ پر
اُتر گیا۔

قبرستان میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ عنبر کو نجم الدین ٹھیکیدار
کی قبر پہچاننے میں ذرا دقت نہ ہوئی۔ وہ قبر کے پاس
آکر سوچنے لگا کہ اب اسے کھود کر معلوم کرنا ہو گا کہ
مُردے کو عذاب سے نجات مل گئی ہے یا نہیں؟ ابھی وہ
یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے مردے کی آواز سنائی دی یہ آواز
بڑی صاف اور خوشی کی آواز تھی:

"میرے دوست عنبر! خدا تمہیں اس نیک کام کی
جزا دے گا۔ خدا نے میرے گناہ معاف کر دیئے
ہیں۔ اب تمہیں قبر کھودنے کی ضرورت نہیں۔ میرا
عذاب ختم ہو گیا ہے اور میں فرشتوں کے ساتھ
جنّت میں جا رہا ہوں۔ تمہارا شکریہ اب تم
واپس جا سکتے ہو۔"

عنبر نے کچھ کہنا چاہا تو نجم الدین کی پھر آواز آئی:
"دنیا سے میرا باتیں کرنے کا وقت ختم ہو گیا ہے

میں اب اس سے زیادہ تمہیں کچھ نہ بتا سکوں گا۔
اب تم واپس چلے جاؤ۔ خدا حافظ!"

اس کے بعد گہری خموشی چھا گئی۔ اور عنبر نے اپنی
روحانی آنکھوں سے دیکھا کہ نجم الدین کی قبر میں سے اس
کی رُوح بلند ہوئی۔ اس کے سارے جسم پر پھولوں کے
ہار تھے۔ فرشتے اس کے ساتھ ساتھ تھے اور وہ قبر سے
بلند ہو کر اوپر آسمان کی طرف جا رہی تھی۔ روح کے پھولوں
کی مہک قبرستان میں پھیل گئی تھی۔ روح کے چہرے پر
سکون اور مسرّت کا نُور تھا۔

عنبر نے خدا کا شکر ادا کیا اور قبر سے واپس آگیا۔ عنبر
کو ابھی تک ناگ یا ماریا کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔
کوئی واقعہ بھی ایسا پیش نہیں آیا تھا کہ جس کا تعلق ناگ
یا ماریا سے ہوتا۔ لیکن بہت جلد ایک واقعہ پیش آنے
والا تھا۔ عنبر قبرستان سے نکل کر لاہور کے مقبرہ جہانگیر
میں آگیا۔ اس کے پاس چونکہ پاکستانی کرنسی نہیں تھی
اور اسے ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس لیے اس نے یہی
مناسب سمجھا کہ کچھ وقت مقبرہ جہانگیر میں گذارا جائے
ہو سکتا ہے اس دوران میں ناگ اور ماریا کا کوئی سراغ
مل جائے۔

پیارے دوستو! آپ کو معلوم ہے کہ اسی زمانے یعنی ۱۹۸۳ء میں ناگ بھی لاہور شہر میں اچانک نمودار ہوا تھا اور یہاں اس کی ملاقات بس میں دسویں جماعت کے ایک طالب علم امجد سے ہوئی تھی جسے ناگ سے ملنے کا بہت شوق تھا کیوں کہ وہ عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی قسطیں بڑے شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ ناگ نے اپنا تعارف بس ہی میں امجد سے کرایا۔ وہ اسے گارڈن ٹاؤن والی اپنی کوٹھی میں لے گیا۔ جہاں اس کی بہن کو ایک سانپ آکر سونگھ جایا کرتا تھا جس کی وجہ سے وہ بہت بیمار تھی۔ ناگ نے اس کا علاج کیا اور سانپ سے اسے نجات دلائی۔ پھر ناگ نے جاتے جاتے اپنے لاہور کے دوست امجد کو نشانی کے طور پر سانپ کا ایک منکا دیا تھا کہ اگر کبھی اسے اس کی ضرورت پڑے تو اس منکے کو زمین پر گھسائے وہ اس کی مدد کرنے کے لیے آ جائے گا اور اگر کسی وجہ سے آ نہ سکا تو اس کی مدد کرنے کی ضرور کوشش کرے گا۔

پیارے دوستو! یہ لڑکا امجد گارڈن ٹاؤن کے ریلوے ٹھیکیدار شیخ کرامت علی کا بیٹا تھا اور وہیں اپنے ماں باپ اور بہن کے ساتھ گارڈن ٹاؤن کی کوٹھی میں رہتا تھا۔ ناگ کے جانے کے بعد امجد ناگ کو بہت یاد کیا کرتا تھا مگر

چونکہ ناگ نے کہا تھا کہ زبردست ضرورت کے بغیر وہ سانپ کے منکے کو استعمال نہ کرے اس لیے امجد نے منکے کو سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ اس کی امی اور ڈیڈی نے کئی بار اسے کہا بھی کہ منکے پر کہیں پھر کوئی سانپ نہ آ جائے اسے دریا میں پھینک آئے مگر وہ منکا ناگ کی دوستی کی نشانی تھی اس لیے امجد نے اسے اپنے سے الگ نہیں کیا تھا۔

امجد کی کوٹھی کے ساتھ والی کوٹھی میں ایک وکیل صاحب رہتے تھے جو بڑے تیز مزاج والے تھے اور نوکروں اور کوٹھی پر آنے والے فقیروں کو جھڑک دیا کرتے تھے۔ جس وقت عنبر مقبرہ جہانگیر میں تھا تو ان ہی دنوں ایک روز دوپہر کو وکیل صاحب اپنی کوٹھی میں داخل ہونے لگے تو دیکھا کہ کوٹھی کے گیٹ پر ایک سپیرا بین بجا رہا ہے۔ اس نے وکیل صاحب کو دیکھ کر کہا:

"بچے سلامت رہیں۔ کچھ فقیر کو بھی مل جائے میں پٹاری میں سے سانپوں کے بادشاہ کو نکال کر اس کا تماشہ دکھاتا ہوں۔"

وکیل نے سپیرے کو نہ صرف جھڑکا بلکہ اسے ٹھڈے مارتے ہوئے کہا:

"نکل جاؤ یہاں سے۔ تمہیں کوٹھی میں داخل ہونے
کی جرأت کیسے ہوئی۔ چلو۔ دفعہ ہو جاؤ۔ اُلّو کا پٹھا!"
یہ کہہ کر وکیل کوٹھی میں چلا گیا۔ سپیرے کو بے حد غصہ
آیا۔ اس نے اس بددماغ وکیل سے بدلہ لینے کا فیصلہ
کر لیا۔ یہ بڑا خطرناک بلکہ خونی فیصلہ تھا۔ سپیرے نے
دیکھا کہ کوٹھی کے لان میں گیٹ کے پاس ہی کرسی پر کسی
بچے کی نیکر سکھانے کے لیے ڈالی ہوئی ہے۔ سپیرے نے
بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر نیکر اٹھا کر جھولے میں ڈالی
اور وہاں سے غائب ہو گیا۔ اپنے ڈیرے پر پہنچ کر سپیرے
نے سانپوں کے بادشاہ کرونڈیئے سانپ کو پٹاری میں سے
نکالا اور اس کے آگے نیکر ڈال دی۔ سانپ نے نیکر کو
ڈس دیا۔ مگر کرونڈیئے سانپ کا زہر نکالا ہوا تھا۔ ابھی اس
کے منہ کی تھیلی میں زہر پیدا نہیں ہوا تھا۔ زہر پیدا
ہونے میں دو دن باقی تھے۔ ان دو دنوں میں سپیرے
نے کرونڈیئے سانپ کو نیکر بار بار سنگھائی۔ اور ہر بار
نیکر سنگھانے کے بعد وہ سانپ کے سر پر آہستہ سے
چھڑی مار دیتا۔ وہ سانپ کو نیکر کی بُو والے لڑکے
کے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ اس نیکر میں وکیل کے اکلوتے
دس سالہ بیٹے کے بدن کی بُو رچی ہوئی تھی۔ دو دن میں

کرونڈیئے سانپ نے نیکر والے لڑکے کے جسم کی بُو
سے بہت شناخت پیدا کر لی اور اسے اس بُو والے
لڑکے سے سخت دشمنی بھی پیدا ہو گئی۔ کیونکہ سانپ جب
نیکر میں سے اس لڑکے کی بُو سونگھتا تھا اسے چھڑی
سے مارا جاتا تھا۔ سانپ تو اس بو والے لڑکے کا جانی
دشمن ہو گیا۔ تیسرے روز سپیرے کو جب یقین ہو گیا کہ
سانپ اپنا خونی کام کرنے کے لیے بالکل تیار ہے تو
وہ رات کے وقت ڈیرے سے نکل کر اندھیرے میں
گارڈن ٹاؤن کی طرف روانہ ہو گیا۔

وکیل کی کوٹھی کے پاس پہنچ کر سپیرے نے ایک بار
پھر سانپ کو وکیل کے بیٹے کی نیکر سنگھائی اور کوٹھی
کی جھاڑیوں میں چھوڑ دیا۔ سانپ تیزی سے کوٹھی کی طرف
رینگنے لگا۔ سپیرا خود ذرا دور اندھیرے میں جا کر بیٹھ گیا
اور سانپ کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ کرونڈیا سانپ
جس کا رنگ بھورا سیاہی مائل تھا وکیل کی کوٹھی کے برآمدے
کے پاس جا کر رک گیا۔ وکیل کے بیٹے کی نیکر والی بُو
اس کوٹھی سے نہیں آ رہی تھی۔ اتفاق سے وکیل کا بیٹا
اس وقت ساتھ والی شیخ صاحب کی کوٹھی میں امجد کے
کمرے میں بیٹھا لڈو کھیل رہا تھا۔

سانپ نے زبان نکالتے ہوئے جب امجد کی کوٹھی کی طرف منہ کیا تو اسے اُدھر سے وکیل کے بیٹے کی تیز بُو آئی۔ وہ غصّے سے پاگل ہو کر امجد کی کوٹھی کی طرف لپکا۔ مگر جب امجد کے کمرے کی پچھلی کھڑکی کی طرف پہنچا تو اس پر لرزا طاری ہو گیا۔ وکیل کے بیٹے کی تیز بُو کے ساتھ ہی اسے عظیم ناگ دیوتا کے مقدس منکے کی تیز بُو بھی آ رہی تھی۔ یہ وہ منکا تھا جو ناگ نے جاتی دفعہ امجد کو نشانی کے طور پر دیا تھا اور جسے اس نے اپنی الماری کے تہہ خانے میں سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ کرونڈیا سانپ پچھاڑ کھا کر پیچھے کو گرا اور تیزی سے نکل کر واپس وکیل کی کوٹھی کے باغ کی جھاڑیوں میں آ کر چھپ گیا۔

اگر وکیل کا بیٹا کچھ دیر اور امجد کے پاس بیٹھا رہتا تو ہو سکتا تھا کہ کرونڈیا سانپ ڈر کے مارے واپس چلا جاتا۔ مگر جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ سانپ کو امجد کی کوٹھی سے بھاگے دس منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ وکیل کے بیٹے نے کہا:

"بس یار امجد! مجھے تو نیند آ رہی ہے۔ صبح سکول بھی جانا ہے۔"

اور وہ امجد کو سلام کر کے واپس اپنی کوٹھی کی طرف

چلا۔ کوٹھی کی پچھلی دیوار سے ایک راستہ وکیل کی کوٹھی کی پچھلی دیوار والے چھوٹے دروازے کو جاتا تھا۔ وکیل کا بیٹا ادھر کو گیا تھا۔ جھاڑیوں میں چھپے ہوئے سانپ نے اچانک وکیل کے بیٹے کی بُو سونگھی وہ جلدی جلدی اپنی زبان باہر نکالنے لگا۔ اصل میں وہ بُو سونگھ رہا تھا۔ اب صرف وکیل کے بیٹے کی بُو آ رہی تھی۔ عظیم ناگ دیوتا کے منکے کی بُو اس کے ساتھ نہیں تھی۔

سانپ بُو کی طرف لپکا۔ وہ اتنی تیزی سے رینگتا ہوا گھاس کے لان پر سے گذرتا کوٹھی کے پچھلے صحن میں پہنچا کہ ابھی وکیل کا بیٹا کوٹھی کے پچھلے برآمدے کی پہلی سیڑھی پر ہی پہنچا تھا کہ کرونڈیے سانپ نے اچھل کر اس کی پنڈلی پر ڈس دیا اور زور سے پھنکار مار کر وہاں سے غائب ہو گیا۔ وکیل کے بیٹے نے پنڈلی پر سانپ کے دانتوں کی درد محسوس کی اور جب سانپ کو گھاس میں غائب ہوتے دیکھا تو چیخ مار کر گر پڑا۔ اس کی چیخ کی آواز سن کر گھر کے سارے لوگ ادھر کو بھاگے۔ وہاں ایک کہرام مچ گیا کہ بچے کو سانپ نے کاٹ لیا ہے۔

اس وقت کرونڈیا سانپ واپس سپیرے کے پاس پہنچ گیا تھا جس نے اسے پٹاری میں بند کیا اور اپنے ڈیرے کی

طرف روانہ ہو گیا۔ وکیل کی کوٹھی میں شور اور چیخ و پکار
کی آوازیں سن کر سپیرے کو اطمینان ہو گیا تھا کہ سانپ نے
لڑکے کو ڈس لیا ہے۔

شور کی آواز سن کر امجد بھی کمرے سے باہر آ گیا۔ اسے
جب معلوم ہوا کہ اس کے دوست کو سانپ نے کاٹ
لیا ہے تو اچانک اسے ناگ کے دیئے ہوئے منکے کا خیال
آ گیا۔ وہ بھاگ کر واپس کمرے میں گیا اور الماری میں
رکھے صندوقچے میں سے منکہ نکال کر سیدھا اپنے دوست کے
کمرے میں پہنچا۔ وکیل کا بیٹا بے سدھ پڑا تھا اور لوگ اس
کی پنڈلی پر رسیاں باندھ رہے تھے۔ وکیل اور اس کی بیوی
کا غم کے مارے بُرا حال تھا۔

"خدا کے لیے اسے جلدی ہسپتال لے چلو۔"

امجد نے کہا:

"میرے پاس سانپ کا زہر چوسنے والا منکہ ہے۔"

"خاموش رہو تم۔" امجد کے باپ نے اسے ڈانٹا۔

وکیل کے بیٹے کو فوراً کار میں ڈال کر سروسز ہسپتال
پہنچایا گیا۔ امجد بھی اس کے ساتھ گیا۔ ڈاکٹروں نے وکیل
کے بیٹے کو ٹیکے لگائے مگر کرونڈیئے سانپ کا زہر اپنا
کافی اثر دکھا چکا تھا۔ ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ خدا سے

دعا کریں۔ لڑکے کے بچنے کی کوئی امید دکھائی نہیں دیتی۔
آپ اسے دیر کر کے لائے ہیں۔ ہسپتال میں وکیل کے
گھر والوں نے رونا شروع کر دیا۔

امجد نے کہا:

"خالہ جان میں منکے سے اس کا علاج کروں گا۔"

ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔

انہوں نے کہا:

"خدا کے لیے اگر کچھ کر سکتے ہو تو کر کے دیکھو۔"

امجد نے منکہ نکال کر اپنے دوست کی پنڈلی پر اس
جگہ رکھ دیا جہاں کرونڈیئے سانپ نے کاٹا تھا۔ آخر یہ
کوئی معمولی منکہ نہیں تھا۔ عظیم ناگ دیوتا کا منکہ تھا۔ جونہی
امجد نے منکے کو سانپ کے کاٹے ہوئے زخم پر رکھا، منکہ
ایک بار لرز اٹھا۔ پھر اس کا سبز رنگ سرخ رنگ میں
بدلنے لگا۔ وہاں کھڑے ڈاکٹر اور نرسیں بھی دلچسپی سے
اس تماشے کو دیکھنے لگے۔ انہیں تو یقین ہو چکا تھا کہ لڑکا
زندہ نہیں بچے گا۔

اب ایک نئی بات ہوئی۔ منکے نے ایک منٹ کے
اندر اندر امجد کے دوست کے جسم کا سارا زہر چوس لیا
اور سرخ ہو گیا۔ وہ بجلی کے ننھے سے بلب کی طرح چمک

رہا تھا۔ امجد کے دوست نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے
ماں باپ خوشی سے نہال ہو کر اپنے بیٹے کی بلائیں لینے
لگے۔ امجد نے منکہ اٹھا کر جیب میں رکھنا چاہا تو وہ
اسے اٹھا نہ سکا۔ منکہ زخم کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔

امجد نے وکیل اور اپنے دوست سے کہا:

"ابھی بستر سے اٹھنا نہیں۔ ذرا انتظار کرو۔"

ادھر کرونڈیا سانپ سپیرے کی پٹاری میں لیٹا ہوا تھا
کہ اچانک اس کے جسم پر ناگ دیوتا کی خفیہ شعاعوں
کا اثر ہونے لگا۔ وہ تڑپ کر پٹاری سے باہر نکل آیا۔
اس پر جیسے دیوانگی کا دورہ پڑ چکا تھا۔ وہ بار بار زبان
باہر نکال رہا تھا اور پھنکاریں مار رہا تھا۔

سپیرے نے سانپ کو گردن سے پکڑنے کی کوشش کی
تو سانپ نے شوکر ماری اور اچھل کر سپیرے کی گردن پر
ڈس دیا۔ سپیرا حیران سا ہو کر سانپ کی طرف دیکھنے
لگا جو اس کے اردگرد دیوانوں کی طرح گھوم رہا تھا اور
بار بار اس کی پنڈلیوں پر ڈس رہا تھا۔ سپیرے کے اندر
اتنی جان بھی نہ رہی کہ وہ کسی کو مدد کے لیے آواز دے
سکے۔ وہ دھڑام سے گرا اور ایڑیاں رگڑنے لگا۔ اس کا
رنگ سیاہ پڑ چکا تھا۔ سانپ ڈیرے سے نکل کر ایک

طرف بھاگ اٹھا۔ ادھر ہسپتال میں امجد منکے کی طرف
دیکھ رہا تھا جو سرخ ہو چکا تھا اور آہستہ آہستہ لرز رہا
تھا۔ کہ ایک دم سے سانپ کی شوکر کی آواز سنائی دی۔
سب نے اس طرف دیکھا۔ اس طرف وہی سیاہ کرونڈیا
سانپ نظر آیا جس نے امجد کو کاٹا تھا اور اب سپیرے
کو اس کے ظلم کی سزا دے کر ہسپتال کے فرش پر رینگتا
ہوا امجد کے منکے کی طرف آ رہا تھا۔ ڈاکٹر اور نرسیں
سانپ کو مارنے کے لیے دوڑیں تو امجد نے انہیں ایسا
کرنے سے منع کر کے پرے پرے ہٹ جانے کو کہا
اور خود بھی ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ سانپ امجد کے
بستر پر چڑھ گیا۔ اس نے سُرخ منکے کے آگے تین بار سر
جھکایا۔ پھر وکیل کے بیٹے کے ارد گرد تین چکر لگائے اور
منکے پر اپنا منہ رکھ کر زہر واپس چوسنا شروع کر دیا۔
دیکھتے دیکھتے سُرخ منکے کا رنگ بدلنے لگا۔ وہ سُرخ
سے سبز ہو گیا اور پھر اپنے آپ بستر پر گر پڑا۔ امجد
نے آگے بڑھ کر منکا اٹھا لیا۔ منکا گرم تھا۔ اس نے
منکا جیب میں رکھ لیا۔ سانپ بستر سے نیچے اُترا اور
ایسا غائب ہوا کہ کسی کو دوبارا دکھائی نہ دیا۔ امجد کا دوست
تندرست ہو کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے ماں باپ اور بہن بھائیوں

نے اپنے بیٹے اور امجد کو گلے لگا لیا۔

اس واقعے کا چرچا سارے شہر میں ہو گیا۔ دوسرے روز اخبار میں خبر چھپ گئی کہ سروسز ہسپتال میں سانپ کے کاٹے کا ایک لڑکا آیا۔ جس پر امجد نام کے ایک لڑکے نے سانپ کا ایسا جادوئی منکہ لگایا کہ سانپ نے آ کر نہ صرف سارا زہر چوس لیا بلکہ منکے کو چوما اور اسے تین بار سجدہ بھی کیا۔

عنبر مقبرہ جہاں گیر سے واپس شہر کو آ رہا تھا کہ اس نے اخبار میں یہ خبر پڑھی تو اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ اسے اچانک خیال آیا کہ یہ منکہ کوئی معمولی قسم کا منکہ نہیں ہو سکتا۔ یہ کوئی خاص منکہ ہے۔ ہو سکتا ہے جس لڑکے کے پاس یہ منکہ ہے اس سے ناگ کے بارے میں کوئی معلومات حاصل ہو سکیں۔ عنبر وہاں سے سیدھا سروسز ہسپتال پہنچا اور جس لڑکے کو سانپ نے کاٹا تھا اس کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ منکہ امجد کے پاس ہے جو ساتھ والی کوٹھی میں رہتا ہے۔ عنبر وہاں گیا اور امجد کے باپ سے یہ کہہ کر ملا کہ وہ ایک اخبار کا نامہ نگار ہے اور امجد کا انٹرویو لینا چاہتا ہے۔ اس کے باپ نے بتایا کہ امجد سکول گیا ہوا ہے۔

عنبر نے سکول کا پتہ پوچھا اور وہاں آ گیا۔

اس نے امجد کو باہر بلوا لیا۔ عنبر نے امجد کو سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا۔ اسے امجد میں کوئی خاص بات نظر نہ آئی اور وہ امجد سے باتیں کرنے لگا۔ اس نے امجد کو بتایا کہ وہ ایک اخبار کا نامہ نگار ہے اور اس کا انٹرویو لینا چاہتا ہے۔ امجد بڑا خوش ہوا اور بولا:

"میری تصویر بھی چھپے گی نا؟"

"ہاں۔ ضرور چھپے گی۔" عنبر نے کہا:

پھر عنبر نے اس سے باتوں ہی باتوں میں پوچھا کہ یہ منکہ اسے کہاں سے ملا تھا۔

امجد نے کہا:

"مجھے افسوس ہے کہ یہ میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔"

عنبر نے کہا:

"کیا تمھیں اس شخص نے منع کیا ہے جس نے تمھیں یہ منکہ دیا تھا؟"

امجد نے کہا:

"میں یہ بھی آپ کو نہیں بتا سکتا۔"

عنبر سمجھ گیا کہ بات کچھ زیادہ ہی پُراسرار ہوتی جا رہی ہے اور دال میں ضرور کچھ کالا کالا ہے۔ اس نے

کسی دوسرے طریقے سے امجد سے بات اگلوانے کی کوشش
کی ۔ وہ اس سے اخباروں اور کتابوں کی باتیں کرنے لگا:
"تم سکول ٹائم کے علاوہ کون کتابیں شوق سے
پڑھتے ہو؟"
امجد نے کہا:
"مجھے عنبر ناگ ماریا کی واپسی بہت پسند ہے۔ میں
اس کی قسطیں پڑھتا ہوں۔"
عنبر اب پوری بات سمجھ گیا تھا۔ اس نے امجد سے کہا:
"مجھے تو یہ قسطیں ذرا بھی پسند نہیں ہیں۔"
امجد بولا:
"کیوں؟ یہ تو بڑی دلچسپ ہوتی ہیں۔ بڑے پُراسرار
اور سنسنی خیز واقعات لکھے ہوتے ہیں ان میں۔"
عنبر کہنے لگا۔
"ارے یار یہ سب جھوٹ ہوتا ہے۔ بھلا کوئی ایسا
آدمی بھی دنیا میں ہو سکتا ہے جو سانپ ہو اور
انسان بن جائے اور کبھی پرندہ بن جائے۔"
امجد کے منہ سے نکل گیا۔
"کیوں نہیں ہو سکتا۔ میں تو ایسے آدمی سے مل
چکا ہوں۔"

عنبر نے ایک اور داؤ کھیلا:
"میں نہیں مانتا۔ تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔"
امجد بولا:
"میں سچ کہہ رہا ہوں انکل! میں ناگ سے مل چکا
ہوں۔ خدا کی قسم مل چکا ہوں۔"
عنبر نے جھٹ کہا:
"کیا اسی نے تمہیں منکہ دیا تھا؟"
"ہاں۔"
اتنا کہہ کر امجد کو اچانک احساس ہوا کہ یہ اس نے کیا
کہہ دیا ہے۔ اسے تو اس بات کو راز میں رکھنے کے لیے
کہا گیا تھا۔ عنبر نے اسے زیادہ سوچنے کی مہلت ہی نہ دی
اور کہا:
"کیا تم مجھے وہ منکہ دکھا سکتے ہو؟"
"ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔" امجد نے انکار کر دیا۔
عنبر نے کہا:
"کیا تم مجھے یہ بھی نہیں بتاؤ گے کہ ناگ تمہیں کہاں
ملا تھا اور اب وہ کہاں ہوگا؟"
"مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں جا رہا ہوں۔"
یہ کہہ کر امجد سکول کے کمرے کی طرف جانے لگا تو عنبر

لے نے کہا:

"کیا تم عنبر کو بھی نہیں بتاؤ گے؟"

امجد ایک دم سے رک گیا اور پلٹ کر عنبر کو دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے اس کے قریب آ کر بولا:

"کیا تم ۔ کیا تم سچ مچ عنبر ہو؟"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا:

"ہاں ۔ میں ناگ ماریا کا دوست عنبر ہوں جس کے بارے میں تم قسطیں پڑھا کرتے ہو اور جو پانچ ہزار برس سے واپسی کے سفر پر روانہ ہے۔"

امجد نے غور سے عنبر کا جائزہ لیا اور کہا:

"عنبر مر نہیں سکتا۔ اس کے جسم پر گولی اثر نہیں کرتی۔ کیا آپ بھی ایسا کر سکتے ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"ہاں میں ایسا کر سکتا ہوں۔"

امجد بولا:

"پہلے اس کا ثبوت دیں۔ پھر میں آپ کو بتا دوں گا کہ یہ منکا مجھے ناگ نے کہاں دیا تھا۔"

عنبر نے کہا:

"میرے ساتھ آؤ۔"

عنبر امجد کو ساتھ لے کر سکول کے پچھواڑے آ گیا۔ یہاں ایک درخت کی اوٹ میں کھڑے ہو کر عنبر نے جیب سے ایک چاقو نکال کر کھولا اور اسے امجد کو دے کر کہا:

"اسے میری گردن پر زور سے مارو۔"

امجد ہچکچانے لگا:

"نہیں نہیں ۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر تمہیں میرے عنبر ہونے کا ثبوت کیسے ملے گا؟"

امجد راضی نہیں ہو رہا تھا مگر عنبر نے آخر اسے راضی کر لیا۔ پہلے تو امجد نے چاقو کی نوک آہستہ سے عنبر کی گردن میں چبھونی چاہی۔ چاقو کی نوک گردن کے اندر نہ گئی۔

"زور سے چاقو مارو امجد۔"

امجد عنبر کی گردن پر آہستہ آہستہ چاقو رگڑنے لگا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی پتھر پر چاقو رگڑ رہا تھا۔

"بیٹے زور سے چاقو کا وار کرو۔"

امجد نے ذرا زور سے چاقو عنبر کی گردن پر مارا تو چاقو کا پھل ٹوٹ گیا مگر عنبر کی گردن پر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔ وہ حیران رہ گیا۔ بالکل ایسے ہی ہوا تھا جیسے اس نے عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی قسطوں میں پڑھا تھا۔ اس نے حیرانی سے عنبر کی طرف دیکھا اور بولا:

"مجھے یقین ہے انکل! آپ ہی عنبر ہیں. آپ سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے."

عنبر نے امجد کے سر پر پیار کیا اور کہا. اب مجھے بتاؤ کہ ناگ تمہیں کہاں ملا تھا اور یہ منکا اس نے تمہیں کہاں دیا تھا

امجد نے ساری بات عنبر کو بیان کر دی اور کہا:

"انکل آپ شام کو میرے گھر آئیں۔ میں آپ کو منکا دکھاؤں گا"

عنبر نے شام کو امجد کی کوٹھی پر آنے کا وعدہ کیا اور چلا گیا۔ امجد عنبر کو جاتے دیر تک دیکھتا رہا. اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ پہلے وہ ناگ سے ملا تھا. اب عنبر اسے مل گیا تھا. اس نے سوچا کہ ایک روز وہ ماریا سے بھی ضرور ملے گا.

O

ناگ کے منکے کا کرشمہ

شام کو عنبر امجد کی کوٹھی پر آگیا۔

امجد نے اپنے والد سے عنبر کا یہ کہہ کر تعارف کرایا کہ یہ ناگ کے دوست ہیں جنہوں نے امجد کی بہن کو سانپ سے بچایا تھا۔ امجد کے والد نے عنبر کی بہت آؤ بھگت کی اور اسے عزت سے بٹھایا۔ امجد کی امی اور بہن بھی وہاں آگئی وہ اب بالکل تندرست ہو چکی ہے۔ امجد کے والد نے عنبر سے پوچھا۔

"آپ کیا کام کرتے ہیں؟"

عنبر مسکرا کر امجد کا منہ تکنے لگا۔ امجد نے کہا

"ڈیڈی! یہ عنبر ہیں۔ جو پانچ ہزار سال سے زندہ ہیں اور اب واپسی کا سفر طے کر رہے ہیں۔

"پانچ ہزار سال سے زندہ ہیں؟" امجد کے والد نے تعجب سے پوچھا۔ امجد کی امی اور بہن بھی عنبر کو حیرت سے تکنے لگیں۔

"ہاں ڈیڈی۔!"

"تو گویا ان کی عمر پانچ ہزار سال ہے۔" امجد کی امی نے پوچھا۔

"ہاں امی جان! آپ نے عنبر ناگ ماریا کی ایک دو قسطیں پڑھی ہیں نا۔"

"ہاں پڑھی ہیں بیٹا۔"

"تو پھر آپ کو یقین ہو جانا چاہیئے کہ یہی عنبر ہیں جو مر نہیں سکتے۔"

امجد کی والدہ اور ڈیڈی ہنسنے لگے۔

"بیٹا مذاق نہ کرو۔ بھلا کوئی شخص اس دنیا میں ایسا بھی ہے۔ جو پانچ ہزار سال سے زندہ ہو اور جس کو موت نہ آ سکے۔ یہ ناول لکھنے والے اوٹ پٹانگ باتیں لکھا کرتے ہیں۔"

اب عنبر نے بڑے نرم لہجے میں کہا:

"جناب امجد ٹھیک کہتا ہے اور عنبر ناگ ماریا کی قسطیں لکھنے والا بھی جھوٹ موٹ نہیں لکھ رہا۔ وہ

ہمارے پانچ ہزار سالہ سفر کے درست واقعات لکھ رہا ہے۔ میں ہی وہ عنبر ہوں جس کو خدا کے حکم سے ابھی موت نہیں آ سکتی۔

امجد کے ڈیڈی نے کہا۔" یعنی اگر آپ کی گردن کے اوپر سے ریل کار کا پہیہ گزر جائے تو آپ پھر بھی زندہ رہیں گے کیا؟"

عنبر نے کہا۔" جی ہاں! آپ مجھے آزما کر دیکھ سکتے ہیں۔"

امجد کی امی بولیں۔" اے بیٹا خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔ تم لوگ یہ کیسی باتیں لے بیٹھے ہو۔ تم اپنے انکل کو چائے بنا کر دو ناں۔"

اور پھر امجد کی امی اس کے ڈیڈی اور بہن کو لے کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے خیال میں عنبر کے دماغ کا کوئی پیچ ڈھیلا ہو گیا ہوا تھا۔ اس کے جانے کے بعد امجد نے عنبر سے کہا۔

"انکل عنبر مجھے معاف کر دینا۔ میری امی اور ڈیڈی کی باتوں کا آپ نے ضرور برا مانا ہو گا۔"

عنبر بولا۔" ارے نہیں بیٹا یہ دنیا والے بھلا ہمیں کہاں سمجھ سکتے ہیں۔ اچھا اب تم مجھے ناگ کا دیا ہوا

منکا دکھاؤ۔

امجد اندر چلا گیا اور الماری میں سے منکا نکال کر لے آیا۔ عنبر نے منکے کو ہتھیلی پر رکھ کر غور سے دیکھا۔ اس میں سے اسے ناگ کی بو آ رہی تھی۔ جب امجد نے عنبر کو بتایا کہ ناگ نے کہا تھا کہ اگر کبھی اسے اس کو بلانے کی ضرورت پڑے تو منکے کو ہتھیلی پر گھس دینا تو عنبر نے کہا "میں ناگ کو بلانا چاہتا ہوں۔"

امجد بولا "مگر انکل! ناگ نے کہا تھا کہ اسے صرف اشد ضرورت کے وقت ہی بلایا جانا چاہئے۔"

عنبر کہنے لگا "مجھے اس وقت ناگ کی اشد ضرورت ہے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ ناگ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔"

اور عنبر نے منکے کو اپنی ہتھیلی پر زور سے رگڑا۔ اس وقت ناگ سیاہ پوش پر اسرار عورت کی ہدایت پر صندوق میں بند دریائے فرات میں بہا جا رہا تھا۔ وہ اپنی مرضی کے خلاف سانپ بن چکا تھا اور اس کی ساری طاقت صندوق میں پھیلے ہوئے دھوئیں نے ختم کر دی تھی۔ اب وہ تین فٹ لمبا ایک عام سانپ تھا جو اپنی مرضی

کے مطابق کوئی بھی دوسری شکل اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اس کی یادداشت گم نہیں ہوئی تھی اسے اتنا پتہ تھا کہ وہ ناگ ہے اور اس کی طاقت پر اسرار سیاہ پوش عورت کی سازش کی وجہ سے عارضی طور پر ختم ہو کر رہ گئی ہے۔

جونہی عنبر نے امجد کو دیئے ہوئے اس کے منکے کو ہتھیلی پر گھسا اس کو پتہ چل گیا۔ اس کے جسم میں دو تین بار اپنے آپ حرکت پیدا ہوئی مگر اس کے سوا اور کچھ نہ کر سکا اگر اس کی طاقت ختم نہ ہوئی ہوتی تو وہیں سے اپنی جون بدل کر کسی نہ کسی طرح ڈھائی ہزار برس واپس ۱۹۸۳ء کے زمانے میں امجد کے پاس پہنچ جاتا۔ مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ سانپوں کے مہاراج سانپ کو بھی حکم نہیں دے سکتا تھا کہ وہ لاہور جا کر امجد کی مدد کرے کیونکہ اس نے ناگ کو مدد کے لئے بلایا تھا ناگ بے بسی کی حالت میں سانپ بنا بند صندوق میں پڑا رہا۔ اسے اپنی حالت پر رونا بھی آ رہا تھا اور غصہ بھی آ رہا تھا مگر وہ بے بس تھا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اب تو وہ نہ ناگ تھا اور نہ ناگ دیوتا تھا بلکہ ایک عام کالا سانپ تھا جسے کوئی بھی سپیرا بین بجا کر پکڑ کر لے جا سکتا تھا۔

عنبر نے تین چار بار ہتھیلی پر منکا رگڑا۔ مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

امجد بھی حیران تھا کہ ناگ ظاہر کیوں نہیں ہو رہا۔ اس نے کہا
تھا کہ منکہ رگڑو گے تو میں فوراً تمہاری مدد کو پہنچ جاؤں گا
عنبر کسی گہری سوچ میں تھا۔ اس کے ذہن میں بار بار
یہی خیال آ رہا تھا کہ ناگ ضرور کسی بھیانک مصیبت میں پھنس
چکا ہے جس کی وجہ سے اس کی طاقت اس سے چھین
لی گئی ہے اس نے یہ بات امجد کو بتانی مناسب نہ سمجھی
امجد کہنے لگا۔

" انکل کیا بات ہے ناگ کیوں نہیں آ رہا؟
عنبر نے کہا۔" کوئی مشکل ہو گی آنے میں۔ میرا خیال ہے
ناگ کسی بہت دور کے زمانے میں نکل گیا ہے۔

پھر عنبر نے منکے کو ہاتھ میں لے کر الٹ پلٹ کر غور
سے دیکھا۔ منکے میں اسے ایک سوراخ نظر آیا۔ عنبر نے
یونہی اس سوراخ کے ساتھ اپنی آنکھ لگائی تو ایک عجیب
منظر نظر آیا۔ اس نے ایک دریا دیکھا جس کی لہروں پر ایک
صندوق بہا چلا جا رہا تھا۔ امجد نے پوچھا۔

" انکل! سوراخ میں کچھ نظر آتا ہے؟
عنبر نے منکہ امجد کو دے کر کہا۔
" دیکھو اس میں ایک دریا نظر آ رہا ہے۔
" جس کی لہروں پر ایک صندوق بہا جا رہا ہے۔"

امجد نے منکہ آنکھ کے ساتھ لگایا تو سوراخ میں سے اسے
بھی دریا پر بہتا ہوا صندوق دکھائی دیا۔ وہ حیران ہو کر
بولا۔

" اس صندوق میں کیا ہے؟
عنبر بولا۔"یہی ایک راز ہے جس کو حل کرنا ہے۔"
لیکن دل میں عنبر سمجھ گیا تھا کہ ناگ ضرور اس صندوق میں
بند ہے اور اسے کسی خفیہ اور زبردست طاقت سے اتنا
بے بس کر دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کسی شیر یا ہاتھی
کی شکل اختیار کر کے صندوق کو توڑ کر باہر نہیں نکل سکتا۔

" کیا انکل ناگ اس صندوق میں قید ہے؟"
امجد نے پوچھا۔
عنبر نے کہا۔
" کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔
پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔
" ناگ کسی ناگہانی مصیبت میں ہے۔ مجھے اس کی
مدد کے لئے اس کے پاس جانا ہو گا۔"
امجد بے اختیار بولا۔
" میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا انکل۔"
عنبر نے امجد کی طرف دیکھا اور کہا۔

"تم کیسے جا سکتے ہو امجد۔ یہ بڑی خطرناک بات ہوگی۔ ہو سکتا ہے تم پھر واپس نہ آ سکو۔"

امجد خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ایسی مایوسی تھی جیسے کہہ رہا ہو۔ کاش میں بھی عنبر ناگ ماریا کے ساتھ ان کے پانچ ہزار سالہ پراسرار سفر میں شریک ہو سکوں۔

عنبر نے منکے کو دیکھ کر کہا۔

"ناگ کا دیا ہوا یہ منکہ کام آ سکتا ہے۔"

عنبر نے ایک بار پھر منکہ آنکھ کے ساتھ لگا لیا اور اس کے سوراخ میں جھانکنے لگا۔ دریا کی لہروں پر صندوق اسی طرح بہا جا رہا تھا۔ عنبر کو اچانک ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے امجد سے کہا۔

"میں ایک تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے میں اس میں کامیاب ہو کر ناگ کے پاس پہنچ جاؤں۔"

"کونسا تجربہ انکل؟" امجد نے پوچھا۔

عنبر نے صوفے پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"مجھے کوٹھی کے پیچھے کسی ایسی جگہ لے چلو جہاں اور کوئی نہ ہو۔"

امجد نے عنبر کو ساتھ لیا اور کوٹھی کے پچھواڑے چھوٹے سے اجاڑ میدان میں آ گیا۔ شام کے سائے گہرے ہونے

کی وجہ سے یہاں خاموشی اور ویرانی تھی۔ اس جگہ بڑ کا ایک بڑا پرانا درخت اگا ہوا تھا جس کا تنا ہاتھی سے بھی زیادہ موٹا تھا۔ عنبر اندھیرے میں اس درخت کے تنے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر امجد کی طرف دیکھا۔ امجد اس سے تین قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔

عنبر نے کہا۔

"میں ایک آخری ترکیب پر عمل کرنے لگا ہوں۔ ہو سکتا ہے اس تنے میں ایک سوراخ نمودار ہو جائے۔ میں اس میں داخل ہو جاؤں گا۔ تم ہرگز اس میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ وعدہ کرو۔"

امجد نے بے دلی کے ساتھ آہستہ سے کہا۔

"وعدہ کرتا ہوں۔"

مگر اس کا دل نہیں مان رہا تھا۔ عنبر نے ناگ کا منکہ مٹھی میں لے اس پر ایک خفیہ طلسم پڑھ کر پھونکا اور زور سے درخت کے تنے پر دے مارا۔ ایک ہلکا سا دھماکہ ہوا۔ سفید دھواں بلند ہوا اور درخت کے تنے میں ایک چوڑا سوراخ بن گیا۔ عنبر نے مڑ کر امجد کی طرف دیکھا اور جلدی سے کہا۔

"گھر چلے جاؤ۔"

اور اتنا کہہ کر تیزی سے سوراخ کے اندر چھلانگ لگا دی

امجد نے دیکھا کہ عنبر درخت کے تنے میں جو سوراخ بنا ہوا تھا
اس کی دھند میں غائب ہو گیا۔ اس کے دل میں ایک زبردست
خواہش طوفان کی طرح اٹھی اور اس نے کچھ سوچے سمجھے
بغیر عنبر کے پیچھے پیچھے درخت کے سوراخ میں چھلانگ
لگا دی۔

عنبر تو دریائے فرات کے کنارے عین اس جگہ گرا جہاں
اس سے کچھ فاصلے پر دریا کی لہروں پر وہی صندوق بہا چلا
جا رہا تھا جو اس نے مٹکے کے سوراخ میں سے دیکھا تھا۔
لیکن امجد نے چونکہ وعدہ کر کے اسے توڑا تھا اور اپنے وعدے
کی پابندی نہیں کی تھی اس لئے وہ ایک ایسی جگہ گرا جہاں
چاروں طرف سرخ رنگ کی چٹانیں ہی چٹانیں تھیں اور ان
چٹانوں کے درمیان سے ایک کچا راستہ دور درختوں کی طرف
جا رہا تھا۔ آسمان پر کالے رنگ کے بادل چھائے ہوئے
تھے دن کا وقت تھا۔ امجد بے حد گھبرا گیا کہ خدا جانے وہ
کہاں کس جگہ اور کس زمانے میں نکل آیا ہے۔ عنبر ناگ ماریا
کی واپسی کی قسطوں میں اس نے اس طرح کے بہت سے
واقعات پڑھے تھے کہ وہ لوگ اچانک کسی انوکھی دنیا میں نکل
آتے ہیں۔ اب وہ عنبر ماریا کی طرح خود بھی ایک انوکھی
دنیا میں نکل آیا تھا یہ سوچ کر وہ پریشان ہو گیا کہ ہو سکتا ہے
اب وہ کبھی واپس لاہور گارڈن ٹاؤن اپنے پیارے ڈیڈی
امی اور بہن کے پاس کبھی واپس نہ جا سکے وہ پچھتانے
لگا کہ اس نے عنبر کے کہنے پر عمل کیوں نہ کیا اور اپنا وعدہ
کیوں توڑا۔ اس نے بشرٹ اور قمیض چپل پہن رکھی تھی اور ایک
اجنبی دنیا میں اکیلا رہ گیا تھا اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ
جس جگہ نمودار ہوا ہے وہ کونسا ملک ہے؟ اور کونسا شہر ہے!
اور کون سا زمانہ ہے اور کس قدر تاریخ میں پیچھے کے زمانے میں
نکل آیا ہے۔ ایک بار تو امجد کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور
اپنی امی ابو اور بہن کو یاد کر کے بے حد اداس اور پریشان ہو گیا
پھر اس نے حوصلہ کیا۔ ہمت سے کام لیا۔ دل کو مضبوط بنایا۔
خدا سے اپنی وعدہ خلافی کی معافی مانگی اور دعا کی کہ اے اللہ
میاں میری مدد فرمانا اور مجھے خیریت سے واپس اپنے امی
ڈیڈی کے پاس پہنچا دینا۔ اسے عنبر بھی اردگرد کہیں دکھائی
نہیں دے رہا تھا۔ عنبر وہاں ہوتا تو امجد کو کافی حوصلہ ہو جاتا
آخر اس نے خدا کا نام لیا اور اس کچے راستے پر چل پڑا جو
درختوں کی طرف جا رہا تھا۔ موسم خوشگوار تھا۔ نہ سردی تھی اور
نہ گرمی۔ امجد چلتا چلا گیا۔

عنبر کو کچھ معلوم نہ تھا کہ اس کے پیچھے امجد بھی چھلانگ لگا
چکا ہے، وہ اس صندوق کو دیکھ رہا تھا جو دریا کی لہروں پر

بہا چلا رہا تھا۔ عنبر نے دریا میں چھلانگ لگا دی اور تیرتا ہوا
صندوق کے پاس پہنچ گیا۔ صندوق کے اندر بے بسی کی
حالت میں سانپ کی شکل میں پڑے ہوئے ناگ نے عنبر
کی خوشبو کو محسوس کر لیا تھا۔ عنبر کی خوشبو سے صاف ظاہر تھا
کہ اس کے قریب آ رہا ہے مگر ناگ اس خیال سے بے حد
اداس تھا کہ اس پر جو کچھ گزر رہی ہے وہ عنبر کو نہیں بتا
سکے گا۔ بلکہ وہ تو عنبر کو یہ بھی نہیں بتا سکے گا کہ وہ ناگ ہی ہے
ہاں اگر عنبر کو ناگ کی خوشبو آ گئی تو ہو سکتا ہے اسے شک
پڑ جائے کہ شائد یہی ناگ ہے۔ مگر جب وہ یہ دیکھے گا کہ ناگ
اپنی شکل نہیں بدل سکتا اور انسانی شکل بھی اختیار نہیں کر سکتا
تو اسے ایک عام سانپ سمجھ کر چھوڑ دے گا اور واپس
چلا جائے گا۔

عنبر کی خوشبو قریب آ رہی تھی۔

عنبر صندوق کے پاس پہنچ گیا تھا اور اب اسے لہروں پر
کھینچتا ہوا واپس کنارے کی طرف لئے جا رہا تھا۔ کنارے
پر لے جا کر عنبر نے صندوق کا ڈھکنا کھولا تو اندر کالے رنگ
کا سانپ لیٹا ہوا تھا۔ عنبر سانپ کو غور سے دیکھنے لگا۔ سانپ
بھی عنبر کو غور سے دیکھ رہا تھا مگر اسے سانپوں کی زبان میں
بتا نہیں سکتا تھا کہ وہی ناگ ہے اور اس صندوق میں سے

اٹھنے والی سفید دھند نے اس کی ساری طاقت چھین لی ہے
عنبر کو سانپ کے جسم میں سے ناگ کی ہلکی ہلکی خوشبو آ رہی
تھی یہ خوشبو اتنی مدھم تھی کہ لگتا ہے یہ سانپ کبھی ناگ کے
قریب سے ہو کر گزرا تھا یا کسی زمانے میں اس خدمت کرتا
رہا تھا۔ عنبر نے سانپ کی آنکھوں کی طرف دیکھ کر سانپوں
کی زبان میں کہا۔

"ناگ۔"

ناگ نے عنبر کی آواز پوری طرح سن لی تھی مگر وہ اسی
زبان میں عنبر کو جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اسے یوں محسوس
ہو رہا تھا۔ جیسے کسی نے اس کی زبان بند کر دی ہے۔ وہ ایک
بے بس و مجبور قیدی پرندے کی طرح عنبر کو تک رہا تھا۔ عنبر
نے سانپ کی آنکھوں میں اس بے بسی کو صاف دیکھ لیا تھا
اسے لگ رہا تھا کہ سانپ کچھ کہنا چاہتا ہے مگر کہہ نہیں
سکتا وہ سوچنے لگا کہ اگر یہ ایک عام سانپ ہے تو پھر اس
کی زبان کس نے بند کر دی ہے۔ کسی کو کیا ضرورت پڑی
تھی کہ وہ کسی عام سانپ کی زبان بند کر کے اسے صندوق
میں ڈال کر دریا کی لہروں کے سپرد کر دیا۔ ثابت ہوا کہ یہ
کوئی خاص سانپ ہے۔ یعنی یقیناً ناگ ہے جس پر کسی نے
جادو کر دیا ہے اور اس کی طاقت جادو طلسم کے زور سے

ضائع کر دی ہے۔ عنبر نے کہا۔

" ناگ! کیا تم واقعی ناگ ہو؟

سانپ نے اپنا سر آگے پیچھے یوں ہلایا جیسے کہہ رہا ہو،
ہاں دوست میں ہی ناگ ہوں۔ خدا کا شکر ہے تم نے مجھے
پہچان لیا۔ ناگ کو اس بات سے بڑی تسلی اور خوشی ہوئی
تھی کہ عنبر نے اسے پہچان لیا تھا۔ عنبر نے جب دیکھا کہ
سانپ ہاں کے انداز میں آگے پیچھے سر ہلا رہا ہے تو جہاں
اسے اس بات سے بے حد خوشی ہوئی کہ وہ ناگ ہی ہے
وہاں اسے اس بات سے بے حد تکلیف ہوئی کہ یہ ناگ
کو کیا ہو گیا ہے اور اس کی یہ حالت کس نے بنائی ہے۔ عنبر
نہ اسے کچھ کہہ سکتا تھا اور نہ اس سے کچھ پوچھ سکتا تھا۔

عنبر کو یقین ہو گیا کہ سانپ ناگ ہی ہے مگر کسی کے جادو
کے اثر سے اپنی طاقت کھو چکا ہے عنبر نے وہیں درختوں
کی شاخوں کو کاٹ کر اس کی چھوٹی سی ٹوکری بنائی۔ اس میں
ناگ کو بند کر کے اوپر پتوں کا ڈھکنا دیا اور اٹھا کر دریا کے
کنارے کنارے روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ دس بارہ قدم ہی چلا
ہو گا کہ اس نے دیکھا کہ وہ صندوق جس میں ناگ بند تھا
اس کے ساتھ ساتھ لہروں پر بہتا چلا آ رہا ہے۔ عنبر کو یہ
بات عجیب سی لگی۔ وہ رک گیا۔ صندوق بھی لہروں پر اسی جگہ

ٹھہر گیا۔ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

عنبر نے درخت کی ایک شاخ سے صندوق کو اپنی طرف
کھینچا۔ صندوق کنارے پر آیا تو عنبر نے اسے کھول کر دیکھنا
چاہا کہ اندر کون سی چیز ہے۔ جس کی وجہ سے صندوق اپنے
آپ رک گیا تھا۔ جونہی اس نے صندوق کا ڈھکنا کھولا اس
کے اندر سے بجلی کی کڑک کے ساتھ ایک شعلہ باہر کو لپکا
جس نے عنبر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ عنبر نے اس ٹوکری
کو جس میں ناگ بند تھا اپنے بازوؤں میں چھپا لیا تاکہ اس پر
آگ کا اثر نہ ہو۔ کیونکہ ٹوکری کو آگ لگ سکتی تھی اور چونکہ ناگ
کی طاقت ختم ہو چکی تھی اس لئے وہ بھی آگ میں جل
سکتا تھا۔

اس کے ساتھ ہی عنبر ایک طرف کو بھاگا۔

وہ آگ کے شعلے سے باہر نکل گیا۔ اس پر تو آگ اثر
نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے ٹوکری کو دیکھا۔ اس کے بازوؤں میں
آجانے کی وجہ سے ٹوکری بھی آگ سے بچ گئی تھی۔ عنبر نے
خدا کا شکر ادا کیا۔ سکھ کا سانس لیا۔ پھر پلٹ کر اردگرد جو دیکھا تو نہ وہاں
دریا تھا اور نہ وہ درخت ہی تھے وہ ایک بہت بڑے مندر
کی دیوار کے پاس کھڑا تھا اور ٹوکری اس کے ہاتھ میں تھی
جس میں ناگ سانپ کی شکل میں بند تھا۔ مندر کی دیوار پتھر کے

بڑے بڑے چوکور ٹکڑے کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ عنبر ذرا آگے
بڑھا تو مندر کا دروازہ آگیا۔ وہاں دو آدمی تانبے کے خود
سر پر رکھے نیزے لئے پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے
عنبر کو دیکھا تو شور مچا دیا۔

"دیوتا مرروخ نے قربانی قبول کر لی۔ اس نے وہ
شخص بھیج دیا جس کو ہم نے قربان کرنا ہے۔ اسے
پکڑ لو۔"

شور کی آواز سن کر مندر سے کتنے ہی ہٹے کٹے پجاری
اور سپاہی نیزے اور تلواریں لئے باہر نکلے اور انہوں نے
عنبر کو گھیرے میں لے لیا۔ عنبر کو اپنی کوئی پرواہ نہیں تھی
اسے صرف ناگ کی فکر تھی۔ کیونکہ اسے نقصان پہنچ سکتا تھا
اور وہ اپنا بچاؤ نہیں کر سکتا تھا۔ پہلے اس نے سوچا کہ سانپ
کو چھوڑ دے۔ پھر خیال آیا کہ یہ لوگ سانپ کے ٹکڑے کر دیں
گے۔ اس نے ٹوکری بغل میں دبا لی اور پوچھا۔

"بھائیو! تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"

ایک موٹی توند والے پجاری نے کہا۔

"ہم تمہیں دیوتا مرروخ پر قربان کریں گے۔ تم خوش
قسمت ہو۔ دیوتا نے تمہیں اپنی قربانی کے لئے خود
چن کر یہاں بھیجا ہے۔"

عنبر نے کہا۔

"تم سے بھول ہوئی ہے میں وہ آدمی نہیں ہوں
جسے دیوتا مرروخ نے یہاں بھیجا ہے۔"

پجاری بولا۔

"دیوتا مرروخ کبھی غلطی نہیں کر سکتا۔ کل رات دیوتا
نے مجھے خود خواب میں آ کر کہا ہے کہ صبح جو آدمی
ہاتھ میں ٹوکری لئے مندر کے دروازے پر آئے گا
اسے مجھ پر قربان کر دینا۔"

عنبر نے کہا۔

"یہ محض ایک خواب ہے۔ اس میں سچائی نہیں ہے۔"

پجاری نے کڑک کر کہا۔

"تم کون ہوتے ہو میرے خواب کو جھٹلانے والے؟
یہ ٹوکری مجھے دے دو۔"

پجاری کی اس خواہش کے ساتھ ہی سب لوگ عنبر پر
ٹوٹ پڑے اور انہوں نے اس کے ہاتھ سے ٹوکری چھین
لی۔ ٹوکری فرش پر گر پڑی اور اس میں سے سانپ نکل کر تیزی
سے مندر کے اندر داخل ہو گیا۔ عنبر سانپ کے پیچھے بھاگا۔
بڑے پجاری نے جب دیکھا کہ عنبر سانپ کو ہر حالت میں
بچانا چاہتا ہے اور اس نے ایک خفیہ منتر پڑھ کر جدھر سانپ

گیا تھا پھونکا۔ اس منتر کے اثر سے سانپ ایک پنجرے
میں بند ہو کر مندر کی چھت کے ساتھ لٹکنے لگا۔ پجاری نے
ہاتھ اٹھا کر گرج دار آواز میں کہا۔

"دیوتا مرروخ کے شکار غور سے سنو! اگر تم اپنے
سانپ کی جان بچانا چاہتے ہو تو جیسا ہم کہتے ہیں
ویسا ہی کرو۔ اگر تم نے ہمارے کہنے پر عمل نہ کیا تو
میں ایک ایسا منتر پھونکوں گا کہ یہ سانپ اس جالی دار
پنجرے میں جل کر راکھ ہو جائے گا۔"

یہ سن کر عنبر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑے
کا کھڑا رہ گیا۔ کیونکہ ناگ کی زندگی خطرے میں تھی۔ وہ ناگ کو
ہر حالت میں زندہ رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے پجاری کی طرف
دیکھ کر کہا۔

"میں اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کرتا ہوں۔"

عنبر کو بڑے پجاری کے حکم پر اسی وقت گرفتار کر کے
لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر مندر کی ایک تاریک پتھر کی
دیواروں والی کوٹھڑی میں بند کر کے باہر تالا لگا دیا۔ مندر
میں اعلان کر دیا گیا کہ قربانی آدھی رات کو دی جائے گی۔ مندر
میں مرروخ دیوتا کا بہت بڑا بت بنا ہوا تھا۔ جس کے نیچے
پتھر کا چبوترہ تھا۔ اس چبوترے پر قربان کئے جانے والے

انسان کو ڈال کر اسے ذبح کر دیا جاتا تھا۔ شام کو سارے
مندر میں چراغاں کیا گیا۔ گھی کے چراغ جلا دیئے گئے۔ قربانی
کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ طرح طرح کی اگربتیاں اور عنبر
سلگا دیئے گئے۔ مندر میں خوشبوئیں پھیل گئیں۔ عنبر کوٹھڑی میں
بیٹھا سوچ رہا تھا کہ وہ ناگ کو کس طرح پجاری کی نظروں سے
بچا کر وہاں سے نکال کر فرار ہو جائے۔ اگر پجاری نے منتر
پھونک دیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ناگ سچ مچ جل بھسم ہو جائے۔
کیونکہ ناگ مر سکتا ہے۔ جل کر بھسم بھی ہو سکتا تھا۔ عنبر کو اپنی کوئی
فکر نہیں تھی۔ کیونکہ اسے تو کوئی بھی ذبح نہیں کر سکتا تھا۔ عنبر کو
یہ بھی خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ ذبح نہ کیا جا سکے تو
بڑا پجاری غصے میں آ کر ناگ کو دیوتا پر قربان کر دے۔ عنبر کو طرح
طرح کے خیالات ستا رہے تھے۔ اگر وہ زنجیریں توڑ کر باہر
نکلتا ہے تو بڑا پجاری منتر پڑھ کر اس وقت چھت سے لٹکے
ہوئے جالی دار پنجرے میں بند ناگ کو جلا ڈالے گا۔ یہ بات
رہ رہ کر عنبر کو پریشان کر رہی تھی۔

ادھر ایسا ہوا کہ مندر میں جو طرح طرح کی خوشبوئیں سلگ رہی
تھیں ان میں کالے ہرن کی کستوری کی خوشبو بھی تھی جو عنبر کی
خوشبودار دھوئیں کے ساتھ مل کر جب اوپر اٹھتی ہوئی ناگ کے
جالی دار پنجرے میں پہنچی تو ناگ نے ایک جھرجھری سی لی۔ اسے

یوں لگا جیسے اسے ہوش آرہا ہے اور اس کی کھوئی ہوئی طاقت
واپس آرہی ہے۔ اس نے پنجرے کے اندر رینگنا شروع
کردیا۔ ناگ سانپ کی شکل میں لمبے لمبے سانس لے کر خوشبو کے
دھوئیں کو اپنے جسم میں داخل کرنے لگا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ ایک
منٹ کے بعد ناگ اپنے اندر پھر وہی طاقت محسوس کرنے
لگا۔ اس کا طلسم ٹوٹ چکا تھا۔ جادو ختم ہوچکا تھا۔ اس نے
ایک گہرا سانس اندر کو کھینچا اور دوسرے ہی لمحے دھاگے کی طرح
باریک سانپ بن کر پنجرے کی جالی سے نکل آیا اور مندر
کی چھت پر رینگتا ہوا دیوار پر آگیا۔ یہاں اسے خوشبوؤں میں
عنبر کی خوشبو صاف آرہی تھی اس نے پنجرے میں سے دیکھا
تھا کہ بڑا پجاری اور مندر کے دوسرے سپاہی اور پجاری عنبر
کو لے کر ایک کوٹھڑی کی طرف گئے تھے۔ ناگ باریک سیاہ
سانپ کی شکل میں عنبر کی خوشبو کے پیچھے پیچھے رینگتا اس کوٹھڑی
میں داخل ہوگیا۔ جس میں عنبر زنجیروں میں جکڑا پڑا تھا۔
عنبر نے ایک دم ناگ کی تیز خوشبو محسوس کی۔ اس نے
اپنے اردگرد دیکھا۔ وہاں ناگ سانپ کی شکل میں کہیں بھی
تھا۔ اچانک ناگ انسانی شکل میں عنبر کے سامنے آگیا۔ عنبر نے
اپنے سامنے کوٹھڑی میں اتنی مدت بعد ناگ کو دیکھا تو
خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے ناگ

…ر گلے لگالیا۔ پھر پوچھا،
"…تم پر تو جادو کر دیا تھا کہ کسی ظالم نے۔"
ناگ بولا۔
"ہاں عنبر بھیا! مگر اب وہ جادو خدا کے حکم سے ٹوٹ
چکا ہے۔ آؤ اب یہاں سے نکل چلیں۔ کیا ماریا کا
کچھ پتا ہے کہ وہ کہاں ہوگی۔"
عنبر نے کہا۔
"تمہارے علاوہ ماریا کی بھی کوئی خبر نہیں تھی۔ خدا
نے تمہیں ملا دیا ہے۔ اب ماریا کو بھی کہیں نہ کہیں
ڈھونڈ لیں گے۔ چلو یہاں سے چلتے ہیں۔"
عنبر نے ایک سیکنڈ میں زنجیریں توڑ کر پرے پھینک دیں
…پھر باریک سیاہ سانپ بن گیا۔ عنبر نے کوٹھڑی کے دروازے
…ھ کی ہتھیلی ماری اور دروازہ ٹوٹ کر دور جا گرا۔ مندر میں
…مچ گیا۔ سب عنبر کو پکڑنے کے لئے دوڑے۔ عنبر بڑے
…ن سے اپنی جگہ کھڑا ہوگیا۔ جس نے عنبر پر حملہ کیا وہ اپنی گردن
…کر ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ بڑے پجاری نے منتر پڑھ کر
…ناگ کے پنجرے پر پھونکا۔ ایک شعلہ بلند ہوا اور پنجرہ جلنے
…مگر ناگ تو وہاں تھا ہی نہیں۔ دوسری بار منتر پڑھ کر عنبر پر
…نکا۔ مگر عنبر پر کوئی اثر نہ ہوا۔ عنبر نے بڑے پجاری کو گردن

سے پکڑ کر اوپر اٹھایا اور مرروخ کے بت کی طرف اچھال دیا
پجاری بت کی ناک سے ٹکرا کر دھپ سے گرا اور اس کی
ہڈیاں چور چور ہو گئیں۔ یہ حال دیکھ کر سب لوگ وہاں سے
بھاگ گئے۔

ناگ نے انسانی شکل اختیار کی اور عنبر کے ساتھ مندر
سے باہر نکل آیا۔ عنبر نے ناگ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا اور ماریا
کی تلاش میں ایک طرف روانہ ہو گئے۔

گارڈن ٹاؤن لاہور کے دسویں جماعت کے طالبعلم
امجد پر کیا بیتی؟ وہ کس ملک میں نکل آیا تھا؟
ماریا قدیم بابل کی ملکہ کے روپ میں قتل ہونے
کے بعد کہاں گئی؟
عنبر ناگ اور ماریا۔ ان تینوں کی ملاقات کہاں ہوئی؟
یہ آپ اس سے اگلی قسط نمبر ۶۳ میں پڑھیں گے
جس کا عنوان "خالی تابوت، یاقوتی سانپ" ہے

موت کے تعاقب کی وال...

عنبر ناگ ماریا

۵ ہزار سالہ سفر کی پُراسرار اور سنسنی خیز داستان

مُصنّف: اے حمید

۱۔ لاش سے ملاقات -/۵
۲۔ جہاز ڈوب گیا -/۵
۳۔ مندر کی چڑیل -/۵
۴۔ پُراسرار غار کی مورتی -/۵
۵۔ ناگ لندن میں -/۵
۶۔ تابوت میں سانپ -/۵
۷۔ موت کا دریا -/۵
۸۔ سانپ کا انتقام -/۵
۹۔ سانپ کی آواز -/۵
۱۰۔ ناگ کا قتل -/۵
۱۱۔ شاہ بلوط کا خزانہ -/۵
۱۲۔ پتھر کا ہاتھ -/۵
۱۳۔ طوفانی سمندر کا بھوت -/۵
۱۴۔ ڈائنا سورس کا جزیرہ -/۵
۱۵۔ سیاہ پوش سایہ -/۵
۱۶۔ انسانی تِتلی -/۵
۱۷۔ سانپوں کا جنگل -/۵
۱۸۔ ماریا اور بن مانس -/۵
۱۹۔ قبر نما انسان -/۵
۲۰۔ لکشمی دیوی کا انتقام -/۵
۲۱۔ ناگ اور جادُوئی ترشول -/۵
۲۲۔ ناگ عنبر مقابلہ -/۵
۲۳۔ لاش کی چیخ -/۵
۲۴۔ آسیب کی رات -/۵
۲۵۔ ۹۹ سیڑھیوں کا راز (سلور جوبلی نمبر) -/۱۵
۲۶۔ عنبر پھانسی کی کوٹھڑی میں -/۵
۲۷۔ ماریا اور جادُوگر سانپ -/۵
۲۸۔ نقلی ناگ کی سازش -/۵
۲۹۔ بابل کی بد رُوحیں -/۴
۳۰۔ قبر کی دُلہن (خاص نمبر) ۷/۵۰
۳۱۔ آدھا گھوڑا آدھا انسان -/۵
۳۲۔ ناگ ناگن مقابلہ -/۶
۳۳۔ ایک آنکھ والی عورت -/۶
۳۴۔ مُردوں کی شہزادی -/۶
۳۵۔ سانپوں کا دربار -/۶
۳۶۔ قبر اور ڈھانچہ -/۶
۳۷۔ عقرب دیوتا کا پجاری -/۶
۳۸۔ کٹا ہُوا زندہ ہاتھ -/۶
۳۹۔ عنبر لاہور میں -/۶
۴۰۔ چڑیلوں کی ملکہ (خاص نمبر) -/۱۳
۴۱۔ مُردہ ہونٹ اور ماریا -/۸
۴۲۔ رات کا کالا کفن -/۶
۴۳۔ کھنڈر رات کی بد رُوحیں -/۶
۴۴۔ ممباطوش اور ناگ -/۶
۴۵۔ ماریا سونے کی مُورتی -/۶
۴۶۔ ناگ غائب ہوگیا ۷/۵۰
۴۷۔ خون کی آبشار ۷/۵۰
۴۸۔ شیشے کی آنکھ پتھر کا دل ۷/۵۰
۴۹۔ خونی لومڑی ۷/۵۰
۵۰۔ کھوپڑیوں کا محل (گولڈن جوبلی نمبر) -/۱۵
۵۱۔ ماریا بوتل میں بند ہوگئی ۷/۵۰
۵۲۔ خون کی پیاس ۷/۵۰
۵۳۔ ناگ اور سُپرمین
۵۴۔ پتھریلی آنکھ والا جاسوس
۵۵۔ ناگ اور ناگن رنگامتی
۵۶۔ چار پُراسرار سپیرے
۵۷۔ امبا دیوی کی مُورتی
۵۸۔ خفیہ منتر کی تلاش
۵۹۔ موت کا وعدہ
۶۰۔ اور قبر کُھل گئی
۶۱۔ شاہی لاش کا راز
۶۲۔ ماریا قتل ہوگئی
۶۳۔ خالی تابوت یاقوتی سانپ
۶۴۔ ماریا اور ممی کی لاش
۶۵۔ نیلی قبر کا خفیہ راستہ
۶۶۔ عنبر سانپ بن گیا

نیا مکتبہ اقراء، ۱۴/بی شاہ عالم مارکیٹ، لاہور

خالی تابوت
یاقوتی سانپ

اے حمید

۴۳

مکتبہ اقرا

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی

کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

خالی تابوت یاقوتی سانپ

اے حمید

قیمت -/۶ روپے

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں
بار اول ـــــ ۱۹۸۳ء
ناشر: مکتبہ اقرأ، حاجی شاہ مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

پیارے دوستو!

پچھلی قسط میں لاہور کے سٹوڈنٹ اور عنبر ناگ ماریا کے دوست امجد نے عنبر کے پیچھے پیچھے درخت کے تنے میں سانپ کا منکا مارنے سے جو دروازہ نمودار ہو گیا تھا اس میں چھلانگ لگا دی تھی۔ مگر بدقسمتی سے وہ عنبر سے بہت پیچھے رہ گیا اور آج سے تین ہزار برس پہلے کے ایک ویران علاقے میں جا نکلا۔ وہ حیران اور پریشان ہو گیا کہ ۱۹۸۳ء کی گارڈن ٹاؤن والی کوٹھی سے نکل کر یہ کہاں آ گیا ہے۔ ایک جگہ اسے کچھ لوگ مردے کو چارپائی پر ڈالے دکھائی دیتے ہیں۔ امجد وہاں جاتا ہے تو وہ خوشی سے رقص کرنے لگتے ہیں اور امجد کو پکڑ کر ہاتھ پیر باندھ ڈالتے ہیں اور اسے اپنے مردے کے ساتھ ہی قبر میں زندہ دفن کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس ملک کے اس قبیلے کا یہی رواج تھا کہ مرے ہوئے آدمی کی لاش لے کر بستی کے باہر بیٹھ جاتے تھے اور جب بھی کوئی مسافر وہاں آتا اسے پکڑ کر مردے کے ساتھ قبر میں دفن کر دیتے۔ جب قبر بند کر دی گئی تو امجد کا دم گھٹنے لگا۔ گھُپ اندھیرے میں خوف کے مارے اس کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ پھر کیا ہوا؟ یہ آپ خود پڑھتے گا۔

آپ کا دوست
اے حمید
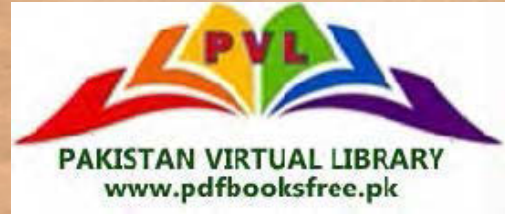
ترتیب

ٹھنڈی انگلیاں، نیلے ہونٹ

آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے کا زمانہ ہے۔

ناگ کو اپنی ساری طاقت واپس مل چکی ہے۔ عنبر نے اسے سیاہ پوش جادو گرنی کے طلسم سے آزاد کرا لیا ہے۔ دونوں مردوخ کے مندر سے نکل کر ماریا کی تلاش میں دریا کے ساتھ ساتھ چلے جا رہے ہیں۔

اُدھر اسی زمانے میں ماریا بھی بابل کی ملکہ کی حیثیت سے قتل ہونے کے بعد پھر سے ماریا بن گئی ہے اور وہ عنبر اور ناگ کی تلاش میں ایک جنگل میں سے گزر رہی ہے۔

تیسری طرف لاہور گارڈن ٹاؤن کے دسویں جماعت کے طالب علم امجد پر عجیب آفت آن پڑی ہے۔ عنبر نے جب لاہور میں ناگ کے دیئے ہوئے منکے کو درخت کے تنے پر زور سے مارا تھا تو وہاں ایک بڑا سوراخ بن گیا تھا۔ عنبر اس سوراخ میں داخل ہو گیا تھا۔ اس نے امجد کو منع کیا تھا کہ وہ اس میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرے مگر امجد کو

عنبر ناگ ماریا کی دنیا میں جانے کا بہت شوق تھا۔ اس نے
عنبر کی نصیحت کی پروا نہ کی اور سوراخ میں چھلانگ لگا
دی۔ وہ اکیلا ہی ایک ایسی جگہ نکل آیا۔ جہاں اس کے ارد گرد
سرخ رنگ کی چٹانیں کھڑی تھیں۔ آسمان پر بادل تھے اور ایک
کچا راستہ دُور درختوں کے جھنڈ کی طرف جا رہا تھا۔ امجد کو کچھ
خبر نہ تھی کہ وہ کس ملک میں نکل آیا ہے۔ وہ پریشان بھی
تھا کہ اپنی حماقت کی وجہ سے وہ اپنے ماں باپ اور
پیاری بہن سے جُدا ہو گیا ہے اور خدا جانے اب ان سے
کب ملاقات ہو گی۔ ملاقات ہو گی بھی یا نہیں۔ اس کے
ماں باپ اور بہن بھی پریشان ہوں گی۔ امجد کچھ دیر سرخ
چٹانوں کے پاس پریشان اور اداس ہو کر بیٹھا رہا۔ وہ
بے بس و مجبور تھا اور اپنی مرضی سے ۱۹۸۳ء کے لاہور
میں واپس نہیں جا سکتا تھا۔ اس کے پاس ناگ کا منکا بھی
نہیں تھا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ عنبر کہاں اور
کس ملک میں جا کر نکلا ہے۔ اسے ڈر بھی لگ رہا تھا
لیکن وہ ہمت کرنے اور حالات کا مردوں کی طرح مقابلہ
کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

پچھلی قسط میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ امجد کچھ دیر
سرخ چٹانوں کے درمیان اپنی حالت پر افسوس کرتا رہا کہ

اس نے ناحق عنبر کے پیچھے سوراخ میں چھلانگ لگا کر
اپنے آپ کو مشکل میں ڈالا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ اس نے
اپنے آپ کو سنبھالا اور فیصلہ کیا کہ وہ ناگ یا عنبر کو
کہیں نہ کہیں تلاش کر کے ان سے کہے گا کہ خدا کے لئے
مجھے واپس میرے گارڈن ٹاؤن والے گھر پہنچا دو۔

یہ سوچ کر امجد اٹھا اور اس نے درختوں کے
اس جھنڈ کی طرف چلنا شروع کر دیا جو دُور سے نظر
آ رہا تھا۔ موسم خوشگوار تھا۔ سورج بادلوں کے پیچھے چھپا
ہوا تھا۔ مگر اندازہ یہی تھا کہ دن کے بارہ یا ایک بجا
ہے۔

امجد نے زمین کو دیکھا۔ مٹی کا رنگ زردی مائل تھا
اور اس میں چھوٹے چھوٹے سنگریزے ملے ہوئے تھے۔
امجد اسی لباس میں تھا جس لباس میں اس نے اپنے
گارڈن ٹاؤن لاہور والے بڑ کے درخت کے تنے کے
سوراخ میں چھلانگ لگائی تھی۔ یعنی پتلون اور بشرٹ اور
پاؤں میں بُوٹ۔ یہ بُوٹ اس کے ڈیڈی نے اسے کرنال
شاپ انارکلی سے خرید کر دیئے تھے۔ انارکلی لاہور کو یاد کر
کے امجد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

درختوں کا جھنڈ اب قریب آگیا تھا۔

امجد نے دیکھا کہ وہاں لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہے۔ انہوں نے لمبے لمبے چغے پہن رکھے تھے اور سروں پر سرخ رنگ کے رومال بندھے ہوئے تھے۔ امجد قریب جا کر ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا اور اس نے دیکھا کہ ان لوگوں درمیان میں لکڑی کے ایک تخت پر ایک مُردے کو ڈال رکھا ہے جو کفن میں لپٹا ہوا ہے اور جس کے منہ پر سے کفن ہٹا دیا گیا ہے ایسے لگ رہا تھا کہ یہ لوگ کسی کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ وہ شخص آئے اور مُردے کو زمین میں دفن کر دیا جائے۔ کیونکہ پاس ہی ایک قبر بھی کھُدی ہوئی تھی۔

امجد کو اچانک چھینک آ گئی۔ اس کے چھینکنے کی آواز پر سب کی توجہ اس کی طرف ہو گئی۔ جونہی ان کی نظر امجد پر پڑی وہ بھاگ کر آئے اور اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ وہ خوشی سے ناچنے لگے اور اپنی زبان میں ایک دوسرے کو جیسے مبارک باد دینے لگے۔ ان کی زبان نہ اُردو تھی نہ انگریزی۔ وہ کوئی عجیب سی زبان بول رہے تھے جو امجد کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

امجد ان کے درمیان حیران و پریشان کھڑا تھا۔ اس نے کہا۔

"تم لوگ کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ مجھے جانے دو۔"

انہوں نے امجد کے منہ سے نکلنے والے اُردو کے الفاظ کو غور سے سُنا۔ پہلے وہ اس کے لباس کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ اب اس کی زبان پر تعجب کیا اور پھر چیخ چیخ کر کوئی گیت گاتے ہوئے دیوانہ وار رقص کرنے لگے۔ پھر انہوں نے امجد کو پکڑ کر قابو کر لیا۔ اب امجد سمجھ گیا کہ اس کی خیر نہیں ہے اور وہ سخت مشکل میں پھنس چکا ہے۔

اس نے کہا۔

"مجھے چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔"

مگر کسی نے امجد کی بات پر دھیان نہ دیا۔ یہ تقلاخ قبیلے کے لوگ تھے جو آج سے ڈھائی تین ہزار سال پہلے وادیٔ یمن میں آباد تھا۔ ان میں دستور تھا کہ جب ان کے قبیلے کا کوئی آدمی مر جاتا تو وہ قبر کھود کر اس کی لاش رکھ دیتے اور کسی اجنبی کے اس طرف سے گزرنے کا انتظار کرتے۔ جب کوئی شخص اُدھر سے گزرتا تو وہ اسے پکڑ لیتے اور اپنے مُردے کے ساتھ اسے بھی زندہ دفن کر دیتے۔ اگر کوئی اجنبی ادھر سے نہ گزرتا تو وہ

مُردے کو قبر کے پاس رکھے کئی کئی دن تک اجنبی شخص
کے ادھر آنے کا انتظار کرتے۔ کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ
اگر اُن کے مُردے کے ساتھ کسی اجنبی شخص کو زندہ
دفن نہ کیا جائے تو اس کی روح دوزخ میں جا کر ہمیشہ
کے لئے آگ میں جلتی رہتی ہے۔ امجد ان حالات سے
بے خبر تھا۔

لیکن یہ لوگ جب اسے گھسیٹ کر قبر کی طرف لے
جانے لگے تو وہ سمجھ گیا کہ اس کی خیر نہیں ہے۔ اسے
وہ تمام ڈراؤنے اور بھیانک واقعات یاد آنے لگے جو
عنبر، ناگ اور ماریا کے ساتھ پیش آتے تھے اور جن کا حال
وہ عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی قسطوں میں پڑھا کرتا تھا۔
اسے عنبر ناگ ماریا کی پُراسرار دنیا میں آئے پہلا دن تھا
اور پہلے ہی دن وہ موت کے منہ میں جا رہا تھا۔

امجد نے بہت شور مچایا۔ وہ رویا پیٹا، چیخا چلایا۔ اس
نے منت سماجت بھی کی۔ مگر کسی نے اس کی آہ وزاری
پر توجہ نہ دی۔ انہوں نے امجد کے ہاتھ پاؤں رسیوں
سے باندھے۔ اس پر خوشبودار عرق چھڑکا اور قبر کے سرہانے
لا کر زمین پر لٹا دیا۔ پھر انہوں نے اپنے مُردے کو
قبر میں اتار کر لحد میں لٹا دیا۔ قبر میں لحد کافی کھلی تھی

اور وہاں ایک اور آدمی کے لیٹنے کے لئے جگہ بنا دی گئی
تھی۔ اب انہوں نے امجد کو اٹھا لیا۔ امجد شور مچانے
اور ہاتھ پاؤں چلانے لگا۔ مگر وہ رسیوں میں جکڑا ہوا تھا۔
نہ اس سے ہاتھ پاؤں چلائے گئے اور نہ اس کی چیخ و پکار
پر کسی نے کان دھرا۔ انہوں نے امجد کو قبر میں لے جا کر
اپنے مُردے کے پہلو میں بالکل ساتھ کر کے لٹا دیا اور
لحد کا منہ بڑے بڑے پتھروں سے بند کر دیا۔ پھر قبر کے
اوپر جلدی جلدی تختے ڈال کر قبر کے منہ کو بند کر کے
اوپر مٹی ڈالنے لگے۔

یہ سب کچھ انہوں نے اتنی جلدی جلدی کیا کہ امجد آواز
بھی نہ نکال سکا۔ قبر میں ایک دم سے اندھیرا چھا گیا۔
اور اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس کے بازو سے مردے کا
ایک بازو چھو رہا تھا جو ٹھنڈا تھا۔ امجد کا جسم خوف
اور دہشت کے مارے ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اس کا رنگ زرد
تھا اور حلق خشک ہو گیا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ اور
دونوں پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ امجد خوف کے مارے بیہوش
ہو گیا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس کا دم بہت زیادہ
گھٹ رہا تھا۔ قبر کے اندر جو تھوڑی بہت تازہ ہوا تھی
وہ کافی حد تک ختم ہو چکی تھی اور اب وہاں سانس لینا

مشکل ہو رہا تھا ۔ امجد کو یقین ہو گیا تھا کہ اب اسے
سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے اور کوئی وہاں سے نہیں
نکال سکتا ۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھی خشک ہو گئے تھے ۔
اس نے آنکھیں بند کر کے خدا سے دعا مانگی کہ وہ اس کی
مدد کرے ۔ اس کے ذہن میں ماں، باپ اور بہن اور
سکول کے دوستوں کی شکلیں گھومنے لگیں ۔ وہ زندہ درگور
ہو گیا تھا ۔ اس سے بڑا عذاب دنیا میں اور بھلا کیا
ہو سکتا تھا ۔

امجد نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے آپ کو خدا کی
رضا کے حوالے کر دیا کہ اب اس کے ساتھ جو بھی ہو گا
اسے قبول ہے ۔ وہ تیز تیز سانس لے رہا تھا ۔ کیونکہ قبر
میں آکسیجن ختم ہو رہی تھی ۔

پھر اچانک امجد کو تازہ ہوا کا احساس ہوا ۔ اس کا
سانس درست ہو گیا ۔ سانس لینے میں اسے جو تکلیف ہوتی
تھی وہ دور ہو گئی ۔ اس نے آنکھیں کھول دیں ۔ قبر میں
اسی طرح گھپ اندھیرا تھا ۔ مگر کسی طرف سے تازہ ہوا
اندر داخل ہو رہی تھی ۔ پھر اسے یوں لگا ۔ جیسے اس کے
ساتھ جو مُردہ لیٹا ہوا ہے اس میں حرکت پیدا ہو رہی ہے ۔
اس کا مُردہ بازو آہستہ آہستہ ہل رہا تھا ۔ خوف سے

امجد کا خون خشک ہو گیا ۔ اس نے سوچا کہ مُردے میں
جان پڑ رہی ہے اور وہ ابھی زندہ ہو کر اٹھے گا اور
امجد کا گلا گھونٹ ڈالے گا ۔ امجد کے حلق سے چیخ نکل
گئی ۔

اس کی چیخ قبر کے اندھیرے میں گھٹ کر رہ گئی ۔
اس اندھیرے میں مُردے کا اُوپر والا دھڑ ہلا اور پھر مُردہ
اٹھ کر بیٹھ گیا ۔ امجد دہشت سے سفید پڑ گیا اور تھر تھر
کانپنے لگا ۔ مُردے نے اپنی سفید سفید آنکھوں سے امجد کو
جھک کر دیکھا ۔ اس سے زیادہ ڈراؤنی شے امجد نے زندگی
میں کبھی نہیں دیکھی تھی ۔ اس کے ہونٹ نیلے تھے ۔
مُردے کے چہرے پر موت کی نیلاہٹ چھائی ہوئی تھی ۔
اس نے امجد کے ہاتھوں اور پاؤں کی رسیاں کھول ڈالیں
اور اپنے ٹھنڈے ہاتھ سے قبر میں ایک طرف اشارہ کیا ۔ اس
کے اشارے کے ساتھ ہی قبر میں ایک جانب روشنی ہو گئی ۔
مُردے نے امجد کو شانے سے پکڑ کر اٹھا دیا اور کہا ۔
"قبر میں جدھر سے روشنی آ رہی ہے اُدھر سے باہر
نکل جاؤ ۔"
مُردے کی آواز بیٹھی ہوئی تھی ۔ امجد گھٹنوں کے بل
چل کر روشنی کی طرف جانے لگا تو مُردے نے کہا ۔

"ٹھہرو"

امجد وہیں سہم کر رک گیا کہ خدا جانے اب یہ مردہ اسے کیا کہے گا - مردہ بولا۔

"میری یہ انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن لو۔ یہ مصیبت کے وقت تمہارے کام آئے گی - اسے ہاتھ سے مل لینا - اب جاؤ۔ نکل جاؤ۔"

مُردے کی آواز میں تیزی آ گئی تھی - امجد نے انگوٹھی لے کر انگلی میں پہن لی - وہ جانور کی طرح گھٹنوں کے بل چلتا ہوا روشنی والی جگہ پر گیا تو وہاں ایک سوراخ بنا ہوا تھا - امجد سوراخ میں سے باہر نکل گیا - اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں نکلا ہے - آیا یہ وہی جگہ ہے جہاں قبر تھی یا کوئی اور جگہ ہے - اس نے قبر سے باہر نکل کر خدا کا شکر ادا کیا کہ پھر سے زندہ سلامت قبر سے باہر آ گیا ہے - اس نے پتلون پر سے قبر کی مٹی جھاڑتے ہوئے ارد گرد دیکھا - اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ یہ وہ جگہ نہیں تھی جہاں اسے مردے کے ساتھ زندہ دفن کیا گیا تھا - یہ کوئی اور ہی جگہ تھی - یہاں درختوں کا ایک بھی جھنڈ نہیں تھا - اس کے آس پاس جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں اور نیلے آسمان پر سورج چمک رہا تھا - اس نے مڑ کر

دیکھا - جس سوراخ سے وہ باہر نکلا تھا - اب وہ سوراخ بھی وہاں نہیں تھا -

امجد نے ایک بار پھر زندہ قبر سے باہر نکل آنے پر خدا کا شکر ادا کیا اور جھاڑیوں میں سے گذر کر ایک طرف کو چلنے لگا - اس کے سامنے ایک بہت اونچا ٹیلہ تھا - جس پر کہیں کہیں جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں - اسے بھوک اور پیاس ستانے لگی - پانی کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا - وہ چلتا چلا گیا - ٹیلے کا چکر کاٹ کر دوسری طرف آیا اور وہاں اسے کھجوروں کا ایک جھنڈ ملا - جس کے نیچے ایک چشمہ بہہ رہا تھا - امجد بھاگ کر وہاں گیا - چشمے کا ٹھنڈا پانی پی کر اس نے اپنی پیاس بجھائی اور گری پڑی میٹھی کھجوریں کھا کر اپنی بھوک مٹائی - وہ چشمے کے کنارے ایک پتھر پہ بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اب وہ کدھر کو جائے اور کیا کرے؟ اس نے اپنی انگلی میں پہنی ہوئی مُردے کی انگوٹھی دیکھی - یہ چاندی کی سفید انگوٹھی تھی جس میں سرخ رنگ کا ایک نگ جڑا ہوا تھا جو چمک رہا تھا - امجد نے سوچا کہ بھلا یہ انگوٹھی اس کی کیا مدد کر سکتی ہے اور اگر مدد کر سکتی ہے تو اسے آزما کر دیکھنا چاہیے -

امجد نے انگوٹھی کو انگلی کے ساتھ زور سے رگڑا -

انگوٹھی کے رگڑتے ہی ایک دھماکہ ہوا۔ دھوئیں کا ایک گولا ابھرا۔ اور اس میں سے ہڈیوں کا ایک انسانی ڈھانچہ نمودار ہوا۔ امجد ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ ڈھانچے کا جبڑا ہلا اور آواز آئی۔

"تم نے کسی مصیبت میں پھنسے بغیر اس انگوٹھی کو رگڑ کر مجھے بلایا ہے۔ اب میں صرف تمہاری ایک خواہش پوری کر سکتا ہوں۔ اس کے بعد یہ انگوٹھی بیکار ہو گی۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"

امجد نے جھٹ کہا۔ "مجھے لاہور میرے گارڈن ٹاؤن والے گھر پہنچا دو۔"

انسانی پنجر نے کہا۔ "یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

"تو پھر مجھے ناگ، عنبر یا ماریا کے پاس پہنچا دو۔"

انسانی پنجر بولا۔ "یہ لوگ صدیوں کے مسافر ہیں۔ تمہیں ان کے پاس پہنچانا بھی میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

امجد نے کہا۔ "تو پھر مجھے اڑنے والا قالین لا دو۔ جس پہ سوار ہو کر میں آسمانوں کی سیر کروں۔"

انسانی پنجر نے کہا۔ "ابھی لائے دیتا ہوں۔"

انسانی ڈھانچے نے ہڈیوں والا ہاتھ اوپر اٹھا کر فضا میں تین بار ہلایا۔ سرخ رنگ کا ایک قالین امجد کے سامنے آکر

زمین پر بچھ گیا۔

انسانی ڈھانچہ بولا۔

"اس پہ سوار ہو کر اسے کہو کہ اڑے۔ یہ اڑنے لگے گا۔ اس کے بعد تم اس کو اپنی مرضی سے زمین پر نہیں اتار سکو گے۔ یہ جہاں اس کا دل چاہے گا اتر پڑے گا اور اس کے بعد اس کی اڑنے کی طاقت ختم ہو جائے گی۔"

امجد نے کہا۔ "آخر اس کا فائدہ کیا ہوا پھر؟"

انسانی پنجر بولا۔ "یہ تمہیں بلا ضرورت انگوٹھی کو رگڑنے کی سزا ملی ہے۔"

ایک اور دھماکہ ہوا اور انسانی پنجر غائب ہو گیا۔

امجد قالین پر سوار ہوا اور بولا۔

"اڑو۔"

قالین زمین پر سے اٹھا، اور فضا میں بلند ہو کر ایک طرف اڑنے لگا۔ امجد نے الف لیلیٰ کی کہانیوں میں اڑنے والے قالین کا ذکر پڑھا تھا۔ آج وہ خود اس پر سوار ہو کر اس کی سیر کر رہا تھا۔ اسے بڑا مزہ آ رہا تھا۔ وہ اپنی ساری پریشانی بھول گیا اور ہوا میں اڑنے کا لطف اٹھانے لگا۔ وہ یہ بھی بھول گیا کہ خدا جانے قالین اسے کہاں اتار دے۔ اس کے نیچے صحرا گذر رہا تھا۔ پھر ایک دریا آیا۔ جس کے کنارے

اونٹ پانی پی رہے تھے۔ ایک اونٹ والے نے امجد کے اڑنے والے قالین کو حیرانی سے دیکھا اور ڈر کے مارے اونٹوں کے پیچھے چھپ گیا۔ گھبراہٹ میں اس کی پگڑی گر پڑی۔

قالین کی رفتار کافی تیز تھی۔ امجد کے بال تیز ہوا میں اڑ رہے تھے۔ وہ قالین پر اوندھے منہ لیٹا تھا اور اور گردن اٹھا کر نیچے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ قالین اب ایک جنگل پر سے گذر رہا تھا۔ پھر یہ جنگل بھی پیچھے رہ گیا اور ایک بہت چوڑا دریا آگیا۔ قالین دریا کے اوپر سے بھی گذر گیا۔ اب ایک میدان آگیا جو سیاہ کالی چٹانوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان چٹانوں کو دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔ پھر امجد کو دور ایک پرانے شہر کی چار دیواری نظر آئی۔

قالین آہستہ آہستہ نیچے آنے لگا۔ امجد سمجھ گیا کہ یہ قالین اسے اس شہر کے قریب اتار کر بیکار ہو جائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ قالین شہر کی چار دیواری کے پاس ایک باغ میں آہستہ سے اُتر آیا۔ امجد نے اطمینان کا سانس لیا۔ کیونکہ وہ سارا وقت ڈرتا رہا تھا کہ خدا جانے قالین میں کب خرابی پیدا ہو جائے اور وہ نیچے گر پڑے۔ امجد قالین سے اترنے لگا۔ تو اس نے یونہی آزمانے کے لئے اسے ایک بار پھر کہا۔

"اڑو۔"

مگر قالین اپنی جگہ سے ذرا بھی نہ ہلا۔ وہ بیکار ہو چکا تھا۔ اس کا طلسم ختم ہو گیا تھا اور اب وہ محض قالین کا ایک ٹکڑا تھا۔ امجد نے اسے وہیں چھوڑا اور شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ باغ سے نکل کر ایک کچی سڑک شہر کے دروازے کو جاتی تھی۔ ایک گھوڑ سوار گھوڑا دوڑاتے اس کے قریب سے نکل گیا۔ اس نے گردن گھما کر امجد کے لباس کو حیرت سے دیکھا۔ امجد قدیم زمانے میں آگیا تھا۔ مگر لباس نے ۱۹۸۳ء کے زمانے کا پہن رکھا تھا۔ یعنی پتلون بشرٹ اور بوٹ۔

لوگ پرانے زمانے کا لباس پہنے گدھوں پر سامان رکھے شہر کے دروازے سے نکل بھی رہے تھے اور داخل بھی ہو رہے تھے۔ شام کا وقت تھا اور شہر کی دیوار کا سایہ لمبا ہو رہا تھا۔

امجد کے پاس اس ملک کا کوئی پیسہ دھیلا نہیں تھا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ ملک کونسا ہے اور شہر کونسا ہے۔ اسے پھر بھوک لگ رہی تھی۔ وہ ان لوگوں کی زبان بھی نہیں جانتا تھا۔ شوق ہی شوق میں وہ عجیب مشکل میں پھنس گیا تھا۔ حالانکہ قبر والے مردے اور پھر انگوٹھی والے انسانی پنجر کی زبان وہ بڑی آسانی سے سمجھ گیا تھا۔

وہ دعا کرنے لگا کہ اس شہر کے لوگ بھی وہی مُردے والی زبان بولتے ہوں۔

اس نے آزمائش کے طور پر شہر کے دروازے کے پاس پہنچ کر ایک آدمی سے اسی مُردے والی زبان میں پوچھا۔

"یہ کونسا شہر ہے؟"

اس آدمی نے سب سے پہلے حیرانی سے امجد کے کپڑوں کو دیکھا اور پوچھا۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور کس ملک سے آئے ہو؟"

امجد بڑا خوش ہوا۔ یہ آدمی مُردے والی زبان بول رہا تھا جو امجد کی سمجھ میں آرہی تھی اور وہ خود بھی یہ زبان بولنے کی طاقت محسوس کر رہا تھا۔

امجد نے کہا۔ "میں بہت دُور کے ایک ملک سے آیا ہوں اور میرا نام امجد ہے۔"

وہاں اور لوگ بھی جمع ہو گئے جو تعجب بھری نظروں سے امجد کو دیکھنے لگے۔

امجد نے کہا۔ "میں مسافر ہوں۔ بڑی دور سے آیا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ یہ ملک کونسا ہے؟ یہ شہر کونسا ہے؟"

ایک آدمی نے کہا۔ "برخوردار! یہ شہر بعلبک ہے اور تم ملک فارس میں ہو۔"

لایا اور بولا۔

"مہمانِ معزز! تشریف لے چلئے۔ حویلی کا مالک آپ کا انتظار کر رہا ہے۔"

امجد خوشی خوشی حبشی غلام کے ساتھ چل پڑا۔ وہ امجد کو لے کر حویلی کی دوسری منزل میں آگیا۔ یہاں ایک موٹی گردن اور منڈے ہوئے سر والا آدمی ریشمی لباس پہنے قالین پر گاؤ تکیہ لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے امجد کو گھور کر سر سے پاؤں تک ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کوئی قصائی بکرے کو دیکھتا ہے۔ پھر مسکرایا اور بولا۔

"میری حویلی میں نوبت بجا کر آنا مبارک ہو۔ مجھے ہامان شیخ کہتے ہیں۔ جاؤ اعلیٰ کھانا کھاؤ۔"

حبشی غلام امجد کو ساتھ والے کمرے میں لے گیا۔ جہاں دستر خوان بچھا تھا۔ جس پر قسم قسم کے کھانے سجے ہوئے تھے۔ امجد نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ پھر نہا کر اس زمانے کے مطابق نئے کپڑے پہنے۔ سر پر ریشمی صافہ باندھا اور بولا۔

"مجھے سو دینار کب ملیں گے؟"

حبشی غلام بولا۔ "اس کا فیصلہ مالک کرے گا۔"

امجد نے کہا۔ "اس میں فیصلہ کرنے کی کیا بات ہے۔ دروازے کی تختی پر تو یہی لکھا ہے کہ کھانا کھلایا جائے گا۔ عمدہ لباس

ملے گا اور سو دینار دیئے جائیں گے۔"
حبشی غلام نے کہا۔ "یہ بات مالک سے کرنا۔"
امجد کو دوبارہ ہامان شیخ کے روبرو پیش کیا گیا۔ امجد نے دیکھا کہ اس کے آگے قالین پر شطرنج بچھی ہوئی تھی۔ امجد کو شطرنج کھیلنے کا بڑا شوق تھا۔ اس نے ہامان شیخ سے سو دینار کی بات کی تو وہ مسکرا کر بولا۔
"برخوردار! پہلے میرے ساتھ شطرنج کھیلو۔ اگر جیت گئے تو سو دینار انعام ملیں گے۔"
"اور اگر ہار گیا؟" امجد نے پوچھا۔
شیخ ہامان بولا۔ "اگر ہار گئے تو دیکھا جائے گا۔ آؤ شطرنج کھیلنا شروع کرو۔"
امجد نے بھی شطرنج کے شوق میں زیادہ بات نہ کی اور شطرنج کھیلنے لگا۔ امجد کے مقابلے میں ہامان شیخ شطرنج کا زبردست کھلاڑی تھا۔ اس نے دس منٹ کے اندر ہی امجد کو مات دے دی اور وہ بازی ہار گیا۔ ہامان شیخ نے کہا۔
"تمہارا نام کیا ہے برخوردار!"
امجد نے کہا۔ "امجد۔"
ہامان شیخ کہنے لگا۔ "برخوردار امجد! تم میرے ساتھ شطرنج کی بازی ہار گئے ہو۔ اب میرے معاہدے کے مطابق تم میرے

غلام ہو اور اب جب تک میں خود تمہیں آزاد نہ کروں تم ساری زندگی میرے کھیتوں پر کام کرو گے۔
امجد کے تو ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ بڑا سٹپٹایا۔
"میں نے کوئی معاہدہ نہیں کیا۔ تم جھوٹ بولتے ہو۔"
شیخ ہامان نے حبشی غلام کو اشارہ کیا۔ اس نے ایک زوردار مکا امجد کی گردن پر مارا۔ امجد چکرا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ حبشی غلام نے اسے اٹھایا اور حویلی کے تہہ خانے میں لے گیا۔ جہاں سے ایک چھکڑے میں ڈال کر اسے شیخ ہامان کے انگور کے کھیتوں میں پہنچا دیا گیا۔ امجد کو ہوش آیا تو وہ ایک اجاڑ اور ویران علاقے میں انگور کے ایک بہت بڑے کھیت میں تھا۔ اس کی ایک ٹانگ میں زنجیر بندھی ہوئی تھی اور ایک سیاہ فام دیو نما حبشی ہنٹر لیے اس کے سر پہ کھڑا تھا۔
"چلو۔ کام کرو۔"
اس نے زور سے ہنٹر امجد کی پیٹھ پر مارا۔ امجد تڑپ اٹھا۔ وہ بے بس تھا۔ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ مجبوراً دوسرے غلاموں کے ساتھ مل کر پھاوڑے سے کھیتوں میں مٹی کھودنے لگا۔
اب امجد کو ہم ہامان شیخ کے غلام باڑے میں چھوڑتے ہیں اور تھوڑی دیر کے لیے ماریا کی طرف چلتے ہیں اور معلوم کرتے ہیں کہ جب وہ ملکہ بابل کے روپ میں گردن کٹوانے کے

بعد شاہی محل سے نکلی تو اس کے ساتھ کیا گزری اور وہ کہاں گئی۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ عنبر اور ناگ بھی ماریا کی تلاش میں دریا کنارے سفر کر رہے ہیں۔ ان کے پاس ہم ماریا کے حالات معلوم کرنے کے بعد جائیں گے۔ اس وقت ہم ماریا کے پاس چلتے ہیں۔

ماریا ملکہ بابل کے روپ میں شاہی محل میں آگئی تھی۔ کیونکہ اس نے جاہ بابل کے تہہ خانے میں سانپوں کے صندوق میں بند ملکہ بابل کی لاش کی کھوپڑی پر رکھے ہوئے سونے کے تاج کو اپنے سر پر رکھنے کی غلطی کی تھی۔ جس کی سزا اسے یہ ملی کہ وہ ملکہ بابل بن کر ڈھائی ہزار برس پہلے کے زمانے میں پہنچ گئی۔ وہ بھی ملکہ بابل کی طرح ظلم کرنے لگی۔ ایک روز رعایا نے بغاوت کر دی اور وزیر اعظم نے رعایا کی شہہ پاکر ملکہ بابل کی گردن کٹوا دی۔ ماریا کو جھٹکا لگا۔ ملکہ بابل کی تو گردن کٹ گئی اور ماریا اس کے مردہ جسم سے نکل کر باہر آگئی۔ وہ پھر سے ماریا کے اصل روپ میں آگئی تھی اور اپنے اصلی روپ میں آجانے پر وہ بار بار خداوند کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔

اب وہ عنبر اور ناگ کی کھوج میں نکل کھڑی ہوئی۔ کیونکہ اسے ملکہ بابل کے شاہی محل سے کوئی سروکار نہیں تھا اور نہ وہ کسی سے اپنے قتل کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔ کیونکہ قتل ایک ملکہ ہوئی تھی جو ظالم تھی۔ ماریا قتل نہیں ہوئی تھی بلکہ ماریا تو ملکہ کے قتل ہونے سے دوبارہ زندہ ہو گئی تھی۔

ماریا دریا کے کنارے چلی جا رہی تھی۔

دن کافی نکل آیا تھا۔ چاروں طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دریا کا پاٹ زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ دوسرا کنارا صاف نظر آرہا تھا۔ جہاں کہیں کہیں کھجور اور زیتون کے درخت اُگے ہوئے تھے۔ دریا کی لہریں خاموشی سے بہہ رہی تھیں۔ آس پاس کوئی انسان دکھائی نہ دیتا تھا۔ دُور ریت کے ایک ٹیلے کے قریب سے اونٹوں کی ایک قطار گزر رہی تھی۔ کافی دُور آگے جانے کے بعد دریا ایک طرف گھوم گیا۔ ماریا کو دریا کے ساتھ ساتھ سفر کرتے شام ہو گئی۔ کہیں کوئی شہر یا کسی دیہات کی آبادی دکھائی نہ دی۔ ماریا کے تھکنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سورج غروب ہو گیا تھا اور اب دریا دو پہاڑوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔ ماریا ایک پہاڑی کے دامن میں بنے ہوئے پتھروں کے ایک مکان میں آگئی جو بالکل ویران تھا۔ یہ مکان تو نہیں بلکہ اصطبل سا تھا جس میں شاید کبھی اونٹ یا گھوڑے باندھے جاتے تھے۔ اب اس کی دیواریں کئی جگہوں سے ٹوٹ پھوٹ رہی تھیں۔ جب رات کا اندھیرا چاروں طرف چھا گیا تو ماریا نے دیکھا کہ دریا

کے کنارے پتھروں میں جگہ جگہ کوئی شے زرد سونے کی طرح
چمک رہی ہے اور اس میں سے کسی وقت نیلی شعاعیں بھی
نکلنے لگتی ہیں۔ ماریا دریا کے کنارے گئی تو دیکھا کہ وہ
چھوٹے چھوٹے پتھروں کے ٹکڑے تھے جن میں سے زرد اور نیلی
شعاعیں نکل رہی تھیں۔ دریا کے کنارے دُور تک زمین
کی پٹی سونے کی طرح چمک رہی تھی۔ ماریا نہ سمجھ سکی کہ یہ
کونسی دھات ہے۔ پہلے وہ سمجھی کہ یہ سونا ہو گا۔ مگر سونے
میں سے نیلی شعاعیں نہیں نکلا کرتیں۔ دوسرے ماریا کو سونے
یا اس قسم کی پُراسرار یا قیمتی دھاتوں سے کوئی دلچسپی بھی
نہیں تھی۔ وہ واپس اصطبل میں آکر گھاس پھونس پر لیٹ گئی
وہ تھکی نہیں تھی بلکہ چلتے چلتے تنگ آگئی تھی۔ اب وہ یہ
چاہتی تھی کہ رات اس مکان یا اصطبل میں آرام کرے اور اگلے
دن پھر عنبر اور ناگ کی تلاش میں وہاں سے روانہ ہو۔

رات آدھی سے زیادہ گذر گئی تھی۔ باہر بڑا گھُپ
اندھیرا تھا۔ دریا کی لہروں کی ہلکی ہلکی آواز ماریا کو اندر
بھی سنائی دے رہی تھی۔ ماریا کو نیند نہیں آرہی تھی
لیکن اس نے یونہی آنکھیں بند کر لیں اور ناگ و عنبر
کے بارے میں سوچنے لگی۔ ان دونوں ساتھیوں سے ملے
ماریا کو کافی دن گذر گئے تھے۔ یہی سوچتے سوچتے ایک

بار اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے باہر سے آنے والی
ایک آواز پر کان لگا دیئے۔ یہ آواز دریا کی لہروں کی آوازے
بالکل الگ تھی۔ ماریا غور سے سننے لگی۔ آواز قریب آرہی تھی۔
یہ ایسی آواز تھی جیسے کسی پہاڑ سے آبشار گر رہی ہو اور وہ
آہستہ آہستہ قریب آ رہی ہو۔ پھر یہ آواز ایک جگہ پر آکر رُک
گئی۔ ماریا کو اصطبل کے باہر جامن رنگ کی روشنی پھیلتی نظر
آئی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر اصطبل کے دروازے پر آگئی۔

اس نے باہر آدھی رات کی تاریکی میں ایک بہت بڑی گول
چیز کو آہستہ آہستہ دائیں سے بائیں طرف گھومتے دیکھا۔ یہ ذرا
ٹیڑھی تھی اور زمین سے پچاس فٹ کے قریب بلند ہوا میں کھڑی
تھی۔ اس کے پیندے میں گول دائرے میں کاسنی رنگ کی روشنیاں
پھوٹ رہی تھیں۔ گول کناروں پر چار جگہوں سے نیلی سرخ اور
نارنجی روشنی کی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہ کوئی
خلائی جہاز ہے جسے لوگ اُڑن طشتری بھی کہتے ہیں اور کسی
دور دراز سیارے سے نکل کر وہاں آیا ہے۔ مگر وہ کس لئے
آیا ہے؟ ماریا خاموش کھڑی اُڑن طشتری میں سے کسی انوکھی
مخلوق کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگی۔

چوکور آنکھوں والی مخلوق

خلائی جہاز کے نیچے سے ایک سیڑھی باہر نکلی۔

پھر تین آدمی جنہوں نے چاندی کے رنگ کے چمکیلے خلائی سوٹ پہن رکھے تھے باہر نکل کر زمین پر اُتر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں سفید پلاسٹک کی ٹوکریاں سی تھیں۔ دریا کنارے پتھروں میں جو سونے کے رنگ کے سنہری کنکر اور سنگریزے چمک رہے تھے انہیں مشین کے ذریعے اکٹھے کرنے لگے۔

ماریا اصطبل سے نکل کر خلائی جہاز کے نزدیک آ گئی۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ یہ خلائی لوگ کس سیارے کی مخلوق ہیں اور کہیں یہ لوگ دنیا کے لوگوں کو تباہ کرنے کا ارادہ لے کر تو نہیں آئے۔ کیونکہ ماریا نے دیکھا تھا کہ یہ خلائی مخلوق جو بالکل دنیا کے انسانوں کی طرح تھے اپنی جیبوں سے کچھ نکال نکال کر زمین میں دباتے بھی جاتے تھے۔

ماریا خلائی جہاز کی سیڑھی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

خلائی سوٹ والے آدمی ایک دوسرے سے وائرلیس پر کسی وقت بات بھی کر لیتے تھے۔ وہ صرف ایک دوسرے سے یہی بات کرتے کہ وقت کافی ہو گیا ہے۔ اب ہمیں واپس جانا چاہئے۔ ماریا نے سُن رکھا تھا کہ اس دنیا میں ہزاروں برس پہلے بھی آسمان سے خلائی مخلوق اڑن طشتریوں کی مدد سے زمین پر اترا کرتی تھی اور اس مخلوق نے کئی قدیم شہروں کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔

خلائی آدمی ایک ایک کرکے خلائی جہاز میں واپس جانے لگے۔ جب آخری خلائی آدمی بھی جہاز میں چلا گیا اور ایلومینیم کی سیڑھی اُوپر جانے لگی تو ماریا کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اڑن طشتری میں جا کر معلوم کرے کہ یہ لوگ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ سیڑھی اوپر تک جا چکی تھی کہ ماریا زمین پر سے زور سے اچھلی۔ ہوا میں اڑی اور اس نے سیڑھی کو پکڑ لیا۔ سیڑھی اسے لے کر اڑن طشتری کے اندر چلی گئی۔

یہ اڑن طشتری اندر سے ایک بہت بڑا خلائی جہاز تھا جس کی گول دیوار پر جگہ جگہ کمپیوٹر اور ڈائیل لگے ہوئے تھے۔ ماریا نے اس سے پہلے بھی اڑن طشتری دیکھی تھی۔

انسانوں کی طرح تھے اور ایسی زبان میں باتیں کرتے تھے جو یورپ ، امریکہ اور روس کے علاقوں میں بولی جاتی تھی۔ ماریا ایک گول میز کے پاس رکھی ہوئی گول چاندی ایسی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی اڑن طشتری میں خطرے کا الارم چیخ اٹھا۔ اڑن طشتری میں افراتفری مچ گئی۔ سارے خلا باز ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ دروازے کھلنے اور بند ہونے لگے۔ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ اڑن طشتری یا خلائی جہاز میں کوئی اجنبی داخل ہو گیا ہے۔ اصل میں ماریا کے کرسی پر بیٹھنے سے اس کے غیبی جسم سے نکلنے والی شعاعوں نے خطرے کے الارم کو بجا دیا تھا۔ ماریا سمجھ گئی کہ یہ لوگ اسے تلاش کر رہے ہیں مگر وہ اسے کبھی تلاش نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ماریا انہیں نظر نہیں آتی تھی۔ وہ راڈار اور کمپیوٹر کی شعاعوں سے ماریا کا سراغ لگانے کی کوشش کرنے لگے مگر ناکام رہے۔

اڑن طشتری بڑی زبردست رفتار کے ساتھ تاروں بھرے آسمان میں اڑی چلی جا رہی تھی۔ زمین سے اڑن طشتری کے اٹھنے سے تھوڑی دیر بعد وہ ہائیڈروجن بم پھٹ گئے تھے جو انہوں نے دریا کنارے زمین میں دبائے تھے۔ ان بموں سے دریا کا پانی اُبلنے لگا تھا اور قریبی شہر کے مکان اور لوگ

سخت گرمی کی وجہ سے بھاپ بن کر فضا میں اڑ گئے تھے۔

ماریا نے اس تباہی کو اڑن طشتری کی کھڑکی میں سے دیکھ لیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ان ظالم لوگوں سے اس ظلم کا ضرور بدلہ لے گی۔ اڑن طشتری فضا میں اڑی جا رہی تھی۔ مگر وہ خلا میں نہیں پہنچی تھی۔ بلکہ زمین سے اسّی ہزار فٹ کی بلندی پر گردش کر رہی تھی۔

خلائی مخلوق جہاز کے اندر برابر ماریا کو تلاش کر رہی تھی ماریا ان کے ہاتھ نہیں آ رہی تھی۔ وہ ان کے راڈار کی شعاعوں کی پہنچ سے باہر تھی۔

خلائی اڑن طشتری میں گھومتے پھرتے ماریا کی نگاہ ایک چھوٹے سے خلائی جہاز پر پڑی۔ یہ جہاز ہنگامی حالات یا مصیبت کے وقت اڑن طشتری سے باہر نکلنے کے لئے تھے۔ یہ ایک بند گول کمرے میں رکھا ہوا تھا۔ ماریا دیوار میں سے نکل کر اڑن طشتری کے انجن روم میں آ گئی۔ یہاں انجن ایٹمی توانائی سے چل رہے تھے اور جگہ جگہ لال بلب جل رہے تھے۔ اڑن طشتری کی رفتار ایکدم تیز ہو گئی۔ ماریا نے کھڑکی کے گول شیشے میں سے باہر دیکھا۔ طشتری خلاء میں جا رہی تھی۔ ماریا کیپٹن کے کمرے میں آ گئی یہ معلوم کرنے کے

لئے کہ یہ لوگ کس مشن پہ جا رہے ہیں اور ان کا زمین
پر اترنے سے مقصد کیا تھا۔
اس کے اندر آتے ہی اس کی غیبی شعاعوں کی وجہ سے
خطرے کا الارم ایک بار پھر چیخ اٹھا۔ کیپٹن اور دوسرے
خلا باز ایکدم سے اچھل پڑے اور وہ چھوٹے چھوٹے راڈاروں
والے آلات نکال کر کمرے میں تیزی سے گھوم پھر کر یہ جانچ
کرنے لگے کہ یہ شعاعیں کہاں سے نکل رہی ہیں۔ مگر ان کے
آلات ماریا کے جسم سے نکلنے والی شعاعوں تک نہ پہنچ سکے۔
حالانکہ کمرے میں جو کاسمک شعاعیں چکر لگا رہی تھیں انہوں
نے ماریا کا سراغ لگا لیا تھا۔

ماریا گول کھڑکی کے پاس آ گئی۔ اس نے باہر دیکھا۔
اڑن طشتری ستاروں کے قریب سے ہو کر گزر رہی تھی۔ پھر
اس نے ایک بہت بڑے سیارے کا ایک چکر لگایا جس کی سطح
پر لاوا ابل رہا تھا اور اس کے چھینٹے کئی کئی لاکھ میل
اوپر تک جا رہے تھے۔

اڑن طشتری اب ایک دوسرے سیارے کی طرف روانہ ہو گئی۔
ماریا اب اس طشتری سے واپس اپنی زمین پر جانا چاہتی تھی مگر
جانے سے پہلے وہ اس اڑن طشتری کو تباہ کر دینا چاہتی تھی
تاکہ یہ لوگ پھر دنیا کے بے گناہ معصوم لوگوں کی کسی

بستی کو تباہ و برباد نہ کر سکیں۔ ماریا نے ساری اڑن طشتری
میں گھوم پھر کر دیکھ لیا تھا۔ صرف انجن روم کے ساتھ والے
چھوٹے سے کمرے میں ایٹمی پلانٹ لگا ہوا تھا۔ جس کے
ری ایکٹر میں سوئی سرخ نشان سے بہت پیچھے نظر آ رہی
تھی۔ اس سوئی کو خطرے کے سرخ نشان تک لے جانا ماریا کے
بس میں نہیں تھا۔ کافی جانچ پڑتال کے بعد ماریا نے ایک
جگہ ایک چھوٹی سی شیشے کی ٹیوب کو دیکھا جس میں آرسنک
ایسڈ بھرا ہوا تھا۔ ماریا جانتی تھی کہ اگر یہ خوفناک تیزاب ایٹمی
توانائی خارج کرنے والے ری ایکٹر پر ڈال دیا جائے تو وہ
ایٹم بم کی طرح پھٹ جائے گا۔

ماریا نے ٹیوب کو ایٹمی ری ایکٹر سے تھوڑے فاصلے پر
رکھ کر اسے توڑ دیا۔ ٹیوب کے اندر سے تیزاب آہستہ آہستہ
نکل کر ایٹمی ری ایکٹر کی طرف بہنے لگا۔ یہ تیزاب کوئی دو
منٹ کے بعد ری ایکٹر تک پہنچنے والا تھا۔ ماریا لپک کر
کمرے سے باہر نکلی اور دیواروں کے بیچ سے گذرتی ہوئی
اس گول کمرے میں آ گئی جہاں ہنگامی حالات میں زمین پر
اترنے والا چھوٹا خلائی جہاز موجود تھا۔ ماریا اس میں بیٹھ
گئی اور شیشے کا گول ڈھکنا بند کر کے اس کا بٹن دبا دیا۔
یہ ہنگامی خلائی جہاز تھا جو ایک منٹ کے اندر اندر دیوار

کے سوراخ میں سے شوٹ کرتا ہوا باہر نکلا اور اڑن طشتری
سے ایک دم ہزاروں گز دور ہو گیا۔ خلائی جہاز کے نکلتے ہی
اڑن طشتری میں سب کو خبر ہو گئی کہ جو اجنبی طشتری میں
داخل ہوا تھا وہ فرار ہو گیا ہے۔

خلا بازوں نے ماریا کی اڑن طشتری پر لیزر شعاعوں کی
گنوں سے حملہ کر دیا۔ مگر اب وقت گذر گیا تھا۔ تیزاب ایٹمی
ری ایکٹر تک پہنچ گیا تھا۔ ماریا اڑن طشتری سے کئی میل
دور جا چکی تھی کہ ایک بھیانک دھماکہ ہوا اور خلا میں اڑن
طشتری کے ٹکڑے پگھل پگھل کر بھاپ بن کر اڑ گئے۔

ماریا کا خلائی جہاز محفوظ رہا۔ اگر وہ اڑن طشتری سے
اتنی دور نہ ہوتی تو اس کا جہاز بھی شدید گرمی کی وجہ
سے بھاپ بن کر اڑ گیا ہوتا۔ ماریا نے خلائی جہاز کا
رُخ زمین کے سیارے کی طرف کر دیا۔ اسے ایک ہی ڈر
تھا کہ وہ خلا میں ایک چکر لگا آئی ہے۔ خلا میں ایک چکر
لگانے میں اسے صرف دس منٹ لگے تھے مگر خدا جانے زمین
پر کتنے سال گذر گئے ہوں۔ لیکن جب ماریا کا خلائی
جہاز زمین پر ایک جگہ پہاڑیوں میں اترا تو ماریا کو رات
کے اندھیرے میں کچھ فاصلے پر کسی وائرلیس سٹیشن کے
ایریل کی نیلی روشنی جلتی بجھتی نظر آئی۔ اس کا مطلب

یہ تھا کہ زیادہ وقت نہیں گذرا تھا اور وہ دنیا پر بیسویں
صدی میں ہی واپس آ گئی تھی۔ ابھی تک دنیا پر وائرلیس
کا طریقہ عام تھا۔

لیکن اس کے خلا میں آنے جانے سے زمین پر سترہ
برس گذر گئے تھے اور زمین پر ۱۹۸۳ء نہیں بلکہ سن
۲۰۰۰ء جا رہا تھا۔ دنیا بڑی ترقی کر گئی تھی۔ موٹر کاروں
کی جگہ اب لوگ زیادہ تر چھوٹے چھوٹے ہیلی کاپٹروں میں
بیٹھ کر اپنے دفتروں کو جاتے تھے اور ہوائی جہاز بسوں
کی طرح ہوا میں چوبیس گھنٹے اڑتے رہتے تھے۔ ماریا
پہاڑیوں میں سے نکل کر ایک بہت چوڑی سڑک پر
آ گئی۔ جس پر روشنیاں لگی تھیں۔ ایک بہت بڑا ٹرک وہاں
سے گذرا تو ماریا اُچھل کر اس پر سوار ہو گئی۔ ٹرک
ڈرائیور کے ساتھ ایک گورے رنگ کا آدمی بھی بیٹھا ہوا تھا۔
ان کی باتوں سے ماریا کو پتہ چلا کہ وہ یورپ کے ملک
جرمنی کے ایک شہر میں اتر آئی ہے۔ ان دونوں کی باتوں
سے ماریا کو یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیا تیسری ایٹمی جنگ
کے کنارے پر کھڑی ہے اور اس خوفناک ایٹمی جنگ
کی وجہ سے دنیا کسی وقت بھی تباہ ہو سکتی ہے۔ اس
ٹرک نے ماریا کو جرمنی کے اس شہر کی ایک عالی شان

بلڈنگ کے سامنے پہنچا دیا۔ یہ بلڈنگ تکونی شکل کی تھی اور اس کی کئی سو منزلیں تھیں۔ سن ۲۰۰۰ء کی عمارتیں سڑکیں اور مکان سن ۱۹۸۳ء سے بہت ہی مختلف اور ماڈرن ہو گئی تھیں۔

یہ بلڈنگ مشرقی جرمنی کا دفترِ جنگ تھا اور اس کے ایک کمرے میں ایٹمی جنگ کے سلسلے میں بڑی اہم میٹنگ ہو رہی تھی۔ اس کمرے میں کئی رنگوں کے ٹیلی فون رکھے تھے۔ اور جنگی افسر سر جھکائے پریشان بیٹھے تھے۔ وہ بار بار دیوار پر لگی بڑی سکرین کو تک رہے تھے جس پر امریکہ کے بڑے بڑے شہروں کی تصویریں بار بار آ رہی تھیں۔ اچانک سرخ رنگ کے فون کی بتی جلنے بجھنے لگی۔ وہاں افراتفری سی مچ گئی۔ سفید بالوں والے آفیسر نے ریسیور اٹھا کر کانوں کے ساتھ لگایا ہی تھا کہ اس کا رنگ زرد ہو گیا اور ریسیور اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔ اس نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"حضرات! تیسری ایٹمی جنگ شروع ہو گئی ہے۔"

اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس کی طرف کسی نے دھیان نہ دیا۔ سب کی نظریں سکرین پر جم گئیں۔ سکرین پر نیو یارک شہر کی تصویر آئی ہوئی تھی۔ اچانک نیو یارک کا آسمان

سرخ ہو گیا۔ ایک راکٹ سرخ آگ چھوڑتا اس کے اوپر گرا اور نیو یارک شہر کی اونچی اونچی عمارتیں ایک سیکنڈ سے بھی کم عرصے میں پہلے سرخ انگارہ بنیں۔ پھر پگھل کر پانی بن گئیں اور پھر بھاپ اور گیس بن کر اڑ گئیں۔ ایک سیکنڈ پہلے جہاں دنیا کا سب سے عظیم الشان شہر نیو یارک آباد تھا وہاں اب ویران میدان۔ جس میں جگہ جگہ گڑھے پڑ گئے تھے اور وہاں سے بھاپ خارج ہو رہی تھی۔

وہاں کھڑے لوگ خوف زدہ چہروں سے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ تقریباً دو کروڑ لوگ ایک سیکنڈ میں مر گئے تھے۔ سکرین پر واشنگٹن شہر کو دیکھا گیا کہ اس کا کیا حال ہے واشنگٹن شہر کی جگہ اب ایک تباہ و برباد اونچا نیچا میدان باقی رہ گیا تھا۔ جہاں بڑے بڑے گڑھے پڑ گئے تھے اور ان میں سے گرم بھاپ نکل رہی تھی۔ دوسرے ایٹمی راکٹ نے واشنگٹن کو بھی نیست و نابود کر دیا تھا۔

"مائی گاڈ! یہ کیا ہو گیا۔ اب ہماری باری ہے۔ ماسکو دیکھو۔ ماسکو دیکھو۔"

ایک آدمی چلایا۔ سکرین پر ماسکو کی سوئی لگا دی گئی۔ ماسکو شہر کا بھی نام و نشان مٹ چکا تھا اور روس کے تمام بڑے بڑے شہروں کی جگہ سوائے ویران میدانوں کے اور

کچھ باقی نہیں بچا تھا۔

ماریا یہ تباہی چپ چاپ کھڑی دیکھ رہی تھی۔ انسان نے انسان کو ہمیشہ کے لئے تباہ کرنے کا کام شروع کر دیا تھا۔

پھر ایک دھماکہ ہوا۔ سرخ روشنی کا بے انتہا تیز جھپاکا چمکا اور دوسرے لمحے ماریا اُچھل کر فضا میں کئی فٹ بلند ہو گئی۔ وہ ہوا میں اُڑتی ہوئی مشرقی جرمنی کے اس شہر کے دفترِ جنگ کی بلڈنگ سے کئی سو فٹ دور جا پڑی۔ جب وہ اٹھی تو اس کو اپنے ارد گرد سوائے آگ کے شعلوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہ بڑی مشکل سے ان شعلوں سے باہر نکلی۔ مشرقی جرمنی کا یہ سب سے بڑا شہر راکھ کا ڈھیر بن گیا تھا۔ وہاں سوائے زمین کے گڑھوں سے خارج ہونے والی گرم بھاپ کے اور کچھ نہ تھا۔

ماریا زمین پر ایک طرف بھاگی اور پھر پوری طاقت کے ساتھ زمین پر سے ہوا میں اچھلی اور زمین سے پچاس فٹ اوپر جا کر ہوا میں تیرنے لگی۔ بہت دور جانے کے بعد ذرا دھند کم ہوئی تو اس نے نیچے دیکھا۔ نیچے زمین بنجر اور ویران تھی دریا کا پانی گرم ہو کر کھول رہا تھا۔ درخت جل کر سیاہ راکھ میں بدل گئے تھے۔ وہ فضا میں اڑتی چلی گئی۔ دُور

دُور تک اسے خوبصورت یورپ کا کوئی شہر زندہ سلامت دکھائی نہ دیا۔ ایٹمی راکٹوں نے انسانوں، عمارتوں، پلوں اور دریاؤں کے نام و نشان تک مٹا دیئے تھے۔ دریا گرم ہو کر کھولنے کے بعد بھاپ بن بن کر اڑ رہے تھے۔ چشمے سوکھ گئے تھے۔

ماریا سمندر کے اوپر آ گئی۔ سمندر کا پانی بھی کھول رہا تھا اور فضا میں بادلوں کی چھت پڑ گئی تھی۔ یہ بادل سخت گرم تھے۔ آسمان پر دور دور تک کوئی پرندہ بھی اڑتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہائیڈروجن بموں کی تپش سے ستر ہزار فٹ کی بلندی تک تمام پرندے جل کر بھاپ بن گئے تھے۔

ماریا ہوا میں اڑتی چلی گئی۔ آسمان بھاپ کے بادلوں میں چھپ گیا تھا۔ سورج کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ سارا دن اور ساری رات ہوا میں اڑنے کے بعد ماریا مشرقِ وسطیٰ کے ایک ملک میں آ گئی۔ یہاں بھی تیسری ایٹمی جنگ نے تباہی پھیلا رکھی تھی۔ شہر راکھ بن چکے تھے۔ ماریا اڑتی چلی گئی۔ وہ مصر کے دارالحکومت قاہرہ کے اوپر آئی تو اس نے دیکھا کہ قاہرہ شہر کی عمارتیں اسی طرح کھڑی ہیں۔ مگر وہاں سڑکوں، گلیوں اور مکانوں میں کوئی انسان دکھائی نہیں دے

رہا۔ اس شہر پر تیسری ایٹمی جنگ کے دوران ایک ایسا بم
مارا گیا تھا جس سے عمارتوں کو نقصان نہیں پہنچا۔ مگر انسانوں،
جانوروں اور پرندوں کو تیز گرمی کی وجہ سے بھاپ بنا کر
ہوا میں اڑا دیتا ہے۔ ماریا اس شہر کی ایک اونچی بلڈنگ
کی چھت پر اتر گئی۔ اس کے پیر ابھی بلڈنگ کی چھت پر
لگے ہی تھے کہ تیز روشنی کا ایک شیشہ سا اس کی آنکھوں
کے آگے چمک گیا۔ ماریا کی آنکھیں اپنے آپ بند ہو گئیں۔
اور اس کا جسم جیسے گرم بھاپ کی آندھی میں تنکے کی
طرح ہوا میں بلند ہو کر کئی فرلانگ دور جا گرا۔

اس نے زمین پر سے اٹھ کر دیکھا تو اتنے بڑے شہر
کی عمارتیں موم کی طرح پگھل کر پانی بن کر زمین کے ساتھ لگ چکی
تھیں اور شہر کے درمیان سے سرخ بادل ایک چھتری کی طرح
اوپر کو اٹھتا چلا گیا۔ اس شہر پر یہ ایٹم بم گرا تھا۔

ماریا کو شدید گرمی کا احساس ہوا۔ وہ ایک طرف کو
بھاگی۔ سامنے ایک ٹیلے کے پتھر اور ریت دلدل بن کر ابل
رہی تھی۔ ماریا ایک بار پھر زور لگا کر اچھلی اور اڑتی ہوئی
شہر سے کافی فاصلے پر صحرا میں اتر گئی۔ ایٹم بم کی تابکاری
نے یہاں تک پرندوں اور مویشیوں اور انسانوں کو ہلاک کر ڈالا
تھا۔ کچھ فاصلے پر ابوالہول کا جو بہت بڑا بت کھڑا ہوا

کرتا تھا وہ بھی راکھ کا ڈھیر بن گیا تھا۔

ماریا کو دور اہرامِ مصر کے تکونے ٹیلے دکھائی دیئے۔ وہ
ہوا میں تیرتی ہوئی ٹیلوں کے پاس آ گئی۔ یہاں کبھی اسوان ڈیم
کا پانی موجیں مارتا دریائے نیل کی طرف بہا کرتا تھا۔ دریائے
نیل کا پانی بھاپ بن کر پہلے ہی اڑ گیا تھا۔ اسوان ڈیم تباہ
ہو چکا تھا اور اس کا پانی کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس
کی جگہ ایک بہت بڑا گہرا گڑھا بن گیا تھا۔ جس کے اندر مردہ
مچھلیوں کے ڈھیروں کے ڈھیر پڑے تھے۔

اس ہولناک تباہی سے اگر کوئی چیز سلامت رہی تھی تو
وہ اہرامِ مصر تھے جو اسی طرح کھڑے تھے۔ شاید اس وجہ
سے کہ ایٹم بم ان سے کافی فاصلے پر پھٹا تھا۔ ماریا ان
اہرام سے اچھی طرح واقف تھی۔

آج سے چار ہزار سال پہلے یہ اہرام باری باری اس
کی اور عنبر کی آنکھوں کے سامنے بنے تھے۔ ان میں سب
سے بڑا اہرام ملکہ نفریتی کا اہرام تھا جس کے اندر ملکہ
نفریتی اور اس کے خاوند فرعون توتخ آمون کی حنوط کی
ہوئی لاش ہوا کرتی تھی۔ پھر یہ لاشیں یہاں سے نکال کر
پیرس اور لندن کے عجائب گھروں میں لے جائی گئیں اور
تیسری ایٹمی جنگ میں پیرس اور لندن کا بھی نام و نشان

باقی نہیں رہا تھا اور مصر کی اس قدیم ملکہ اور فرعون کی
لاشیں بھی ہائیڈروجن بموں کی قیامت کی تپش میں جل کر
بھاپ بن گئی تھیں ۔

اہرام کا دروازہ ایٹم بم کے دھماکے سے ٹوٹ کر گر
چکا تھا ۔ اس کے بڑے بڑے چوکور پتھر ایک دوسرے کے
اوپر گرے پڑے تھے ۔ ماریا اہرام کے اندر داخل ہو گئی ۔
اسے بے اختیار عنبر اور ناگ کی یاد آ گئی ۔ خدا جانے وہ
کہاں ہوں گے ۔ سب سے زیادہ فکر اسے ناگ کی تھی ۔ کیونکہ
ناگ ایٹم بم کی تباہی سے ہلاک ہو سکتا تھا ۔ وہ دعا مانگنے
لگی کہ ناگ سن ۲۰۰۰ء میں نہ ہو بلکہ اس سے پہلے کے کسی
زمانے میں نکل چکا ہو ۔ ویسے اس کی دعا پہلے ہی قبول ہو
چکی تھی اور ناگ اور عنبر ڈھائی ہزار سال پیچھے کے زمانے
میں دریائے فرات کی وادی سے نکل کر یمن کے علاقے میں
داخل ہو گئے تھے ۔ وہ ماریا کی تلاش میں تھے اور ان میں سے
کسی کو خبر نہیں تھی کہ ماریا ۱۹۸۳ء کے زمانے سے بھی آگے
کے زمانے میں نکل کر تیسری عالمگیر ایٹمی جنگ میں ہونے والی
دنیا کی تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی ۔

اہرام کے اندر اندھیرا تھا ۔ صرف ٹوٹے ہوئے دروازے
کی ہلکی روشنی کچھ دور تک ماریا کے ساتھ آئی ۔ پھر وہ بھی

پیچھے رہ گئی ۔ مگر ماریا اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی تھی ۔ ایٹم
بم کی تابکاری کا اثر یہاں اہرام کے اندر تک بھی آیا ہوا
تھا ۔ ماریا نے دو خرگوشوں کو مرے ہوئے دیکھا ۔ یہ ایٹم بم
گرنے کے بعد پناہ لینے اہرام میں آ گئے تھے ۔ مگر ایٹمی
تابکاری نے انہیں یہاں بھی ہلاک کر دیا ۔ اہرام کا تاریک غار
آگے جا کر گھوم گیا ۔ سامنے ایک نیچی چھت والا دروازہ آ گیا ۔
اس دروازے میں ماریا کو ایک بوڑھے آدمی کی لاش دکھائی دی ۔
شاید یہ بدقسمت انسان بھی ایٹم بم کی تباہی سے بچنے کے لئے
یہاں آ گیا تھا ۔ مگر زندہ نہ بچ سکا ۔ ماریا دروازے میں سے
گزر کر فرعونِ مصر توتخ آمون کے مقبرے میں داخل
ہو گئی ۔

فرعونِ مصر کی ممی کا تابوت خالی پڑا تھا ۔ اس میں سے
ممی اٹھا کر پیرس کے عجائب گھر میں پہنچا دی گئی تھی جہاں
وہ شہر کے ساتھ ہی نیست و نابود ہو گئی تھی ۔ یہی حال
ملکہ نفریتی کی لاش کا ہوا تھا ۔ جس کا تابوت فرعونِ مصر کے
تابوت کے ساتھ ہی خالی پڑا تھا ۔ ماریا کو خیال آیا کہ ہو سکتا
ہے کہ کچھ اور لوگ پناہ لینے کے لئے یہاں آ گئے ہوں اس
لئے گھوم پھر کر سارے اہرام کو چھان مارا ۔ مگر سوائے بوڑھے
کی لاش کے اسے وہاں کوئی انسان نہ ملا ۔ اصل میں بم اتنا

اچانک گرا تھا کہ کسی کو بھاگنے کی مہلت نہ مل سکی تھی۔ لوگ گھروں اور سڑکوں پر پہلے بم کی شعاعوں کے ساتھ ہی فنا ہو گئے۔ دوسرے ایٹم بم نے شہر کی عمارتوں کو راکھ میں ملا دیا۔ یہ بوڑھا کہیں قریب ہی سے گزر رہا ہوگا کہ دھماکے کی گرمی سے بھاگ کر اہرام میں آ گیا۔ مگر ایٹمی تابکاری نے اسے یہاں بھی زندہ نہ چھوڑا اور وہ ہلاک ہو گیا۔

ماریا نے باری باری جھانک کر فرعون اور ملکہ کے خالی تابوتوں کو دیکھا۔ تیسری عالمگیر جنگ کے بعد انسان کے ہاتھوں دنیا کی تباہی سے ماریا کا دل بے حد اداس ہو گیا تھا اور وہ ماضی کے زمانے کے امن پسند لوگوں کے درمیان واپس جانا چاہتی تھی۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ عنبر اور ناگ سے اس کی ملاقات بھی ماضی کے ہی زمانے کے کسی شہر میں ہو گی۔ دنیا تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ ہائیڈروجن بموں والے راکٹوں نے دنیا کے ہر شہر کو ویران کر کے راکھ کا ڈھیر بنا دیا تھا۔ لوگوں سے بھری ہوئی دنیا قبرستان بن گئی تھی۔ آسمان پہ کوئی پرندہ تک نظر نہ آتا تھا۔ نہ کوئی درخت باقی بچا تھا اور نہ کوئی چشمہ باقی رہا تھا۔ ہر طرف موت کی حکمرانی تھی۔ جنگل جل گئے تھے اور جنگلی جانور مر کھپ گئے تھے۔

دنیا میں اس قدر تنہائی کا احساس ماریا کو پہلے کبھی نہیں

ہوا تھا۔ انسان کے ہاتھ سے انسان کی اس بھیانک تباہی پر ماریا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کتنی دیر وہ فرعونِ مصر اور ملکہ مصر کے خالی تابوتوں کے پاس چبوترے پر بیٹھی رہی۔ اچانک اسے پھر ویسی ہی آواز سنائی دی جیسی اسے دریا کے کنارے آدھی رات کو اصطبل میں بیٹھے ہوئے سنائی دی تھی۔ یہ آواز اہرام کے باہر سے آ رہی تھی۔ ماریا تیزی سے اہرام سے نکل کر باہر آ گئی۔

ایٹم بم کی وجہ سے اٹھنے والا سرخ بادل آسمان پر بہت اوپر جا کر فضا میں حل ہو گیا تھا۔ فضا میں راکھ سی اڑ رہی تھی۔ ماریا نے راکھ کی دھند میں سے اسی قسم کی ایک اڑن طشتری کو نکلتے دیکھا جیسی اس نے پہلے دیکھی تھی اور جس کو اس نے تباہ کر دیا تھا۔ یہ اڑن طشتری اہرام کے قریب آ کر زمین پہ اتر گئی۔ اس کا دروازہ کھلا۔ سیڑھی اپنے آپ باہر نکلی اور دو آدمی جنہوں نے ویسے ہی چاندی ایسے خلائی سوٹ پہن رکھے تھے۔ ہاتھوں میں لیزر شعاعوں والی پستولیں پکڑے باہر نکلے اور اہرام کے دروازے کی طرف بڑھے۔ وہ ماریا کے قریب سے ہو کر اہرام میں داخل ہو گئے۔ ماریا بھی ان کے پیچھے پیچھے گئی۔ دونوں خلا بازوں کی شکل اور قد کاٹھ عام انسانوں کی طرح تھا مگر ماریا نے دیکھا کہ خلائی ٹوپ کے اندر

ان کی آنکھیں گول ہونے کی بجائے چوکور تھیں اور ان کی پلکیں
نہیں تھیں۔ وہ کسی عجیب و غریب زبان میں بات کر رہے
تھے۔ اس قسم کی چوکور آنکھوں والی خلائی مخلوق ماریا پہلی بار
دیکھ رہی تھی۔ دونوں خلائی آدمی فرعونِ مصر کے مقبرے میں
آ گئے۔ ایک نے جیب میں سے شیشے کا چمکتا ہوا ٹکڑا نکالا
اور باری باری ملکہ اور فرعون کے خالی تابوتوں میں ڈال کر
چاروں طرف گھمایا۔ پھر اپنے ساتھی سے کہنے لگا۔

"یاقوت کے بنے ہوئے جس سانپ کی ہمیں ضرورت تھی
وہ یہاں نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے جو ایٹم بم گرایا
اس کی تابکاری سے یاقوت کا سانپ بھی بھاپ بن کر
اڑ گیا۔"

دوسرا خلائی آدمی بولا۔

"ربِ خلاد کو ہم کیا جواب دیں گے؟ اسے یاقوت کے
سانپ کی تلاش ہے۔"

پہلا کہنے لگا۔

"ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ربِ خلا نے دنیا پر اڑن طشتریوں
سے حملہ کر کے ہائیڈروجن راکٹ برسا کر اسے تباہ و برباد کر دیا
ہے اور وہ اتنی بڑی دنیا کا اکیلا بادشاہ بن چکا ہے، اسے
اور کیا چاہیے؟"

دوسرے نے کہا۔

"ربِ خلا کو یاقوت کے سانپ کی ضرورت ہے اور تم
جانتے ہو کہ اگر ہم نے اسے یہ سانپ لا کر نہ دیا تو وہ ہمیں
زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

پہلے خلا باز نے کہا۔

"پھر ہمیں مجبوراً سمندر کی تہہ میں جا کر پناہ لینی پڑے گی۔"

دوسرا کہنے لگا۔ "ابھی ہم ربِ خلاد کو یہ نہیں بتاتے کہ
ہمیں یاقوت کا سانپ نہیں ملا۔ ہم یہی کہیں گے کہ اس کی
تلاش جاری ہے۔"

"آؤ چلیں۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

دونوں خلا باز اہرام سے باہر نکل گئے۔ ماریا ان کے پیچھے
پیچھے گئی۔ وہ اڑن طشتری میں سوار ہو کر اڑ گئے۔ ماریا واپس
اہرام میں ملکہ مصر اور فرعونِ مصر کے تابوتوں کے پاس آ کر
بیٹھ گئی اور غور کرنے لگی کہ یاقوت کے سانپ کا کیا راز ہے؟
وہ کونسا سانپ ہے جو یاقوت کا بنا ہوا ہے اور جس کے بارے
میں ان خلائی انسانوں کو علم تھا اور جس کی تلاش میں خلائی
مخلوق کے بادشاہ ربِ اعظم نے انہیں یہاں بھیجا تھا۔ اب
ایک اور بات ماریا پر ظاہر ہوئی تھی کہ تیسری عالمگیر جنگ
انسانوں نے شروع نہیں کی تھی بلکہ ایک خلائی مخلوق نے دنیا

پر اچانک حملہ کر کے اس کو نیست و نابود کر دیا تھا اور اب
اس خلائی مخلوق کا بادشاہ دنیا کا حکمران یعنی رب خلا بن کر
بیٹھ گیا تھا۔

ماریا سوچنے لگی یہ خلائی مخلوق ضرور کسی دور دراز سیارے
سے یہاں آئی ہے اور اس نے دنیا پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں
اپنی بادشاہت قائم کر لی ہے اور ضرور کسی جگہ اپنا ہیڈ کوارٹر
بنایا ہو گا۔ ماریا اس خلائی مخلوق سے دنیا کی تباہی کا انتقام
لینا چاہتی تھی۔ مگر وہ اکیلی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں
آ رہا تھا کہ وہ اتنی طاقتور اور سائنس میں اس قدر
ترقی یافتہ مخلوق سے کس طرح انتقام لے۔

رہ رہ کر اسے یاقوت کے بنے ہوئے سانپ کا خیال
آ رہا تھا۔ اس سانپ میں ضرور کوئی بڑی اہم بات ہو
گی جس کی تلاش خلائی مخلوق کے سب سے بڑے سائنسدان
یعنی بادشاہ رب خلاء کو تھی۔ اگر کسی طرح سے اسے
یہ سانپ مل جائے تو اس راز پر سے پردہ اٹھ سکتا تھا۔
مگر سوال یہ تھا کہ یاقوت کا سانپ ماریا کو کہاں سے
مل سکتا تھا؟

یہ بات ماریا کی عقل سے باہر تھی۔

اُسے ناگ کا خیال آ گیا۔ وہ عظیم ناگ دیوتا تھا۔

اگر وہاں ہوتا تو ہو سکتا ہے کہ وہ یاقوت کے سانپ
کو طلب کر لیتا۔

مگر یاقوت کا سانپ تو بے جان ہو گا۔ یاقوت پتھر
ہوتا ہے اور بھلا پتھر سے بنا ہوا سانپ بھی کبھی کوئی بات
کر سکتا ہے؟

انہی سوچوں میں گم ماریا اہرام سے باہر نکل آئی۔ آسمان
پر ابھی تک ایٹمی راکھ بکھری ہوئی تھی اور غروب ہوتے
ہوئے سورج کا رنگ کبھی سرخ ہو جاتا اور کبھی کاسنی پڑ
جاتا تھا۔ ایسا سورج ماریا نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ
بالکل قیامت کے دن کا سورج معلوم ہو رہا تھا۔ ماریا نے
اس طرف نگاہ اٹھائی جہاں کبھی قاہرہ کا ماڈرن اور حسین
ترین شہر ہوا کرتا تھا۔

اسے ڈوبتے سورج کے ہلکے ہلکے کاسنی رنگ کے اندھیرے
میں شہر میں روشنی کا ایک بہت بڑا مینار جگمگاتا دکھائی دیا۔ ضرور
یہ خلائی مخلوق نے بنایا ہو گا۔ ماریا شہر کی طرف چل پڑی۔
شہر میں جانے والا راستہ سنسان اور ویران تھا۔ نہ کوئی آدم تھا
نہ آدم زاد۔ کسی پرندے کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ فضا
میں کاسنی روشنی بھیانک اندھیرے میں تبدیل ہو رہی تھی
ہوا گرم تھی اور اس میں ایسی سرگوشیاں سی سنائی دے رہی

تھیں جیسے مرنے والے لاکھوں انسانوں کی بے چین روحیں رو رہی ہوں ۔ جس جگہ شہر ہوا کرتا تھا وہاں اب سوائے میدان کے اور کچھ نہیں تھا ۔ ایک جگہ وہی روشنی کا بلند مخروطی مینار تھا اور اس کے ارد گرد دس بارہ اڑن طشتریاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھڑی تھیں ۔

خالی تابوت، یاقوتی سانپ

ماریا ان اڑن طشتریوں کے قریب آ گئی ۔

روشنی کا مینار گویا پارے کی بنی ہوئی ایک بہت بڑی ٹیوب تھی جس میں سے روشنی کی کرنیں نکل نکل کر چاروں طرف بکھر رہی تھیں ۔ اڑن طشتریاں ایک دوسری سے سو سو فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھیں ۔ درمیان والی اڑن طشتری سب سے بڑی تھی اور اس کے گنبد پر بے شمار نیلی اور سرخ روشنیاں لگی تھیں ۔ ہر طشتری کی سیڑھی زمین تک آئی ہوئی تھی ۔ شاید یہاں روشنی کے مینار سے نکلنے والی شعاعوں کا اثر تھا کہ ایٹم کی تابکاری بالکل نہیں تھی اور خلائی آدمی خلائی سوٹ کے بغیر چل پھر رہے تھے ۔

ماریا نے پہلی بار یہاں خلائی عورتیں دیکھیں ۔ ان کے سیاہ بال سروں پر کٹے ہوئے گھاس کی طرح کھڑے تھے اور چوکور آنکھوں میں نیلے ڈیلے بلب کی طرح روشن تھے ۔ مردوں کی چوکور آنکھیں زرد تھیں ۔ ان عورتوں کے قد مردوں کے مقابلے

میں ملبے تھے ۔ ان کا لباس سفید چاندی ایسی برجس اور جسم
کے ساتھ چپٹا ہوا بلاؤز تھا ۔ گلے میں کالا فیتہ تھا جس پر
اڑن طشتری کے نشان کا طغرہ بنا ہوا تھا ۔ ہر مرد عورت کی
کمر کے ساتھ لیزر شعاع کی پستول لگی تھی ۔ جس میں سے
نکلنے والی سرخ شعاع جہاں پڑتی تھی اس شے کو فنا کر
دیتی تھی ۔

ماریا کو اس بات سے اطمینان ہوا کہ اس کی موجودگی کی
وجہ سے خطرے کا کوئی الارم چیخا نہیں تھا ۔ کسی ریڈار یا
کمپیوٹر نے ماریا کے وہاں پر موجود ہونے کی خبر نہیں دی تھی ۔
اڑن طشتری میں شاید اس لئے کرسی پر بیٹھتے ہی الارم چیخ
اٹھا تھا کہ وہ پرواز کر رہی تھی ۔ ماریا بڑی آزادی سے اس
خلائی مخلوق کے درمیان چلنے پھرنے لگی ۔ پھر وہ سب سے بڑی
درمیان والی اڑن طشتری کی سیڑھیاں چڑھ کر اس کے اندر
داخل ہو گئی ۔

یہ اڑن طشتری اندر سے ایک بہت بڑا گول خلائی جہاز
لگ رہی تھی ۔ اس کی دو منزلیں تھیں ۔ اوپر والی منزل میں
ایک خاص کمرہ تھا جس کی دیواریں چاندی کی بنی ہوئی تھیں ۔
یہاں کوئی بلب نہیں لگا تھا ۔ ہلکی ہلکی روشنی ان چاندی کی
دیواروں میں سے چھن چھن کر آ رہی تھی ۔ یہاں ایک

عظیم الشان آرام کرسی پر ایک ادھیڑ عمر کی تھوڑے تھوڑے سفید
بالوں والی خلائی عورت بیٹھی تھی ۔

یہ عورت اس قاہرہ والے خلائی ہیڈ کوارٹر کی گورنر تھی ۔
ان لوگوں نے اسی طرح ہر ملک کے بڑے شہر کے وسط میں
اسے تباہ کرنے کے بعد اپنے ہیڈ کوارٹر بنا لئے تھے ۔ یہ
سارے ہیڈ کوارٹر رب خلاد کے ماتحت تھے جو سمندر پار
امریکہ کے کسی بڑے شہر میں اپنا سب سے بڑا خلائی ہیڈ کوارٹر
بنا کر رہتا تھا ۔

ماریا اس عورت کے قریب دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی ۔
اس گورنر عورت کی آنکھیں بھی چوکور اور نیلی تھیں ۔ اس
کے آس پاس دو جوان خلائی عورتیں ادب سے کھڑی تھیں ۔
ایک خلائی عورت جو ان سب سے کم عمر اور خوبصورت تھی
گورنر عورت کے سامنے چوکی پر بیٹھی اس کی پنڈلی پر بجلی کے
دو تار لگائے مشین کے ایک ڈائیل کو غور سے دیکھ رہی تھی ۔
اتنے میں وہی دو خلائی آدمی کمرے میں داخل ہوئے جن
کو ماریا نے اہرام کے اندر فرعون اور ملکہ مصر کے مقبرے
میں دیکھا تھا ۔ انہوں نے آتے ہی دونوں بازو پھیلا کر
سلام کیا اور بتایا کہ یاقوت کا سانپ اہرام کے اندر تابوتوں
میں نہیں ملا ۔

خلائی گورنر عورت کی آنکھوں کا رنگ تبدیل ہو گیا۔
اس کی چوکور آنکھیں نیلی سے سرخ ہو گئیں۔ اس نے غصہ
بھری آواز میں کہا۔

"اگر یاقوتی سانپ نہیں ملا تو تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

ان میں سے ایک آدمی بڑے ادب سے سر جھکا کر بولا۔

"ہم رب خلاء کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یاقوت کے
سانپ کا وہاں کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔ ایسا لگتا
ہے کہ ہمارے ایٹم بموں کی تابکاری سے وہ پگھل کر بھاپ
بن گیا ہے۔"

گورنر عورت کی آنکھوں کا رنگ سرخ سے ایک دم سفید
ہو گیا۔ یہ رنگ بدلتا دیکھ کر تینوں عورتیں پریشان ہو کر
ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔ دونوں خلائی آدمی بھی تھر تھر کانپنے
لگے۔ وہ رحم کی درخواست کرتے ہوئے فرش پر دو زانو جھکے
ہی تھے کہ گورنر عورت کی کرسی میں سے ایک ہی وقت میں
لیزر کی دو قاتل سرخ شعاعیں نکل کر دونوں خلائی انسانوں
پر پڑیں اور ایک جھماکے کے ساتھ دونوں جل کر بھسم ہو
گئے۔ ایک سیکنڈ بعد فرش پر ان کا سایہ تو کیا نشان تک
باقی نہیں تھا۔

عورت کی چوکور آنکھوں کا رنگ پھر نیلا ہو گیا۔ تینوں

عورتیں دوبارہ گورنر عورت کی خدمت کرنے لگیں۔ ماریا اس
خلائی ظالم عورت کو حیرانی سے تک رہی تھی کہ کتنی آسانی کے
ساتھ اس نے دو انسانوں کو ہلاک کر دیا اور اس پر ذرا سا
بھی اثر نہیں ہوا ہے۔

اب ماریا یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اس کے کسی کرسی پر بیٹھنے
کی وجہ سے خطرے کا الارم تو نہیں بج اٹھتا۔ دیوار کے ساتھ
ایک گول سفید کرسی لگی ہوئی تھی۔ ماریا اس پر جا کر بیٹھ گئی۔
خطرے کا کوئی بھی الارم نہ بجا۔ ماریا کی تسلی ہو گئی کہ
اس کے جسم سے نکلنے والی شعاعوں کو اڑن طشتری والوں کی
کوئی بھی مشین یا ریڈار پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اتنے میں گورنر عورت نے انگلی کے اشارے سے اس لڑکی
کو کھڑے ہونے کے لئے کہا جو سب سے زیادہ نوجوان اور
خوبصورت تھی۔ وہ لڑکی ادب سے کھڑی ہو گئی۔

گورنر عورت نے اس کی طرف گہری نظروں سے دیکھتے
ہوئے کہا۔

"اہرام مصر میں جاؤ اور یاقوتی سانپ کا سراغ لگاؤ
کہ وہ کہاں ہے۔ یاد رکھو اگر تم بھی ناکام واپس لوٹیں
تو تمہارا بھی یہی حال ہو گا۔ جاؤ۔"

خلائی لڑکی نے دونوں بازو آگے کو پھیلا کر سلام کیا

اور الٹے قدموں گول کمرے سے باہر نکل گئی۔ ماریا بھی اس
کے ساتھ ہی کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ اس لڑکی کے انجام
سے باخبر تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اہرام میں یاقوتی سانپ اسے
نہیں ملے گا اور یہ ظالم خلائی گورنر عورت اسے بھی موت کی
سرخ شعاع سے ہلاک کر دے گی۔ ماریا اس خلائی لڑکی کے
ساتھ اڑن طشتری سے باہر نکل آئی۔ خلائی لڑکی ایک چھوٹی سی
اڑن طشتری میں بیٹھ گئی۔ ماریا بھی اس کے پاس ہی اڑن
طشتری میں جا بیٹھی۔ خلائی لڑکی کو ماریا کی بالکل خبر
نہ ہوئی۔

یہ چھوٹی سی اڑن طشتری بڑے ٹرک کے ٹائر کی طرح
تھی۔ جس کے اوپر شیشے کا بلبلہ بنا ہوا تھا۔ خلائی لڑکی
نے اس میں داخل ہونے سے پہلے خلائی سوٹ پہن لیا
تھا۔ کیونکہ اہرام مصر کے آس پاس ابھی تک ایٹمی تابکاری
کا اثر تھا۔

خلائی لڑکی ننھی طشتری کو اڑا کر اہرام کے پرانے دروازے
تک لے گئی اور پھر اتر کر اہرام کے اندر داخل ہو گئی۔ ماریا
اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ اسے معلوم تھا کہ دونوں تابوت
خالی ہیں اور یاقوتی سانپ کہیں بھی نہیں ہے۔ خلائی لڑکی نے
مقبرے کے اندر آکر دونوں خالی تابوت غور سے دیکھے۔

شیشے کی تکون نکال کر اسے تابوت کے اندر ڈال کر گھمایا۔
پھر شیشے کی تکون لے کر اہرام کے چاروں کونوں میں گئی۔ پھر
دیوار کے ساتھ جگہ جگہ پتھروں کی درزوں میں شیشے کی تکون
کو لگا کر اسے کسی جگہ بھی یاقوتی سانپ کا سراغ نہ ملا۔

وہ پریشان ہو گئی۔ پریشانی اس کے چہرے سے صاف
ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کی چوکور آنکھوں کا نیلا رنگ بدل
کر زردی مائل نیلا ہو گیا تھا۔ خلائی مخلوق اسے موت کے
خوف کا رنگ سمجھتی تھی۔

خلائی لڑکی تابوت کے سرہانے کی طرف جا کر کھڑی ہو گئی۔
اس نے اپنی کمر میں لگا ہوا موت کی سرخ شعاع والا پستول
نکال کر ہاتھ میں تھاما اور آہستہ آہستہ اسے اپنی چوکور آنکھوں
کے درمیان لانے لگی۔

ماریا ایک دم چونک پڑی۔ خلائی لڑکی خودکشی کرنے لگی
تھی۔ ماریا کو یہ لڑکی پیاری لگی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی
کہ وہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالے۔ ماریا اچھل کر خلائی
لڑکی کے قریب آگئی اور اس نے زور سے ہاتھ مار کر اس کا
پستول زمین پر گرا دیا۔

خلائی لڑکی کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا کہ
یہ اس کے ہاتھ پر کس نے اپنا ہاتھ مار کر پستول گرا دیا۔

وہ جھک کر پستول اٹھانے کے لئے آگے بڑھی تو ماریا نے جلدی سے پستول اٹھا لیا۔

پستول ماریا کے ہاتھ میں جاتے ہی غائب ہو گیا۔

اب تو خلائی لڑکی اور زیادہ حیران ہو گئی۔ مگر وہ سائنسی طور پر بڑی ترقی یافتہ مخلوق تھی۔ وہ ڈری بالکل نہیں۔ اس نے اپنی زبان میں بلند آواز سے پوچھا۔

"کیا تم کوئی مریخ کی مخلوق ہو۔ جس نے اپنے جسم کے ذروں کو غائب کر رکھا ہے؟"

ماریا نے سوچا کہ اب اس سے بات کر ہی لینی چاہیئے۔ اس نے کہا۔

"میں مریخ کی نہیں بلکہ اس دنیا کی ایک لڑکی ہوں جس کو تم لوگوں نے تباہ و برباد کر دیا ہے۔"

خلائی لڑکی نے کہا۔

"اگر تم اس دنیا کی مخلوق ہو تو ہماری زبان کیسے بول لیتی ہو؟"

ماریا نے کہا۔

"میں اس دنیا کی ہی نہیں، ساری کائنات کی جہاں جہاں انسان آباد ہے، زبان بول لیتی ہوں اور سمجھ لیتی ہوں۔"

خلائی لڑکی بولی۔

"تم کون ہو اور ہمارے اتنے طاقتور ہائیڈروجن اور لیزر بموں کے دھماکوں سے کیسے بچ گئی ہو؟"

ماریا نے کہا۔

"تمہارا خطرناک سے خطرناک بم اور قاتل سے قاتل شعاع بھی مجھے ہلاک نہیں کر سکتی۔"

"تم نے مجھے مرنے سے کیوں روکا؟" خلائی لڑکی نے پوچھا۔

ماریا نے کہا۔

"اس لئے کہ میرے ہم وطنوں پر اتنا ظلم و ستم کرنے کے باوجود تم مجھے ساری ظالم خلائی مخلوق میں سے اچھی لگی ہو۔ اگر تم مجھے اچھی نہ لگتیں تو میں تمہیں خودکشی کرنے سے کبھی نہ روکتی۔ میں اڑن طشتری میں بھی تمہارے ساتھ تھی اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم خود کشی کیوں کرنے لگی تھیں اور اگر تم یاقوتی سانپ لے کر گورنر کے پاس نہ گئیں تو وہ پہلے والے ناکام خلائی انسانوں کی طرح تمہیں بھی موت کے گھاٹ اتار دے گی۔"

خلائی لڑکی کی چکور آنکھوں کا رنگ پھر سے نیلا ہو گیا تھا۔ وہ آواز کے اندازے سے ماریا کے بالکل قریب آ گئی۔

اور اس نے دونوں ہاتھوں سے ماریا کا چہرہ چھونے کی کوشش کی۔ ماریا نے کہا۔

"تم مجھے نہیں چھو سکتی۔ میں ذرّے بھی نہیں ہوں بلکہ نور کی ایسی شعاعوں میں تبدیل ہو کر غائب ہوں جو کسی کو رہنمائی نہیں دے سکتیں۔"

خلائی لڑکی کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"میں تمہیں اچھی کیوں لگی ہوں؟"

ماریا نے کہا۔

"تم مجھے اپنی بہن لگتی ہو۔ چھوٹی بہن۔"

خلائی لڑکی کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ خلائی گرت کے اندر ماریا کو اس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" ماریا نے پوچھا۔

خلائی لڑکی نے کہا۔ "کیٹی — اور تمہارا نام کیا ہے؟"

ماریا نے کہا۔ "ماریا۔"

خلائی لڑکی ذرا سا مسکرائی اور بولی۔

"ماریا! مجھے بھی تمہاری آواز پیاری لگتی ہے۔"

اس کے ساتھ ہی خلائی لڑکی کیٹی اداس ہو گئی اور اس کی چوکور آنکھوں کا رنگ پھر زردی مائل نیلا پڑنے لگا۔

وہ بولی۔

"ماریا۔ اگر تم مجھ سے محبت کرتی ہو تو میرا پستول واپس کر دو اور مجھے مر جانے دو۔ کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ گورز کی کرسیوں سے نکلنے والی ظالم شعاعیں مجھے جلا کر بھسم کر دیں۔"

ماریا نے کہا۔

"کیٹی! تمہاری جگہ کوئی اور خلائی آدمی ہوتا تو میں اسے اپنے ہاتھ سے ہلاک کر ڈالتی۔ کیونکہ تم لوگوں نے میرے بہن بھائیوں کو نیست و نابود کر دیا ہے۔ مگر تم مجھے پیاری لگتی ہو اس لئے تمہیں پستول کبھی نہیں دوں گی۔"

کیٹی ٹہلنے لگی۔ پھر بولی۔

"اس دنیا کو تباہ کرنے میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں دنیا پر حملہ کرنے کے خلاف تھی۔ مگر ربِ خلاء پر سارے نظامِ شمسی کے سیاروں کو قبضے میں کرنے کا بھوت سوار ہے۔ اس کے حکم سے تمہاری دنیا کو تباہ کیا گیا ہے۔ اس لئے مجھ سے ناراض نہ ہو اور مجھے پستول دے دو۔"

ماریا نے کہا۔

"میں تمہیں مرنے نہیں دوں گی۔"

خلائی لڑکی کیٹی کے چہرے پر ایک اداس مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ماریا! اگر میں خودکشی نہ بھی کروں تو یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ میں ان کے ریڈاروں اور کمپیوٹروں کی شعاعوں سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ میں جہاں بھی ہوں گی۔ یہ لوگ مجھے تلاش کر لیں گے اور پھر بڑی ذلت کی موت ماریں گے۔"

ماریا نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ ایسی جگہ لے جاؤں گی جہاں ان کے ریڈار کی شعاعیں نہیں پہنچ سکیں گی۔"

خلائی لڑکی کیٹی نے کہا۔

"تم مجھے زمین اور سمندر کے نیچے بھی لے جاؤ گی تو یہ لوگ وہاں سے مجھے نکال لائیں گے۔"

ماریا نے کہا۔

"میں تمہیں نہ زمین کے اندر لے جاؤں گی نہ سمندر کی گہرائیوں میں اور نہ آسمان کی بلندیوں میں۔"

"پھر کہاں لے جا کر چھپاؤ گی؟" کیٹی نے پوچھا۔

ماریا بولی۔

"میں تمہیں گزرے ہوئے زمانے میں لے جاؤں گی۔ تاریخ کے اس زمانے میں لے جاؤں گی جہاں ان لوگوں کا ابھی نام و نشان بھی موجود نہیں ہو گا۔"

کیٹی نے کہا۔

"شاید تم میرے ساتھ مذاق کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔ جبکہ میں موت کے دروازے پر کھڑی ہوں۔"

ماریا نے جواب دیا۔

"نہیں نہیں کیٹی ایسا نہیں ہے۔ میں تم سے مذاق نہیں کر رہی۔ بلکہ سچ کہہ رہی ہوں۔ اس وقت گزرے ہوئے زمانے میں جانا میرے بس میں نہیں ہے۔ لیکن یقین کرو جب وہ وقت آ گیا تو تم میرے ساتھ جاؤ گی اور یہ لوگ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔"

کیٹی نے کہا۔

"اس وقت تک یہ لوگ مجھے مار چکے ہوں گے۔"

ماریا نے کہا۔

"میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ میں تمہیں اس وقت تک بچائے رکھوں گی جب تک کہ تم میرے ساتھ گزرے ہوئے زمانے میں داخل نہیں ہو جاتیں۔"

کیٹی نے پوچھا۔

"تم مجھے کس طرح بچاؤ گی؟"

ماریا نے کہا۔

"یہ تمہیں وقت آنے پر بتاؤں گی۔"

کیٹی نے کہا ۔

"لیکن مجھے تو ابھی گورنر کے پاس واپس جا کر بتانا ہوگا کہ مجھے یاقوتی سانپ نہیں ملا۔"

ماریا نے کہا۔

"میں تمہیں نہیں جانے دوں گی ۔"

"وہ لوگ یہاں آ کر مجھے پکڑ کر لے جائیں گے ۔

"میں انہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی" ماریا نے کہا ۔

اہرام کے باہر چھوٹی اڑن طشتری کے اترنے کی آواز سنائی دی ۔ خلائی لڑکی کیٹی نے گھبرا کر کہا ۔

"وہ لوگ میری تلاش میں آ گئے ہیں"

ماریا نے کہا ۔

"گھبراؤ نہیں ۔ تم یہیں ٹھہرو ۔ میں ان کی خبر لیتی ہوں"

خلائی لڑکی کیٹی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے ۔ اب وہ اپنی جان ضرور بچانا چاہتی تھی ۔ مگر اسے ماریا کی باتوں پر زیادہ بھروسہ نہیں تھا ۔ وہ جانتی تھی کہ ماریا کے پاس اس کا پستول موجود ہے ۔ مگر وہ ایک پستول سے خلائی مخلوق کے کتنے آدمیوں کو ہلاک کر سکے گی ۔ ماریا غائب ہے ۔ مگر کیٹی غائب نہیں ہے ۔ وہ خلائی مخلوق کے کسی نہ کسی پستول سے ہلاک ہو سکتی تھی اور ماریا اسے نہیں بچا سکتی تھی ۔ جہاں تک

ماریا نے اسے گذرے ہوئے زمانے میں اپنے ساتھ لے جانے کو کہا تھا تو خلائی لڑکی کیٹی اسے ایک خوشگوار مذاق کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتی تھی ۔ بھلا کوئی گذرے ہوئے زمانے میں بھی جا سکتا ہے ۔

خلائی لڑکی کیٹی کو اپنے ہیڈکوارٹر کے آدمی کی آواز سنائی دی ۔

"کیٹی ! کہاں ہو تم ؟ سامنے آؤ ۔"

کیٹی مقبرے سے نکل کر پتھر کی دیوار کے اوپر جا کر ایک باہر کو ابھری ہوئی چٹان کے پیچھے ہو گئی اور اہرام کے غار میں دیکھنے لگی ۔ اس نے دیکھا کہ اس کے ہیڈکوارٹر کے تین سپاہی جن کا کام بھاگے ہوئے ملزموں کو پکڑنا تھا ، ہاتھوں میں پستول لئے چلے آ رہے تھے ۔ وہ آگے پیچھے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تھے ۔ کیٹی کو معلوم تھا کہ ماریا ان کے آس پاس ہی کہیں موجود ہے اور ابھی ان پر حملہ کر دے گی ۔

پھر ایسا ہی ہوا ۔ غار کے ایک کونے سے اچانک لیزر کی قاتل سرخ شعاع نکلی اور ایک خلائی آدمی کی پیٹھ پر لگی اور وہ وہیں جل کر بھسم ہو گیا ۔

دوسرے نے کونے میں پستول کا فائر کیا ۔ ماریا نے دوسری

شعاع سے دوسرے خلائی آدمی کو راکھ کر دیا۔ تیسرا باہر کو
بھاگا۔ مگر ماریا کی پستول سے نکلی ہوئی سرخ شعاع نے
اسے بھی وہیں گرا دیا اور وہ بھی جل بجھ کر بھسم ہو گیا۔
خلائی لڑکی کیٹی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اسے مقبرے
میں ماریا کی آواز سنائی دی۔

"کیٹی! تم کہاں چھپی ہوئی ہو؟"

کیٹی چٹان کی اوٹ سے نکل کر مقبرے میں چبوترے کے
پاس آ گئی اور بولی۔

"ماریا! اب میرا بچنا بہت مشکل ہے۔ ان لوگوں کی موت
کی خبر ہیڈ کوارٹر میں گورنر کو ہو جائے گی اور وہ اس اہرام
پر حملے کا حکم دے گی۔ تم بچ جاؤ گی۔ مگر میں زندہ نہ
بچ سکوں گی۔"

ماریا نے کہا۔ "ہم یہاں سے نکل کر بھاگ جاتے ہیں۔
چھوٹی اڑن طشتریاں ہمارے پاس ہیں۔"

کیٹی نے کہا۔ "جونہی ہم اڑن طشتریوں میں بیٹھ کر اڑے
ہم ہیڈ کوارٹر کے ریڈار پر ظاہر ہو جائیں گے اور وہ لوگ
وہیں سے ہماری طشتریوں کو لیزر کی شعاعوں سے تباہ
کر دیں گے۔"

ماریا پریشان ہو گئی۔ وہ ہر حالت میں چوکور نیلی آنکھوں

اور کٹے ہوئے سیاہ کھڑے بالوں والی اس خلائی لڑکی کی جان
بچانا چاہتی تھی۔ وہ مقبرے میں ٹہل کر سوچنے لگی کہ کیا
کیا جائے۔ اس نے کیٹی سے کہہ دیا تھا کہ وہ فکر نہ کرے
کوئی نہ کوئی ترکیب نکل آئے گی۔

اتنے میں انہیں کتنی ہی اڑن طشتریوں کا شور سنائی
دیا۔ کیٹی نے گھبرا کر کہا۔

"خلائی فوج کا پورا دستہ میری تلاش میں آ گیا ہے۔
انہیں تین فوجیوں کی موت کی خبر ہو گئی ہے۔ اب یہ لوگ
اس اہرام میں ایٹمی گیس چھوڑ کر مجھے ہلاک کر دیں گے۔"

ماریا کا چہرہ غصے اور جوش کے مارے سرخ ہو گیا تھا،
جسے کیٹی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے بڑی جلدی آنکھوں سے
ملکۂ مصر اور فرعونِ مصر کے خالی تابوتوں کو دیکھا۔ اس عرصے
میں اہرام کے باہر دو دھماکے ہوئے اور کیٹی نے پریشان ہو
کر کہا۔

"انہوں نے شعاعوں کے بم اندر پھینک دیئے ہیں۔ تھوڑی
دیر میں شعاعیں اندر آ جائیں گی اور میرے جسم کی کھال ہڈیوں
سے اتر کر نیچے گر پڑے گی۔"

ماریا نے بڑی جلالی آواز میں کہا۔

"کیٹی اس تابوت میں لیٹ جاؤ۔ جلدی کرو۔"

کیٹی کو چاروں طرف موت نظر آ رہی تھی۔ وہ جلدی سے تابوت کے اندر لیٹ گئی۔ سمجھی کہ شاید ماریا کوئی جادو کرنے لگی ہے۔ مگر اسے اپنی زندگی کی اب کوئی امید نہیں تھی۔ اسے معلوم تھا کہ چند سیکنڈوں کے بعد اس کی کھال اس کی ہڈیوں سے الگ ہونا شروع ہو جائے گی۔ اس اذیت بھری موت کے خیال سے خلائی لڑکی کیٹی نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے ایسی آواز سنائی دی جیسے ماریا بھی اس کے ساتھ والے خالی تابوت میں اتر کر لیٹ گئی ہو۔ اس نے پوچھا۔

"ماریا! کیا تم بھی تابوت میں آ گئی ہو؟"

ماریا نے کہا۔ "ہاں — مگر اب کوئی بات نہ کرنا۔"

اس کے بعد خلائی لڑکی کیٹی کو ماریا کی گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اے مصر کے شاہی معبد کی قدیم ترین دیوی سلامبو! میرے باپ داداؤں نے تیرے مندروں کی سیڑھیوں کو اپنی پلکوں سے صاف کیا ہے۔ میں نے تجھ سے کبھی کچھ طلب نہیں کیا۔ لیکن آج اپنے لئے نہیں بلکہ اس لڑکی کی زندگی کی خاطر تجھ سے ایک خواہش کر رہی ہوں کہ ہم دونوں کو یہاں سے اٹھا کر اپنے قدیم زمانے میں پہنچا دے۔"

کیٹی نے اگرچہ خلائی سوٹ پہنا ہوا تھا مگر تابکاری بم

خلائی لوگوں نے اہرام کے اندر پھینکے تھے ان کی شعاعیں لوہے کی موٹی چادر کو بھی چیر کر نکل جاتی تھیں۔ کیٹی کو جونہی اپنے جسم کے ساتھ خطرناک موت کی شعاع کا پہلا احساس ہوا، اسے ایک جھٹکا لگا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

خلائی سپاہی کچھ دیر کے بعد گیس ماسک پہنے اہرام میں داخل ہوئے تاکہ کیٹی کی ہڈیاں اٹھا کر ساتھ لے چلیں اور گورنر کو جا کر دکھا دیں کہ اس کے حکم پر عمل کر دیا گیا ہے۔ وہ جب مقبرے کے پاس آئے تو انہیں کیٹی کی ہڈیاں کہیں نہ ملیں۔ وہ بڑے پریشان ہوئے کہ آخر کیٹی کی ہڈیاں کہاں چلی گئیں۔ اس کی چھوٹی اڑن طشتری باہر کھڑی تھی۔ جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اہرام میں داخل ہوئی ہے اور گورنر نے بھی اسے اسی جگہ یاقوتی سانپ لانے کے لئے بھیجا تھا۔ خلائی سپاہیوں نے اہرام کا کونہ کونہ چھان مارا۔ مگر کیٹی کی ہڈیاں انہیں کہیں نہ ملیں۔ انہیں خود بھی اس خیال سے اپنی جان کے لالے پڑ گئے کہ وہ گورنر کو جا کر کیا جواب دیں گے۔

خلائی لڑکی کیٹی کی چوکور آنکھیں بند تھیں۔ اسے آہستہ آہستہ ہوش آ رہا تھا۔ اس کے کانوں میں ایسی آواز آ رہی تھی جیسے کہیں قریب ہی کوئی دریا بہہ رہا ہو۔ پھر اسے

عورتوں اور مردوں کے مذہبی گیت گانے اور دریا میں کشتی
کے چپوؤں کے چلنے کی آوازیں سنائی دیں اور کیٹی نے
آنکھیں کھول دیں۔ سب سے پہلے جو چیز اس نے دیکھی وہ
کھجور کے درختوں کے جھنڈ تھے جو ہوا میں لہرا رہے تھے۔
ان کے پیچھے نیلا آسمان چمک رہا تھا۔

کیٹی نے دیکھا کہ وہ گھاس پہ سیدھی لیٹی ہوئی ہے۔
اس کو یاد آگیا کہ غیبی لڑکی ماریا اس کے ساتھ اہرام مصر
میں تھی اور اس کے کہنے پہ وہ خلائی گورنر کے سپاہیوں
کے پھینکے ہوئے ہلاکت خیز بموں سے نجات حاصل کرنے کے لئے
مقبرے میں پڑے ہوئے خالی تابوت میں لیٹ گئی تھی اور اسے
ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ جس کے بعد وہ بے ہوش گئی تھی۔
ماریا بھی اس کے ساتھ ہی دوسرے خالی تابوت میں لیٹ
گئی تھی۔

کیٹی کو یہ بھی یاد آیا کہ ماریا نے کہا تھا کہ وہ اسے
تاریخ کے گذرے ہوئے زمانے میں لے جا رہی ہے جہاں خلائی
مخلوق کے سپاہی اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ تو کیا وہ
سچ مچ گذرے ہوئے زمانے کے کسی دور میں آگئی ہے؟ کیٹی
کو یہ بھی یاد آگیا کہ جب وہ ماریا کی ہدایت پہ جلدی سے
تابوت میں جا کر لیٹ گئی تھی تو ماریا نے بڑی جلالی آواز میں

قدیم مصر کی کسی دیوی سلامسو کو پکار کر اس سے مدد مانگی تھی
اور کہا تھا کہ ہمیں اپنے قدیم زمانے میں پہنچا دے۔ اس کا
مطلب یہ تھا کہ وہ قدیم فرعونِ مصر کے زمانے میں پہنچ گئی ہے۔
کیٹی نے سب سے پہلے اپنے لباس کو دیکھا۔ وہ چاندی ایسے
رنگ کے چست خلائی لباس میں تھی اور سر پر شیشے کا گول
گیس ماسک پڑا تھا۔ گیس ماسک اتار کر کیٹی نے پرے پھینک
دیا۔ اسے تازہ اور خوشبودار ہوا کا احساس ہوا۔

اب اس نے چاروں طرف دیکھا۔ وہ گھاس پہ اٹھ کر
بیٹھ گئی۔ اس کے قریب ہی دریا بہہ رہا تھا جو یقیناً ہزاروں
سال پرانا دریائے نیل تھا۔ دریا کی لہروں پہ ایک بہت بڑا
بجرا بہا چلا جا رہا تھا۔ جس میں سفید لباس والی خوبصورت
لڑکیاں اور آدمی قطار میں ہاتھ باندھے کھڑے مذہبی گیت
گا رہے تھے اور بجرے کے چبوترے پہ ایک سیاہ بالوں والی
خوبصورت عورت ہیرے جواہرات والی کرسی پہ بیٹھی دریا کی سیر
کر رہی تھیں۔

دریا کے کنارے نیلے اور سفید رنگ کے کتنے ہی کنول کے
پھول کھلے ہوئے تھے۔ بجرا دریا کی لہروں پر اٹھکیلیاں کرتا
دور نکل گیا۔

ایسی پر سکون خاموشی اور امن کی فضا کیٹی نے پہلے کبھی

نہیں دیکھی تھی۔ اب اسے اپنی پیاری دوست ماریا کا خیال آیا۔ ماریا نے محض اس کی جان بچانے کی خاطر یہ قربانی دی تھی کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہزاروں سال پرانے مصر کے زمانے میں آ گئی تھی۔

خلائی لڑکی کیٹی نے ارد گرد غور سے دیکھا۔ ماریا کہیں نہیں تھی۔ خلائی لڑکی کو زبردست تنہائی محسوس ہوئی۔ اسے لگا کہ وہ تاریخ کے عظیم ترین دور میں بالکل اکیلی رہ گئی ہے۔

اس نے ذرا فاصلے پر قدیم مصر کی کچھ عورتوں کو دیکھا کہ باغ کی سیر کر رہی تھیں اور آپس میں ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔ انہوں نے سفید کھلا کھلا ریشمی لباس پہن رکھا تھا اور ہاتھوں میں کنول کے سفید پھول تھے۔ کیٹی کو اپنا چست خلائی لباس ان سے بالکل ہی مختلف لگا۔ سوچنے لگی کہ یہ لوگ اس کے خلائی لباس کو دیکھ کر ضرور حیران ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ اسے کسی اجنبی ملک کی جاسوس سمجھ کر گرفتار کر لیا جائے۔ اور اسے موت کی سزا دی جائے۔ کیٹی نے اپنی کمر کو ٹٹول کر دیکھا۔ اس نے اپنا ایک پستول ماریا کو دے دیا تھا۔ مگر دوسرا ہنگامی حالات میں استعمال کیا جانے والا لیسر شعاعوں والا پستول اس کی پنڈلی کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس نے

دیکھا تو پستول وہاں نہیں تھا۔ وہ کہیں اہرام کے اندر ہی گر گیا تھا۔ کیٹی بالکل نہتی تھی اور اگر اس پر کوئی حملہ کر دے تو وہ اپنا بچاؤ نہیں کر سکتی تھی۔

خلائی لڑکی کیٹی نے سوچا کہ ذرا چل پھر کر ہزاروں سال پرانے ملک مصر کی سیر کی جائے اور پتہ کیا جائے کہ یہ شہر کونسا ہے؟ کیٹی کو پرانے مصر کی زبان بھی نہیں آتی تھی۔ وہ اٹھنے ہی لگی تھی کہ اس نے اپنے بدن میں ایک عجیب قسم کی تبدیلی محسوس کی۔ اس کے ہاتھ کی ایک انگلی چھوٹی ہو گئی تھی۔ کیٹی نے پریشان ہو کر ہاتھ کو دو تین بار جھٹکا۔ اس کا خیال تھا شاید انگلی کسی وجہ سے سکڑ گئی ہے۔ مگر انگلی جھٹکنے سے بھی بڑی نہ ہوئی اور بالکل چھوٹی کی چھوٹی رہی۔ دیکھتے دیکھتے اس کے ہاتھ کی دوسری انگلیاں بھی سکڑنا شروع ہو گئیں۔ کیٹی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ اس کے ہاتھ کی انگلیوں کو کیا ہو رہا تھا۔

○

خلائی لڑکی سکڑ گئی

انگلیوں کے بعد خلائی لڑکی کیٹی کا ہاتھ چھوٹا ہونا شروع ہو گیا کیٹی گھبرا کر ایک درخت کی اوٹ میں آ گئی اور اپنے ہاتھ کو آہستہ آہستہ چھوٹا ہوتے دیکھنے لگی ۔ وہ انسانی جسم کی پوری سائنس کو جانتی تھی اور نظامِ شمسی کے ایک ایسے سیارے کی مخلوق تھی جو سائنس میں بہت آگے تھا ۔ وہ فوراً سمجھ گئی کہ زمین کے ایک خاص ماحول سے اچانک تین ہزار سال پیچھے کے زمانے میں آ جانے کی وجہ سے اس کے خون اور جسم کے ذرّوں میں انقلابی تبدیلی پیدا ہو رہی ہے اور وہ سکڑتے جا رہے ہیں کیٹی کے پاس اس کا کوئی علاج نہیں تھا ۔ اسے معلوم تھا کہ تھوڑی دیر بعد اس کا سارا جسم چھوٹا ہو جائے گا اور کچھ نہ کر سکے گی ۔ پھر ایسا ہی ہوا ۔ پہلے اس کا ایک بازو چھوٹا ہوا اور پھر دوسرا اور پھر اس کی ٹانگیں چھوٹی ہونے لگیں اور اس کے بعد اس کا باقی جسم بھی چھوٹا ہو گیا اور وہ درخت کے تنے کے پاس زمین پر ایسے کھڑی تھی جیسے وہ بال پوائنٹ پنسل

کی چھوٹی سی ٹوپی ہو ۔ یا جیسے کسی نے چھوٹی سی سلیٹ توڑ کر وہاں پھینک دی ہو ۔ اسے اپنے قریب اگا ہوا گھاس کا خوشہ ایک درخت نظر آ رہا تھا ۔ اور درخت کا تنا کوئی بہت بڑا پہاڑ لگ رہا تھا ۔

خلائی لڑکی کیٹی کو اپنی حالت پر رحم آنے لگا ۔ یہ اسے کیا ہو گیا تھا ۔ وہ اتنی چھوٹی ہو گئی تھی کہ ماچس کی ڈبی میں بند ہو سکتی تھی ۔ اسے اپنے قریب ہی غراہٹ اور کھی کھی کی تیز آواز آئی ۔ کیٹی نے پیچھے دیکھا تو ایک بہت بڑا جانور جس کی مونچھوں کے بال ہاتھی کے دانت سے بھی زیادہ موٹے تھے اور دو دانت سنگِ مرمر کے ستونوں کی طرح آگے کو نکلے ہوئے تھے ۔ اپنی انگارہ ایسی بڑی بڑی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا ۔ یہ ایک چھوٹی سی چوہیا تھی جو کیٹی کو ہاتھی سے بھی بڑی لگ رہی تھی ۔ وہ بھاگی اور دریا کے کنارے اُگے ہوئے کنول کے پھولوں کے درمیان آ گئی ۔ چوہیا بھی اس کے پیچھے بھاگی ۔ کیٹی کی جان ہی نکل گئی ۔ اسے یقین تھا کہ چوہیا اسے کھا جائے گی ۔

چوہیا پھدکتی ہوئی کیٹی کے سر پر آ پہنچی اور پنجہ مار کر اسے ادھ موا کرنے ہی والی تھی کہ کیٹی نے دریا میں اپنے آپ کو گرا دیا ۔ وہ دریا کے ٹھنڈے پانی میں نیچے ہی نیچے گرتی چلی

گئی۔ پھر ایک دم پانی کے ایک بلبلے نے اسے اپنے اندر لے
لیا اور وہ ڈوبنے سے بچ گئی۔ پانی اب اس کے نتھنوں
میں نہیں جا رہا تھا۔ وہ پانی کے اندر ہی اندر ایک
مونگ پھلی کی طرح آگے ہی چلی جا رہی تھی۔ پانی کے بلبلے میں
جب ہوا ختم ہو گئی تو وہ پھٹ گیا۔ بلبلے کے پھٹتے ہی
پانی کیٹی کے منہ اور ناک میں آ گیا۔ اس نے جلدی جلدی
ہاتھ پیر مارنے شروع کر دیئے۔ وہ ایک ننھے سے مینڈک
کی طرح تیرتی ہوئی دریا کی سطح پر آ گئی اور اس کے کنارے
کی طرف آنے کی کوشش شروع کر دی۔ بڑی مشکل سے
آخر وہ کنارے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔

کیٹی کا سانس پھول گیا تھا اور وہ زور زور سے
سانس لے رہی تھی۔ جب ذرا اس کی حالت ٹھیک ہوئی
تو وہ سوچنے لگی کہ اس حالت میں وہ کب تک زندہ رہ
سکے گی۔ کوئی چوہا، کوئی مینڈک، کوئی آوارہ کتا اور بلی
اسے کھا جائے گی اور کسی کو خبر بھی نہیں ہو گی۔ تو
پھر وہ کیا کرے اور کہاں جائے؟ سوچ سوچ کر
کیٹی نے آخر یہی فیصلہ کیا کہ وہ دریا کنارے کسی
جھاڑی میں چھپ کر رات کا اندھیرا پھیلنے کا انتظار کرے۔
جب رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل جائے تو وہ وہاں

سے نکل کر شہر سے باہر کسی غار یا کھوہ میں جا کر
پناہ لے۔ شاید کبھی ماریا وہاں پہنچ جائے اور وہ اس
کی جیب میں رہ کر باقی زندگی گزار دے۔ کیونکہ کیٹی
نے پھر سے اپنے جسم کے بڑے ہونے کی امید چھوڑ
دی تھی۔ سائنسی اعتبار سے جسم کے ذرات ایک بار اتنے
زیادہ سکڑ کر دوبارہ بڑے نہیں ہو سکتے تھے۔ کیٹی نے
اپنے آپ کو دریا کنارے کی جھاڑیوں کے پتوں اور شاخوں
میں چھپا دیا۔ اتنے میں ایک مکڑی پتوں میں سے نکل کر
اس کی طرف بڑھی اور اس کے ارد گرد اپنے جالوں کے
تار بننے شروع کر دیئے۔ کیٹی نے زور زور سے ہاتھ
پاؤں چلا کر مکڑی کے جالے کو توڑ ڈالا اور پھر وہاں سے
نکل کر دوسری جھاڑی میں آ کر چھپ گئی۔ کیٹی نے اپنے
جسم کو ایک بار پھر غور سے دیکھا۔ اس کا سفید خلائی
لباس بھی اس کے ساتھ ہی چھوٹا ہو گیا تھا اور وہ
آدھی انگلی کے سائز کی ایک چھوٹی سی سفید شیشی لگ رہی
تھی۔ بڑے قد کی ہوتی تو ماریا کی تلاش میں نکلتی اور
ہو سکتا تھا کہ وہ اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتی۔
کیونکہ کیٹی کو یقین تھا کہ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی قدیم
مصر کے اس زمانے میں نمودار ہوئی ہو گی۔ یہ ہو سکتا

ہے کہ وہ وہاں سے دور کسی مقام پر اُبھری ہو۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ قدیم مصر کے اس زمانے میں نہ آئی ہو۔

اب ماریا کی سنیں کہ وہ کہاں پر نمودار ہوئی۔

ماریا کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو ایک گہرے تاریک اور اندھے کنوئیں میں پایا۔ یہ کنواں بالکل ایک اندھیرے پائپ کی طرح تھا جو زمین کے اندر دور تک چلا گیا ہو۔ ماریا نے زمین پر سے اچھل کر اوپر اڑنے کی کوشش کی مگر وہ تھوڑی دور اوپر جا کر پھر آہستہ آہستہ کنوئیں کی تہہ میں اتر آئی۔ ایک بار پھر اس نے اوپر اٹھنے کی کوشش کی۔ وہ پنجے زمین سے لگا کر زور سے اچھلی۔ اس بار وہ ذرا اور بلند ہوئی مگر کنواں بہت گہرا تھا اور وہ اگر ساری زندگی بھی کوشش کرتی رہتی تو باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ ماریا عجیب مشکل میں پھنس گئی تھی۔

ماریا کی یہ حالت اس وجہ سے ہوئی تھی کہ اس نے عظیم دیوی سلامبو کو اس کی مرضی کے بغیر تین ہزار برس پرانے زمانے میں جانے کے لئے کہا تھا۔ سلامبو دیوی نے ماریا اور کیٹی کو قدیم مصر میں پہنچا تو دیا تھا مگر اسے اس کی سزا بھی دی تھی کہ اس نے ایک دوسری خلائی

عورت کو اپنے رازوں میں شریک کیا۔

ماریا کو اپنی غلطی کا احساس تھا مگر وہ مجبور تھی۔ کیٹی کی جان بچانا بہت ضروری تھا۔ اب اسے کیٹی کا خیال آیا کہ نہ جانے وہ کہاں اور کس حالت میں نمودار ہوئی ہو گی؟ یہ تو اس کی زندگی کا پہلا تجربہ تھا۔ خدا جانے اتنی زبردست تبدیلی کی وجہ سے کیٹی کے ذہن پر اس کا نفسیاتی اثر کیا پڑا ہو گا۔ خدا جانے وہ زندہ بھی ہے کہ نہیں۔

ماریا کو اتنا تو یقین تھا کہ کیٹی اس کے ساتھ ہی تین ہزار برس پرانے مصر کے زمانے میں داخل ہو چکی ہے۔ اب اسے تلاش کر کے اس تک پہنچنا تھا۔ پہلے تو ماریا کو عنبر اور ناگ کی فکر ہوا کرتی تھی۔ اب کیٹی کا ایک نیا فکر لگ گیا تھا۔ سب سے پہلے تو ضرورت اس بات کی تھی کہ کنوئیں سے کس طرح باہر نکلا جائے۔

اگر ماریا کنوئیں کی دیوار کے اندر جائے تو وہ جا تو سکتی تھی مگر آگے بھی زمین سے بلندی اتنی ہی رہتی اور ماریا کے لئے اتنی گہرائی سے اُچھل کر زمین کی سطح پر جانا مشکل تھا۔ یہی بات ماریا کو پریشان کر رہی تھی۔ اس نے کنوئیں میں غور سے دیکھا۔ کنوئیں کے پیندے

میں پانی بالکل نہیں تھا۔ صرف چھوٹے چھوٹے پتھر پڑے
تھے۔ ماریا ابھی غور ہی کر رہی تھی اسے پہلے اونٹوں
کی گھنٹیوں کی اور پھر آدمیوں کے باتیں کرنے کی آوازیں
سنائی دیں۔ یہ لوگ قدیم مصری زبان میں باتیں کر رہے تھے
اور ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ پانی کی تلاش میں
کنوئیں کے پاس آ کر رک گئے ہیں اور اس میں ڈول
ڈالنے والے ہیں۔

ماریا خوش ہو گئی کیونکہ کنوئیں میں ڈول ڈالا جا رہا
تھا۔ یہ ڈول رسی کے ساتھ بندھا ہوا تھا اور کنوئیں کی
تہہ کے ساتھ آ کر لگ گیا۔ اوپر سے تین چار آدمیوں
کے سر نیچے جھانک رہے تھے۔ وہ ڈول کو بار بار کنوئیں
کی تہہ کے پتھروں سے ٹکرا رہے تھے۔ وہ یہ معلوم کرنا
چاہتے تھے کہ کنوئیں میں پانی ہے کہ نہیں۔ جب انہیں یقین
ہو گیا کہ پانی نہیں ہے اور کنواں سوکھا ہوا ہے تو
وہ ڈول کو اوپر کھینچنے لگے۔

اس وقت ڈول کے ساتھ ماریا بھی چمٹی ہوئی تھی۔

ماریا چونکہ غائب تھی اس لئے اس کا کوئی بوجھ نہیں تھا
وہ ڈول کے ساتھ ہی کنوئیں سے باہر نکل آئی۔ باہر دن

کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ماریا نے لوگوں کے لباس اور
ریت کے ٹیلے اور درختوں کو دیکھ کر ہی معلوم کر لیا کہ
وہ قدیم مصر کے زمانے میں پہنچ چکی ہے۔ وہ تین
ہزار برس پرانے اس ملک کے لوگوں اور ماحول سے اچھی طرح
واقف تھی۔ پانچ ہزار برس پہلے اس نے عنبر کے ساتھ
مل کر اس ملک سے اپنے ہزاروں سال لمبے سفر کو
شروع کیا تھا۔

باہر اونٹوں کے پاس کچھ خانہ بدوش مصری لوگ
کھڑے تھے۔ وہ پانی کی تلاش میں تھے۔ جب انہیں کنوئیں
میں پانی نہ ملا تو وہ اونٹوں پر سوار ہو کر آگے کو روانہ
ہو گئے۔ ماریا نے ان کی باتوں سے محسوس کیا کہ مصر کا
پرانا دارالحکومت تھیبس وہاں سے پیچھے کی جانب پچاس
کوس کے صحرائی راستے پر ہے۔ ماریا مصر کے شہر تھیبس
جانا چاہتی تھی۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ خلائی لڑکی کیٹی
اسے وہیں ملے گی۔ اس کے علاوہ اسے یہ بھی خیال تھا
کہ ہو سکتا ہے وہاں عنبر بھی ملاقات ہو جائے۔ کیونکہ
عنبر کا تعلق بھی قدیم مصر کے اسی شہر سے تھا۔ آگے
صحرا میں سفر کرنا فضول تھا کیونکہ آگے صحرا بہت لمبا
تھا اور ماریا اگر چھ روز تک بھی سفر کرتی رہتی تو کسی

بڑے شہر میں نہیں پہنچ سکتی تھی۔

یہ فیصلہ کرکے ماریا نے شہر تھیبس کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

صحرا میں اونٹوں کے قافلوں نے ایک راستہ بنا دیا تھا۔ اگرچہ اس راستے پر دھوپ چمک رہی تھی اور گرمی بہت تھی مگر غائب ہونے کی وجہ سے ماریا کو نہ دھوپ کچھ کہہ رہی تھی اور نہ ہی گرمی لگتی تھی۔ اس نے زمین سے تھوڑا سا بلند ہوکر آہستہ آہستہ شہر کی طرف ہوا میں تیر کر سفر کرنا شروع کر دیا۔

ابھی دن کا ایک پہر باقی تھا کہ ماریا کو دور سے قدیم مصر کے دارالحکومت تھیبس کے اہرام اور شہر کی اونچی دیوار دکھائی دینے لگی۔ دریائے نیل شہر کے قریب سے ہو کر گزر رہا تھا۔ یہ دریا ماریا کے لئے کوئی نیا نہیں تھا۔ آج سے پانچ ہزار برس پہلے وہ عنبر کے ساتھ یہاں گھوما کرتی تھی اور عنبر سے پہلی بار وہ اس دریا کے کنارے ملی تھی۔ اس نے عنبر کے ساتھ مل کر کئی فرعونوں کے دور دیکھے تھے۔

اگر ماریا دریا کے ساتھ ساتھ چلتی چلی جاتی تو اُسے شہر کے دروازے سے دو فرلانگ کے فاصلے پر جھاڑیوں

میں چھپی ہوئی خلائی لڑکی کیٹی ضرور مل جاتی۔ اگرچہ وہ بہت چھوٹی ہو چکی تھی اور ماریا اسے اتنی آسانی سے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ مگر کیٹی ماریا کو ضرور دیکھ لیتی۔ لیکن قسمت کو یہی منظور نہ تھا۔ ماریا دریا سے ہٹ کر شہر کے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ شہر میں آکر ماریا نے گھوم پھر کر خلائی لڑکی کیٹی، عنبر اور ناگ کی تلاش شروع کر دی۔

شہر اسی طرح کا پرانا شہر تھا جیسا اس نے ہزاروں سال پہلے دیکھا تھا۔ کچے اک منزلہ مکانوں میں کہیں کہیں اونچی حویلیاں کھڑی تھیں۔ امیروں کی بیگمیں کنول کے پھول بالوں میں سجائے گھوڑوں اور ڈولیوں میں سوار بازاروں سے گزر رہی تھیں۔ شہر کے درمیان میں شاہی قلعہ تھا جس کے اندر فرعونِ مصر کا عالی شان محل تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مصر پر شمال کی جانب سے دشمن کا حملہ ہونے والا تھا۔ اور شہر میں فوجی تیاریاں زوروں پر تھیں۔

پھرتے پھراتے ماریا فرعونِ مصر کے شاہی معبد کی طرف نکل گئی۔ اس مندر میں مصر کے سب سے بڑے دیوتا "درا" کا بہت بڑا بت بنا ہوا تھا۔ وہاں ایک دم سے شور مچ گیا کہ مصر کا شہنشاہ فرعون عبادت کے لئے آ رہا ہے۔ پجاری قطاریں باندھ کر دونوں طرف کھڑے ہوئے۔

ماریا بھی ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اتنے میں فرعونِ مصر کی سواری آ گئی۔ اس فرعون کا نام آمون تھا اور یہ بڑا امن پسند بادشاہ تھا۔ یہ جنگوں کے خلاف تھا اور امن سے زندگی بسر کرنا پسند کرتا تھا۔ جبکہ شاہی فوج کا سپہ سالار دشمن سے جنگ کرنا چاہتا تھا۔

شاہی جلوس میں فرعونِ مصر ایک بازو سینے پر باندھے ایک ہاتھ میں شاہی عصا تھامے سر پہ تاج رکھے آہستہ آہستہ دیوتا کے بت کی طرف آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ملکۂ مصر تھی اور پیچھے سفید لباس والی کنیزیں مورچھل جھل رہی تھیں۔ ان کے پیچھے شاہی سپہ سالار آندیس تھا جس کے خونخوار چہرے پہ تلواروں کے زخموں کے نشان تھے۔ آندیس کے ساتھ ساتھ اس کا ساتھی کپتان سپاہی بابق چل رہا تھا۔ دونوں کسی وقت ایک دوسرے سے راز داری سے کوئی بات کر لیتے تھے۔ کمر میں خنجر لٹکے ہوئے تھے۔

فرعون آمون دیوتا "را" کے قدموں میں جا کر جھک گیا اور آنکھیں بند کر کے عبادت کرنے لگا۔ سپہ سالارِ اعظم آندیس اپنے ساتھی بابق کے ساتھ مندر کی دیوار کے ساتھ کھڑا اس سے آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگا۔ ماریا اتفاق سے ان کے قریب ہی کھڑی تھی اور ان کی باتیں اسے صاف

سنائی دے رہی تھیں۔

آندیس کہہ رہا تھا۔ "ہمیں جو کچھ کرنا ہے آج رات کر دینا ہوگا۔ پھر وقت نکل جائے گا۔ یہ ہو سکتا ہے، دشمن کل تک مصر پہ حملہ کر دے۔"

بابق بولا۔ "تم جیسے کہو گے ویسے ہی ہوگا۔ میں نے کنیز شارلی کو راز میں لے لیا ہے۔ اسے دولت کا لالچ دیا گیا ہے۔"

آندیس نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج رات فرعون کا کام تمام کر دیا جائے۔ تم اس کام کی نگرانی کرو گے۔ میں چھاؤنی میں ہوں گا۔ اطلاع ملتے ہی چھاؤنی پر قبضہ کر لوں گا اور پھر اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دوں گا۔"

"ایسا ہی ہوگا۔"

فرعون آمون عبادت سے فارغ ہو گیا تھا۔ وہ واپس مڑا تو سب لوگ واپس ہو کر فرعون کے پیچھے پیچھے ادب سے چلنے لگے۔ ماریا کو یہ امن پسند اور نیک دل فرعون بڑا اچھا لگا۔ اس کے خلاف قتل کی بھیانک سازش ہو رہی تھی۔ ماریا نے فرعون کی زندگی بچانے اور اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا اور جلوس کے ساتھ ساتھ شاہی محل کی

طرف روانہ ہو گئی۔

شاہی محل میں فرعون کے داخل ہوتے ہی بڑے دروازے کو بند کر دیا گیا۔ فرعون اپنی ملکہ کے ساتھ محل کے اندر اپنے تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے شاہی سپہ سالار آندلیس کو بلا کر کہا۔

"آندلیس! ہم تمہاری بہادری اور شجاعت کو تسلیم کرتے ہیں مگر ہم نہیں چاہتے کہ جنگ میں غریب رعایا کا قتلِ عام ہو اور ان کے گھروں کو آگ لگا دی جائے۔ اس لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ دشمن کے ساتھ اس کی شرطوں پر صلح کر لی جائے۔"

سپہ سالار آندلیس بولا۔

"فرعونِ اعظم! ربّ الشمس آپ کے فیصلے پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن غلام اتنا کہنے کی اجازت چاہتا ہے کہ ایک بار اس معاملے میں پھر غور کر لیا جائے۔"

فرعون کے چہرے پر نورانی سکون تھا۔ وہ بولا۔

"ہم نے بہت غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔"

سپہ سالار نے سر جھکا دیا۔ فرعون تخت سے اٹھا۔ اس نے اپنی ملکہ کا ہاتھ تھاما اور دربار سے اپنی خواب گاہ کی طرف نکل گیا۔ دربار ہال میں آندلیس اکیلا رہ گیا۔

صرف ماریا اس کے قریب کھڑی تھی جس کا آندلیس کو علم نہیں تھا۔ پردے کے پیچھے ایک ستون کے عقب سے آندلیس کا نائب بابق نمودار ہوا۔ آندلیس نے نیام سے خنجر نکال کر اس سے اپنے ناخن کاٹتے ہوئے کہا۔

"تم نے فرعون کا حکم سن لیا؟"

"جی ہاں۔ سن لیا۔"

"فرعون فیصلہ کر چکا ہے۔" آندلیس نے کہا۔

بابق نے سپہ سالار کے خنجر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ہم بھی فیصلہ کر چکے ہیں۔"

آندلیس بولا۔ "اور اس فیصلے پر آج رات عمل ہو جائے گا۔"

اس کے بعد سپہ سالار آندلیس اور بابق وہاں سے باہر نکل گئے۔

ماریا نے سب کچھ سن لیا تھا۔ اب وہ غور کرنے لگی کہ نیکدل فرعون کی جان کس طرح بچائی جائے۔ بابق نے شاہی کنیز شارلی کا ذکر کیا تھا۔ جس نے اس کو دولت کا لالچ دے کر اس بات پر تیار کیا تھا کہ وہ فرعون کے قتل میں ان کا ہاتھ بٹائے۔ یہ قتل کس طریقے سے کیا جانے والا تھا؟ ماریا کو اس بات کا پتہ چلانا تھا۔ اس کے

لئے ضروری تھا کہ شاہی کنیز شارلی کو ڈھونڈھ کر یہ معلوم کیا جائے کہ وہ فرعون کو ہلاک کرنے کے لئے کیا سازش کر رہی ہے۔

ماریا شاہی محل میں گھومتی پھرتی محل کے باغ میں آ گئی۔ یہاں تالاب کے کنارے گھنے درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں شاہی شہزادیاں چاندی کی کرسیوں پر بیٹھی آرام کر رہی تھیں اور کنیزیں ان کی خدمت میں لگی تھیں۔ ماریا کو شاہی کنیز شارلی کی تلاش تھی۔ اتنے میں فرعون کی بڑی بہن وہاں آ گئی۔ سب کنیزیں اسے دیکھ کر ادب سے کھڑی ہو گئیں۔ اس نے آواز دی۔

"شارلی! میرے ساتھ آؤ۔"

فرعون کی بہن نے ماریا کا ایک بڑا مسئلہ حل کر دیا تھا۔ کنیزوں کے جھرمٹ میں سے ایک سانولے رنگ کی دُبلی پتلی مگر پکی عمر کی کنیز آگے بڑھی اور فرعون کی بہن کے ساتھ محل کی بارہ دریوں کی طرف روانہ ہو گئی۔ ماریا بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ گئی۔

شاہی محل کی مختلف بارہ دریوں اور برآمدوں سے گزرنے کے بعد فرعون کی بہن شاہی کنیز شارلی کو لے کر ایک ایسے کمرے میں آ گئی جہاں مصر کی فوج کا سپہ سالار آندیس

پہلے سے موجود تھا۔ اس نے فرعون کی بہن کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کرسی پر بٹھا لیا اور شارلی سے کہا۔

"کیا تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ تمہیں کیا کرنا ہو گا؟"

شارلی نے سر جھکا کر کہا۔

"جی ہاں حضور!"

فرعون کی بہن نے کہا۔

"اگر تم نے فرعون کو کامیابی کے ساتھ زہر دے کر موت کی نیند سُلا دیا تو ہم تمہیں مالا مال کر دیں گے۔"

آندیس بولا۔ "میں فرعون ہوں گا اور فرعون کی یہ خوبصورت بہن میری ملکہ ہو گی۔"

فرعون کی بہن نے کہا۔ "اور شارلی ہماری کنیزِ خاص ہو گی۔ ہم تمہیں شمالی مصر کے دو گاؤں بھی انعام میں عطا کریں گے۔"

آندیس نے کہا۔ "لیکن شرط یہ ہے کہ فرعون کو ایسا زہر دیا جائے جو اندر ہی اندر اس کا خاتمہ کر دے اور شاہی طبیب کو بھی معلوم نہ ہو سکے کہ فرعون کو زہر دیا گیا ہے۔"

شارلی نے کہا۔ "میرے دیئے ہوئے زہر کا کوئی قیامت

تک بھی سراغ نہ لگا سکے گا۔"

فرعون کی بہن بولی۔ "ہم نے تمہیں اس کام کے لئے اس لئے چنا ہے کہ میرا بھائی فرعونِ مصر شاہی محل میں صرف تم پر بھروسہ کرتا ہے اور صرف تمہاری دی ہوئی کسی چیز کو دوسرے سے چکھوائے بغیر پی جاتا ہے۔"

شارلی بولی۔ "میں جانتی ہوں حضورِ انور! میں فرعون کے اسی بھروسے اور اعتماد کا فائدہ اٹھاؤں گی۔"

سپہ سالار نے کہا۔ "یہ کام تمہیں آج رات ہی کرنا ہوگا تاکہ کل کا سورج مجھے اور میری نئی ملکہ کو مصر کے شاہی تخت پر دیکھے۔"

شارلی بولی۔ "آپ فکر نہ کریں۔ میرا زہر بڑا قاتل ہے۔ کل صبح آپ شاہی تخت پر بیٹھے ہوں گے۔"

"شاباش! ہمیں تم سے یہی امید ہے۔ اب تم جا سکتی ہو۔"

شارلی نے ادب سے جھک کر دونوں کو سلام کیا اور کمرے سے نکل گئی۔ ماریا اب اسے اکیلی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی اس وقت شام ہو چکی تھی اور محل میں ہر طرف شمعیں، مشعلیں اور فانوس روشن ہو گئے تھے۔ شارلی ملکہ کی خواب گاہ میں آگئی۔ اس نے اپنے دل میں یہ پروگرام بنایا تھا کہ

فرعون کو رات کے ٹھیک بارہ بجے زہر دیا جائے۔ فرعون آدھی رات کو عبادت کے بعد شارلی کو بلا کر اس کے ہاتھ سے کنول کا عرق پیا کرتا تھا۔ فرعون کو زہر دینے کا یہ بڑا نادر موقع تھا۔ اس طرح کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی اور صبح کو فرعون مرا ہوا پایا جاتا۔

شارلی کا باپ کسی زمانے میں فرعون کا شاہی طبیب ہوا کرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد شارلی پر فرعون بہت زیادہ بھروسہ کرنے لگا اور رات کے وقت اپنا خاص مشروب شارلی کے ہاتھ سے ہی پیا کرتا تھا۔ شارلی کے باپ نے بادشاہ کے دشمنوں کے لئے قسم قسم کے زہر تیار کر رکھے تھے۔ ان میں ایک ایسا زہر بھی تھا جو بالکل پھیکا اور سفید تھا۔ اگر سادہ پانی میں بھی ڈالا جائے تو نہ پانی کا رنگ بدلتا تھا اور نہ اس کے ذائقے میں کوئی فرق آتا تھا۔ اس زہر کے پیتے ہی انسان کے سارے جسم پر فالج گر جاتا تھا اور وہ نہ بول سکتا تھا اور نہ کوئی حرکت کر سکتا تھا۔ اگر اس کا جسم بھی کھول کر دیکھا جائے تو کوئی یہ پتہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔ شارلی نے یہ زہر ہیرے کی ایک خاص انگوٹھی میں بند کر کے اپنے کمرے کے ایک صندوق میں رکھا ہوا تھا۔ جس کو تالا لگا تھا۔

اب وہ رات ہونے کا انتظار کرنے لگی ۔ ماریا بھی اس
کے ساتھ لگی تھی ۔

ماریا کو ہم فرعون کے شاہی محل میں چھوڑتے ہیں ۔
اور دریائے نیل کے کنارے جھاڑیوں میں چھپی ہوئی خلائی لڑکی
کیٹی کے پاس آتے ہیں ۔ اور دیکھتے ہیں کہ وہ کس حال
میں ہے ۔

خلائی لڑکی کیٹی اندھیرا ہونے کا انتظار کر رہی تھی ۔
جونہی سورج غروب ہوا اور شام کا اندھیرا چاروں طرف پھیلا
تو کیٹی جھاڑیوں اور کنول کے پھولوں میں سے نکل کر دریا
کے ساتھ ساتھ چلنے لگی ۔ چھوٹی چھوٹی ٹانگوں کے ساتھ
وہ آدھے گھنٹے میں بڑی مشکل سے سو قدم تک چل سکی ۔
لمبی لمبی دریائی گھاس میں اس کو خراشیں بھی آ گئیں اور
کئی چوہے اور مینڈک بھی نکل کر اس کے پیچھے دوڑے مگر
کیٹی نے کسی نہ کسی طرح ان سے اپنی جان بچائی ۔ اس نے
سوچا کہ دریا پار چلا جائے ۔ کیونکہ دریا کے دوسرے کنارے
پر آبادی نہیں تھی اور روشنی بھی نظر نہیں آ رہی تھی ۔
اب سوال یہ تھا کہ دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچنے کے
لئے دریا کس طرح پار کیا جائے ۔

کیٹی دریا کنارے لمبی لمبی گھاس کے درمیان چھوٹی سی

انگلی کی طرح کھڑی ہو گئی ۔ اس کے سامنے نظروں کے نیچے
دریا اسے سمندر لگ رہا تھا ۔ ایک چیونٹی اس کے پاؤں کے
اوپر سے گزر گئی ۔ کیٹی کو یہ چیونٹی بڑے چوہے جتنی دکھائی
دی ۔ وہ اچھل کر پرے ہٹ گئی ۔ اتنے میں لکڑی کا ایک
چھوٹا سا ٹکڑا تیرتا ہوا اس کے قریب سے گذرا ۔ کیٹی اس کے
ساتھ ساتھ کنارے پر دوڑنے لگی ۔ جب وہ اس کے بالکل
سامنے آ گئی تو اس پر چھلانگ لگا دی ۔ کیٹی کا بوجھ اتنا
نہیں تھا کہ لکڑی کا ٹکڑا پانی میں چلا جا رہا تھا اور کیٹی
دوسرے کنارے پر جانا چاہتی تھی ۔ اس نے ایک ہاتھ سے
چپو کا کام لینا شروع کیا ۔ اس کا ہاتھ انار کے دانے جتنا
تھا ۔ پھر بھی لکڑی کے ٹکڑے پر اس کا اثر ہونے لگا ۔
اور اس کا رُخ دوسری جانب کنارے کی طرف ہو گیا ۔ یہ کیٹی
کی خوش قسمتی تھی کہ دریائے نیل کا پاٹ چوڑا نہیں تھا ۔
تھوڑی دیر کی جدوجہد کے بعد لکڑی کا ٹکڑا دوسرے کنارے
پر جا لگا ۔ کیٹی نے کنارے پر چھلانگ لگا دی ۔

دریا کا یہ کنارہ ویران تھا اور کھجور اور زیتون کے
درخت دور دور تک اُگے ہوئے تھے ۔ زمین ریتلی تھی ۔ خلائی
لڑکی کیٹی کی چھوٹی چھوٹی نقطوں کی طرح کی چوکور نیلی آنکھیں
اندھیرے میں بھی بہت کچھ دیکھ لیتی تھیں ۔ اسے تھوڑے فاصلے

پر ایک ٹیلہ نظر آیا۔ کیٹی اس ٹیلے کی طرف چلنے لگی۔ ٹیلے کا فاصلہ اتنا زیادہ نہیں تھا۔ اگر وہ چھوٹی نہ ہو گئی ہوتی اور عام قد کاٹھ کی ہوتی تو وہ یہ فاصلہ دو منٹ میں طے کر لیتی۔ مگر اب اتنا چھوٹا سا فاصلہ طے کرنا اس کے لئے مصیبت بن گیا تھا۔ ٹیلے تک پہنچتے پہنچتے اس نے چھ سات بار راستے میں سانس لیا اور جب ٹیلے کے پاس پہنچی تو اس کا دم پھولا ہوا تھا۔ وہ ریت پر سیدھی لیٹ گئی کہ تھوڑا آرام کرے۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ یہ سوچ کر اس کی آنکھوں میں اداسی چھا گئی کہ ان ہی ستاروں میں ایک ستارہ ایسا ہے جہاں سے وہ آئی تھی اور کہاں سے کہاں کس حالت میں پہنچ گئی ہے۔ ایک بار تو اس کے دل میں خود کشی کرنے کا خیال بھی آیا۔ اس نے سوچا کہ دریا میں اپنے آپ کو گرا دے اور مر جائے تاکہ اس اذیت ناک زندگی سے نجات مل جائے۔ لیکن پھر اسے ماریا کا خیال آ گیا۔ اس نے سوچا کہ شاید یہیں کہیں ماریا سے اس کی ملاقات ہو جائے۔ ماریا کے خیال سے اس نے مرنے کا ارادہ دل سے نکال دیا۔

تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اس نے اٹھ کر چھوٹے چھوٹے چڑیا سے بھی چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے ٹیلے کا جائزہ لیا۔ ایک جگہ ٹیلے میں غار بنا ہوا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہ غار

بڑا محفوظ ہے۔ یہاں وہ لوگوں اور درندوں کی نظروں سے بچ کر ماریا کا انتظار کر سکے گی۔ وہ غار میں چلی گئی۔ اندھیرے میں بھی وہ غار کے پتھروں سے گزرتی آگے جا کر ایک کھلی جگہ میں دیوار کے ساتھ لگے ہوئے بڑے پتھر کے پیچھے جا کر بیٹھ گئی۔ دریا کنارے اسے بھوک لگی تھی تو اس نے تھوڑی سی تازہ گھاس کھا کر پانی پی لیا تھا۔ گھاس کے دو تین خوشوں سے ہی اس کی بھوک مٹ گئی تھی اور پانی کے دس بارہ قطروں نے اس کی پیاس بجھا دی تھی۔ اب اسے نہ بھوک تھی اور نہ پیاس۔ اسے نیند آنے لگی۔ اس نے اپنی چھوٹی آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

ابھی اس کی آنکھ ہی لگی تھی کہ ایک دھماکے کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ یہ دھماکہ ایک آدمی کے جوتوں کی آواز تھی جو غار میں اس کے بالکل قریب آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ کیٹی نے آنکھ اٹھا کر دیکھا۔ اسے ایک آدمی کی ٹانگیں درخت کی طرح اوپر جاتی دکھائی دیں۔ اس آدمی نے اپنے ساتھی کو آواز دی۔

"کرتوخ! اندر آ جاؤ۔ یہ جگہ ٹھیک رہے گی۔"

اس کا ساتھی کرتوخ بھی غار کے اندر آ گیا۔ انہوں نے غار میں آگ روشن کر دی اور تھیلا کھول کر اس میں سے رسیاں، آنکڑے، خنجر اور چمڑے کا ایک تہہ کیا ہوا ٹکڑا نکالا

اور اسے زمین پر پھیلا کر غور سے دیکھنے لگے۔

خلائی لڑکی کیٹی پتھر کے پیچھے لگی اوٹ سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اسے صرف آگ کے بڑے بڑے شعلے اور دونوں آدمیوں کے بھاری بھاری ہاتھ اور موٹی موٹی انگلیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ جو اسے پھولی ہوئی شکر قندی کی طرح لگ رہی تھیں۔

کیٹی نے ان دونوں کی باتوں پر کان دھر دیئے اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگی کہ وہ آپس میں کیا باتیں کر رہے ہیں۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ کیٹی نے اپنے ذہن میں ایک انوکھی تبدیلی محسوس کی۔ وہ دونوں آدمی قدیم مصری زبان بول رہے تھے اور کیٹی نے محسوس کیا کہ وہ ان کی باتوں کا مطلب سمجھ رہی ہے۔ وہ کسی بڑے قیمتی ہیرے کو چرانے کی باتیں کر رہے تھے۔ کیٹی غور سے ان کی باتیں سننے لگی۔

"کرتوخ! اگر یہ ہیرا ہمارے ہاتھ آ گیا تو پھر باقی ساری زندگی ہمیں چوریاں کرنے اور ڈاکے مارنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ سپہ سالار آندلیس کو یہ قیمتی ہیرا یمن کے بادشاہ نے تحفے میں دیا تھا۔ یہ آلو جتنا بڑا ہے اور اگر ہم اسے ملک روم میں لے جا کر بادشاہ کے پاس فروخت کر دیں تو ہمیں اتنی دولت ملے گی کہ سنبھالی نہ جائے گی۔"

کرتوخ یعنی دوسرا چور بولا۔

"اسی لئے تو میں نے سپہ سالار آندلیس کے گھر کے اندر کا سارا نقشہ تیار کیا ہے۔ دیکھو۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں الماری کے دراز میں یہ ہیرا رکھا ہوا ہے۔ یہاں سے دس قدم کے فاصلے پر کھڑکی ہے۔ اس کھڑکی کے اوپر جالی دار پتھر کا روشندان ہے۔ ہم سپہ سالار کی چھت پر سے رسا لٹکا کر اس روشندان تک اتریں گے اور پھر اسے توڑ کر کمرے میں چھلانگ لگا دیں گے۔ اس کے بعد الماری کے اس دراز کو توڑنا ہوگا۔ جس کے اندر قیمتی ہیرا ہے۔"

دوسرے چور نے کہا۔ "اس طرح سے شور پیدا ہوگا۔"

کرتوخ نے کہا۔ "میں نے اپنے خاص نوکر سے معلوم کر لیا ہے کہ سپہ سالار آندلیس آج کی رات اپنی حویلی میں نہیں ہوگا۔ وہ آج کی رات چھاؤنی میں گذارے گا۔"

"مگر گھر میں اس کے پہرے داروں کی فوج ہر وقت موجود رہتی ہے۔"

کرتوخ بولا۔ "ہم دراز کو آہستہ سے توڑیں گے۔"

دوسرے چور نے کہا۔ "کیا ہم دراز کو توڑے بغیر اس کے اندر سے قیمتی ہیرا نہیں نکال سکتے؟"

کرتوخ ہنس پڑا۔ "اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم یں

سے کوئی چھپکلی بن کر دراز کے سوراخ میں سے اندر داخل ہو جائے اور پھر اندر کے تالے کی کنڈی کھول دے ۔"

دوسرا چور سوچ میں پڑ گیا ۔ "ایسا تو نہیں ہو سکتا ۔ کاش ہم میں سے کوئی چھپکلی بن کر دراز کے اندر جا سکتا ۔"

پھر اس نے چمڑے کا نقشہ تہہ کر کے تھیلے میں رکھا اور رسی کھول کر بولا ۔

"اسے یہاں سے کاٹ دو ۔ اس کے دو پھندے بنیں گے ۔

کرتوخ نے کہا ۔ "خنجر کی دھار کند نہ کرو ۔ ہو سکتا ہے تمہیں وہاں کسی کو قتل کرنا پڑ جائے ۔ وہ پتھر اٹھا کر رسی پہ مارو ۔ رسی کٹ جائے گی ۔"

خلائی لڑکی کیٹی یہ نہ دیکھ سکی کہ کرتوخ نے کس پتھر کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ وگرنہ وہ وہاں سے دوڑ کر دوسرے پتھر کے پیچھے چلی جاتی ۔ کرتوخ چور نے اس پتھر کی طرف اشارہ کیا تھا جس کے پیچھے وہ خود چھپی ہوئی تھی ۔ کیٹی کے لئے تو وہ ایک بہت بڑا پتھر تھا ۔ مگر چوروں کے نزدیک وہ ایک آدھ سیر وزن کا ایک معمولی پتھر تھا ۔ دوسرے چور نے ہاتھ پیچھے لے جا کر جونہی پتھر اٹھایا اس کے پیچھے سے اسے ایک عجیب و غریب شے ایک طرف کو بھاگتی ہوئی نظر آئی ۔ چور ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا ۔

کرتوخ بولا ۔ "کیا ہوا ؟ سانپ نکل آیا ہے ؟"

"سانپ نہیں ۔ کوئی عجیب شے تھی ۔"

"کیڑا مکوڑا تھا کیا ؟"

"کیڑا مکوڑا ہی تھا ۔ مگر اس کے ہاتھ پیر انسانوں جیسے تھے ۔"

"کیا کہہ رہے ہو ؟ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ؟"

مگر چور نے مشعل روشن کر لی تھی اور پتھروں کے پیچھے چھپی ہوئی کیٹی کو ڈھونڈھ رہا تھا ۔ کیٹی بے چاری کے لئے اب وہاں سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں تھی ۔ وہ بھاگ بھی نہیں سکتی تھی ۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر بھاگنے کی کوشش بھی کرتی تو چور بڑے آرام سے اس کے اوپر اپنی ہتھیلی رکھ کر اسے اپنی مٹھی میں قید کر لیتا ۔ چور نے ایک پتھر اٹھا کر پرے پھینکا تو پیچھے کیٹی سہمی ہوئی بیٹھی تھی ۔ اتنی ننھی سی بہت ہی چھوٹی، چڑیا سے بھی چھوٹی ایک مکمل لڑکی کو دیکھ کر چور دنگ رہ گئے ۔ سب سے زیادہ حیرت انہیں کیٹی کی چھوٹی نیلی آنکھیں دیکھ کر آئی ۔

"کرتوخ ! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں ؟"

زہر کا گلاس بدل گیا

چور کرتوخ بھی جھک کر دیکھنے لگا۔

اس نے چھوٹی سی خلائی لڑکی کیٹی کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ کیٹی چوہیا کی طرح کبھی ادھر بھاگ رہی تھی۔ دونوں چور حیران تھے کہ یہ کونسی مخلوق ہے۔ کیٹی ایک چھوٹے سے پتھر کے نیچے گھسنے لگی تو کرتوخ نے پتھر کے آگے ہاتھ رکھ دیا۔ کیٹی دوسری طرف بھاگی تو کرتوخ نے اس کے اوپر اپنا انگوٹھا رکھ دیا۔ کیٹی کا دم گھٹنے لگا۔ دونوں چوروں کو کیٹی کی ننھی ننھی چیخیں سنائی دیں۔ کرتوخ نے انگوٹھا اٹھا لیا۔ کیٹی زمین پر اوندھی لیٹی ہوئی تھی۔ کرتوخ کے ساتھی نے کیٹی کو ننھی چوہیا کی طرح انگلی سے پکڑ کر اٹھایا اور اپنی ہتھیلی پر رکھ کر مشعل کی روشنی کے پاس لے آیا۔

"یہ عورت اتنی چھوٹی کیسے ہو گئی کرتوخ؟"

کرتوخ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ضرور اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔"

دوسرے چور نے غور سے کیٹی کو ایک بار پھر دیکھا اور کہا۔

"اس کی آنکھیں نیلی اور چوکور ہیں۔ بال سیہہ کی طرح سر پر کھڑے ہیں۔ اس نے کپڑے بھی پہن رکھے ہیں۔"

کرتوخ نے جھک کر کیٹی کی آنکھوں کو دیکھا اور بولا۔

"تو کون ہے؟ تجھ پر کس نے جادو کیا ہے؟"

خلائی لڑکی نے کہا۔ "ایک جادوگرنی نے مجھے جادو کے ذریعے چھوٹا کر دیا ہے۔"

کرتوخ اپنے ساتھی چور کو دیکھ کر جانور کی طرح ہنسا اور بولا۔

"اب ہمیں قیمتی ہیرے والے دراز کا تالا توڑنے کی ضرورت نہیں۔"

"وہ کیوں؟"

کرتوخ بولا۔ "دراز کے اندر یہ طلسمی عورت جائے گی۔"

دوسرا چور اس کا منہ تکنے لگا۔ ترکیب بڑی معقول تھی۔ کرتوخ بولا۔

"ہمیں کمند کی مدد سے سپہ سالار کے کمرے میں بھی جانے کی بھی ضرورت نہیں۔ ہم اس طلسمی عورت کو بھیجیں گے۔"

کیٹی سب کچھ سن رہی تھی۔ وہ سر پیٹ کر رہ گئی۔ وہ چوری نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے چیخ کر کہا۔

"میں نے تمہاری سب باتیں سن لی تھیں۔ میں چوری

نہیں کروں گی۔"

کرتوخ نے کیٹی کی گردن کو دو انگلیوں سے پکڑ کر دبانا شروع کر دیا۔

"اگر ہمارے کہنے پر عمل نہیں کرے گی تو ہم تمہیں کچل کر رکھ دیں گے۔ تمہیں بھوکا پیاسا مار ڈالیں گے۔ بول، جو ہم کہیں گے کرے گی کہ نہیں؟"

خلائی لڑکی کیٹی کا دم گھٹنے لگا۔ موت اس کی آنکھوں کے سامنے آ گئی۔ اس نے ننھے ننھے بازو ہلا کر کہا۔

"میں تمہارا کہا مانوں گی۔ مجھے چھوڑ دو۔"

"ہا ہا ہا ہا" کرتوخ نے قہقہہ لگایا۔

اس کا ساتھی بولا۔ "ہم اب تمہیں صرف اس وقت چھوڑیں گے جب تو ہمارا کام کامیابی سے مکمل کر دے گی۔"

کیٹی سمجھ گئی کہ یہ چور اس سے کیا کام لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے اسی وقت کیٹی کے گلے میں چھوٹی سی مضبوط رسّی ڈال دی۔ پھر اس رسّی کے سرے کو کرتوخ نے اپنی کلائی سے باندھ لیا۔ اب انہوں نے خلائی لڑکی کو اچھی طرح سے سمجھایا کہ اگر وہ زندہ رہنا چاہتی ہے تو اسے کیا کرنا ہو گا۔ جب رات ذرا گہری ہو گئی تو وہ اسے لے کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور رات کے اندھیرے میں مصر کی شاہی فوج کے سپہ سالار آلدلیس

کی شاہی حویلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

کرتوخ نے خلائی لڑکی کیٹی کو اپنے کرتے کی چھوٹی سی جیب میں ڈال رکھا تھا۔ جیب کے اندر کیٹی کو چور کے موٹے کرتے کی بو بڑی بری لگ رہی تھی۔ وہ جیب میں ایک طرف لگ کر بیٹھی تھی۔ مگر گھوڑے کی حرکت کی وجہ سے وہ بھی ہل رہی تھی اور اس کی پسلیاں درد کرنے لگی تھیں۔ سپہ سالار کی حویلی سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر دونوں چور گھوڑوں سے اتر گئے۔ انہوں نے گھوڑے ایک درخت کے سائے میں باندھے اور خود اندھیرے میں چلتے حویلی کے پچھواڑے آ گئے۔ یہاں حویلی کی دیوار قلعے کی دیوار کی طرح ذرا ڈھلوان تھی اور اوپر لوہے کی نوکیلی سلاخیں لگی تھیں۔ دونوں چور اب اشاروں سے باتیں کر رہے تھے تاکہ ان کی آواز کوئی سن نہ لے۔ کرتوخ نے اشارہ کیا۔ دوسرے نے کندھے سے لپٹا ہوا رسّہ اتار دیا۔ اس کے سرے پر آنکڑا بندھا ہوا تھا۔ اس نے گھما کر کمند اوپر سلاخوں پر پھینکی۔ آنکڑا سلاخوں سے ٹکرایا تو آواز پیدا ہوئی۔

دونوں چور وہیں زمین پر بیٹھ گئے۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ آواز کسی سپاہی یا پہرے دار نے نہیں سُنی تو وہ ایک ایک کر کے اس رسّے کی مدد سے دیوار پھاند کر حویلی کی چھت پر آ گئے۔ سارا نقشہ اُن کے ذہن میں تھا۔ اور حویلی کا ایک

نوکر ان کے ساتھ ملا ہوا تھا ۔ اس نے کھڑکی اور الماری کھول رکھی تھی ۔ مگر وہ دراز نہیں کھول سکتا تھا ۔ کیونکہ اس کی چابی سپہ سالار آندیس خود اپنے پاس رکھتا تھا ۔

دونوں چور چھت پر دبے پاؤں چلتے ہوئے اس جگہ آ گئے جہاں چھت کی منڈھیر سے ایک منزل نیچے اس کمرے کی کھڑکی تھی جہاں الماری کے اندر انمول ہیرا پڑا تھا ۔ کرتوخ نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ننھی خلائی لڑکی کیٹی کو باہر نکالا اور بڑی غصے بھری آواز میں کہا ۔

"سن اے شیطان کی چیلی ! ہم تمہیں کمرے میں بھیج رہے ہیں ۔ اگر اندر جا کر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو یاد رکھنا تمہاری گردن میں رسی بندھی ہوئی ہے اور اس کا سرا میرے ہاتھ میں ہو گا اور رسی لوہے کی تار کی طرح مضبوط ہے ۔ میں اوپر سے رسی کو جھٹکے کے ساتھ کھینچ لوں گا اور تمہاری گردن تن سے جدا ہو جائے گی ۔ بول ! کیا شور مچائے گی ؟"

کیٹی کی جان مصیبت میں پھنسی تھی ۔ اسے کیا پڑی تھی کہ شور مچاتے ۔

"نہیں ۔ میں شور نہیں مچاؤں گی ۔ مگر بعد میں تم کو اپنا وعدہ پورا کرنا ہو گا ۔"

"ہاں ۔ ہم وعدہ پورا کریں گے اور تمہیں آزاد کر دیں

گے ۔"

کرتوخ چور نے خلائی لڑکی کیٹی کی گردن میں بندھی ہوئی رسی کے سرے کو بڑی رسی کے ساتھ باندھا ۔ کیٹی سے کہا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے ہوا میں جھولنے لگی ۔ مگر اس نے رسی کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھا ۔ کرتوخ آہستہ آہستہ رسی نیچے کرنے لگا ۔ جب رسی عین کھڑکی کے سامنے پہنچ گئی تو کیٹی نے رسی کو آہستہ سے ہلا دیا ۔ کرتوخ چور نے رسی وہیں روک لی ۔

کیٹی نے دونوں ہاتھوں سے کھڑکی کے ایک پٹ کو زور سے دھکیلا ۔ اگر وہ بڑے قد کی ہوتی تو کھڑکی ذرا سا دبانے سے کھل جاتی ۔ کیونکہ چوروں کے ساتھ ملے ہوئے نوکر نے اندر سے چٹخنی کھول رکھی تھی ۔ تین چار بار زور لگانے کے بعد بڑی مشکل سے کھڑکی کا پٹ اتنا کھل سکا کہ کیٹی اس میں سے اندر داخل ہو گئی ۔ اندر جاتے ہی اس نے رسی کو ہلایا تاکہ اسے ذرا اور ڈھیل دی جائے ۔ کیونکہ اب اسے کھڑکی سے نیچے قالین پر اترنا تھا ۔

رسی ڈھیلی ہو گئی اور کیٹی بڑے آرام کے ساتھ رسی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے تاکہ اس کا گلا نہ دب جائے ۔ نیچے قالین پر آ گئی ۔ کمرہ بڑا عالی شان تھا ۔ نیلے رنگ کے قالین بچھے

تھے۔ محرابی ستونوں کے درمیان سرخ رنگ کے مخمل کے پردے لٹک رہے تھے۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ کہیں کوئی موم بتی تک نہیں جل رہی تھی۔ چوروں نے کیٹی کو بتایا تھا کہ کمرے کے ایک کونے میں سنہری رنگ کی الماری ہو گی جو کھلی ہو گی۔ اس کے اندر ایک دراز ہو گا۔ اس میں ایک سوراخ ہو گا۔ اسے اس سوراخ میں داخل ہو کر ہیرے کو پوٹلی میں ڈال کر پوٹلی رسی کے ساتھ باندھ دینی ہو گی۔ پھر وہ رسی کو زور سے تین بار ہلائے تاکہ اسے اوپر کھینچ لیا جائے۔

کیٹی نے دیکھا کہ کونے میں ایک سنہری الماری تھی۔ وہ الماری کے پاس آگئی۔ ایک بار پھر زور لگا کر اس نے کھلی ہوئی الماری کا پٹ تھوڑا سا کھولا اور اس کے ایک خانے میں چڑھ کر داخل ہو گئی۔ اس خانے میں ایک دراز بنا ہوا تھا۔ دراز میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا۔ کیٹی اس سوراخ میں سے دراز کے اندر داخل ہو گئی۔ اندر اندھیرا تھا۔

کیٹی نے ایک ڈبیا کے اوپر چڑھ کر مخمل کے کپڑے کو پرے ہٹایا تو دراز کے اندر ایک بے حد قیمتی ہیرے کی شعاعیں پھیل گئیں۔ یہ ہیرا ایک آلو جتنا بڑا تھا اور اس میں سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ کیٹی ہیرے کو اٹھا کر تھیلی میں ڈالنے کی کوشش کرنے لگی تو اچانک اس کی نظر پاس ہی پڑے

ایک خنجر پڑ گئی۔

خلائی لڑکی کیٹی کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح چمک اٹھا۔ وہ ایک سیکنڈ کے لئے خاموش کھڑی کچھ سوچتی رہی۔ پھر اس نے اس رسی کو دونوں ہاتھوں میں تھاما جو اس کی گردن کے ساتھ بندھی تھی اور اسے خنجر کی تیز دھار پر رگڑنا شروع کر دیا۔ رسی بڑی مضبوط تھی اور اس کے دھاگے بڑے آہستہ آہستہ کٹ رہے تھے۔

اوپر بیٹھے چوروں نے جب محسوس کیا کہ نیچے طلسمی عورت نے دیر لگا دی ہے تو انہوں نے رسی کو دو بار کھینچا۔ جس کا مطلب تھا کہ کیا بات ہے؟ دیر کیوں لگا رہی ہو؟

کیٹی نے بھی رسی کو ایک بار جھٹکا دے دیا۔ جس کا مطلب تھا کہ فکر نہ کرو۔ مال مل گیا ہے۔ میں اسے تھیلی میں ڈال رہی ہوں۔ چور بڑے خوش ہوئے کہ ہر کام آسانی سے ہو رہا ہے۔ انہیں صرف پہرے دار کا خطرہ تھا کہ کہیں ادھر نہ آ نکلے۔ مگر اس کے لئے انہوں نے اپنے اپنے تیز دھار والے خنجر نکال کر پہلے ہی ہاتھوں میں پکڑ رکھے تھے۔

کیٹی جلدی جلدی رسی کو خنجر کی دھار پر رگڑ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ چھل گئے تھے۔ اور سانس پھول گیا تھا۔ رسی

کو ایک بار پھر دو بار ہلایا گیا۔ چور بے تاب ہو رہے تھے۔
کیونکہ کیٹی نے ان کے حساب کے مطابق کچھ زیادہ ہی دیر لگا
دی تھی۔

کیٹی نے بھی ایک بار پھر رسی ہلا کر ان کی تسلی کر دی
اور زور زور سے رسی کو خنجر پہ رگڑنے لگی۔ رسی کے مضبوط
دھاگے خنجر کی تیز دھار سے رگڑ کھا کر ایک ایک کر کے
کٹتے جا رہے تھے۔

آخر رسی کٹ گئی۔ کیٹی آزاد تھی۔ صرف اس کی
گردن میں رسی بندھی ہوئی تھی۔ مگر دو انچ آگے جا کر
رسی کٹ چکی تھی۔

اب اس نے اپنی ترکیب کا دوسرا عمل شروع کر دیا۔
بڑی مشکل کے ساتھ خنجر اٹھا کر تھیلی میں ڈالا۔ اسے
رسی کے ساتھ باندھا اور رسی کو تین بار ہلا دیا۔ چھت
پہ بیٹھے ہوئے دونوں چوروں نے جب رسی کو تین جھٹکے لگتے
محسوس کئے تو خوشی سے ان کے چہرے کھل گئے۔ اور انہوں
نے آہستہ آہستہ رسی کو اوپر کھینچنا شروع کر دیا۔ رسی کیٹی
کی آنکھوں کے سامنے خنجر والی تھیلی کو لے کر دراز سے باہر
نکل گئی۔ اس دراز کی کنڈی کیٹی نے اندر سے جاتے ہی
کھول دی تھی تاکہ تھیلی کو باہر نکلنے میں آسانی ہو۔ قیمتی

ہیرا دراز میں ویسے ہی اپنی جگہ پر پڑا تھا۔ اس کی بجائے
چوروں کی تھیلی سپہ سالار کا خنجر لے کر آہستہ آہستہ الماری
سے نکل کر قالین پر سے کھسکتی ہوئی کھڑکی کی طرف جا
رہی تھی۔

کرتوخ نے اپنے ساتھی چور سے کہا۔

"جلدی جلدی کھینچو۔"

دوسرا چور بولا۔ "وہ طلسمی عورت۔ زیادہ زور سے کھینچنے سے
مر نہ جائے۔"

"ارے مرتی ہے تو مر جائے ہمیں کیا۔ ہیرا تو اس
نے تھیلی میں ڈال ہی دیا ہے۔"

دوسرا چور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کرتوخ نے رسی اپنے ہاتھ
میں لے لی اور اسے زیادہ تیزی سے کھینچنے لگا۔
وہ مسکرایا۔

"رسی بھاری ہے۔ بڑا قیمتی ہیرا ہے تھیلی میں۔"

"بس یہاں سے سیدھا گھوڑوں پہ بیٹھ کر راتوں رات
مصر کی سرحد سے نکل جائیں گے۔"

کرتوخ بولا۔ "اور اس بونی عورت کو بھی ساتھ لے
جائیں گے۔ روم کا بادشاہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوگا
اور ہمیں انعام و اکرام دے گا۔"

"ہی ہی ہی۔" دوسرا چور ہنسا۔

رسی چھت کی منڈیر تک آ گئی تھی۔ کرتوخ نے جھک کر اندھیرے میں نیچے دیکھا اور بولا۔

"تھیلی لٹکتی نظر آ گئی ہے۔"

دوسرا چور بولا۔ اور بونی لڑکی؟ کہیں وہ وہیں تو نہیں رہ گئی یار؟"

"ارے رہ گئی ہے تو جہنم میں جائے۔ ہمارا ہیرا تو آ گیا ہے۔"

کرتوخ نے رسی ایک دم سے اوپر چھت پر کھینچ لی۔ اس کے ساتھ پوٹلی بندھی ہوئی تھی۔ مگر خلائی لڑکی کیٹی کہیں نہیں تھی۔

"وہ کہاں چلی گئی؟"

"جہنم میں۔"

اور کرتوخ بے تابی سے پوٹلی کو کھولنے لگا۔ دوسرا چور بھی اس کے اوپر جھکا ہوا تھا۔ اندھیرے میں پوٹلی کھلی تو اندر سے ہیرے کی بجائے ایک خنجر نکل کر باہر چھت پر گرا پڑا۔ چوروں کے حواس گم ہو گئے۔ انہوں نے زور زور سے تھیلی کو الٹا کر ہلایا۔ اس کے اندر بار بار ہاتھ ڈال کر دیکھا مگر ہیرا کہیں نہیں تھا۔ کرتوخ چیخ اٹھا۔

"شیطان کی خالہ نے دھوکا کیا۔"

دوسرے چور نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ مگر اس کی آواز ایک پہرے دار نے سن لی تھی۔ اس نے خطرے کا بگل بجا دیا۔ چھت پر ایک دم سے مشعلیں روشن ہو گئیں اور پہرے دار سپاہیوں کا ایک دستہ تلواریں لہراتا ان کے سر پر آ گیا۔ ان سپاہیوں کو حکم تھا کہ آدھی رات کو سپہ سالار کی حویلی کی چھت پر کسی غیر آدمی کو دیکھیں تو وہیں قتل کر دیں۔ چنانچہ تلواریں بلند ہوئیں اور دوسرے ہی لمحے دونوں چوروں کی لاشوں کے ٹکڑے چھت پر پڑے تھے۔ سپاہی سپہ سالار آندلیس کا خنجر اٹھا کر ساتھ لے گئے۔

حویلی میں شور مچ گیا کہ چوروں نے سپہ سالارِ اعظم کے کمرے سے خنجر چوری کر لیا تھا اور چوروں کو ہلاک کر دیا گیا ہے۔ حویلی کا سیکورٹی گارڈ چیف چار سپاہیوں کو لے کر سپہ سالار کے خاص کمرے کی طرف یہ دیکھنے کے لئے چلا کہ الماری میں سے خنجر کس نے نکال کر چوروں کو اوپر چھت پر رسی کے ساتھ باندھ کر پہنچایا تھا۔ اس رات سپہ سالارِ اعظم آندلیس اپنی حویلی میں نہیں تھا۔ کیونکہ اس رات فرعون کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی سازش ہو رہی تھی اور سپہ سالار پروگرام کے مطابق اس رات چھاؤنی میں اپنی فوج کے ساتھ

تھا تاکہ جونہی صبح فرعون کے مرنے کی خبر پھیلے وہ شاہی محل پر قبضہ کرے۔

سپہ سالار آندیس کے چیف سیکورٹی گارڈ کو اختیار حاصل تھا کہ اگر ضرورت پیش آئے تو وہ اس کے کمرۂ خاص میں داخل ہو کر اس کی الماری بھی کھول سکتا ہے۔

خلائی لڑکی کیٹی پوٹلی میں خنجر رکھ کر اسے رسّی کے ساتھ باندھنے کے بعد الماری سے باہر نکل آئی تھی۔ چونکہ کمرے کے بڑے دروازے بند تھے اس لئے وہ باہر نہیں جا سکتی تھی۔ بس وہیں ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گئی اور انتظار کرنے لگی کہ صبح ہو، کوئی دروازہ کھولے اور وہ کسی طریقہ سے باہر نکل سکے۔

اچانک بڑا دروازہ زور سے کھل گیا۔

چیف سیکورٹی گارڈ تین سپاہیوں کے ساتھ تلواریں سونتے اندر داخل ہوا اور اس نے سپاہیوں کو کمرے کی تلاشی کا حکم دے دیا۔

کیٹی جلدی سے مخمل کے بڑے پردے کے پیچھے چھپ گئی۔ سپاہیوں نے کمرے کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ چیف گارڈ کھلی الماری کے پاس گیا اور اس کے پٹ کو کھول کر دراز کو دیکھا۔ دراز بند تھا۔ اس کے پاس دراز کی چابی نہیں تھی۔

یہ چابی سپہ سالار کے پاس ہی تھی۔

کمرے میں ایک سپاہی کی چیخ بلند ہوئی۔ سب ادھر کو دوڑے۔ سپاہی خوف سے زرد ہو کر ایک طرف اشارہ کر رہا تھا۔

"پردے کے پیچھے دیکھو۔ کوئی چڑیل ہے۔"

چیف گارڈ نے پردے کو زور سے پرے کھینچ دیا۔ اس کے پیچھے کیٹی قالین پر دیوار کے ساتھ ایک ننھی سی دو پیسے کی پلاسٹک کی گڑیا کی طرح لگی کھڑی تھی۔ چیف گارڈ قالین پر بیٹھ کر جھک گیا اور غور سے کیٹی کو دیکھنے لگا۔

"کون ہو تم؟"

کیٹی کی باریک سی منحنی آواز سنائی دی۔

"میں چور نہیں ہوں۔ چور چھت پر ہیں۔ انہوں نے مجھے ہیرا چرانے کے لئے بھیجا تھا۔ میری گردن میں رسّی باندھ دی تھی۔ مگر میں نے ہیرے کی جگہ خنجر ساتھ باندھ کر اوپر کر دیا۔"

"ہم نے چوروں کو ہلاک کر دیا ہے۔ ہم تمہیں سپہ سالارِ اعظم کے حضور پیش کریں گے۔ لیکن کیا تم انسان ہو یا کوئی چڑیل ہو؟ تم اتنی چھوٹی سی کیوں ہو؟"

کیٹی نے کہا۔ "مجھ پر جادو کر دیا گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہیں صبح سپہ سالار کے حضور پیش کیا جائے گا۔ آخری فیصلہ وہی کریں گے۔"

اور چیف گارڈ نے کیشی کو اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ باقی سپاہی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چوکور آنکھوں والی اس ننھی سی عورت کو تک رہے تھے۔

○ ○ ○

رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے اور تین ہزار سال پہلے کے مصریوں کے حساب سے بھی رات کا دوسرا پہر گزر گیا تھا اور رات تیسرے پہر میں داخل ہونے والی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد فرعونِ مصر کو زہر دیا جانے والا تھا۔ سپہ سالارِ اعظم آندیس اپنے نائب بابلق کے ساتھ چھاؤنی کے ایک کیمپ میں جاگ رہا تھا۔ اس کے دو خاص آدمی شاہی محل میں کنیز شارلی کے ساتھ لگے مختلف لباسوں میں اس کی خبر گیری کر رہے تھے کہ اگر وہ فرعون کو زہر دینے سے ہچکچائے تو وہ فوراً اس کو ہلاک کر ڈالیں۔ لیکن فرعون کی کنیزِ خاص شارلی کو دولت کا بڑا لالچ تھا اور سپہ سالار اور

فرعون کی بہن نے شارلی کو بے پناہ دولت کا لالچ دیا ہوا تھا۔ اس لئے وہ ہر حالت میں فرعونِ مصر کو زہر دینے کا فیصلہ کئے ہوئے تھی۔

فرعون کی بہن بھی شاہی محل والی اپنی خواب گاہ میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی اور اس وقت کے انتظار میں تھی، جب شارلی اسے آکر بتائے کہ اس کے بھائی فرعون آمون کو زہر دے دیا گیا ہے اور صبح صبح اس کی موت کا اعلان کر دیا جائے۔

شارلی اس وقت فرعون کے کمرۂ خاص میں تھی۔ فرعون کی ملکہ بھی وہیں موجود تھی۔ فرعون عبادت میں مصروف تھا اور کنیز شارلی ملکۂ مصر کے بستر پہ کنول کے خوشبودار پھولوں کی پنکھڑیاں بکھیر رہی تھی۔ ملکہ تانبے کے بنے ہوئے گول آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے لمبے بالوں میں سونے کی کنگھی پھیر رہی تھی۔ ماریا بھی اسی کمرے میں تھی۔ وہ شام ہی سے شاہی کنیز شارلی کے ساتھ سائے کی طرح لگی ہوئی تھی اور اس کی ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھی۔

اتنے میں فرعون عبادت سے فارغ ہو کر اٹھا اور اپنے شاہی بستر پہ آکر بیٹھ گیا۔ شاہی کنیز شارلی نے جھک کر کہا۔

"ربِ شمس کا حکم ہو تو کنول کا عرق تیار کر کے لاؤں ؟"
فرعون نے مسکرا کر کنیز کی طرف دیکھا اور کہا۔
"تم ہماری بہت خدمت کرتی ہو شارلی"
کنیز نے کہا۔ "ربِ شمس کی خدمت کرنا میرا ایمان ہے"
فرعون نے کہا۔ "آج کنول کے عرق کا ایک گلاس تم اپنے لئے بھی تیار کر کے لاؤ۔ ہم چاہتے ہیں کہ آج تم بھی ہمارے ساتھ عرق پیو۔"
"جو حکم ربِ شمس"
شارلی نے جھک کر کہا اور شاہی خواب گاہ سے ملے ہوئے ایک کمرے کا پردہ اٹھا کر اندر داخل ہو گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں کھانے پینے کا خاص سامان رکھا گیا تھا۔ یہاں کئی قسم کے عطر کی بوتلیں اور مربتوں سے بھری ہوئی مرتبان اور پھولوں سے کشید کئے ہوئے عرق بھی تھے۔ ماریا بھی شارلی کے ساتھ ہی اس کمرے میں آ گئی۔
شارلی کا پروگرام کچھ الٹ پلٹ ہو گیا تھا۔ فرعون آمون نے اس کو بھی کنول کا عرق پینے کی دعوت دے کر شارلی کو تھوڑی دیر کے لئے پریشان کر دیا تھا۔ مگر شارلی بڑے مضبوط دل و دماغ کی عورت تھی۔ فوراً سنبھل گئی اور الماری میں سے اس نے شیشے کے بالکل ایک ہی طرح کے دو گلاس نکال کر

چاندی کی تھالی میں رکھے۔ دونوں میں کنول کا عرق ڈال کر انہیں بھر دیا۔ پھر چپکے سے اپنی خاص خفیہ جیب میں سے ہیرے کی انگوٹھی نکالی۔ اس کا نگینہ الگ کر کے اس میں سے تھوڑا سا زہر ایک گلاس میں ڈال کر انگوٹھی دوبارہ اپنی خفیہ جیب میں رکھ کر چھپا لی۔
اس نے چاندی کی تھالی گلاسوں سمیت اس طرح اٹھائی کہ جس گلاس میں زہر ڈالا گیا تھا اس کا رُخ فرعون کی طرف تھا۔ پردہ اٹھا کر وہ خواب گاہ میں واپس آئی اور زہر والے گلاس کا رُخ فرعون کی طرف رکھتے ہوئے تھالی فرعون کے آگے سونے کے چھوٹے سے گول میز پر رکھ دی۔
ماریا یہ سارا خونی ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔
شارلی نے بڑے ادب سے جھک کر فرعون سے کہا۔
"آپ کا پسندیدہ عرق حاضر ہے ربِ شمس"
فرعون نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے سفید ریشمی رومال کو ایک طرف پھینکتے ہوئے شالی سے کہا۔
"شارلی! رومال تو خراب ہو گیا ہے۔ ذرا مجھے نیا رومال نکال دو الماری میں ہے۔"
خواب گاہ میں سوائے شارلی، فرعون اور ملکۂ مصر کے چوتھا کوئی بھی نہیں تھا جو گلاسوں کو اپنی جگہ سے ہلاتا۔ کم از کم

شارلی کو تو یہی معلوم تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ ماریا اس
کے پاس ہی کھڑی ہے۔ شارلی بڑے اطمینان سے پیٹھ موڑ کر
الماری کی طرف گئی اور نیا ریشمی رومال نکال کر لائی اور فرعون
کی خدمت میں پیش کیا۔ فرعون نے رومال لے کر شارلی کا
شکریہ ادا کیا اور گلاس اٹھا لیا۔ شارلی کے چہرے پر فتح کی
چمک تھی۔ اس کی سکیم کامیاب ہو گئی تھی۔ فرعون نے گلاس
میں سے دو گھونٹ پیے اور بولا۔

"بڑا مزیدار ہے عرق ملکہ! تم بھی پیو۔"

"شکریہ حضور! آپ تو جانتے ہیں کہ اس عرق سے مجھے
زکام ہو جاتا ہے۔"

"تو پھر یہ سارا عرق ہم ہی پئیں گے۔"

اور فرعون نے سارا گلاس غٹاغٹ کر کے پی لیا۔ اس نے
شارلی سے کہا۔

"تم بھی پیو ناں۔"

"جی پی رہی ہوں رب شمس!"

اور شارلی نے بھی سارا عرق پی کر گلاس خالی کر دیا۔ وہ
بڑی خوش تھی۔ خوشی سے اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے
تھے۔ فرعون نے زہر پی لیا تھا اور ابھی وہ مرنے والا تھا۔
اور شارلی کو بے پناہ دولت ملنے والی تھی۔ وہ ادب سے

کھڑی کنکھیوں سے بڑے غور سے فرعون کے چہرے کو دیکھ
رہی تھی۔ ایک منٹ۔ دو منٹ۔ تین منٹ گذر گئے۔ اب زہر
کو اپنا اثر دکھانا چاہئے تھا۔ مگر فرعون بڑے اطمینان سے ملکہ
کے ساتھ ہنسی مذاق کی باتیں کر رہا تھا۔ الٹا شارلی کو محسوس
ہوا کہ اس کے پاؤں بھاری ہو رہے ہیں۔ وہ باہر کی طرف
جانے لگی تو اسے اپنی ٹانگوں میں سے جان نکلتی محسوس ہوئی
اس نے گھبرا کر اپنے گلاس کو دیکھا۔ گلاس وہی تھا۔ پھر یہ کیا
ہو گیا ہے؟

ماریا فرعون کے پلنگ کے پاس کھڑی مسکرا رہی تھی کیونکہ جب
شارلی فرعون کے لئے نیا رومال کے لئے مڑی تھی تو ماریا نے
گلاس بدل دیئے تھے اور زہر والے گلاس کا رُخ فرعون کی
بجائے شارلی کی طرف ہو گیا تھا۔ اور شارلی زہر والے عرق کو
سادہ عرق سمجھ کر غٹاغٹ پی گئی تھی۔ کسی کے لئے کنواں کھودنے
والی خود اس کنوئیں میں گر گئی تھی۔

شارلی باہر کی طرف بھاگی مگر اس کے سارے جسم پر زہر کی
وجہ سے فالج گر گیا اور وہ بے جان کٹے ہوئے درخت کی طرح
دھپ سے قالین پر گری اور گرتے ہی مر گئی۔ فرعون اور ملکہ
گھبرا کر شارلی کی طرف دوڑے۔ وہ مر چکی تھی۔ وہاں شور مچ
گیا کہ شاہی کنیز شارلی مر گئی ہے۔ سپہ سالار اعظم آندلیس

کے جو دو خاص آدمی فرعون کی خواب گاہ کے باہر بھیس بدل کر کھڑے شارلی کے منہ سے فرعون کی موت کی خبر سننے کے لئے کھڑے تھے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ فرعون کی بجائے شارلی مر گئی ہے تو وہ محل سے چپکے سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور سپہ سالار آندیس کو یہ بُری خبر سنانے چھاؤنی کی طرف روانہ ہو گئے۔

سپہ سالار اعظم آندیس کو جونہی یہ خبر ملی کہ اس کی سازش ناکام ہو گئی ہے۔ اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جو دو آدمی یہ خبر لے کر آئے تھے انہیں وہیں قتل کر دیا۔ اس کے بعد اپنے خاص ساتھی باقی کو بھی قتل کر دیا تاکہ اس کی سازش کی بات خفیہ ہی رہے اور کسی کو خبر ہی نہ ملے کہ سپہ سالار نے فرعون کو ہلاک کر کے تخت پر قبضہ کرنے کی سازش کی تھی۔ اب صرف ایک عورت فرعون کی بہن اس کی رازدار تھی اور اس سے آندیس کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس کے بعد وہ اپنی حویلی میں آ گیا۔ جہاں اسے یہ پتہ چلا کہ دو چوروں نے اس کا قیمتی ہیرا چرانے کی کوشش کی تھی۔ جنہیں قتل کر دیا گیا اور ایک چھوٹی سی بونی لڑکی پکڑی گئی ہے۔ سپہ سالار نے خلائی لڑکی ننھی سی کیٹی کو دیکھا کہ چیف گارڈ کی ہتھیلی پہ کھڑی ہے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ دنیا میں ایک

مکمل عورت اتنی چھوٹی ایک چھنگلی کے سائز کی بھی ہو سکتی ہے۔

اس وقت ماریا فرعونِ مصر کی بہن کے محل کی طرف یہ معلوم کرنے جا رہی تھی کہ اس پر اپنے بھائی کے خلاف خونی سازش کی ناکامی کا کیا اثر ہوا ہے۔

O

ننھی خلائی لڑکی کا کیا انجام ہوا؟

لاہور کا سٹوڈنٹ امجد بعلبک کے امیر سوداگر شیخ ہامان کی قید سے کیسے فرار ہوا۔

عنبر اور ناگ کی امجد اور ماریا سے کہاں اور کیسے ملاقات ہوئی؟

اس کا حال آپ اگلی قسط نمبر ۴۶ "ماریا اور ممی کی لاش" میں پڑھیے گا۔

دیوی کی تلاش

اے حمید

۶۲

نیا مکتبہ اقرا

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

ماریا اور ممی کی لاش

اے حمید

پیارے دوستو!

فرعون کے سپہ سالار نے جب خلائی لڑکی کیٹی کو بالکل ہی ننھی منی سی دیکھا تو اس نے اسے اپنی ہتھیلی پر بٹھا لیا اور اس کے دماغ ایک انوکھی مگر خطرناک ترکیب آئی۔ اس نے چوکور آنکھوں والی بونی خلائی لڑکی کو الماری کے دراز میں بند کر دیا اور پھر ایک شام اسے ایک سفوف دے کر فرعون کے بچھونے کے سرہانے کے اندر بند کر دیا کہ رات کو جب فرعون سو جائے تو وہ سرہانے کے اندر سے نکل کر وہ سفوف فرعون کی ناک پر چھڑک دے۔ اصل میں وہ زہر تھا مگر خلائی لڑکی کو یہ بتایا گیا تھا کہ وہ بے ہوشی کی دوا ہے اور وہ فرعون کو صرف بے ہوش کرنا چاہتا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ فرعون کو ہلاک کروانا چاہتا تھا مگر خلائی لڑکی اس سے بے خبر تھی۔ جب رات آدھی گزر گئی اور فرعون سو گیا تو خلائی لڑکی جو بالکل انسان کی چھنگلی کے برابر تھی سرہانے کے اندر سے نکلی اور........

پھر کیا ہوا؟ یہ آپ خود پڑھیے گا۔

آپ کا

اے حمید

قیمت ۔/٦ روپے

بار اول ۱۹۸۳ء

ناشر: نیا مکتبہ اقرا۔ ۱۲ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور

طابع: الفرید پرنٹرز۔ لاہور

ترتیب

سانپ کی خونی پھنکار

فرعون کے سپہ سالار آندلیس کی آنکھیں حیرت سے کھلی تھیں۔ وہ اپنی حویلی کے چیف گارڈ کی ہتھیلی پر پوکور نیلی آنکھوں والی خلائی لڑکی کیٹی کو دیکھ رہا تھا جو اس کی اپنی چھنگلی کے برابر تھی اور جس نے سفید چاندی کے رنگ ایسا چھوٹا سا خلائی سوٹ پہن رکھا تھا۔ سپہ سالار آندلیس نے اتنی چھوٹی انسانی عورت کو زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس نے چیف گارڈ سے پوچھا کہ یہ عجیب و غریب مخلوق کون ہے اور اسے کہاں سے ملی ہے؟ چیف گارڈ نے سپہ سالار کو بتایا کہ حویلی کی چھت پر چوروں کو قتل کرنے اور سپہ سالار کا خنجر ان سے برآمد کرنے کے بعد جب وہ یمن کے یاقوت کے بارے میں تسلی کرنے کہ چوری ہوا ہے کہ نہیں نیچے حویلی کے کمرے میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ یمن کا قیمتی یاقوت تو الماری کے دراز میں ویسے ہی پڑا تھا مگر یہ چھوٹی سی بونی لڑکی پردے کے پیچھے چھپی ہوئی تھی۔

"اس لڑکی نے ہمیں بتایا ہے کہ چوروں نے اسے یاقوت
چرانے کے لیے رسّی کی مدد سے کمرے میں اتارا تھا
مگر اس نے یاقوت کی بجائے رسّی کے ساتھ خنجر باندھ
دیا۔ چوروں نے خنجر کو یاقوت سمجھ کر رسّی اوپر کھینچ لی۔
جب انہیں معلوم ہوا کہ اس لڑکی نے ان کے ساتھ دھوکہ
کیا ہے تو انہوں نے چھت پر شور مچا دیا۔ آواز سُن کر ہم
وہاں پہنچے اور چوروں کو قتل کر دیا۔"

سپہ سالار نے خلائی لڑکی کیٹی کو چیف گارڈ کی ہتھیلی سے
اپنی دو انگلیوں کی مدد سے اٹھا کر اپنی ہتھیلی پہ رکھ لیا اور اس
کو اپنے منہ کے قریب لاکر پوچھا۔

"تم کون ہو؟ کیا تم ہماری زبان سمجھتی ہو؟"

خلائی لڑکی کیتی نے باریک آواز میں کہا۔

"میرا نام کیٹی ہے۔ میں خلاء سے آئی ہوں اور تمہاری
دنیا میں آکر سُکڑ کر چھوٹی ہو گئی ہوں اور میں تمہاری
زبان سمجھتی ہوں۔"

سپہ سالار نے پوچھا:

"تم نے میرے قیمتی یاقوت کو چوروں سے کیوں بچایا؟"

کیٹی نے کہا:

"اس لیے کہ میں چوری نہیں کرنا چاہتی تھی وہ لوگ مجھے

استعمال کر رہے تھے۔ میں نے کبھی چوری نہیں کی۔"

سپہ سالار کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے چیف گارڈ سے کہا۔

"تم لوگ جاؤ۔ اس ننھی لڑکی کو میرے پاس رہنے دو۔"

چیف گارڈ اور سپاہی ادب سے سلام کر کے واپس چلے
گئے۔ فرعون کے سپہ سالار آندلیس نے خلائی لڑکی کیٹی کو تھوڑا
سا پھل کھلایا۔ دودھ پلایا اور ایک الماری میں اسے رکھنے لگا تو
کیٹی نے باریک آواز میں پوچھا۔

"تم مجھے یہاں کیوں بند کرنے لگے ہو؟"

سپہ سالار نے اسے غور سے دیکھا اور کہا۔

"یہاں تم آرام سے رہو گی۔ تمہیں کھانے پینے کو ہر شے
ملے گی اور الماری کے دراز میں تمہارا بستر بھی لگا ہو گا۔"

اور سپہ سالار نے الماری میں ایک چھوٹا سا سرہانہ ڈال کر اس
کے اوپر خلائی لڑکی کیٹی کو بٹھا دیا۔

"الماری کے اوپر روشن دان بنا ہوا ہے یہاں سے تمہیں
روشنی اور ہوا آتی رہے گی۔"

کیٹی نے پوچھا:

"میں یہاں کب تک پڑی رہوں گی؟"

سپہ سالار نے مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا:

"جب تک تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرتا"

اور سپہ سالار نے الماری بند کر کے تالا لگا دیا۔

سپہ سالار آندریس نے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، فرعون آمون کے خلاف قتل کی سازش کی تھی مگر جس شاہی کنیز نے اسے زہر دے کر ہلاک کرنا تھا وہ خود زہر سے ہلاک ہو گئی۔ سپہ سالار کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ شاہی کنیز کو کس نے زہر دے دیا جبکہ اس وقت فرعون کی خواب گاہ میں فرعون، ملکہ مصر اور شاہی کنیز کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ سپہ سالار نے اس سازش میں شریک سارے آدمیوں کو خود مار ڈالا تھا تاکہ اس کی سازش کا راز فاش نہ ہو جائے۔ صرف فرعون کی بہن زندہ تھی اور اس سے سپہ سالار کو کوئی خطرہ بھی نہیں تھا اور اس سے ابھی سپہ سالار کو کام بھی لینا تھا۔ وہ ایک بار پھر فرعون کو ہلاک کر کے مصر کے تخت پر قبضہ کرنے کی کرنا چاہتا تھا۔ خلائی لڑکی کیٹی کو دیکھ کر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی تھی اور وہ فرعون کی بہن سے مشورہ کر کے اس ترکیب پر بہت جلد عمل کرنا چاہتا تھا۔

خلائی لڑکی کیٹی کو الماری میں بند کر کے سپہ سالار سیدھا فرعون کی بہن کے محل میں گیا۔ سازش ناکام ہو جانے پر وہ بھی بڑی پریشان تھی۔ وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ اپنے بھائی فرعون کو قتل کروا کر سپہ سالار کو فرعون بنا کر اس سے شادی کر کے مصر کی ملکہ بن کر حکومت کرے۔ سپہ سالار کو آتے

دیکھ کر وہ آرام کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف گئی اور پوچھا۔

"سازش کیسے ناکام ہو گئی؟ کنیز کو کس نے زہر دیا؟"

سپہ سالار نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا اور کہا۔

"یہی تو ایک معمہ ہے جو حل نہیں ہو رہا۔ ایسا لگتا ہے کہ کنیز نے فرعون کے لیے زہر کا گلاس تیار کر کے اپنے پینے بھی شربت کا گلاس بنایا تھا۔ کیونکہ طشت میں دو گلاس تھے۔ پھر خدا جانے کیا ہوا۔ کہ زہر کا گلاس کنیز نے اور شربت کا گلاس فرعون نے پی لیا۔"

فرعون کی بہن نے کہا:

"ہو سکتا ہے کنیز نے آخری وقت پر خیال بدل لیا ہو اور خود زہر پی کر خودکشی کر لی ہو۔"

سپہ سالار بولا:

"یہ کوئی وزنی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ کنیز کو ہم نے بے شمار دولت دینے کا لالچ دیا تھا اور وہ ایک لالچی عورت تھی۔ ضرور درمیان میں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔"

"کیا کسی نے زہر کا گلاس بدل دیا تھا؟"

"ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ گلاس کس نے بدلے تھے؟ وہاں تو اور کوئی نہیں تھا۔"

سپہ سالار نے فرعون کی بہن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”اب میں نے ایک اور ترکیب سوچی ہے۔“

”وہ کیا؟“ فرعون کی بہن نے پوچھا۔

اس وقت ماریا بھی اس کمرے میں تھی۔ وہ سپہ سالار کے آنے سے پہلے ہی یہ معلوم کرنے کے لیے کہ سازش کی ناکامی کا فرعون کی بہن پر کیا اثر پڑا ہے اس کی خواب گاہ میں آ چکی تھی۔ اور کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ ماریا نے بھی کان کھڑے کر لیے۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ سپہ سالار نے فرعون کو ہلاک کرنے کے لیے اب کون سی ترکیب سوچی ہے۔ سپہ سالار اپنی نئی ترکیب بتانے ہی والا تھا کہ اچانک دروازے میں شاہی گارڈ کے دو سپاہی داخل ہوئے اور سر جھکا کر بولے۔

”رب شمس!“

سپہ سالار اور فرعون کی بہن نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دونوں کے دل میں یہی خیال آیا کہ کہیں فرعون کو ان کی سازش کا علم تو نہیں ہو گیا؟ دروازے کا سرخ مخملیں پردہ اٹھا دیا گیا اور فرعونِ مصر دونوں ہاتھ سینے پر رکھے اندر داخل ہو گیا۔ سپہ سالار اور فرعون کی بہن ادب سے جھک گئے۔ فرعون نے باری باری ان دونوں کے سروں پر ہاتھ رکھا اور آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”رات ہماری چہیتی کنیز کے مرنے کا ہمیں سخت صدمہ ہوا ہے بہن!“

پھر فرعون نے سپہ سالار کی طرف دیکھا اور بولا۔

”آندلیس! شاہی کنیز کو زہر دیا گیا ہے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اسے کیوں اور کس لیے زہر دیا گیا؟ کہیں ایسا تو نہیں یہ زہر ہمارے لیے تیار کیا گیا ہو اور بدقسمتی سے زہر کا گلاس ہماری بجائے ہماری پیاری کنیز نے پی لیا؟“

سپہ سالار نے ادب سے کہا۔

”رب شمس! خدانخواستہ آپ کو زہر دینے کی کون جرأت کر سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ سازش شاہی کنیز کو ہلاک کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔“

”مگر اس کے پیچھے کون ہو سکتا ہے؟“ فرعون نے پوچھا۔

فرعون کی بہن بولی۔

”رب شمس! اس کے پیچھے شاہی کنیز کے کسی دشمن کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ کئی لوگ شاہی کنیز کی خوش قسمتی سے جلتے تھے کہ وہ رب شمس کی چہیتی کنیز ہے۔“

فرعون بولا۔

”ہاں، ایسا ہو سکتا ہے۔ اسی لیے ہم نے اس قتل

کی پوری پوری تحقیقات کا حکم دے دیا ہے۔"

سپہ سالار اور فرعون کی بہن کو یہ جان کر تسلی ہو گئی تھی کہ فرعون مصر کو پتہ نہیں چل سکا کہ یہ سازش انہوں نے کی تھی۔ اتنے میں مصر کے سب سے بڑے مندر کا اعلیٰ پجاری یعنی کاہن اعظم اندر داخل ہوا۔ اس شخص کو فرعون کے پاس اجازت لیے بغیر آجانے کا اعزاز حاصل تھا۔ اس کا سر منڈا ہوا تھا اور نیلے چغے میں ملبوس تھا۔ ماتھے پر سیندور کا گول تلک لگا تھا اور کندھے پر ایک کالا پھنیئر ناگ کنڈلی مارے پھن اٹھائے بیٹھا تھا۔

کاہن اعظم نے ادب سے سر جھکا کر کہا۔

"رب شمس! اس طرح چلے آنے کی معافی چاہتا ہوں مگر مندر میں آج جشن خورشید ہے۔ سورج دیوتا کے حضور آپ کی سلامتی کی خوشی میں ایک کنواری لڑکی کی قربانی دی جائے گی۔ آپ تشریف لے چلیں اور کنواری لڑکی کے ماتھے پر اپنے ہاتھ سے سیندور لگائیں تاکہ سورج دیوتا کے غروب ہوتے ہی اسے قربان کر دیا جائے۔"

ماریا چونک پڑی۔

یہ ظالم لوگ پھر کسی بے گناہ غریب لڑکی کو سورج دیوتا

کے آگے چھری سے ذبح کرنے والے تھے۔ ماریا کا دل اس بے گناہ غریب کنواری لڑکی کو ایسی اذیت ناک موت سے بچانے کے لیے تڑپ اٹھا۔

فرعون نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہم ابھی آپ کے ساتھ چل کر اس خوش نصیب لڑکی کے ماتھے پر مقدس سیندور لگاتے ہیں۔"

اچانک کاہن اعظم کے کندھے پر کنڈلی مارے بیٹھا ہوا سانپ گھبرا گیا۔ اس نے اپنا پھن گھما کر چاروں طرف دیکھا اور پھنکاریں مارنے لگا۔ فرعون، سپہ سالار اور فرعون کی بہن سانپ کو تکنے لگے۔ سانپ بار بار پھنکار رہا تھا۔ کاہن اعظم نے کمرے میں نظریں گھما کر کہا۔

"رب شمس! اس کمرے میں کوئی غیبی روح موجود ہے۔"

"کیا مطلب؟" فرعون نے پوچھا۔

کاہن اعظم نے کہا۔

"رب شمس! یہ سورج دیوتا کے مندر کا مقدس سانپ ہے۔ اس کو روحوں کی خبر ہو جاتی ہے۔ اس نے یقیناً اس کمرے میں کسی غیبی روح کی موجودگی کو محسوس کر لیا ہے۔ اس لیے وہ بے چین ہے۔"

سپہ سالار نے کہا۔

"مگر وہ روح کس کی ہو سکتی ہے؟"

کاہن اعظم بولا۔

"یہ وہ روح خود بتائے گی میں اس سانپ کو چھوڑ رہا ہوں۔ کمرے میں غیبی روح جہاں ہو گی سانپ وہاں پہنچ جائے گا"

اور کاہن اعظم نے سانپ کو کندھے سے اتار کر قالین پر چھوڑ دیا۔ ایک لمحے کے لیے ماریا پریشان ہو گئی۔ کیونکہ سانپ قالین پر رینگتا ہوا اسی کی طرف آ رہا تھا۔ پھر اس نے سوچا کہ سانپ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہی، سانپ اس کے پاؤں کے پاس آ کر رک گیا۔ اس نے پھن اٹھا کر ماریا کی طرف دیکھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ سانپ نے اسے دیکھ لیا ہے مگر وہ کسی کو اپنی زبان سے بتا نہیں سکتا۔ اس نے ماریا کے ارد گرد تین چکر لگائے اور پھر ماریا کے پاس کنڈلی مار کر بیٹھ گیا اور اپنے پھن کو لہرا لہرا کر پھنکاریں مارنی شروع کر دیں۔

سپہ سالار، فرعون، فرعون کی بہن اور کاہن اعظم یہ تماشہ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ کاہن اعظم نے سانپ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"رب شمس! جس جگہ سانپ بیٹھا ہے غیبی روح اسی جگہ موجود ہے"

فرعون بولا۔

"کیا تم اس روح سے میری بات نہیں کروا سکتے"

"کیوں نہیں۔ ابھی کرواتا ہوں"

ماریا کاہن اعظم کا منہ تکنے لگی کہ یہ فرعون سے اس کی بات کیسے کروائے گا جب کہ وہ روح ہی نہیں ہے۔ وہ تو اس کی بات کا جواب ہی نہیں دے گی۔ کاہن قالین پر بیٹھ گیا اور آنکھیں بند کر کے منتر پڑھنے اور جدھر ماریا کھڑی تھی اور سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا ادھر منہ کر کے پھونکیں مارنے لگا۔ پھر وہ اچانک اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس طرف دیکھنے لگا جہاں ماریا کھڑی تھی۔

فرعون نے پوچھا۔

"کیا بات ہے کاہن اعظم! تم کچھ پریشان دکھائی دیتے ہو۔ کیا روح سے تمہاری بات نہیں ہو سکی؟"

کاہن اعظم نے حیرت سے منہ کھول کر کہا۔

"رب شمس! یہ کوئی روح نہیں ہے بلکہ ایک عورت ہے جو غائب ہے"

سپہ سالار۔ فرعون کی بہن اور فرعون کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ فرعون نے پوچھا۔

یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ کیا کوئی انسان غائب بھی

ہو سکتا ہے بھلا؟"
کاہن اعظم بولا۔
"رب شمس! میرا علم میرا منتر اور یہ سانپ جھوٹ نہیں بول سکتے۔ یقین کریں اس کمرے میں ٹھیک اس جگہ جہاں مقدس سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہے ایک ایسی عورت موجود ہے جو زندہ ہے مگر غائب ہے۔"
فرعون نے کہا۔
"کاہن اعظم! گرمی کی وجہ سے شاید تمہارا دماغ بہک گیا ہے۔ چلو میرے ساتھ ہم قربان کی جانے والی کنواری لڑکی کے ماتھے پر سیندور لگائیں گے۔"
پھر سپہ سالار کی طرف منہ پھیر کر بولا۔
"آندیس! تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔"
کاہن اعظم نے سانپ کو اپنی طرف بلایا۔ مگر وہ اپنی جگہ سے نہیں ہل رہا تھا۔ اس نے ماریا کے جسم سے ناگ دیوتا کی ہلکی ہلکی بو بھی آ رہی تھی۔ ماریا نے سانپ کو اس کی زبان میں کہا "جا کاہن کے پاس۔"
سانپ نے پھن سمیٹ لیا اور کاہن اعظم کے کندھے پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ سب لوگ فرعون کی بہن کے کمرے سے باہر نکل گئے۔ آگے آگے فرعون مصر تھا۔ اس کے ساتھ سا

سپہ سالار اعظم اور پیچھے کاہن اعظم تھا۔ اس کے پیچھے ماریا چل رہی تھی۔ کیونکہ وہ قربان کی جانے والی کنواری بے گناہ لڑکی کو اذیت ناک موت سے بچانا چاہتی تھی۔ جاتے جاتے سپہ سالار نے ایک نظر فرعون کی بہن پر ڈالی تھی۔ جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہہ رہا ہو کہ فرعون کو قتل کرنے کی جو ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے وہ تمہیں پھر کسی وقت بتاؤں گا۔
جس غریب لڑکی کو شام کے وقت قربان کیا جانے والا تھا وہ اس شہر کے ایک غریب ماہی گیر کی بیٹی تھی۔ اتفاق سے وہ بہت ہی خوب صورت تھی۔ اسی لیے اسے سورج دیوتا پر فرعون کی جانب سے قربان کرنے کے لیے چنا گیا تھا۔ فرعون نے جب اس لڑکی کو دیکھا تو چونکا وہ ایک نیک دل فرعون تھا اس لیے اس کے اندر کا نیک انسان بیدار ہو گیا۔ اس نے کاہن اعظم سے کہا۔
"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس لڑکی کو قربان نہ کیا جائے؟"
"ایسا کہنا ہی گناہ ہے رب شمس!" کاہن اعظم نے کہا۔
فرعون نے اپنے ماتھے کو انگلیوں سے ملتے ہوئے کہا۔
"میں جانتا ہوں کاہن اعظم! مگر جانے اس غریب لڑکی کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خیال کیوں آ گیا ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے۔ اس کی جان بخشی کر دی جائے۔"

کاہن اعظم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
"اے سورج دیوتا! فرعون مصر کو معاف کر دینا"
پھر فرعون کی طرف دیکھ کر بولا۔
"رب شمس! آپ نے ایسا خیال دل میں لا کر سورج دیوتا کی ناراضگی مول لی ہے۔ فوراً ایک سو گائیوں کی قربانی کا حکم دیں اور سورج دیوتا سے معافی مانگیں۔ اگر اس لڑکی کو قربان نہ کیا گیا تو مصر کی سلطنت تباہ و برباد ہو جائے گی"
فرعون خاموش ہو گیا۔ اس نے سپہ سالار کی طرف دیکھا۔ سپہ سالار نے کہا۔
"کاہن اعظم ٹھیک کہتا ہے رب شمس! قربانی ہر حال میں ہو گی"
"ٹھیک ہے اس لڑکی کو قربان کر دو"
فرعون نے اداس آواز میں کہا۔ کاہن اعظم کے ایک پجاری نے جو اس کوٹھڑی میں مقدس سیندور لیے موجود تھا سیندور کی سونے کی تھالی آگے بڑھائی۔ فرعون نے سیندور میں انگلی ڈبو کر لڑکی کے ماتھے پر لگا دی۔ بے چاری لڑکی ڈر کے مارے سہمی بیٹھی تھی۔ اس کے ہونٹ خشک تھے اور کپکپا رہے تھے۔ بے چاری کا حلق سوکھ گیا تھا اور خوف کے مارے آواز تک

نہیں نکل رہی تھی حالانکہ وہ فرعون سے رحم کی بھیک مانگنا چاہتی تھی۔ جب فرعون نے اس کے ماتھے پہ سیندور لگایا تو وہ خوف سے بے ہوش ہو گئی کیونکہ اب اس کی موت یقینی ہو گئی تھی اور اس بے کس و مجبور لڑکی کو معلوم تھا کہ جس لڑکی کو سورج دیوتا پر قربان کیا جاتا ہے اسے چھری کے ساتھ بھیڑ بکری کی طرح آہستہ آہستہ ذبح کیا جاتا ہے۔
فرعون اور سپہ سالار وہاں سے چلے گئے۔ کاہن اعظم نے کوٹھڑی سے پجاری کو اپنے ساتھ لیا اور پہرے دار سے کہا۔
"اس کی سخت نگرانی کرنا۔ اس محل میں ایک غیبی عورت موجود ہے"
پھر اس نے اپنے لمبے چغے کی جیب سے ایک سفوف نکال کر اس پر کچھ پڑھ کر پھونک ماری اور سفوف کو کوٹھڑی میں چھڑک دیا۔ سفوف کے چھڑکتے ہی اس کا غبار اڑا تو ماریا کا سانس رکنے لگا۔ وہ فوراً لپک کر کوٹھڑی کے دروازے سے باہر آ کر کھڑی ہو گئی۔ کاہن اعظم نے پہرے دار سے کہا۔
"اس سفوف کی تیز بو کسی روح کسی غیبی عورت کو اس کوٹھڑی میں نہیں آنے دے گی۔ تم اس لڑکی کو کوٹھڑی سے باہر نہ آنے دینا"
پہرے دار نے پوچھا۔

"اس سفوف کی تیز بُو سے اس لڑکی کا سانس تو نہیں بند ہو جائے گا؟"

کاہن اعظم یہ کہہ کر باہر نکل گیا کہ سفوف کی بُو کا اثر زندہ انسانوں پر ہرگز نہیں ہوتا۔ وہ بڑے سکون کے ساتھ سانس لے سکتے ہیں۔ ماریا کاہن اعظم کے جانے کے بعد وہیں کھڑی رہی۔ یہ کاہن اعظم کوئی بہت بڑا عامل اور جادوگر تھا۔ کم بخت کے سانپ نے ماریا کو دیکھ لیا تھا جو ماریا کی زندگی میں پہلا واقعہ تھا اور اب اس بدبخت نے لڑکی کو کوٹھڑی میں منتر پڑھ کر ایسا سفوف چھڑک دیا تھا کہ جس کی تیز بُو میں ماریا کا دم گھٹتا تھا اور وہ کوٹھڑی کے اندر نہیں جا سکتی تھی اور جب تک وہ کوٹھڑی کے اندر نہ جائے اس سے کوئی بات نہیں کر سکتی تھی اور نہ اسے وہاں سے اپنے ساتھ بھگا سکتی تھی۔ لیکن ماریا نے اس غریب لڑکی کی جان بچانے کا دل میں فیصلہ کر رکھا تھا۔ اسی لیے وہ وہاں کھڑی تھی اور دل میں سوچ رہی تھی کہ لڑکی کو وہاں سے کیسے نکال کر فرار ہونے میں مدد دے۔ غریب لڑکی بے ہوش تھی۔ کوٹھڑی کا دروازہ پہریدار نے بند کر کے تالا لگا دیا تھا اور نیزہ لیے باہر پہرہ دے رہا تھا۔ اس کے آگے جہاں تہہ خانے کی سیڑھیاں اوپر جاتی تھیں دو پہرے دار وہاں بھی تلواریں لیے پہرہ دے رہے تھے۔

یہاں سے غریب لڑکی کو زندہ سلامت نکال کر لے جانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مشکل کام تھا مگر ماریا اس مشکل کو حل کرنے کا عہد کئے ہوئے تھی۔ ماریا نے کوٹھڑی کے دروازے کے قریب جا کر لوہے کے دروازے میں تھوڑا سا سر اندر ڈالا اور پھر جلدی سے سر باہر کھینچ لیا۔ اسے چھینک آ گئی مگر اس کی چھینک کوئی نہ سن سکا۔ کیونکہ ماریا کی آواز دوسرا اسی وقت سن سکتا تھا جب وہ چاہتی کہ دوسرا اس کی آواز سنے۔ وگرنہ ویسے کوئی نہیں سن سکتا تھا۔ کوٹھڑی کے اندر ابھی تک کاہن اعظم کے زہریلے سفوف کا اثر موجود تھا۔ ماریا اس کاہن اعظم کی جادوگری کو بُرا بھلا کہنے لگی۔ کم بخت بڑا خطرناک کاہن تھا۔ مگر ماریا بھی اگر اپنی آئی پر آ جاتی تو آسمان کا ٹکڑا اتار لاتی تھی اس نے بھی اس مکار کاہن اعظم کو شکست دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ کوٹھڑی کے باہر سیڑھیوں تک جو برآمدہ بنا ہوا تھا اس میں ٹہلنے لگی۔ وہ اس وقت کا انتظار کرنے لگی کہ اسے لڑکی کو اغوا کرنے کا کوئی موقع ملے۔ ماریا کو معلوم تھا کہ ابھی شام سے پہلے اس لڑکی کو قربان نہیں کریں گے۔ جب اس نے دروازے کے اندر گردن ڈالی تھی تو دیکھا تھا کہ لڑکی ہوش میں آ چکی تھی۔ اور دیوار کے ساتھ سر گھٹنوں میں دیئے

بیٹھی سسکیاں بھر رہی تھی۔ کاہن اعظم ایسا ہوشیار اور زبردست
عامل تھا کہ اس نے ایسا زہریلا سفوف کوٹھڑی میں چھڑکا دیا تھا
کہ جس میں ایک عام انسان تو بڑی آسانی سے سانس لے
سکتا تھا مگر غیبی آدمی یا روح کا اس میں دم گھٹنے لگتا تھا۔

ادھر سپہ سالار فرعون کو شاہی محل کے دروازے پر
چھوڑ کر فوراً واپس فرعون کی بہن کے محل میں آگیا۔ وہ اس
کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے سپہ سالار کو اندر آتا دیکھ کر
کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور کہا۔

"دیوتا ہم پر مہربان ہیں کہ فرعون کو ہم پر شک
نہیں پڑا۔ نہیں تو ہمارا زندہ بچنا محال تھا"

سپہ سالار آمندیس بولا۔

"اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ دیوتاؤں
نے ہمیں ایک اور موقع دیا ہے کہ ہم فرعون کو ہلاک
کر کے تخت پر قبضہ کر لیں"

فرعون کی بہن نے پوچھا۔

"تم مجھے کون سی دوسری ترکیب بتانے لگے
تھے؟"

سپہ سالار تخت پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا تانبے کا ہلمٹ
اتار کر میز پر رکھ دیا اور چاندی کے گول پیالے میں اناروں

کا شربت بھر کر پیا اور ٹھنڈا سانس لے کر بولا۔

"تم میری ترکیب سنو گی تو حیران رہ جاؤ گی"

"دیوتا تم پر مہربان ہوں۔ مجھے جلدی سناؤ"

پھر سپہ سالار آمندیس نے خلائی لڑکی کیٹی کے ملنے کا اور اپنی
حویلی میں چوروں کے آنے کا سارا واقعہ سنایا اور کہا۔

"وہ لڑکی اتنی چھوٹی ہے کہ تمہاری قمیض کی جیب
میں آ کر آرام سے سو سکتی ہے"

"میں تو سن کر حیران ہو گئی ہوں آمندیس! کیا
اس دنیا میں اتنی چھوٹی چھوٹی انسانی مخلوق بھی ہوتی
ہے؟"

"ہوتی ہو گی جبھی تو وہ مل گئی ہے۔ مگر وہ
کہتی ہے کہ وہ خلا سے زمین پر آئی ہے۔ جسے میں نہیں
مانتا۔ کیونکہ بھلا خلاء میں بھی کوئی دنیا ہو سکتی ہے؟
ہرگز نہیں۔ وہ کوئی زمین کے اندر کی مخلوق ہے
اور جہاں تک میرا خیال ہے ہمارے ملک کی جاسوسی
کرنے آئی ہے۔ مگر میں اس سے فرعون کو ہلاک کرنے
کا کام لینا چاہتا ہوں"

"وہ کیسے؟" فرعون کی بہن نے پوچھا۔

آمندیس بولا۔

"غور سے سنو! میں اس خلائی بونی کو بادشاہ کے
سرہانے میں بند کرا دوں گا اور اس کی جیب میں ایک
زہریلا سفوف ہو گا جو وہ آدھی رات کو جب بادشاہ
فرعون سو جائے گا تو یہ خلائی لڑکی سرہانے میں
سے نکل کر اس کی ناک کے آگے چھڑک دے گی۔
اس کے بعد فرعون صرف ایک سانس لے سکے گا اور
زہر اس کے اندر جا کر اسے ہلاک کر ڈالے گا
اور کسی کو پتہ بھی نہ چل سکے گا کہ اسے کس نے
ہلاک کیا ہے۔ کیونکہ فرعون کی خواب گاہ کے دروازے
اندر سے اسی طرح بند ہوں گے اور باہر پہرا
بھی لگا ہوا ہو گا"

فرعون کی بہن نے پوچھا۔

"کیا وہ لڑکی فرعون کو زہر دینے پر تیار ہو جائے گی؟"

سپہ سالار آندلیس بولا۔

"اسے تیار کرنا بڑا کام ہے اب تم میرا کام دیکھو"

فرعون کی بہن کے محل سے نکل کر سپہ سالار سیدھا
اپنے محل یعنی اپنی شاندار حویلی میں آ گیا۔ اپنے کمرے میں
گیا۔ دروازہ اندر سے بند کیا۔ کھڑکیوں پر پردے
کھینچے کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے اور الماری میں سے خلائی

بونی لڑکی کیٹی کو نکال کر میز پر سرہانے سمیت رکھ دیا۔
کیٹی بیچاری الماری کے اندر پڑے پڑے پریشان ہو گئی
تھی اس نے اپنی پتلی سی آواز میں سپہ سالار سے کہا۔

"اگر تم لوگ کسی خدا کو مانتے ہو تو اس خدا کے لیے
مجھے آزاد کر دو۔ چاہے میرا کچھ بھی حشر ہو مگر مجھے
کھلی ہواؤں میں جا کر چھوڑ آؤ"

سپہ سالار بولا۔

"پیاری بیٹی! میں تمہیں چھوڑ دوں مگر فرعون تمہارا دشمن
ہو گیا ہے"

"وہ کیسے؟" کیٹی نے پوچھا۔

سپہ سالار نے ایک جھوٹی کہانی سنانی شروع کر دی۔

"جن چوروں نے تمہیں میری حویلی میں اتارا تھا ان
کا ایک ساتھی بھی تھا۔ اس کو کسی طرح تمہارے
بارے میں معلوم ہو گیا تھا"

کیٹی نے کہا۔

"مگر چور تو مجھے غار سے لے کر سیدھا حویلی کی
چھت پر آ گئے تھے؟"

"ہو سکتا ہے ان کا تیسرا ساتھی انہیں تمہیں میرے
کمرے میں اتارنے کے بعد انہیں چھت پر ملا ہو۔ بہرحال

اس پور نے بادشاہ کے خاص نجومی کو جاکر بتایا
ہے کہ خلا سے ایک مخلوق مصر میں اتر آئی ہے جو
بہت چھوٹی ہے مگر ان کے سانس سے زہریلی ہوا
پھیل رہی ہے نجومی نے بادشاہ فرعون کو جاکر پیش گوئی
کردی ہے کہ یہ خلائی مخلوق اس کو اور اس کی رعایا
کو ہلاک کردے گی۔ چنانچہ بادشاہ نے اعلان جاری
کردیا ہے کہ خلائی مخلوق جہاں کہیں نظر آئے اسے وہیں
پتھر مار مار کر یا تلواریں مار مار کر اس کے ٹکڑے
ٹکڑے کر ڈالو۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں تمہیں کیسے آزاد
کرسکتا ہوں تم باہر گئیں تو لوگ بادشاہ کے حکم سے
تمہیں قتل کر ڈالیں گے"
خلائی لڑکی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔
"میں نے فرعون کا کیا بگاڑا ہے جو اس نے میرے
خلاف یہ حکم دیا"
سپہ سالار بولا۔
"یہی تو میں بھی کہتا ہوں۔ مگر تم فکر نہ کرو میں نے
فیصلہ کرلیا ہے کہ ایسے بادشاہ کو میں ایک ماہ کے
لیے بے ہوش کرکے کمرے میں بند کر دوں اور
خود تخت پر بیٹھ کر خلائی مخلوق کو ہلاک کرنے کا

اعلان واپس لے لوں اور جب تم یہاں سے نکل جاؤ
اور رعایا کے حالات اچھے ہو جائیں تو بادشاہ کو ہوش
میں لاکر پھر تخت پر بٹھادوں گا اس طرح سے سانپ بھی
مرجائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی تمہاری موت
کا حکم بھی واپس ہو جائے اور تم بڑے آرام سے یہاں
سے نکل جاؤ گی۔ بلکہ میرے سپاہی خود تمہیں جہاں تم
جانا چاہو گی تمہیں چھوڑ آئیں گے کیا خیال ہے تمہارا؟"
"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بھلا"، کیٹی نے کہا۔
سپہ سالار بولا۔
"لیکن اس سلسلے میں تمہیں ہماری مدد کرنی ہو
گی"
"وہ کیا، میں تیار ہوں"
سپہ سالار خوش ہوا۔ تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔
"تم تو جانتی ہو کہ فرعون کو بے ہوش کرنا بہت
مشکل کام ہے۔ اس کے کمرے میں کوئی بھی رات
کو داخل نہیں ہو سکتا۔ مگر تم اتنی چھوٹی ہو کہ تم
بڑی آسانی سے جا سکتی ہو۔ تمہیں میں بے ہوش
کرنے والی دوا دے دوں گا۔ تم فرعون کے کمرے
میں چلی جانا۔ جب وہ سو جائے تو بے ہوشی کی دوا

اس کی ناک کے آگے ڈال دینا۔ وہ فوراً ایک ماہ کے
لیے بے ہوش ہو جائے گا۔"
کیا تم تیار ہو؟"
"کیوں نہیں۔ اس میں میری آزادی کا معاملہ ہے۔
بلکہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ فرعون بڑا ظالم
ہے جس نے بے ضرر خلائی مخلوق کے قتل کا حکم دیا
ہے۔ میں تو اسے ہلاک کر ڈالنا چاہوں گی۔"
سپہ سالار نے سوچا کہ اسے نہیں بتانا چاہیئے کہ اس کا مقصد
یہ ہے اور وہ یہی کام کرنے جا رہی ہے۔ اس نے کیٹی کے
سر پہ انگلی رکھ کر کہا۔
"پیاری بیٹی اس کی ضرورت نہیں۔ جو کام گڑ دینے
سے نکل سکتا ہے اس کے لیے زہر استعمال کرنے کی
کیا ضرورت ہے۔ بادشاہ بے ہوش ہو جائے گا اور
میں فرعون کا تاج پہن کر تمہاری رہائی اور خلائی مخلوق
کی جان بخشی کا اعلان کر دوں گا بس اور کیا چاہیئے
تمہیں۔"
"بالکل ٹھیک ہے۔ مگر میں فرعون کے کمرے
میں رات کو کیسے جاؤں گی؟" کیٹی نے پوچھا۔
سپہ سالار نے کہا۔

"یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ بادشاہ فرعون کو سونے
کے لیے ہر روز ایک نیا سرہانہ دیا جاتا ہے اور یہ میری
ڈیوٹی ہے کہ میں سپہ سالار کی حیثیت سے سرہانے کی
جانچ پڑتال کر کے دیکھوں کہ کسی دشمن نے اس کے
اندر کچھ چھپا تو نہیں دیا جو بادشاہ کے لیے موت کا باعث
بن جائے۔ چنانچہ آج رات جب میں سرہانہ بادشاہ کی
خواب گاہ میں بھجوانے لگوں گا تو اس کے اندر تمہیں چھپا
دوں گا۔ تمہاری جیب میں بے ہوش کرنے والا وہ سفوف
ہوگا جو تم نے بادشاہ فرعون کی ناک کے آگے اس وقت
چھڑکنا ہوگا جب تمہیں یقین ہو جائے کہ وہ سو گیا ہے۔
اس کے بعد تم واپس سرہانے میں گھس جاؤ گی۔ بادشاہ
بے ہوش ہو جائے گا اور میں تمہیں صبح صبح ہی سرہانے
میں سے نکال کر لے جاؤں گا۔ ٹھیک ہے؟"
کیٹی نے پوچھا۔
"کہیں سرہانے کے اندر میرا دم تو نہیں گھٹے گا؟"
سپہ سالار نے کہا۔
"بادشاہ کے سرہانے میں نازک چڑیوں کے ریشمی
پر ہوتے ہیں۔ اندر تم بڑے آرام سے لیٹی رہو گی کیونکہ
سرہانے کے اندر ہوا آتی رہتی ہے۔ میں اس میں ایک

خفیہ سوراخ بھی کر دوں گا۔"
کیٹی نے کہا۔
"بہت خوب۔ مجھے کس وقت تمہارے ساتھ چلنا ہوگا؟"
سپہ سالار نے خوش ہو کر کہا۔
"آج شام کو آ کر میں تجھے اپنے ساتھ لے چلوں گا۔"
اب تم آرام کرو۔
کیٹی نے کہا۔
"الماری کا دروازہ تھوڑا سا کھلا رکھنا میرا دم گھٹتا ہے۔"
"کوئی بات نہیں ننھی بیٹی!"
سپہ سالار نے خلائی لڑکی کیٹی کو انگلی سے اٹھا لیا اور الماری کے اندر دراز میں دوبارہ سرہانے سمیت ڈال دیا۔ اور الماری کا ایک پٹ تھوڑا سا کھلا رکھا مگر باہر نکلتے ہوئے دروازے پر تالا ڈال دیا تاکہ اگر خلائی لڑکی اپنا ارادہ بدل لے تو کمرے سے باہر نہ نکل سکے۔ وہ سیدھا فرعون کی بہن کے ہاں گیا اور جا کر اسے ساری بات سنا دی اور بتایا کہ وہ کامیاب ہو گیا ہے۔
"آج رات فرعون کی آخری رات ہو گی۔"
سپہ سالار نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ فرعون کی بہن بولی۔

"کہیں وہ بونی مخلوق بدل تو نہ جائے گی؟"
"نہیں۔ میں نے اسے فرعون کے خلاف کر دیا ہے وہ تو اسے ہلاک کرنے پر تیار ہو گئی تھی۔"
اور سپہ سالار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
"ایسی موت کسی فرعون کو نصیب نہیں ہوئی ہو گی کہ اسے ایک خلائی لڑکی زہر دے کر ہلاک کرے۔"
فرعون کی بہن نے کہا۔
"مگر وہ غیبی عورت کون ہے جو محل میں چل پھر رہی ہے۔ اس سے ہوشیار رہنا۔"
سپہ سالار بولا۔
"میں اس سے بھی نمٹ لوں گا۔ مجھے آج رات فرعون کو قتل کر لینے دو۔"

قتل کی دوسری سازش

سورج غروب ہونے لگا۔

ساتھ ہی ماہی گیر کی غریب بیٹی کو سورج دیوتا کے آگے قربان کر دینے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اشلوک گاتی ہوئی پجاریوں کی ٹولی قربان ہونے والی لڑکی کو لینے کے لیے جیل خانے کی طرف چل پڑی۔ ماریا اس عرصے میں کئی بار جیل کوٹھڑی کے اندر منہ ڈال کر دیکھ چکی تھی۔ کم بخت کاہن اعظم کے چھڑکے ہوئے زہریلے سفوف کا ابھی تک اثر پھیلا ہوا تھا اور ماریا کا دم گھٹنے لگ جاتا تھا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ قربانی کا وقت قریب آ رہا تھا۔

مندر کا ایک پجاری اندر آیا۔ اس نے پہریداروں سے کہا۔

"قربان کی جانے والی لڑکی کو نکالا جائے"

اسی وقت قید خانے کا دروازہ کھول دیا گیا۔ دو پہریدار اندر گئے۔ انہوں نے لڑکی کے ہاتھ پیٹھ پر رسی سے باندھ

اور اسے ایک تختے پر بٹھا کر باہر لے آئے۔ ماریا ان کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔ لڑکی کا بُرا حال تھا۔ بے چاری کا رنگ زرد تھا اور آنکھوں میں آنسو بھی خشک ہو گئے تھے۔ مندر اور قید خانے کے درمیان ایک اہرام کی طرز کا بنا ہوا شاہی حمام تھا۔ ہر لڑکی کو قربانی سے پہلے وہاں غسل دیا جاتا تھا۔ اس لڑکی کو بھی حمام غسل کے لیے لے جایا گیا۔

یہی وہ وقت تھا جب ماریا کو کچھ کرنا تھا۔ وگرنہ اس کے بعد لڑکی کو وہاں سے نکالنا ناممکن ہو جاتا۔ حمام کے اندر چھوٹے چھوٹے کمرے بنے تھے۔ جہاں زمین میں چشموں کے اندر پانی بہہ رہا تھا۔ یہ سفید پتھر کے چشمے تھے۔ لڑکی کو یہاں ایک چشمے پر پجاری عورتوں نے غسل دیا۔ اس کے جسم پر خوشبوئیں چھڑکیں۔ اسے نئے سفید کپڑے پہنائے اور گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اور اسے ایک چھوٹے سے کمرے میں بند کر دیا تاکہ وہ اکیلی رہ کر دیوتاؤں کے حضور زندگی کی آخری دعا مانگ لے۔ ماریا حرکت میں آگئی۔

اس نے دیکھا کہ لڑکی اندر اکیلی بیٹھی آنسو بہا رہی تھی اور باہر دو عورتیں بیٹھی اس کے لیے پھولوں کا تاج بنا رہی تھیں۔ حمام کے باہر بڑے دروازے کے آگے وہ شاہی سواری کھڑی تھی جو لڑکی کو قربانی کی جگہ لے جانے

کا انتظار کر رہی تھی۔

ماریا حمام کا ایک پچھلا دروازہ بھی دیکھ چکی تھی۔ وقت بے حد نازک اور قیمتی تھا۔ ماریا ان حمام کے باہر بیٹھی پھولوں کا تاج بنانے والی عورتوں کے پاس آئی اور ایک ہی وقت میں دونوں کی گردنوں پہ اتنی زور سے ہاتھ مارے کر وہ ایک سکینڈ کے اندر اندر بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ ماریا بھاگ کر حمام کے اندر گئی اور لڑکی سے کہا۔

"گھبراتا نہیں۔ میں تمہاری ہمدرد روح ہوں۔ اور تمہیں بچانے آئی ہوں۔ جلدی سے اس دروازے میں سے نکل کر حمام کے پچھلے دروازے کی طرف آؤ میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوں۔ فکر نہ کرنا"

لڑکی پہلے تو چیخ مار کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر جب روح نے اسے تسلی دی کہ وہ اس کی زندگی بچانے آئی ہے اور اسے موت کے منہ سے نکال کر لے جانا چاہتی ہے تو وہ ماریا کے کہنے کے مطابق حمام سے نکلی اور پچھلے دروازے کی طرف آ گئی۔ سورج غروب ہو رہا تھا اور شام کی سرخی چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ اس دروازے کے باہر کھجوروں کے جھنڈ ہی جھنڈ تھے اور جگہ جگہ جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔

ماریا نے کہا۔

"درختوں کے ان جھنڈوں میں سے گزر کر دریا کی طرف چلو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں گھبرانا نہیں۔ میں تمہاری ہمدرد ہوں ——————"

جب انسان کو موت سامنے نظر آ رہی ہو تو وہ ہر کام کر گزرتا ہے کہ کسی طریقے سے اس کی زندگی بچ جائے۔ لڑکی ماریا کی غیبی آواز سے گھبرائی ہوئی ضرور تھی مگر دوسری طرف بھی اسے اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ ویسے بھی آج سے تین چار ہزار سال پرانے زمانے میں لوگوں کا روحوں سے بڑا تعلق رہا کرتا تھا اور کسی کو جنگل میں یا گھر میں کسی روح کا مل جا[نا] کوئی اتنی زیادہ خوف زدہ کرنے والی بات نہیں ہوا کرتی تھی۔ ہاں روح کی ایک گھبراہٹ ضرور ہوتی تھی جو آج بھی ہے۔

لڑکی ماریا کے کہنے کے مطابق کھجور کے درختوں کے جھنڈ کی طرف بھاگ اٹھی۔ وہ سر نیچا کیے بھاگ رہی تھی۔ ماریا اس کے پیچھے پیچھے تھی اور دیکھتی جاتی تھی کہ کوئی اس کا تعاقب تو نہیں کر رہا۔ آگے دریا آ گیا۔ ماریا نے کہا۔

"تمہیں تیرنا آتا ہے؟"

لڑکی نے کہا۔

"میں ماہی گیر کی بیٹی ہوں۔ تیرنا جانتی ہوں"

ماریا بولی۔

"دریا میں چھلانگ لگاؤ اور تیر کر دوسرے کنارے
پر پہنچو۔ میں ساتھ ساتھ آؤں گی"

لڑکی دریا میں اتر گئی اور تیرتی ہوئی دریا کے دوسرے
کنارے کی طرف بڑھنے لگی۔ دریائے نیل کی سطح پر ڈوبتے
سورج کی سنہری کرنیں پھیلی ہوئی تھیں۔ جونہی لڑکی دریا کے
دوسرے کنارے پر پہنچی مندر کی جانب ایک شور مچ گیا۔ انہیں
چل گیا تھا کہ سورج دیوتا پر قربان کی جانے والی لڑکی فرار
ہے۔ یہ ایسا گھناؤنا جرم اور گناہ تھا جسے اس
نے کی مصری سوسائٹی میں ناقابل معافی سمجھا جاتا تھا
ور جس کی سزا ایک ایسی موت تھی کہ جس کو دیکھ کر دوسروں
کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور دیکھنے والے بے
وش ہو جاتے تھے۔

سپاہی اور پہرے دار گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑکی کی
ش میں نکل کھڑے ہوئے۔ مندر کے اوپر رکھی ہوئی
رے کی نوبت بجادی گئی ماریا نے گھوڑ سواروں کو دریا
طرف آتے دیکھا تو لڑکی سے کہا۔

"تمہارے قدموں کے نشان پر وہ لوگ دریا پار کر
کے ادھر آجائیں گے۔ اور تمہیں پکڑ لیں گے۔ اس
لیے جتنی تیز بھاگ سکتی ہو بھاگنا شروع کر دو۔ میں تمہارے

ساتھ ساتھ بھاگ رہی ہوں"

لڑکی نے یہ سن کر دور صحرا میں نظر آنے والے ٹیلوں
کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف اس کی تلاش میں
نکلے ہوئے مصری سپاہیوں نے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے۔
وہ دریا پار کر کے باہر نکل آئے اور زمین پر لڑکی کے قدموں
کے نشان دیکھ کر گھوڑوں کو آگے بڑھا دیا۔ جدھر لڑکی بھاگ
رہی تھی ادھر ہی مصری گھوڑ سوار آرہے تھے۔ آخر ایک
سپاہی نے غروب ہوتے سورج کی سنہری روشنی میں دور میدان
میں لڑکی کو بھاگتے دیکھ لیا۔ وہ چلایا۔

"وہ جا رہی ہے۔ پکڑو اسے"

باقی سپاہیوں نے بھی لڑکی کو دیکھا اور اس کی طرف
گھوڑے دوڑا دیئے۔ ماریا نے گھوڑوں کو آتے دیکھا تو سمجھ
گئی کہ وہ اگر ایک ایک کر کے ان سپاہیوں کو مار بھی ڈالے
گی تو ان میں سے ایک نہ ایک سپاہی لڑکی کو قتل کرنے میں
ضرور کامیاب ہو جائے گا۔ کیونکہ جب کوئی لڑکی قربانی سے
بھاگ جاتی تھی تو فرعون اور کاہن اعظم کا حکم تھا کہ اسے
قتل کر کے اس کی لاش مندر میں لائی جائے کیونکہ اب وہ مندر
کی قربانی کے لائق نہیں رہتی تھی اور اس کی لاش دیوتا کے
آگے پیش کی جاتی تھی تاکہ دیوتا کے انتقام کی آگ ٹھنڈی ہو جائے

آخر ماریا کو اسی ترکیب کا خیال آیا جس کو وہ ایسے نازک موقعوں پر استعمال کیا کرتی تھی۔ وہ رُک گئی۔ اس نے لڑکی کو بھی روک لیا اور کہا۔

"سنو۔ اپنی جگہ پر خاموشی سے کھڑی ہو جاؤ میں تمہیں اپنے کندھوں پر بٹھا لوں گی جب تمہارے پاؤں زمین سے اوپر اٹھ جائیں گے تو تم بھی میرے ساتھ غائب ہو جاؤ گی اور صرف اس صورت میں ظاہر ہو گی جب میں تمہیں دوبارہ زمین پر کھڑی کر دوں گی"

لڑکی سپاہیوں کو قریب آتا دیکھ کر سخت پریشان تھی۔ اس نے کہا۔

"دیوتا تمہیں خوش رکھیں۔ جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو"

وہ ایک جگہ کھڑی ہو گئی۔ ماریا اس کے قریب آئی اور اسے اٹھا کر اپنے کندھوں پر بٹھا لیا۔

مصری سپاہی جو گھوڑے دوڑاتے چلے آ رہے تھے اور جنہوں نے لڑکی کو دیکھا تھا اور اب بھی دیکھ رہے تھے کہ وہ کھڑی ہو گئی ہے یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ لڑکی اچانک غائب ہو گئی ہے اور کہیں نظر نہیں آ رہی۔ وہ کہاں چلی گئی؟ وہ کہاں جا سکتی ہے؟ وہ ابھی تو یہیں کھڑی

تھی۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔ میں بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ سب سپاہی ایک دوسرے سے سوال کر رہے تھے اور حیران ہو رہے تھے۔ ماریا ان سے تھوڑے فاصلے پر ماہی گیر کی لڑکی کو اپنے کندھوں پر اٹھائے خاموش کھڑی تھی۔ سپاہیوں نے گھوڑوں سے نیچے اتر کر زمین پر لڑکی کے پاؤں کے نشان دیکھے۔ اس کے پاؤں کے نشان پیچھے سے برابر چلے آتے تھے اور پھر ایک جگہ پہنچ کر اچانک غائب ہو گئے تھے۔

"یہاں سے آگے نشان کہاں چلے گئے؟"

"وہ ضرور کوئی بد روح ہو گی"

"شاید کوئی چڑیل ہو"

سپاہی ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے۔ ماریا کو شرارت سوجھی۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک سپاہی کی پیٹھ پر زور سے لات ماری۔ وہ منہ کے بل گر پڑا۔ ماریا نے دوسرے سپاہی کے بھی لات مار دی۔ وہ بھی گر پڑا۔ دو سپاہیوں کو اپنے آپ زمین پر گرتے دیکھ کر دوسرے سپاہی گھبرا گئے۔ ماریا نے اس ارادے کے ساتھ کہ دوسرے اس کی آواز سنیں منہ اوپر اٹھا کر چڑیلوں ایسی ڈراؤنی آواز نکالی۔

اس آواز کا نکلنا تھا کہ سپاہیوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ گھوڑے ڈر گئے۔ سپاہی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور انہیں

زور زور سے ہنٹر مارتے وہاں سے ایسے بھاگے کہ پیچھے مڑ کر کسی نے نہ دیکھا۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو ماریا نے لڑکی کو کندھے سے اتار دیا۔ لڑکی نے کہا۔

"میری بہن! تم کس قدر نیک روح ہو۔ تمہارے کندھوں پر بیٹھ کر بھی مجھے محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ میں کسی انسان کے کندھوں پر بیٹھی ہوں یوں لگ رہا تھا جیسے میں ہوا میں بیٹھی ہوئی ہوں"

ماریا نے کہا۔

"میری بہن! ان باتوں کو چھوڑو اور یہاں سے جتنی جلدی ہو سکتا ہے نکل چلو۔ کیونکہ ہو سکتا ہے یہاں کاہن اعظم بھی آ جائے وہ بڑا زبردست عامل اور جادوگر ہے وہ مجھے پریشان کر سکتا ہے اور اگر میں تود پریشان ہو گئی تو تمہیں نہ بچا سکوں گی"

لڑکی بولی۔

"اگر ہمارے پاس گھوڑا ہوتا تو ہم جلدی سفر کر لیتے۔ یہاں سے پچاس کوس دور میرے باپ کا گھر ہے جو جو اپنی طرف سے مجھے مار بیٹھا ہے اور میری اور میری موت پر آنسو بہا کر صبر شکر کر بیٹھا ہو گا"

ماریا بولی۔

"گھوڑے کا انتظام تو آگے چل کر ہو جائے گا مگر تمہیں اپنے باپ کے گھر ہرگز ہرگز نہیں جانا چاہیئے۔ سپاہی وہاں پہرہ لگا دیں گے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ فرار ہونے کے بعد تم اپنے باپ کے پاس پہنچنے کی کوشش کرو گی"

لڑکی نے کہا۔

"مگر مجھے اپنے باپ سے بے حد پیار ہے۔ میں ہر حالت میں اس کے پاس جانا چاہتی ہوں"

ماریا نے کہا۔

"تم وہاں نہیں جاؤ گی۔ اس کی بجائے تم جہاں پر ہو گی۔ تمہارا باپ وہاں آ جائے گا۔ اب یہاں سے نکل چلو"

لڑکی نے تیز تیز قدموں کے ساتھ ماریا کے ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ ماریا نے کہا۔

"اگرچہ میں ایک روح ہوں مگر میرے ساتھ ایک عجیب بات یہ ہے کہ میں بڑے سے بڑے پتھر کو اٹھا کر پرے پھینک دیتی ہوں۔ لوہے کے دروازے کو اکھاڑ دیتی ہوں۔ مگر کسی انسان یا جانور کو اپنے کندھے پر بٹھاتی ہوں تو اس کا پورا بوجھ محسوس

کرتی ہوں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تمہیں اپنے کندھوں
پر بٹھا کر غائب کر کے یہاں سے لے جاتی۔ ہاں اتنا
ضرور ہے کہ تمہیں اپنے کندھوں پر سوار کرا کے تھوڑی
دیر کے لیے بیٹھ کر تمہیں غائب کر سکتی ہوں جیسا کہ
ابھی میں نے کیا تھا،،
لڑکی نے کہا۔

"ہمیں گھوڑوں کی ضرورت ہے اس وقت،،
ماریا نے کہا۔

"صرف ایک گھوڑا مل جائے تو کام چل جائے گا،،

دونوں صحرا میں چلتے چلتے ٹیلے کے پاس پہنچ گئیں۔ اب
شام کا اندھیرا پھیل گیا تھا۔ ماریا نے کہا کہ اس ٹیلے کے کر
غار میں رات گزارنا ٹھیک نہیں ہو گا کیونکہ سپاہیوں کے د
آجانے کا خطرہ تھا۔ اس پر اس لڑکی نے کہا۔

"میں پچاس کوس تک پیدل بھی تمہیں چل سکوں گی۔ میرا
گاؤں یہاں سے پچاس کوس دور ہے،،
ماریا بولی

"تمہیں اپنے گاؤں نہیں جانا ہو گا۔ وہاں تم پکڑی جاؤ
گی،،
لڑکی بولی۔

"پھر میں کہاں جاؤں گی؟،،
ماریا نے کہا۔

"یہاں سے دس میل جنوب مشرق کی طرف فرعون کا
ایک اہرام ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم وہاں جا کے
چھپ جاؤ۔ میں تمہارے باپ کو وہاں لے آؤں گی۔ پھر
تم دونوں کو اس ملک کی سرحد پار کرا دوں گی تم کسی
دوسرے ملک میں جا کر نئی زندگی شروع کرنا۔ کیونکہ
اب تم مصر میں زندگی بسر نہ کر سکو گی۔ فرعون کے
سپاہی تمہیں اور تمہارے باپ کو زندہ نہ چھوڑیں گے،،
لڑکی نے کہا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔ میں ایسا ہی کروں گی،،
"تو پھر یہاں سے جنوب مشرق کی طرف چلنا شروع
کرتے ہیں،،

اور ماریا ماہی گیر کی مفرور لڑکی کو لے کر جنوب مشرق
کی جانب روانہ ہو گئی۔ ماریا کے دل میں فرعون کا خیال بھی لگا
ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ سپہ سالار آندریس فرعون کو ایک بار
پھر ہلاک کرنے کی کوشش کرنے والا ہے۔ اس نے ماریا
کے سامنے فرعون کی بہن سے کہا تھا کہ اس کے دماغ میں فرعون
کو ہلاک کرنے کی ایک انوکھی ترکیب آئی ہے۔ وہ ترکیب

کیا تھی؟ فرعون کے اچانک آجانے کی وجہ سے آج
فرعون کی بہن کو یہ ترکیب نہ بتا سکا تھا۔ ماریا کے
میں ناگ اور عنبر کے علاوہ خلائی لڑکی کا خیال بھی تھا
اس کے ساتھ رکھے تابوت میں لیٹ کر اس زمانے
آئی تھی۔ ماریا اس کے لیے بھی پریشان تھی کہ وہ خدا
مصر کے کس مقام پر ظاہر ہوئی ہو گی اور کس حال
گی۔ کیونکہ اس بات کا اسے یقین تھا کہ وہ اس کے
مصر کے ملک میں ہی آئی ہو گی کیونکہ دیوی سلامیوس
سے اس کا وعدہ کیا تھا۔ ماریا نے اب یہی سوچا تھا کہ
ماہی گیر لڑکی اور اس کے باپ کو مصر کی سرحد عبور
کر واپس شاہی محل میں آئے گی اور فرعون کو بچانے
کوشش کرے گی۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک اور دن
خطرہ مول لے سکتی تھی۔ کیونکہ سپہ سالار فرعون کو
سے جلد ٹھکانے لگانا چاہتا تھا۔ پہلی سازش ناکام
جانے کے بعد اب وہ مصر کے تخت پر قبضہ کرنے
بہت بے تاب تھا۔ ماریا کے اندازے کے مطابق وہ
کو اہرام کے اندر کسی محفوظ جگہ پر چھوڑنے کے بعد
رات اس کے باپ کے گاؤں جا کر اسے اہرام میں
آئے گی اور پھر دوسرے دن صبح ہی صبح انہیں کسی نہ

مصر کی سرحد پار کرا دے گی اور اگلے روز شام
پہلے پہلے شاہی محل میں واپس آجائے گی۔
رات ہو گئی شہر میں چراغ جل اٹھے۔ کھانے کے بعد
سونے کی تیاریاں کرنے لگے۔ شاہی محل میں بھی خواب
وں میں جانے کا وقت آگیا۔ سپہ سالار آندلیس نے
کے سفوف کی چھوٹی سی پڑیا جیب میں رکھی اور خلائی
کیٹی کو الماری میں سے نکالا اور کہا۔
"اچھی بولی لڑکی! فرعون کو اپنے راستے سے تھوڑی
دیر کے لیے ہٹانے کا وقت آگیا ہے۔ یاد رکھو!
تم جو سفوف اس کی ناک کے آگے چھڑکو گی اس سے
وہ مرے گا نہیں بلکہ بے ہوش ہو جائے گا اور پھر
تم کو آزاد کر دیا جائے گا۔ اور تمہاری جان محفوظ ہو
جائے گی ورنہ فرعون تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ کیا
تم تیار ہو؟"
"میں تیار ہوں" کیٹی نے پتلی آواز میں کہا۔
سپہ سالار آندلیس نے خلائی لڑکی کیٹی کو الماری کے دراز میں
اٹھا کر اپنی دوسری جیب میں رکھا اور محل کی طرف چل
محل کے شاہی مال خانے میں اس کا انتظار ہو رہا تھا۔
اس رات کے لیے فرعون کے شاہی بستر کے لیے چادریں

اور سرہانے اس کی نگرانی میں جانے والے تھے۔ سپہ سالار
خانے کے اندر اکیلا چلا گیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور جیب
سے خلائی لڑکی کو نکال کر صندوق کے اوپر ایک جانب کھڑا
کیا اور خود سرہانے میں ہاتھ ڈال کر کیٹی کے لیے بیٹھنے کے
لیے جگہ بنانے لگا۔

"اچھی خلائی لڑکی! میں یہ سب کچھ تمہاری جان بچانے
کے لیے کر رہا ہوں۔ نہیں تو مجھے فرعون بننے کا کوئی
شوق نہیں ہے۔"
کیٹی بولی۔

"میں جانتی ہوں۔ میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں۔"
سرہانے کے اندر مناسب جگہ بنا کر آندلیس سپہ سالار
نے زہر کے سفوف کی پڑیا خلائی لڑکی کی جیب میں رکھی
کہا۔

"یاد رکھنا۔ آدھی رات کے بعد جب فرعون گہری نیند
سو جائے اور خراٹے لینے لگے تو سرہانے کے نیچے
سے نکل کر بے ہوشی کا یہ سفوف اس کی ناک کے
آگے چھڑک کر واپس سرہانے کے اندر چلی جانا۔ باقی
میں سنبھال لوں گا۔ میں تمہیں صبح خود آ کر سرہانے
میں سے نکال لوں گا۔ تم باہر نکلنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"بہت اچھا۔ اب میں جاتی ہوں۔"
اور یہ کہہ کر خلائی لڑکی سرہانے کے اندر جا کر پرندوں
کے نازک اور نرم پروں کے درمیان بنی ہوئی جگہ پر لیٹ گئی۔
سپہ سالار نے سرہانے کے سوراخ کے آگے ہلکی روئی رکھ کر
اسے بند کر دیا اور خود سرہانہ لے جا کر فرعون کے پلنگ پر
دوسرے سرہانے کے اوپر رکھ دیا۔ وہاں سے وہ سیدھا
فرعون کی بہن کے محل میں آیا اور اسے یہ خوش خبری سنائی
کہ اس نے اپنے منصوبے کا پہلا مرحلہ مکمل کر لیا ہے۔
فرعون اپنی خواب گاہ میں رات بارہ بجے کے قریب داخل
ہوا۔ اتنی دیر تک خلائی لڑکی بے چاری سرہانے کے اندر لیٹی
جمائیاں لیتی رہی۔ سپہ سالار آندلیس نے اسے فرعون کا دشمن
بنا دیا تھا۔ اس پر آندلیس نے یہ اثر ڈال دیا تھا کہ فرعون نے
اس کی موت کا حکم صادر کر رکھا ہے۔ چنانچہ کیٹی فرعون کو بہت
جلد سفوف چھڑک کر بے ہوش کر دینا چاہتی تھی تاکہ سپہ سالار
تخت پر قبضہ کر کے اس کی جان بخشی کے حکم کا اعلان کرے
اور وہ وہاں سے آزاد ہو کر ماریا کی تلاش میں آزادی سے چل
پھر سکے۔
فرعون رات کے بارہ بجے کے قریب اپنی خواب گاہ
میں داخل ہوا۔ اس کی بیوی ملکہ مصر اس کے ساتھ تھی۔ کچھ

دیر وہ باتیں کرتے رہے اور پھر اپنے اپنے بچھونوں پر لیٹ
گئے۔ خلائی لڑکی کیٹی کا تکیہ ذرا نیچے ہو گیا۔ کیونکہ اس
پر فرعون نے اپنا سر رکھ دیا تھا۔ کیٹی تکیئے کے اندر ہی اندر
ایک طرف سے رینگتی ہوئی دوسری جانب چلی گئی۔ اب
اسے فرعون کے خراٹے لینے اور گہری نیند سو جانے
کا انتظار تھا۔

میں غیبی عورت نہیں

فرعون بستر پر لیٹا ہوا تھا۔

اس کی ملکہ بستر پر بیٹھی اس سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ
کسی غیبی روح کے بارے میں باتیں کرنے لگی۔ خلائی لڑکی کیٹی
کے کان کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ غیبی روح وہاں صرف ماریا ہی ہو
سکتی تھی۔ ملکہ نے فرعون سے پوچھا۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہاں کوئی غیبی روح موجود تھی؟"

"روح نہیں ملکہ — کاہن اعظم نے کہا کہ یہ کوئی عورت
ہے۔ زندہ عورت جو کسی جادو کی وجہ سے غائب ہو
گئی ہے اور وہاں موجود ہے مگر ہمیں نظر نہیں آرہی۔"

ملکہ بولی۔

"یہ کوئی عجیب مخلوق ہو گی۔"

فرعون نے کہا۔

"ہاں — میرے وزیر کا کہنا ہے کہ آسمانوں میں بعض
سیارے ایسے ہیں جن میں عجیب و غریب قسم کے

لگ رہتے ہیں۔"

ملکہ نے پوچھا۔

"کیا ایسی مخلوق ہمارے محل میں ہمارے ملک میں بھی آسکتی ہے؟"

فرعون نے کہا۔

"آسکتی ہے مگر ابھی تک ایسی کوئی مخلوق یہاں دیکھی نہیں گئی۔ اگر ایسا کوئی انسان ہمارے ملک میں آیا تو میں اس کی بڑی عزت کروں گا۔ بلکہ اگر وہ عورت ہوئی تو اسے اپنی وزیر بنا لوں گا"

ملکہ نے کہا۔

"مجھے وزیر نہیں بنائیں گے؟"

فرعون اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تم تو ہماری ملکہ ہو ملکہ — ارے میں تو بھول ہی گیا۔ ابھی تو مجھے کنول کا عرق بھی پینا ہے"

ملکہ نے ایک رسی کھینچی۔ جس کے ساتھ بندھی ہوئی گھنٹی دوسرے کمرے میں بج اٹھی۔ شاہی کنیز سمجھ گئی کہ فرعون کنول کے عرق کا انتظار کر رہا ہے۔ وہ عرق کا گلاس لے کر اندر آگئی۔ فرعون نے عرق پیا اور پھر ملکہ سے باتیں کرنے لگا۔ وہ خلائی مخلوق کی اور غیبی روح ماریا کی باتیں کر رہے تھے۔

جب فرعون کی باتوں سے خلائی لڑکی کیٹی پر یہ راز کھلا کہ فرعون خلائی مخلوق کے خلاف نہیں ہے اور اسے تو معلوم ہی نہیں کہ کوئی خلائی لڑکی خلاء سے اس کے ملک میں آئی ہے اور اس نے اس کو دیکھتے ہی ہلاک کر دینے کا کوئی حکم نہیں دیا بلکہ اسے تو الٹا خلائی مخلوق سے بڑی ہمدردی ہے تو وہ حیران ہو کر رہ گئی۔ تو کیا سپہ سالار اسے بے وقوف بنا رہا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں اس نے سفوف میں زہر ملا رکھا ہو اور وہ فرعون کو ہلاک کر کے خود تخت پر فرعون بن کر قبضہ کرنا چاہتا ہو؟

جوں جوں کیٹی فرعون کی باتیں سن رہی تھی اس کے ساتھ ہمدردی بڑھتی جا رہی تھی کیونکہ فرعون بے حد شریف اور نیک دل انسان تھا اور وہ کسی بھی جاندار کے خلاف نہیں تھا اور خلائی مخلوق کو تو وہ بے حد پسند کرتا تھا۔ کیٹی نے فرعون کو بے ہوش کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ کیونکہ اب اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ سفوف بے ہوشی کا نہ ہو اور اس میں زہر ملایا گیا ہو جس سے فرعون ہلاک ہو جائے۔

وہ خاموشی سے سرہانے کے اندر بیٹھی فرعون اور اس کی ملکہ کی باتیں سنتی رہی۔ آخر اس نے فرعون اور اس کی ملکہ کے سامنے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ اسی طرح وہ

نیک دل فرعون کی زندگی بچا سکتی تھی اور اسے خطرے سے
آگاہ کر سکتی تھی۔ کیونکہ سپہ سالار فرعون کو ہر حالت میں قتل
کر کے تخت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ خلائی لڑکی کیٹی نے پورا
زور لگا کر سرہانے کے اندر سے آواز دی۔

"مجھے باہر نکالو۔ مجھے باہر نکالو۔"

فرعون چونک پڑا۔

"ملکہ تم نے آواز سنی؟"

ملکہ نے کہا۔

"ہاں۔ مگر یہ بڑی دور سے آتی لگتی تھی"

کیٹی نے پھر پکارا۔

"رب شمس! میں آپ کے سرہانے میں بند ہوں"

کیٹی خود بھی باہر جا سکتی تھی مگر وہ ایک دم باہر جا کر
فرعون اور اس کی ملکہ کو ششدر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ فرعون
نے سرہانے کو غور سے دیکھا اور کہا۔

"تم کون ہو؟"

ملکہ نے کہا۔

"ضرور یہ وہی غیبی عورت ہے"

کیٹی نے کہا۔

"میں غیبی عورت نہیں ہوں۔ میں باہر آ رہی ہوں"

اور کیٹی سرہانے سے نکل کر فرعون اور ملکہ کے درمیان
بچھونے پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ فرعون اور ملکہ اتنی ننھی منی سی
لڑکی کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔ فرعون نے پوچھا۔

"تم کون ہو اور میرے سرہانے میں کیسے گھس آئی
تھیں؟"

ملکہ نے پوچھا۔

"تمہاری آنکھیں چوکور ہیں۔ کیا تم غیبی عورت ہو؟"

خلائی لڑکی کیٹی نے فرعون اور ملکہ سے کہا۔

"اے رب شمس اور ملکہ مصر! میں غیبی عورت نہیں
ہوں بلکہ خلاء کی مخلوق ہوں اور کسی وجہ سے چھوٹی ہو
گئی ہوں"

فرعون نے کہا۔

"تم میرے سرہانے میں کس لیے چھپی بیٹھی تھیں؟"

کیٹی نے کہا۔

"میں خود نہیں چھپی تھی بلکہ مجھے چھپایا گیا تھا"

"کس نے چھپایا تھا تمہیں؟"

"آپ کے سپہ سالار آمندیس نے"

"کس لیے" فرعون نے پوچھا۔

"تاکہ میں آپ کو ہلاک کر سکوں"

"کیا؟" فرعون کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

ملکہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔ وہ پریشان ہو گئی۔ فرعون حیرت سے خلائی لڑکی کا منہ دیکھ رہا تھا۔ پھر خلائی لڑکی کیٹی نے شروع سے لے کر آخر تک ساری بات فرعون کو بیان کر دی کہ کس طرح اسے سپہ سالار نے فرعون کے خلاف کیا اور کہا کہ فرعون نے خلائی مخلوق کو ہلاک کرنے کا حکم صادر کر دیا ہے اور پھر اسے ایک سفوف دے کر سرہانے کے اندر چھپا دیا تاکہ میں آدھی رات کو جب آپ سو جائیں تو سفوف آپ کے ناک کے آگے چھڑک دوں اور آپ ایک ماہ کے لیے بے ہوش ہو جائیں اور سپہ سالار تخت پر قبضہ کر لے۔

"مجھے یقین ہے کہ سپہ سالار نے جو سفوف مجھے دیا ہے وہ زہر ہے"

فرعون نے پوچھا۔

"مگر تم نے ہماری جان بچانے کا فیصلہ کیسے کیا؟"

کیٹی نے کہا۔

"جب میں نے آپ کی باتیں سنیں تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ آپ میرے خلاف نہیں ہیں اور آپ ایک انتہائی نیک دل فرعون ہیں سپہ سالار مکار سازشی ہے اور وہ آپ کو قتل کر کے تخت پر قبضہ کرنا چاہتا

ہے"

اور کیٹی نے جیب سے سفوف کی ننھی سی پڑیا نکال کر فرعون کو دی۔

"اسے آزما کر دیکھئے۔ اگر یہ زہر ہے تو پھر سپہ سالار کی غداری میں کوئی شبہ باقی نہیں رہے گا"

فرعون نے سفوف کی پڑیا کھولی اور ایک چھوٹے سے پیالے میں سفوف ڈالا اور پھر ایک کتے کو منگوا کر وہ سفوف گھول کر پلایا۔ سفوف پیتے ہی کتا تڑپ کر اسی وقت مر گیا۔ فرعون اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"آندلیس ہمارا دشمن ہے۔ اس نے ہمیں قتل کرنے کی سازش کی ہے"

پھر خلائی لڑکی کیٹی کو ہتھیلی پر اٹھا کر آنکھوں کے قریب لا کر کہا۔

"ہم کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کریں۔ تم نے ہماری جان بچا کر ہمیں ہمیشہ کے لیے خرید لیا ہے"

ملکہ نے کہا۔

"سپہ سالار کی گردن مارنے کا فوراً حکم جاری کریں"

خلائی لڑکی کیٹی نے کہا۔

"ایسا نہیں ملکہ! آپ کو عقلمندی سے کام لینا ہوگا"

پھر وہ فرعون سے مخاطب ہو کر بولی۔
"آپ صبح کو بستر پر بے ہوش ہونے کی ادا
کاری کریں جب محل میں شور مچ جائے کہ رب
شمس فرعون بے ہوش ہو گئے ہیں تو سپہ سالار
آئے گا اسے تو یقین ہو گا کہ آپ بے ہوش نہیں
ہیں بلکہ مر چکے ہیں۔ وہ اپنے فرعون ہونے کا اعلان
کرے گا۔ آپ اسی وقت ہوش میں آکر اسے گرفتار
کروا سکتے ہیں۔ اس طرح آپ کو اس کی سازش
کا عینی ثبوت مل جائے گا اور سپہ سالار بھی یہ بہانہ
نہ بنا سکے گا کہ خلائی لڑکی جھوٹ بول رہی تھی اور
میں نے اسے زہریلا سفوف نہیں دیا تھا"
فرعون کو یہ ترکیب اچھی لگی۔ ملکہ نے بھی خلائی لڑکی
کے منصوبے کو پسند کیا۔ کیونکہ اس طرح فرعون کو سازش
کا زندہ ثبوت مل سکتا تھا اور سپہ سالار بھی کوئی اور عذر
نہیں پیش کر سکتا تھا۔ اس نے کیٹی سے کہا۔
"ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ تم ہماری خواب گاہ میں
ہماری خاص الماری میں آرام کرو۔ صبح ہم بیہوش
ہونے کی اداکاری کریں گے اور ہماری ملکہ شور
مچا دیں گی کہ رب شمس بے ہوش ہو گئے۔ وہ

بیدار نہیں ہو رہے"
"بہت خوب!"
فرعون نے زہر کے سفوف کی پڑیا ایک خاص ڈبے
میں رکھ دی اور خلائی لڑکی کیٹی کو اپنی خاص الماری میں
ریشمی تکیہ لگا کر رکھ دیا۔ وہ الماری بند کرنے لگا تو کیٹی
نے غیبی روح کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں ملی تھی؟ فرعون
نے کہا۔
"وہ ہماری بہن کے کمرے میں موجود تھی۔ کاہن
اعظم نے یہی کہا تھا مگر غیبی روح نے کوئی بات نہیں
کی۔ کاہن اعظم نے بتایا کہ یہ کوئی روح نہیں بلکہ
کوئی عورت ہے جو کسی وجہ سے غائب ہو گئی ہے۔
مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"
کیٹی نے کہا۔
"یونہی رب شمس! خدا حافظ!"
اور وہ سرہانے کے درمیان لیٹ گئی۔ فرعون نے
مسکراتے ہوئے الماری کا دروازہ بند کر دیا۔ اس نے
دروازہ پورا بند نہ کیا بلکہ تھوڑا سا کھلا رکھا تاکہ خلائی لڑکی
کو ہوا آتی رہے۔ خلائی لڑکی کیٹی کو یقین ہو گیا تھا کہ غیبی
عورت سوائے ماریا کے اور کوئی نہیں ہے۔ اسے خوشی

ہوئی کہ ماریا اسی شہر میں بلکہ اسی محل میں کہیں آس پاس
ہی موجود تھی۔ اس سے کسی وقت بھی ملاقات ہو سکتی تھی
کیٹی سو گئی صبح شور کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔
خواب گاہ میں ملکہ منصوبے کے مطابق شور مچا رہی تھی
کہ رب شمس کو کیا ہو گیا ہے وہ جاگ نہیں رہے۔ ان کا
سانس آہستہ آہستہ چل رہا ہے۔ وزیر اور دوسرے درباری
بھاگے ہوئے وہاں آ گئے۔ سپہ سالار آندلیس بھی وہاں آ گیا۔
اس کے چہرے پر چھپی ہوئی فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ اس
کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ دور ہو گئی تھی۔ اس
نے تمام وزیروں اور درباریوں کو گرج دار آواز میں مخاطب
کر کے کہا۔

"سنو! بادشاہ بے ہوش نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ کے
لیے موت کی آغوش میں چلا گیا ہے۔ آج سے میں
تمہارا بادشاہ، میں تمہارا فرعون ہوں"

اس کے ساتھ ہی فرعون بستر پر سے اٹھ بیٹھا۔
فرعون کو زندہ دیکھ کر سپہ سالار کے ہاتھوں کے طوطے
اڑ گئے۔ درباریوں نے خوشی کے نعرے لگانے شروع
کر دیئے۔ فرعون نے سپہ سالار آندلیس کی طرف دیکھ کر کہا۔
"آندلیس کیا تمہیں ہمارے زندہ ہو جانے کی خوشی

نہیں ہوئی؟"
"کیوں نہیں رب شمس! مجھے تو سب سے زیادہ
خوشی ہوئی ہے کہ آپ کو پھر سے زندگی ملی"
فرعون نے کہا۔
"تو پھر ہم تمہاری گرفتاری کا حکم دیتے ہیں"
درباری حیران رہ گئے کہ فرعون یہ کیسا حکم دے رہا
ہے۔ سپہ سالار سمجھ گیا کہ اس کا بھانڈا پھوٹ گیا ہے۔ اس
نے سوچا کہ سرہانے کے اندر جو خلائی لڑکی ہے وہی اس
کے خلاف ثبوت دے سکتی ہے۔ اس نے تلوار نکال
کر زور سے سرہانے پر ماری اور سرہانے کے دو ٹکڑے
کر دیا۔ فرعون نے کہا۔
"جس لڑکی کو تم قتل کرنا چاہتے ہو وہ اس سرہانے
کے اندر نہیں ہے"
پھر فرعون نے الماری میں سے خلائی لڑکی کو نکال کر اپنی
ہتھیلی پر رکھا اور کہا۔
"تم نے اس لڑکی کو سرہانے میں بند کر کے ہمیں
زہر دینے کے لیے ایک سفوف بھیجا تھا"
سپہ سالار نے کہا۔
"رب شمس! وہ زہر بے ہوشی کا تھا"

فرعون نے ڈبے میں سے سفوف نکال کر پیالے میں ڈال کر
گھولا اور سپہ سالار کی طرف پیالہ بڑھا کر کہا۔

"تو پھر تم تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہو جاؤ"

سپہ سالار کو پسینہ آگیا۔ سب درباری خاموش کھڑے یہ ڈرامہ
دیکھ رہے تھے۔ وہ بادشاہ کی ہتھیلی پر ننھی سی خلائی لڑکی
کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ فرعون نے کہا۔

"ہمارے سپہ سالار فکر نہ کرو۔ تم نے تو خود کہا ہے
کہ یہ بے ہوشی کا سفوف ہے۔ اس سے تم مرو گے
نہیں صرف تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہو جاؤ گے
اسے پیو۔ ہم تمہیں حکم دیتے ہیں"

سپہ سالار ہچکچایا۔ فرعون نے تلوار نکال لی۔

"اسے پی جاؤ۔ یہ ہمارا حکم ہے۔ رب شمس کا حکم
ہے"

رب شمس کے حکم کو ٹالنا موت کو بلانے کے برابر تھا۔
فرعون کے محافظوں نے بھی تلواریں کھینچ لیں کہ اگر سپہ سالار
فرعون کا حکم نہ مانے تو وہ اس کی گردن اڑا دیں۔ سپہ سالار
پھنس گیا تھا۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے ایک
کھا جانے والی نظر خلائی لڑکی پر ڈالی اور پیالہ فرعون کے
ہاتھ سے لے کر ہونٹوں سے لگایا اور اسے پی گیا۔ زہر

پیتے ہی وہ گرا اور مر گیا۔ فرعون نے اعلان کرتے ہوئے کہا۔

"سپہ سالار غدار تھا۔ اس نے اس سفوف کے ذریعے
ہمیں ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے اس کے گناہ
کی سزا مل گئی۔ اس کی لاش کو لے جا کر چیل کوؤں کے
آگے ڈال دیا جائے"

محافظ سپہ سالار کی لاش اٹھا کر لے گئے۔ درباریوں نے
فرعون کے حق میں خوشی کے نعرے لگائے اور سر جھکا جھکا
کر فرعون کے کمرے سے واپس چلے گئے۔ اب وہاں صرف
فرعون، خلائی لڑکی اور ملکہ باقی رہ گئے تھے۔ فرعون نے کیٹی
کو دیکھ کر کہا۔

"ہم تمہارے شکر گزار ہیں۔ بتاؤ ہم تمہارے لیے
کیا کیا کر سکتے ہیں؟"

کیٹی نے کہا۔

"اگر کسی طرح آپ مجھے یہ بتا دیں کہ غیبی عورت
کہاں ہوگی تو یہ مجھ پر آپ کا بہت بڑا احسان ہو
گا"

فرعون بولا۔

"لیکن پیاری بچی! ہمیں تو خود نہیں معلوم کہ وہ غیبی
عورت کہاں ہے"

ملکہ نے کہا۔

"تمہارا اس غیبی عورت کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ کیا وہ کوئی روح ہے یا کوئی عورت ہے جسے جادو کے ذریعے غائب کر دیا گیا ہے؟"

کیٹی نے کہا۔

"اب ان باتوں کا کیا فائدہ ملکہ صاحبہ! میں اتنا جانتی ہوں کہ وہ میری دوست ہے۔ اس نے میری جان بچائی تھی اور ہم دونوں ایک ساتھ بہت آگے کے ترقی یافتہ سائنسی زمانے سے چار ہزار سال اس پرانے زمانے میں آئی تھیں آپ کے ملک میں آکر ہم دونوں بچھڑ گئیں۔"

فرعون اپنی ملکہ کی طرف دیکھ کر مسکرایا جیسے کہہ رہا ہو کہ یہ ننھی مخلوق اب بہکی بہکی باتیں کرنے لگی ہے۔ کیونکہ اسے خلائی لڑکی کی باتوں کا یقین نہیں آرہا تھا۔ بھلا آگے کے زمانے سے کوئی کیسے پچھلے زمانے میں واپس آسکتا ہے۔ اس نے خلائی لڑکی سے کہا۔

"اچھی لڑکی! ہو سکتا ہے تمہاری دوست غیبی روح اس محل میں ایک بار پھر آئے۔ اس وقت تک تم میرے محل میں ہماری مہمان بن کر رہو۔"

"شکریہ رب شمس! میں کچھ دیر یہاں ماریا کا انتظار کروں گی۔"

"ماریا؟" ملکہ نے پوچھا "یہ کس کا نام ہے؟"

خلائی لڑکی نے کہا۔

"میری دوست غیبی عورت کا یہی نام ہے"

فرعون مسکرا دیا۔ اس نے خلائی لڑکی کو دودھ اور پھل کھانے کو دیا اور پھر سرہانے پر بٹھا کر الماری میں رکھ دیا۔ اس الماری کو فرعون نے تالا نہ لگایا۔ بلکہ تھوڑا سا کھلا رکھا تاکہ کیٹی کو ہوا آتی رہے۔ سپہ سالار کی موت اور سازش کی ایک بار پھر ناکامی کی خبر جب فرعون کی بہن کو ملی تو وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ اس نے ننھی خلائی لڑکی کے بارے میں بھی سن لیا کہ یہ سب اسی کی وجہ سے ہوا تھا کیونکہ اس نے راز فاش کر دیا تھا۔ وہ خلائی لڑکی کی جانی دشمن بن گئی اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ خلائی لڑکی کو اغوا کر کے اپنے کمرے میں لائے گی اور اسے ایک ہی بار مسل کر ہلاک کر دینے کی بجائے اذیت دے دے کر، بھوکی پیاسی رکھ کر مارے گی۔

دوسری طرف ماریا نے غریب ماہی گیر کی بیٹی کو صحرائی ٹیلے کے جنوب مشرق میں دس کوس کے فاصلے

پر ایک پرانے اہرام مصر میں ایک جگہ چھپایا اور خود
ہوا سے باتیں کرتی ہوئی راتوں رات لڑکی کے غریب
ماہی گیر باپ کے گھر پہنچ گئی اور اسے اس کی بیٹی کے
زندہ بچ نکلنے کی خوش خبری سنائی۔ ماہی گیر باپ روح
کی آواز سن کر پہلے تو بھاگ اٹھا۔ بڑی مشکل سے ماریا
نے اسے بتایا کہ وہ ایک نیک دل روح ہے اور اسی نے
اس کی بیٹی کو موت کے منہ سے بچایا ہے اور اب وہ
اہرام مصر میں اس کا انتظار کر رہی ہے۔ ماریا ماہی گیر
کو لے کر رات کے پچھلے پہر اہرام میں پہنچ گئی۔ باپ نے
بیٹی کو زندہ سلامت دیکھا تو اس کی آنکھوں میں خوشی کے
آنسو آ گئے۔ اس نے بیٹی کو سینے سے لگا لیا اور آنسو بہانے
لگا۔ گاؤں سے ماریا دو گھوڑے ساتھ لائی تھی۔ اس نے
باپ بیٹی کو گھوڑوں پر بٹھایا اور ملک روم کی سرحد کی
طرف روانہ ہو گئی۔

کاہن اعظم قربان کی جانے والی لڑکی کے فرار ہو
جانے سے بہت پریشان تھا۔ فرعون کو اس کی کوئی پروا
نہیں تھی۔ بلکہ اسے خوشی تھی کہ ایک غریب لڑکی موت
کے منہ سے بچ گئی ہے۔ مگر کاہن کی یہ بڑی بے عزتی
تھی۔ اس نے بھاگی ہوئی لڑکی کو پکڑنے کے لیے تمام

سپاہیوں کے دستے ملک کے کونے کونے کی جانب روانہ
کر دیئے تھے تاکہ وہ سرحد نہ پار کرنے پائے۔ سارا
دن صحرا میں سفر کرنے کے بعد شام کو ماریا، ماہی گیر اور
اس کی بیٹی ایک گاؤں کے پاس پہنچے جو سرحد کے قریب
تھا۔ یہاں بڑا زبردست پہرہ لگا ہوا تھا۔ اور سپاہی
تلواریں لیے پھر رہے تھے۔ ماریا نے ماہی گیر اور اس
کی بیٹی کو ایک جگہ درختوں کے سائے میں چشمے کے کنارے
بٹھایا اور خود سرحد کا جائزہ لینے کے لیے چلی گئی۔ ماہی گیر
اور اس کی بیٹی نے تھوڑی بہت روٹی جو وہ ساتھ لائے
تھے کھائی اور چشمے کا پانی پیا۔ وہ دونوں پریشان تھے۔
کیونکہ یہاں سرحد عبور کرنا مشکل دکھائی دے رہا تھا۔ ماریا
بھی ان کے پاس نہیں تھی۔

ماریا نے سرحدی چوکی پر جا کر دیکھا کہ مصری فوج کا
ایک پورا دستہ وہاں پہرہ دے رہا تھا اور سرحد پار
کرنے والوں کی بڑی سختی سے تلاشی لی جاتی تھی۔ یہاں دو
سپاہی خاص طور پر کاہن اعظم کی طرف سے موجود تھے جنہوں
نے قربان کی جانے والی لڑکی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا
تھا۔ اور انہیں پہچانتے تھے۔ وہ ہر عورت کو غور سے دیکھتے
اور پھر اسے سرحد پار کرنے کی اجازت دیتے۔ یہاں کسی

دوسری جگہ سے بھی سرحد پار کرنا مشکل تھا کیونکہ
سارے علاقے میں فوج گشت لگا رہی تھی اور سوائے
سرحدی چوکی کے وہ دوسری جگہ سے کسی کو بھی سرحد
پار نہ کرنے دیتے تھے۔

ماریا واپس چشمے کے پاس آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ دو
مصری سپاہی وہاں کھڑے ہیں اور ماہی گیر اور اس
کی بیٹی سے سوال و جواب کر رہے ہیں۔ ماریا نے قریب
پہنچ کر سنا تو ایک سپاہی ماہی گیر سے پوچھ رہا تھا کہ وہ
کہاں سے آیا ہے اور یہ خوب صورت لڑکی کون ہے؟
ماہی گیر نے کہا کہ لڑکی اس کی بیٹی ہے۔ مصری سپاہی
نے زور سے ماہی گیر کے منہ پر تھپڑ مارا اور کہا۔

"بد معاش تو اس خوب صورت لڑکی کو ورغلا کر
کے لایا ہے۔ یہ تیری بیٹی نہیں ہو سکتی"

ماہی گیر ان سپاہیوں کی منت سماجت کرنے لگا۔
اس کی بیٹی بے چاری سہم کر بیٹھ گئی۔ ماریا کو مصری سپاہی
پر بے حد غصہ آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر سپاہی کی گردن
پر ایک زبردست ہاتھ مارا۔ سپاہی کی گردن ٹوٹ کر
ایک طرف لٹک گئی اور وہ دھڑام سے گر پڑا۔ دوسرا
سپاہی اس کی مدد کو آیا۔ وہ یہ سمجھا کہ اس کے ساتھی

کو ماہی گیر نے مارا ہے۔ وہ تلوار نکال کر ماہی گیر کو
قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا ہی تھا کہ منہ کے بل گرا
اور ماہی گیر اور اس کی بیٹی نے دیکھا کہ تلوار اس کے
ہاتھ سے نکل کر اپنے آپ ہوا میں بلند ہوئی اور پھر
اس کی کمر میں گھس گئی۔ سپاہی نے چیخ ماری اور تڑپنے
لگا۔ اس کی چیخ سن کر دوسرے سپاہی اس کی طرف
لپکے۔ ماریا نے ماہی گیر سے کہا۔

"لڑکی کو لے کر درختوں کے پیچھے ہو جاؤ۔ جلدی
کرو۔ میں وہیں آکر ملوں گی"

ماہی گیر اپنی بیٹی کو لے کر گھبرایا ہوا کھجور کے درختوں
کی طرف بھاگا۔ سپاہی اس کی طرف تلواریں لے کر دوڑے۔
ماریا درمیان میں کھڑی تھی یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ ماریا
نے ایک سپاہی کے آگے ٹانگ رکھ دی وہ منہ کے بل گرا۔
ماریا نے تلوار ہاتھ میں پکڑ کر گھمانی شروع کر دی اور
منہ سے عجیب عجیب بھیانک آوازیں نکالنی شروع
کر دیں۔ سپاہیوں نے جو ایک تلوار کو اپنے آپ ہوا میں
لہراتے اور چلتے دیکھا اور پھر ساتھ ہی بھیانک چڑیلوں
ایسی آوازیں سنیں تو وہ خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگے

اور پھر ایسے بھاگے کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کا بھی ہوش نہ پڑا۔

وہاں سرحدی چوکی پر شور مچ گیا کیا کوئی چڑیل اہرام سے نکل آئی ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں بھی لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ اہراموں کے اندر دفن ہونے والی ممیوں کی روحیں چڑیلیں بن کر رہ رہی ہیں اور اگر کوئی شخص انہیں تنگ کرے تو وہ باہر نکل آتی ہیں، اور انسانوں کو ہڑپ کر جاتی ہیں۔ ماریا نے سوچا کہ سرحدی چوکی پر بھی ایک دو ہاتھ دکھانے چاہیں تاکہ میدان تھوڑی دیر کے لیے صاف ہو جائے۔ ماریا سرحدی چوکی پر آ گئی۔ یہاں سپاہی ابھی حیران پریشان ہی کھڑے تھے کہ ماریا نے ایک بلند چیخ ماری اور سرحد پر جو لکڑی کا ڈنڈا لگا تھا اسے توڑ کر ایسا گھمایا کہ تین چار سپاہی اس سے ٹکرا کر ایک دوسرے کے اوپر گر پڑے۔ وہاں بھی ہلڑ مچ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے چوکی خالی ہو گئی۔

اب ماریا بھاگ کر کھجوروں کے جھنڈ کی طرف گئی جہاں ماہی گیر اور اس کی بیٹی سہمے ہوئے دبکے بیٹھے تھے۔ ماریا نے قریب جا کر کہا۔

"بھاگ چلو"

پہلے تو دونوں باپ بیٹی ماریا کی آواز سنتے ہی بڑبڑا اٹھے۔ جب ماریا نے انہیں تسلی دی کہ یہ میں ہوں تو وہ اس کے کہنے کے مطابق سرحد کی طرف گھوڑوں پر بیٹھ کر اٹھ دوڑے۔ ماریا ان کے ساتھ ساتھ جا رہی تھی۔

صندوق والی پُراسرار لاش

فرعون کی بہن خلائی بلی لڑکی کیٹی سے بدلہ لینے کے لیے تڑپ رہی تھی۔

اس کو پتہ چل گیا کہ خلائی لڑکی کیٹی فرعون کے خاص کمرے کی الماری میں رہتی ہے۔ فرعون کی بہن پر کسی کو شک نہیں پڑا تھا کہ فرعون کو ہلاک کرنے کی سازشں میں یہ بھی شریک تھی۔ خلائی لڑکی کو بھی اس کا علم نہیں تھا۔ اگر اسے پتہ ہوتا تو وہ فرعون کو ضرور بتا دیتی۔ صرف ماریا کو پتہ تھا۔ اور ماریا وہاں پر موجود نہیں تھی۔

دوسرے ہی روز فرعون کی بہن فرعون کے کمرہ خاص میں گئی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے دیکھا کہ الماری تھوڑی سی کھلی ہے۔ اس نے الماری کھولی اور دیکھا کہ اندر ایک ریشمی سرہانے پر وہی خلائی لڑکی بڑے مزے سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی آرام کر رہی ہے۔ اس نے کیٹی کو سلام کیا اور کہا۔

"میں فرعون کی بہن ہوں اور تمہیں لینے آئی ہوں"

"کس لیئے؟" خلائی لڑکی نے پوچھا۔

"وہ

فرعون کی بہن نے مکاری سے مسکرا کر کہا۔

"رب شمس نے تم سے کوئی ضروری مشورہ کرنا ہے"

"چلو۔ میں چلتی ہوں"

اور فرعون کی بہن نے خلائی لڑکی کو اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور اپنے محل میں آگئی۔ محل میں آکر اس نے خلائی لڑکی کو دیوار میں لگی الماری کے دراز میں ایک خالی پیالے میں ڈال دیا۔ کیٹی نے پوچھا۔

"رب شمس کہاں ہیں؟"

فرعون کی بہن نے دانت پیس کر کہا۔

"اسے بھول جاؤ۔ اب تم میری قید میں ہو اور میں تمہیں تڑپا تڑپا کر ہلاک کروں گی۔ بد بخت! میں تم سے سپہ سالار کے ساتھ غداری کرنے کا بدلہ لوں گی"

خلائی لڑکی سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے اور اب وہ اس عورت کے رحم و کرم پر ہے۔ اس نے کہا۔

"غداری میں نے نہیں کی تھی۔ غدار تو سپہ سالار تھا جس نے فرعون کو قتل کرا کر تخت پر قبضہ کرنے

کی سازش کی تھی۔ میں نے تو فرعون کی جان
بچائی ہے اور تمہیں اپنے بھائی کی جان بچ جانے
پر میرا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔

فرعون کی بہن نے قہقہہ لگایا۔

"وہ کمینی لڑکی! میں تو چاہتی تھی کہ میرا بھائی قتل ہو
جائے۔ سپہ سالار آندلیس تخت پر بیٹھے اور میں
اس کی ملکہ بنوں۔ مگر تم نے ہمارے سب کیے کرائے
پر پانی پھیر دیا۔ سپہ سالار کو مروا دیا۔ اب میں تمہیں
بھی زندہ نہ چھوڑوں گی"

یہ کہہ کر فرعون کی بہن نے الماری کا پٹ زور سے بند
کر کے باہر تالا لگا دیا۔ کیٹی الماری میں اکیلی رہ گئی۔ الماری
کے اندر گہرا اندھیرا چھا گیا تھا۔ اسے ہوا بھی کم
آ رہی تھی۔ اسی طرح شام ہو گئی۔ اسے بھوک اور
پیاس نے ستانا شروع کر دیا مگر اسے کسی نے پانی کا
قطرہ تک نہ پوچھا۔ فرعون کی بہن تو اسے یونہی بھوک
پیاس سے تڑپا تڑپا کر مارنا چاہتی تھی۔ خلائی لڑکی
کیٹی آخر سائنس کے زمانے کی لڑکی تھی۔ کیا ہوا
اگر وہ کسی وجہ سے بہت چھوٹی ہو گئی تھی۔ اس
کا دماغ پوری طرح کام کر رہا تھا۔

اس کو اپنی جان بچانے کی فکر ہوئی تو اس
نے الماری میں چیزوں کو دیکھنا شروع کیا کہ اندر
کیا کیا کچھ پڑا ہوا ہے۔ کتنی ہی چھوٹی موٹی چیزیں
وہاں رکھی تھیں۔ الماری کے اندھیرے میں اب اسے
تھوڑا تھوڑا نظر آنے لگا تھا۔ ایک کان کھرچنے والا
سونے کا کانٹا تھا۔ ایک موتیوں کا ہار تھا۔ ایک
گول ڈبہ تھا جس کا ڈھکنا تھوڑا سا کھلا تھا۔ کیٹی نے
موتیوں کے ہار کو بڑی مشکل سے کھینچ کھانچ کر ڈبے
کے پاس اس کی ڈھیری سی بنائی اور گول ڈبے پر
چڑھ کر اندر جھانکا۔ اس ڈبے میں گالوں اور آنکھوں
پر لگایا جانے والا ہلکا نیلا پوڈر بھرا ہوا تھا۔
یہ پاؤڈر اس زمانے کی عورتیں نیلے کنول پھول
کی پنکھڑیوں کو سکھا کر انہیں پیس کر بناتی تھیں۔ کیٹی
نے نیچے موتیوں کے ہار کی ڈھیری پر چھلانگ لگا دی
وہ ہار کے اندر دھنس گئی۔ اس نے اپنے آپ
کو ہار کی لڑیوں میں سے باہر نکالا اور کان کھرچنے
والے سونے کے کانٹے کو غور سے دیکھا۔

پھر الماری کو لگے ہوئے تالے کو دیکھا۔ سوراخ
کے اندر ایک کھٹکا دوسری سلاخ پر لگا ہوا تھا۔ یہی

الماری کا تالا تھا۔ اگر کسی طرح یہ کھٹکا اوپر اٹھا دیا جائے تو الماری کھل سکتی تھی۔ کیٹی سونے کے کانٹے کو گھسیٹ کر تالے کے قریب لے آئی۔ پھر اس نے زور لگا لگا کر کانٹے کی نوک تالے والے سوراخ میں ڈالی اور اس کا سرا کھٹکے کے نیچے لگا دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر کیٹی ایک بار پھر جدوجہد کر کے پاؤڈر کے ڈبے پر چڑھ گئی اور اوپر سے سونے کے کانٹے کے دستے پر چھلانگ لگا دی۔ وہ زور سے کانٹے کے دستے پر گری کانٹے کے سر کے جھٹکا لگا اور تالے کا کھٹکا کٹاخ کی آواز کے ساتھ اوپر ہو گیا۔

کیٹی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ سونے کے دستے پر گرنے سے ایک طرف گر پڑی تھی۔ اٹھ کر وہ الماری کے پٹ کے قریب گئی اور اسے ذرا سا دھکا دیا۔ الماری کا پٹ کھل چکا تھا۔ کیٹی بہت خوش ہوئی۔ اس نے الماری کا ایک پٹ تھوڑا سا کھول کر نیچے دیکھا۔ نیچے کافی گہرائی میں فرش پر قالین بچھا تھا۔ یہ قالین الماری سے کوئی تین فٹ نیچے تھا مگر چونکہ کیٹی خود بہت چھوٹی تھی اس لیے اسے بہت نیچے لگ رہا تھا۔ اس نے نیچے چھلانگ لگا دی۔ وہ

کندھے کے بل گر کر قالین پر گری اور ننھے سے گیند کی طرح لڑھکتی ہوئی دور تک چلی گئی۔

وہ اٹھی اور کونے میں جو پلنگ بچھا تھا اس کے چاندی کے پائے کے پیچھے چھپ گئی اور کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ کمرہ خالی تھا اور چھت پر بڑے بڑے قیمتی جھاڑ فانوس لٹک رہے تھے۔ دیواروں پر بھی قالین لٹکے ہوئے تھے اور ریشمی پردے گرے ہوئے تھے۔ درمیان میں سونے چاندی کی ایک گول میز تھی جس پر تربوز، خربوزہ اور انار وغیرہ ایک تھال میں رکھے ہوئے تھے۔ کیٹی نے پلنگ کے نیچے سے نکل کر کمرے کے دروازے پر جا کر دیکھا۔ دروازہ کو باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔ یہ دروازہ اتنا بڑا تھا کہ کیٹی کو نیچے سے دیکھنے پر کسی قلعے کا دروازہ لگتا تھا۔

خلائی لڑکی ہر حال میں اس کمرے سے فرار ہو جانا چاہتی تھی۔ کیونکہ یہاں اس کی موت لکھی ہوئی تھی۔ اسے اپنے چاروں طرف موت نظر آ رہی تھی۔ مگر فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ قالین پر ادھر ادھر ٹہل کر سوچنے لگی کہ کون سی ترکیب استعمال کر کے وہ کمرے سے باہر نکل سکتی ہے۔

کمرے میں قالین پر ٹہلتے ٹہلتے اس کی نگاہ دو تین
بار میز پر تھال میں رکھے ہوئے پھل پر گئی۔ تربوز کافی
بڑا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ شاہی محل کے کمروں
کا پھل ہر روز شام کو بدل دیا جاتا ہے۔ اور دن بھر
کے پرانے پھل کی جگہ تازہ پھل لاکر رکھا جاتا ہے۔

کیٹی نے سوچا کہ اگر وہ کسی طرح تربوز کے اندر گھس
جائے تو جب پھل کا تھال اٹھانے والا نوکر آئے گا
تو اس کے ساتھ ہی وہ بھی اس کمرے سے نکل کر آزاد
ہو جائے گی۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ تربوز میں کیسے
داخل ہو۔ وہ گول میز کے پاس آگئی۔ میز کے پائے سونے
چاندی کے تھے اور اوپر سے نیچے تک اس کی چھوٹی
چھوٹی نوکیں نکلی ہوئیں تھیں۔ کیٹی ان نوکوں پر پاؤں
رکھتی ہوئی میز پر چڑھ گئی۔ اب وہ پھلوں کے تھال
میں اتر گئی تھی۔ اس نے انار اور کیلے کے گچھوں کے
درمیان سے گزر کر تربوز کے پاس جاکر اس کو ہاتھ
سے چھوا۔ تربوز کی سبز سطح سخت تھی۔

کیٹی نے تربوز کی چھال کو ناخنوں سے کھرچنا
شروع کر دیا۔ اس کے سوائے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔
وہاں کوئی چھری بھی نہیں تھی اور اگر چھری ہوتی

بھی تو شاید کیٹی سے وہ اٹھا کر تربوز میں گھمائی نہ جاتی۔
اس نے تربوز کو ایک طرف سے کھرچنا شروع کر دیا۔
تھوڑی دیر بعد وہ تھک گئی۔ ایک پل آرام کرنے
کے بعد اس نے پھر تربوز پر اپنی چھوٹی چھوٹی انگلیوں
کے ننھے ننھے ناخن چلانا شروع کر دیئے۔ اتنے
میں دروازہ کھلا اور ایک حبشی نوکر گاتا ہوا اندر آیا
اور قالین پر ریشمی جھاڑو مار کر دروازہ بند کر کے
باہر نکل گیا۔

کیٹی نے پھر اپنا کام شروع کر دیا۔ کوئی ایک
گھنٹے کی محنت کے بعد اس چوکور آنکھوں والی بونی
غلافی لڑکی نے تربوز کے اندر اتنا سوراخ کر دیا کہ وہ
اس کے اندر داخل ہو سکے۔ اسے تربوز کے سوراخ
میں سے اس کا لال لال گودا ایسے دکھائی دے رہا تھا
جیسے گودے کا کوئی بہت بڑا غار منہ کھولے ہوئے
تک رہا ہو۔ کیٹی نے کیلے کے گچھے پر پاؤں رکھا اور
تربوز کے سوراخ کی سطح کو پکڑ کر تربوز کے سرخ
سوراخ کے اندر داخل ہو گئی۔

تربوز کے اندر سرخ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ صرف
سوراخ میں سے ہلکی ہلکی دن کی روشنی اندر آ رہی

تھی۔ تربوز کا میٹھا پانی کیٹی کی ناک میں گھس گیا اور اسے
چھینک آگئی۔ یہ چھینک بہت ہلکی اور چھوٹی سی تھی۔
اس کا پاؤں تربوز کے سُرخ گودے پر سے بار بار پھسل
رہا تھا۔ اس نے خوب تربوز کھایا اور اس کا پانی پیا۔ آخر
کار اس نے سیاہ بیجوں کے درمیان ایک جگہ اپنے
لیے اتنی جگہ بنا لی کہ وہ وہاں ٹانگیں پھیلا کر سو
گئی۔ یہاں ہوا میں تربوز کی میٹھی خوشبو رچی ہوئی تھی
اور تربوز کے کالے کالے بیج اسے چھوٹی چھوٹی
سیاہ چٹانوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔

تربوز کے اندر گئے خلائی لڑکی کو آدھا گھنٹہ ہی
گزرا تھا کہ دروازہ کُھلا اور فرعون کی بہن کی آواز
سنائی دی۔ وہ کسی کنیز سے باتیں کر رہی تھی۔

"تم میرے کمرے کی صفائی کا خیال نہیں رکھتی
ہو۔ گند پڑا رہتا ہے یہاں — یہ پھل کا طشت
اٹھا کر باہر پھینک دو اور تازہ پھل لا کر یہاں
رکھو"

"جی بہتر بیگم صاحبہ"

بے چاری کنیز گھبرائی ہوئی پھر رہی تھی۔ اس نے
کمرے کی دو چار چیزوں کی جھاڑ پونچھ کی اور پھل کا

وہ تھال اٹھا لیا جس کے تربوز میں خلائی لڑکی کیٹی
بند تھی۔ کیٹی کو یوں لگا جیسے کوئی اسے جھولا جھلا
رہا ہو۔ کنیز تھال لیے ہوئے باہر نکل گئی۔ فرعون
کی بہن بستر پر اپنے شاہی لباس کو پھیلائے اس پر
ستارے ٹانک رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے خیال
آیا کہ قیدی خلائی لڑکی کو جا کر دیکھا جائے بھوک پیاس
سے اس کا کیسا بُرا حال ہو رہا ہے۔ جونہی وہ الماری
کے پاس گئی اس نے الماری کا ایک پٹ کُھلا دیکھا
اور اس کا رنگ اڑ گیا۔ جلدی سے الماری کھولی اور
دیکھا کہ خلائی لڑکی۔ اس کی قیدی وہاں نہیں تھی۔
غصے کے مارے فرعون کی بہن کا چہرہ لال ہو گیا۔
بدبخت بھاگ کر کہاں جائے گی۔ یہیں کہیں ہو گی۔
اور اس نے کمرے میں کیٹی کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔
فرعون کی بہن نے کمرے کا کونا کونا چھان مارا مگر
خلائی لڑکی اسے کہیں دکھائی نہ دی۔ وہ افسوس کے
ساتھ بار بار ہاتھ مل رہی تھی کہ اس نے اسے وہیں کیوں
نہ مسل ڈالا۔ اب وہ اسے کہاں تلاش کرے۔
فرعون کی بہن کو ایک غم یہ بھی کھائے جا رہا تھا
کہ خلائی لڑکی کو پتہ چل گیا ہے کہ وہ بھی فرعون

کو ہلاک کروانے کی سازش میں سپہ سالار کے ساتھ
ملی ہوئی تھی۔ اگر اس نے فرعون کو جا کر یہ بات بتا
دی تو فرعون اسی وقت اس کی کھال کھنچوا دے گا۔ وہ
بے حد پریشانی میں کمرے میں ٹہلنے لگی۔ اس نے ایک
بار پھر سارے کمرے کی ایک ایک چیز الٹ پلٹ کر
دیکھی۔ خلائی لڑکی کہیں نہ ملی۔ اچانک اسے پھل کے تھال
کا خیال آیا جو تھوڑی دیر پہلے کنیز کمرے سے اٹھا کر
لے گئی تھی۔ کہیں خلائی لڑکی اس تھال میں چھپ کر نہ
نکل گئی ہو۔

اس خیال کے آتے ہی فرعون کی بہن باہر کو دوڑی۔
اس نے کنیز سے جا کر پوچھا کہ تھال میں جو پھل تھے
وہ کہاں ہیں۔ کنیز گھبرا گئی کہ جانے کیا بات ہو گئی
ہے۔ اس نے کہا۔

"حضور! وہ تو میں نے روزانہ کی طرح نہر
میں پھینک دیئے ہیں۔ اب میں تازہ پھل لا رہی
ہوں"

فرعون کی بہن نے کہا۔

"اس تھال میں کوئی لڑکی تو نہ تھی"

کنیز حیران ہو کر فرعون کی بہن کا منہ تکنے لگی کہ

وہ کیا کہہ رہی ہے۔ بھلا کبھی پھلوں کے تھال میں کوئی
لڑکی بھی ہو سکتی ہے۔ فرعون کی بہن کو بھی اپنی بے
وقوفی کا احساس ہوا۔ اس نے کہا۔

"وہ کوئی بات نہیں ــــ"

اور یہ کہہ کر واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

پھر وہ بے تاب ہو کر اٹھی اور محل کے خاص جھروکے
میں جا کر نیچے بہتی ہوئی نہر کو دیکھنے لگی۔ اس جھروکے
میں سے کوڑا کرکٹ نیچے نہر میں پھینکا جاتا تھا۔ یہ نہر
آگے جا کر دریائے نیل میں گرتی تھی اور دریائے نیل
آگے جا کر سمندر میں شامل ہو جاتا تھا۔ فرعون کی بہن
کو اس بات کا اطمینان تھا کہ خلائی لڑکی پھلوں کے تھال
میں چھپی ہوئی تھی تو وہ نہر میں گرتے ہی مر گئی ہو گی اور
پانی میں ڈوب چکی ہو گی۔ اس کی پریشانی کافی حد تک دور
دور ہو گئی تھی۔ کیونکہ اگر خلائی لڑکی کمرے میں کہیں نہیں
ہے تو پھر وہ پھلوں کے تھال میں چھپ گئی ہو گی اور
پھلوں کے ساتھ ہی نہر میں گر کر ڈوب گئی ہو گی۔

جس وقت کنیز پھلوں والا تھال اٹھا کر جھروکے
میں آئی تو خلائی لڑکی کو لگا جیسے وہ کسی جھولے
میں بیٹھی ہے۔ چلتے میں تھال آگے پیچھے ہل رہا تھا

اور تربوز کے اندر سرخ گودے کے بچھونے پر بڑے
مزے سے لیٹی ہوئی تھی۔ اچانک تربوز چکر کھانے
لگا اور پھر دھم کی آواز کے ساتھ نہر میں گرتے
ہی پھٹ گیا۔ کیٹی تربوز کی ایک قاش پر جو بالکل کشتی
کی طرح تھی چمٹ کر بیٹھی رہی۔ تربوز کی قاش
نہر کے پانی پر بہتی ہوئی دریا کی طرف بڑھ رہی تھی۔
کیٹی نے قاش کو کنارے کی طرف لے جانے کی
بہت کوشش کی۔ اپنے ننھے ننھے تنکوں جتنے ہاتھ
زور زور سے ہلائے مگر تربوز کی قاش بھاری تھی
اور کنارے کی طرف جانے کی بجائے سیدھا دریا کی
طرف ہی چلی جا رہی تھی۔

کیٹی چونکہ بڑی چھوٹی تھی اس لیے اسے نہر کے کنارے
بڑے دور دور نظر آ رہے تھے۔ وہ واپس شاہی محل
میں جا کر فرعون کو بتانا چاہتی تھی کہ اس کی بہن بھی
اس کے خلاف کی جانے والی سازش میں شامل تھی
اس لیے اس سے خبردار رہے۔ مگر اس وقت وہ خود
مصیبت میں پھنسی ہوئی تھی۔ اور اسے اپنی جان کی فکر پڑی
تھی۔ پانی میں گر پڑتے ہی اگر ہوا کے بلبلے نے اسے
اندر نہ سمیٹا تو وہ بھی سکتی تھی۔ اسی لیے کیٹی تربوز کی

قاش کے گودے میں بڑی مضبوطی سے سنبھل کر بیٹھی ہوئی
تھی۔ لیکن اسے جتنی جلدی ہو سکے کنارے پر پہنچنے کی
ضرورت تھی۔ کیونکہ اگر ایک بار وہ دریا میں اتر گئی تو
پھر اس کا بچنا مشکل ہو جائے گا۔

کیٹی کو سامنے سے لمبے لمبے چپوؤں والی ایک کشتی
آتی دکھائی دی جس میں سبزی ترکاری لدی ہوئی تھی۔ کشتی
جب اس کے قریب سے گزرنے لگی تو کیٹی نے اپنے
آپ کو گودے کے اندر چھپا لیا تاکہ کسی کی اس پر
نظر نہ پڑ جائے۔ کشتی کے چپو تیز تیز چل رہے تھے۔ ان
کی وجہ سے نہر میں بڑی بڑی لہریں پیدا ہوئیں جو
تیزی سے کناروں کی طرف جا رہی تھیں۔ ایک لہر تربوز
کی قاش کو لے کر نہر کے کنارے کی طرف آئی اور کنارے
پر اگی ہوئی لمبی لمبی گھاس میں الجھ کر وہیں اٹک کر رک
گئی۔

کیٹی نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ نہ صرف یہ کہ نہر
میں ڈوب کر مرنے سے بچ گئی بلکہ کنارے پر بھی جا
لگی تھی۔ وہ تربوز کی قاش میں سے اتر کر گھاس کے
خوشوں میں آ گئی۔ زمین دلدلی تھی مگر چونکہ کیٹی کا
وزن زیادہ نہیں تھا اس لیے وہ بڑی سنبھل سنبھل

کہ ایک ایک گھاس کے تنکے کو پکڑتی کنارے پر
چڑھ گئی۔

کنارے پر آکر کیٹی نے ایک چھکڑا دیکھا جو
درخت کے نیچے کھڑا تھا۔ اس کا رخ شاہی محل کی
طرف تھا اور اس پر ایک صندوق رکھا ہوا تھا۔ کیٹی
نے سوچا کہ یہ چھکڑا کوئی سامان لے کر شاہی محل
کی طرف جا رہا ہے اس لیے اگر وہ کسی طرح اس
پر سوار ہو جائے تو شاہی محل پہنچ جائے گی۔
وہ بھاگ کر چھکڑے کے پاس پہنچ گئی۔ چھکڑے
والا نہر کے کنارے بیٹھا کوئی کپڑا دھو رہا تھا۔ کیٹی
کسی نہ کسی طرح پہیے کو پکڑتی چھکڑے پر چڑھ گئی
اور صندوق کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئی۔ چھکڑے
والا چادر دھو کر واپس آیا۔ چھکڑے پر سوار ہوا اور
گھوڑے کا رخ موڑ کر صحرا کی جانب روانہ ہو گیا۔
کیٹی نے چھکڑے کا رخ شاہی محل کی بجائے دوسری
طرف مڑتا دیکھا تو وہ بڑی پریشان ہو گئی۔ مگر چھکڑا
بڑی تیزی سے بھاگ رہا اور وہ اس پر سے چھلانگ
نہیں لگا سکتی تھی۔ صبر شکر کر کے صندوق کے پیچھے
چھپ کر بیٹھی رہی۔ اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ چھکڑا

ادھر جا رہا ہے اور صندوق کے اندر کیا ہے۔ چھکڑا
صحرا میں دوڑتا چلا جا رہا تھا۔ کوئی آدھے گھنٹے کے
بعد وہ ایک بہت بڑے مگر پرانے اہرام مصر کے
پاس جا کر رک گیا۔ چھکڑے والا نیچے اترا۔ صندوق کو
کھینچ کر نیچے اتارا اور سر پر اٹھا کر اہرام کے اندر
داخل ہو گیا۔

موقع غنیمت جان کر خلائی لڑکی کیٹی چھکڑے سے
نیچے آ گئی اور پتھروں کے ایک ڈھیر کے پیچھے جا کر
چھپ گئی۔ پہلے اس نے سوچا کہ اسی چھکڑے پر واپس چلی
جائے۔ پھر خیال آیا کہ خدا جانے یہ چھکڑے والا
اب کہاں چلا جائے۔ ہو سکتا ہے وہ کسی دوسرے
شہر کی طرف روانہ ہو جائے اور ویسے بھی اب چھکڑے
پر چھپنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ کیونکہ چھکڑے والا اہرام
میں صندوق رکھ کر خالی ہاتھ واپس آ رہا تھا۔ وہ
چھکڑے پر بیٹھا اور گھوڑے کو چابک مار کر واپس
روانہ ہو گیا۔ وہ شہر کی طرف واپس جانے کی بجائے
صحرا کی طرف روانہ ہوا تھا۔ خلائی لڑکی کیٹی نے عقل
مندی کی جو اس پر دوبارا سوار نہ ہوئی۔

سوال یہ تھا کہ اب وہ کہاں جائے؟

اس کے سامنے پرانے اہرام مصر کا دروازہ
غار کی طرح کھلا تھا۔ کیٹی نے سوچا کہ کچھ وقت وہ
اس اہرام بسر کرتی ہے۔ بعد میں وہ فرعون کے پاس
جانے کی کوشش پر غور کرے گی۔ اسے یہ بھی خیال
تھا کہ ہو سکتا ہے یہاں کوئی شاہی سواری آ جائے
اور وہ اس پر بیٹھ کر واپس محل پہنچ جائے۔
کیٹی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اہرام میں داخل
ہو گئی۔ اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ جا کر
دیکھے یہ آدمی جو صندوق رکھ گیا ہے اس کے اندر
کیا ہے؟ اہرام کے اندر اندھیرا تھا۔ پھر بھی خلائی
لڑکی کیٹی کی چوکور آنکھیں اندھیرے میں بھی بہت کچھ
دیکھ رہی تھیں۔ وہاں پرانے گرے پڑے ستون
تھے۔ کچھ ممیوں کے خالی تابوت ادھر اُدھر بکھرے
ہوئے تھے۔ چبوتروں پر بادشاہوں اور ملکاؤں کے
ٹوٹے چھوٹے بت پڑے تھے۔ کیٹی کی نظر اسی صندوق
پر پڑی جو ابھی ابھی چھکڑے والا آدمی وہاں رکھ
گیا تھا۔ یہ صندوق بند تھا اور اس میں تالا لگا ہوا
تھا۔ اگر اس میں ہیرے جواہرات کی دولت بھی ہوتی
تو کیٹی کے لیے بیکار تھی۔ کیونکہ وہ صندوق کھول نہیں

سکتی تھی اور اگر کھول بھی لیتی تو ہیرے جواہرات
لے کر کیا کرتی۔ وہ تو صرف یہ چاہتی تھی کہ کسی
طرح اس کا قد پھر سے پہلے جیسا اونچا لمبا ہو
جائے۔ اور وہ ماریا سے ملاقات کر کے واپس اپنی
خلائی دنیا میں چلی جائے۔ لیکن ایسا ہوتا اسے دکھائی
نہیں دیتا تھا۔ دن ابھی کافی باقی تھا۔ کیٹی صندوق کے
ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔ تربوز
اس نے خوب کھا لیا تھا۔ وہ اونگھنے لگی اور پھر گہری
نیند سو گئی۔

ادھر ماریا ماہی گیر اور اس کی بیٹی کو سرحد پار
کروا کر واپس فرعون کے شاہی محل میں آ گئی۔ ماریا یہ معلوم
کرنا چاہتی تھی کہ فرعون کو ہلاک کرنے کی پہلی سازش
کی ناکامی کے بعد سپہ سالار آندیس دوسری کون سی
ترکیب پر عمل کرنے والا تھا۔ محل میں آ کر اسے پتہ
چلا کہ سپہ سالار نے دوسری بار فرعون کو ہلاک کرنے
کی کوشش کی۔ مگر بھانڈا پھوٹ گیا اور اسے ہلاک کر
دیا گیا۔ فرعون کی بہن زندہ تھی اور ماریا کو یہ بھی معلوم
ہوا کہ فرعون اپنی بہن کے ارادوں سے بے خبر ہے۔
اسے بالکل نہیں معلوم کہ اس کی بہن بھی خونی سازش

میں سپہ سالار کی شریک تھی۔

اب ماریا کا شاہی محل میں ٹھہرنے کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ وہ وہاں سے خلائی لڑکی کی تلاش میں واپس جانے لگی تو خیال آیا کہ فرعون چونکہ بڑا خدا ترس اور نیک دل بادشاہ ہے کیوں نہ اسے خبردار کر دیا جائے کہ اپنی بہن سے ہوشیار رہے۔ ماریا فرعون کے خاص کمرے میں آ گئی۔ فرعون اپنی ملکہ کے ساتھ کمرے میں موجود تھا۔ وہ ایک آرام کرسی پر بیٹھا تھا اور ملکہ مصر فریم میں ں کا رومال لگا کر اس پر پھول کاڑھ رہی تھی۔ ماریا عون سے بات شروع کرنے کے بارے میں ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ فرعون نے ملکہ سے کہا۔

"ملکہ! ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ خلائی لڑکی کہاں غائب ہو گئی۔ ہم نے محل کا کونہ کونہ چھان مارا ہے۔ وہ ہمیں کہیں نہیں ملی"

ملکہ نے کہا۔

"ہو سکتا ہے وہ خود ہی الماری سے نکل کر چلی گئی ہو"

فرعون بولا۔

"ایسا نہیں ہوا ہو گا۔ کیونکہ خلائی لڑکی اپنی مرضی

سے ہمارے پاس رہی تھی اور وہ تو ابھی ہم سے غیبی روح کے بارے میں بھی بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی"

ملکہ بولی۔

"پھر اسے یہاں سے نکال کر کون لے جا سکتا ہے؟ یہاں تو کوئی غیر آدمی آنے کی جرات نہیں کر سکتا"

فرعون نے کہا۔

"یہی تو ہم بھی حیران ہیں"

خلائی لڑکی کا ذکر سن کر ماریا کے کان کھڑے ہو گئے۔ تو کیا خلائی لڑکی کیپٹن فرعون کے محل میں آ گئی تھی؟ یہ ضرور اسی خلائی لڑکی کا ذکر کر رہے تھے۔ اس نے فرعون کو بتایا ہو گا کہ وہ خلا سے آئی ہے اور جب انھوں نے غیبی روح کی بات کی ہو گی تو اسے ضرور ماریا کا خیال آیا ہو گا اور فرعون سے ماریا کے بارے میں ہی پوچھنا چاہتی ہو گی۔ مگر ماریا نے سوچا کہ یہ الماری میں خلائی لڑکی کو رکھنے کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟ کیا خلائی لڑکی الماری میں رہتی تھی؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک اونچی لمبی عورت ایک الماری میں رہنے لگے۔

فرعون نے کہا۔

"ملکہ! ہم حیران ہیں کہ وہ کون سا جادو تھا جس نے خلائی لڑکی کو اتنا چھوٹا کر کے ننھا منا بنا دیا تھا۔ ہم نے اتنی چھوٹی سی بالکل چھپکلی کے برابر لڑکی اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی"

ملکہ نے کہا۔

"وہ تو چھوٹی سی ڈبیا میں بند ہو جاتی تھی"

اب مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ ماریا سمجھ گئی کہ خلائی لڑکی کیٹی کسی وجہ سے زمین پر پرانے زمانے میں آنے کے بعد سکڑ کر ننھی منی رہ گئی ہو گی۔ پھر تو وہ بہت پریشان ہو گی۔ خدا جانے اس وقت وہ کہاں ہو گی اور کس حال میں ہو گی۔ ماریا اب فرعون سے خلائی لڑکی کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے بے چین ہو گئی۔ وہ میز کے قریب سے ہو کر فرعون کی کرسی کی طرف بڑھی تو فرعون کی کرسی کے پائے چاندی کے پنجرے میں بند سانپ نے زور سے پھنکار ماری اور پھن اٹھا لیا۔

فرعون نے چونک کر سانپ کی طرف دیکھا اور پھر

ملکہ سے کہا۔

"ملکہ! سانپ اسی طرح بے چین ہو گیا ہے جس طرح اس روز غیبی روح کو دیکھ کر کاہن اعظم کا سانپ بے چین ہوا تھا"

ملکہ نے فریم ہاتھ سے رکھ دیا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

"تو کیا غیبی روح اس کمرے میں موجود ہے؟"

ماریا نے کہا۔

"ہاں میں اس کمرے میں موجود ہوں"

ماریا کی آواز سن کر فرعون اور ملکہ خوف کے مارے جدھر سے آواز آئی تھی ادھر تکنے لگے۔ فرعون آخر بادشاہ تھا اور بادشاہ یونہی گھبرا نہیں جایا کرتے۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"دیوتا تم پر مہربان ہوں اے بھٹکتی ہوئی روح! تم کون ہو؟"

ماریا نے کہا۔

"میں کوئی روح نہیں ہوں بلکہ آپ کی طرح ایک انسان ہوں"

ملکہ نے پوچھا۔

"پھر تم دکھائی کیوں نہیں دیتیں؟"
ماریا بولی۔
"یہ ایک راز ہے۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ مجھے کسی خاص جادو کے ذریعے غائب کر دیا گیا ہے"
فرعون نے کہا۔
"تم پہلے بھی ہمارے کمرے میں موجود تھیں جب کاہن اعظم کے سانپ نے تمہاری موجودگی کو محسوس کیا تھا؟"
ماریا نے کہا۔
"ہاں! میں موجود تھی مگر میں سپہ سالار کے ساتھ چلی گئی تھی کیونکہ وہ آپ کو ہلاک کرنے کی سازش کر رہا تھا"
فرعون نے کہا۔
"دیوتاؤں نے مجھ پر عنایت کی اور سپہ سالار کو اس کی غداری کی سزا مل گئی"
ماریا نے کہا۔
"لیکن ابھی ایک غدار کو سزا ملنی باقی ہے"
"وہ کون؟" فرعون نے تعجب سے پوچھا۔
"وہ آپ کی بہن ہیں"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو غیبی لڑکی! ہماری بہن تو ہم پر جان چھڑکتی ہے"
ملکہ بھی یہ سن کر بڑی حیران ہو گئی تھی۔ ماریا نے کہا۔
"جو آپ پر جان چھڑکتی ہے اسی نے سپہ سالار کے ساتھ مل کر آپ کی جان لینے کی کوشش کی تھی۔ اور اب بھی کوشش کرے گی"
فرعون ایک پل کے لیے خاموش ہو گیا۔ پھر بولا۔
"ہمارے پاس اپنی بہن کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بہرحال تمہارے خبردار کرنے کا شکریہ۔ ہم محتاط رہیں گے"
ماریا نے کہا۔
"اب میں ایک بات آپ سے پوچھنا چاہوں گی"
"وہ کیا؟" فرعون نے کہا۔
ماریا بولی۔
"جس خلائی لڑکی کا آپ ذکر کر رہے ہیں وہ آخری بار محل میں کہاں دیکھی گئی تھی؟"
فرعون نے ماریا کو وہ سب کچھ بتا دیا کہ کس طرح اس نے خلائی لڑکی کو الماری میں رکھا تھا تاکہ وہ محل میں کچھ دن آرام کرے مگر وہ الماری سے غائب ہو گئی۔ ماریا

نے پوچھا۔

"آپ کے کمرے میں کوئی ایسا انسان بھی ہے جو اجازت کے بغیر آجا سکے؟"

فرعون نے کہا۔

"میری ملکہ کے بعد صرف میری بہن کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر میں کمرے میں نہ بھی ہوں تو وہ بغیر اجازت آجا سکتی ہے"۔

ماریا نے کہا۔

"بس مجھے آپ سے یہی پوچھنا تھا۔ میں جا رہی ہوں"

فرعون نے کہا۔

"کیا پھر کبھی ملاقات نہیں ہوگی تم سے اے غیبی عورت!"

"کچھ کہہ نہیں سکتی"

اتنا کہہ کر ماریا وہاں سے نکل کر سیدھی فرعون کی بہن کے کمرے میں آگئی۔ وہ کمرے میں نہیں تھی۔ ماریا نے کمرے کا ایک جائزہ لیا اور فرعون کی بہن کا انتظار کرنے لگی۔

ماریا اور ممی کی لاش

فرعون کی بہن کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں میں کنول کے پھولوں کا ہار تھا اور اس کو وہ ہوا میں گھما رہی تھی۔ جونہی اس نے دروازہ بند کیا۔ ماریا نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ہار چھین لیا۔ فرعون کی بہن اپنے ہاتھ سے ہار کو نکل کر غائب ہوتے دیکھ کر ہکی بکی ہو کر وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ ماریا نے کہا۔

"میں تم سے جو کچھ پوچھوں مجھے سچ سچ بتانا۔ نہیں تو اگر میں تمہارے ہاتھ سے ہار چھین کر غائب کر سکتی ہوں تو تمہیں ہلاک کر کے بھی غائب کر سکتی ہوں"

فرعون کی بہن خوف سے کانپنے لگی۔

"کیا۔ کیا تم غیبی روح ہو؟"

"ہاں۔ مگر میں تمہیں اٹھا کر محل سے نیچے پھینکنے کی طاقت رکھتی ہوں"

"تم کیا۔ تم کیا پوچھنا چاہتی ہو؟" فرعون کی بہن نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

ماریا نے کہا۔

"جب تم فرعون کے کمرے میں گئی تھیں تو تم خلائی لڑکی کو اغواء کر کے کہاں لے گئی تھیں؟"

ماریا نے یونہی بلف چال کھیلی تھی کہ ہو سکتا ہے اس طرح فرعون کی بہن اصل بات بتا دے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ ماریا کی بلف چال کامیاب ہو گئی۔ فرعون کی بہن بولی۔

"میں نے اسے اغواء نہیں کیا تھا۔ میں نے تو اسے لا کر اس کمرے میں اپنی الماری میں رکھا تھا کہ اس سے دوستی کروں گی مگر وہ یہاں سے بھاگ گئی"

"کہاں؟"

"یہ میں بھی نہیں جانتی۔ میرا خیال ہے کہ وہ کمرے کو خالی پا کر پھلوں کے تھال میں چھپ گئی تھی اور کنیز نے روز کی طرح جب شام کو پرانے پھل جھروکے سے باہر پھینکے تو وہ بھی نہر

میں گر پڑی ہو گی"

ماریا نے پوچھا۔

"وہ اگر تمہارے کمرے سے فرار ہونا چاہتی تھی تو ضرور تم نے اسے قید میں ڈالا ہو گا اور تم نے اسے قید میں اس لیے ڈالا تھا کہ تم اس سے کوئی کام کروانا چاہتی تھیں۔ اور وہ کام یہ تھا کہ تم اس مدد سے اپنے بھائی فرعون مصر کو ہلاک کروانا چاہتی ہو گی۔ کیونکہ تم نے سپہ سالار آندیس کے ساتھ مل کر فرعون کو قتل کرنے کی سازش کی تھی جو ناکام ہو گئی اور اب تم خلائی لڑکی کی مدد حاصل کرنا چاہتی تھیں"

فرعون کی بہن نے ہاتھ سینے پر رکھ کر کہا۔

"اے غیبی روح! میں دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں فرعون کو ہلاک نہیں کرنا چاہتی تھی"

"پھر تم نے خلائی لڑکی کو اپنی قید میں کیوں رکھا تھا؟"

فرعون کی بہن نے کہا۔

"بس یونہی"

ماریا نے آگے بڑھ کر فرعون کی بہن کو بالوں سے پکڑ
کر اوپر اٹھا لیا۔ فرعون کی بہن کی چیخ نکل گئی۔ وہ فوراً
بولی۔

"میں خلائی لڑکی سے سپہ سالار کی موت اور
اپنی سازش کی ناکامی کا بدلہ لینا چاہتی تھی۔
کیونکہ اس نے فرعون کو سازش کی خبر کر دی تھی۔
میں اسے الماری میں بھوکا پیاسا رکھ کر مارنا
چاہتی تھی"

ماریا نے زور سے فرعون کی بہن کو زمین پر گرا دیا۔
وہ قالین پر اوندھے منہ گر پڑی اور ڈر کے مارے لرزنے
لگی۔ ماریا نے کہا۔

"میں نے فرعون کو بتا دیا ہے کہ سپہ سالار نے
اسے قتل کرنے کی جو سازش کی تھی اس میں
تم بھی شامل تھی"

فرعون کی بہن ششدر ہو کر رہ گئی۔

"یہ تم نے غضب کر دیا غیبی روح! میں فرعون
کی اب دشمن نہیں ہوں"

"فرعون بھی تمہیں اپنا دشمن نہیں سمجھتا۔ مگر
اب وہ محتاط ہو گیا ہے۔ اب اگر تم نے ذرا

سی بھی کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو فرعون تمہیں
زندہ نہیں چھوڑے گا"

فرعون کی بہن بولی۔

"میں کبھی کوئی غلط حرکت نہیں کروں گی"

ماریا نے سنبھل کر کہا۔

"کرو یا نہ کرو۔ تم جاؤ جہنم میں۔ میں خلائی لڑکی
کی تلاش میں جا رہی ہوں"

یہ کہہ کر ماریا فرعون کی بہن کے کمرے سے باہر
نکل آئی۔ وہ شاہی محل کے اس جھروکے کے پاس
آگئی جہاں سے کوڑا کرکٹ نیچے بہتی نہر میں پھینکا
جاتا تھا۔ اس نے جھک کر نہر کو دیکھا۔ اگر خلائی لڑکی
پھلوں کے تھال میں چھپی ہوئی تھی تو یقیناً اس نہر میں
پھینکی گئی ہو گی۔ ماریا نے جھروکے سے نہر میں چھلانگ
لگا دی۔ وہ بڑے سکون کے ساتھ نہر کی سطح پر آ کر
رک گئی اور اس نے نہر کے اوپر چلنا شروع کر دیا۔
وہ کناروں کی جانب جو گھاس اُگی تھی وہ بھی دیکھے
جا رہی تھی۔ مگر اسے کیٹی کہیں دکھائی نہیں دے رہی
تھی۔ چلتے چلتے ماریا اس جگہ آ گئی جہاں نہر دریائے
نیل میں گرتی تھی۔ یہاں کتنی ہی کشتیاں اور بجرے تیر

رہے تھے۔

ماریا یہاں سے واپس ہو گئی۔ وہ اب خلائی لڑکی سے ناامید ہو گئی تھی۔ اسے بڑا افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے اس کے خلائی دشمنوں سے بچانے کی کوشش کی اور اسے پرانے زمانے میں لے آئی اور وہ پھر بھی نہ بچ سکی اور دریا میں گر کر ختم ہو گئی۔ ماریا کو یقین ہو گیا تھا کہ خلائی لڑکی زندہ نہیں بچی ہو گی۔ اب وہ ناگ اور عنبر کی تلاش میں چل پڑی۔

نہر کے کنارے واپس چلتے ہوئے اسے ایک جگہ زمین پر سانپ کے چلنے کی لکیر دکھائی دی۔ ماریا نے سوچا کہ کسی سانپ کی مدد لے کر ناگ کا سراغ لگانا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے اس کا کچھ اتا پتہ مل سکے۔ ماریا لکیر کے ساتھ ساتھ چلتی گئی۔ سانپ کی لکیر ایک جگہ جھاڑیوں کے پاس پہنچ کر زمین کے اندر ایک سوراخ میں چلی گئی تھی۔ ماریا نے سوراخ کے پاس منہ لے جا کر سانپ کی زبان میں ہلکی سی آواز نکالی۔

سوراخ کے اندر دریائے نیل کا ایک بیٹر سانپ بے چین ہو کر باہر آگیا۔ اسے ناگ دیوتا کی ہلکی ہلکی بو آ رہی تھی۔ ماریا نے اس سے ناگ کے بارے میں پوچھا تو

اس نے کہا۔

"اے غیبی روح! عظیم ناگ کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ ہم معمولی سانپ ہیں۔ ہمیں عظیم دیوتا کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔ ہاں۔ اگر تم یہاں سے دور کالے پتھروں کی بارہ دری میں جاؤ تو وہاں تمہیں ایک اژدھا ملے گا۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں عظیم ناگ کے بارے میں کچھ بتا سکے۔"

ماریا نے سانپ کا شکریہ ادا کیا اور کالے پتھروں کی بارہ دری کی طرف روانہ ہو گئی۔ شام کے وقت اسے صحرا میں ایک ٹوٹی پھوٹی بارہ دری نظر آئی۔ اس کے بڑے بڑے پتھر سیاہ پڑ چکے تھے اور دیواروں پر جنگلی بیلیں بڑھی ہوئی تھیں۔ ماریا نے دیکھا کہ بارہ دری کے سامنے ریت پر ایک کالا مہنت لنگوٹ باندھے آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے۔ اس نے اپنے اردگرد ایک گول دائرہ کھینچ رکھا ہے اور اس کی آنکھیں بند ہیں اور ماتھے پر سیندور کی چار لکیریں بنی ہوئی ہیں۔

یہ مہنت مصر کا ایک عامل تھا اور ایک بد روح کو قابو میں کرنے کے لیے وہاں چالیس روز سے بیٹھا عمل پڑھ رہا تھا۔ اس کے سامنے پتھر کی ایک بوتل

پڑی تھی جس کا ڈھکنا پاس ہی پڑا تھا۔ مہنت کو اس کے
علم نے بتا دیا کہ ایک غیبی روح اس کے قریب آ کر کھڑی
ہو گئی ہے۔ وہ سمجھا کہ یہ وہی بد رُوح ہے جس کو قابو
کرنے کے لیے وہ چالیس روز سے وظیفہ پڑھ رہا تھا
وہ بہت خوش ہوا۔ اس کا وظیفہ کامیاب ہو گیا تھا
ماریا کو اپنے اوپر ضرورت سے زیادہ بھروسہ تھا۔ کہ
اسے کچھ نہیں ہو سکتا اس لیے وہ بے دھڑک اس دائرے
کے اندر آ گئی جو کالے مہنت نے اپنے ارد گرد کھینچ
رکھا تھا۔ یہ مہنت بڑا زبردست کالے علم کا ماہر تھا
اور اپنے دائرے کے اندر اس نے کالے علم کی بے
حد طاقتور لہریں چھوڑ رکھی تھیں۔

ماریا نے اس دائرے کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی اور
وہ اژدھا کی تلاش میں دائرے کے اوپر سے گزر کر
بارہ دری کی دوسری طرف جھاڑیوں میں جانا چاہتی تھی۔
جونہی اس نے دائرے کے اندر قدم رکھا اس کا روحانی
جسم جیسے کسی نے جکڑ لیا۔ اس نے قدم اٹھانا چاہا مگر قدموں
نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس کا ایک ایک پاؤں
من من بھاری ہو گیا تھا۔ وہ نہ آگے چل سکتی تھی اور
نہ اچھل کر اوپر کو اٹھ سکتی تھی۔ اس نے غصے میں مہنت

کی طرف دیکھا اور کہا۔
"تم نے مجھے کیا کر دیا ہے؟"
کالے مہنت نے روح کی آواز سنی تو خوشی سے نہال
ہو گیا۔ بولا۔
"میں نے تمہیں اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ میں
اسی لیے چالیس روز سے کالے علم کا وظیفہ پڑھ
رہا تھا۔ اب تم میری قیدی ہو اور کہیں نہیں
جا سکتیں"
ماریا نے کہا۔
"مگر میں کوئی بد روح نہیں ہوں۔ میں تو ایک عورت
ہوں جو غائب ہو گئی ہے"
کالا مہنت بولا۔
"یہ تو اور بھی اچھا ہے کہ مجھے ایک ایسی بد روح
مل گئی ہے جو نظر نہ آنے والا انسانی جسم بھی رکھتی
ہے۔ اب تم بڑے آرام سے میرے سامنے رکھی
ہوئی بوتل میں داخل ہو جاؤ"
ماریا بڑی سٹ پٹائی کہ یہ بد تمیز کالا بھجنگ آدمی کیا بک
بک کر رہا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر اس کی منڈی ہوئی ٹنڈ
پہ ایک زور دار مکا مارنا چاہا مگر وہ اپنی مرضی سے ایسا

نہ کر سکی۔ وہ ایک قدم بھی نہ ہلا سکتی تھی۔ اس کی اپنی
مرضی اور طاقت ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ آخر زچ ہو کر ماریا
نے کہا۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

کالا مہنت بولا۔

"یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں؟ جب وقت آئے گا
تو بتاؤں گا۔ تم میری قید میں ہو۔ تم میری غلام ہو۔
میں جو چاہوں گا تم سے کام لوں گا۔ چلو۔ اس
پتھر کی خالی بوتل میں گھس جاؤ۔"

ماریا نے لاکھ ارادہ کیا کہ وہ پتھر کی خالی بوتل میں
داخل نہیں ہو گی۔ مگر مہنت کے کالے علم کے آگے اس
کے ارادے نے جواب دے دیا۔ کالے مہنت نے
بایاں ہاتھ اٹھا کر انگلی سے پتھر کی بوتل کی طرف اشارہ
کیا۔

"اس میں بند ہو جاؤ۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔
چلو۔ چلو چلو۔"

ماریا اپنے آپ بوتل کی طرف بڑھنے لگی۔ پھر اس
کے لطیف جسم کی لہریں دھوئیں کی ایک پتلی لکیر میں
تبدیل ہو گئی اور یہ لکیر اپنے آپ کسی جادو کے اثر

سے بوتل کے اندر داخل ہونا شروع ہو گئی۔ جب ماریا
کا سارا لطیف جسم بوتل میں داخل ہو گیا تو کالے مہنت
نے جلدی سے ڈھکنا دے کر بوتل کو بند کر دیا اور بڑے
فخر سے بوتل کو ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ پھر اسے چمڑے
کے تھیلے میں ڈالا اور تھیلا گلے میں لٹکا کر وہاں سے
ایک طرف روانہ ہو گیا۔ ماریا بوتل میں بند تھیلے میں
بے بسی کی حالت میں پڑی تھی۔

یہ کالا مہنت اسے کہاں لے جا رہا تھا؟ ماریا کو کچھ
خبر نہ تھی۔

ساتھیو! ابھی ہم ناگ عنبر کو دریا کے کنارے پر ہی
چھوڑے رکھتے ہیں اور لاہور گارڈن ٹاؤن کے طالبعلم امجد
کو بھی ملک فارس کے شہر بعلبک کے یہودی شیخ
ہامان کے کھیتوں میں انگور کے باغوں میں غلام بن کر
کام کرتا چھوڑتے ہیں اور خلائی لڑکی کی طرف چلتے ہیں
کہ وہ اہرام میں کیا کر رہی ہے۔

اس وقت رات کے بارہ بجے کا عمل ہے۔ مصر
کے صحرا کے آسمان پر ستارے چمک رہے ہیں۔ چاروں
طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی ہے شہر کے لوگ چراغ

گل کر کے سو رہے تھے۔ شہر سے دور پرانے اہرام مصر
کے غار میں تالا لگے پُر اسرار صندوق کے ساتھ ٹیک لگائے
خلائی لڑکی کیٹی ابھی تک گہری نیند میں ہے۔ اچانک اسے
ایک ہلکا سا دھچکا لگا اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے
ننھے منے ہاتھوں سے اپنی چوکور آنکھیں ملیں اور اندھیرے میں
غور سے دیکھا۔ اندھیرے میں اسے ایک ایک چیز صاف
دکھائی دے رہی تھی۔ دھچکا اسے صندوق سے لگا تھا۔
وہ اٹھ کر پرے ہٹ گئی۔ صندوق کا تالا ہلنے لگا تھا۔
پھر تڑاخ کی آواز کے ساتھ اپنے آپ ٹوٹ کر گر
پڑا۔ صندوق کا کنڈا اوپر کو اٹھا اور پھر صندوق کا ڈھکنا
تھوڑا سا اوپر ہو گیا۔

کیٹی ڈر کے مارے ایک پتھر کے پیچھے ہو گئی کہ
خدا جانے صندوق کے اندر سے کیا بلا نکلنے والی ہے۔
اس کی آنکھیں اندھیرے میں صندوق پر لگی ہوئی تھیں۔
صندوق کے ڈھکنے میں سے مردہ ممی کا ایک ہاتھ باہر
نکلا۔ جس پر زرد رنگ کی پٹیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ اس
ہاتھ نے صندوق کے ڈھکنے کو پرے گرا دیا۔ اس کے
ساتھ صندوق میں سے آہستہ آہستہ ایک مردہ ممی کی زرد
پٹیوں میں لپٹی ہوئی لاش کا آدھا اوپر والا دھڑ صندوق

میں اٹھ کھڑا ہوا۔ خلائی لڑکی کیٹی کو ڈر کے مارے پسینہ آ گیا۔
ممی صندوق سے باہر نکل آئی۔ اس کا سارا جسم زرد رنگ
کی پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا۔ وہ صندوق کے پاس اندھیرے
میں یوں کھڑی ہو گئی جیسے ہلتی ہوئی زمین پر اپنے آپ
کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس سے پوری طرح
کھڑا نہیں ہوا جاتا تھا۔ ممی کی لاش نے اپنا ایک پاؤں پیچھے
کو گھمایا اور پھر دوسرا پاؤں بھی گھما لیا اور اس کا منہ اہرام
کے دروازے کی طرف ہو گیا۔ اب وہ آہستہ آہستہ لڑکھڑاتی
ہوئی ایک ایک قدم اٹھاتی اہرام کے دروازے کی طرف
چلنے لگی۔

کیٹی اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے غار کے دروازے
کی طرف جاتے دیکھ رہی تھی۔ جب ممی کی لاش اس
کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تو وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے
چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی غار سے باہر آ گئی۔ باہر رات
کے ہلکے نیلے اندھیرے میں آسمان چمکتے ستاروں سے
بھرا ہوا تھا اور صحرا میں اہرام کے ارد گرد گہری خاموشی
چھائی ہوئی تھی۔ کیٹی اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر
چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اسے ایک جگہ ممی کی لاش نظر
آئی تھی۔ اس کے پاس تازہ کھدی ہوئی مٹی کا چھوٹا سا ڈھیر

لگا تھا۔

خلائی لڑکی کیٹی سوچنے لگی کہ یہ ممی کی لاش کس لیے زمین کھود رہی ہے؟ اس کی سمجھ میں یہ اسرار نہیں آرہا تھا۔ اس نے سوچا کہ یہاں سے بھاگ جانا چاہیے۔ اچانک اسے چھینک آگئی۔ چھینک کی آواز اگرچہ بہت مدّھم اور باریک تھی مگر ممی نے سن لی۔ اس کے مٹی کھودتے ہوئے ہاتھ وہیں رک گئے۔ وہ اٹھی اور اس نے گھوم کر اس طرف دیکھا جدھر سے چھینک کی آواز آئی تھی۔ شاید ممی کی تیز آنکھوں نے خلائی لڑکی کو دیکھ لیا تھا۔ ممی کی لاش اس کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔

کیٹی پتھر کی اوٹ سے جھانک رہی تھی۔ جونہی اس نے ممی کو اپنی طرف آتے دیکھا وہ کسی سوراخ یا کھوہ میں چھپنے کی بجائے پتھر کی اوٹ سے باہر نکل کر دوڑنے لگی۔ اب ممی اسے صاف دیکھ رہی تھی۔ ممی کے منہ سے ایسی آواز نکلی جیسے کوئی جانور ذبح ہوتے وقت کراہ رہا ہو۔ اس ڈراؤنی آواز سے کیٹی کی جان ہی نکل گئی۔ پاگلوں کی طرح اس کا جدھر کو منہ اٹھا ادھر کو اٹھ دوڑی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدموں سے دوڑ رہی تھی ممی بھی آہستہ آہستہ آرہی تھی مگر ایک تو وہ لمبے ڈگ

بھر رہی تھی دوسرے وہ کیٹی کے مقابلے میں بہت زیادہ بڑی اور اونچی لمبی تھی۔ ممی کیٹی کے قریب آتی جارہی تھی۔ فاصلہ کم ہوتا جارہا تھا۔ کیٹی نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ممی کی لاش اس کے سر کے اوپر پہنچ گئی تھی اور اس نے ایک ہاتھ آگے بڑھا کر خلائی لڑکی کیٹی کو اپنی مٹھی میں دبوچنا چاہا۔ کیٹی تیزی سے آگے نکل گئی۔ مگر موت اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔

کیٹی کی نظر ایک درخت پر پڑی جس کا تنا بہت بڑا تھا اور جو صحرا میں اکیلا کھڑا تھا۔ کیٹی درخت کی طرف بھاگی۔ ممی کی لاش اس کے پیچھے آئی۔ کیٹی کو درخت کے تنے میں ایک چھوٹا سا سوراخ دکھائی دیا۔ اس قسم کے سوراخ اکثر درختوں میں بن جاتے ہیں۔ جہاں عام طور پر طوطے اپنا گھونسلا بنا کر رہتے ہیں۔

ممی کی لاش غرائی اور کیٹی کو پکڑنے کے لیے اس نے اپنا پٹیوں میں لپٹا ہوا ہاتھ آگے پھیلایا۔ کیٹی نے ہڑبڑا کر درخت کے تنے میں جو سوراخ تھا اس میں چھلانگ لگا دی۔ وہ اندھیرے میں گرتی چلی گئی۔ اسے کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ اس کے ننھے سے جسم کے ساتھ درخت کے تنے کے اندر کھوہ میں نکلے ہوئے باریک پتوں کے

خوشے ٹکرا رہے تھے۔ آخر وہ دھپ کی ہلکی سی آواز
کے ساتھ خشک گھاس کے ایک ڈھیر پر گر پڑی۔ اس
نے اوپر دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ کسی تاریک اندھیرے
مگر چوڑے پائپ کے اندر آ گئی ہے۔ دور اوپر جس سوراخ
میں سے اس نے چھلانگ لگائی تھی اس میں سے ستاروں
کی ہلکی نیلی روشنی اندر آ رہی تھی۔ کچھ دیر تک کیٹی کو ممی
کی لاش کی غراہٹ نما ڈراؤنی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔
پھر خاموشی چھا گئی۔

کیٹی نے تنے کی اندر والی اس کھوہ کا جائزہ لیا۔ اندھیرے
میں اسے وہاں سوکھی گھاس کی ڈھیریاں سی لگی دکھائی دیں۔
ایسا لگ رہا تھا کہ کسی زمانے میں یہاں کسی پرندے کا
گھونسلہ ہوا کرتا تھا۔ کھوہ کے اندر جگہ جگہ درخت کی سفید
رنگ کی جڑیں چمک رہی تھیں۔ کیٹی نے ایک جڑ کو ناخن
سے کھرچ کر منہ میں ڈالا۔ وہ میٹھی تھی۔ کیٹی نے سوچا
کہ وہ اس اندھیری کھوہ کی تہہ میں سے کیسے باہر نکل
سکے گی۔ اس نے اوپر تک دیکھا۔ کھوہ کی گول دیواریں
بالکل سپاٹ تھیں۔ پاؤں رکھنے کے لیے یا ہاتھ سے
پکڑنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی، اس کا مطلب تھا کہ
کیٹی اس موت کے اندھیرے کنوئیں میں اب کبھی باہر

نہیں نکل سکتی تھی۔ کیٹی نے سر جھکا لیا اور خشک
گھاس کی ڈھیری میں لیٹ گئی اور اپنی قسمت پر غور
کرنے لگی کہ کہاں وہ خلا کے ایک بہت زیادہ
ترقی یافتہ ستارے میں رہتی تھی اور لیزر کی شعاع
والا پستول استعمال کیا کرتی تھی اور کہاں اب ان کا یہ
حال ہے کہ وہ سکڑ کر انسانی چھنگلی سے بھی چھوٹی ہو گئی
ہے اور ایک چوہا بھی اسے چیر پھاڑ سکتا ہے۔ لیکن وہ
اس بات سے خوش تھی کہ اسے ممی کی لاش سے نجات
مل گئی تھی ورنہ ممی نے تو اسے ہلاک کر کے ہی چھوڑنا
تھا۔

ادھر ماریا کو پتھر کی بوتل میں بند کر کے کالا مہنت
اپنی منزل مقصود کی طرف چلا جا رہا تھا۔ وہ ایک اونٹنی
پر سوار تھا۔ وہ اس اہرام کے قریب پہنچا جہاں کچھ
دیر پہلے خلائی لڑکی پر اسرار صندوق کے پاس بیٹھی تھی
اور جہاں ابھی کچھ دیر پہلے صندوق میں سے ممی کی لاش
نے نکل کر باہر زمین کھودنی شروع کی تھی اور خلائی لڑکی
کیٹی نے پاس ہی ایک درخت کے کھوکھلے تنے کے اندر
چھلانگ لگا دی تھی۔ مہنت نے اونٹنی اہرام کے غار کے
باہر کھڑی کی اور ماریا والی بوتل کا تھیلا ہاتھ میں تھامے غار

میں داخل ہو گیا۔ اس وقت رات کا ایک بج رہا ہو گا اور ممی
کی لاش اہرام کے باہر کیٹی کے درخت کی کھوہ میں چھلانگ
لگانے کے بعد ابھی واپس آکر صندوق میں دوبارہ لیٹی تھی۔
کالے مہنت نے صندوق کو دیکھا تو اس کی باچھیں کھل
گئیں۔ ہر شے اس کے حساب کے مطابق ہو رہی تھی۔ اس
کا چالیس روز کا وظیفہ بے حد کامیاب رہا تھا اور شاہ جنات
افراسیاب اس کے چالیس روز کے کٹھن وظیفے سے بہت
زیادہ خوش ہوا تھا۔ اس نے صندوق کے آگے ریت پر ایک
گول دائرے کا نشان بنایا اور اس کے اندر آلتی پالتی مار
کر بیٹھ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں اور کالے علم کے منتر پڑھنے
شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر پڑھنے کے بعد صندوق کا ڈھکنا
اپنے آپ اوپر اٹھا اور اس کے اندر سے وہی زرد
پٹیوں میں لپٹی ہوئی ممی کی لاش کا آدھا دھڑ اوپر کو اٹھ
کھڑا ہوا۔ مہنت وظیفہ پڑھتا گیا۔ کچھ دیر بعد ممی صندوق
سے باہر نکل آئی۔ وہ بے حد غصے میں تھی اور اس کے نتھنوں
سے پھنکاریاں نکل رہی تھیں اس کے حلق سے بیل کے
ڈکرانے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ ممی کی خطرناک لاش
بار بار دائرے کے اندر داخل ہو کر کالے مہنت کی گردن
مروڑنے کی کوشش کرتی اور ہر بار جب وہ دائرے

کے قریب جاتی تو اسے ایک جھٹکا لگتا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے
ہٹ جاتی۔ جب ممی کی لاش عاجز آگئی تو اس نے اپنے
حلق سے ایک ایسی ڈراؤنی آواز نکالی کہ رات کی خاموشی
بھی خوف کے مارے لرز اٹھی۔ کالے مہنت کا چہرہ بھی
پیلا پڑ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ اب لاش اپنی جان ایک بار پھر
قربان کر کے دائرے میں گھس آئے گی اور اسے زندہ نہیں
چھوڑے گی۔ اب اس نے وہ ہتھیار استعمال کرنے کا فیصلہ
کیا جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس نے چمڑے کے تھیلے
میں سے پتھر کی وہ بوتل نکالی جس میں ماریا بند تھی۔ بوتل
ہاتھ میں اٹھا کر کالے مہنت نے کہا۔

”میں تمہارے لیے وہ بد روح قید کر کے لایا ہوں
جس کی تمہیں تلاش تھی“

اتنا سن کر ممی وہیں رک گئی اور گردن گھما گھما کر کالے
مہنت کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی بوتل کو تکنے لگی۔ کالے مہنت
نے کہا۔

”کیا تم اسے لے کر مجھے طلسماتی مہرہ نہیں دو گی
تاکہ میں اس کی مدد سے شاہِ قارون کا خفیہ خزانہ
حاصل کر سکوں؟“

ممی نے سر ہلایا۔ جیسے کہہ رہی ہو کہ ہاں مجھے یہ شرط

منظور ہے۔

کالے مہنت نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تمہیں اس بد روح کی سخت ضرورت ہے اور تم چونکہ ایک مردہ لاش ہو۔ اس لیے قیامت تک کسی بد روح کو قابو نہیں کر سکتی۔ یہی وہ بد روح ہے جس کی مدد سے تم دوبارہ زندہ ہو۔ بد روح کی بوتل لے کر طلسماتی مہرہ میرے حوالے کر دو۔"

ممی کی لاش اہرام کے اندر گئی اور واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں طلسماتی مہرہ چمک رہا تھا۔ لاش نے اشاروں سے کہا کہ بد روح کی بوتل میں سے روح نکال کر دکھاؤ۔۔

کالے مہنت نے چونکہ ماریا پر منتر پڑھ کر اسے قابو کر رکھا تھا۔ اس لیے ڈھکن اٹھا کر ماریا سے کہا۔

"اے بد روح! باہر نکلو اور مجھے زمین پر سے تین گز اوپر اٹھا کر ممی کو اپنی طاقت کا مشاہدہ کراؤ۔"

ماریا کا دماغ چکر کھا رہا تھا۔ وہ کالے مہنت کے جادوائی منتروں کے اثر میں تھی۔ اس کا اپنا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اور وہ جس کے قبضے میں ہو اس کی غلام ہو گئی تھی۔ وہ باہر نکلی اور اس نے کالے مہنت کو زمین سے تین

گز اوپر اٹھا لیا۔ کالے مہنت نے کہا۔

"اے ممی کی پرانی تاریخی لاش! کیا تم بد روح کی طاقت کو دیکھ رہی ہو؟ یہ بد روح تمہیں پھر سے زندہ کر سکے گی۔"

ممی کی لاش نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ بد روح کو میرے حوالے کر دو۔ لاش نے طلسماتی مہرہ دائرے کے اندر پھینک دیا اور کالے مہنت نے ماریا کو بوتل میں بند کر کے ممی کی لاش کے حوالے کر دیا۔

ممی نے بوتل ہاتھ میں پکڑی اور واپس مڑ کر قدم قدم چلتی اہرام کے غار میں داخل ہو گئی۔ اس کے جاتے ہی کالے مہنت نے طلسماتی مہرے کو چوما۔ جیب میں سنبھال کر رکھا اور خوشی خوشی اونٹنی پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

ممی کی لاش غار میں آکر صندوق میں لیٹ گئی اور اس بوتل کو اپنے سینے پر رکھ لیا جس میں ماریا بند تھی۔ پھر اس نے بوتل کا ڈھکن کھول کر اپنے سینے پر سے زرد پٹیاں ہٹا دیں۔ اس کے سینے میں پسلیوں کے درمیان ایک گہرا سوراخ تھا۔ ممی نے بوتل کا منہ اپنے سینے کے سوراخ میں ڈال دیا اور پھر پوری طاقت سے بوتل پر دوسرا ہاتھ

مارا۔ ماریا بوتل میں سے نکل کر ممی کی لاش کی پسلیوں
کے اندر چلی گئی۔ ممی نے بوتل نکال کر پھینک دی۔ پسلیوں
کے سوراخ کو بند کر دیا۔ اور صندوق میں دونوں ہاتھ
سینے پر رکھ کر لیٹ گئی۔

تھوڑی ہی دیر بعد لاش میں سے ایک زندہ طاقتور
انسان آہستہ آہستہ اٹھا اور صندوق سے نکل کر باہر آگیا۔ لاش
کے اندر سے ماریا کی روح کے داخل ہونے کے بعد
ایک بالکل نیا طاقتور اور زندگی سے بھرپور انسان باہر
آگیا تھا۔ اس انسان کا چہرہ سورج کی طرح چمک رہا
تھا۔ یہ چمکیلا انسان مسکرایا۔ اس نے صندوق کا ڈھکنا
بند کر کے تالا لگایا اور بڑی شان سے چلتا ہوا اہرام کے
غار سے باہر نکل آیا۔ غار کے باہر رات دم توڑ رہی تھی
اور آسمان پر صبح کی پہلی پہلی نیلی روشنی پھیلنے لگی تھی۔
چمکیلے انسان نے دونوں ہاتھ منہ کے آگے رکھ کر ایک
ایسی چیخ ماری کہ جس سے صحرا کا ذرہ ذرہ گونج اٹھا۔
پھر اس نے اپنے پیلے پیلے کرتے کے اندر سے ایک
سنہری تلوار نکالی اور اسے ہوا میں لہرایا۔ تلوار کے ہوا میں
لہراتے ہی وہ زمین سے بلند ہو گیا اور ہوا میں اڑنے
لگا۔ وہ بجلی ایسی تیزی کے ساتھ اڑتا ہوا سیدھا اس

ی کے گھر گیا جس نے اس کی لاش کو صندوق میں بند کر
کے چھکڑے پر لاد کر اہرام میں پہنچایا تھا۔ وہ آدمی سو
رہا تھا۔ چمکیلے انسان نے اسے جگایا اور کہا۔

"میں سورج دیوتا ہوں۔ تم نے مجھے قتل کر کے
ممی بنا کر اہرام میں پھینک دیا تھا کیونکہ تم میری
دولت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے مگر تم نہیں جانتے
تھے کہ یہ سب کچھ ایک خاص منصوبے کے تحت
ہو رہا تھا۔ اب میں سورج دیوتا بن کر واپس آگیا
ہوں۔ میں مصر کا سب سے طاقتور دیوتا ہوں۔
میں تمہیں قتل کر کے اپنی حکومت کا آغاز کروں گا۔"

وہ آدمی تھر تھر کانپ رہا تھا۔ چمکیلے انسان یعنی
سورج دیوتا نے اس آدمی پر سنہری تلوار کا بھرپور وار
کیا۔ اور اس کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ اس کام سے فارغ ہو
کر وہ مصر کے سب سے بڑے مرودخ مندر میں آگیا۔
وہاں کا کاہن اعظم اور دوسرے پجاری صبح کی پوجا میں
مصروف تھے۔ چمکیلے انسان نے مندر میں جاتے ہی سنہری
تلوار لہرا کر اعلان کیا کہ وہ سورج دیوتا ہے اور انسان
کا روپ بھر کر وہاں آیا ہے۔ پجاری اس کا چمکیلا چہرہ
دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔ کاہن اعظم جو کہ خود ایک بہت

بڑا شعبدہ باز اور جادوگر تھا۔ سمجھ گیا کہ یہ کوئی اس سے
بھی بڑا جادوگر اور شعبدہ باز آگیا ہے۔ کاہن اعظم نے
اپنے کاندھے پر بیٹھے ہوئے سانپ سے کہا کہ وہ چمکیلے
انسان کو جاکر ڈسے اور ہلاک کر دے۔ کیونکہ کاہن اعظم
کو معلوم تھا کہ چمکیلا انسان اگر سورج دیوتا بن بیٹھا تو اس
کی شان ختم ہو جائے گی اور اسے کوئی نہیں پوچھے گا۔ سانپ
پھنکارتا ہوا چمکیلے انسان کی طرف گیا۔ اس نے پھن اٹھا رکھا
تھا۔ جونہی اس نے چمکیلے انسان کو ڈسنا چاہا چمکیلے انسان
کی سنہری تلوار کے ایک ہی وار سے سانپ کے چار ٹکڑے
ہو گئے۔

چمکیلے انسان کا چہرہ اور زیادہ چمکدار ہو گیا۔ اس نے
ایک چیخ ماری جس سے وہاں کھڑے سارے پجاریوں کے
دل سہم گئے۔ اور اس کے ساتھ ہی چمکیلا آدمی زمین سے
بلند ہو کر ہوا میں اوپر اٹھتا چلا گیا۔ وہ مردوخ کے بہت
بڑے بت کے سر پر جاکر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر
بولا۔

"میں سورج دیوتا ہوں اور مجھے دیوتا مردوخ نے
یہاں بھیجا ہے کہ میں مصر پر حکومت کروں۔
آج سے مصر کا ملک میرا ہے۔ کاہن اعظم اور

فرعون مصر میرے غلام ہوں گے۔ جس نے میرے
خلاف آواز اٹھائی دیوتا مردوخ اس کی زبان باہر
کھینچ لے گا۔"

چمکیلے انسان کی تقریر سن کر سب خاموش ہو گئے۔
وہ ڈر گئے تھے۔ کیونکہ ان کی آنکھوں کے سامنے وہ
ہوا میں اڑ کر مردوخ دیوتا کے سر کے اوپر جا کر بیٹھ
گیا تھا۔ کاہن اعظم سمجھ گیا کہ یہ اس سے بڑا جادوگر
ہے۔ اور اس کے پاس کوئی زبردست روح یا کوئی جن
قبضے میں ہے۔ بھلائی اسی میں ہے کہ اس کی اطاعت
قبول کر لی جائے اور اندر ہی اندر اس کی طاقت کا راز معلوم
کر کے اسے شکست دی جائے اور ہمیشہ کے لیے ختم کر
دیا جائے۔ چنانچہ کاہن اعظم نے سر جھکا دیا۔ باقی پجاری
سجدے میں گر گئے۔

کاہن اعظم نے کہا۔

"اے عظیم سورج دیوتا! میں تیری بادشاہت کو
تسلیم کرتا ہوں۔ تم واقعی سورج دیوتا ہو اور مصر کے
مالک ہو۔ آج سے تم ہی مردوخ کے کاہن اعظم
ہو۔ میں تمہارا ادنیٰ غلام اور خادم ہوں۔"

چمکیلا انسان مردوخ کے سر پر سے اتر کر نیچے آگیا

اس نے سنہری تلوار اپنے نیلے کرتے کے اندر رکھی اور کاہن اعظم کے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

"فرعون سے کہو کہ سورج دیوتا زمین پر حکمرانی کے لیے آگیا ہے اس لیے تخت خالی کر دے۔ میں آرہا ہوں۔"

"جو حکم سورج دیوتا!"

کاہن اعظم سر جھکا کر مندر سے باہر نکل گیا۔ چمکیلا انسان پجاریوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میری عظمت کے گن گاؤ۔ بھجن گاؤ۔ میں تمہارا سورج دیوتا ہوا اور تمہارے ملک کا اور اس ملک کے تخت و تاج کا مالک ہوں۔"

پجاریوں نے سورج دیوتا کے گیت گاتے شروع کر دیئے اور سورج دیوتا انہیں ساتھ لے کر شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب فرعون کو اطلاع ملی کہ سورج دیوتا اس کے تخت پر قبضہ کرنے کے لیے آگیا ہے تو وہ حیران بھی ہوا مگر چونکہ وہ ایک کمزور عقیدے کا آدمی تھا اس لیے دل سے اس نے سورج دیوتا کو مصر کا حکمران قبول کر لیا۔ اور جب فرعون نے چمکیلے انسان یعنی سورج دیوتا کو پجاریوں کے سروں کے اوپر ہوا میں اڑتے ہوئے

آتا دیکھا۔ تو اسے یقین ہو گیا کہ یہی سورج دیوتا ہے۔ فرعون دو زانو ہو گیا اور اسے نے چمکیلے انسان کو سجدہ کر دیا۔ فرعون کو سجدہ کرتے دیکھ کر دربار اور محل کے سارے لوگ چمکیلے انسان کے آگے سجدے میں گر گئے۔ چمکیلا انسان مسکرا دیا۔ اس کا خواب پورا ہو رہا تھا۔ اس نے بڑی ریاضت کی تھی چالیس برس تک دریا میں ایک ٹانگ پہ کھڑے ہو کر ساری ساری رات منتر پڑھے تھے۔ پھر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت قتل ہو گیا اور اسے ممی بنا کر اہرام کی غار میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں اسے ایک ایسے مہنت کا انتظار تھا جو اس کے لیے ایک بد روح کو قید کر کے لائے۔ اس نے ایک رات پہلے صندوق سے نکل کر زمین کھود کر اس کے اندر اگنی دیوتا کا آخری وظیفہ بھی ادا کر دیا تھا۔ یہ وہی رات تھی جب خلائی لڑکی نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اسے چھینک آگئی تھی اور پھر ممی کی شکل میں یہ چمکیلا انسان اس کو ہلاک کرنے کے لیئے اس کی طرف بڑھا تھا۔ کیونکہ وہ اس راز کو راز ہی رکھنا چاہتا تھا۔ مگر خلائی لڑکی کیٹی ایک درخت کے کھوہ میں چھلانگ لگا گئی تھی۔ پھر کالا مہنت وہاں ماریا کو بوتل میں بند کر کے لے آیا۔ کالے مہنت کو طلسماتی مہرے کی

تلاش تھی جو اس چمکیلے انسان کے پاس موجود تھا۔ اور اسے
اس کے استاد جادوگر نے دیا تھا۔ مگر مصر پر حکومت کرنے
کے لالچ میں آکر چمکیلے انسان نے طلسماتی مہرہ کالے مہنت
کے حوالے کر دیا تھا۔ پھر اس نے ماریا کی روح کو اپنی
لاش میں دفن کر دیا۔ اور اس کے بدلے میں خود ایک نئی زندگی
حاصل کر کے لاش میں سے اٹھا اور مصر پر حکومت کرنے
کے لیے شاہی محل میں آگیا۔

ماریا کی روح کے ممی کے سینے میں داخل ہونے کے
بعد اس چمکیلے انسان میں زبردست طاقت آگئی تھی۔
اس کا چہرہ سورج کی طرح چمکنے لگا تھا اور اس میں
اتنی طاقت آگئی تھی کہ وہ سنہری تلوار کو لہرا کر ہوا میں
اڑ سکتا تھا۔ اس کرامت کو دیکھ کر فرعون بھی اس
کے رعب میں آگیا۔ اگرچہ کاہن اعظم نے اسے دل سے
سورج دیوتا قبول نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ کوئی
اس سے بھی بڑا جادوگر اور شعبدہ باز ہے۔ اس نے
اوپر اوپر سے اسے سورج دیوتا مان لیا تھا اور اندر ہی اندر
وہ اس کی کسی کمزوری کی تلاش میں تھا۔ تاکہ اسے شکست
دے کر ہلاک کر دے اور خود پھر سے کاہن اعظم بن سکے۔
چمکیلا انسان سورج دیوتا بن کر مصر کے تخت پر بیٹھ گیا۔

اس کے نام کا سکہ چل پڑا۔ فرعون نے اگرچہ اس کی اطاعت
قبول کر لی تھی اس کے باوجود سورج دیوتا نے اسے قید
خانے میں ڈال دیا۔ اس کی بہن کو بھی قتل کروا دیا۔ ملک
پر ظلم کا دور شروع ہو گیا۔ سورج دیوتا فرعون بن بیٹھا تھا
اور ذرا ذرا سی بات پر لوگوں کو قتل کروا دیتا عورتوں اور
بچوں کو بھی نہ بخشتا۔ ان کی آنکھیں نکلوا کر انہیں کنوئیں میں
پھینکوا دیتا۔ سارے ملک میں لوگ اس سے ڈرنے لگے
تھے اور کسی کی جرأت نہ تھی۔ کہ اس کے خلاف ذرا
سی آواز بلند کرے۔

لیکن چمکیلے انسان میں ایک کمزوری ایسی تھی جس
پر وہ قابو نہیں پا سکا تھا اور وہ کمزوری یہ تھی،
کہ کسی وقت اس کا چہرہ اچانک چمکنا بند ہو جاتا تھا
اور وہ ایک عام انسان بن کر رہ جاتا۔ اس میں وہ تمام
کمزوریاں آجاتیں جو ایک عام انسان میں پائی جاتی ہیں۔
اس کمزوری کو چھپانے کے لیے چمکیلا انسان یہ کرتا کہ
جب اسے محسوس ہوتا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہونے لگا
ہے تو وہ محل کے ایک کمرے میں اپنے آپ
کو بند کر لیتا اور اس وقت تک باہر نہ نکلتا جب تک کہ اس
میں پھر سے سورج دیوتا کی طاقت نہ آجاتی اور اس کا

پچھرہ پچکیلا نہ ہو جاتا۔ اس کمزوری کے پیدا ہو جاتے کی
وجہ یہ تھی کہ ماریا کوئی بدروح نہیں تھی بلکہ ایک انسان
تھی۔ ایک عورت تھی جو کسی وجہ سے غائب ہو گئی تھی۔

اب ہم خلائی لڑکی کی خبر لیتے ہیں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے چوکور آنکھوں والی خلائی لڑکی
کیٹی نے اہرام مصر کے غار سے باہر ایک پرانے درخت
کی کھوہ میں پھلانگ لگا دی تھی۔ کیونکہ ممی اس کا تعاقب
کر رہی تھی اور اسے ہلاک کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔
ماریا اسی اہرام کے غار میں صندوق کے اندر ممی کی
لاش کے سینے میں قید تھی۔ اس کے پاؤں من من بھاری
ہو گئے تھے۔ کیونکہ اس پر کالے مہنت نے ممی سے
طلسماتی مہرہ حاصل کرنے کے لیے ماریا پر زبردست جادو
کر دیا تھا اور اٹھ کر چل پھر نہ سکتی تھی۔ خلائی لڑکی درخت
کے کھوہ کے اندر گہرائی میں درخت جڑوں میں
پڑی تھی اور باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ بے
چاری درخت کے اندر دور نیچے درخت کی پتلی پتلی سفید
جڑوں میں سے رسنے والا میٹھا پانی پی کر اور جڑوں کے
گودے کو کھا کر گزارہ کر رہی تھی۔ چونکہ وہ انسان کی
چھنگلی کے برابر تھی اس لیے اسے زیادہ کھانے پینے کی

ضرورت بھی نہیں تھی۔

خلائی لڑکی کیٹی کا دماغ ہر وقت وہاں سے باہر نکلنے
کی ترکیبیں سوچتا رہتا تھا۔ مگر کھوہ اس قدر گہرا اور سپاٹ
تھا کہ وہ کسی شے کا سہارا لے کر اوپر نہیں چڑھ سکتی تھی۔
یہ بالکل ایسی ہی بات تھی جیسے کوئی بہت ہی ننھی سی
چڑیا کسی زمین کے اندر گئی ہوئی پائپ کی نالی میں گر جائے۔
کیٹی کو درخت کے تنے میں گرے ہوئے جب دو ہفتے
گزر گئے تو ایک رات خلائی لڑکی کیٹی نے تازہ جڑیں کھانے
کے لیے حاصل کرنے کے واسطے اپنی چھوٹی چھوٹی انگلیوں
سے زمین کھودنی شروع کر دی۔ اس کے ہاتھ کسی سخت
شے سے ٹکرائے۔ اس نے اس شے کے اوپر سے مٹی
ہٹائی تو دیکھا۔ کہ وہ ایک کالے رنگ کا بہت ہی چھوٹا
سا گھوڑا تھا جس کے بڑے بڑے پر پھیلے ہوئے تھے۔
کیٹی نے اسے مٹی سے باہر نکال لیا۔ گھوڑا اگرچہ بہت چھوٹا تھا
مگر کیٹی کے لیے وہ پھر بھی کافی بڑا تھا۔ اور وہ اس پر بیٹھ
سکتی تھی۔ جانے کیوں اسکے دل میں بچوں ایسی خواہش پیدا
ہوئی اور گھوڑے پر بیٹھے۔ گھوڑا کالے پتھر کا بنا ہوا تھا۔
کیٹی گھوڑے کے اوپر بیٹھ گئی اور اس کے دونوں پھیلے
ہوئے پروں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے اور اسے زور سے

سے اپنی طرف کھینچا۔ جس طرح بچے کیا کرتے ہیں۔ مگر گھوڑے
کے سیاہ بت کے پروں کو اندر کی طرف کھینچتے ہی اس
میں حرکت پیدا ہو گئی اور اس نے پروں کو آہستہ آہستہ
ہلاتے ہوئے اوپر کو اٹھنا شروع کر دیا۔ خلائی لڑکی کیٹی گھبرا
کر گھوڑے کی گردن کے ساتھ چمٹ گئی۔ گھوڑا زمین سے
بلند ہو رہا تھا۔ کیٹی کو اگرچہ گھوڑے سے ڈر لگ رہا تھا۔
مگر اسے اس بات کی خوشی تھی کہ درخت کے کھوہ کے
تاریک غار سے اسے نجات مل رہی ہے۔ اڑن گھوڑا اوپر
ہی اوپر اٹھتے ہوئے درخت کے تنے کے سوراخ میں سے
باہر نکل گیا۔ کیٹی کے چہرے اور ننھے منّے سے جسم کو باہر
کی تازہ ہوا لگی۔ چودہ پندرہ دنوں کے بعد اس نے تازہ
ہوا میں سانس لیا تھا۔ آسمان پر تارے چمک رہے تھے۔ صحرا
میں خاموشی ہی خاموشی تھی۔ سامنے اہرام مصر کے غار کا
اندھیرے میں منہ کھلا ہوا تھا۔ اس غار کے اندر صندوق
میں پڑی لاش کے سینے میں ماریا قید تھی۔ مگر کیٹی کو اس کی
کچھ خبر نہیں تھی۔

اچانک اڑن گھوڑے نے اپنا رخ اہرام مصر کے غار
کی طرف پھیر لیا۔ کیٹی دوبارہ اس بھیانک غار میں نہیں
جانا چاہتی تھی۔ کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں ممی کی لاش

اندر نہ ہو۔ مگر وہ گھوڑے سے نیچے چھلانگ نہیں لگا سکتی
تھی۔ اڑن گھوڑا تیزی سے غار کے اندر داخل ہو گیا۔ اور
کیٹی کو غار کے اندھیرے نے چاروں طرف سے اپنے دامن
میں لے لیا۔

چھوٹا سا گھوڑے کا بت غار میں اڑا جاتا تھا۔ اور اس
کی گردن سے خلائی لڑکی کیٹی چمٹی ہوئی تھی اور بے حد
ڈر رہی تھی۔ گھوڑا اس صندوق کے پاس پہنچ گیا جس کے اندر
چمکیلے چہرے والے جادوگر سورج دیوتا کی لاش کا پنجر
پڑا تھا اور اس کی پسلیوں کے اندر ماریا قید تھی۔ گھوڑے
نے اس صندوق کے گرد سات چکر لگائے اور صندوق
کے قریب اتر کر کھڑا ہو گیا۔ کیٹی نے جلدی سے چھلانگ
لگا دی۔

وہ ریت کے ایک چھوٹے سے ڈھیر پر گری اور باہر
کی طرف بھاگنے لگی تھی۔ کہ کسی نے اسے آواز دی۔

"کیٹی! بھاگو نہیں"

کیٹی وہیں رک گئی۔ وہ حیران ہوئی کہ یہ اسے
کس نے آواز دی ہے۔ اور وہ سب سے زیادہ حیران اس
بات پر ہوئی کہ جس نے بھی اسے آواز دی تھی وہ اس
کی خلائی زبان میں بات کر رہا تھا۔ کیٹی خوش ہوئی کہ شاید

اس کے ستارے کا کوئی آدمی وہاں آگیا ہے۔ پھر فوراً
ہی اس کا چہرہ اتر گیا کہ وہ تو جان بچا کر بھاگی ہوئی
ہے۔ خلائی مخلوق اسے گرفتار کر لے گی۔ وہ دوبارہ بھاگنے
لگی تو وہی آواز پھر آئی۔

"رک جاؤ کیٹی! میں تمہارا دشمن نہیں۔ دوست
ہوں۔ میں جانتا ہوں تم کہاں سے آئی ہو اور کیسے
آئی ہو"

کیٹی آہستہ آہستہ صندوق کے قریب آگئی۔ وہی کالا
گھوڑا وہاں خاموشی سے کھڑا تھا۔ مگر اس کا منہ کیٹی کی
طرف تھا۔ کیٹی نے کہا۔

"تم کون ہو؟ کہاں ہو؟"
آواز آئی۔

"میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ کیا تم مجھے نہیں
دیکھ رہیں؟ میں گھوڑے کے روپ میں ہوں"
کیٹی نے گھوڑے کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا۔
"تم — کیا تم ہمارے سیارے سے تعلق رکھتے
ہو؟"
گھوڑے نے کہا۔
"نہیں۔ میں ایک اور سیارے کی مخلوق ہوں مگر

مجھے ایک جرم کی سزا کے طور پر اس درخت کی
کھوہ میں چھوٹا سا گھوڑا بنا کر پھینک دیا گیا تھا۔ اور
میری ساری طاقت چھین لی گئی تھی۔ اب اسی
صورت میں میری طاقت واپس آ سکتی تھی اور میں
اس درخت کی کھوہ کی قید سے رہا ہو سکتا تھا کہ میرے
اوپر کوئی خلائی مخلوق سوار ہو۔ ایسا ہونا ناممکن تھا۔
مگر خدا کی قدرت ہے کہ ایسا ہو گیا۔ تم وہاں آ گئیں
اور مجھ پر سوار ہوئیں اور تمہارے ساتھ مجھے بھی
اس تاریک کھوہ سے نجات ملی"
کیٹی نے کہا۔
"مگر تم اس غار میں کس لیے آئے ہو؟"
گھوڑا بولا۔
"تمہیں تمہاری پیاری سہیلی اور ہمدرد دوست ماریا
سے ملانے"
"کیا ماریا بھی یہاں ہے؟" کیٹی نے بے اختیار ہو کر پوچھا۔
"ہاں —"
"کہاں ہے میری پیاری دوست ماریا؟"
"اس صندوق میں"
کیٹی نے صندوق کو دیکھا۔ وہ بند تھا۔ گھوڑے

نے کہا۔

"اس کو ہاتھ لگاؤ۔ یہ کھل جائے گا"

کیٹی نے صندوق کو ہاتھ لگایا۔ وہ اپنے آپ کھل گیا۔ اس میں ممی کی لاش کا پرانا پنجر پڑا تھا۔ گھوڑے نے لاش کے پنجر کے قریب منہ لاکر کہا۔

"ماریا خدا کا نام لے کر باہر آجاؤ"

ماریا نیم بے ہوش تھی۔ گھوڑے کی آواز پر وہ چونک اٹھی۔ اس نے خدا کا نام لیا اور اس کے جسم میں پھر وہی طاقت واپس آگئی۔ اس کے پاؤں جو پہلے من من وزنی تھے اب بالکل ہلکے پھلکے ہو گئے۔ وہ لاش کے پنجرے نکل کر صندوق سے باہر آگئی۔ غار کے اندھیرے میں اس نے صندوق کے پاس ایک چھنگلی کے برابر چھوٹی سی سفید لباس والی لڑکی کو دیکھا تو پوچھا۔

"کون ہو تم؟"

گھوڑے نے کہا۔

"تم نے اپنی سہیلی خلائی لڑکی کو نہیں پہچانا ماریا؟"

"پیاری کیٹی تم ہو! یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تمہیں اتنا چھوٹا کس نے بنا دیا؟"

ماریا نے کیٹی کو اپنی ہتھیلی پر اٹھا لیا۔ کیٹی نے کہا۔

"جب میں تمہارے ساتھ تابوت میں لیٹنے کے بعد مصر کے اس ملک میں ظاہر ہوئی تو اس کے بعد چھوٹی ہونا شروع ہو گئی۔ تب سے میں تمہاری تلاش میں اسی حالت میں پھر رہی ہوں"

گھوڑے نے کہا۔

"اور میں اسے کھوہ میں سے نکال کر تمہارے پاس لایا ہوں"

ماریا نے گھوڑے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تم کون ہو؟ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں اس صندوق میں قید ہوں۔ اور کیا تم مجھے دیکھ رہے ہو؟"

گھوڑے نے کہا۔

"تم نے تین سوال کر دیئے ہیں۔ تمہارے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں ایک دوسرے سیارے کی مخلوق ہوں، اور کیٹی کی وجہ سے مجھے ہزاروں سال کی قید سے رہائی نصیب ہوئی ہے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ رہا ہوتے ہی مجھے میری طاقت واپس مل گئی تھی اور میں نے جان لیا تھا کہ کیٹی کون ہے؟ یہاں کیوں آئی ہے؟ اور تم کہاں ہو؟ تمہارے تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں تمہیں دیکھ

دیکھ رہا ہوں"
کیٹی نے کہا۔
"کاش میں بھی ماریا کو دیکھ سکتی"
گھوڑے نے کہا۔
"یہ کوئی مشکل بات نہیں۔ تم بھی ماریا کو دیکھ سکتی ہو"
گھوڑے نے اپنا ایک پر آگے جھکا کر کیٹی کے چہرے پر
پھیرا۔ اس کے بعد بولا۔
"اب بتاؤ۔ تمہارے سامنے کون کھڑی ہے"
کیٹی نے چھوٹی چھوٹی پتوکور آنکھیں جھپکا کر دیکھا کہ وہ
ماریا کی ہتھیلی پہ کھڑی ہے اور سامنے ایک بڑی ہی خوبصورت
سانولے رنگ اور سنہری بالوں والی لڑکی کا چہرہ ہے۔ کیٹی
مسکرا کر بولی۔
"ماریا! میں تمہیں دیکھ رہی ہوں"
"سچ" ماریا نے خوشی سے کیٹی کو چوم لیا۔
پھر وہ گھوڑے کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔
"تم ہمارے دوست ہو۔ کیا تم میری سہیلی کو پھرسے
بڑا نہیں کر سکتے؟"
گھوڑا بولا۔
"کر سکتا ہوں۔ بلکہ تمہارے کہنے سے پہلے میں

اسے بڑا کرنے ہی والا تھا"
کیٹی نے التجا کرتے ہوئے کہا۔
"خدا کے لیے مجھے بڑا کر دو پیارے دوست!
جب سے چھوٹی ہوئی ہوں میری زندگی عذاب
بن کر رہ گئی ہے"
گھوڑے نے کہا۔
"ماریا! کیٹی کو زمین پر کھڑا کر دو"
ماریا نے کیٹی کو ہتھیلی پر سے اتار کر زمین پر کھڑا کر دیا۔
گھوڑے نے اپنا دوسرا پر جھکا کر کیٹی کے جسم کو اس کی
لپیٹ میں لے لیا۔ پھر بولا۔
"ماریا! ہم دونوں کے بڑے ہونے کا وقت آگیا ہے۔
ہم دونوں ایک ساتھ بڑے ہو جائیں گے۔ تم دیکھتی
رہنا"
اور ماریا نے دیکھا کہ دونوں پلک جھپکنے میں کیٹی اور
گھوڑا دونوں پورے قد کے بڑے ہو گئے۔ ماریا نے
بڑھ کر کیٹی کو گلے لگا لیا۔ کیٹی کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانہ
نہ تھا۔ اس نے گھوڑے کی گردن میں بازو ڈال کر اسے
چوم لیا۔
"پیارے دوست! تم نے میرے اوپر بہت

بڑا احسان کیا ہے۔ میں تمہاری اس نیکی کو کبھی
فراموش نہیں کروں گی"
گھوڑے نے کہا۔
"اب تم دونوں کو ایک کام کرنا ہے"
"وہ کیا؟" ماریا اور کیٹی نے بیک وقت پوچھا۔
گھوڑے نے کہا۔
"ایک لڑکا جس کا نام امجد ہے اور جو ناگ کا دوست
ہے اور اسے لاہور میں ملا تھا اس وقت سخت
مشکل میں گرفتار ہے۔ تمہیں وہاں جا کر اسے مشکل
سے بچانا ہوگا"
ماریا نے کہا۔
"عنبر ناگ کہاں ہے؟"
گھوڑا بولا۔
"اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا میری
طاقت سے باہر ہے۔ جتنا مجھے علم تھا تمہیں بتا دیا"
ماریا نے کہا۔
"یہ لڑکا ناگ کو کہاں ملا تھا؟"
گھوڑا کہنے لگا۔
"ایک بار ناگ اپنے سفر کے دوران لاہور جا نکلا۔

یہ لڑکا امجد لاہور کے ایک ٹھیکیدار کا بیٹا ہے اور
عنبر ناگ ماریا کی کتابیں بڑے شوق سے پڑھتا
تھا۔ تمہیں معلوم ہے نا کہ لاہور میں ایک شخص تمہارے
پانچ ہزار سالہ واپسی کے سفر کی کہانی قلمبند کر رہا
ہے"
ماریا بولی۔
"ہاں! میں جانتی ہوں۔ مگر اس شخص سے کبھی ملاقات
کا موقع نہیں ملا"
"امجد نامی لڑکا عنبر ناگ ماریا یعنی تمہارا عاشق ہے
اور بڑے شوق سے تمہارے سفر کا پراسرار
دلچسپ حال پڑھتا تھا۔ اتفاق سے اس کی ملاقات
ناگ سے ہوگئی۔ اور وہ ناگ کا دوست بن گیا۔
کیونکہ ناگ نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ ناگ ہے۔ اب
ایسا ہوا کہ ناگ جاتے ہوئے امجد کو اپنا ایک مہرہ
دے گیا۔ اس کے بعد ناگ چلا گیا۔ پھر اتفاق کی بات
ہے کہ عنبر بھی کسی طرح سے لاہور پہنچ گیا اور
اس کی ملاقات امجد سے ہوگئی۔ امجد نے اسے ناگ
کا دیا ہوا مہرہ دکھایا تو عنبر ناگ سے ملنے کو بے تاب
ہوگیا۔ عنبر نے ناگ کا مہرہ لے کر درخت کے تنے

سے مارا۔ وہاں ایک دروازہ نمودار ہو گیا۔ عنبر نے
امجد کو منع کیا کہ وہ اس کے پیچھے ان کی پر اسرار
دنیا میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرے۔ مگر امجد
تم لوگوں کی پر اسرار انوکھی دنیا میں آ کر تم سے بھی
ملنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے بھی عنبر کے ساتھ ہی
چھلانگ لگا دی۔ لیکن دونوں کی چھلانگوں کے درمیان
تھوڑا سا وقفہ رہ گیا اور امجد وقت کے دریا میں چھلانگ
لگانے کے بعد عنبر سے بچھڑ گیا۔ اس وقت وہ ملک
فارس کے شہر بعلبک کے باہر شیخ ہامان نامی ظالم
یہودی کے کھیتوں اور انگور کے باغوں میں غلاموں
کی طرح کام کرتا ہے اور اس پر سخت ظلم ہو
رہے ہیں۔ یہ ظلم وہ صرف تم لوگوں سے ملنے کے
شوق کی وجہ سے سہہ رہا ہے۔ اس لیے ماریا!
تمہارا فرض بنتا ہے کہ تم اس کے پاس جاؤ اور اسے
مصیبت سے نجات دلاؤ۔"
ماریا نے کہا۔
"میں کیٹی کو لے کر آج ہی روانہ ہو جاتی ہوں۔"
گھوڑے نے کہا۔
"میں تمہیں ملک فارس کے شہر بعلبک میں پہنچائے

دیتا ہوں۔ اس کے بعد مجھے اپنے سیارے کی طرف
اڑ جانا ہو گا۔ آؤ تم دونوں میرے اوپر بیٹھ جاؤ۔"
کیٹی اور ماریا سیاہ اڑن گھوڑے پر سوار ہو گئیں
اور گھوڑا قدم قدم چلتا غار سے باہر آ گیا۔ باہر رات کا
پچھلا پہر گزر رہا تھا۔ ستارے ماند پڑ رہے تھے اور ابھی
رات کا اندھیرا باقی تھا۔ گھوڑا اہرام کے سامنے ریت پر آ کر
رک گیا۔ پھر اس نے اپنے بڑے بڑے پروں کو پھڑپھڑایا
اور زمین سے اوپر اُٹھتے ہوئے کافی بلندی پر آ کر ہوا
میں اُڑنے لگا۔ کیٹی کو گھوڑے پر سوار ہو کر اُڑنا بڑا اچھا
لگا۔ اس نے ماریا سے کہا۔
"ماریا! میں نے اُڑن طشتریوں کے اندر بند ہو کر خلاؤں
میں پرواز کی ہے مگر آسمان میں کھلے اڑنے کا آج
مزا آ رہا ہے۔"
ماریا مسکرا دی۔ ان کے نیچے مصر کا شہر بہت پیچھے رہ
گیا۔ اب وہ ایک بہت بڑے صحرا کے اوپر سے گزر رہے
تھے۔ دن نکل آیا تھا۔ صحرا کی ریت چمکنے لگی تھی۔ گھوڑا اڑتا
چلا جا رہا تھا۔ نیچے سے ایک قافلہ گزر رہا تھا۔ اونٹوں کی قطار
چلی جا رہی تھی۔ کیٹی نے گھوڑے سے پوچھا۔
"کیا یہ لوگ ہمیں ہوا میں اڑتا دیکھ رہے ہیں؟"

گھوڑے نے کہا۔

"نہیں۔ ہمیں کوئی نہیں دیکھ سکتا"

اڑن گھوڑا سارا دن اڑتا رہا۔ جب شام کے بعد رات کا اندھیرا ایک بار پھر پھیل گیا تو دور نیچے ایک جگہ کچھ روشنیاں دکھائی دیں۔ اڑن گھوڑے نے کہا۔

"یہی وہ شہر بعلبک ہے جہاں عنبر ناگ ماریا کا دوست امجد مشکل کے دن رات گزار رہا ہے اور ظلم سہہ رہا ہے"

ماریا نے کہا۔

"میں اس کی مدد کرنے کو بے تاب ہوں۔ وہ ہمارا دوست ہے"

گھوڑے نے کہا۔

"اب تم اس کے پاس پہنچنے ہی والی ہو"

اور گھوڑا ایک دم سے نیچے اترنے لگا۔ نیچے ہوتے ہوتے وہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں آکر رک گیا۔ کیٹی اور ماریا اس پر سے نیچے اتر آئیں۔ گھوڑے نے کہا۔

"اس ٹیلے سے کچھ دور مغرب میں ظالم یہودی ہامان کے باغ میں جہاں امجد قید میں پڑا ہے۔ جاکر اس کی مدد کرو"

کیٹی نے گھوڑے سے کہا۔

"اب تم اپنے سیارے پر چلے جاؤ گے؟"

"ہاں کیٹی۔ مگر جانے سے پہلے تمہیں اپنی طرف سے ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں"

"کون سا تحفہ میرے دوست؟" کیٹی نے پوچھا۔

گھوڑے نے کہا۔

"میرے سامنے آجاؤ"

کیٹی اس کے بالکل سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ گھوڑے نے اپنے دونوں پروں کو آگے کی طرف کیا اور کیٹی کے جسم پر دونوں پروں کو ملنا شروع کر دیا۔ پھر بولا۔

"جاؤ اب تم میں اتنی طاقت پیدا ہو گئی ہے کہ تم پر نہ تلوار اثر کرے گی نہ آگ کا کچھ اثر ہوگا نہ تم پانی میں ڈوب سکو گی۔ اور تم میں ایک انوکھی طاقت یہ بھی آگئی ہے کہ تم جس چیز کی شکل اختیار کرنا چاہو گی ویسے بن جایا کرو گی۔ خدا حافظ!"

اتنا کہہ کر گھوڑا پروں کو پھڑپھڑاتا اڑا اور دیکھتے دیکھتے آسمان میں جاکر غائب ہو گیا۔ ماریا نے کیٹی کی طرف دیکھا اور کہا۔

"کیٹی تمہارے اندر ایک نئی طاقت آگئی ہے۔ اس

سے تمہیں بڑا فائدہ ہوگا۔ آؤ اب امجد کو قید سے رہائی دلائیں۔"

اور کیٹی اور ماریا ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر مغرب کی طرف چل پڑیں جہاں دور یہودی ہامان کے باغ تھے اور ایک جگہ دیئے کی روشنی ٹمٹما رہی تھی

نیلی قبر کا خفیہ راستہ

اے حمید

۹۵

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی

کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

نیلی قبر کا خفیہ راستہ

اے حمید

قیمت ۵۰/۷ روپے

بار اول ـــــ ۱۹۸۳ء
ناشر: نیا مکتبہ اقرا، ۱۴ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

پیارے دوستو!

ماریا اور چوکور آنکھوں والی علائی لڑکی کیٹی امجد کی تلاش میں ظالم ہامان کے انگور کے باغوں میں آتی ہیں۔ یہاں امجد نہیں ملتا مگر تہہ خانے میں ایک حبشی لڑکی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ملتی ہے۔ اس سے ماریا اور کیٹی کو امجد کا سراغ ملتا ہے۔ وہ ہامان کی حویلی کی طرف جاتی ہیں۔ آدھی رات ہو چکی ہے۔ شہر کی گلیاں تاریک اور سنسان ہیں۔ ایک بت خانے کے قریب سے گزرتے ہوئے انہیں کسی ماں کے رونے کی آواز آتی ہے جو اپنے بیٹے کی زندگی کے لیے بت خانے کے مہنت سے فریاد کر رہی ہے۔ ماریا اور کیٹی بت خانے میں جانے لگتی ہیں کہ پجاری بوڑھی ماں کو دھکے دے کر بت خانے سے باہر نکال دیتے ہیں۔ مہنت کہتا ہے اگر تمہارا بیٹا چوکور آنکھوں والی مخلوق نہ لایا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ ماریا کیٹی کی طرف دیکھتی ہے جس کی آنکھیں چوکور ہیں۔ کیوں نہ کیٹی خود کو بت خانے کے مہنت کے سامنے پیش کر دے تاکہ بوڑھی عورت کا بیٹا واپس مل جائے۔ کیٹی یہ فیصلہ کر کے بت خانے کی طرف بڑھتی ہے۔ پھر کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ خود پڑھ لیں گے۔

آپ کا دوست

اے حمید

شیطان کے پجاری

ماریا اور خلائی لڑکی کیٹی کچھ دیر ٹیلے کے پاس کھڑی رہیں۔

رات بڑی تاریک تھی۔ آسمان پر چاند کہیں دکھائی نہ دیتا تھا۔ ستارے بہت دور ٹمٹما رہے تھے کچھ فاصلے پر ذرا اونچائی پر شہر بعلبک کے کالے کالے بڑے بڑے دھبے نظر آ رہے تھے جہاں شہر کے دروازوں پر مشعلیں جل رہی تھیں۔ کھیتوں میں ایک جگہ چراغ ٹمٹماتا نظر آ رہا تھا۔ خلائی مخلوق یعنی سفید پروں والے سیاہ گھوڑے نے ماریا کو بتایا تھا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں لاہور کے گارڈن ٹاؤن کا دسویں جماعت کا طالب علم امجد ظالم یہودی ہامان کی قید میں پڑا غلاموں کی طرح اس کے کھیتوں اور انگور کے باغ میں کام کرتا اور ظلم و ستم سہہ رہا ہے۔ جیسا کہ آپ نے پچھلی قسط میں پڑھا ہو گا۔ یہ لڑکا امجد عنبر کے ساتھ لاہور سے ان کی پر اسرار دنیا میں چلا آیا تھا۔ عنبر کسی اور جگہ نکل گیا تھا اور امجد ڈھائی ہزار برس پہلے بادشاہ سائرس کے ملک ایران کے شہر بعلبک میں نکل آیا۔ جہاں اسے غلام بنا کر فروخت کر دیا گیا اور اپنے

یہودی مالک شیخ ہامان کی قید میں پڑا تھا۔ ماریا کو جب اس کا علم ہوا کہ لاہور کا ایک لڑکا عنبر ناگ ماریا سے ملنے کے شوق میں ان کی پر اسرار اور خطرناک دنیا میں نکل آیا ہے اور اس وقت سخت مشکل میں ہے تو وہ اس کی مدد کے لیے یہاں پہنچ گئی۔

ماریا کے ساتھ خلائی لڑکی اور اس کی پیاری سہیلی کیٹی بھی تھی جو خدا خدا کر کے اب بڑی ہو چکی تھی۔ کیونکہ اب تک وہ کسی سحر کے زور سے چھنگی کے برابر رہ کر بڑی مشکل سے زندگی بسر کر رہی تھی مگر خلائی گھوڑے نے اس کی بھی مدد کی تھی اور اس کا قد پھر سے بڑا ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ خلائی گھوڑے نے اس کے اندر بے پناہ طاقت بھی ڈال دی تھی۔ یعنی اب خلائی لڑکی کیٹی پر بھی عنبر کی طرح نہ تو تلوار کا اثر ہو سکتا تھا اور نہ آگ اثر کر سکتی تھی۔ اور اب وہ ماریا کو دیکھ بھی سکتی تھی۔ ماریا اور کیٹی رات کے اندھیرے میں اس طرف چل پڑیں جدھر انہیں دور سے ایک دیا ٹمٹماتا نظر آ رہا تھا۔

یہ دیا انگور کے باغ میں ایک جھونپڑے کے باہر روشن تھا۔ اندھیرے میں کیٹی کو دیکھ کر ایک کتا زور سے بھونکنے لگا۔ کتے کی آواز پر جھونپڑے میں سے ایک

لمبا تڑنگا حبشی ڈنڈا اٹھائے باہر نکلا۔ اس کی نظر کیٹی پر پڑی تو قریب آ کر گھور کر دیکھا اور بولا۔

"کون ہو تم؟"

ماریا بھی کیٹی کے پاس ہی کھڑی تھی مگر وہ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کیٹی نے کہا۔

"مسافر عورت ہوں دور سے سفر کرتی آ رہی ہوں یہاں سے گزرنے لگی تھی کہ کتا بھونکنے لگا"

حبشی نے کیٹی کے سفید چست لباس کو اوپر سے نیچے تک دیکھا اور مکاری سے مسکرایا۔

"جان من! اب تمہیں یہیں رہنا ہوگا"

اور کیٹی کو بازو سے پکڑ کر اپنے جھونپڑے کی طرف کھینچنے لگا۔ کیٹی نے بڑبڑا کر ماریا کو آواز دی۔ حبشی بولا۔

"یہاں کون ماریا رہتی ہے تمہاری جس کو آواز دے رہی ہو"

اور قہقہہ لگا کر اس نے کیٹی کو کاندھے پر اٹھا لیا۔ کیٹی تڑپ کر نیچے آنے کی کوشش کرنے لگی مگر حبشی بہت طاقتور تھا۔ اگرچہ کیٹی کے اندر اتنی طاقت آ گئی تھی کہ نہ تو اس پر تلوار کا اثر ہوتا تھا اور نہ آگ اثر کرتی تھی اور نہ پانی میں ڈوب سکتی تھی لیکن اوپر سے وہ بالکل عورت

تھی اور عورت کی طرح ہی کمزور بھی تھی۔ یہی وجہ ہے
کہ اس نے مدد کے لیے ماریا کو پکارا۔ ماریا نے وہیں سے
حبشی کو للکارا۔

"چھوڑ دے بدبخت اس لڑکی کو"

"کون ہے تُو؟ کہاں ہے؟"

حبشی سمجھا کہ کوئی اس کی نوکرانی پیچھے ہو گی جس کو یہ
مدد کے لیے آواز دے رہی ہے۔ وہ کیٹی کو گھسیٹنے لگا۔
کیونکہ کیٹی اس کے کاندھے پر سے اتر آئی تھی۔ ماریا نے
حبشی کی گردن پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"چھوڑتا ہے کہ نہیں؟"

حبشی نے دیکھا کہ لڑکی کے دونوں ہاتھ اس کی گرفت میں تھے
پھر یہ تیسرا ہاتھ کس نے اس کے کاندھے پر رکھ دیا تھا۔
وہ ڈر سا گیا۔ مگر ظالم آدمی تھا اور اجڈ بھی تھا۔ اس نے
کوئی پروا نہ کی اور کیٹی کو پھر سے اٹھا کر کاندھے پر
رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ماریا نے ایک زور دار طمانچہ
اس کے گال مارا۔ کڑاکے کی آواز آئی اور حبشی کا منہ گھوم
گیا۔ غصے سے آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ ڈنڈا اٹھا کر کیٹی کے
سر پر مارا۔ کیٹی اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلی تھی۔ وہ اپنی طاقت
آزمانا چاہتی تھی۔ ڈنڈا اس کے سر پر اس قدر زور سے

لگا کہ کوئی عام عورت ہوتی تو اس کا بھیجہ پاش پاش ہو چکا
ہوتا مگر اس کی بجائے ڈنڈا دو ٹکڑے ہو گیا اور کیٹی کو ذرا
سی خراش تک بھی نہ آئی۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور بولی۔

"اب تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں کوئی عام
عورت نہیں ہوں۔ اور میں اکیلی بھی نہیں ہوں"

حبشی حیران پریشان کھڑا اندھیرے میں اسے تک رہا
تھا۔ ماریا نے اس کی گردن پر ایک زور دار ہاتھ مارا۔
اس کی گردن ایک دم سے ٹیڑھی ہو گئی اور وہ جھپ
کھا کر ایسا گرا کہ پھر نہ اٹھ سکا۔ ماریا نے کہا۔

"میں اسے ایک عورت کو ہلاک کرنے کی کوشش
کی سزا دینی چاہتی تھی۔ چلو اس کے جھونپڑے کی
تلاشی لیتے ہیں۔"

"وہ کس لیے؟"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تمہارا عورت بن کر اکیلی پھرنا
مناسب نہیں۔ اندر چل کر مردانہ جوڑا تلاش کر کے
پہن لو۔ تاکہ تم آدمی نظر آؤ۔ دوسرے یہ دیکھتے ہی
کہ احمد یہاں قید تو نہیں ہے"

دونوں سہیلیاں جھونپڑے میں گھس گئیں۔ اندر سوائے
لکڑی کے ایک صندوق اور زمین پر بچھے ہوئے بوریئے کے

اور کچھ نہیں تھا۔ صندوق میں سے انہیں وہاں کے رواج کے
مطابق ایک جوڑا مردانہ لباس کا مل گیا۔ اس زمانے کے
لمبا کرتا اور گھیر دار تہمد اور سر پر باندھنے والا پٹکا۔ امجد
وہاں کہیں نہیں تھا۔ کیٹی نے وہیں کھڑے کھڑے اپنا خلائی لباس اتار کر
مردانہ لباس پہن لیا۔ اور خلائی سوٹ باہر جھاڑیوں میں پھینک
دیا۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" کیٹی نے پوچھا۔

"شہر چلتے ہیں یہودی ہامان کے محل میں امجد کو
تلاش کرتا ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ اس کے محل
میں غلام بن کر زندگی بسر کر رہا ہو"

وہ شہر کی طرف روانہ ہو گئیں۔ کیٹی نے مسکرا کر ماریا
سے کہا۔

"مجھے اب بھی یقین نہیں آ رہا کہ اتنی دور سے میرے
سر پر ڈنڈا پڑا ہو اور مجھے کچھ نہ ہوا ہو بلکہ الٹا
ڈنڈا ٹوٹ گیا ہو۔"

"مجھے بھی یقین نہیں آ رہا مگر خلائی مخلوق ہونے کی
وجہ سے تمہیں یہ طاقت مل چکی ہے۔ اچھی بات
ہے۔ تم نے تکلیفیں بھی بہت اٹھائیں ہیں۔"

یونہی باتیں کرتیں وہ شہر کے دروازے کے پاس پہنچ

گئیں۔ راتوں کو اس زمانے میں شہر کے دروازے بند
کر دیئے جاتے تھے اور جو کوئی مسافر اندر جانا چاہتا
اس کی بہت جانچ پڑتال کی جاتی تھی۔ دروازے کے باہر
پہرے دار پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا اور کیٹی اس کے
قریب پہنچیں تو پہرے دار نے کڑک کر پوچھا۔

"کون ہو تم جوان کہاں سے آ رہے ہو؟"

کیٹی چونکہ مردانہ لباس میں تھی اس لیے پہرے دار
نے اسے مرد سمجھا تھا۔ کیٹی کی آواز ویسے بھی ذرا بھاری
بھاری تھی چنانچہ لباس پہن کر وہ بالکل مرد لگتی تھی اور بولنے
میں بھی کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا تھا۔ کیٹی نے کہا۔

"مسافر ہوں۔ صبح سفر پہ چلا تھا اس وقت پہنچا ہوں
شہر میں داخل ہونا چاہتا ہوں"

"اس شہر میں تمہارا کون ہے؟"

"میرا — میرا ماموں رہتا ہے۔ ہیروں کا سوداگر ہے"

پہرے دار ہنسا۔

"تمہارا ماموں ہیروں کا سودا ہے اور تم گھوڑے کے
بغیر سفر کر رہے ہو۔ سنا تم نے بھئی؟"

پہرے دار نے اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کر کے کہا
جس کے ہاتھ میں تلوار تھی اور جو قریب ہی کھڑا تھا۔ اس

نے کیٹی کو غور سے قریب آکر دیکھا اور بولا۔
"یہ تو مجھے کوئی چور لگتا ہے۔ دیکھو تو اس کی آنکھیں چوکور ہیں"
پہرے دار نے بھی اب غور سے کیٹی کی چوکور آنکھوں کو دیکھا اور حیران سا ہو کر کہنے لگا۔
"میاں تمہاری آنکھیں چوکور کیوں ہیں؟ کیا تم کوئی جن بھوت ہو؟ انسانوں کی آنکھیں کبھی چوکور نہیں ہوتیں"
کیٹی نے کہا۔
"میں بیمار ہو گیا تھا جس کے بعد میری آنکھیں ایسی ہو گئیں"
وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔
"ارے جاؤ جاؤ صبح آنا۔ رات کو میں تم ایسے خطرناک آنکھوں والے کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا"
کیٹی چونکہ ماریا کو اپنے قریب ہی کھڑی دیکھ رہی تھی اور اس کے لیے وہ غائب نہیں تھی۔ اس لیے قدرتی طور پر اس کے منہ سے نکل گیا۔
"اب کیا کریں ماریا؟"
پہرے دار تو ماریا کو بالکل نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس

نے جو کیٹی کو کسی ایسی عورت کو مخاطب کرتے دیکھا جو انہیں نظر نہیں آ رہی تھی تو ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا۔ پھر کیٹی کے شانے کو پکڑ جھنجھوڑ کر بولا۔
"کیوں بے یہ کس کو آواز دے رہا ہے؟"
کیٹی کو اب اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ماریا بھی دل میں ہنس رہی تھی۔ کہ ابھی کچھ دیر یہ اس قسم کی غلطیاں کرے گی۔ پھر آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گی۔ ماریا نے اشارے سے کیٹی کو کہا کہ اب آپ ہی جواب دو۔ ماریا کے لیے بھی کسی ساتھ اشاروں میں بات کرنے کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ چونکہ اسے کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا تھا اس لیے کسی کو اس کے اشارہ کرنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں تھا۔ کیٹی نے ماریا کا اشارہ دیکھ کر کہا۔
"بھائی۔ غلطی ہو گئی۔ معاف کر دو"
پہرے دار نے کیٹی کو پیچھے دھکا دے کر کہا۔
"چل بھاگ یہاں سے۔ صبح آنا"
کیٹی نے اگرچہ مردوں کے کپڑے پہن رکھے تھے مگر اندر سے وہ عورت تھی۔ وہ پہرے دار کا دھکا کھا کر زمین پر گر پڑی۔ اسے بڑا غصہ آیا کہ اس بدتمیز کو بات کرنے کا ہی سلیقہ نہیں۔ اب اس کو نئی طاقت مل گئی تھی جس کی وجہ

نے وہ بڑی دلیر ہو گئی تھی۔ اس نے اٹھتے ہی اس پہریدار کو جس نے اسے دھکا دیا تھا زور سے تھپڑ دے مارا۔ پہرے دار تو بوکھلا گیا کہ یہ کیا ہو گیا۔ اس نوجوان کی اتنی ہمت۔ ماریا کو معلوم تھا اب یہاں تلوار چلے گی۔ وہی ہوا۔ دونوں پہرے دار تلواریں لے کر کیٹی کی طرف لپکے اور اس پر اس طرح تلواریں برسانے لگے جیسے ان کا قیمہ کر رہے ہوں۔ ایک بار تو ماریا کو بھی فکر لگی کہ کہیں کیٹی مر ہی نہ جائے۔ اس نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ تلواریں اس کے اوپر برس رہی تھیں اور وہ بڑے آرام سے زمین پر بیٹھی تھی۔ اس پر تلوار کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

کیٹی نے اٹھ کر اپنی بڑی بڑی چوکور آنکھوں سے پہرے داروں کو گھور کر دیکھا اور منہ سے چڑیلوں ایسی آواز نکالی۔ پہرے دار پہلے بھی ڈرے ہوئے تھے کہ یہ کون سی مخلوق ہے کہ جس پر تلوار کے واروں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اب جو کیٹی نے منہ سے بھیانک آواز نکالی تو سمجھ گئے کہ ان کا کسی جن بھوت سے پالا پڑا ہے۔ بس پھر کیا تھا تلواریں وہیں پھینک کر ایسا بھاگے کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

ماریا نے شہر کے دروازے کی تاکی کھولی اور وہ دونوں شہر میں داخل ہو گئیں۔ شہر کی ڈیوڑھی میں چراغ روشن

تھے اور لوگ سو رہے تھے۔ ڈیوڑھی میں سے گزر کر وہ شہر کی اس سڑک پر آ گئیں جو شہر کے بازاروں، گلیوں اور باغوں کی طرف جاتی تھی۔ ماریا نے کیٹی سے کہا۔

"یہ جو تمہاری چوکور آنکھیں ہیں اس کا بھی کچھ انتظام کرنا پڑے گا۔"

"کیا ہو سکتا ہے انتظام ماریا۔ یہ اب گول نہیں ہو سکتیں۔"

"گول تو نہیں ہو سکتیں۔ ابھی عینکیں ایجاد نہیں ہوئیں ورنہ تو کالا چشمہ پہن لیتیں۔"

کیٹی نے کہا۔

"میں صبح اپنی آنکھوں کے کونوں پر پکی سیاہی اس طرح لگا لوں گی کہ آنکھیں چوکور نظر آنے کی جگہ گول اور لمبوتری معلوم ہوں۔"

"اگر ایسا ہو جائے تو ہم بڑی بک بک سے بچ جائیں گے۔ کیونکہ جو کوئی بھی تمہاری چوکور آنکھوں کو دیکھے گا تمہارے پیچھے لگ جائے گا اور عجیب پریشانی ہو گی۔"

"میں اس کا صبح بندوبست کر لوں گی۔" کیٹی نے کہا۔

یونہی چلتے چلتے ایک دوسرے سے بات چیت کرتے دونوں سہیلیاں اور دوست شہر کی گنجان گلیوں میں پہنچ گئیں۔

گلیاں سنسان پڑی تھیں۔ کسی بھی مکان میں روشنی نہیں ہو رہی تھی۔ ان گلیوں میں پھرتے پھراتے وہ ایک کالے تکونے مینار والے بت خانے کے قریب سے گزریں تو انہیں اندر سے کسی عورت کی آواز آئی۔ وہ کھڑی ہوگئیں۔ کیونکہ اس آواز میں بڑا درد اور آنسو بھرے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے کوئی عورت کسی کے آگے ہاتھ پھیلا کر رحم کی بھیک مانگ رہی۔ ماریا نے کہا۔

"بت خانے کے اندر جاکر معلوم کرنا چاہیئے کہ اس بے چاری عورت پر کیا آفت آن پڑی ہے"۔

بت خانے کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ اس بت خانے میں بتوں کی پوجا ہوتی تھی اور کالا جادو بھی کیا جاتا تھا۔ ڈیوڑھی میں دونوں طرف مگرمچھوں کے بت بنے ہوئے تھے۔ آگے ایک اور دروازہ تھا۔ یہاں ہر طرف سے چراغ کی روشنی آرہی تھی۔ ماریا اور کیٹی نے دروازے کے ساتھ لگ کر اندر دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت بت خانے کے موٹے مہنت کے سامنے زمین پر بار بار سجدہ کر رہی ہے اور کہہ رہی ہے۔

"دیوتاؤں کے لیے میرے اکلوتے بیٹے کو چھوڑ دو۔ وہ میری آنکھوں کا نور ہے۔ میری زندگی کا

وہی سہارا ہے۔"

موٹا مہنت غرور سے گردن اکڑائے چوکی پر بیٹھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں چار پجاری کلہاڑیاں کاندھوں پر رکھے کھڑے تھے کہ ذرا اشارہ ملے اور وہ بوڑھی عورت کے ٹکڑے اڑا کر رکھ دیں۔ مہنت نے بوڑھی عورت کے سر پر پاؤں سے ٹھوکر مار کر کہا۔

"سوائے میرے کوئی نہیں جانتا کہ تمہارا بیٹا کس جگہ پر اور وہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں قید ہے وہ سفاک قاتل ہیں۔ جب تک تم اپنے بیٹے کی مدد سے ایک مخلوق نہ لا کر دو گی جس کی آنکھیں چوکور ہوں، تمہارے بیٹے کو وہ لوگ رہا نہیں کریں گے۔ کیونکہ تمہارا بیٹا جن بھوتوں کا عمل کرتا ہے اور وہ چوکور آنکھوں والی کسی مخلوق کو بلا سکتا ہے"

بوڑھی عورت نے روتے ہوئے کہا۔

"اگر وہ بلا سکتا تو ضرور بلا لیتا۔ وہ مجبور ہے۔ یہ اس کے اختیار میں نہیں ہے"

مہنت نے پاؤں زمین پر مار کر کہا۔

"تو پھر دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ میں ان لوگوں سے تمہارے بیٹے کو صرف اسی وقت واپس دلا سکتا

ہوں جب تم مجھے کوئی ایسی مخلوق لا دو جس کی آنکھیں چوکور ہوں۔"

مہنت نے اپنے نوکروں سے کہا۔

"اس عورت کو مندر سے باہر نکال دو۔"

کیٹی نے ماریا سے کہا۔

"کیا خیال ہے ماریا؟ یہ تو میری تلاش میں ہے۔ میں اس عورت کے بیٹے کو ظالموں سے نجات دلا سکتی ہوں"

ماریا بولی۔

"ایسا ہی کریں گے مگر ذرا سلیقے سے اور طریقے سے۔ اس عورت کو گھر جا لینے دو"

مہنت کے ملازم پجاریوں نے بوڑھی عورت کو مندر سے باہر نکال دیا۔ وہ روتی ہوئی رات کے اندھیرے میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ ماریا اور کیٹی اس کے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں۔ جب وہ ایک گلی میں گھوم کر اپنے پرانے مکان میں داخل ہو گئی تو کیٹی نے دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد اسی بوڑھی عورت نے آ کر دروازہ کھولا۔ اس کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ کیٹی نے اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اماں۔ میری آنکھوں کو دیکھ رہی ہو؟"
"ہاں بیٹا!"
"یہ چوکور ہیں نا؟"
"ہاں ہاں ـــ" بوڑھی عورت نے خوش ہو کر کہا۔
"مجھے تمہارے بیٹے نے بھیجا ہے۔ چلو مجھے مہنت کے پاس مندر میں لے چلو۔ تاکہ وہ تمہارے بیٹے کو رہا کر دے۔"
بوڑھی عورت خوشی سے نہال ہو گئی۔ ماریا بھی مسکرا رہی تھی۔ کیٹی بھی خوش تھی۔ اسی وقت بوڑھی عورت مندر میں دوبارہ پہنچی اور اس نے مہنت کے آگے کیٹی کو پیش کر کے کہا۔
"یہ لو۔ میرے بیٹے نے تمہاری شرط پوری کر دی۔ اس نے چوکور آنکھوں والی مخلوق بھیج دی ہے"
مہنت نے کیٹی کی آنکھوں کو چراغوں کی روشنی میں خوب گھور گھور کر دیکھا۔ وہ سچ مچ چوکور تھیں اور نیلی بھی تھیں۔ وہ حیران رہ گیا۔ اس کو ایسی ہی مخلوق کی ضرورت تھی۔
بڑھیا نے کہا۔
"اب میرے بیٹے کو آزاد کرا دو"
مہنت نے کیٹی سے کہا۔

"تم اب یہاں سے نہیں جا سکو گے"
اس نے اپنے پجاریوں سے کہا۔
"اسے کوٹھڑی میں ڈال کر بند کر دو اور باہر سخت پہرہ لگا دو۔"
کیٹی بوڑھی عورت کے بیٹے کو آزاد دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر وہ مندر میں نہیں تھا۔
پجاری نے کہا۔
"مجھے اپنا آدمی خط دے کر ان سفاک قاتلوں کے پاس بھیجنا ہوگا جن کے پاس تمہارا بیٹا قید ہے۔ میرا خط ملتے ہی وہ اسے آزاد کر دیں گے"
کیٹی نے کہا۔
"کوئی دھوکہ نہیں ہونا چاہیے"
"کوئی دھوکہ نہیں ہو گا"
اور مہنت نے ایک خط لکھ کر اس پر اپنی مہر لگا کر پجاری کو دیا اور کہا۔
"یہ خط جا کر پہاڑ والوں کو دے دو اور اس عورت کے بیٹے کو ساتھ لا کر اس کے گھر پہنچا دو"
کیٹی نے ماریا کو اشارہ کیا کہ وہ اس کے ساتھ جائے۔
جونہی پجاری خط لے کر باہر نکلا ماریا بھی اس کے پیچھے چل

دی۔ کیٹی نے عورت کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اماں! تم اب گھر جاؤ۔ تمہارا بیٹا خیریت سے واپس آجائے گا"

بوڑھی عورت کیٹی کو دعائیں دیتی واپس ہوئی۔ دوسرے پجاریوں نے اسی وقت کیٹی کو پکڑ کر قابو کر لیا اور کوٹھڑی کی طرف لے کر چلے۔ کیٹی نے کہا۔

"مجھے جکڑنے کی کوشش نہ کرو۔ میں فرار نہیں ہوں گا"

کیٹی کم از کم اس وقت تک ضرور اس مندر میں رہنا چاہتی تھی جب تک کہ بوڑھی عورت کا بیٹا اپنے گھر واپس نہیں آجاتا۔ اس کے بعد کیٹی نے سوچ لیا تھا کہ وہ اس عورت کو کہے گی کہ اپنے بیٹے کو لے کر کسی دوسرے ملک چلی جائے کیونکہ جب کیٹی مندر سے فرار ہوجائے گی تو وہ مہنت اس بوڑھی عورت کے بیٹے کو پھر اغوا کرلے گا کہ چوکور آنکھوں والی مخلوق بھاگ گئی ہے اسے دوبارہ پیدا کر کے لاؤ۔

کیٹی کو وہ سب پجاری اور مہنت لڑکا ہی سمجھ رہے تھے۔ کیونکہ ایک تو اس کی آواز بھاری تھی۔ دوسرے اس نے مردوں کا لباس پہن رکھا تھا۔ کیٹی کو مندر

کے تہہ خانے میں ایک پتھر کی کال کوٹھری میں بند کر کے لوہے کے دروازے پر تالا لگا دیا گیا۔

ادھر ماریا مہنت کا خط لے جانے والے پجاری کے ساتھ ساتھ تھی۔ پجاری گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کے دروازے کی طرف بڑھا۔ ماریا اس کے ساتھ ہی اس گھوڑے پر بیٹھی تھی مگر اسے کوئی خبر نہیں تھی۔ شہر کے دروازے پر جا کر پجاری نے اپنا نام بتایا۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ شہر سے باہر نکلتے ہی پجاری نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور وہ ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ ماریا بھی ساتھ ہی ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ شہر سے باہر نکل آئے۔ جب پجاری کا گھوڑا پہاڑ کے دامن میں پہنچا تو اس وقت صبح ہو رہی تھی۔ گھوڑا ایک جگہ باندھ کر وہ پہاڑ میں بنی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اوپر جا کر پہاڑ کے اندر ایک کھوہ تھا جس کے باہر کالے کپڑوں والے دو آدمی پہرہ دے رہے تھے۔ ان کے چہرے سیاہ نقابوں میں چھپے ہوئے تھے۔ پجاری نے مہنت کا خط دکھایا۔ اسے فوراً اندر جانے کی اجازت مل گئی۔

ماریا بھی اس کے ساتھ ہی اندر چلی گئی۔ ایک غار تھا جو پہاڑ کے اندر ہی اندر ادھر ادھر سے گھومتا ہوا ایک

ہال کمرے میں نکل آیا تھا جہاں چبوتروں پر دو سینگوں
والے شیطان کے بت جگہ جگہ لگے تھے۔ ایک نقاب
پوش آدمی پتھر کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے جو کالا نقاب
پہن رکھا تھا اس کے دو سینگ نکلے ہوئے تھے۔
پجاری کا خط پڑھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل
گئی۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ فوراً دو آدمی ایک
غار میں گھس گئے۔ واپس آئے تو ان کے ساتھ بوڑھی
عورت کا بیٹا بھی تھا جو خوف سے زرد ہو رہا تھا۔ سینگوں
والے نقاب پوش نے کہا۔

"تم خوش قسمت ہو۔ تمہیں چوکور آنکھوں والی
مخلوق تمہاری ماں نے پہنچا دی ہے۔ اب تم
آزاد ہو۔"

لڑکے کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور وہ پجاری
کے ساتھ شیطان کی اس غار سے باہر نکل گیا۔ اسے
ایک گھوڑا دے دیا گیا اور وہ دونوں واپس شہر کی
طرف روانہ ہو گئے۔ ماریا بھی ان کے ساتھ ہی واپس روانہ
ہو گئی۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ کہیں کوئی دھوکہ تو نہیں ہوتا
اور لڑکا اپنی ماں کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے۔ ماریا سے
یہ غلطی ہو گئی تھی۔ اسے وہیں شیطان کے غار میں رک جانا

چاہیئے تھا۔ مگر اسے کیا خبر تھی کہ بعد میں کیا ہو جائے
گا۔

ماریا کے جانے کے بعد ایسا ہوا کہ سینگوں والے
نقاب پوش نے جو اس شیطان کے مندر کا بڑا پجاری
تھا اور کالے جادو کا بڑا ماہر تھا فوراً ایک اور آدمی مہنت
کی طرف روانہ کر دیا کہ چوکور آنکھوں والی مخلوق کو ساتھ
لے کر فوراً کالی چٹانوں والے غار میں پہنچ جائے۔ کالی
چٹانوں والی غار جس میں شیطان کے ان پجاریوں کا بڑا
مندر تھا وہاں سے بیس کوس کے فاصلے پر خشک پہاڑیوں
کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ یہاں ہر طرف چھوٹی چھوٹی کالی
چٹانیں ہی چٹانیں تھیں اور ان کے اندر شیطان کے
مندر کو ایک خفیہ راستہ جاتا تھا جس کا سوائے شیطان
کے مندر کے پجاریوں کے اور کسی کو علم نہیں تھا۔ سینگوں
والا نقاب پوش اپنے آدمی کے روانہ کرنے کے فوراً بعد
وہاں سے اپنے سارے شیطان پجاریوں کو ساتھ لے کر
گھوڑوں پر سوار ہو کر کالی چٹانوں والے بڑے مندر کی
طرف روانہ ہو گیا۔ ادھر ماریا بوڑھی عورت کے اکلوتے
بیٹے کے ساتھ اس کے گھر پہنچی اور دوسری طرف شیطان
کے بڑے پجاری کا آدمی مہنت کے پاس پہنچ گیا اور

اس کا پیغام سنایا۔ مہنت نے فوراً حکم دیا کہ چوکور آنکھوں
والی مخلوق کو بے ہوش کر کے کالی چٹانوں والے شیطانی
مندر کی طرف روانہ کر دیا جائے۔

کیٹی کال کوٹھڑی میں ماریا کے انتظار میں بیٹھی تھی
کہ وہ آ کر خوش خبری سنائے کہ بڑھیا کا اکلوتا بیٹا خیریت
سے اس کے پاس پہنچ گیا ہے اور وہ وہاں سے نکل
آئے۔ کہ اچانک کوٹھڑی میں دھواں ہی دھواں پھیل گیا۔
یوں لگا جیسے کسی نے دروازے کے سوراخ میں سے
کوئی سلگتی ہوئی شے اندر پھینکی ہے۔ کیٹی اس شے کو
دیکھنے کے لیے اٹھی ہی تھی کہ دھوئیں کی وجہ سے چکرا کر
گر پڑی۔

دروازہ کھلا اور مہنت کے آدمی ناک پر گیلے رومال
باندھے اندر داخل ہوئے۔ کیٹی کو اٹھا کر ایک بوری میں بند
کیا اور گھوڑے پر لدوا کر کالی چٹانوں والی وادی کی طرف
روانہ کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ مہنت بھی اپنے پجاریوں
کو ساتھ لے کر مندر سے رفوچکر ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ
یہاں صرف ان شیطان کے چیلوں کا حکم بجا لانے کے لیے
ٹھہرا ہوا تھا۔

ماریا نے جب بوڑھی عورت کو اپنے بیٹے کو گلے لگاتے

دیکھا تو بے حد خوش ہوئی اور خوشی خوشی کیٹی کی طرف
مندر کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ مندر کی
کال کوٹھڑی میں بند ہو گی اور یہ وہاں جائے گی تو وہ
بڑی آسانی سے وہاں سے آزاد ہو جائے گی اور پھر دونوں
شہر میں یہودی ہامان کی حویلی کی تلاش شروع کر دیں
گے جہاں عنبر ناگ ماریا کا دوست امجد قید کی زندگی بسر
کر رہا تھا۔ مگر جب وہ مندر میں پہنچی تو یہ دیکھ کر اس
کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ مندر خالی اور ویران
پڑا تھا۔ ماریا تلاش کرتی کرتی تہہ خانے کی کال کوٹھڑی
میں بھی پہنچ گئی۔

کال کوٹھڑی خالی تھی۔ وہاں کی ہوا میں ماریا نے
ایک تیز قسم کی بُو محسوس کی۔ اس بُو کے ساتھ ہی ماریا
کے ذہن میں خیال ابھرا کہ ضرور ایسا ہوا ہے کہ کیٹی
کو بے ہوش کر کے یہاں سے اغوا کر لیا گیا ہے۔
کیونکہ ویسے بھی اسے بے ہوش کر کے ہی لے جایا
جا سکتا تھا اگر کوئی اس کے ساتھ زبردستی کرتا تو
وہ اس کا پوری طرح مقابلہ کر سکتی تھی اور اسے کوئی
ہلاک بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر کیٹی ماریا سے جدا ہو گئی تھی۔
یہ بات ماریا کے لیے بڑی افسوسناک تھی۔ اب اسے

عنبر اور ناگ اور امجد کے ساتھ ساتھ کیٹی کو بھی تلاش کرنا
تھا۔ ماریا کو پہاڑ والے شیطانی مندر کا خیال آیا کہ کیوں نہ
وہ پہاڑ والے مندر میں جائے۔ ہو سکتا ہے۔ کیٹی کو اسی
سینگوں والے شیطان کے پاس لے جایا گیا ہو۔ اس خیال کے
آتے ہی ماریا مندر سے باہر نکلی۔ اس نے تیزی کے ساتھ ہوا
میں اپنے مخصوص انداز کے ساتھ اڑنا شروع کر دیا۔ ماریا کا
رخ شہر سے باہر پہاڑ والے شیطانی مندر کی طرف تھا۔ وہ
بہت جلد وہاں پہنچ گئی۔ غار کے باہر نقاب پوش پہریدار
موجود نہیں تھے۔ ماریا کا ماتھا ٹھنکا۔ غار میں سے گزر کر مندر
کے ہال کمرے میں گئی تو وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ صرف
شیطانی بت لگے تھے۔ سارا ہال ویران تھا اور انسان کیا
کوئی چوہا بھی وہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔ ماریا سمجھ گئی کہ کیٹی
کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ کسی ایسی مشکل میں نہیں پھنس
سکتی تھی جہاں اس کی جان کا خطرہ ہو کیونکہ عنبر کی طرح
اسے بھی کوئی ہلاک نہیں کر سکتا تھا لیکن پھر بھی اسے بیہوش کر کے
یا کسی کنوئیں میں ڈال کر ہمیشہ کے لیے قید میں ڈالا جا سکتا
تھا۔

ماریا نے سوچا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیئے۔ کیا وہ
کیٹی کی تلاش میں نکلے یا امجد کو تلاش کرے۔ آخر اس نے

یہی فیصلہ کیا پہلے امجد کو ڈھونڈنا جائے۔ کیونکہ وہ تکلیف
میں ہے۔ کیٹی گم ضرور ہو گئی ہے مگر اسے کوئی تکلیف نہیں
دے سکتا تھا۔ چنانچہ ماریا شہر کی طرف واپس روانہ ہو
گئی۔ شہر میں وہ سارا دن پھرتی رہی مگر اسے یہودی
ہامان کی حویلی کا پتہ نہ چل سکا۔ اس نے سوچا وہیں ہامان
کے انگور کے باغ اور کھیتوں میں چل کر معلوم کرنا چاہیے۔
وہ شہر سے باہر کھیتوں کی جانب آ گئی۔ یہاں انگور کے
باغ میں کالے حبشی مشقت کر رہے تھے۔ ان کے پاؤں
میں بیڑیاں ڈال دی گئی تھیں تاکہ وہ فرار نہ ہو سکیں اور
ایک داروغہ اس کے کوڑا لے کر ان کے سر پر کھڑا تھا۔
ذرا کوئی حبشی دم لینے کو رکتا داروغہ اس کے سر پر
کوڑا برساتا۔

ماریا جانتی تھی کہ امجد لاہور کا سٹوڈنٹ ہے اور
پنجاب کے رہنے والے لوگ حبشیوں کی طرح کالے نہیں
ہوتے۔ اب اس کی نگاہیں ان کالے حبشی غلاموں میں
کسی سانولے یا گورے رنگ کے لڑکے کو تلاش کر رہی
تھیں۔ مگر وہاں اسے کوئی ایسا لڑکا نہ دکھائی دیا۔ اس
باغ میں ایک اصطبل بنا ہوا تھا۔ جہاں گھوڑے بندھے تھے۔
اصطبل کے اندر سے ایک سیڑھی نیچے کسی تہہ خانے کو

جاتی تھی۔ دو ایک حبشی غلام اس سیڑھی پر اتر کر نیچے
جاتے اور پھر اوپر آتے دکھائی دیئے۔ ماریا نے سوچا
کہ نیچے تہہ خانے میں جا کر دیکھنا چاہیئے۔ ہو
سکتا ہے امجد تہہ خانے میں پڑا ہو۔

ماریا سیڑھیاں اتر کر نیچے گئی تو وہاں اس نے
ایک حبشی لڑکی کو دیکھا جس کے پاؤں زنجیر سے باندھ
دیئے گئے تھے۔ وہ سر جھکائے دیوار کے ساتھ لگ کر
بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔ ماریا کو اس کی حالت پر ترس
بھی آیا اور جن لوگوں نے ان کی یہ حالت بنا رکھی تھی ان پر
غصہ بھی آیا۔ لڑکی سسکیاں بھرتے ہوئے دونوں ہاتھ
اٹھا کر بولی۔

"میری پیاری ماں! تیرے مرنے کے بعد مجھ پر لوگوں
نے بڑے ظلم کیے۔ مجھے اغوا کر کے یہاں لایا گیا
میرے بیٹا ہوا تو اسے ظالم ہامان نے میری آنکھوں
کے سامنے قتل کروا دیا کہ اگر بچہ ہو گا تو میں
کام نہ کر سکوں گی۔ اب اس نے مجھے زنجیر باندھ
کر قید میں ڈال دیا ہے کہ میں سسک سسک
کر مر جاؤں۔ میری مدد کر میری پیاری ماں!
تو مجھے بڑا پیار کیا کرتی تھی۔"

اور لڑکی سسکیاں بھرنے لگی۔ ماریا کے منہ سے کچھ
سوچے سمجھے بغیر جیسے اپنے آپ نکل گیا۔

"گھبراؤ نہیں بیٹی!"

اصل میں وہ اس لڑکی کی حالت سے بے حد متاثر ہوئی
تھی۔ حبشی لڑکی نے ایک عورت کی آواز سنی اور وہ عورت
اسے نظر نہ آئی تو وہ گھبرا گئی اور آنکھیں پھاڑ کر تہہ خانے
کی ہلکی ہلکی روشنی میں چاروں طرف تکنے لگی۔ ماریا نے اس
کا ڈر دور کرنے کے لیے اسے آہستہ سے بڑی محبت
کے ساتھ کہا۔

"بیٹی میں تمہاری مدد کو آ گئی ہوں۔ مجھے تمہاری فریاد
جنت سے یہاں کھینچ لائی ہے۔ میں تمہاری ماں کی روح
ہوں۔"

حبشی لڑکی کے چہرے پر اطمینان سا آ گیا۔ اس نے بے تابی
سے کہا۔

"اماں! اماں! دیکھو ان لوگوں نے تمہاری بیٹی کے
ساتھ کیا کیا ظلم کیئے ہیں۔ مجھے جانوروں کی طرح
باندھ کر یہاں رکھ دیا ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں۔ تم کہاں

جانا چاہتی ہو؟"
حبشی لڑکی بولی۔
"ہاں! میں ملک افریقہ میں اپنے گھر اپنے خاوند
کے پاس جانا چاہتی ہوں جو وہاں گھر پہ بیمار پڑا
ہے"
"میں تمہیں وہاں پہنچا دوں گی"
حبشی لڑکی نے کہا۔
"اماں! تمہاری آواز بالکل مختلف ہے اور تم نے میرا نام
بھی نہیں لیا۔ سچ سچ بتاؤ کیا تم میری ماں کی روح ہو
یا کوئی اور ہو؟"
ماریا نے سوچا کہ جب اس نے خود پوچھ لیا ہے تو اسے
سچ بتا دینا چاہیئے۔
اس نے کہا۔
"میری بہن! میں تمہاری ماں کی روح نہیں ہوں
مگر میں جنت سے صرف تمہاری مدد کرنے آئی ہوں۔
اور مجھے تمہاری ماں نے ہی تمہاری مدد کے لیے بھیجا
ہے"
حبشی لڑکی بولی۔
"میری ماں کیسی ہے؟ کیا وہ جنت میں مجھے یاد

کرتی ہے"
"ہاں وہ ہر وقت تمہاری باتیں کرتی رہتی ہے"
یہ سن کر حبشی لڑکی رونے لگی۔ ماریا نے اسے حوصلہ دیتے
ہوئے کہا۔
"اگر اسی طرح ذرا ذرا سی باتوں پر رونے لگو
گی تو زندگی کیسے بسر ہو گی"
حبشی لڑکی نے کہا۔
"لیکن اے مقدس روح! تو مجھے یہاں سے کیسے
نکال کر لے جائے گی۔ ہامان کے کتے تو چاروں
طرف پہرہ دے رہے ہیں۔ وہ مجھے چیر پھاڑ کر
رکھ دیں گے"
ماریا بولی۔
"میں اس کا بھی بندوبست کر لوں گی۔ مجھے تم ایک
بات بتاؤ۔ کیا یہاں امجد نام کا کوئی سانولا سا یا گورا
سا لڑکا بھی کام کرتا تھا؟"
حبشی لڑکی بولی۔
"ہاں۔ ایک لڑکا یہاں کام کیا کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا
کہ وہ پاکستان کا رہنے ہے۔ ہم نے پہلے کبھی اس
ملک کا نام نہیں سنا۔ مگر وہ خاندانی لڑکا لگتا تھا۔

اس سے زیادہ کام نہیں ہوتا تھا۔ داروغہ اسے
سخت پیٹا کرتا تھا۔ آخر اسے زنجیر باندھ کر قید
میں ڈال دیا گیا اور پھر یہودی ہامان نے اسے
اپنی حویلی میں بلوا لیا۔ وہ اب وہاں خدمت کرتا ہوگا
یا کسی تہہ خانے میں پڑا موت کا انتظار کر رہا ہو
گا۔"

ماریا کے لیے اتنی معلومات ہی کافی تھیں۔ اس نے
کہا۔

"مجھے اس لڑکے کو بھی یہودی ہامان کے ظلم و ستم
سے آزاد کرانا ہے۔ کیونکہ جنت میں اس کی ماں
بھی پریشان تھی اور اس نے مجھے اپنے بیٹے
کی مدد کے لیے کہا تھا۔"

حبشی لڑکی نے کہا۔

"مگر اسے نیک روح! یہاں سے تم ہم دونوں
کو کیسے نکالو گی؟ یہاں سے نکلنا ناممکن ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"یہ بات تم مجھ پر چھوڑ دو۔ تم آج رات میرا
انتظار کرنا۔ میں آدھی رات کے بعد آؤں گی۔ اور
تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں گی۔"

ماریا نے حبشی لڑکی سے یہودی ہامان کی حویلی کا پتہ
معلوم کیا اور تہہ خانے سے نکل کر شہر کی طرف آگئی۔
یہودی ہامان کی حویلی شہر میں کھجوروں کے ایک باغ کے
کونے پر بنی ہوئی تھی جس کے اونچے دروازے کے باہر
ایک حبشی تلوار لٹکائے پہرہ دے رہا تھا۔ ماریا کو اندر
جانے کے لیے اس حبشی سے اجازت لینے کی ضرورت
نہیں تھی۔ وہ آرام کے ساتھ دروازے میں سے گزر
گئی۔ حویلی بہت بڑی تھی۔ اندر ایک چوکور صحن تھا۔
جس میں فوارہ لگا تھا۔ کھجور اور انجیر کے درخت بھی تھے۔
دوسری منزل کی کھڑکیوں پہ پردے گرے تھے۔ باغ
میں تخت بچھا تھا اور گاؤ تکیے لگے تھے۔ نوکر چاکر رات
کے کھانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ کنیزیں کام کاج میں
لگی تھیں۔

ماریا حویلی کی دوسری منزل میں آگئی۔

حویلی کی چڑیل

دوسری منزل میں بھی امجد کہیں نظر نہ آیا۔
یہاں سیاہ رنگ کی حبشی کنیزیں اور غلام تھے۔ یہودی
ہامان بڑا سا پیٹ نکالے ایک شاندار کمرے میں تخت پر
گاؤ تکیے لگائے بیٹھا مصاحبوں سے باتیں کر رہا تھا اور چاندی
کی تھالی میں رکھا ہوا تربوز کھا رہا تھا۔ اب حویلی کا تہہ خانہ
ہی دیکھنے کو باقی رہ گیا تھا۔ ماریا نے تہہ خانے کو جانے
والے راستے کی تلاش شروع کر دی۔ ایک کنیز کو اس
نے دیکھا کہ چمڑے کی صراحی بغل میں دبائے سیڑھیاں ا
رہی ہے۔ ماریا اس کے پیچھے پیچھے چلی۔ یہ سیڑھیاں حویلی
کے تہہ خانے میں جاتی تھیں۔ تہہ خانے میں ایک راہ دا
تھی جس کی ایک طرف دو تین کوٹھڑیاں بنی تھیں۔ کنیز
ایک کوٹھڑی میں گئی اور بڑے مٹکے میں سے تیل نکال
کر صراحی بھری اور واپس اوپر چلی گئی۔ ماریا نے باری
باری کوٹھڑیوں کو دیکھا۔ ایک کوٹھڑی کا دروازہ بند

تھا اور باہر تالا لگا ہوا تھا۔ ماریا بند دروازے میں سے
بے دھڑک اس کے اندر داخل ہو گئی۔ اندر جا کر کیا دیکھتی
ہے کہ ایک اٹھارہ انیس برس کا نوجوان سانولا لڑکا پھٹے
پرانے کپڑوں میں دیوار کے ساتھ سر گھٹنوں میں دیئے
بیٹھا ہے اور اس کے پاؤں سے زنجیر بندھی ہے۔ بال
پریشان ہیں اور چہرہ زرد ہو رہا ہے۔ ماریا نے جاتے ہی
کہا۔

"کیا تم امجد ہو؟"

امجد نے چونک کر سر اوپر اٹھایا۔ جب اپنے سامنے
کسی کو نہ دیکھا تو گھبرا گیا کہ یہ آواز اسے کس نے دی تھی۔
ماریا نے کہا۔

"تم تو ہمارے دوست ہو۔ تمہیں نہیں گھبرانا چاہیے۔"

"تم۔۔ تم کون ہو؟" امجد نے پوچھا۔
ماریا نے کہا۔

"پہلے یہ بتاؤ کیا تم لاہور کے سٹوڈنٹ امجد ہو
جو ناگ کے دوست تھے اور عنبر سے بھی ملے تھے؟"
امجد نے کہا۔

"ہاں۔۔ اور کیا تم ماریا ہو؟"

"ہاں۔ میں ماریا ہوں"

امجد کے چہرے پر حیرانی کی بجائے خوشی کی چمک آ گئی۔
وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور جدھر سے ماریا کی آواز آ رہی تھی
ادھر دیکھ کر بولا۔

"ماریا بہن! میں بتا نہیں سکتا کہ مجھے آپ کی آواز
سن کر۔ آپ سے مل کر کس قدر خوشی ہوئی ہے۔ میں
اپنی ساری تکلیف بھول گیا ہوں۔ آج میری زندگی
کی تیسری خواہش بھی پوری ہو گئی ہے۔ ناگ اور
عنبر کے بعد میں نے ماریا سے بھی مل لیا ہے"

ماریا نے کہا۔

"امجد اچھا ہوا کہ تم مجھے مل گئے۔ میں تمہاری تلاش
میں ادھر آئی تھی۔ تم نے عنبر کے پیچھے پر اسرار
دروازے میں چھلانگ لگا کر غلطی کی"

امجد نے کہا۔

"مگر باجی! میں اپنے شوق کے ہاتھوں مجبور تھا۔ میں
نے آپ کے پانچ ہزار سالہ سفر کی ساری قسطیں
پڑھی ہیں اور پڑھ رہا تھا۔ میرے دل کی یہ سب
سے بڑی خواہش تھی کہ میں آپ لوگوں سے ملاقات
کروں اور آپ کی پُر اسرار دنیا کی سیر کروں۔ میں
تو خوش ہوں کہ میری یہ خواہش پوری ہو گئی۔"

ماریا بولی۔

"مگر تم عنبر سے بچھڑ گئے تھے۔ تم خوش قسمت ہو کہ
تمہارا سراغ مل گیا۔ نہیں تو خدا جانے تم تاریخ
کے صحراؤں میں کہاں کے کہاں نکل جاتے اور پھر
کبھی واپس نہ آتے۔ بہرحال اب یہ بتاؤ کہ تمہیں
قید میں کس لیے ڈال دیا گیا ہے"

امجد نے ماریا کو بتایا کہ چونکہ اس پر کھیتوں میں بڑا ظلم ہوتا
تھا۔ ایک روز داروغے نے ذرا سی بات پر اسے ہنٹروں
سے مارنا شروع کر دیا۔ اس نے بھی جواب میں داروغے
کے پیٹ میں لات مار دی۔ بس پھر اس پر قیامت ٹوٹ
پڑی۔

"ایک روز انہوں نے مجھے اندھے کنوئیں میں لٹکائے
رکھا پھر نکال کر یہاں ڈال دیا۔ اب دن میں کبھی
صرف پانی اور کبھی تھوڑا سا کھانے کو مل جاتا ہے۔
کئی روز سے یہاں پڑا تھا۔ مگر
آپ سے مل کر اور آپ کی آواز سن کر ساری تکلیف
رفو چکر ہو گئی ہے۔"

ماریا نے کہا۔

"میں تمہیں یہاں سے نکالنے آئی ہوں۔ کیا تم میرے

ساتھ چلنے پر تیار ہو؟"

"کیوں نہیں۔ مگر یہ زنجیر"

پھر خود ہی شرما کر بولا۔

"میں تو بھول ہی گیا کہ ماریا کے لیے زنجیریں وغیرہ کچھ حیثیت نہیں رکھتیں"

ماریا نے کہا۔

"تم نے ٹھیک کہا اور عنبر ناگ ماریا کی قسطوں میں بھی بالکل ٹھیک پڑھا تھا۔ میں ابھی تمہیں آزاد کئے دیتی ہوں۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا"

"مگر ماریا بہن! باہر تو سب پہرے دار اور نوکر چل پھر رہے ہیں"

"دیکھا جائے گا"

ماریا نے کہا اور زنجیر کو توڑ دیا۔ امجد آزاد تھا۔ پھر دروازے سے باہر آ کر ماریا نے تالے کو ہاتھ ڈال کر اکھیڑ ڈالا۔ راہ داری میں اتفاق سے کوئی نہیں تھا۔ ماریا نے امجد کو ساتھ لیا اور حویلی کی پہلی منزل پر پہنچنے کے لیے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ماریا کو خیال آیا کہ اس طرح کھلے بندوں امجد کو ساتھ لے جاتے ہوئے گڑبڑ ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ وہ زخمی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے امجد کو سیڑھیوں میں چھپے

رہنے کو کہا اور خود دوسری منزل پر جا کر ایک کنیز کے کمرے میں سے منہ سر ڈھانپنے والی زنانہ چادر لے آئی۔

"اسے اپنے اوپر ڈال لو اور کوشش کرو کہ عورتوں کی طرح چلتے ہوئے حویلی سے باہر نکلو باقی میں سنبھال لوں گی"

امجد ہنس پڑا۔

"تم ہنسے کیوں ہو؟" ماریا نے پوچھا۔

امجد بولا۔

"میں نے آپ کی جو قسطیں پڑھی ہیں۔ ان میں اسی قسم کے واقعات آپ کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اب میں بھی اسی طرح کر رہا ہوں"

ماریا نے کہا۔

"چلو پھر اب ہوشیاری کے ساتھ عورت بن کر چلو"

امجد نے زنانہ چادر اوڑھ لی جو اس زمانے کی عورتیں اوڑھا کرتی تھیں اور سیڑھیوں میں سے نکل کر پہلی منزل پر آ گیا اور پھر برآمدے میں سے گزرنے لگا۔ ماریا اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ ایک حبشی غلام نے اسے کندھے سے پکڑ کر کہا۔

"رابعہ! کہاں منہ چھپانے جا رہی ہو؟"

اصل میں جس کنیز کی چادر امجد نے اوڑھی تھی اس کا نام رابعہ تھا۔ امجد شرمانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے آگے نکل گیا۔ ماریا کو ہنسی آ گئی۔ جب وہ باغ میں سے گزر کر حویلی کی ڈیوڑھی میں آیا تو سامنے سے رابعہ آ رہی تھی۔ یعنی وہی کنیز جس کی چادر امجد نے اوڑھی ہوئی تھی۔ اس نے جو اپنی چادر ایک دوسری کنیز کے جسم سے لپٹی دیکھی تو سمجھی کہ وہ چوری کر کے لیے جا رہی ہے۔ فوراً اس کی چادر کھینچ لی اور بولی۔

"چور کہیں کی؟"

چادر اترتے ہی تو نیچے سے امجد نکل آیا۔ اس وقت خوش قسمتی سے اس کنیز اور ایک حبشی پہرے دار کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ سب امجد کو پہچانتے تھے کہ وہ غلام ہے اور اسے تہہ خانے میں قید کیا گیا ہے۔ جونہی اس کی شکل دیکھی کنیز نے شور مچا دیا۔ پہرے دار حبشی تلوار لیے اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ کسی شے سے ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گر پڑا۔ یہ ماریا نے اسے گرایا تھا۔ تلوار فرش پر دور جا پڑی۔ کنیز رابعہ شور مچا رہی تھی کہ ماریا نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اگر اب زبان کھولی تو گلا گھونٹ دوں گی میں اس حویلی کی چڑیل ہوں"

اتنا سننا تھا کہ رابعہ تو غش کھا کر پڑی۔ پہرے دار نے اٹھنے کی کوشش کی تو ماریا نے اس کی گردن پر لات ماری اور وہ وہیں پڑا رہا۔ ماریا نے امجد کو ساتھ لیا اور حویلی کے باہر نکل کر کہا۔

"جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے بھاگ چلو، ہم کھجور کے باغ میں جا رہے ہیں۔"

امجد حویلی سے نکلتے ہی شہر کی تنگ و تاریک گلیوں سے گزرتا ہوا کھجوروں کے باغ میں آ گیا۔ ابھی پیچھے حویلی میں کسی کو امجد کے فرار کا پتہ نہیں چلا تھا۔ ماریا نے کہا۔

"وہ دیکھو سامنے درخت کے پاس ایک گھوڑا بندھا ہے اس پر بیٹھ کر بھاگو"

امجد نے گھوڑے کو کھولا اور اس پر سوار ہو کر اسے دوڑانے لگا۔ اس نے قسطوں میں پڑھا تھا کہ جب اس طرح کبھی عنبر یا ناگ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تو ماریا بھی اس کے ساتھ ہی سوار ہو جاتی ہے مگر کسی کو محسوس نہیں ہوتا۔ اس نے پوچھا۔

"ماریا بہن! کیا تم بھی میرے ساتھ ہی گھوڑے پر سوار

ہو"

ماریا نے کہا۔

"ہاں میں تمہارے پیچھے بیٹھی ہوں"

امجد بولا۔

"مگر مجھے ذرا محسوس نہیں ہو رہا"

ماریا بولی۔

"یہی تو ماریا کا کمال ہے"

اور امجد ہنس پڑا۔

"بس یہی میری خواہش تھی کہ تم لوگوں سے ملوں۔ تمہاری پراسرار دنیا کی سیر کروں اور خود اس دنیا کا ایک حصہ بن کر زندگی کے کچھ سال بسر کروں"

ماریا نے کہا۔

"مگر تمہیں واپس لاہور جانا ہو گا۔ تمہارے ماں باپ اور بہن تمہاری جدائی میں پریشان ہوں گی۔ تمہاری تعلیم کا بھی ہرج ہو رہا ہے۔ تمہیں ابھی تعلیم حاصل کرنی ہے"

امجد نے کہا۔

"مجھے یہاں آئے ایک سال ہونے لگا ہے۔ اب تو میٹرک کا امتحان ہو چکا ہو گا۔ میرا یہ سال تو ضائع

ہو گیا۔ اب اگلے سال امتحان دوں گا"

ماریا نے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ جب تم واپس لاہور جاؤ گے تو صرف آدھا گھنٹہ گزرا ہو گا۔ سال تو بڑی بات ہے"

"کیا مطلب؟" امجد نے پوچھا۔

ماریا نے پوچھا۔

"تم ایک سال پہلے جس وقت لاہور سے عنبر کے پیچھے پیچھے ہماری دنیا میں داخل ہونے کے لیے چلے تھے۔ جب واپس جاؤ گے تو اس میں صرف آدھے گھنٹے کا اضافہ ہوا ہو گا"

"کمال کی بات ہے۔ یقین نہیں آتا"

امجد نے کہا اور گھوڑے کا رخ کھیتوں اور انگور کے باغ کی طرف موڑ دیا۔ اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ امجد نے پوچھا۔

"آپ ادھر کیوں آ رہی ہیں۔ یہاں تو میں پکڑا جاؤں گا۔ یہ باغ ہامان کا ہے"

ماریا بولی۔

"میں جانتی ہوں۔ مگر تم ہامان کے نوکروں کے پاس نہیں جاؤ گے۔ تم پیچھے گھوڑے کے پاس رہنا۔ میں آگے جا کر ایک حبشی لڑکی کو لاؤں گی۔ اس کو بھی

ہامان کے آدمیوں نے قید میں ڈال رکھا ہے۔ اس
نے مجھے تمہارا پتہ بتایا تھا۔"
امجد نے کہا۔
"ہاں وہ شیبا ہے۔ بے چاری کے بیٹے کو بھی قتل
کر دیا گیا تھا۔ اسے ضرور یہاں سے نکالنا چاہیے۔"
اس طرح باتیں کرتے وہ انگور کے باغ کے باہر پہنچ
گئے۔ ماریا نے امجد کو ایک جگہ درختوں کے نیچے گھوڑے
کے پاس رکنے کو کہا اور خود باغ میں اس اصطبل میں آئی
جس کے نیچے تہہ خانے میں حبشی لڑکی قید تھی۔ ماریا کو
تہہ خانے میں کسی مرد کے گالیاں دیتے اور پھر ہنٹر
مارنے کی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی عورت کی چیخ
بلند ہوئی۔ ماریا دوڑ کر سیڑھیاں اتری اور تہہ خانے
میں آکر دیکھا کہ ایک ہٹا کٹا داروغہ غریب حبشی لڑکی کو
گالیاں دے رہا تھا اور اسے ہنٹر سے مار رہا تھا۔
ماریا نے جاتے ہی داروغے کے ہاتھ سے ہنٹر کھینچ
اتنی زور کے جھٹکے سے کھینچا کہ داروغہ اچھل کر سامنے
والی دیوار سے ٹکرایا اور اس کا سر پھٹ گیا۔ وہ ہکا
بکا ہو گیا کہ یہ حرکت کس نے کی ہے۔ ماریا نے اسی ہنٹر
سے داروغے کو مارنا شروع کر دیا۔ وہ چیختے چلاتے اور

تڑپنے لگا۔ جب داروغہ بے ہوش ہو گیا تو ماریا نے
حبشی لڑکی کے پاؤں کی زنجیر توڑی اور اسے ساتھ لے کر
باہر آ گئی۔ حبشی لڑکی نے کہا۔
"اے نیک روح! اگر اس وقت تم نہ آجاتیں
تو یہ شخص مجھے زندہ نہ چھوڑتا۔"
ماریا نے کہا۔
"میں امجد کو بھی ساتھ لے آئی ہوں۔ اب ہمیں
یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے امجد
کی تلاش میں لوگ ادھر آ رہے ہوں۔"
امجد گھوڑے کے پاس کھڑا تھا۔ ماریا نے اصطبل سے
ایک اور گھوڑا نکالا اور وہ تینوں وہاں سے فرار ہو گئے۔
ساری رات سفر کرنے کے بعد ماریا نے حبشی لڑکی
کو اس کے ملک کی سرحد کے اندر داخل کیا اور امجد
کو ساتھ لے کر واپس مڑی۔ امجد نے کہا۔
"واپس جائیں گے تو میں پکڑا جاؤں گا۔ کیا یہ
بہتر نہیں کہ ہم کسی دوسرے ملک میں چلے جائیں۔"
ماریا نے کہا۔
"میری ایک سہیلی اس شہر میں لاپتہ ہو گئی ہے۔
مجھے ہر حالت میں اسے ڈھونڈنا ہے۔"

امجد نے کہا۔

"کیا وہ بھی تمہارے ساتھ ہی پانچ ہزار سال کا سفر طے کر رہی ہے؟"

ماریا بولی۔

"نہیں۔ وہ مجھے یہاں ملی تھی سفر کے دوران۔ تم اس سے مل کر خوش ہو گے۔ وہ خلائی لڑکی ہے۔"

امجد بولا۔

"خلائی لڑکی؟ کیا وہ کسی دوسرے سیارے سے آئی ہے؟"

"ہاں — مگر اب وہاں نہیں جا سکتی۔ کیونکہ وہ لوگ اس کی جان کے دشمن ہو گئے ہیں۔"

"اور یہاں وہ کہاں گم ہو گئی تھی؟" امجد نے پوچھا۔

ماریا بولی۔

"بس ایک عجیب اتفاق سے وہ مجھ سے بچھڑ گئی بہر حال میں اسے تلاش کر لوں گی۔ لیکن تمہارے بارے میں، میں یہ چاہتی ہوں کہ تم واپس لاہور اپنے ماں باپ کے پاس چلے جاؤ۔"

امجد نے کہا۔

"ماریا بہن! تم خود ہی تو کہہ رہی تھیں کہ اگر میں دو سال

بھی تمہارے ساتھ رہوں تو جب واپس جاؤں گا تو
وہاں کے حساب سے صرف آدھا گھنٹہ ہی گزرا ہو
گا۔ اس لیے میرے والدین کے پریشان ہوتے کا
سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"
ماریا نے کہا۔
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر اس میں کوئی گڑبڑ بھی
ہو سکتی ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی ایسا ویسا حادثہ ہو
گیا۔ تو تم پھر کبھی واپس نہ جا سکو گے اور اگر گئے
بھی تو تمہارے ماں باپ مر کھپ گئے ہوں گے اور
تمہارے دوست بوڑھے کھوسٹ ہو چکے ہوں گے۔"
"اور میں جوان ہوں گا؟"
"ہاں۔ مگر ہو سکتا ہے لاہور کی فضا میں داخل ہوتے
ہی تم بھی ایک دم سے بوڑھے ہو جاؤ۔"
امجد ڈر گیا۔ بولا۔
"تو پھر مجھے واپس بھیج دو ماریا بہن!"
ماریا یہی چاہتی تھی۔ اسی لیے اس نے امجد کو
ساری باتیں کھول کر بیان کر دی تھیں۔ کیونکہ اس
کا ان کے ساتھ سفر کرنا انتہائی خطرناک تھا۔ وہ
کسی حادثے میں ہلاک بھی ہو سکتا تھا۔ ماریا نے

کہا۔
"میں تمہیں واپس پہنچانے کی کوشش کروں گی۔"
امجد نے کہا۔
"اس وقت ہم کہاں جا رہے ہیں؟ میرا مطلب ہے
میں کہاں چھپوں گا۔ کیونکہ میں غائب نہیں ہوں اور
شیخ ہامان کے نوکر مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"
ماریا نے کہا۔
"اسی لیے میں چاہتی ہوں کہ تم ہمارے ساتھ
اس خطرناک سفر پر نہ چلو تو بہتر ہے۔ میں تمہیں شہر
سے باہر کسی جگہ چھپا دوں گی۔ اور خود خلائی
لڑکی کی تلاش میں جاؤں گی۔ اگر وہ مجھے نہ ملی تو
میں شام کو تمہارے پاس آجاؤں گی اور پھر اگلے
روز اسے ڈھونڈنے نکلوں گی۔"
امجد دل میں بڑا شوق لے کر عنبر ناگ ماریا کی دنیا میں آیا
تھا مگر جب اس نے ان لوگوں کی مشکلات اور مصیبتیں اپنی آنکھوں
سے دیکھیں اور خود بھی مشکل میں پھنسا تو اس نے کانوں پر
ہاتھ لگائے۔ دوسرے یہ بات بھی اب پریشان کرنے لگی
تھی کہ اگر خدانخواستہ وہ اپنے زمانے کے لاہور واپس نہ جا
سکا تو اس کے ماں باپ اور بہن تو رو رو کر مر جائیں گے۔

اب اس نے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ہر حالت میں واپس چلا جائے گا۔

لیکن ابھی اسے یہ احساس نہیں تھا کہ واپس اپنے زمانے میں جانا اتنی کوئی آسان بات نہیں ہے۔

ماریا اسے لے کر شہر کے قریب ایک تالاب کے کنارے آ گئی جہاں ایک پرانی عمارت کا کھنڈر تھا۔ ماریا نے اس کھنڈر میں امجد کو ایک جگہ چھپے رہنے کو کہا اور خود خلائی لڑکی کو ڈھونڈھنے چل پڑی۔ امجد کو اس نے کافی کھجوریں توڑ کر دے دی تھیں جو اس نے مزے سے کھائیں اور تالاب کا ٹھنڈا پانی پی کر کھنڈر کے اندر ایک جگہ لیٹ گیا اور اپنے ماں باپ اور بہن کو یاد کرنے لگا۔ اسے یہ بات بڑی عجیب لگ رہی تھی کہ یہاں وہ سال گزار کر جب لاہور واپس جائے گا تو وہاں آدھا گھنٹہ ہی گزرا ہو گا۔

ماریا سیدھی شیطان کی عبادت گاہ میں گئی جو کالے پہاڑ کے اندر بنی ہوئی تھی۔ اسے اسی جگہ سے کیٹی کا سراغ مل سکتا تھا۔ یہ مندر بالکل خالی پڑا تھا۔ ماریا مندر میں پھر رہی تھی کہ اسے آہٹ سنائی دی۔ پلٹ کر دیکھا کہ ایک پجاری زمین پر جھکا پتھر اٹھا رہا تھا۔ ماریا اس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔ پجاری کو کوئی خبر نہ ہوئی۔ وہ پتھر اکھاڑنے

میں لگا رہا۔ پتھر اکھاڑ کر اس نے اس کے اندر سے موتیوں کا ایک ہار نکال لیا۔ ماریا نے ہار پہچان لیا۔ یہ کیٹی کا ہار تھا۔ جو اس نے اس وقت کیٹی کو دیا تھا جب اسے حبشی کی جھونپڑی میں سے زنانہ کپڑے نکال کر پہنائے تھے۔ یہ ہار نقلی موتیوں کا تھا اور قیمتی نہیں تھا مگر پجاری نے قیمتی سمجھ کر کیٹی کے گلے سے اتار لیا تھا۔ ماریا سمجھ گئی کہ اس پجاری کو پتہ ہے کہ خلائی لڑکی کہاں ہے۔ پجاری ہار جیب میں چھپا کر باہر جانے لگا تو ماریا نے پیچھے سے اس کی گردن کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

پجاری چکرا گیا کہ یہ کس نے اس کی گردن کو کھینچا ہے۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سارا مندر ویران پڑا تھا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ پجاری ڈر گیا کہ یہاں ضرور کوئی بدروح آ گئی ہے۔ وہ باہر کو بھاگا ہی تھا کہ ماریا نے اسے نیچے گرا دیا۔ پجاری کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ماریا اس کی گردن پر سوار ہو گئی۔ اگرچہ پجاری کو ماریا کا بوجھ محسوس نہیں ہو رہا تھا مگر اسے اپنے گلے پر کسی کے ہاتھ محسوس ہو رہے تھے جو اس کی گردن دبا رہے تھے۔

پجاری کے گلے سے خوف کے مارے عجیب عجیب آوازیں نکلنے لگیں۔ ماریا نے کہا۔

"میں تمہیں کچھ نہ کہوں گی۔ مگر تمہیں۔ مگر تمہیں بتانا ہوگا کہ جس لڑکی کے گلے سے تم نے یہ ہار اتارا ہے وہ کہاں ہے؟"

پجاری بولا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔ ابھی بتاتا ہوں۔ خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ میری جان نہ لو۔ ابھی بتائے دیتا ہوں"

ماریا نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ پجاری اٹھ بیٹھا اور پھٹی پھٹی نظروں سے ہوا میں تکنے لگا۔

ماریا نے ڈانٹ کر کہا۔

"بتاتے ہو کہ دباؤں تمہارا گلہ؟"

پجاری ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں۔ لیکن یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اگر کسی طرح سے شیطانی گرو کو یہ پتہ لگ گیا کہ اس لڑکی کی میں نے مخبری کی تھی تو وہ مجھے بڑی بھیانک اذیت دے کر مارے گا"

ماریا نے کہا۔

"میں اسے نہیں بتاؤں گی"

پجاری نے سوال کیا۔

"اگر تم کوئی بدروح ہو تو تمہیں تو معلوم ہو جانا چاہئے

تھا کہ وہ کہاں ہے؟"

ماریا اس سوال کے آگے لاجواب ہو گئی تھی۔ اس کے پاس اس کا ایک ہی جواب تھا۔ کہ وہ بدروح نہیں ہے مگر یہ بات وہ پجاری کو نہیں بتا سکتی تھی۔ اس نے پجاری کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اس کے گلے کو انگلی سے ذرا دبایا۔ پجاری کا دم گھٹنے لگا۔ ہاتھ پھیلا کر بولا۔

"معاف کر دو۔ اب ایسا سوال کبھی نہیں کروں گا دیوی جی!"

"بولو۔ اس لڑکی کو تم کہاں لے گئے ہو؟"

پجاری نے کہا۔

"یہاں سے تھوڑے فاصلے پر کالی چٹانوں کی وادی ہے۔ وہاں جو چٹان سب سے زیادہ اونچی ہے اس کے نیچے جھاڑیوں میں سے ایک خفیہ راستہ شیطانی مندر کو جاتا ہے وہ لڑکی اسی مندر میں رکھی گئی ہے"

"شیطانی گرو اسے وہاں کیوں لے گیا ہے"

"اسے ایک ایسی مخلوق کی ضرورت تھی جس کی آنکھیں چوکور ہوں۔ وہ کوئی بھیانک تجربہ کرنے والا ہے۔ جب سے اسے چوکور آنکھوں والی لڑکی مل گئی ہے

خوشی سے وہ آپے سے باہر ہو رہا ہے۔ اسے
امید ہی نہیں تھی کہ وہ کبھی ایسی مخلوق حاصل کرنے
میں کامیاب ہو جائے گا۔"
ماریا نے پجاری سے پوچھا۔
"وہ اس لڑکی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا ہے؟"
پجاری نے کہا۔
"شیطانی گرو کالے جادو کا بہت بڑا ماہر ہے۔ وہ
ایک شیطانی عمل کر رہا ہے جس کے پورے ہو جانے
پر اس کے پاس اتنی طاقت آ جائے گی کہ وہ ساری
دنیا پر حکومت کر سکے گا۔ اس عمل کے لیے ضروری
تھا کہ ایک ایسی مخلوق کو بے ہوش کر کے اسے زیتون
کے تیل میں ڈال کر ابالا جائے جس کی آنکھیں چوکور
ہوں اور پھر اس کی کھال اتار کر شیطان کے بڑے
بت کے آگے پیش کی جائے۔"
ماریا کانپ اٹھی خلائی لڑکی کیٹی ویسے تو مرنے والی
نہیں تھی لیکن یہ جو اس نے بتایا کہ اسے پہلے بے
ہوش کیا جائے گا تو اس میں اس کی جان کو سخت
خطرہ تھا کیونکہ وہ بے ہوش ہو جاتی تھی اور بے ہوش
ہونے کے بعد یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس کی طاقت کام نہ

کرے اور وہ سچ مچ ہلاک ہو جائے۔ ماریا نے پجاری
کو وہیں چھوڑا اور کالی چٹانوں والی وادی کی طرف بھاگ کھڑی
ہوئی۔ وہ جتنی جلدی ہو سکے وہاں پہنچ کر اسے موت کے
منہ سے بچانا چاہتی تھی۔

انسانی کھوپڑیوں کی دیوار

کالی چٹانوں کی وادی میں رات کا اندھیرا پھیلا تھا۔

کالی چٹانیں اندھیری رات میں موت کے سائے بن کر کھڑی تھیں۔ سب سے بڑی کالی چٹان کے نیچے ایک پیچ دار غار کے اندر شیطان کے پجاریوں کا مندر تھا۔ اس مندر میں شیطان کے چیلوں کا گرو جس نے خلائی لڑکی کیٹی کو محنت کی مدد سے حاصل کیا تھا اور جو ساری دنیا پر شیطان کی حکومت قائم کرنے کا ناپاک خواب دیکھ رہا تھا اور کالے علم کا ایک عمل کر رہا تھا اس مندر کے ایک بڑے کمرے میں انسانی پگھلی ہوئی چربی کا بہت بڑا دیا جلائے شیطان کے بت کے آگے جھکا ہوا منتر پڑھ رہا تھا۔ شیطان کے بت کی آنکھوں میں لال ہیرے اور عقیق چمک رہے تھے۔ شیطانی گرو نے بڑی لمبی دم لگا رکھی تھی۔ دوسرے شیطانی چیلے ہاتھ باندھے قطار میں کھڑے تھے۔ سنگ مرمر کے ایک تخت پر خلائی لڑکی کیٹی کو بے ہوش کر کے لٹایا ہوا تھا۔ کونے میں آگ

جل رہی تھی اور اوپر زیتون کے تیل کا کڑاہا رکھا تھا جس میں تیل ابل رہا تھا۔ کیٹی کو اس کھولتے ہوئے تیل کے کڑاہے میں ڈالا جانے والا تھا۔

شیطانی گرو نے منتر پڑھنے کے بعد سر اٹھا کر شیطان کے بت کو دیکھا اور دونوں بازو پھیلا کر کہا۔

"اے عظیم الشان شیطان! میں تیرے نام پر یہ عمل کر رہا ہوں تاکہ دنیا پر تیری حکمرانی ہو۔ تیری حکومت ہو۔ اس چوکور آنکھوں والی لڑکی کی قربانی قبول کرنا۔"

اس کے بعد شیطانی گرو نے بے ہوش کیٹی کی چوکور آنکھوں کو جھک کر دیکھا اور چٹکی مار کر اشارہ کیا۔ چار شیطانی پجاری آگے بڑھے انھوں نے بے ہوش کیٹی کو اٹھایا اور کڑاہے کے پاس لے جا کر فرش پر لٹا دیا۔ پھر اس کے جسم پر خوشبوئیں چھڑکیں اور اسے اٹھا کر کڑاہے میں ڈال دیا۔ کڑاہے میں تیل کھول رہا تھا۔ اس وقت ماریا ابھی غار میں داخل ہونے کا راستہ ہی تلاش کر رہی تھی۔

جونہی خلائی لڑکی کیٹی کھولتے ہوئے تیل کے کڑاہے میں گری کھولتا ہوا زیتون کا تیل ایکدم ٹھنڈا پڑ گیا اور کیٹی کو ہوش آ گیا۔ اس نے جب اپنے آپ کو تیل کے کڑاہے میں دیکھا تو حیرانی سے چاروں طرف تکنے لگی۔ کھولتے ہوئے تیل میں بھی

زندہ بچ رہنے پر شیطان کے پجاری دنگ رہ گئے۔ ان
پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ چیخیں مارتے ہوئے ادھر
اُدھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ شیطاقی گرو پر بھی دہشت
چھا رہی تھی۔ مگر وہ شیطان کا سب سے بڑا چیلا تھا اور
دنیا پر نیکی کی طاقتوں کا نہیں بلکہ بدی کی طاقتوں کی حکومت
قائم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے شیطان کے بت
کی طرف دیکھ کر کالے جادو کا ایک منتر پڑھ کر خلائی
لڑکی پر پھونک ماری۔ اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ کیٹی تیل کے
کڑاہے سے باہر آ گئی۔ کڑاہے کے نیچے آگ جل رہی تھی
اور جونہی کیٹی کڑاہے سے باہر آئی تیل نے دوبارہ کھولنا شروع
کر دیا۔

وہ سب سمجھ گئی کہ یہ لوگ اسے اغواء کر کے یہاں
لے آئے ہیں۔ اور اب اس شیطاقی بت پر اسے قربان کر
رہے کہ اس کی طاقت نے اسے بچا لیا۔ اگر خلائی گھوڑے نے
اسے خاص طاقت نہ دی ہوتی تو کیٹی جل بُن کر اس وقت پکوڑا
بن گئی ہوتی۔ وہ شیطاقی گرو کی طرف بڑھی اور بولی۔
"تم اپنے ذلیل مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے تم
مجھے اس شیطاقی بت پر قربان نہیں کر سکو گے"
شیطاقی گرو نے اپنی دم کو پکڑ کر منہ میں دبایا اور کالے جادو

کا سب سے خوف ناک منتر پڑھ کر زور سے کیٹی پر پھونک
ماری۔ پھونک مارنے کی دیر تھی کہ جہاں کیٹی کھڑی تھی وہاں
ایک نیلے رنگ کا شعلہ بلند ہوا۔ اور کیٹی کی جگہ
اب ایک نیلے پتھر کی چھوٹی سی انگوٹھی پڑی ہی
تھی۔

شیطاقی گرو نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا۔
"اگر تو میرے عمل میں میری مدد نہیں کر سکتی تو پھر
اب تو ہمیشہ ایک پتھر کی انگوٹھی بن کر زندہ رہے
گی۔ تو سب کی باتیں سنے گی مگر کسی کو یہ نہ بتا
سکے گی کہ تو ایک لڑکی ہے۔ یہی تمہاری سزا ہے۔
تو نہ ٹوٹ سکے گی نہ تجھے آگ جلا سکے گی۔ تیری یہ
بے حس مردہ زندگی ہزاروں برس تک جاری رہے
گی"
اور شیطاقی گرو نے تمام چیلوں کو بلا کر کہا۔
"اس مندر کے خفیہ راستے سے دوسری جانب
دریا کی طرف نکل چلو۔ کیونکہ یہ مندر اب گرنے والا
ہے"
اور وہ سب چیلوں کو لے کر مندر کے عقبی خفیہ دروازے
سے مندر کے دریا والے علاقے میں نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد

ماریا کو غار میں جانے کا راستہ مل گیا۔ وہ تیزی سے گزر کر بڑے
کمرے میں آئی تو کیا دیکھا کہ مندر خالی ہے اور ایک کڑاہے
میں تیل اُبل رہا ہے۔ اس نے گھور کر تیل میں دیکھا اور خدا کا
شکر ادا کیا کہ اس میں کیٹی کی لاش نہیں تھی۔ پھر اس نے زمین
پر نیلے رنگ کی ایک انگوٹھی پڑی دیکھی۔ ماریا نے جھک کر انگوٹھی
اٹھائی اور اسے غور سے دیکھا۔ ایسی کوئی انگوٹھی کیٹی نے نہیں
پہن رکھی تھی۔ یہ کسی دوسری عورت کی انگوٹھی ہو گی۔ ماریا
نے انگوٹھی اپنی انگلی میں ڈالی اور مندر میں کیٹی کو ڈھونڈنا شروع
کر دیا۔ کیٹی وہاں ہوتی تو اسے ملتی۔ وہ تو انگوٹھی کی شکل میں
ماریا کی انگلی میں پڑی تھی۔ اور ماریا کو اس کی کچھ خبر نہیں تھی اتنے
میں زمین ہلنے لگی۔ غار کے مندر کی چھت بھی جھولنے لگی۔
اور الاؤ پر رکھا ہوا تیل کا کڑاؤ نیچے گر گیا اور کھولتا ہوا گرم
گرم تیل بہنے لگا۔

زمین ہل رہی
اور بت ایک ایک کر کے گرنا شروع ہو گئے تھے۔ ماریا
مندر سے نکل کر غار میں آگئی۔
غار کی چھت زلزلے کی وجہ سے ایک دم بیٹھ گئی۔
ماریا اس میں دبنے کی بجائے ہوا کی لہر کی طرح اوپر
آگئی اور ہزاروں من وزنی پتھروں کے درمیان سے

گزر کر غار سے باہر آگئی۔ کیٹی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔
اس نے آواز بھی دی۔
"ماریا! میں تمہارے پاس ہوں۔ مجھے تلاش کیوں
کرتی ہو؟"
مگر ماریا اس کی آواز نہ سن سکی۔ کیونکہ وہ شیطانی گروہ
کے زبردست کالے جادو کی وجہ سے پتھر کی انگوٹھی بن
چکی تھی اور اس کی آواز سوائے اس کے دوسرا کوئی نہیں
سن سکتا تھا۔
ماریا کالی چٹانوں کی وادی سے ناامید ہو کر اس کھنڈر
کی طرف روانہ ہو گئی جہاں اس نے امجد کو چھوڑا تھا۔ ماریا
کو اتنا یقین ہو گیا تھا کہ کیٹی کھولتے ہوئے تیل میں
نہیں مر سکی۔ اور شیطانی گروہ ناکام ہونے پر اسے لے
کر یہاں سے کہیں دوسری جگہ چلا گیا ہے۔ اب ماریا کو
اس بات سے تسلی ہو گئی تھی کہ کیٹی کو یہ شیطانی گروہ
ہلاک نہیں کر سکے گا۔ اور وہ اسے کسی دوسری جگہ جا
کر تلاش کرے گی۔ ظاہر ہے کہ کیٹی اسی شہر میں تھی اور
ان لوگوں کے قبضے میں تھی جو شیطان کے پجاریوں کی ٹولی
تھی۔
امجد کھنڈر میں ماریا کا انتظار کر رہا تھا۔ مگر وہ اس

کی بُو محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ ماریا کی بُو کیٹی بھی محسوس نہیں کرتی تھی۔ مگر کیٹی کو تو اب اتنی طاقت مل گئی تھی کہ وہ اسے دیکھ سکتی تھی۔ امجد خاموش بیٹھا لاہور کو یاد کر رہا تھا۔ اپنی بہن اور ماں باپ کو یاد کر رہا تھا۔ اسے بالکل معلوم نہ ہو سکا کہ ماریا اس کے قریب کھڑی ہے۔ ماریا نے کہا۔

"امجد؟"

امجد اچھل پڑا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

"میں ڈر گیا تھا کہ جانے کون ہے"

"کیا آپ کی سہیلی ملی؟"

"نہیں" ماریا نے ناامید ہو کر کہا۔

"تو کیا وہ کسی دوسری جگہ لے گئے اس کو؟"

ماریا نے کہا۔

"شاید وہ اسے کسی خفیہ مندر میں لے گئے ہیں جہاں اس پر ہر طرح کا کالا جادو آزمائیں گے۔ مگر وہ اسے ہلاک نہیں کر سکیں گے۔ اس کا مجھے یقین ہو گیا ہے"

پھر ماریا نے امجد سے کہا۔

"اب میں اپنی سہیلی کو اس ملک میں دو تین روز تلاش کروں گی۔ اگر وہ مجھے نہ ملی تو میں عنبر اور

ناگ کی تلاش میں روانہ ہو جاؤں گی۔ کیونکہ ایک عرصہ ہوا مجھے ان کی کوئی خبر نہیں ملی۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تم واپس اپنے ماں باپ کے پاس چلے جاؤ۔ تمہارا ہمارے ساتھ اتنے لمبے اور خطرناک سفر پر پھرتے رہنا مناسب نہیں۔ کیونکہ تمہیں نقصان پہنچ سکتا ہے"

امجد بھی اب اداس ہو گیا تھا اور اسے اپنی بہن بہت یاد آنے لگی تھی۔ اس نے کہا۔

"ماریا بہن آپ کا خیال درست ہے۔ میں بھی واپس اپنی ماں اور ماں باپ کے پاس جانا چاہتا ہوں لیکن آپ مجھے کیسے ڈھائی ہزار سال آگے کے زمانے میں روانہ کریں گی؟"

ماریا نے کہا۔

"میں نے اس پر غور کر لیا ہے۔ میرے ساتھ تمہیں یہاں سے ملک مصر جانا ہو گا جہاں دیوی سلامیہ تمہاری مدد کرے گی"

"میں مصر جانے پر تیار ہوں"

ماریا نے کہا۔

"ہم آج ہی مصر روانہ ہو جائیں گے۔ اس ملک میں تمہاری جان کو خطرہ ہے"

ماریا نے امجد کو ساتھ لیا اور کھنڈر سے نکل کر وہ سرحد کی طرف روانہ ہو گئے۔ امجد گھوڑے پر سوار تھا اور ماریا اس کے پیچھے بیٹھی تھی۔ گھوڑا رات کے اندھیرے میں مصر کی سرحد کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ساری رات سفر کرنے کے بعد ماریا اور امجد نے صبح ہوتے ہی ملک مصر میں داخل ہو گئے۔ دن کی روشنی میں انہوں نے ایک گاؤں میں قیام کیا۔ یہاں امجد نے ناشتہ کیا۔ دودھ پیا۔ غسل وغیرہ کیا اور ماریا کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ کر اہرام کی طرف روانہ ہو گیا۔ دیوی سلامبو کا اہرام مصر کے دارالحکومت تھیبس شہر سے بیس کوس باہر صحرا میں تھا جہاں خشک ٹیلے تھے۔

ماریا امجد کو لے کر دیوی سلامبو کے اہرام میں داخل ہو گئی۔ یہاں ہلکا ہلکا اندھیرا اور ٹھنڈک تھی۔ دیوی سلامبو کا ایک پرانا بت چبوترے کے اوپر لگا تھا اور نیچے ایک خالی تابوت پڑا تھا۔ ماریا نے امجد سے کہا۔

"اس تابوت میں لیٹ جاؤ امجد۔ میں کوشش کروں گی کہ دیوی سلامبو میری گزارش قبول کرے اور تمہیں واپس تمہارے گھر پہنچا دے۔"

امجد اگرچہ ڈر رہا تھا مگر اسے ماریا پر بھروسہ تھا۔ اس نے عنبر ناگ ماریا کی قسطوں میں اکثر ایسا ہوتا پڑھا

تھا۔ وہ خاموشی سے خالی تابوت میں لیٹ گیا۔ ماریا امجد کو دیکھنے لگی۔ اسے اس سانولے سے دبلے پتلے لڑکے سے اپنے چھوٹے بھائی کی طرح پیار ہو گیا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ اسے جاتی دفعہ کوئی تحفہ دے جسے وہ اپنے پاس ماریا کی یادگار سمجھ کر رکھے۔ ماریا کے پاس اس وقت کچھ نہیں تھا۔ اچانک اس کی نظر نیلے پتھر والی انگوٹھی پر پڑی جو اس نے شیطانی مندر کے فرش پر سے اٹھائی تھی۔ اس نے انگوٹھی اتار کر تابوت میں لیٹے ہوئے امجد کے ہاتھ میں دے کر کہا۔

"پیارے بھائی! یہ میری طرف سے تحفہ ہے تمہیں۔ یہ تمہیں میری یاد دلایا کرے گی۔ اسے اپنی انگلی میں پہن لو۔"

امجد نیلے پتھر کی انگوٹھی دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ اس وقت کیٹی نے چیخ کر ماریا سے کہا۔

"ماریا! مجھے امجد کے حوالے نہ کرو۔ میں اس کے ساتھ ڈھائی ہزار سال آگے کے زمانے میں چلی گئی تو پھر کبھی واپس آ کر تمہیں نہ مل سکوں گی۔"

مگر کیٹی کی آواز جو انگوٹھی بن چکی تھی کوئی نہ سن سکا۔ امجد نے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن لی۔ انگوٹھی یعنی کیٹی چیخ

چیخ کر ماریا سے کہتی رہی کہ مجھے واپس لے لو۔ مگر اس کی آواز نہ امجد سن سکتا تھا اور نہ ماریا سن رہی تھی۔ ماریا نے امجد سے کہا۔

"امجد بھائی! اپنے ہاتھ سینے پر باندھ کر آنکھیں بند کر لو۔ میں دیوی سلامبو سے درخواست کروں گی۔ اگر اس نے میری درخواست قبول کر لی تو تم یہاں سے اپنے ملک، اپنے شہر اپنے زمانے میں واپس چلے جاؤ گے"

امجد نے آنکھیں بند کرنے سے پہلے ہاتھ ہلا کر کہا۔

"ماریا بہن خدا حافظ!"

"خدا حافظ امجد بھائی!"

امجد نے ہاتھ سینے پر باندھ لیے اور آنکھیں بند کر کے تابوت میں بالکل سیدھا ہو کر لیٹ گیا۔ ماریا نے دیوی سلامبو کے آگے جھک کر کہا۔

"عظیم اور مہربان دیوی سلامبو! تم نے مشکل کے وقت ہمیشہ میری مدد کی ہے۔ اس وقت بھی مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ یہ لڑکا اپنے شوق کی وجہ سے اپنے زمانے سے نکل کر یہاں آگیا ہے۔ اسے اس کے ماں باپ کے پاس واپس

پہنچا دے"

ماریا نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ دعا مانگ کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ دیوی سلامبو کی آنکھوں میں سے سبز روشنی کی شعاعیں نکل کر تابوت پر پڑیں اور انہوں نے امجد کے جسم کو اپنی سبز روشنی میں ڈھانپ لیا۔ پھر یہ روشنی اتنی تیز ہو گئی کہ ماریا کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ روشنی ایک دم تیز ہو کر غائب ہو گئی۔ ماریا نے تابوت میں دیکھا۔ امجد وہاں نہیں تھا۔ ماریا کو خوشی ہوئی کہ امجد واپس اپنے وطن پہنچ گیا ہو گا۔

امجد نے آنکھ کھولی تو وہ اپنی گارڈن ٹاؤن والی کوٹھی سے تھوڑی دور برگد کے درخت کے پاس کھڑا تھا۔ یہ وہی درخت تھا جس کے بھاری بھرکم تنے پر عنبر نے ناگ کا دیا ہوا مہرہ یعنی منکا پھینکا تھا اور [illegible]ں ایک دروازہ بن گیا تھا۔ عنبر نے اس دروازے میں چھلانگ لگا دی تھی اور اس کے پیچھے امجد نے بھی چھلانگ لگا دی تھی۔ وہی رات کے نو سوا نو بجے کا وقت تھا۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ امجد عنبر کے ساتھ اپنی کوٹھی سے باہر نکلا تھا اور عنبر نے اسے کہا تھا کہ وہ واپس اپنی دنیا میں جا رہا ہے اور ناگ کے دیئے ہوئے منکے کو آزمائے گا۔

امجد نے اپنی کوٹھی کی طرف نگاہ ڈالی۔ کوٹھی میں روشنی
ہو رہی تھی اور نوکر میز پر رات کا کھانا لگا رہا تھا۔
اس کے ڈیڈی برآمدے میں آئے اور انہوں نے ادھر
ادھر دیکھ کر امجد کو آواز دی۔ امجد بھاگ کر ان کے
پاس گیا۔ اس کے ڈیڈی نے پوچھا۔
"بیٹا تمہارے دوست عنبر کہاں چلے گئے؟"
امجد نے کہا۔
"ڈیڈی وہ چلے گئے۔"
"کہاں بیٹا"
امجد نے گہرا سانس بھر کر کہا۔
"یہ کوئی نہیں بتا سکتا"
امجد کا باپ مسکرا دیا۔
"اچھا اچھا سمجھ گیا۔ وہ ضرور پنڈی گئے ہوں گے۔
وہ پنڈی کا مجھ سے ذکر کر رہے تھے۔ کھانا بھی انہوں
نے نہیں کھایا۔ چلو بیٹا تم کھا لو۔ تمہاری امی اور بہن
کھانے پر تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔"
امجد کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ اس کا لباس اب پرانے
زمانے کا نہیں تھا۔ بلکہ پھر وہی پتلون قمیض والا لباس
واپس آگیا تھا۔ اس نے ڈرائنگ روم میں آتے ہی کلاک

پر وقت دیکھا۔ ماریا نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ ماریا اور عنبر
ناگ کی دنیا میں ایک سال کے قریب وقت گزار کر آیا
تھا۔ مگر یہاں اسے صرف بیس منٹ ہی گزرے تھے۔
بیس منٹ پہلے وہ عنبر کے ساتھ کوٹھی سے باہر برگد
کے درخت تک گیا تھا۔ اس وقت نوکر کھانا لگانے کے
لیے لا رہا تھا اور جب امجد نے عنبر کے پیچھے چھلانگ لگائی
اور عنبر ناگ ماریا کی پراسرار دنیا میں گیا اور واپس آیا تو
اسے وہاں سال بھر گزر گیا تھا مگر یہاں صرف بیس منٹ
ہوئے تھے اور نوکر میز پر کھانا لگا کر ابھی ابھی فارغ ہوا
تھا۔ امجد نے اپنی امی اور بہن کو بڑی پیار بھری نظروں
سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ خدا کا شکر ہے مجھے پھر
تمہاری صورتیں دیکھنی نصیب ہوئیں۔ وہ کھانے کی میز پر
بیٹھ گیا۔ اس کی امی نے امجد کی انگلی میں نیلے پتھر کی انگوٹھی
دیکھ کر پوچھا۔
"یہ انگوٹھی کہاں سے لی امجد؟"
امجد نے انگوٹھی کی طرف دیکھا۔ اس کے کانوں میں
ماریا کی آواز آئی۔
"یہ میری نشانی ہے۔ یہ تمہیں میری یاد دلائے گی"
امجد ماریا بہن کے لیے اداس ہو گیا۔ اس نے گہرا سانس

لے کر کہا۔

"عنبر مجھے اپنی نشانی کے طور پر دے گیا ہے ممی۔"

ادھر ماریا امجد کے جانے کے بعد اہرام سے نکلی اور عنبر اور ناگ کی تلاش میں ملک بابل کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس کا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے عنبر ناگ کا اس ملک میں کوئی سراغ مل جائے کیونکہ وہ ملک مصر کے بالکل ساتھ ہی تھا۔ خلائی لڑکی کیٹی کا خیال ماریا کو برابر لگا ہوا تھا اور اس نے دل میں عہد کر رکھا تھا کہ اگر عنبر اور ناگ، مل سکے تو وہ واپس ملک ایران جا کر دوبارہ خلائی لڑکی کیٹی کا سراغ لگائے گی۔

اب ہم عنبر اور ناگ کی طرف آتے ہیں۔

ساتھیو! آپ کو یاد ہو گا کہ مردوخ کے مندر کی تباہی کے بعد عنبر ناگ وہاں سے نکل کر دریائے فرات کے کنارے کنارے ماریا کی تلاش میں چل پڑے تھے۔ دونوں دوست اور بھائی ایک مدت کے بعد اکٹھے ہوئے تھے اور وہ بڑے خوش تھے۔ اب ان کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ کسی طرح انہیں ماریا بھی مل جائے تاکہ وہ تینوں بہن بھائی ایک بار پھر اکٹھے ہو جائیں اور مل کر اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔ مگر قدرت کو بھی ان کا ملاپ منظور

نہیں تھا۔ ابھی ان کے طویل اور خطرناک سفر میں کئی بھیانک واقعات آنے والے تھے۔

دونوں ماریا کے بارے میں باتیں کرتے جا رہے تھے۔ دونوں کو ماریا بہت یاد آ رہی تھی۔ انہیں اس طرح چلتے چلتے جب رات ہو گئی تو ناگ نے عنبر سے کہا۔

"کوئی ایسی جگہ ہو جہاں رات بسر کی جائے۔"

عنبر بولا۔

"کیا تھک گئے ہو تم ناگ؟"

ناگ مسکرایا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ ہم کبھی تھکا نہیں کرتے ہم تو صدیوں کے مسافر ہیں اور صدیوں سے سفر کر رہے ہیں۔ نہ ہم تھکتے ہیں نہ ہمیں بھوک لگتی ہے اور نہ پیاس ستاتی ہے۔"

عنبر نے پوچھا۔

"پھر کسی جگہ رات بسر کرنے کا خیال تمہیں کیوں آیا؟"

ناگ نے کہا۔

"ویسے ہی کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ چلنا پھرنا چھوڑ کر کسی جگہ آرام سے لیٹا جائے۔"

عنبر نے کہا۔

"یہاں تو مجھے کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آتی"

"اس جگہ کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟"

ناگ نے دریا کے پار ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہاں رات کے اندھیرے میں سبز رنگ کی دھیمی دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"کوئی سرائے لگتی ہے مجھے"

ناگ بولا۔

"سرائیں عام طور پر شہروں کے قریب ہوتی ہیں اور یہ تو ویران علاقہ ہے"

عنبر نے کہا۔

"پھر تو وہاں ضرور چلنا چاہیئے۔ یہ بھی راز معلوم ہو جائے گا کہ یہ کون سی جگہ ہے اور رات بھی بسر کر لیں گے"

"اچھا خیال ہے" ناگ نے کہا۔

دونوں دوستوں نے کچھ دور آگے جا کر دریا کو کشتیوں کے ایک پل پر سے عبور کیا اور ویران علاقے میں رات کے اندھیرے میں اس ٹیلے کی طرف روانہ ہوئے جس کے اوپر سبز روشنی ہو رہی تھی۔ ٹیلے کے پاس

جا کر انہوں نے دیکھا کہ یہ سبز روشنی ٹیلے کے اوپر ایک پرانی طرز کے حویلی نما بلکہ قلعہ نما دو منزلہ مکان میں ایک چھوٹی سی کھڑکی سے آ رہی تھی۔ عنبر نے کہا۔

"کمال کی بات ہے باقی ساری حویلی میں اندھیرا ہے صرف اس اوپر والی کھڑکی میں سبز روشنی ہو رہی ہے"

ناگ نے کہا۔

"تم یہاں ٹھہرو۔ میں اوپر جا کر پتہ کرتا ہوں کہ یہ روشنی کس نے کی ہے اور اس حویلی میں کوئی رہتا بھی ہے کہ نہیں"

عنبر نے ناگ کو روکا کہ خواہ مخواہ اسے اکیلے جانے کی کیا ضرورت ہے وہ اکٹھے ہی چلتے ہیں مگر ناگ نہ مانا اور سیاہ عقاب کی شکل اختیار کر کے اڑا اور اس کھڑکی میں سے اندر داخل ہو گیا جہاں سبز روشنی ہو رہی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کی دیواروں پر اینٹوں کی بجائے انسانی کھوپڑیاں چنی ہوئی تھیں۔ فرش پر قالین بچھا تھا جس کے درمیان میں ایک بہت بڑا چوکور پتھر پڑا تھا جس میں ایک تلوار آدھی اندر گھسی ہوئی تھی۔ آدھی تلوار باہر تھی اس تلوار میں سے سبز روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ مگر سب سے زیادہ حیرت ناگ کو جس چیز سے ہوئی وہ ایک انسان کاڈھریں

کا پنجر تھا جس کی گردن میں رسی بندھی تھی اور جو چھت
سے لٹک رہا تھا۔ ہڈیوں کے اس پنجر کی کھوپڑی ایک
طرف کو جھکی ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ اس آدمی کو چھت سے
لٹکا کر پھانسی دی گئی تھی اور اس کی لاش وہیں لٹکے لٹکے
ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گئی تھی۔

ناگ انسانی شکل میں آگیا تھا اور ایک ایک چیز کو تعجب
سے دیکھ رہا تھا۔ دیوار میں انسانی کھوپڑیاں ایک دوسری
کے اوپر نیچے جوڑی گئی تھیں اور تمام کی تمام کھوپڑیاں ایک
ہی سائز کی تھیں۔ ناگ اس چوکور پتھر کے پاس آگیا جس
میں تلوار آدھی اندر دھنسی ہوئی تھی اور جتنی تلوار باہر
تھی اس میں سے سبز کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ تلوار کا
دستہ کالے پتھر کا بنا ہوا تھا اور چمک رہا تھا۔ ناگ
تلوار کے ذرا اور قریب ہوا تو چھت کے ساتھ لٹکتے ہوئے
انسانی پنجر میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے آہستہ آہستہ
ہلنا شروع کر دیا۔ ناگ نے چوکور پتھر کو ہاتھ لگایا تو انسانی
پنجر نے ہلنا بند کر دیا۔ ناگ نے پتھر میں دھنسی ہوئی تلوار
کے دستے کو پکڑ کر تلوار کو یونہی اوپر کی طرف کھینچا تو
تلوار پتھر میں سے نکل کر اس کے ہاتھ میں آگئی۔

ناگ کے ہاتھ میں آتے ہی تلوار میں سے اتنی تیز

روشنی نکلی کہ سارا کمرہ سبز ہو گیا اور ناگ کی آنکھیں چکا
چوند ہو گئیں۔ اسے جیسے کسی نے دھکا دیا اور وہ بے ہوش
ہو کر گر پڑا۔ ناگ کے گرتے ہی انسانی پنجر کے دونوں
بازوؤں کی ہڈیاں اپنی گردن کی طرف گئیں۔ انہوں نے
گلے میں بندھی ہوئی رسی کھولی اور انسانی پنجر جو لٹک رہا
تھا نیچے اتر پڑا۔ قالین پر گرتے ہی پنجر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس
نے بے ہوش ناگ کو اپنے ہڈیوں والے بازوؤں پر اٹھایا
اور سامنے جو کھوپڑیوں کی دیوار تھی اس کی طرف چلا۔
کھوپڑیوں کی دیوار شق ہو گئی۔ پنجر ناگ کو اٹھائے
اٹھائے دیوار میں سے گزر کر حویلی کی چھت پر آگیا۔
اندھیری رات۔ موت ایسی خاموشی۔ پنجر نے ناگ کو
چھت کے کنارے پر بنی ہوئی بارہ دری میں دیوار کے
ساتھ کھڑا کر دیا۔ ناگ بے ہوش تھا مگر اس کے
ہاتھ میں سبز رنگ کی تلوار تھی جس میں سے اب روشنی
نکلنا بند ہو گئی تھی۔ پنجر نے اپنا ہڈیوں والا بازو اوپر
اٹھا کر کھوپڑی کو بھی اوپر اٹھایا اور اس کے منہ سے
ایک گڑگڑاہٹ کی سی آواز نکلی۔ اس آواز کے نکلتے
ہی بارہ دری میں سبز دھواں بھر گیا۔ دھواں جب چھٹا
تو وہاں نہ پنجر تھا اور نہ ناگ ـــ

دونوں غائب ہو چکے تھے۔
ناگ کو جب دیر ہو گئی تو عنبر پریشان ہوا کہ وہ
اندر جاکر بیٹھ ہی گیا ہے۔ اس نے ایک بار کھڑکی میں سبز
روشنی کو بڑی تیزی سے چمکتے دیکھا تھا۔ سوچا شاید وہاں
کوئی رہتا ہو اور اس نے روشنی تیز کر دی ہو۔ مگر ناگ ابھی
تک کیوں نہیں آیا؟ یہ سوچ کر عنبر حویلی میں داخل
ہو گیا۔ پھرتے پھراتے وہ اس کمرے میں آ گیا جہاں
مردے کا پنجر لٹک رہا تھا اور چوکور پتھر میں سبز جادوئی
تلوار دھنسی ہوئی تھی۔ چوکور پتھر ویسے ہی پڑا تھا۔ جہاں
تلوار دھنسی تھی وہاں سوراخ رہ گیا تھا۔ عنبر نے دیوار
میں لگی ہوئی کھوپڑیوں کو بڑے غور سے دیکھا۔ اس
نے ناگ کو آوازیں بھی دیں مگر کسی طرف سے کوئی جواب
نہ آیا۔ ایسا لگتا تھا کہ حویلی عرصے سے ویران چلی آ رہی ہے۔
لیکن ناگ کہاں چلا گیا۔ ابھی تو اس کی آنکھوں کے
سامنے حویلی میں داخل ہوا تھا کمال کی بات یہ تھی کہ کھڑکی
میں سے آتی جس سبز روشنی کو دیکھ کر ناگ حویلی میں
داخل ہوا تھا۔ اب وہ سبز روشنی کہیں نہیں تھی۔ ضرور کوئی
پر اسرار بات ہو گئی ہے۔ عنبر نے سوچا۔ وہ حویلی میں گھوم
پھر کر ناگ کو ڈھونڈنے اور آوازیں دینے لگا۔ اس نے

ساری حویلی چھان ماری۔ سارے کمرے دیکھ لیے۔ ایک ایک
جگہ آواز دی مگر ناگ کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔
عنبر فکر مند بھی ہوا اور اداس بھی ہو گیا۔ کیونکہ ایک
مدت بعد دونوں دوست۔ دونوں بھائی ملے تھے کہ پھر بچھڑ
گئے۔ عنبر کو یہ بھی پریشانی تھی کہ کہیں ناگ کسی مصیبت میں
نہ پھنس گیا ہو۔ عنبر حویلی کی چھت پر آیا تو اس نے ایک بارہ
دری دیکھی۔ یہی وہ بارہ دری تھی جہاں ناگ غائب ہوا تھا۔ مگر
ناگ کے گم ہونے کا وہاں کوئی نشان نہیں تھا۔ ناگ کی کوئی چیز
بھی وہاں گری ہوئی نہیں تھی کہ جس سے اندازہ لگایا جا سکتا کہ
ناگ یہاں بارہ دری میں آیا تھا۔
عنبر نا امید ہو کر بارہ دری میں بیٹھ گیا۔ اس کے آس
پاس رات خاموش اور اندھیری تھی۔ ہوا آہیں بھرتی گزر
رہی تھی۔ کہیں کسی پتے کے کھڑکنے کی آواز تک نہیں آ
رہی تھی۔ عنبر اپنے دوست ناگ کے لیے دل میں بہت پریشان
تھا۔ ناگ کے بارے میں وہ ہمیشہ پریشان رہا تھا۔ کیونکہ
عاریا غائب تھی اور وہ موت کی پہنچ سے باہر تھی۔ وہ
خود یعنی عنبر بھی موت سے بے نیاز تھا خواہ کچھ مدت
کے لیے ہی سہی مگر ناگ زخمی بھی ہو سکتا تھا اور مر بھی
سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب کبھی وہ گم یا لاپتہ ہو جاتا

یا کسی مصیبت میں پھنس جاتا تو عنبر اور ماریا اس کے لیے
پریشان ہو جاتے تھے۔

اس وقت بھی عنبر کے دل میں ایک ہی خیال لگا ہوا تھا
کہ ناگ کہیں کسی ایسی مصیبت میں نہ پھنس گیا ہو جس میں اس
کی جان کا خطرہ ہو۔ لیکن اس سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ناگ
کو کہاں تلاش کرے۔ وہ حویلی میں آکر اچانک غائب ہوگیا تھا
اور اس کا کہیں بھی کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔ عنبر بارہ دری
سے اٹھا اور حویلی کی پہلی منزل میں آگیا۔ حویلی کے بڑے
بڑے کمرے ویران تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ مدتوں سے
اس حویلی میں کوئی شخص آباد نہیں تھا۔ راہ داریوں اور کمروں
اور برآمدوں میں موت کی خاموشی اور قبر ایسا اندھیرا چھایا ہوا
تھا۔ عنبر پہلی منزل میں حویلی کے پچھواڑے آگیا۔ یہاں ایک
جگہ باغ میں کنواں بنا ہوا تھا۔ عنبر نے کنوئیں میں جھانک
کر دیکھا۔ کنواں گہرا تھا۔ اندھیرے میں نیچے کچھ دکھائی
نہیں دے رہا تھا۔ عنبر کو اپنے پیچھے کسی کے پاؤں کی
آہٹ سنائی دی۔ وہ جلدی سے ایک طرف ہٹ گیا اور
ایک درخت کی اوٹ میں ہو کر دیکھنے لگا کہ اس کے
پیچھے کون آرہا تھا۔

اندھیرے میں عنبر نے دیکھا کہ ایک انسانی ہڈیوں کا

پنجر ہاتھ میں لوہے کا تھال لیے کنوئیں کی طرف چلا
آرہا ہے۔ عنبر حیران ہو کر انسانی پنجر کو گھورنے لگا۔
ہڈیوں کا یہ انسانی ڈھانچہ لوہے کا تھال لیے کنوئیں کے
پاس آکر رک گیا۔ لوہے کے تھال میں کسی انسان کی
کھوپڑی رکھی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ہی ایک چھوٹا
خنجر پڑا تھا۔

قاتل مردوں کا شہر

عنبر بڑے غور سے انسانی پنجر کو دیکھ رہا تھا۔

انسانی پنجر تھال میں رکھی کھوپڑی اور خنجر سمیت کنوئیں میں اتر کر غائب ہو گیا۔ اس کے غائب ہوتے ہی عنبر کنوئیں کے پاس آیا اور اس نے جھک کر جو گہری نظروں سے دیکھا تو اسے کنوئیں میں سیڑھیاں نظر آئیں جو کنوئیں کی دیوار کے ساتھ نیچے اتر گئی تھیں۔ عنبر یہ سوچ کر سیڑھیاں اترنے لگا کہ شاید یہاں سے کہیں اور کسی جگہ ناگ کا سراغ مل جائے۔ سیڑھیاں چھوٹی اور چکنے دار تھیں۔ وہ کنوئیں کی تہہ میں جا کر ختم ہو گئیں۔ آگے کنوئیں کی تہہ میں ایک غار کا چھوٹا سا منہ تھا جس کے آگے جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ انسانی پنجر اسی غار میں داخل ہوا ہو گا۔ عنبر نے سوچا اور وہ بھی جھاڑیوں کو ہٹا کر غار میں داخل ہو گیا۔ یہ غار ایک چھوٹی سی سرنگ تھی جس کی چھت صرف اتنی اونچی تھی کہ عنبر سر جھکا کر چل رہا تھا۔ پندرہ بیس قدم چلنے کے بعد یہ سرنگ ایک چوڑا غار بن گئی جس کی

چھت پہلے سے بھی زیادہ نیچی تھی۔ عنبر گھٹنوں کے بل چلنے پر مجبور ہو گیا۔ کیونکہ اگر وہ اٹھنے کی کوشش کرتا تھا تو اس کا سر غار کی چھت سے ٹکراتا تھا۔ یہاں اس نے کچھ فاصلے پر اسی انسانی پنجر کو دیکھا۔ تھال اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ تیز تیز ڈگ بھرتا آگے کو چلا جا رہا تھا۔

آگے ایک دروازہ تھا۔ محراب دار گول دروازہ جس کے باہر اژدھا کے دو بت دروازے کی دونوں جانب کھڑے تھے اور ان کی زبانیں باہر لٹک رہی تھیں۔ عنبر دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ دروازہ کس نے بنایا ہے اور یہ انسانی ڈھانچہ کیسے چل رہا ہے اور کہاں جا رہا ہو گا۔ وہ اس کا برابر پیچھا کر رہا تھا۔ دروازہ کھل گیا انسانی ڈھانچہ اس کے اندر داخل ہو گیا۔ اس کے داخل ہونے کے بعد دروازہ اپنے آپ بند ہو گیا۔ عنبر بھاگ کر بند ہوتے ہوئے دروازے کے پاس آگیا۔ دروازہ اتنا مضبوط تھا کہ اسے کھولنے کے لیے عنبر کو بھی کافی زور لگانا پڑا۔

وہ دروازے میں سے گزر گیا۔ گزرنے کے بعد دروازہ ایک بار پھر اپنے آپ بند ہو گیا۔ عنبر نے دیکھا

کہ وہ ایک وادی میں ہے جو چاروں طرف سے سیاہ
کالے پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے۔ آسمان پر بادل
چھائے ہوئے ہیں اور قبروں کی طرح کے اک منزلہ
مکان بنے ہوئے ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ ایک ایک
منزل جتنی اونچی قبریں بنی ہوئی ہیں جن کے اوپر چوکور
پتھر لگے ہیں جس طرح کہ لوگ قبروں پر کتبے کے پتھر
لگا کر مرنے والے کا نام لکھ دیتے ہیں۔ ان اک منزلہ قبروں
ایسے مکانوں کے پتھروں پر بھی قبر میں رہنے والے کا نام
لکھا ہے۔ ہر قبر کا صرف ایک دروازہ ہے۔ وادی بہت
وسیع اور لمبی چوڑی ہے اور قبروں کا ایک پورا چھوٹا سا
شہر آباد ہے۔

مگر وہاں کوئی مردہ دکھائی نہیں دے رہا۔ ان قبروں کے
بیچ میں ایک تین منزلہ بڑی قبر ہے جس کے چاروں طرف
مخروطی چھوٹے مینار کھڑے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہاں
قبروں کے اس شہر کا سردار رہتا ہے۔ عنبر جونہی آگے
بڑھا اسے قبروں میں سے مردے نکل کر اس کی طرف
بڑھتے نظر آئے۔ انہوں نے ہاتھوں میں چھریاں پکڑ رکھی تھیں
اور شور مچا رہے تھے۔ ہر مردہ سفید کفن میں لپٹا ہوا تھا۔
عنبر اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ قبروں میں سے

نکلے ہوئے مردے اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ مردے
بھی اس کے دس پندرہ گز قریب آ کر رک گئے اور
اور ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ ان مردوں کے چہرے
بڑے بھیانک تھے اور سر کھوپڑیاں بن رہے تھے۔ کسی
کی ایک آنکھ کی جگہ سوراخ تھا تو کسی کی دونوں آنکھوں
سوراخ بن چکی تھیں۔ وہ عنبر کی طرف خنجر پھینکنے لگے۔
عنبر بائیں جانب کو ہٹا تو اس کا پاؤں ایک نرم جگہ پر پڑا
اور اندر ہی اندر گرتا چلا گیا۔ عنبر نے سنبھلنے کی بہت کوشش
کی۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا اور ایک گہری کھوہ میں
زمین پر چاروں شانے چت ہو کر گر پڑا۔ اس نے
کھوہ کے اوپر والے سوراخ کی طرف دیکھا۔ اوپر
مردوں کی کھوپڑیاں نیچے جھانک رہی تھیں۔ وہ خوش
تھے کہ انہوں نے ایک ایسے آدمی کو قید میں ڈال دیا ہے
جو ان کی دنیا میں چلا آیا تھا۔

اصل میں یہ ایک مردوں کی پر اسرار بستی تھی جہاں
مر چکے قاتل اور ڈاکو اور اغوا کرنے والے مجرموں
کے مردے رہتے تھے۔ یہ سب ایسے قاتل اور ڈاکو
تھے جو پھانسی پا چکے تھے۔ پھانسی دینے کے بعد انہیں
قبروں میں جب دفن کر دیا گیا تو یہ قبروں کے نیچے ہی نیچے سے

اس مردوں کے شہر، بڑی بڑی قبروں کے شہر میں
بھیج دیئے گئے تھے۔ ہر مردے کے گلے میں پھانسی
کا پھندا پڑا تھا اور وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد سانس لیتے
ہوئے اس طرح کراہتا۔ جیسے سخت تکلیف میں ہو۔
یہ انہیں ان کے گناہوں کی سزا مل رہی تھی۔ قبروں کا یہ
شہر زمین کے اندر آباد تھا۔ دنیا میں جہاں کسی قاتل کو پھانسی
پر چڑھانے کے بعد اس کی لاش قبر میں دفن کی جاتی تو
اس کا مردہ دفن ہونے کے تین دن بعد قبر کے اندر ہی
اندر سے چل کر قاتل مردوں کے اس شہر میں آجاتا تھا۔
عنبر اس شہر خاموشاں کے ایک گہرے کھوہ میں گر
کر قید ہوگیا تھا۔ وہ بے بس تھا۔ کیونکہ کھوہ کی دیوار چکنی
تھی۔ اس میں سے پانی رِس رہا تھا اور وہ دیوار کو پکڑ
کر اوپر نہیں چڑھ سکتا تھا۔
اب ذرا ناگ کی سنیں کہ اس کے ساتھ کیا گزری!
پھانسی کے پھندے والا انسانی پنجر ناگ کو اٹھائے
ہوئے قبروں کے اسی شہر کی ایک پہاڑی غار میں لے
آیا۔ اسے دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا اور اس کے ہاتھ سے
سبز روشنی والی تلوار لے کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لی۔ پھر
پنجر نے کچھ پڑھ کر ناگ کے جسم پر پھونک ماری۔ ناگ

کو ہوش آگیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ ایک نیم روشن
غار میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہے اور سامنے انسانی
پنجر ہے جس کے ہاتھ میں تلوار پکڑی ہوئی ہے۔ ناگ نے فوراً
گہرا سانس لیا کہ وہاں سے سانپ بن کر فرار
ہوجائے کہ انسانی پنجر نے قہقہہ لگا کر کہا:
"میری آنکھوں کی طرف دیکھو"
پنجر کی آنکھوں سے سرخ روشنی نکل رہی تھی۔ اس
نے ناگ سے کہا۔
"میری اس روشنی کی سرخ شعاعیں تمہارے جسم
میں داخل ہو چکی ہیں اب تم جب تک میرا وہ
مقصد پورا نہیں کرتے جس کے لیے میں تمہیں
یہاں لایا ہوں تم میرے غلام ہو اور اپنی مرضی
سے یہاں سے باہر نہیں نکل سکتے"
ناگ نے پوچھا۔
"تم کون ہو اور مجھے یہاں کس مقصد کے لئے لائے
ہو؟"
انسانی پنجر نے کہا۔
"میں کون ہوں؟ تمہیں اس سے کوئی سروکار
نہیں۔ تم صرف اتنا سمجھ لو کہ میں مردہ ہوں اور

میرے اندر انسانوں سے بڑھ کر طاقت ہے مجھے
اسی کمرے میں پھانسی دے دی گئی تھی جس
کمرے میں تم نے پتھر میں دھنسی ہوئی تلوار
نکالی تھی۔ میں کئی سالوں سے چھت کے ساتھ
لٹکا ہڈیوں کا پنجر بن گیا۔ صرف اس انتظار میں کہ
کوئی ایسا انسان آئے جو اصل میں سانپ ہو اور
انسان بن کر زندہ ہو۔ کیونکہ صرف وہی پتھر
میں دھنسی ہوئی تلوار باہر نکال سکتا تھا اور صرف
وہی میرا کام پورا کر سکتا تھا اور صرف اسی پر
میری آنکھوں کی سرخ شعاعیں اپنا اثر کر سکتی
تھیں۔ میں نے کئی سال تک تمہارا انتظار کیا پھر
تم آگئے اور تم نے پتھر میں سے تلوار کو نکال
لیا اور میں نے تمہیں اپنے قابو میں کر لیا،،
ناگ نے کہا۔

,,تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟،،
انسانی پنجر بولا۔

,,اس تلوار میں تمہاری جان ہے جو اس وقت
میرے ہاتھ میں ہے۔ تم اگر اس تلوار کو
چھین لینے کے لیے میرے قریب آؤ گے تو

سانپ بن کر تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گے
اور پھر کبھی زندہ نہ ہو سکو گے اب غور سے
سنو۔ میں تمہیں وہ کام بتاتا ہوں جو تمہیں میرے
لیے کرنا ہے۔ اپنے لیے کرنا ہے۔ کیونکہ میرا
کام کرنے کے بعد ہی تم اس جگہ سے آزاد
ہو کر زندوں کی دنیا میں واپس جا سکو گے۔ نہیں
تو قیامت تک اسی مردوں کے شہر میں سانپ
بن کر رینگتے پھرو گے اور کوئی تمہاری مدد نہیں
کر سکے گا،،

ناگ نے انسانی پنجر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔
,,تم نے ابھی تک وہ کام نہیں بتایا جو مجھے کرنا
ہے،،

پنجر نے تلوار کا رخ ناگ کی طرف کر دیا۔ تلوار میں سے
اب سرخ روشنی نکل کر ناگ کے جسم پر پڑنے لگی۔
پنجر نے کہا۔

,,اس روشنی نے تمہیں میرا غلام بنا دیا ہے۔ تم
وہی کرو گے جو میں کہوں گا۔ غور سے سنو،،
پنجر نے تلوار نیچے کر لی۔ سرخ روشنی بجھ گئی۔
,,قبروں کے اس شہر میں سالہا سال سے

مردے رہ رہے ہیں۔ یہ قاتلوں اور پھانسی پانے
والوں کے مردے ہیں جو اپنی قبروں میں سفر
کرتے ہوئے اس شہر میں آ گئے ہیں۔ میں
بھی اسی شہر میں رہتا تھا۔ مگر ان لوگوں نے میرے
ساتھ دشمنی شروع کر دی اور ایک دن حویلی والے
کمرے میں لے جا کر مجھے ایک بار پھر پھانسی
پر چڑھا دیا۔ جن مردوں کو دوبارہ قتل کیا جائے
یا پھانسی دی جائے وہ ہڈیوں کے پنجر بن جاتے
ہیں۔ نہیں تو دوسرے مردے مردہ گوشت
پوست کے ساتھ چلتے پھرتے اور باتیں کرتے
ہیں۔ انہوں نے میری لاش کے نیچے پتھر میں
تلوار دھنسا دی اور کہا کہ اس تلوار کو ایک ایسا آدمی
اس پتھر سے نکال کر تمہیں اس عذاب سے
نجات دلا سکے گا جو اصل میں سانپ ہو اور
چونکہ ایسا آدمی ملنا مشکل بلکہ ناممکن ہے اس لیے
اب تم قیامت تک عذاب سہتے رہو گے۔ لیکن
میرے دل کو یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن ایسا
انسان حویلی میں ضرور آئے گا۔ اور پھر ایسا
ہی ہوا اور تم آ گئے۔"

ناگ نے پوچھا۔
"تم نے ابھی تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ مجھے
کیا کرنا ہو گا"
انسانی پنجر بولا۔
"آئندہ تم میری بات کو بیچ میں سے کاٹو گے
تو میں اس تلوار سے تمہاری گردن اڑا دوں گا"
ناگ نے کہا۔
"میری گردن اڑا دو گے تو تمہارا کام کون کرے
گا؟"
پنجر بولا۔
"یہ میں بعد میں دیکھ لوں گا لیکن تمہیں تمہاری
گستاخی کی سزا ضرور دوں گا۔ پس اب درمیان
میں مت بولنا۔ سنو! قبروں کے اس شہر کے مردوں
نے زمین کے اندر ایک غار میں اپنی ساری دولت
سونے کی شکل میں چھپا رکھی ہے۔ اسی غار میں
جہاں یہ سونے کا انبار لگا ہے ایک صندوقچی
میں آب حیات کی شیشی بھی پڑی ہے۔ یہ
آب حیات اس مردوں کے شہر کے سردار
کی ہے جو خود بھی اس کا ایک قطرہ پی کر ہمیشہ

کے لیے زندہ ہوگیا ہے۔ اور صرف اس مرے
کو آب حیات کا قطرہ دیتا ہے جس پر وہ خوش
ہوتا ہے۔ چونکہ وہ میرا دشمن ہے اور اسی نے
مجھے دوبارہ پھانسی پر لٹکایا تھا اس لیے سوال
ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ مجھے اس آب حیات
میں سے ایک قطرہ پینے کو دے۔ میں چاہتا
ہوں کہ تم اس غار میں جاؤ اور آب حیات
کی شیشی اور وہاں جمع کی ہوئی مردوں کی دولت
میرے لیے سمیٹ کر لے آؤ،،
ناگ نے کہا۔

،،لیکن کیا وہاں پہرہ نہیں لگا ہوا؟،،
پنجر نے کہا۔

جس کوٹھڑی میں سونے کا انبار اور آب حیات
کی شیشی ہے اس کے دروازے پر تانبے کا
ایک پتلا تلوار ہاتھ میں لیے پہرہ دیتا ہے۔ کسی کی
ہمت نہیں کہ اس کی آنکھ بچا کر کوئی مردہ اس
کوٹھڑی میں داخل ہو سکے،،

،، تو پھر میں کیسے اندر جاؤں گا؟،، ناگ نے سوال کیا۔
انسانی پنجر نے کہا۔

،،سنو! صرف تم ہی ایک ایسے شخص ہو جو
اس کوٹھڑی میں داخل ہو سکتے ہو۔ اگر یہ بات
نہ ہوتی تو میں اتنے سالوں تک چھت کے ساتھ
لٹکا تمہارا انتظار نہ کرتا۔ تم سانپ بن کر اس کوٹھڑی
میں جاؤ گے اور سب سے پہلے آب حیات کی
شیشی لاکر مجھے دو گے۔ میں آب حیات کا ایک
قطرہ پی کر پھر سے زندہ ہو جاؤں گا اور یہ لوگ
مجھے دوبارہ ہلاک نہ کر سکیں گے۔ میں ان کے
شہر کا سردار بن جاؤں گا اور ان کی ساری دولت
پر قبضہ کر لوں گا۔ اس کے بعد تم اس تلوار
کو لے کر اس پرانی حویلی میں جاؤ گے اور اسے
دوبارہ پتھر کے چوکور ٹکڑے میں دھنسا دو گے
کیونکہ مردوں کے شہر کا سردار ہونے کے بعد
میں زندوں کی دنیا میں واپس نہیں جا سکوں گا اگر
واپس گیا تو وہیں مر جاؤں گا۔ اب تم جاؤ۔
میں ابھی پہاڑی غار میں تمہاری واپسی کا انتظار کروں
گا۔ اگر تم نے مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کی
تو یاد رکھو تمہاری جان اس تلوار میں ہے اور تلوار
میرے قبضے میں ہے۔ میں اس تلوار کو دیوار

کے ساتھ ماروں گا اور تم جہاں کہیں بھی ہوگے
ہلاک ہو جاؤ گے"
ناگ نے کہا۔
"تم مجھے بلیک میل کر رہے ہو۔ میری طاقت
کا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہو"
انسانی پنجر نے تلوار کی نوک ناگ کی طرف کر
دی۔ تلوار میں سے تیز سرخ روشنی نکل کر ناگ
کے جسم پر پڑی اور وہ تڑپنے لگا۔ ناگ نے زمین
پر تڑپتے تڑپتے ہاتھ بلند کر کے کہا۔
"میں ویسے ہی کروں گا جیسا تم کہو گے"
انسانی پنجر نے تلوار کا رخ پیچھے کر دیا۔ سرخ روشنی
غائب ہو گئی۔ ناگ کو انسانی پنجر اس غار کا خفیہ راستہ بتایا
جو مردوں کے شہر میں سے ہو کر ایک ویرانے میں بہت
بڑی قبر کے نیچے چلا جاتا تھا۔ یہاں ایک غار میں وہ
کوٹھڑی تھی جس کے دروازے پر تانبے کا بت تلوار
ہاتھ میں لیے پہرہ دیتا تھا اور کوٹھڑی بھی وہ صندوقچی
تھی جس میں آب حیات تھا اور وہ جواہرات اور سونے
کے ڈھیر تھے جو مردوں نے اپنے سردار کے حکم پر
زمین کے اندر سے نکال کر وہاں جمع کئے ہوئے تھے۔

ناگ نے آب حیات لے کر واپس آنے کا وعدہ کیا
اور پہاڑی غار سے سیاہ چھوٹے سانپ کی شکل میں
باہر نکل آیا۔ وہ زمین پر رینگتے ہوئے آب حیات والی بڑی
قبر کی طرف چل پڑا۔ اس نے دیکھا کہ شہر کا کوئی آسمان
نہ تھا۔ اس کی جگہ کافی بلندی پر جا کر زمین کی انڈے کی
طرح کی طرح چھت پڑی ہوئی تھی۔ اس چھت کے
نیچے مردوں کا شہر آباد تھا۔ بڑی بڑی قبریں بنی ہوئی
تھیں جس کے اندر مردے رہ رہے تھے۔ وہ قبروں
کے درمیان آہستہ آہستہ گھسٹتے ہوئے چل پھر بھی رہے
تھے۔ وہ زیادہ تر خاموش رہتے اور جب بات کرتے
تو ان کے منہ سے سرگوشیاں سی نکلتی تھیں۔
ناگ سانپ کی شکل میں قبروں کے درمیان سے ہو
کر گھاس پھونس میں چھپتا چھپاتا قبروں کے مکانوں سے
دور نکل گیا۔ انسانی پنجر نے ناگ کو بتایا تھا کہ اگر کوئی
اسے ہلاک کرنے کی کوشش کرے تو وہ اسے ڈس
دے۔ اس کے ڈسنے سے مردہ بے حس ہو جائے گا۔
اور اسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ لیکن انسانی پنجر نے
ناگ کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس کا سب سے بڑا مقابلہ
کوٹھڑی کے باہر پہرہ دینے والے تانبے کے بت سے

ہو گا۔ اس بت کے اندر ایسی مشین لگی ہے کہ اس
کے ہاتھ کی تلوار دروازے میں ہر وقت چاروں طرف
گھومتی رہتی ہے۔ اگر کوئی مردہ اس کے اندر داخل
ہونے کی کوشش بھی کرے تو تلوار اس کے ٹکڑے
کر دے گی۔ لیکن تانبے کا پتلا سردار کے جادو کے
اثر میں بھی ہے اور اسے معمولی سے معمولی کیڑے
مکوڑے کے بھی کوٹھڑی میں داخل ہونے کا پتہ چل
جائے گا اور وہ اسے قتل کرنے کے لیے آئے گا۔
"بس! یہ تمہارا کام ہے کہ تم تانبے کے پتلے
کی تلوار سے اپنے آپ کو بچاؤ اور آب حیات
کی شیشی لے کر وہاں سے فرار ہو جاؤ۔ اگر تم
تانبے کے پتلے کی تلوار کی زد میں آ گئے تو میں
تمہیں موت کے منہ سے نہ بچا سکوں گا۔ تانبے
کا بت تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور
تم ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سو جاؤ گے۔"
ناگ کو سب سے زیادہ فکر اسی تانبے کے بت کا تھا۔
لیکن وہ اپنی زندگی اور آزادی حاصل کرنے کی لگن
میں چلا جا رہا تھا۔ کیونکہ وہ انسانی پنجر کو آب حیات
دینے کے بعد ہی اس سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔ الٹی

مصیبت میں ناگ پہلے کبھی گرفتار نہیں ہوا تھا۔ ناگ دل ہی
دل میں انسانی پنجر کو گالیاں بھی دے رہا تھا اور شہر سے
دور ویرانے کی بڑی قبر کی طرف رینگتا بھی جا رہا تھا۔ اچانک
ایک مردے کی نگاہ ناگ پر پڑ گئی۔ مردوں کے اس زمین
دوز شہر میں سانپ کبھی نہیں آتے تھے۔ سانپ ان پھانسی
پانے والے قاتل مردوں کے خوف کے مارے اپنے
اپنے بلوں سے بھاگ کر اس شہر سے کہیں دور چلے
گئے تھے۔ اس مردے نے جو ایک کالے سانپ
کو قبروں کے درمیان گھاس میں رینگتے دیکھا تو اپنے
حلق میں سے سرگوشی ایسی خشک اور باریک آواز نکالی۔
"سانپ ـــــ سانپ ـــــ"
اس آواز کو سن کر ایک اور مردہ قبر سے نکل کر آ
گیا۔ اس کے ہاتھ میں قبر کھودنے والی کھرپی تھی۔ اس
نے سانپ کو دیکھا اور اس پر کھرپی سے حملہ کر دیا۔
ناگ اگر تیزی سے پہلو نہ بدل جاتا تو کھرپی کی تیز دھار
نے اس کے دو ٹکڑے کر دیے تھے۔ ناگ بھاگا۔
مردے بھی اس کے پیچھے دوڑے۔ ناگ ایک بڑی
قبر کے اوپر چڑھ گیا۔ مردے بھی قبر پر چڑھ آئے
اور کھرپی سے بار بار سانپ کو دو ٹکڑے کرنے کی

کوشش کرنے لگے۔ انہیں یہ ڈر تو تھا ہی نہیں کہ اگر سانپ نے کاٹ لیا تو وہ مر جائیں گے۔ وہ تو پہلے ہی مرے ہوئے تھے۔ اس لیے بے دھڑک ہو کر سانپ کو پکڑنے اور ہلاک کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ناگ نے سانس بھر کر پرندہ بننے کی کوشش کی مگر وہ انسانی پنجر کی تلوار کے جادو کے اثر میں تھا اور اپنی مرضی سے سوائے سانپ یا انسان کے اور کچھ نہیں بن سکتا تھا۔ انسان وہ اس لیے نہیں بننا چاہتا تھا کہ اس طرح اس کا بھانڈا پھوٹ جاتا اور انسانی پنجر کے لیے وہ آب حیات کی شیشی نہیں لے جا سکتا تھا۔ اور اس کی قید سے آزاد نہیں ہو سکتا تھا۔ ویسے بھی انسان بننے میں ایک یہ خطرہ بھی تھا کہ کسی بھی مردے کے ہاتھ لگانے سے وہ سُن ہو کر پتھر بن جاتا۔ یہ بات بھی انسانی پنجر نے اسے سمجھا دی تھی۔

ناگ کی جان عذاب میں پھنس گئی تھی۔ ناچار ہو کر اس نے پلٹ کر پھنکار ماری اور اپنے آپ کو بچا کر اچھل کر ایک مردے کی ٹانگ پر ڈس دیا۔ کھرپی والے مردے نے زور سے کھرپی ماری۔ کھرپی ناگ کے بالکل قریب زمین میں دھنس گئی۔

مردہ زمین میں سے کھرپی باہر نکال رہا تھا کہ ناگ نے دوسرے مردے کی گردن پر بھی ڈس دیا۔ دونوں مردے بے حس ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ان کی آنکھیں کھلی تھیں مگر وہ حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس عذاب سے پیچھا چھوٹا۔ اب وہ تیزی سے رینگتا ویرانے والی قبر کی طرف بھاگا جس کے نیچے غار کے تہہ خانے میں وہ کوٹھڑی تھی جس کے اندر خزانہ اور آب حیات کی شیشی تھی۔

مردوں کے شہر میں ہر وقت ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا رہتا تھا اور اس اندھیرے کو دور کرنے کے لیے قبروں کے مکانوں پر چراغ جلتے رہتے تھے۔ ان چراغوں کی روشنی میں ناگ شہر سے تھوڑے فاصلے پر ویرانے میں پہنچ گیا۔ یہاں اس نے ایک قبر دیکھی جو ہاتھی کے بہت بڑے پیٹ کی طرح ابھری ہوئی تھی۔ اس قبر پر کوئی چراغ نہیں جل رہا تھا۔ انسانی پنجر نے ناگ کو اس قبر کے نیچے جانے کا خفیہ راستہ بتا دیا تھا۔ ناگ نے وہ راستہ تلاش کر لیا اور قبر کے سوراخ میں سے اندر گھس گیا۔ سوراخ میں تھوڑی دور جانے کے بعد راستہ چوڑا ہو گیا اور مٹی کی سیڑھیاں نظر آئیں جو نیچے غار میں

جارہی تھیں۔ غار میں اندھیرا تھا مگر ناگ اندھیرے میں راستے
کو تلاش کرتا آگے بڑھ رہا تھا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد غار ایک تہہ خانے میں
داخل ہو گئی۔ اس تہہ خانے میں ایک موڑ آیا۔ یہاں
ناگ نے ایک انسانی ڈھانچہ دیکھا جس کے گلے میں
رسی بندھی تھی اور جو چھت کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔ ضرور
یہ اس مردے کا ڈھانچہ ہوگا جو آب حیات کی تلاش
میں ادھر آیا اور پکڑا گیا اور پھر اسے دوبارہ پھانسی چڑھا
دیا گیا اور دوبارہ پھانسی چڑھانے سے وہ مر گیا اور
اس کے بدن کا گوشت گل سڑ گیا اور وہ ہڈیوں کا پنجر
بن گیا۔

ناگ مردوں کے اس شہر کے اسرار دیکھتا اور حیران
ہوتا آگے بڑھا۔ تہہ خانے کا موڑ گھوما تو اسے ایسی آواز
آئی جیسے کوئی ہوا میں پنکھا چلا رہا ہو ناگ آہستہ ہو
کر رینگنے لگا۔ پنکھا چلنے کی آواز قریب آنے لگی تھی۔ جونہی
وہ دیوار پر سے گھوما اس نے دیکھا سامنے ایک کوٹھڑی
کا دروازہ تھا۔ اس دروازے کے درمیان بھی تانبے
کا ایک بت کھڑا تھا۔ بت کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ تلوار
کو وہ بڑی تیزی سے اپنے ارد گرد گھما رہا تھا اور وہ

پنکھے کی طرح اس کے ارد گرد دروازے میں اتنی تیزی
سے گھوم رہی تھی کہ شوں شوں کی آواز پیدا ہو رہی تھی۔
اس گھومتی ہوئی تلوار کے درمیان سے یا نیچے
یا اوپر سے گزرنا استرے پر سے گزرنے کے برابر
تھا اگر کوئی گزر سکتا تھا تو سانپ ہی گزر سکتا تھا مگر اس
میں بھی خطرہ تھا کہ تلوار کی نوک لگ کر جسم کے ٹکڑے
نہ اڑ جائیں۔ لیکن ناگ کو اس گھومتی ہوئی تلوار کے درمیان
سے گزر کر کوٹھڑی کے اندر جانا تھا۔ اور اندر سے آب حیات
کی شیشی منہ میں دبوچ کر باہر بھی آنا تھا۔ یہ کوئی آسان کام
نہیں تھا۔ انسانی پنجر نے ناگ کو یہ نہیں بتایا تھا کہ تانبے
کے بت کے ہاتھ میں تلوار پنکھے کی طرح طوفانی گردش
کر رہی ہو گی۔ انسانی پنجر نے ناگ کو ایک اور بات نہیں
بتائی تھی کہ اگر اس کا جسم تانبے کے بت سے لگ گیا
تو تانبے کا بت سرخ ہو جائے گا اور اس کی خبر
سردار کو ہو جائے گی اور وہ فوراً وہاں پہنچ جائے گا۔
کہ دیکھے کوئی اس کی دولت پر ڈاکہ تو نہیں ڈال
رہا۔ اصل میں اس بات کی خود انسانی پنجر کو بھی خبر نہیں
تھی۔ ناگ دیوار پر سے اتر آیا۔
وہ تانبے کے بت کی گھومتی ہوئی طوفانی گردش

والی خطرناک تلوار کے درمیان سے گزرنے کی ترکیب پر غور
کرنے لگا۔ اس نے تانبے کے بت کے قریب جاکر اسے غور
سے دیکھا۔ تلوار کچھ اس طرح گردش کر رہی تھی کہ دروازے
میں کوئی جگہ ایسی باقی نہ رہی تھی کہ کوئی شے کوٹھڑی میں داخل
ہو سکے۔ ناگ نے کافی دیر سوچ بچار اور غور کرنے کے بعد
دیکھا کہ کونے میں صرف ایک جگہ ایسی تھی جہاں سے وہ
کوٹھڑی میں داخل ہو سکتا تھا۔ ناگ کے پاس اپنی وہ طاقت
بھی نہیں رہی تھی کہ وہ عظیم ناگ دیوتا کی حیثیت سے
کسی اژدھا یا بڑے سانپ کو اپنی مدد کے لیے وہاں بلالے۔
وہ زمین کے نیچے سوراخ بنا کر بھی کوٹھڑی میں داخل نہیں
ہو سکتا تھا۔ کیونکہ زمین پتھر کی تھی۔ کوٹھڑی کی دیواریں
بھی پتھر کی تھیں۔

آخر ناگ نے اسی ایک چھوٹی سی جگہ سے اندر جانے
کا فیصلہ کر لیا۔ اس میں اس کی جان کو سخت خطرہ بھی
تھا مگر اس کی سوا اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ ناگ آہستہ
آہستہ دروازے کی چوکھٹ کی طرف بڑھا۔ جوں جوں
وہ آگے جا رہا تھا تلوار کی گردش کی تیز آواز قریب
آتی جا رہی تھی۔ ناگ رینگتا ہوا کوٹھڑی کی چوکھٹ
کے بالکل قریب آگیا۔ وہ اپنی گردن اٹھا کر گردش کرتی

تلوار کو سامنے دیکھ رہا تھا۔

ناگ نے خدا کا نام لیا اور بت کے پاؤں کے اور
گھومتی تلوار کے درمیان جو چھوٹا سا سوراخ بنا ہوا تھا اس
کی طرف بڑھا۔ ناگ کا دل دھڑکنے لگا۔ اسے اپنی موت
سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ تلوار کی گردش کرتی نوک
اگر ذرا بھی اسے چھو جائے تو اس کا جسم ایک سیکنڈ کے
لیے ختم ہو جائے گا۔ ناگ کا جسم کانپ رہا تھا۔ وہ سوراخ
میں داخل ہو گیا۔ تلوار کی گردش اس کے جسم کے بالکل
اوپر سے ہو کر گزر رہی تھی۔ مگر ناگ بڑی عقل مندی
اور مہارت کے ساتھ رینگتا ہوا گزر گیا۔ اس نے خدا کا شکر
ادا کیا۔

کوٹھڑی میں پہنچ کر وہ دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ
گیا۔ اور اپنا سانس ٹھیک کرنے لگا۔ وہ ابھی تک سانپ
کی شکل میں تھا اور پہلی بار اسے اپنا سانس پھولا ہوا
محسوس ہوا تھا۔ اس نے دروازے میں تانبے کے بت
کو اپنی طرف پیٹھ کئے تلوار کو بجلی کے پنکھے کی طرح
گھماتے دیکھا تو حیران ہوا کہ وہ کیسے اس خونی گردش
سے نکل کر آگیا تھا؟

ذرا طبیعت درست ہوئی تو ناگ نے کوٹھڑی کا جائزہ

لیا۔ کوٹھڑی میں ایک دیا جل رہا تھا جس کی روشنی میں کونے
میں لگے ہوئے ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کے ڈھیر
چمک دمک رہے تھے۔ اتنے اتنے بڑے ہیرے تھے
کہ ناگ نے ایسے قیمتی ہیرے پہلے کہیں نہیں دیکھے تھے۔
جواہرات بھی انمول تھے اور سونے کی ڈلیوں کا تو کوئی
حساب ہی نہیں تھا۔ ناگ کو آب حیات کی شیشی والی
صندوقچی کی تلاش تھی۔ کوٹھڑی میں اِدھر اُدھر رینگ
کر آخر اس نے اسے تلاش کر ہی لیا۔

آب حیات کی صندوقچی ایک پتھر کی سِل کے اوپر
جواہرات کے ہاروں کے ڈھیر کے نیچے چھپا کر رکھی ہوئی
تھی۔ ناگ جواہرات اور موتیوں کے اس ڈھیر کے نیچے
گھس گیا۔ اس نے ہاروں کو ادھر ادھر کرنے کے
بعد صندوقچی کا ڈھکنا کھولا۔ اس کے اندر چمڑے کی ایک
چھوٹی سی شیشی رکھی تھی۔ آب حیات عرق کے قطرے
اسی شیشی کے اندر تھے۔ ناگ نے شیشی کو اپنے منہ
میں دبوچا اور موتیوں کے ہاروں کے ڈھیر میں سے نکل
کر کوٹھڑی کے دروازے کی طرف بڑھا۔ اب سب سے
بڑا مرحلہ باقی تھی۔ یعنی ایک بار پھر گردش کرتی خونی
تلوار میں سے گزر کر اسے مردوں کی بستی میں سے

نکل کر پہاڑی والے غار میں انسانی پنجر کے
پاس پہنچنا تھا۔

نیلی قبر کا خفیہ راستہ

تانبے کے بت کی تلوار تیزی سے گردش کر رہی تھی۔
ناگ ایک بار پہلے اس خونی تلوار کے نیچے سے گزر چکا
تھا۔ اس نے زیادہ احتیاط نہ کی اور جونہی وہ آب
حیات کی شیشی منہ میں دبائے گردش کرتی تلوار کے نیچے
سے گزرنے لگا اس کا جسم تانبے کے بت کے پاؤں سے چھو
گیا۔ اس کے جسم کا چھونا تھا کہ تانبے کا بت کا رنگ ایکدم
سرخ ہو گیا اور اس کے حلق سے ایسی گڑ گڑاہٹ کی آواز
نکلنے لگیں کہ ناگ گھبرا گیا۔ اس کے ساتھ ہی تانبے کے بت
کے جسم سے سرخ رنگ کی گرم آگ کی طرح کی شعاعیں
چاروں طرف سے نکل کر دروازے پر گرنے لگیں۔
اگر ناگ جلدی سے پیچھے نہ ہٹ جاتا تو یہ شعاعیں اس
کے جسم کو جلا کر بھسم کر دیتیں۔ ناگ کوٹھڑی میں واپس
آ گیا۔ بت کے سرخ ہوتے ہی مردوں کے شہر
کے سردار یعنی اس بڑے مردے کو خبر ہو گئی جو اس

آب حیات کا مالک تھا اور جس نے وہ آب حیات پی رکھا تھا
اور ہمیشہ کے لیے زندہ ہو چکا تھا۔ اسے آب حیات خطرے
میں نظر آیا تو وہ کوٹھڑی کی طرف بھاگا۔ اس کے ساتھ دوسرے
مردے بھی تھے۔ مردوں کا سردار ہر ماہ آب حیات
کا ایک قطرہ پیتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ زندہ تھا۔
وہ کوٹھڑی کے باہر آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اشارہ
کیا۔ تانبے کے بت میں سے نکلنے والی آگ کی طرح کی سرخ
شعاعیں غائب ہو گئیں۔ بت کی تلوار کی خونی گردش بھی رک
گئی۔ ناگ سونے کی ڈبیوں کے ڈھیر کے پاس چھپا
ہوا تھا۔ آب حیات کی شیشی اس کے منہ میں تھی۔ مردوں
کے سردار نے اپنا ہاتھ اونچا کیا۔ ہاتھ میں سے سبز روشنی
کا غبار سا نکل کر کوٹھڑی میں پھیل گیا۔ اس غبار میں
ناگ کا دم گھٹنے لگا۔ آب حیات کی شیشی اس کے منہ
سے چھوٹ گئی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔
مردوں کے سردار کو معلوم تھا کہ کوٹھڑی میں کوئی شے
داخل ہو چکی ہے۔ وہ اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھی مردے
بھی ہمراہ تھے۔ وہ سیدھا موتیوں کے ڈھیر کے نیچے
چھپائی ہوئی صندوقچی کے پاس گیا۔ اس نے دیکھا کہ موتیوں
کے ڈھیر کے پیچھے کالے رنگ کا ایک سانپ بے ہوش

پڑا ہے اور آب حیات کی شیشی اس کے پاس ہی گری ہوئی ہے۔ مردوں کے سردار کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ اس نے ساتھی مردوں سے کہا۔

"کسی نے ہمارے آب حیات کو چرانے کی کوشش کی اور اس سانپ کو استعمال کیا تھا۔ یہ سانپ کہاں سے آ گیا۔ ہمارے شہر میں آج تک کسی سانپ کو آنے کی جرات نہیں ہوئی۔ یہ کوئی انوکھا سانپ ہو گا۔"

ایک مردہ سرگوشی ایسی آواز میں بولا۔

"مردوں کے سردار! اس سانپ کو جس نے یہاں بھیجا ہے اس کا کھوج لگا کر اسے پھانسی پر لٹکانا ہو گا۔"

مردوں کے سردار نے کہا۔

"ہمارے شہر میں کسی مردے کی یہ ہمت نہیں کہ وہ کسی سانپ کو ہمارے خلاف استعمال کرے۔ یہ انوکھا سانپ کہیں باہر سے یہاں بھیجا گیا ہے۔"

دوسرا بولا۔

"ہم اس کا کھوج لگائیں گے۔ ہم اسے پکڑ

اپنے ہاتھ سے پھانسی دیں گے۔"

سردار نے کہا۔

"تانبے کا بت میری مدد کرے گا۔ پہلے اس سانپ کو پکڑ کر صندوقچی میں بند کر کے ہماری قبر میں رکھ دو۔"

پھر وہ کچھ سوچ کر بولا۔

"اسے ایسی دوا پلا دو کہ اس کا نچلا آدھا دھڑ سن ہو جائے اور اوپر کا آدھا دھڑ ہوش میں آ جائے۔"

"جو حکم سردار۔"

اور مردے سانپ کو اٹھا کر لے گئے۔ انہوں نے ناگ کے پچھلے دھڑ پر ایک خاص قسم کی جڑی بوٹی کے تیل کی مالش کر دی جس سے ناگ کا نچلا دھڑ بے ہوش اور بے حس ہو گیا۔ ناگ ابھی تک بے ہوش تھا۔ اسے صندوق میں بند کر کے سردار کی بڑی قبر میں رکھ دیا گیا۔

مردوں کے شہر کے سردار نے آب حیات کی شیشی دوبارہ صندوقچی میں رکھ کر موتیوں کے ڈھیر کے نیچے رکھا۔ باہر نکل کر تانبے کے بت کو اشارہ

کیا۔ بت کی تلوار اسی طرح طوفانی گردش میں مشغول ہو گئی۔ سردار یہاں سے نکل کر سیدھا اپنی بڑی قبر والے گھر میں آگیا۔ یہاں آکر اس نے دوسرے مردوں کو چلے جانے کا حکم دیا۔ جب سب مردے چلے گئے۔ تو سردار اس صندوق کے پاس آیا۔ جس میں ناگ بند تھا۔ سردار مردے کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ کوئی ایسا سانپ ہے جو زبردست طاقت کا مالک ہے اور انسان کی جون بدل لیتا ہے۔ اسے معلوم تھا کہ جونہی سانپ کو ہوش آئے گا وہ انسان کی جون بدل کر یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔ اس نے صندوق کے اندر ہوش میں لانے والا سفوف چھڑک کر صندوق کو بند کر دیا۔

صندوق کے اندر ناگ کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ صندوق میں پڑا ہے۔ ناگ سانپ سے انسان اور انسان سے سانپ بن سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی ساری طاقت انسانی پنجرے نے پتھر کی سبز تلوار کی مدد سے چھین لی تھی۔ ناگ نے سوچا کہ اسے بے ہوش کرنے کے بعد اس شہر کے مردوں نے اسے صندوق میں بند کر کے ڈال دیا ہے اور خدا جانے اس کے ساتھ

کیا سلوک کریں اس لیے یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے فرار ہو جانا چاہیے اور انسانی پنجرے سے جا کر کہنا چاہیے کہ وہ ایک بار پھر کوشش کرے گا۔

ناگ نے گہرا سانس بھرا اور انسانی شکل میں آگیا۔ انسانی شکل میں آتے ہی اس کا اوپر والا دھڑ صندوق سے باہر نکل آیا۔ کیونکہ صندوق چھوٹا تھا۔ اس نے نچلے دھڑ کو باہر نکالنا چاہا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کا نچلا دھڑ بے حس ہو چکا ہے۔ ناگ گھبرا گیا۔

اس نے کئی بار کوشش کی مگر وہ نچلا دھڑ صندوق میں اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلا سکا۔ وہ پریشان ہو گیا۔

مردوں کے شہر کا سردار اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس نے قہقہہ لگایا۔ ناگ نے پلٹ کر دیکھا تو اس کے پیچھے ایک ایسا آدمی کھڑا تھا جس کا چہرہ مردے کی طرح سفید تھا۔ جسم کفن میں لپٹا ہوا تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔

"میں جانتا ہوں تم ایک سانپ ہو مگر انسانی روپ بدل سکتے ہو۔ مگر میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں میرا آب حیات چرانے کے کس نے

بھیجا تھا؟"
ناگ نے کہا۔
"میں تمہیں اس شخص کا پتا نہیں بتاؤں گا"
مردوں کے سردار نے قہقہہ لگا کر کہا۔
"تم شاید بھول گئے ہو کہ اس وقت تم میری قید میں ہو۔ مردوں کے شہر میں ہو۔ اور میں مردوں کی اس بستی کا سردار ہوں۔ میں ہمیشہ کیلئے زندہ ہو گیا ہوں کیونکہ میں نے وہ آب حیات پی لیا ہے جسے تم چرانے آئے تھے۔ میں نے ہی تمہارے نچلے دھڑ کو سُن کر دیا ہے تاکہ تم انسانی شکل بدل کر یہاں سے بھاگ نہ سکو"
ناگ نے اپنے آپ کو وہاں بے بس پایا تو بولا۔
"اگر میں تمہیں اس شخص کا پتہ بتا دوں جس نے مجھے یہاں آب حیات چرانے کے لے بھیجا تھا تو کیا تم مجھے آزاد کر دو گے؟"
سردار بولا۔
"ہاں! میں مردوں کے تمام دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمہیں آزاد کر دوں گا اور تم جہاں جانا چاہو گے پہنچا دوں گا"

ناگ نے کہا۔
"کیا تم مجھے مردوں کی اس بستی کے باہر پرانی حویلی کے اس کمرے میں پہنچا دو گے جہاں سے مجھ پر یہ مصیبت نازل ہوئی تھی؟"
"ہاں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اسی حویلی میں پہنچا دیا جائے گا"
"تو پھر سنو!"
اور ناگ نے شروع سے لے کر آخر تک انسانی پنجر کی ساری کہانی بیان کر دی اور مردوں کے سردار کو یہ بھی بتا دیا کہ انسانی پنجر شہر سے دور ایک پہاڑی کے غار میں میرا انتظار کر رہا ہے کہ میں اس کے لیے آب حیات کی شیشی لے کر جاؤں جسے پی کر وہ زندہ ہو جائے اور تمہاری ساری دولت پر قبضہ کر لے۔
مردوں کے سردار کے چہرے پر انتقام اور نفرت کی لکیریں ابھر آئیں۔ اس نے ناگ سے کہا۔
"میں اسے ایسا آب حیات پلاؤں گا کہ ساری زندگی یاد رکھے گا"
ناگ نے کہا۔
"میں نے تمہیں تمہارے دشمن کا پتہ بتا دیا

ہے۔ اب تم مجھے آزاد کر دو اور حویلی کے اس
کمرے میں چھوڑ آؤ جہاں میں نے سبز تلوار
چوکور پتھر میں سے نکالی تھی"۔
مردوں کا سردار ہنسا۔
"ابھی نہیں۔ ابھی تمہاری شرط پوری نہیں ہوئی۔
جب تک میں انسانی پنجر کو اپنے ہاتھوں جا کر
ہلاک نہیں کروں گا تم آزاد نہیں ہو سکتے"۔
ناگ خاموش ہو گیا۔
سردار نے کہا۔
"اب تم اسی جگہ میرا انتظار کرو۔ میں اپنے دشمن
کی خبر لینے جا رہا ہوں"۔
پھر باہر جاتے ہوئے پلٹ کر بولا
"تم چاہو تو انسانی شکل میں اور چاہو تو سانپ بن
کر صندوق کے اندر آرام کر سکتے ہو۔ مگر ہر دو
صورتوں میں تمہارا نچلا دھڑ سُن رہے گا اور تم
حرکت نہ کر سکو گے"۔
اور مردوں کا سردار مکار ہنسی ہنستا وہاں سے نکل
گیا۔ ناگ نے اپنا سر پکڑ لیا وہ عجیب مصیبت میں پھنس
گیا تھا۔ نہ تلوار کو پتھر میں سے نکالنے کی کوشش کرتا

اور نہ اسے یہ دن دیکھنا پڑتا۔ پھر اسے خیال کہ مردوں
کا سردار انسانی پنجر کو ہلاک کرنے کے بعد ضرور اسے
آزاد کر دے گا اور ایک تیر سے وہ دو شکار کرے گا۔
یعنی مردوں کے سردار اور انسانی پنجر کی سبز تلوار کے جادو
سے بھی اسے نجات مل جائے گی۔ اصل میں ناگ یہی چاہتا
تھا کہ مردوں کا سردار جتنی جلدی ہو انسانی پنجر کو قتل
کر دے تاکہ اس سے نجات ملے اور ناگ کی طاقت پھر
سے واپس آ جائے۔ لیکن کسی وقت اسے خیال آتا کہ مردوں
کا سردار بڑا پراسرار اور مکار دکھائی دیتا ہے۔ ہو سکتا
ہے وہ ناگ کو آزاد نہ کرے۔ ناگ یہ سوچ کر پریشان
ہو جاتا۔ اسے عنبر کا خیال آیا کہ وہ حویلی کے باہر اس
کا انتظار کر رہا ہو گا۔ یا شاید اس کی تلاش میں حویلی کے
اندر بھی گیا ہو اور پھر حویلی کی چھت والی بارہ دری
میں بھی گیا ہو۔ مگر وہ ناگ کو تلاش کرتے ہوئے اس
کے پاس نہیں پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ یہ دنیا ہی اور تھی۔ دنیا
کے نیچے مردوں کی ایک نئی دنیا آباد تھی۔ عنبر کے گمان
میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ اس زمین کے اندر بھی
قبروں کا ایک شہر آباد ہے۔
ادھر مردوں کا سردار اپنے بڑی قبر والے مکان

سے باہر نکل کر سیدھا شہر کے بڑی پہاڑی والے
غار کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ چار مردے
تھے جن میں سے ایک نے پھانسی کا رسہ اٹھا رکھا تھا۔
غار میں انسانی پنجر سبز جادوئی تلوار کو دیوار کے ساتھ
لگائے ٹہلتا ہوا ناگ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ مردوں
کے سردار نے غار کی چھت کے ایک سوراخ میں سے
جھانک کر دیکھا کہ جادوئی تلوار دیوار کے ساتھ لگی تھی اور
مردوں کا سردار بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔

سردار نے اپنے ایک خاص مردے کو اشارہ کیا۔

وہ مردہ پہاڑی سے اتر کر زمین کے اندر چوہے
کی طرح دھنس گیا اور غار کے اندر عین اس جگہ چوہے
کی طرح باہر نکل آیا جہاں جادو کی سبز تلوار پڑی تھی۔
انسانی پنجر کا منہ غار کے دروازے کی طرف ہوا تو
مردے نے تلوار اٹھائی اور اسے لے کر دوبارہ زمین
کے اندر دھنس گیا۔ یہ مردے زمین کے اندر ہی اندر
بڑی آسانی سے سفر کر لیا کرتے تھے۔ وہ تلوار لے کر
چلا گیا اور زمین اوپر سے پھر برابر ہو گئی۔ انسانی پنجر
جب واپس مڑا تو یہ دیکھ کر اس کے ہاتھوں کے طوطے
اڑ گئے کہ اس کی جادو کی سبز تلوار غائب تھی۔ وہ بوکھلا

گیا اور پاگلوں کی طرح غار میں ادھر ادھر چکر لگانے
اور تلوار کو تلاش کرنے لگا۔ اس کی ہڈیاں کھڑ کھڑا رہی
تھیں اور وہ منظر بڑا ڈراؤنا تھا کہ ایک انسانی ہڈیوں
کا پنجر تاریک غار میں پاگلوں کی طرح گھوم رہا ہے
اور اس کی سفید ہڈیاں چمک رہی ہیں۔ اب مردوں
کے سردار کے لیے میدان صاف تھا۔

وہ پہاڑی سے اتر کر غار کے اندر آ گیا۔ اس کے پیچھے
پیچھے چار مردے تھے جن میں سے ایک ہٹے کٹے مردے
نے پھانسی کی رسی اٹھا رکھی تھی۔ انسانی ہڈیوں کے پنجر
نے جب مردوں کے سردار کو اور جلاد مردے کو پھانسی
کی رسی اٹھائے دیکھا تو اس پر خوف سے لرزہ طاری ہو
گیا۔ اب اسے اپنی موت ——— دوسری موت یقینی نظر
آ رہی تھی۔ یہ دوسری موت اس کی آخری موت تھی۔
وہ سمجھ گیا کہ سانپ پکڑ لیا گیا ہے۔ اس کی جادو کی
تلوار بھی چھین لی گئی ہے اور اب وہ کچھ نہیں کر سکتا۔
مردوں کے سردار نے کڑک کر کہا۔

"او بذات انسانی پنجر! خونخوار قاتل کے پنجر!
تیری یہ مجال کہ تو ایک سانپ کو میری دولت
پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے بھیجے؟"

انسانی پنجر نے ہڈیوں والے ہاتھ جوڑ کر کہا۔
"معاف کر دو سردار۔ غلطی ہو گئی۔"
مردوں کے سردار نے کہا۔
"تو سانپ سے بھی بڑھ کر خطرناک دشمن ہے
میں تجھے کبھی معاف نہیں کر سکتا۔"
اس نے جلاّد مردے کو اشارہ کیا۔ مردہ آگے
بڑھا۔ انسانی پنجر کانپنے لگا۔ اس کی ہڈیوں کی کھڑکھڑ
کی آواز آنے لگی۔ جلاّد مردے نے ہڈیوں کے پنجر
کے گلے میں ایک بار پھر رسی ڈالی اور اسے غار کی
چھت سے لٹکا کر اتنی زور سے کھینچا کہ انسانی پنجر کی
ساری ہڈیاں بکھر کر نیچے گر پڑیں۔ ایک بھیانک چیخ
کی آواز بلند ہوئی اور پھر گہری خاموشی چھا گئی۔ سردار
نے کہا۔

"ان ہڈیوں کو اٹھا کر لے جاؤ۔ انہیں پیس کر
ان کا سرمہ بنا کر آگ میں ڈال دو تاکہ میرے
دشمن کا نشان باقی نہ رہے۔"
پھر وہ چاروں مردوں کی طرف منہ کر کے بولا۔
"یاد رکھو۔ جو میرے ساتھ دشمنی کرے گا۔
اس کا یہی حشر ہو گا۔"

اور وہ غار سے باہر نکل گیا۔ مردے انسانی پنجر
کی ہڈیاں سمیٹنے لگے۔ وہ سرگوشی کی آوازیں ایک دوسرے
سے کہتے بھی جاتے تھے کہ سردار سے دشمنی مت
کرنا۔ سردار سے دشمنی مت کرنا۔
اپنے دشمن کو ٹھکانے لگانے کے بعد سردار واپس
اپنی قبر والے مکان میں آگیا۔ ناگ اس کا انتظار کر رہا
تھا۔ وہ صندوق میں ویسے ہی بیٹھا تھا کہ اس کا آدھا
دھڑ صندوق سے باہر تھا اور نچلا دھڑ سن ہو کر صندوق
کے اندر تھا۔ سردار نے مسکرا کر ناگ کو دیکھا اور کہا۔
"میں نے دشمن کو ختم کر دیا ہے"
ناگ نے کہا۔
"اب اپنا وعدہ پورا کرو اور مجھے رہا کر دو"
سردار مکاری سے مسکرایا۔
"میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا۔ وہ کبھی پورا
نہیں ہو گا! ——— اپنی رہائی کو بھول جاؤ۔ تم ایک
سنہری چڑیا ہو۔ ایک بڑی انمول دولت ہو۔
میں تمہیں اس وقت تک آزاد نہیں کروں گا
جب تک کہ میں اپنا دوسرا مقصد پورا نہیں کر لیتا"
ناگ سخت مایوس ہوا۔ کہنے لگا۔

"سردار! تم نے مردوں کے تمام دیوتاؤں کی
قسم کھا کر مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں تمہیں
تمہارے دشمن کا پتہ بتا دوں تو تم مجھے آزاد کر
دو گے"

سردار نے قہقہہ لگایا۔

"احمق! کبھی کسی نے کسی مردے کے وعدے
کا بھی اعتبار کیا ہے۔ اب تم اسی صندوق میں رہو
گے۔ اس وقت تک جب تک کہ میں اپنا
دوسرا مقصد حاصل نہیں کر لیتا"

ناگ نے پوچھا۔

"تمہارا دوسرا مقصد کیا ہے؟"

سردار بولا۔

"یہ وقت آنے پر تمہیں بتاؤں گا"

اور وہ کوٹھڑی سے باہر نکل گیا۔ باہر جاتے ہی
اس نے کوٹھڑی کو بند کر کے باہر بہت بڑا تالا لگا دیا
اور دو مردوں کا وہاں پہرہ لگا دیا۔ اگرچہ اسے یقین
تھا کہ ناگ کوٹھڑی سے کبھی باہر نہیں نکل سکے
گا۔ پھر بھی وہ اس کے فرار ہو جانے کا خطرہ نہیں مول
لینا چاہتا تھا۔

ہم ناگ کو اس حالت میں اسی جگہ چھوڑتے ہیں اور
اسی مردوں کی بستی میں چل کر دیکھتے ہیں کہ عنبر کس حال
میں ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ عنبر ناگ کی تلاش میں ایک
ہڈیوں کے پنجر کے پیچھے پیچھے چلتا ایک کنوئیں میں اتر
گیا تھا اور پھر وہاں سے مردوں کی بستی میں پہنچ گیا تھا۔
یہ مردوں کی بستی مردوں کے سردار کے شہر سے
کافی دور ایک وادی میں زمین کے اندر ہی تھی۔ یہاں
مردوں کے ایک گروہ نے عنبر کو دیکھ کر اس کا پیچھا
کیا اور وہ ایک کنوئیں یا گہری کھوہ میں گر پڑا جس کی
دیوار سے پانی رس رہا تھا اور وہ اتنی چکنی تھیں کہ عنبر
اوپر چڑھ کر کھوہ سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس بستی
کے مردوں میں ہڈیوں کے پنجر بھی رہتے تھے جو تھالی
میں اپنے دشمنوں کی کھوپڑی اور ایک خنجر رکھ کر ہر ماہ
شام کو پوجا کرتے تھے اور خنجر دشمن کی کھوپڑی میں مار کر
اسے توڑ دیتے تھے۔ وہ جو پنجر عنبر کو ملا تھا دشمن کی کھوپڑی
اور خنجر تھال میں رکھے پوجا کرنے جا رہا تھا۔

بستی کے مردے عنبر کو کھوہ میں پھینک کر آپس میں
مشورہ کرنے لگے کہ اس دشمن کو کس طرح سے قتل کیا
جائے۔ ایک مردے نے کہا۔

"کیوں نہ ہم اسے یہاں سے دور مردوں کے شہر یعنی دارالحکومت میں سردار کے پاس لے چلیں؟"
دوسرے مردے نے کہا۔

"اس میں ہمیں اپنی جان کا خطرہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سردار الٹا ہمیں اس جرم میں پکڑ کر ہلاک کروا ڈالے کہ یہ دشمن تمہاری بستی میں کہاں سے آگیا"

"خیال ٹھیک ہے" تیسرا مردہ بولا۔
چوتھے مردے نے کہا۔

"پھر اس دشمن کو ہلاک کر کے کسی جگہ دفن کر دینا چاہیئے"
پہلا مردہ بولا۔

"کیوں نہ اسے ہم اسی کھوہ کے اندر ہی زندہ دفن کر دیں"

"بہت خوب۔ بڑا اچھا خیال ہے"
دوسرے مردے نے خوش ہو کر کہا۔ آخر انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ عنبر جس کھوہ کے اندر گرا ہوا ہے اس میں اوپر سے مٹی اور پتھر نیچے پھینکنے شروع کر دیئے جائیں اور کھوہ کو بھر دیا جائے تاکہ دشمن یعنی عنبر اس کے اندر

مر کر دفن ہو جائے۔ چنانچہ بستی کے مردوں کی قطاریں لگ گئیں۔ وہ بالٹیوں میں مٹی اور پتھر بھر بھر کر کھوہ میں پھینکنے لگے۔ عنبر پر مٹی اور پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ مردے اسے کھوہ کے اندر زندہ دفن کرنا چاہتے ہیں۔ اسے کوئی فکر نہ ہوا۔ بلکہ وہ خوش ہوا۔ کیونکہ اس صورت میں وہ پتھر کے اوپر سے ہوتا ہوا کھوہ سے باہر آسکتا تھا۔

سارا دن مردے کھوہ میں پتھر اور مٹی ڈالتے رہے۔ عنبر پہ پتھر گرتے تو وہ ان کے اوپر آجاتا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اگر مردوں کو یہ پتہ چل گیا کہ عنبر مر نہیں سکتا تو وہ اسے کھوہ میں ہی پڑا رہنے دیں گے اور مٹی پتھر پھینکنا بند کر دیں گے۔ عنبر نے پتھروں کے اوپر آنا بند کر دیا اور خاموشی سے مٹی پتھروں کے نیچے دبکا بیٹھا رہا تاکہ مردوں کو یہ یقین ہو جائے کہ وہ کنوئیں کے اندر ملبے تلے دب کر مر گیا ہے۔ جب کنواں مٹی اور پتھروں کے ملبے سے کافی بھر گیا اور مردوں کو یقین ہو گیا کہ عنبر مر گیا ہو گا وہ وہاں سے واپس بستی میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد عنبر ملبے کے نیچے سے نکل کر کنوئیں سے باہر آگیا۔ اسے سوائے اس کے اور کوئی نقصان نہیں

ہوا تھا کہ اس کے کپڑوں پر مٹی جم گئی تھی۔ اس نے کپڑوں
کو اچھی طرح سے جھاڑ کر مٹی صاف کی اور مردوں کی
بستی سے ذرا دور جاکر ایک جگہ جھاڑیوں کے پاس زمین
پر بیٹھ گیا اور چاروں طرف سانس لے کر ناگ کی بو محسوس
کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے کسی طرف سے ناگ
کی بو نہیں آ رہی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ناگ کو سردار
کی بڑی قبر کے اندر ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا تھا
اور یہ جگہ ذرا فاصلے پر بھی تھی۔

عنبر نے سامنے سے دو مردوں کو اپنی طرف آتے
دیکھا۔ وہ جلدی سے جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا۔
تاکہ مردے اسے دیکھ نہ لیں۔ یہ مردے اس طرف سے
آ رہے تھے جدھر مردوں کا شہر تھا۔ مردے جب
عنبر کے قریب سے گزرے تو وہ آپس میں باتیں کر رہے
تھے۔ ان کی آواز سرگوشیوں میں آ رہی تھی۔ ایک مردہ
دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

"سردار نے اسے قید کر کے اچھا نہیں کیا۔"

دوسرا مردہ بولا۔

"کہتے ہیں وہ اصل میں سانپ ہے اور
اس نے اپنی جون بدلی ہوئی ہے۔"

اتنا سننا تھا کہ عنبر کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ یقیناً
ناگ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ مردے چلے
گئے تو عنبر جھاڑیوں سے باہر نکل آیا۔ ناگ کے بارے میں یہ
معلوم ہو جانے پر وہ اسی جگہ کہیں سردار کی قید میں
ہے عنبر کو بے حد تسلی ہوئی۔ اب وہ اسے رہا کرا سکتا
تھا۔ لیکن وہ اس بات سے پریشان تھا کہ آخر مردوں
کے سردار نے ناگ کو اتنا بے بس کس طرح سے کر
رکھا کہ وہ اس کی قید میں پڑا ہے اور کچھ نہیں کر سکتا۔
لیکن یہ بعد میں سوچنے کی باتیں تھیں ابھی تو اسے کسی
کسی طرح ناگ کے پاس جاکر اسے مردوں کے سردار
کی قید سے آزاد کرانا تھا۔ اسے کچھ معلوم نہیں تھا کہ سردار
ناگ کو کس جگہ قید میں ڈال رکھا ہے۔ وہ اس طرف چلا
جدھر سے مردے باتیں کرتے آ رہے تھے۔

ظاہر ہے ادھر ہی سردار کی بڑی قبر والا مکان
ہوگا۔ عنبر نیم اندھیرے میں دیر تک چلتا گیا۔ پھر
اسے مردوں کے شہر کی بڑی بڑی ہاتھی کے بیٹھے
سے بھی بڑی بڑی قبریں دکھائی دیں۔ کچھ مردے بھی
وہاں آہستہ آہستہ پاؤں گھسیٹ کر چل رہے تھے۔
عنبر اپنے آپ کو ان کی نظروں سے چھپانا بھی چاہتا تھا۔

وہ یونہی کسی مردے سے لڑائی جھگڑا کرنا نہیں
چاہتا تھا کہ وہاں شور مچ جائے اور ناگ کو وہاں سے
فرار کروانے میں اور زیادہ مشکل ہو جائے۔
عنبر پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا۔ کہ اسے ایک
قبر میں سے جو سب سے بڑی قبر تھی سبز روشنی اوپر
کو نکلتی دکھائی دی۔ یہ سبز روشنی ایک سوراخ میں سے
نکل رہی تھی جو قبر کی چھت پر تھا۔ عنبر نے اندازہ لگایا
کہ ہو نہ ہو یہی سردار کی قبر ہے۔ کیونکہ ایک تو وہ
وہاں تمام قبروں سے بڑی ہے اور پھر اس کے اندر
سے روشنی نکل رہی ہے جو کسی قبر سے نہیں نکلتی دکھائی
دیتی۔ عنبر اس قبر کی طرف بڑھنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے
سبز روشنی بجھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد پھر نظر آنے لگی۔
جب عنبر اس قبر کے قریب آیا تو سبز روشنی بجھ گئی
اور قبر کے گول دروازے میں سے چار مردے باہر نکلے۔
ان مردوں نے سفید کفن پہن رکھے تھے۔ عنبر اندھیرے
میں چھپ گیا۔ چاروں مردے اس کے قریب سے گزرے
تو ایک مردہ دوسرے سے کہہ رہا تھا۔
"سردار کو کہیں یہ تلوار نقصان نہ پہنچائے"
دوسرا مردہ بولا۔

"اس نے آب حیات پی رکھا ہے اسے کیا نقصان
ہو سکتا ہے"
تیسرا مردہ کہنے لگا۔
"اگر کسی کو یہ راز معلوم ہو گیا کہ سردار کی جان
تانبے کے بت میں ہے تو اسے نقصان پہنچ سکتا
ہے اور آب حیات بھی اس کے کسی کام نہ آئے
گا۔ کیونکہ ابھی آب حیات پیئے اسے دو برس نہیں
ہوئے۔ دو برس تک آب حیات پینے کے بعد ہی وہ
ہمیشہ کے لیے زندہ ہو سکتا ہے"
پہلا مردہ بولا۔
"سردار کو چاہیئے تھا کہ تانبے کے بت کو اپنی قبر
کے تہہ خانے میں رکھتا"
ایک مردہ کہنے لگا۔
"اب یہ بت یہاں سے سات قبریں چھوڑ کر
نیلی قبر کے تہہ خانے میں ہے۔ اور وہاں تو کوئی
بھی نہیں جا سکتا"
وہی مردہ بولا۔
"لیکن ایک راستہ پہاڑی کے اندر سے بھی تو
جاتا ہے"

"اس راستے کا کسی کو علم نہیں ہو سکتا"
مرد اسی طرح باتیں کرتے وہاں سے گزر گئے۔
عنبر کو ایک خاص نشانی مل گئی تھی۔ سردار کی جان
کسی تانبے کے بت میں تھی جو وہاں سے سات قبریں چھوڑ
کر کسی نیلی قبر کے نیچے تہہ خانے میں تھا۔ اگر عنبر اس
بت کو توڑ ڈالے اور ملیامیٹ کر دے تو سردار پر قابو
پانا آسان ہو جائے گا۔ سردار اپنی موت آپ مر جائے گا
اور وہ ناگ کو آزاد کرا سکے گا۔ دوسری صورت میں اگر وہ
سردار کی گردن توڑ ڈالے گا تو وہ زندہ رہے گا اور ناگ
کو نقصان پہنچا سکے گا۔ اس لیے زیادہ بہتر یہی تھا کہ سب
سے پہلے تانبے کے بت کو پاش پاش کیا جائے۔ تاکہ
نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

عنبر سردار کی قبر سے سات قبریں گن کر جب آٹھویں
قبر کے پاس آیا تو اسے قریب ہی ایک ایسی قبر نظر آئی جس
کا رنگ گہرا نیلا تھا۔

اسی قبر کے نیچے تہہ خانے سے ایک خفیہ راستہ اس
غار میں جاتا تھا جہاں ایک کوٹھڑی میں آبِ حیات کی شیشی
اور جواہرات کا خزانہ تھا اور جہاں دوسرے راستے
سے ناگ داخل ہوا تھا۔ ناگ کو پکڑنے سردار ابھی نیلی قبر
والے اُبھار کے نیچے سے گیا تھا یہ راستہ صرف سردار اور اسکے خاص،

چار مردوں کے جو ابھی ابھی باتیں کرتے عنبر کے قریب
سے گزرے تھے اور کسی کو علم نہیں تھا۔

عنبر نے قبر کے ارد گرد گھوم کر وہ خفیہ راستہ تلاش
کر لیا جو غار میں جا نکلتا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا کھوہ تھا۔
عنبر کھوہ میں جھک کر داخل ہوا تو وہ سیڑھیوں پر آ
گیا۔ سیڑھیاں غار میں چلی گئی تھیں۔ یہاں غار کے ہر موڑ
پر ایک دیا روشن تھا۔ عنبر ان کی روشنی میں آگے بڑھتا
گیا۔ ایک جگہ وہ موڑ آ گیا جہاں سے ناگ رینگتا ہوا دوسری
جانب سے غار میں داخل ہوا تھا۔

عنبر کو اس جگہ تانبے کے بت کے ہاتھ میں گھومنے
والی تلوار کی شُوں شُوں سنائی دینے لگی۔ وہ اس آواز کے
پیچھے پیچھے چلتا آخر کوٹھڑی کے دروازے کے سامنے
پہنچ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ کوٹھڑی کے دروازے میں تانبے
کا ایک بت کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں تلوار ہے جو چرخی
طرح گردش کر رہی ہے اور اس تلوار کی طوفانی گردش کی
وجہ سے کوئی پرندہ تک کوٹھڑی کے اندر داخل نہیں
ہو سکتا۔ کوٹھڑی میں اسے جواہرات اور سونے کے ڈھیر
چمکتے نظر آ رہے تھے۔ عنبر سمجھ گیا کہ اس تانبے کے بت
میں نہ صرف یہ کہ سردار کی جان تھی بلکہ وہ اس کے خزانے

اور آبِ حیات کی صندوقچی کی حفاظت بھی کر رہا تھا۔
عنبر بت کے قریب پہنچ گیا۔ سوچنے لگا کہ ضرور اس میں
کوئی ایسی شے چھپی ہوئی ہو گی جو حملے کے وقت شور مچا
کر مردوں کے سردار کو خبردار کر دے گی۔ اس لیے وہ زیادہ
سے زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہتا تھا۔ لیکن وہ جتنی بھی احتیاط
سے کام لیتا اس کو تانبے کے بت کو ہر حالت میں پاش
پاش کرنا۔

چنانچہ عنبر نے آگے بڑھ کر تانبے کے بت کی لال لال
آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اگرچہ یہ ایک بت تھا مگر
عنبر کو یوں لگا جیسے وہ اسے گھور کر دیکھ رہا ہے اور اسے
عنبر کی نیت کا حال معلوم ہو گیا ہے۔ اس کے ہاتھ کی گردش
رک گئی۔ عنبر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کیونکہ تانبے کا بت
تلوار دونوں ہاتھوں میں اٹھائے اس کی طرف آہستہ آہستہ
قدم اٹھاتا بڑھ رہا تھا۔ یہ تانبے کے بت کی بدقسمتی تھی
کہ اس نے یہ تو معلوم کر لیا کہ عنبر اسے تباہ کرنے آرہا
ہے مگر یہ پتہ نہ چلا سکا کہ وہ عنبر کو قتل نہ کر سکے گا۔
تانبے کے بت نے پوری طاقت سے عنبر پہ تلوار
کا وار کیا۔ اس کا وار اور نشانہ اتنا صحیح تھا کہ عنبر پھرتی
کے باوجود وار نہ بچا سکا اور تلوار سیدھی اس کے سر

کے درمیان میں آکر لگی۔ ایک چھناکے کی آواز بلند
ہوئی اور تلوار ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ تانبے کا بت
وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اسے کبھی خیال بھی نہیں آسکتا
تھا کہ دنیا میں کوئی ایسا انسان بھی ہے جس کا سر اتنا مضبوط
ہو گا کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے گی۔ وہ عنبر پر دوسری
بار حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن اب عنبر اسے
موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ عنبر نے تانبے کے بت کی گردن
کو دونوں ہاتھوں میں دبوچا اور پوری طاقت سے اوپر اچھال
دیا۔ تانبے کا بت غار کی چھت سے اتنی زور سے ٹکرایا
کہ ایک دھماکے کی آواز پیدا ہوئی اور پھر جب نیچے گرا
تو پاش پاش ہو گیا۔ تانبے کے بت کے ٹکڑے دور دور تک
بکھر گئے تھے۔

سردار اپنی بڑی قبر والے مکان میں سبز تلوار ہاتھ
میں لیے کھڑا تھا۔ وہ کبھی تلوار کو زمین میں داخل کرتا
اور کبھی باہر کھینچ لیتا۔ جب وہ اسے زمین میں داخل
کرتا تو تلوار کی سبز روشنی بجھ جاتی اور جب باہر کھینچتا
تو تلوار پھر سے روشن ہو جاتی۔ ٹھیک جس وقت عنبر
نے تانبے کے بت کو گردن سے اٹھا کر فضا میں اچھالا
اور وہ گر کر پاش پاش ہو گیا مردوں کے سردار کے

ہاتھ میں جو سبز تلوار تھی پہلے اس کی روشنی بجھی اور پھر
وہ اپنے آپ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔
مردوں کے سردار کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ کیونکہ اس
کا جسم ایک دم کمزور پڑ گیا تھا اور اسے معلوم ہو گیا کہ
جس تانبے کے بت میں اس کی جان ہے اس کو کسی دشمن
نے تباہ کر دیا ہے۔ وہ باہر نکل کر پاگلوں کی طرح نیلی قبر
والے خفیہ راستے کی طرف بھاگا۔ مگر وہ کمزور ہونا شروع
ہو گیا تھا۔ جب وہ بھاگتا بھاگتا شور مچاتا غار میں کوٹھڑی
کے سامنے آیا تو وہاں تانبے کے بت کے چھوٹے چھوٹے
ٹکڑے پڑے تھے۔ دوسرے مردے بھی سردار کا شور
سن کر باہر نکل آئے تھے اور اس کے پیچھے پیچھے نیلی قبر
والے خفیہ راستے سے ہو کر غار میں پہنچ گئے تھے۔ اب
یہ راستہ کسی مردے کے لیے خفیہ نہیں رہا تھا۔
عنبر وہاں نہیں تھا۔ مردوں کے سردار کو اپنا دشمن
کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بھاگ کر کوٹھڑی میں گیا اور
جواہرات کے ڈھیر میں سے صندوقچی نکالی کہ آب حیات
پی لے مگر یہ دیکھ کر اس کا اور بھی رنگ اڑ گیا کہ
آب حیات کی شیشی تو موجود تھی مگر اس میں آب حیات
کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ یعنی بالکل خالی تھی۔ اس

کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی۔
عنبر سونے کے ڈھیر کے پیچھے سے نکل کر اس کے سامنے
آ گیا۔ اس نے مردوں کے سردار سے کہا۔
"میں نے تمہارا آب حیات مٹی پر پھینک دیا
ہے کیونکہ تمہیں بھی آخر ایک دن مٹی میں مل جانا
ہے۔"
سردار نے گھور کر بڑے غور سے عنبر کو دیکھا۔
"تم کون ہو؟"
عنبر نے کہا۔
"تمہاری موت ——"
"تم یہاں کیسے آ گئے؟"
"موت ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔"
"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"
اور اس نے اپنے ساتھی مردوں کو حکم دیا کہ عنبر
کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔ مردے رسیاں اور
پھندے لے کر عنبر کی طرف بڑھے مگر عنبر نے ایک
ایک کر کے سارے مردوں کی گردنیں بڑے آرام سے
اتار کر نیچے پھینک دیں۔ جیسے وہ طوطوں کی گردنیں اتار
رہا ہو۔ مردوں کے سردار نے جب یہ رنگ دیکھا تو

پریشان ہو گیا۔ کیونکہ اپنے ساتھیوں کی گردنیں اترتے
دیکھ کر باقی مردے وہاں سے بھاگ گئے تھے۔ سردار
کے پاس بس ایک آخری منتر، آخری جادو اور آخری
داؤ رہ گیا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ ہوا میں بلند
کر کے ایک خطرناک اور ڈراؤنی چیخ ماری اور کڑک
دار آواز میں کہا۔
"اے موت کے پرندے! تو میری مدد کر۔ میں
تجھ سے مدد مانگتا ہوں"
فضا میں بڑے بڑے پروں کی زبردست پھڑپھڑاہٹ
کی آواز سنائی دی اور تیز ہوا کے جھونکے چلنے جیسے
کوئی بلے چھوڑے۔ بہت بڑے پروں والا پرندہ غار
میں پھڑپھڑا رہا ہو۔ عنبر نے کہا۔
"تو چاہے جس کو بھی بلائے۔ اس وقت تیری کوئی
مدد نہ کر سکے گا۔"
مردوں کے سردار نے ایک بار پھر چیخ مار کر کہا
"اے موت کے پرندے! میری مدد کر!"
اور اس کے بعد ایک کانپتی ہوئی مگر بہت زوردار،
گونج دار آواز آئی۔
"میں تیری مدد نہیں کر سکتا۔ میں مجبور ہوں۔

جس شخص کو تم میرے ہاتھوں مروا ڈالنا چاہتے ہو
وہ ابھی خدا کی مرضی کے ساتھ مر نہیں سکتا۔ ابھی اسے
موت نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تو اس کی
فرماں برداری کو کر اور جو وہ کہتا ہے اس پر
عمل کر۔ خدا حافظ"
اور موت کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ غائب ہو گئی۔
عنبر نے مردوں کے سردار سے کہا۔
"اے سردار! تو نے موت کے پرندے کی آواز
سن لی تھی اور اس نے میرے بارے میں تجھے جو
کچھ کہا تم نے وہ بھی سن لیا۔ اب میری اطاعت
قبول کر۔ نہیں تو میں بڑی آسانی کے ساتھ تمہیں
موت کے پرندے کے پاس پہنچا دوں گا۔ کیونکہ
مجھے معلوم ہے کہ تیرے اندر سے آب حیات
کا اثر ختم ہو گیا ہے اور تو ہمیشہ کے لیے مر سکتا
ہے۔"
مردوں کے سردار نے ہتھیار ڈال دیئے اور کہا۔
"تم کیا چاہتے ہو؟"
عنبر نے کہا۔
میرے ایک دوست ناگ کو تم نے چھپا رکھا ہے۔

مجھے یہ بتادو کہ وہ کس جگہ پر قید ہے؟"
سردار نے کہا۔

"میری قبر کے پیچھے ایک کوٹھڑی میں صندوق
میں بیٹھا ہے مگر اس کا نچلا دھڑ بیکار ہو چکا
ہے وہ اب نہ تو سانپ کے علاوہ کوئی دوسری
جون بدل سکتا ہے اور نہ چل پھر سکتا ہے۔"
عنبر نے کہا۔

"یہ میں خود جا کر دیکھ لوں گا۔ اور یاد رکھو اگر
ناگ مجھے زندہ حالت میں نہ ملا تو میں تمہیں بھی
زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اور عنبر وہاں سے نکلا اور سیدھا مردوں کے سردار کے
بڑی چھت والے مکان کی طرف بھاگا۔ اب اسے ناگ کی
تیز خوشبو آنے لگی۔ اندھیرا زیادہ ہونے لگا تھا۔ اچانک
اسے ناگ کی آواز سنائی دی جو مدد کے لیے پکار رہی
تھی۔ کیونکہ ناگ نے بھی عنبر کی خوشبو محسوس کر لی تھی۔

"عنبر! میری مدد کرو۔ یہ لوگ مجھے اٹھا کر
لیے جا رہے ہیں۔"

عنبر نے دیکھا کہ اندھیرے میں چھ سات مردے
ایک صندوق کو اٹھائے ایک طرف بھاگے جا رہے تھے۔

اس صندوق میں سے عنبر نے ناگ کے آدھے دھڑ کو
باہر نکلے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ بڑی تیزی سے ناگ کی طرف
لپکا۔

"میں آرہا ہوں ناگ!"

اس آواز کو مردوں نے بھی سن لیا۔ خدا جانے مردوں
کے اندر اتنی طاقت کہاں سے آگئی تھی۔ یہ مردے
سردار کے خاص باڈی گارڈ تھے اور وہ سردار کی شکست
کا ناگ سے بدلہ لینا چاہتے تھے۔ مردوں نے تیزی سے
بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ دیکھتے دیکھتے کتنی ہی دور نکل
گئے۔ عنبر بھی ان کے پیچھے دیوانہ وار بھاگا۔ مردے
صندوق کو سروں پر اٹھائے ایک قبر کے اوپر سے ہو
کر دوسری طرف گہرائی میں آگئے۔

یہاں ایک نہر بہہ رہی تھی جس کا پانی بڑی تیزی
سے قبر کے نیچے ہو کر گزرتا قبر کے اندر غائب ہو گیا
تھا۔ عنبر جب ان مردوں کے سر پر پہنچا تو مردوں نے
ناگ کے صندوق کو اس نہر میں ڈال دیا۔ تیز پانی دیکھتے
دیکھتے صندوق کو ناگ سمیت لے کر قبر کے اندر گھس گیا۔
عنبر نے مردوں پر چھلانگ لگا دی۔ تین مردوں کی
گردنیں ٹوٹ گئیں اور ایک مردہ بھاگ گیا۔ مگر عنبر

کو اب ناگ کی زندگی کی فکر پڑ گئی تھی۔ اس نے دیکھا
کہ نہر کا پانی قبر کے نیچے سے اس کے اندر گھس گیا تھا
اور آگے نہ پانی دکھائی دیتا تھا اور نہ ناگ کا صندوق نظر
آرہا تھا۔ اس کی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ عنبر
کو اور کچھ نہ سوجھا۔ اس نے نہر میں چھلانگ لگا دی۔ نہر
کا پانی سخت ٹھنڈا تھا۔ مگر عنبر کو سردی محسوس نہیں ہو رہی
تھی۔ پانی کا بہاؤ اس قدر تیز تھا کہ عنبر کو لے کر وہ قبر
کے نیچے گھس گیا۔

قبر کے اندر تاریکی تھی۔ عنبر کو یوں لگا جیسے وہ کسی
نہر کے پل کے نیچے سے گزر رہا ہے۔ اس کا سر قبر کی
چھت سے ٹکرا رہا تھا۔ نہر کا پانی تیزی کے ساتھ آگے جا
رہا تھا اور لہروں کا شور بے حد زیادہ تھا۔ خدا جانے
یہ نہر قبروں میں سے ہو کر کہاں سے آتی تھی اور
قبروں میں سے ہو کر کدھر جا رہی تھی۔ عنبر نہر کی لہروں
پر بہا چلا جا رہا تھا۔ اس نے دو ایک بار آواز بھی
دی۔

"ناگ! گھبراؤ نہیں میں آرہا ہوں"

مگر اس کی آواز جیسے گنبد میں گونج کر رہ گئی۔ ناگ
کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ عنبر پریشان ہونے

لگا۔ ناگ بے بس تھا۔ اس کا نچلا دھڑ بے کار ہو گیا تھا
وہ پانی میں ڈوب سکتا تھا۔ اس نے کئی بار ناگ کو پکارا
مگر ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ نہر کا تیز پانی عنبر کو
اپنے طوفانی ریلے میں بہائے لیے جا رہا تھا۔ وہاں گھپ
اندھیرا چھایا تھا۔ سوائے لہروں کے شور کے دوسری کوئی
آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ عنبر نے اندھیرے میں آنکھیں
پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی بہت کوشش کی مگر اسے کچھ
دکھائی نہ دیا۔

نہ جانے اس طرح گھپ اندھیرے میں پانی کی
طوفانی لہروں کے ساتھ ساتھ بہتے کتنی دیر ہو گئی کہ
عنبر کو دور روشنی کا ایک نقطہ نظر آیا جو آہستہ آہستہ
پھیل رہا تھا۔ پھر یہ نقطہ ایک سوراخ بن گیا جس میں
سے روشنی آرہی تھی۔ اس روشنی میں عنبر نے دیکھا
کہ وہ زمین کے اندر پانی کی ایک نہر میں سے گزر رہا تھا
اور چھت اس کے سر سے کوئی ایک دو فٹ اونچی ہے۔
لہر ذرا بلند ہوتی تھی تو اس کا سر چھت سے ٹکرا جاتا
تھا۔

روشنی کا سوراخ اصل میں پانی کے غار کا وہ منہ تھا
جہاں سے نہر کا پانی باہر جاتا تھا۔ نہر کے غار کے اندر

اب روشنی ہو گئی تھی اور عنبر پانی کی لہروں کو باہر
نکلتے صاف دیکھ رہا تھا۔ وہاں اسے کوئی صندوق نظر
نہیں آ رہا تھا جس میں ناگ بیٹھا ہو۔ نہر کے پانی نے عنبر
کو غار سے باہر نکال دیا۔ باہر نکل کر عنبر نے دیکھا کہ
وہ دو بڑے اونچے اونچے پہاڑوں کے درمیان میں
سے گزر رہا ہے۔ پانی پہاڑ کی اوپر تک بلند ہوتی دیوار
کے ساتھ ٹکرا رہا ہے۔ دو پہاڑوں کے درمیان یہ ایک
تنگ سی گلی تھی جس میں سے پانی کا ریلا اسے بہائے
لیے جا رہا تھا۔ آگے جا کر پانی کی نہر چوڑی ہو گئی اور پھر
پتھروں کے بڑے بڑے ٹکڑوں میں سے گزرتی سامنے
کھڑے بہت بڑے پہاڑ میں داخل ہو رہی تھی۔

یہاں پہاڑ کے اندر جو سوراخ تھا اس میں چھ
مگرمچھ منہ کھولے بیٹھے تھے۔ عنبر نے سوچا کہ اگر ناگ
کا صندوق ادھر سے گزرا ہو گا تو ان مگرمچھوں نے اسے
ہڑپ کر لیا ہو گا اور اگر ناگ نے ہمت سے کام لیا ہو
گا۔ تو وہ صندوق کو ہاتھ کے چپوؤں سے بہاتا دوسری
طرف لے گیا ہو گا۔ عنبر بھی تیرتا ہوا دوسری طرف
آ گیا۔ یہاں ایک جگہ کنارہ زیادہ اونچا نہیں تھا اور
ڈھلانی دیوار پر جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ عنبر ان کو پکڑ

کر طوفانی نہر سے باہر نکل آیا

پہاڑ کی ڈھلان پر اوپر چڑھ کر اس نے دیکھا تھوڑی
دور تک پتھروں کا ایک میدان سا چلا گیا تھا۔ عنبر کو ایک
جگہ کوئی شے پڑی ہوئی دیکھی۔ وہ بھاگ کر قریب گیا
دیکھا کہ وہ وہی صندوق تھا جس میں مردے ناگ کو
اٹھائے لیے جا رہے تھے۔ صندوق خالی تھا اور نیچے سے
اس کے تختے اکھڑ چکے تھے۔ عنبر نے جھک کر زمین پر
عجیب و غریب قسم کے پیروں کے نشان دیکھے۔ یہ پیر بہت
بڑے تھے۔ عنبر نے اس میں اپنا پاؤں رکھا تو وہ ننھا
لگا۔ اس دیو قامت پاؤں کے نشان کے ساتھ نوکیلے
پنجے بھی تھے۔ عنبر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنا بڑا
جانور یہاں کہاں سے آ گیا تھا؟ عنبر نے ارد گرد نگاہ
دوڑائی تو اسے عجیب سے پہاڑوں کا نقشہ لگا۔ وہ دیو
قامت پاؤں کے نشان پہ آگے بڑھا۔ صاف ظاہر تھا
کہ ناگ کو کوئی دیو ہیکل جانور یا درندہ اٹھا کر لے گیا
ہے۔ عنبر پاؤں کے نشانوں کے ساتھ ساتھ چلتا ایک وادی
میں داخل ہو گیا۔ ایسی وادی اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی
تھی۔ درخت اتنے اونچے تھے کہ آسمان سے باتیں کر رہے
تھے۔ کھیت کہیں نہیں تھے۔ جھاڑیوں میں عجیب عجیب

رنگوں کے چوڑے چوڑے پتوں والے پھول کھلے تھے۔
زمین پر بڑے بڑے پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ آسمان
کا رنگ پھیکا اور جہاں سورج غروب ہوتا ہے وہاں کالا
کالا تھا۔ کسی درخت پر کوئی چڑیا یا دوسرا پرندہ بھی
نہیں بول رہا تھا۔ ہر طرف موت کی خاموشی چھائی تھی۔
عنبر نے جھک کر دیکھا۔ یہاں دیو ہیکل جانور کے
پیروں کے نشان آگے جنگل والے اونچے اونچے درختوں
کے جھنڈ اور پہاڑ کی طرف جا رہے تھے۔ عنبر ان پاؤں
کے سراغ لیتا آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ آگے جاکر
جہاں وادی ختم ہوتی تھی وہاں سے جنگل شروع ہو
جاتا تھا۔ یہ جنگل اس قدر گھنا تھا کہ اس میں دن کے وقت
بھی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ دیو ہیکل جانور کے پاؤں کے
نشان جنگل میں جا رہے تھے۔ ظاہر تھا کہ ناگ کو لے کر
وہ اسی جنگل میں گیا ہو گا۔ عنبر بھی جنگل میں داخل ہو
گیا۔ جوں جوں وہ جنگل میں آگے بڑھتا گیا اندھیرا اور
زیادہ گہرا ہوتا گیا۔ اب اسے زمین پر دیو پیکر جانور
کے پاؤں کے بڑے بڑے نشان بھی نظر نہیں آرہے
تھے۔ یہاں جگہ جگہ دلدل تھی اور ان میں سے بھاپ
خارج ہو رہی تھی۔ عنبر کو اچانک کسی جانور کی دل

ہلا دینے والی چیخ سنائی دی۔ چیخ اس قدر قریب سے
سنائی دی تھی کہ ایک بار تو عنبر بھی کانپ اٹھا اور جلدی
سے ایک درخت کے اوپر چڑھ گیا اور اس کی شاخوں
میں سے نیچے جھانک کر دیکھنے لگا کہ یہ کس بلا کی چیخ
تھی؟

○

یہ ہولناک چیخ کس کی تھی؟
ناگ کو کون اغوا کر کے لے گیا تھا؟
ماریا کی عنبر اور ناگ سے کہاں ملاقات ہوئی؟
ماریا جب ملک بابل کی طرف گئی تو اس پر کیا بیتی؟
خلائی لڑکی جو انگوٹھی کی شکل میں امجد کی انگلی میں تھی لاہور
آکر کیسے ظاہر ہوئی؟
ان سوالوں کے جواب عنبر ناگ ماریا کی اگلی قسط نمبر ۶۶
"عنبر سانپ بن گیا" میں پڑھئے گا۔

عنبر سانپ بن گیا

اے حمید

۶۶
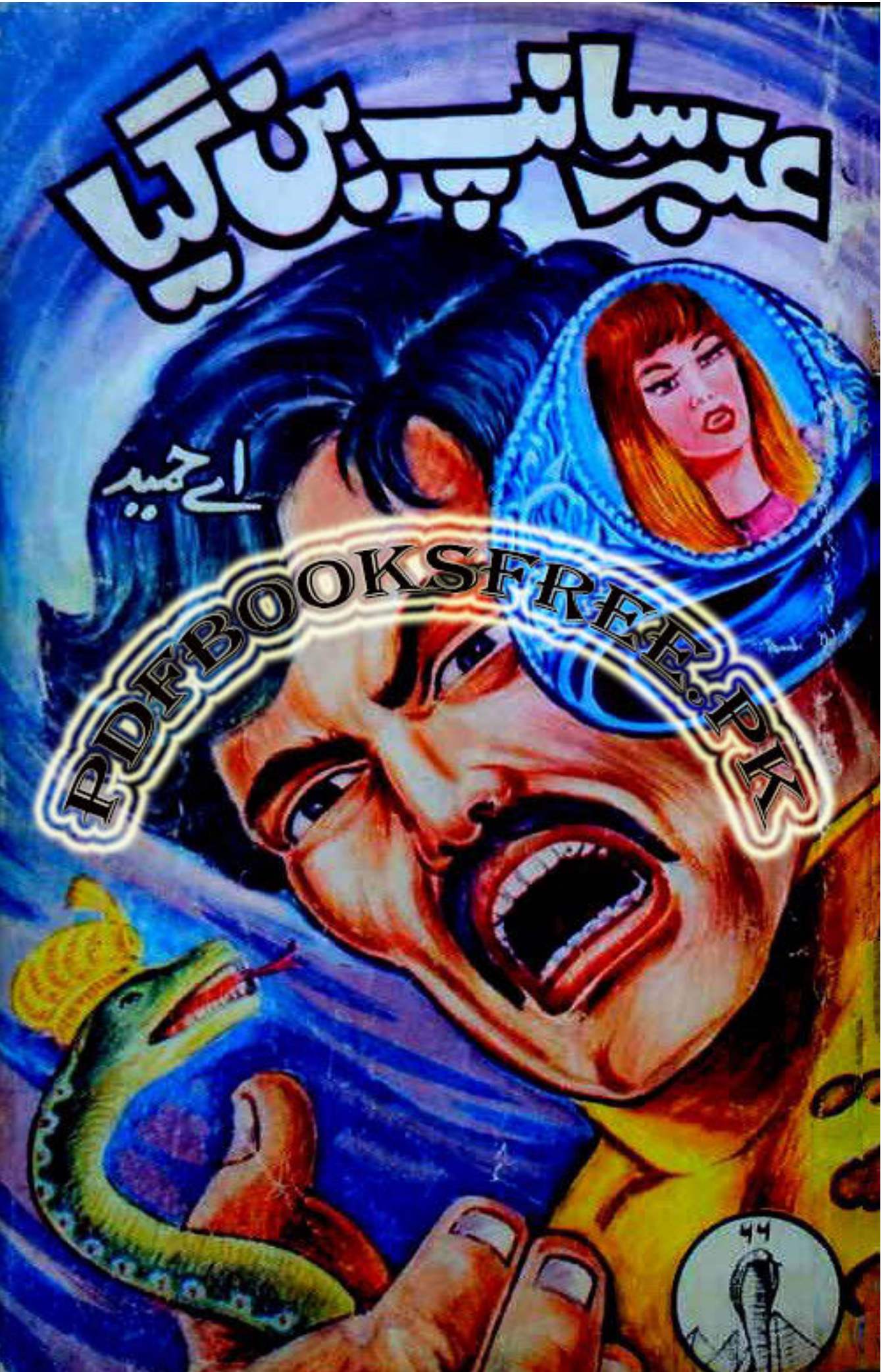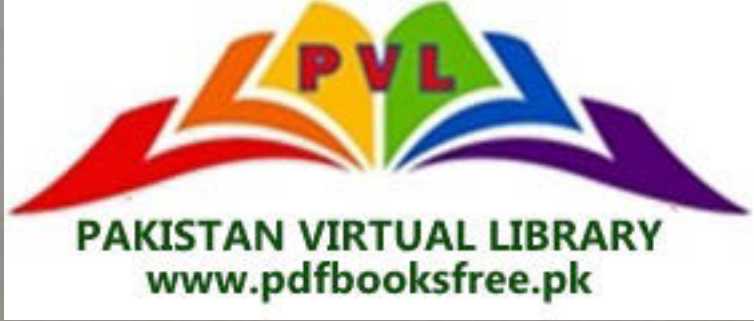
ناگ ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

عنبر سانپ بن گیا

اے۔ حمید

قیمت-/۶ روپے

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں
بار اوّل ـــ ۱۹۸۳ء

ناشر: مکتبہ اقراء، ۳ حاجی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: العزیز پرنٹرز، لاہور

پیارے ساتھیو!

عنبر زمانۂ قبل از تاریخ یعنی آج سے تیس لاکھ سال پہلے کی دنیا میں پہنچ جاتا ہے، جب زمین پر پہاڑوں اور چٹانوں جتنے درندے رینگا کرتے تھے۔ وہ ایک غار میں ناگ کو دیکھتا ہے کہ نچلا دھڑ سُن ہو گیا ہے اور چل پھر نہیں سکتا۔ عنبر ناگ کا علاج کرتا ہے اور پھر ایک وحشی عورت اسے اپنے غار میں لے جاتی ہے۔ جہاں اس کی ماں مر رہی ہے۔ عنبر اسے تندرست کرتا ہے۔ عورت عنبر کو ایک انوکھا سبز پتھر دے کر شیش ناگ کے سبز غار میں پہنچا دیتی ہے۔ یہ شیش ناگ لاکھوں سال پہلے کا ہے۔ وہ ناگ اور عنبر کو ان کے زمانے میں واپس پہنچانے کا وعدہ کرتا ہے مگر کہتا ہے کہ تم اپنے زمانے میں واپس تو چلے جاؤ گے، لیکن عنبر سانپ بن جائیگا اور پھر انسانی شکل میں نہیں آسکے گا۔ ناگ اور عنبر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی ایسی ترکیب بھی ہو گی کہ عنبر سانپ سے پھر انسانی شکل میں آجائے۔ شیش ناگ سبز سانپ کہتا ہے۔ ہاں ایک طریقہ ہو گا مگر وہ تمہارے بس میں نہیں ہو گا۔ تم اس پر عمل نہیں کر سکو گے۔ وہ کیا طریقہ تھا؟ کیا عنبر پھر انسان بن سکا؟ یہ آپ ورق اُلٹ کر خود پڑھیے اور لطف اٹھائیے۔

آپ کا
اے حمید

- اژدہے کا شیش محل
- عنبر سانپ بن گیا
- عنبر اور ناگ لاہور میں
- پُراسرار نیلی انگوٹھی

اژدہے کا شیش محل

اچانک زمین ہلنے لگی۔ جیسے بھونچال آ گیا ہو۔

عنبر درخت پر شاخوں سے چمٹا ہوا تھا۔ دلدلی زمین پر کسی دیو ہیکل جانور کے دھپ دھپ پاؤں پڑنے کی آواز آنے لگی۔ عنبر نے شاخوں میں سے جھانک کر دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آیا۔ اتنی بڑی چھپکلی عنبر نے اپنی ساری اور اتنی لمبی زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کا سر ہاتھی کے سر سے بھی بڑا تھا اور وہ ایک بہت بڑی چٹان کی طرح دلدلی زمین پر دھپ دھپ پاؤں مارتی رینگتی چلی آ رہی تھی۔ اس کے نتھنوں سے بھاپ خارج ہو رہی تھی اور اس کی دم جو کئی فٹ موٹی اور لمبی تھی ارد گرد کے درختوں پر گرتی شاخوں ٹہنیوں کو توڑتی جا رہی تھی۔ عنبر کو پہلے ہی اس علاقے کے پتھروں، عجیب و غریب پہاڑوں، انوکھی شکل کے پودوں اور چوڑے چوڑے پھیلے ہوئے بے پناہ لمبے اونچے درختوں

کو دیکھ کر شک سا ہوا تھا کہ وہ تاریخ سے پہلے کے زمانے میں نکل آیا ہے۔ اب اس چٹان جتنی بڑی چھپکلی کو دیکھ کر عنبر کو یقین ہو گیا کہ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو وہ لاکھوں برس پہلے کے زمانے میں آگیا ہے۔ جب زمین پر پہاڑ پہاڑ جتنے درندے ہی درندے تھے۔ انسان ابھی پیدا نہیں ہوا تھا اور بے پناہ زلزلے آیا کرتے تھے اور سال سال بھر طوفانی بارشیں ہوتی رہتی تھیں۔

عنبر کے لئے بھی یہ ایک انوکھا اور ڈراؤنا تجربہ تھا۔ ایک بار تو درخت پر بیٹھے بیٹھے یہ سوچ کر خوف زدہ ہوگیا کہ وہ لاکھوں سال پیچھے کے زمانے میں آگیا ہے۔ وہ یہ سوچ کر ڈر رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اب وہ واپس نہ جا سکے اور پیچھے ہی پیچھے سفر کرتا جائے۔

یہاں تک کہ وہ اس زمانے میں پہنچ جائے جب زمین ابھی بنی تھی اور زہریلی گیسوں کا گولہ تھی۔ دیوہیکل درندہ درخت سے ذرا فاصلے پر سے گزر گیا۔ عنبر کو ناگ کے ٹوٹے ہوئے صندوق کا خیال آگیا۔ اسے یہ محسوس کر کے تسلی ہوئی کہ ناگ بھی اس ڈراؤنے سفر میں اس کے ساتھ ہے۔ اور وہ اکیلا نہیں ہے۔

عنبر نے درخت کی شاخوں میں سے دیکھا کہ درندہ چھپکلی

بہت دور جا چکی تھی۔ وہ درخت سے نیچے اترا اور اس طرف چلا جہاں اس نے ناگ کا ٹوٹا ہوا صندوق دیکھا تھا۔ یہاں اسے ناگ کی پہلی بار خوشبو محسوس ہوئی۔ وہ خوشبو کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ یہ خوشبو قریب ہی ایک پہاڑ کے غار کی طرف سے آرہی تھی۔ یہاں عنبر نے زمین پہ ایک سانپ کے رینگنے کا نشان دیکھا۔ یہ عجیب نشان تھا۔ سانپ کا اگلا دھڑ ٹھیک حالت میں پورا بل کھا کر گزرا تھا مگر پچھلا دھڑ زمین پر رینگتا بلکہ گھسٹتا ہوا چلا جا رہا تھا۔

کیا ناگ زخمی ہو گیا ہے۔ عنبر جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا تیزی کے ساتھ غار کی جانب بھاگا۔ کیونکہ سانپ کے رینگنے کا نشان غار میں جاتا تھا۔ عنبر غار میں داخل ہو گیا۔ یہ غار ان غاروں سے بہت انوکھا تھا جو اس نے پہلے دیکھے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ غار ابھی تھوڑے دن ہوئے بنا ہے۔ دیواروں میں نوکیلے پتھر ابھرے ہوئے تھے اور سفید بھاپ سی خارج ہو رہی تھی۔ غار کی فضا گرم تھی۔ جبکہ باہر بارش اور دلدل اور تالابوں کی وجہ سے سردی تھی۔ عنبر کو ناگ کی بو زیادہ آنے لگی تھی۔ اس نے آواز دی۔

"ناگ بھائی!"

اسے ناگ کی کمزور سی آواز آئی۔

"عنبر بھائی! میں ادھر ہوں۔"

عنبر بھاگ کر آواز کے پیچھے گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ غار کے ہلکے ہلکے اندھیرے میں زمین پر ٹانگیں پسارے بیٹھا ہے اور سر دیوار کے ساتھ لگا ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ بہت تھکا ہوا ہے۔ عنبر جاتے ہی ناگ سے لپٹ گیا۔

"ناگ! تم اس طرح کیوں بیٹھے ہو؟ میں تمہاری تلاش میں یہاں آیا ہوں۔"

ناگ نے اسے ساری بات سنا کر کہا کہ اگرچہ اس کی ساری طاقت واپس آگئی ہے اور جو چاہے جون بدل سکتا ہے مگر اس کا نچلا دھڑا ابھی تک بے حس ہے اور وہ سانپ بن کر بھی پوری طرح نہیں چل سکتا۔ جانور بن کر بھی اچھی طرح سے اڑ نہیں سکتا۔ عنبر نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارا علاج کروں گا۔ میں نے یہاں عجیب و غریب جڑی بوٹیاں دیکھی ہیں۔ ان میں ایسی بوٹیاں بھی ہیں جن کے اثر سے پتھر سونا بن جاتا ہے۔"

ناگ نے کہا۔ "ہم کس زمانے میں آگئے ہیں عنبر؟"

"یہ قبل از تاریخ کا زمانہ ہے ناگ۔ میرا اندازہ ہے کہ ہم بیس تیس لاکھ سال سال پیچھے آگئے ہیں۔"

"کیا؟" ناگ نے حیرت سے پوچھا۔

عنبر بولا۔ "ہاں ناگ! اس بار ہمارے سارے پچھلے ریکارڈ ٹوٹ گئے ہیں۔ ہم دنیا کے اس زمانے میں آگئے ہیں، جب اس زمین پر درندوں کا راج تھا۔ بڑے بڑے خوفناک بھیانک اور پہاڑوں جتنے درندے۔ مگر یہ باتیں ہم بعد میں بھی کر لیں گے۔ سب سے پہلے میں تمہارا علاج کروں گا۔"

عنبر باہر جانے لگا تو ناگ نے کہا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"تمہارے لئے ایک بوٹی تلاش کر کے لاتا ہوں۔"

عنبر غار سے باہر آگیا۔ نیلے پیلے کالے پتھروں میں چوڑے، چھوٹے اور نوکیلے پتوں والی عجیب قسم کی بوٹیاں اُگی ہوئی تھیں۔ عنبر نے ایسی بوٹیاں زمین پر پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ بعض بوٹیوں میں زندگی پائی جاتی تھی اور وہ آہستہ آہستہ ہل رہی تھیں۔ عنبر کو قریب آتے دیکھ کر انہوں نے ہلنا بند کر دیا اور پتوں نے یوں سر اٹھا لیا جیسے عنبر کو گھور کر تک رہے ہوں۔ کئی بوٹیوں کے پتوں پر کانٹے ہی کانٹے تھے۔ درخت بھی عجیب شکل کے تھے۔ ہوا بالکل نہیں تھی۔ مگر بعض درختوں کی ایک طرف کی شاخیں ہل رہی تھیں۔ اور دوسری طرف کی شاخیں خاموش تھیں۔ ایسے لگتا تھا کہ یہ ہلتی ہوئی شاخیں آپس میں ہل ہل کر ایک دوسرے سے باتیں

کر رہی ہیں۔ ایک درخت کے قریب سے گزرتے ہوئے عنبر کو شی شی کی دھیمی دھیمی سرگوشی سنائی دی۔ یوں لگا جیسے درخت نے اسے آگے جانے سے روکا ہو۔

عنبر نے چونک کر درخت کی طرف دیکھا۔ درخت کی شاخیں بغیر ہوا کے آگے پیچھے ہوئیں اور عنبر کو ہلکے سے قہقہے کی آواز سنائی دی۔ عنبر نے پلٹ کر دیکھا۔ درخت بالکل ساکت اور خاموش تھا۔ عنبر ایک انوکھی دنیا میں پہنچ گیا تھا۔

وہ جڑی بوٹیوں کی تلاش میں لگ گیا۔ اسے ایک خاص بوٹی کی تلاش تھی۔ جو اس کی اپنی دنیا میں افریقہ کے دور دراز جنگلوں میں بڑی مشکل سے کہیں ملتی تھی۔ یہ بوٹی چاندنی رات میں سونے کی طرح چمکا کرتی تھی۔ وہ دن کا وقت تھا۔ عنبر ذرا آگے بڑا تو اس نے بھاری بھاری تنوں والے درختوں کی چھاؤں میں اس چمکیلی جڑی بوٹی کی چمکتی ہوئی بے شمار جھاڑیاں دیکھیں۔ ان کے پتے سونے کی طرح چمک رہے تھے۔ عنبر نے جلدی جلدی اس بوٹی کے کچھ پتے توڑے اور واپس غار میں آگیا۔

ناگ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے خاموش بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ عنبر کے ہاتھوں میں چمکتے ہوئے پتوں کو دیکھ کر پوچھنے لگا۔ "عنبر! یہ کیسے پتے ہیں؟"

عنبر بولا۔ "یہ تمہیں پھر سے تندرست کر دیں گے۔"

عنبر نے دو پتھروں سے ان پتوں کو کچلا اور پھر اس کی معجون سی بنا کر ناگ کو کھانے کو دی۔ ناگ اسے منہ میں لے کر چبانے لگا اور بولا۔

"ایسے لگتا ہے کہ سونف کھا رہا ہوں۔"

عنبر بولا۔ "ناگ بھائی! بیس تیس لاکھ سال پہلے ہماری زمین پر کیسی کیسی قیمتی انمول جڑی بوٹیاں تھیں۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہو گیا ہوں۔ یہ ایسی ایسی نایاب بوٹیاں ہیں کہ اگر آج کے زمانے میں ہماری دنیا میں مل جائیں تو میں سچ کہتا ہوں کہ دنیا کے ہسپتالوں میں کوئی مریض نہ رہے۔"

ناگ نے بوٹی کی معجون کھا لی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ اس کے اندر ایک نئی طاقت آ گئی ہے۔ اس نے اپنا پاؤں ہلایا تو وہ ہلنے لگا۔ ناگ نے اپنی دونوں ٹانگیں ہلائیں اور خوش ہو کر بولا۔

"عنبر! میں ٹھیک ہو گیا ہوں۔"

اور ناگ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "کمال کی بوٹی تھی عنبر بھائی! اس نے تو میری ساری کمزوری دور کر کے مجھے پھر سے بھلا چنگا اور پہلے سے زیادہ طاقت ور کر دیا ہے۔"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ یہ بوٹی اپنا

کام کر گئی۔"

ناگ نے کہا۔ "میں سانپ کی شکل میں جس مشکل سے رینگتا ہوا اس غار تک آیا ہوں، مجھے ساری زندگی یاد رہے گا۔ میں تو ناامید ہو گیا تھا۔ لیکن خدا نے میری سن لی۔ میں اچھا بھی ہو گیا اور مجھے تم بھی مل گئے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یہاں کوئی انسان بھی ہے کہ نہیں۔"

عنبر نے کہا۔ "میرا اندازہ ہے کہ ہم تیس لاکھ سال پہلے کے زمانے میں آگئے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔ "اگر تیس لاکھ سال پہلے کا زمانہ ہے تو پھر یہاں انسان ضرور ہو گا۔ کیونکہ تیس لاکھ سال پہلے انسان دنیا میں آچکا تھا اور غاروں میں زندگی بسر کرتا تھا۔"

عنبر کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے یہاں کے انسان کو تلاش کرنا چاہیئے۔ دیکھتے ہیں تیس لاکھ سال پہلے کا انسان کیسا تھا۔ اور کس طرح باتیں کرتا تھا۔"

ناگ کہنے لگا۔ "کتابوں میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں ابھی بول چال کی کوئی زبان نہیں بنی تھی۔"

عنبر بولا۔ "انسان کی لکھی ہوئی کتابوں کا کیا بھروسہ۔ کوئی انسان ملا تو ابھی پتہ چل جائے گا۔ آؤ باہر نکلتے ہیں۔ مگر ایک بات ہے۔ یہاں خونخوار درندوں کی فوج پھر رہی

ہے اور تمہیں نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ تم پرندے کی شکل میں میرے کندھے پہ بیٹھ جاؤ۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

"اچھا خیال ہے عنبر!"

اور ناگ نے گہرا سانس بھرا اور جب سانس باہر چھوڑا تو وہ طوطا بن گیا تھا۔ وہ پھڑپھڑا کر اڑتا ہوا آیا اور عنبر کے کاندھے پر بیٹھ گیا۔ عنبر ناگ کو طوطے کی شکل میں کاندھے پر بٹھائے غار سے باہر نکلا۔ آسمان پر اچانک بادل آنا شروع ہو گئے۔ پہلے بادلوں کا رنگ سیاہ ہوا۔ پھر سرخ، پھر نیلا اور اس کے بعد پھر سیاہ ہو گیا۔

عنبر نے ناگ سے کہا۔ "ایسے بادل پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔"

ناگ نے طوطے کی شکل میں گردن ہلا کر عنبر کی تائید کی۔ اس کے بعد اتنی زور سے بجلی کڑکی کہ ناگ عنبر کے کندھے سے اچھل پڑا اور عنبر جلدی سے ایک پتھر کے پیچھے ہو گیا۔

"خدایا! ایسا لگتا تھا کہ آسمان پھٹ پڑا ہے۔"

پھر موسلا دھار بارش اچانک شروع ہو گئی۔ ایسا لگتا تھا کہ آسمان سے سمندر برس رہا ہے۔ عنبر واپس غار میں آگیا۔ ناگ نے دوبارہ انسانی شکل اختیار کرلی اور غار کے دروازے

میں پتھروں کے پاس کھڑے موسلا دھار بارش کا نظارہ کرنے
لگے۔ بارش سمندر کی طوفانی لہروں کی طرح آسمان سے برس رہی
تھی۔ اتنے میں زبردست پھنکاروں کے ساتھ ہاتھیوں سے
بھی بڑے دو درندے جن کی گردنوں پر نوکیلے بڑے بڑے
کانٹے ابھرے ہوئے تھے، لڑتے لڑتے غار کے سامنے آ
گئے اور ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ ان کی
لڑائی سے زمین ہلنے لگی۔ وہ اپنی درخت کے تنوں ایسی
دُمیں زور زور سے ایک دوسرے پر مارتے اور دھماکوں کی
آوازیں پیدا ہوتیں۔

ناگ بولا۔ "ایسی لڑائیوں کا حال کتابوں میں پڑھا تھا
کہ لاکھوں برس پہلے زمین پہ اس قسم کے خونخوار درندے
ہوا کرتے تھے۔"

عنبر نے کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم یہاں سے
واپس کیسے جائیں گے۔ ماریا کہاں ہوگی؟"

"کوئی نہ کوئی طریقہ واپس جانے کا بھی نکل آئے گا۔"

درندے ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کی کوشش میں لہولہان
ہو گئے تھے۔ زمین اور درخت ان کی لڑائی کی وجہ سے
کانپ رہے تھے۔ آخر ایک درندے نے جو زیادہ طاقتور نظر
آتا تھا۔ دوسرے کی گردن کو اپنے غار ایسے منہ میں دبوچ

کر ہوا میں اچھال دیا۔ وہ چٹان کی طرح نیچے گرا اور پھر
نہ اٹھ سکا۔ پہلے درندے نے غصے میں آ کر اس کے جسم کو
اپنے لمبے لمبے دانتوں سے ادھیڑ کر رکھ دیا۔ پھر آسمان کی
طرف منہ کھول کر فتح کی ایک بھیانک چیخ ماری اور واپس جانے
کے لئے مڑا ہی تھا کہ اس کی چھوٹی چھوٹی مگر بڑی مکار
آنکھوں نے غار میں عنبر اور ناگ کو کھڑے دیکھ لیا۔ اس نے
اپنا بھیانک اور پہاڑ ایسا منہ عنبر ناگ کی طرف پھیرا اور
ایک چیخ مار کر ان کی طرف جھپٹا۔

عنبر نے کہا۔ "ناگ! غار کے اندر مت جانا۔ پیچھے کو بھاگو۔"

اور وہ دونوں غار کے باہر پہاڑ کی دیوار کے ساتھ ساتھ
بھاگے۔ تیز بارش میں وہ چکنے پتھروں اور کیچڑ میں بار بار پھسل
رہے تھے۔ درندہ غراتا ان کے پیچھے لگا تھا۔ مگر اس کی چال
تیز نہیں تھی۔ جبکہ عنبر اور ناگ تیز تیز بھاگ رہے تھے۔ سامنے
ایک نالہ آ گیا۔ جس کا پانی بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا۔
عنبر نے ناگ کا ہاتھ پکڑا اور نالے میں چھلانگ لگا دی۔ وہ
بڑی مشکل سے تیرتے ہوئے نالے کے دوسرے کنارے پہ پہنچ
گئے۔ درندہ نالے کے دوسرے کنارے پہ منہ اٹھائے بھیانک چیخیں
نکال رہا تھا۔

عنبر اور ناگ دوسرے کنارے پر بھاگتے ہوئے ایسے دلدلی

علاقے میں پہنچ گئے ۔ جہاں دلدل کا کیچڑ کسی گرم گرم سیاہ حلوے کے کڑاہے کی طرح کھول رہا تھا ۔ اس دلدل میں بڑے بڑے درخت اور بڑے بڑے پتھر بھی کھول رہے تھے ۔ عنبر اور ناگ حیرانی سے اس دلدل کو دیکھ رہے تھے جس میں بڑی بڑی چٹانوں جتنے پتھر بھی گم ہو رہے تھے ۔

عنبر نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔

"ادھر پہاڑی ہے ۔ وہاں چلتے ہیں ۔"

بارش میں ان کے کپڑے نچڑ رہے تھے ۔ بارش اسی طرح ہو رہی تھی اور چھاجوں پانی برس رہا تھا ۔ دونوں دوست بھاگتے دوڑتے پہاڑی کے پاس پہنچے تو سامنے ایک کھوہ بنی ہوئی تھی ۔ کھوہ کے آگے ایک بہت بڑی چھپکلی بیٹھی اپنی لمبی زبان بار بار نکالے اِدھر اُدھر تک رہی تھی ۔ عنبر اور ناگ درخت کے پیچھے ہو گئے ۔ پھر غار کے اندر سے جا کر چھپکلی نے زور سے زبان ہلائی اور سانس اندر کو کھینچا ۔ غار کے اندر سے کسی عورت کی انسانی چیخ سنائی دی ۔ اس کے ساتھ ہی درندہ چھپکلی نے بھی ایسی چیخ ماری کہ پہاڑ ہل گئے ۔ اور اس نے اپنا سر غار کے اندر ڈال دیا ۔ سر باہر نکالا تو اس کے سر کے اوپر ایک عورت کھڑی تیزی سے اس کے سر میں ضربیں لگا رہی تھی ۔ اس کے جسم پہ کمر کے ساتھ صرف

پتوں کی ایک لنگوٹی بندھی ہوئی تھی ۔ اس کے بال کھلے تھے اور وہ لمبی اونچی اور طاقتور تھی ۔ درندہ چھپکلی اپنی زبان اوپر لے جا کر وحشی عورت کو پکڑنے کی بار بار کوشش کر رہی تھی ۔ وحشی عورت ادھر ادھر ہٹ کر درندے کے وار کو بچا رہی تھی اور ساتھ ہی نیزے سے اس کے سر پہ وار بھی کر رہی تھی ۔

عنبر اور ناگ یہ خوفناک سین حیرت زدہ ہو کر دیکھ رہے تھے ۔ یقیناً ایسا منظر انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ۔ پھر ایسا ہوا کہ درندے کی دُم وحشی عورت کی ٹانگوں پہ لگی اور وہ نیچے گر پڑی ۔ نیزہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ۔ اس نے ایک چیخ ماری ۔ درندہ اس کی طرف جھپٹا ۔

عنبر نے ناگ سے کہا ۔ "میں اسے بچاؤں گا ۔"

اور وہ اچھل کر درخت کے پیچھے سے نکلا اور درندے اور وحشی عورت کے درمیان میں جا کھڑا ہوا ۔ وحشی عورت نے عنبر کو دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی ۔ عنبر کا لباس اور حلیہ ویسا نہیں تھا جیسا کہ اس وحشی عورت کا تھا ۔ درندہ پھنکارا ۔ اس کے حلق سے ایک غراہٹ نکلی اور اس نے عنبر کو اپنی زبان میں لپیٹ لیا ۔ اور اسے منہ میں ڈالنے ہی والا تھا کہ عنبر نے درندے کی زبان پہ ہاتھ مار کر اسے اس قدر زور کے جھٹکے سے کھینچا کہ وہ کٹ گئی اور عنبر اس کی کٹی ہوئی

زبان کے ساتھ ہی نیچے گر پڑا ۔ درندے کے منہ سے خون کی نہر جاری ہو گئی ۔ عنبر نے زمین پر پڑا ہوا نیزہ اٹھایا اور وحشی عورت کو پرے ہٹ جانے کو کہا ۔ عورت پیچھے ہٹ گئی اور عنبر نے نیزہ تان لیا ۔ درندہ اگرچہ زبان کٹ جانے سے بے حال ہو گیا تھا ۔ مگر اس میں بے پناہ طاقت تھی ۔

اس نے عنبر کو اپنی دُم زور سے ماری ۔ عنبر ایک طرف ہٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی نیزہ تان کر درندے کے دل پر ایسا مارا کہ نیزہ درندے کے دل میں اندر تک گھس گیا ۔ عنبر کی طاقت کا درندہ بھی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا ۔ درندے نے چیخ مار کر اپنا سر اوپر اٹھایا اور پھر نیچے گرا دیا ۔ وہ مر چکا تھا ۔ وحشی عورت عنبر کے قریب آ گئی ۔ وہ اسے سر سے لے کر پاؤں تک حیرانی سے دیکھ رہی تھی ۔ ناگ بھی درخت کے پیچھے سے نکل کر سامنے آ گیا ۔ وحشی عورت نے ناگ کو بھی تعجب سے دیکھا ۔

عنبر نے عورت سے پوچھا ۔ "تم اکیلی یہاں رہتی ہو؟"

اپنی طرف سے عنبر نے دنیا کی پرانی سے پرانی زبان استعمال کی تھی ۔ مگر وحشی عورت کچھ نہ سمجھ سکی اور غار کی طرف اشارہ کر کے اس نے حلق سے کچھ عجیب سی آواز نکالی ۔ وہ

صرف آواز تھی ۔ کوئی الفاظ نہیں تھے ۔

ناگ نے کہا ۔ "عنبر! زبان ابھی ایجاد نہیں ہوئی ۔"

"ایسا ہی لگتا ہے ۔" عنبر بولا ۔

ناگ نے کہا ۔ "یہ عورت اشاروں کی زبان میں باتیں کر رہی ہے ۔ یہ کہہ رہی ہے کہ میں اس غار میں رہتی ہوں ۔"

عنبر بولا ۔ "وہ تو ٹھیک ہے ۔ مگر اب ہم کیا کریں ۔ ظاہر ہے کہ ہم اس عورت کے ساتھ غار میں زندگی نہیں گزار سکتے ۔ میرا خیال ہے بارش رک گئی ہے ۔ ہمیں یہاں سے آگے چل دینا چاہیے ۔ شاید ہماری واپسی کا کوئی سلسلہ بن جائے ۔"

وحشی عورت نے ایک بار پھر غار کی طرف اشارہ کیا ۔

ناگ نے کہا ۔ "یہ عورت غار کی طرف اشارہ کر رہی ہے ۔ اندر ضرور کوئی خاص بات ہے ۔ میرا خیال ہے اندر چل کر دیکھنا چاہیے ۔"

عنبر بولا ۔ "چلو اندر چل کر بھی دیکھ لیتے ہیں ۔"

عنبر نے وحشی عورت کو اشارہ کیا ، چلو ، اندر غار میں چلو ۔ ہم بھی چلتے ہیں ۔ وحشی عورت آگے آگے چل پڑی ۔ ناگ اور عنبر اس کے پیچھے تھے ۔ غار میں اندھیرا تھا ۔ آگے ہلکی سی روشنی نظر آئی ۔ پھر یہ روشنی بڑھتی گئی ۔ غار کے آخیر میں جا کر انہوں نے دیکھا کہ ایک جگہ آگ جل رہی ہے اور ایک

بوڑھی عورت جس کے بال بالکل سفید ہو چکے تھے پتوں کے بستر پر بے ہوش پڑی ہے۔ وحشی عورت نے بوڑھی عورت کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہا۔

ناگ بولا۔" یہ عورت ضرور اس کی ماں یا دادی ہے اور بیمار ہے۔"

عنبر نے جھک کر غور سے بوڑھی عورت کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ مگر اس کی نبض چل رہی تھی۔

عنبر بولا۔" میں اس کا علاج کروں گا۔ تم یہیں ٹھہرو۔ میں باہر سے ایک بوٹی لاتا ہوں۔"

ناگ وہیں بیٹھا رہا اور عنبر غار سے باہر نکل گیا۔ سارا جنگل قیمتی اور انمول جڑی بوٹیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے کاسنی رنگ کی ایک بوٹی کے سیاہ پھول توڑے اور غار میں لا کر انہیں پتھر پر پیسا اور اس کا سفوف بنا کر پانی کے ساتھ عورت کے حلق میں ڈالا۔ سفوف کے اندر جاتے ہی بوڑھی عورت نے آنکھیں کھول دیں۔ اور اپنے سامنے دو اجنبی مردوں کو جنگلی شکلیں وحشی نہیں تھیں دیکھ کر حیران ہوئی۔ وحشی عورت نے خوش ہو کر اپنی ماں یا دادی کو عنبر اور ناگ کے بارے میں اپنی زبان میں کچھ بتایا۔ بوڑھی عورت کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور اس نے عنبر کے سر پر اپنا سوکھا ہوا ہاتھ رکھا

اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے اندر نئی طاقت آ گئی تھی۔

ناگ نے کہا۔" عنبر بھائی! یہ عورت ہمارے لئے کچھ کرنا چاہتی ہے۔"

" تمہیں کیسے اندازہ ہوا؟"

ناگ بولا۔" دیکھو وہ پتوں کے نیچے سے کچھ نکالنے کی کوشش کر رہی ہے۔ شاید کوئی خفیہ چیز ہے۔"

بوڑھی وحشی عورت نے پتوں کے بستر کے نیچے ہاتھ ڈال کر پتھر کا ایک ٹکڑا نکالا جو سبز تھا۔ تکونا تھا اور آگ کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ وحشی عورت نے سبز پتھر کا ٹکڑا جوان وحشی عورت کو دے کر اپنی زبان میں کچھ کہا اور عنبر کی طرف اشارہ کیا۔ وحشی عورت نے سبز پتھر کا ٹکڑا عنبر کو دیتے ہوئے کچھ کہا جو عنبر کی سمجھ میں نہ آیا۔ اس نے ناگ سے پوچھا کہ یہ کیا کہہ رہی ہے؟ ناگ نے کہا۔

" تمہیں پتھر کا یہ ٹکڑا انعام دے رہی ہے۔"

عنبر نے ہنس کر کہا۔" بھائی پتھر کے ایسے ٹکڑے تو یہاں بے شمار پڑے ہیں۔ چلو اس عورت کا دل رکھنے کے لئے لے لیتا ہوں۔"

عنبر نے سبز پتھر کا تکونا ٹکڑا نوجوان وحشی عورت سے لے لیا اور دونوں غار سے باہر آ گئے۔ غار سے نکل کر انہوں نے

جنگل میں ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔ یہ آپس میں باتیں
بھی کرتے جا رہے تھے کہ یہاں سے واپسی کا کیا بندوبست کیا
جائے؟ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ تاریخ سے پہلے
کے زمانے میں وہ کبھی نہیں آئے تھے۔ بادل اتنے گہرے اور
بھاپ کی طرح تھے کہ ان کے قریب سے ہو کر گزر رہے
تھے۔ بارش نہیں ہو رہی تھی مگر زمین جگہ جگہ سے دلدل
ہو رہی تھی۔ درختوں پر کوئی پرندہ تک نہیں بول رہا تھا۔
انہیں ذرا آگے ایک تکونا پہاڑ دکھائی دیا۔ جس کا رنگ سبز
تھا اور جو چمک رہا تھا۔

ناگ نے کہا۔ "یہ پہاڑ تو بالکل اس سبز پتھر کی طرح ہے۔"

عنبر نے جیب سے سبز پتھر نکال کر دیکھا۔

"واقعی یہ تو بالکل ایسا ہی ہے، یہ کیا راز ہے۔"

"اس پہاڑ کے پاس چل کر دیکھنا چاہئے۔"

جب وہ پہاڑ کے قریب پہنچے تو انہیں وہاں ایک تکونا دروازہ
دکھائی دیا۔ وہ اس دروازے میں سے گزر کر غار کے اندر
داخل ہو گئے۔ غار میں سبز پتھروں کی قلمیں لٹک رہی تھیں
جو روشن تھیں اور ان میں سے سبز شعاعیں نکل رہی تھیں۔

"یہ کیسا جادو کا شیش محل ہے ناگ؟"

عنبر نے چاروں طرف چمکتے سبز پتھروں کو دیکھ کر کہا۔ ناگ

بھی بڑی دلچسپی سے ان تکونی پتھریلی قلموں کو دیکھ رہا تھا۔
جو انڈوں کی طرح روشن تھیں۔ "مجھے تو یہ کوئی جادو نگری
لگتی ہے۔" ناگ نے کہا۔ پھر فضا میں کچھ سونگھ کر بولا۔
"ٹھہرو۔"

"کیا بات ہے ناگ؟" عنبر نے پوچھا۔

ناگ بولا۔ "مجھے کسی بہت بڑے سانپ کی بو آ رہی ہے۔"

عنبر اور ناگ وہیں رک گئے اور چاروں طرف دیکھنے
لگے۔ غار میں ہر طرف سبز روشنی پھیلی ہوئی تھی اور ایک
ایک پتھر صاف نظر آ رہا تھا۔

"مجھے تو یہاں کوئی سانپ دکھائی نہیں دیا۔" عنبر نے کہا۔

ناگ بولا۔ "میرا اندازہ غلط نہیں ہو سکتا عنبر! مجھے
سانپ کی برابر بو آ رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ
سانپ کوئی اژدہا ہے۔ مگر حیرانی کی بات ہے کہ یہ اژدہا
میری تعظیم کے لئے آگے نہیں آ رہا۔ اس کی بو ایک ہی
جگہ پر رکی ہوئی ہے۔"

ناگ نے عنبر کو ساتھ لیا اور اژدہا کی بو کا پیچھا کرتا
ایک ہال کمرے میں آ گیا۔ جہاں چاروں طرف تکونے سبز
پتھروں کی سیلوں سے روشنی کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں
اور ایک گول سبز پتھر کی بہت بڑی چوکی پڑی تھی۔ جونہی ناگ

اور عنبر اس بڑے کمرے میں داخل ہوئے، کونے کی جانب
سے ایک دل ہلا دینے والی پھنکار کی آواز آئی۔

ناگ نے کہا۔ "یہ اژدہا ہے، وہ آ رہا ہے۔"

اور پھر ایک سبز رنگ کا بہت بڑا سانپ جس کے سر
پر سبز رنگ کا تاج تھا اور اس تاج میں سبز رنگ کے
بڑے بڑے یاقوت چمک رہے تھے، ایک طرف سے نکلا اور
پتھر کی گول چوکی پر آ کر کنڈلی مارے بیٹھ گیا۔ اس کا
بہت بڑا پھن اٹھا ہوا تھا۔ ناگ سمجھ گیا کہ یہ عظیم
ناگ دیوتا کے پہلے کے زمانے کا سانپ ہے اور اس
پر ناگ کی تعظیم لازم نہیں ہے۔ ناگ نے ادب سے سر
جھکایا اور سانپوں کی خاص زبان میں پوچھا۔

"اے عظیم اژدہا! کیا تم میری زبان سمجھتے ہو؟"

اژدہا نے دو بار اپنا پھن آگے کیا اور اسی زبان میں
بولا۔ "ہاں۔ میں سمجھتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم
اصل میں سانپ ہو مگر پانچ سو برس تک زندہ رہنے کے
بعد انسان کی شکل میں آ گئے ہو۔"

ناگ نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اژدہا نے اس کی
زبان سمجھ لی تھی۔ اس نے عنبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
"یہ میرا ساتھی عنبر ہے۔"

اژدہا نے کہا۔ "میں جانتا ہوں۔ مگر تم یہاں کیسے نکل آئے۔
ابھی تو تمہارا ناگ دیوتا بھی پیدا نہیں ہوا۔"

ناگ نے اپنی ساری کہانی کم سے کم لفظوں میں بیان کر
دی اور کہا۔ "کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم واپس اپنی تاریخ
کی دنیا میں چلے جائیں۔"

اژدہا کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر بولا۔

"یہ ہو سکتا ہے، مگر اس میں بڑا خطرہ ہے۔"

"کونسا خطرہ؟" ناگ نے پوچھا۔

اژدہا کہنے لگا۔ "تمہارے دوست عنبر نے جس بوڑھی عورت
کو بیماری سے نجات دلائی ہے وہ میری بہن ناگن ہے۔ اس نے
سبز پتھر دے کر تمہیں اس طرف روانہ کیا تھا تاکہ میں تمہاری مدد
کر سکوں۔"

عنبر نے کہا۔ "تو کیا پھر تم ہماری مدد نہیں کرو گے؟"

اژدہا نے کہا۔ "ضرور کروں گا مگر جیسا کہ میں نے پہلے کہا
اس میں ایک خطرہ ہے۔"

ناگ نے ایک بار پھر خطرے کا پوچھا تو اژدہا بولا۔

"خطرہ یہ ہے کہ تم دونوں یہاں سے سانپ بن کر ہی
اپنی دنیا میں واپس جا سکتے ہو۔ جب تم اپنی دنیا میں جاؤ
گے تو تم دوبارہ انسانی شکل میں آ جاؤ گے مگر تمہارا دوست

عنبر سانپ ہی رہے گا۔ یہ انسانی شکل میں واپس نہ آ سکے گا۔ اگر یہ شرطِ منظور ہے تو میں ابھی تمہیں واپس تمہاری دنیا میں بھجوائے دیتا ہوں۔"

ناگ اژدہے کا منہ تکنے لگا۔ اس کے چہرے پر پریشانی دیکھ کر عنبر نے ناگ سے کہا۔" میں دوسرے سانپوں کی زبان تو کچھ کچھ سمجھ لیا کرتا ہوں، مگر اس کی زبان میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہی۔ اس نے کیا کہا ہے۔ تم کچھ پریشان سے دکھائی دے رہے ہو۔"

ناگ نے اژدہے کی شرطِ عنبر کو بیان کر دی۔ تھوڑی دیر کے لئے عنبر بھی ناگ کا منہ تکنے لگا۔ کیونکہ نہ تو ناگ کو یہ گوارا تھا اور نہ عنبر کو یہ قبول تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے انسان سے سانپ بن جائے۔

ناگ نے اژدہے سے کہا۔" کیا واپس جا کر عنبر کے سانپ سے انسان بننے کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی؟"

اژدہا بولا:۔" ایک گنجائش ہو گی۔ مگر وہ اتنی مشکل بلکہ ناممکن ہو گی کہ تم اسے قیامت تک پورا نہ کر سکو گے اور عنبر سانپ ہی بن کر زندگی بسر کرے گا۔"

ناگ عنبر کو ساتھ ساتھ بتاتا جا رہا تھا کہ اژدہا کیا کہہ رہا ہے۔ عنبر بھی پریشان ہو گیا تھا اور اژدہا کی ایک ایک

بات کو جو ناگ اسے بتائے جا رہا تھا، بڑے غور و فکر کے ساتھ سن رہا تھا۔

عنبر نے کہا۔" اس سے پوچھو کہ آخر وہ کونسی سی گنجائش ہے؟"

ناگ کے پوچھنے پر اژدہا نے بتایا۔

" اپنی دنیا میں واپس جا کر اگر تم چاہو کہ تمہارا دوست عنبر سانپ سے دوبارہ انسان بن جائے تو تمہیں ایک ایسی لڑکی کے سنہرے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر لانی ہو گی جس کی آنکھیں نیلی ہوں۔"

ناگ جھٹ بولا۔" یہ کونسی مشکل بات ہے۔"

اژدہا نے کہا۔" لیکن اس لڑکی کی آنکھیں چوکور ہونی چاہئیں۔"

ناگ خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے عنبر کو بھی اژدہے کی بات بتا دی۔ عنبر بھی چپ کا چپ ہو کر رہ گیا۔ بھلا دنیا میں کوئی ایسی عورت بھی کبھی مل سکتی ہے کہ جس کی آنکھیں گول ہونے کی بجائے چوکور ہوں۔ ناگ نے اژدہے سے یونہی اپنی تسلی کے لئے سوال کیا۔

" کیا کہیں سے اس قسم کی چوکور آنکھوں والی لڑکی مل سکے گی؟"

اژدہا بولا۔" ہاں!"

"کہاں سے ؟" ناگ جلدی سے بولا۔

اژدہا نے کہا۔ "ایک ایسے ستارے سے جو تمہاری زمین سے لاکھوں کروڑوں نوری سال کے فاصلے پر ہوگا۔ یہ فاصلہ اتنا لمبا ہے کہ اگر تم اس وقت روشنی کی رفتار سے اس ستارے کی طرف سفر کرنا شروع کرو تو جب تم بوڑھے ہو کر مر کھپ جاؤ گے تو تم نے صرف ایک نوری دن کا سفر طے کیا ہوگا اور وہ ستارہ کروڑوں نوری سال کے فاصلے پر واقع ہوگا۔ اب تم خود اندازہ لگا لو کہ نیلی چوکور آنکھوں والی لڑکی کے سنہری بالوں کی لٹ حاصل کرنا کس قدر ناممکن ہوگا۔ میں تمہیں یہی مشورہ دوں گا کہ یہاں سے واپس جانے کا خیال دل سے نکال دو اور جس طرح دوسرے جانور اور وحشی لوگ زندگی بسر کرتے ہیں، تم بھی یہاں زندگی بسر کرنی شروع کر دو۔"

ناگ نے جب عنبر کو اژدہا کی ساری گفتگو ترجمہ کر کے سنائی تو وہ اس کا منہ ہی دیکھتا رہ گیا۔ پھر بولا۔ "نہیں ناگ ہم زمانۂ قبل از تاریخ کی اس ویران دنیا میں نہیں رہ سکتے چاہے کچھ ہو جائے، ہمیں واپس اپنی دنیا میں، ماریا کی دنیا میں جانا ہے۔"

ناگ بولا۔ "مگر عنبر بھائی! تمہیں ہمیشہ کے لئے انسانی شکل

صورت سے محروم کر کے میں اپنی دنیا میں واپس نہیں جانا چاہتا۔"

عنبر کہنے لگا۔ "میں ہمیشہ کے لئے انسانی شکل و صورت سے محروم نہیں ہوں گا۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی سبب بنا دے گا۔ تم یہاں سے تو نکلو۔"

ناگ نے کہا۔ "اگر کوئی سبب نہ بن سکا عنبر بھائی تو میں ماریا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ وہ تو یہی کہے گی کہ میں نے اپنی دنیا میں واپس آنے کے لئے خود غرضی سے کام لیا اور تمہاری زندگی داؤ پر لگا دی۔"

عنبر بولا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہو گی ناگ بھائی! میں خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہوا کرتا۔"

ناگ نے کہا۔ "مگر عنبر! چوکور نیلی آنکھوں والی لڑکی کہاں سے آئے گی؟"

عنبر نے کہا۔ "دیکھا جائے گا۔ ہم یہاں بھی نہیں رہ سکتے۔ تم اژدہے سے کہو کہ ہمیں واپس ہماری دنیا میں پہنچا دے۔"

ناگ نے اژدہا کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اے سبز اژدہا! ہم اپنی دنیا میں واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

عنبر سانپ بن گیا

سبز اژدہا نے کہا۔" ایک بار پھر غور کر لو۔"

عنبر بولا۔" ناگ! کیا تم نے اژدہا سے کہہ دیا کہ ہم نے اپنی دنیا میں جانے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

ناگ نے کہا۔" ہاں عنبر! میں نے کہہ دیا ہے۔ اور اژدہے نے ہمیں ایک بار پھر اس معاملے پر غور کرنے کو کہا ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے ہم تمہیں واپس انسانی شکل میں نہ لا سکیں۔"

عنبر کہنے لگا۔" ناگ! تم میری فکر بالکل نہ کرو۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ ہمیں اس تیس لاکھ سال پرانی دنیا سے ہر حالت میں واپس چلے جانا چاہئے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے ہم اس کے بعد پیچھے ہی پیچھے چلتے جائیں اور آخر خلا میں پہنچ جائیں، جب یہ دنیا ابھی پیدا ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے خدا کے لئے اژدہا سے کہو اگر یہ ہمیں واپس پہنچا سکتا ہے تو جتنی جلدی ہو سکے، واپس

پہنچا دے۔"

ناگ خاموش تھا۔ اللہ عنبر کے بارے میں کافی فکرمند تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ چوکور نیلی آنکھوں والی لڑکی وہ کہیں سے حاصل نہ کر سکیں گے اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ سانپ کبھی جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ اژدہا ٹھیک کہہ رہا ہے۔ عنبر کا دوبارہ انسانی شکل میں واپس آنا مشکل ہو جائے گا۔ لیکن عنبر اسے مجبور کر رہا تھا۔ اور ناگ کو یہ بھی احساس دلا رہا تھا کہ ہو سکتا ہے وہ پیچھے کی طرف ہی چلتے چلے جائیں اور اس وقت کے خلاء میں پہنچ جائیں جب دنیا ابھی بنی ہی نہیں تھی۔ چنانچہ وہ مجبور ہو گیا۔ اس نے اژدہا سے کہا۔

" سبز اژدہا! ہمیں منظور ہے۔ ہم نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب ہمیں یہ بتاؤ کہ اگر ہم نیلی چوکور آنکھوں والی لڑکی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو اس صورت میں ہمیں اس کے سنہری بالوں کو لے کر کیا کرنا ہو گا اور اگر اس کے بال سنہری نہ ہوئے تو کیا ہو گا۔"

سبز اژدہا کہنے لگا۔" ستارے کی نیلی چوکور آنکھوں والی تمام لڑکیوں کے بال سنہری ہوتے ہیں۔ جب تم اس لڑکی کو حاصل کر لو تو اس کے سنہری بالوں کی ایک لٹ

کاٹ کر اسے اپنے دوست عنبر کے گلے میں لٹکا دو جو
اس وقت سانپ کی شکل میں ہوگا۔ پھر اسے سات
روز کے لئے کسی پرانی قبر میں بند کر دو۔ آٹھویں روز
جب تم قبر کا منہ کھولو گے تو عنبر انسانی شکل میں واپس
آ چکا ہو گا۔ وہ بے سدھ سا ہو گا۔ اس کے منہ پر
پانی چھڑکو گے تو وہ ہوش میں آ جائے گا اور پھر سے
انسانی شکل اختیار کر گیا ہو گا۔ اب واپس اپنے زمانے میں،
اپنی دنیا میں جانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔"

عنبر کو ناگ نے سب بتا دیا۔

عنبر نے کہا۔ "اژدہا سے پوچھو ہم واپس کس زمانے
میں اور دنیا کے کس حصے میں نکلیں گے؟"

ناگ نے اژدہا سے سوال کیا تو جواب میں اس نے
کہا۔ "میں کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔ بہرحال تم آج
کے زمانے سے تیس لاکھ سال آگے کے زمانے میں نکل
جاؤ گے اور پھر سے پہلے کی طرح اپنا پانچ ہزار سالہ
تاریخی سفر شروع کر دو گے۔ کیا تم واپس جانے کے لئے
تیار ہو؟ کیونکہ اب میرے پاس بھی زیادہ وقت باقی
نہیں رہا۔ مجھے بھی واپس جانا ہے۔"

ناگ نے عنبر سے آخری بار پوچھا کہ کیا وہ تیار ہے؟

اور اس نے عنبر کو یہ بھی بتا دیا کہ اژدہا اس بات
کی کوئی ضمانت نہیں دے رہا کہ وہ کس زمانے میں اور
دنیا کے کس حصے میں جا کر نکلیں گے۔

عنبر نے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائیگا
یہاں سے نکلنا ضروری ہے۔ اژدہا سے کہو ہم بالکل تیار ہیں۔"

ناگ نے اژدہا کو آخری بار اجازت دے دی۔ اژدہا نے
اپنا پھن پہلے سکیڑا۔ پھر پھیلا کر اور زیادہ اوپر اٹھا
لیا اور ناگ سے کہا۔ "میرے قریب پتھر پر ایک دائرہ
بنا ہوا ہے۔ اس میں آ کر دونوں کھڑے ہو جاؤ۔"

ناگ نے عنبر کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر آگے بڑھا
پتھروں میں ایک بڑے پتھر کی سل پر سبز رنگ کا
دائرہ بنا ہوا تھا۔ عنبر اور ناگ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے
اس میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ اژدہا نے کہا۔

"آنکھیں بند کر لو۔"

ناگ نے عنبر سے آنکھیں بند کرنے کا کہہ کر خود
بھی آنکھیں بند کر لیں۔ انہوں نے ایک دوسرے کے
ہاتھ میں ہاتھ دے رکھے تھے۔ اچانک اژدہا کے پھن سے
سبز روشنی کی ایک شعاع پھوٹی اور سیدھی عنبر اور
ناگ پر آ کر پڑی۔ شعاع بڑی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ عنبر

اور ناگ دونوں اس روشنی میں سبز ہو گئے۔ پھر یہ روشنی تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ عنبر اور ناگ کو اپنی بند آنکھوں میں بھی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ پھر ایک جھپاکا سا ہوا۔ جہاں عنبر اور ناگ کھڑے تھے، وہاں سبز دھوئیں کا بادل اٹھا۔ جب بادل چھٹا تو وہاں نہ عنبر تھا اور نہ ناگ تھا۔ دونوں غائب ہو چکے تھے۔

ناگ نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ ایک باغ کے لان میں سبز گھاس پر نیم کے گھنے درختوں کی چھاؤں میں سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ وہ تڑپ کر اٹھا اور دیکھا کہ اس کے پاس ہی عنبر سبز رنگ کے چھوٹے سے سانپ کی شکل میں پڑا تھا۔ اس کے سر پر سبز رنگ کی ہلکی سی کلغی بنی ہوئی تھی۔ وہ تیس لاکھ سال کے زمانۂ قبل از تاریخ سے واپس اپنی تاریخ کی دنیا میں آگئے تھے اور عنبر سانپ بن چکا تھا۔ ناگ نے عنبر کی طرف دیکھ کر سانپ کی زبان میں کہا۔

"عنبر!"

"ہاں ناگ بھیا!"

ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ دونوں اپنی دنیا میں واپس آگئے ہیں۔ لیکن اُسے افسوس ہو رہا تھا کہ عنبر

سانپ بن گیا ہے اور خدا جانے اب اسے کبھی انسانی شکل میں واپس آنا نصیب بھی ہوگا کہ نہیں۔ عنبر رینگتا ہوا ناگ کے قریب آگیا۔ ناگ نے کہا۔

"سانپ بن کر کیا محسوس ہو رہا ہے عنبر؟"

عنبر نے کہا۔ "ایسا لگتا ہے کہ میں نے تنگ اچکن پہن لی ہے۔ بس باقی بالکل ویسے ہی محسوس کر رہا ہوں۔ بس ذرا تنگی کا احساس ہے۔"

دو آدمی ناگ کے قریب سے اردو زبان میں باتیں کرتے گزر گئے۔ عنبر نے کہا۔

"عجیب بات ہے۔ مجھے ان کی زبان سمجھ آرہی ہے۔ یہ اردو زبان ہے۔ ہم یقیناً ہندوستان یا پاکستان کے کسی شہر میں آگئے ہیں ناگ!"

ناگ نے آس پاس کا جائزہ لیا۔ وہ شہر کے کسی پارک میں تھا۔ موسم برسات کا تھا۔ کیونکہ آسمان پر برسات کی کالی گھٹا چھا رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ قریب ہی کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ پاس ہی ایک سڑک تھی جس کے فٹ پاتھ پر لوگ گزر رہے تھے۔ ان کا لباس کرتہ پاجامہ تھا۔ کسی کسی نے پتلون بشرٹ بھی پہن رکھی تھی۔ ناگ اس سے پہلے ہندوستان کا شہر بمبئی دیکھ

چکا تھا ۔ اسے یقین سا ہو گیا کہ وہ بمبئی شہر میں ہے۔
اس نے عنبر سے کہا ۔

" ایسا لگتا ہے کہ ہم دنیا کے ماڈرن دور میں آ گئے
اور یہ بمبئی شہر ہے "

سڑک پر سے ایک دو منزلہ بس گزر گئی ۔ بجلی کی تاروں
کے کھمبے بھی لگے ہوئے تھے ۔ موٹر کار بھی سڑک پر سے
گزر جاتی تھی ۔

عنبر نے پوچھا ۔ " بمبئی انڈیا کا شہر ہے جو ہمارے
زمانے میں بند کہلاتا تھا ؟ "

" ہاں عنبر ! یہ ہندوستان ضرور ہے کیونکہ بس کے
پیچھے ہندی زبان میں فلم کا اشتہار لکھا تھا ۔ اب یہ معلوم
کرنا ہے کہ شہر کونسا ہے ؟ "

ناگ نے عنبر کو اٹھا کر اپنی قمیض کی جیب میں رکھ لیا۔
کیونکہ دو بچے اس کی طرف اپنے گیند کے تعاقب میں آ
رہے تھے ۔ گیند ناگ کے قدموں کے پاس آ کر رُک گیا ۔
ناگ نے بچوں کو مسکرا کر دیکھا اور پارک سے نکل کر سڑک
کی فٹ پاتھ پر آ گیا ۔ یہ باغوں پارکوں کے درمیان سے
گزرنے والی سڑک تھی ۔ پارک جہاں ختم ہوتی تھی ۔ وہاں ایک
بڑی سڑک گذر رہی تھی ۔ سڑک کے کنارے ماڈرن فلیٹ

بنے ہوئے تھے ۔ سڑک پر سے دو منزلہ بسیں، موٹر کاریں،
سکوٹر اور رکشا وغیرہ گزر رہے تھے ۔ عنبر نے ناگ کی
جیب سے اپنا کلغی والا چھوٹا سا سانپ کا سبز سر باہر نکال
رکھا تھا اور شہر کی موٹروں ، بسوں اور ماڈرن عمارتوں
کو دیکھ رہا تھا ۔

ناگ نے آہستہ سے کہا ۔ " عنبر ! گردن زیادہ باہر نہ
نکالو ۔ اگر کسی نے دیکھ لیا کہ میری جیب میں سانپ ہے
تو لوگ میرے پیچھے لگ جائیں گے "

عنبر نے کہا ۔ " یہ لو بابا ۔ سر اندر کر لیتا ہوں ۔ عجیب
مشکل میں پھنس گیا ہوں ۔ مگر ایک بات ہے ۔ نہ مجھے گرمی
لگتی ہے نہ سردی "

" یہ تو پہلے بھی تمہیں نہیں لگتی تھی ۔ لیکن تم نئے
نئے سانپ بنے ہو ۔ گرمی ذرا زیادہ ہو گی تو تمہیں ضرور
لگے گی ۔ یہ میرا تجربہ ہے "

عنبر نے پوچھا ۔ اب کیا ارادہ ہے ؟ تم کہاں جا رہے
ہو ؟ "

ناگ بولا ۔ " پہلے تو یہ معلوم کرتے ہیں کہ یہ شہر کونسا
ہے اور زمانہ کونسا ہے ۔ پھر ماریا کے بارے میں سوچیں
گے کہ وہ کہاں مل سکتی ہے اور میں یہ غور کروں گا

کہ خلائی مخلوق یعنی نیلی اور چوکور آنکھوں والی لڑکی کہاں
مل سکے گی۔"

عنبر بولا۔ "ناگ بھائی! وہاں — آج سے تیس لاکھ
سال پہلے سبز اژدہا کی غار میں کہنے کو تو میں نے کہہ دیا
تھا کہ دیکھا جائے گا۔ مگر اب محسوس ہوتا ہے کہ چوکور آنکھوں
والی خلائی لڑکی کا ملنا دشوار ہے۔"

ناگ بولا۔ "وہاں تو مجھے حوصلہ دیتے تھے۔ یہاں میں
تمہیں حوصلہ دوں گا کہ خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا
چاہیئے۔ وہ کوئی نہ کوئی سبب ضرور بنا دے گا۔"

عنبر نے کہا۔ "ناگ بھیا! خلاء میں کروڑوں نوری سال
کے فاصلے پہ کسی سیارے پہ جانا کوئی معمولی بات ہے کیا؟"

ناگ بولا۔ "ہم نہیں جائیں گے۔ ہو سکتا ہے وہاں کی
مخلوق یہاں آ جائے۔"

عنبر کہنے لگا۔ "ہونہہ۔" عنبر نے طنز بھرے انداز
میں کہا۔ "کروڑوں نوری سال کے فاصلے پر رہنے والی خلائی
مخلوق کو کیا پڑی ہے کہ اس دنیا میں آئے۔ بس خوش فہمی
ہے تمہاری۔"

ناگ نے جواب دیا۔ "میں تو پوری کوشش کروں گا
کہ میرا بھائی، میرا دوست عنبر سانپ سے انسانی شکل میں

آ جائے۔ کیونکہ اگرچہ تمہیں کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔ تم مر
نہیں سکتے۔ مگر سانپ ہونے کی وجہ سے تم بہت چھوٹے ہو
گئے ہو عنبر — اور اس بات کا خطرہ ہے کہ اگر تم کسی
بس یا ریل گاڑی کے نیچے آ گئے تو تم دو ٹکڑے ہو
سکتے ہو اور یہ بڑی خطرناک بات ہو گی۔ پھر سانپ بن کر
تم باقی اتنی لمبی زندگی نہیں گزار سکو گے۔ تم موت کی تمنا
کرنے لگو گے۔ سانپ سانپ اور انسان انسان ہوتا ہے۔"

وہ اسی طرح باتیں کرتے پارک سے دُور بڑی سڑک کے
کنارے آ گئے۔ چونکہ باتیں کرتے ہوئے ناگ کے ہونٹ نہیں
ہل رہے تھے اور نہ ان کی آواز پیدا ہو رہی تھی اس
لئے کسی کو شک نہیں پڑا کہ ناگ چلتے میں اکیلے کس سے
باتیں کر رہا ہے۔ ناگ نے ایک سٹور کے بورڈ پہ نئی دہلی
شہر کا نام لکھا ہوا دیکھا۔ اس نے عنبر سے کہا۔

"عنبر! ہم ہندوستان کے شہر نئی دہلی میں ہیں۔
یہ بمبئی سے کافی دور ہے۔"

عنبر نے پوچھا۔ "زمانہ کونسا ہے؟"

"ابھی معلوم کرتا ہوں۔"

ناگ چوک میں آیا تو وہاں زمین پہ پھیلائے ایک لڑکا
اخبار فروخت کر رہا تھا۔ اس نے اخبار کی پیشانی پہ لکھا ہوا

سن پڑھا اور عنبر سے کہا۔

"ہم ۱۹۸۲ء عیسوی میں آ گئے ہیں۔"

عنبر نے کہا۔ اسی ۱۹۸۲ء میں ہم دونوں پہلے بھی تو لاہور شہر میں آ چکے ہیں۔ مگر لاہور پاکستان میں ہے اور وہ یہاں سے دوسرا مسلمان ملک ہے۔"

ناگ بولا۔" ہاں عنبر! لاہور میں ہمارا ایک دوست امجد بھی رہتا تھا۔"

عنبر نے کہا۔" خدا جانے وہ بیچارہ کہاں ہو گا۔ ہماری پُر اسرا دنیا کی سیر کرنے کے شوق میں میرے پیچھے غیبی دروازے میں چھلانگ لگا بیٹھا اور خدا جانے پھر کہاں چلا گیا۔ اچھا۔ لاہور چل کر اس کا پتہ کریں گے۔ ناگ! مجھے اس کے گھر کا پتہ ہے۔"

ناگ نے کہا۔" میں بھی اس کے گھر سے واقف ہوں۔ گارڈن ٹاؤن میں ہے۔"

ناگ فٹ پاتھ پر سڑک کے کنارے کنارے چلا جا رہا تھا۔ اس نے عنبر سے کہا۔" عنبر! ہمیں یہاں کی کرنسی کا بھی کچھ انتظام کرنا ہو گا۔ کیونکہ روپے پیسے کے بغیر ہمارا یہاں گزارہ نہیں ہو گا۔ اگرچہ ہم کھائے پیئے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں۔ مگر تم کو بھی تجربہ ہوا ہو گا کہ ۱۹۸۲ء کے زمانے

کے ان شہروں میں پیسے کے بغیر آپ دو قدم نہیں چل سکتے۔"

"ہاں — یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر روپیہ تو پھر تمہیں ہی پیدا کرنا ہو گا۔ میں اگرچہ سانپ بن گیا ہوں، مگر خزانے کا پتہ نہیں چلا سکتا۔

ناگ مسکرایا۔ کہنے لگا۔" فکر نہ کرو۔ یہ دلی کی زمین ہے یہاں قدم قدم پہ خزانے دفن ہیں۔"

اور ناگ سڑک کراس کرنے لگا تو ایک کار تیزی سے اس کے بالکل نزدیک سے گزر گئی۔

عنبر نے کہا۔" ناگ! خدا کے لئے دھیان سے سڑک پار کرو۔ تمہیں کچھ ہو گیا تو میں کہاں جاؤں گا۔ ہمیں اپنی اپنی زندگیوں کا بڑا خیال رکھنا ہے۔"

ناگ بولا۔" عنبر! یہ لوگ بے دھڑک گاڑیاں چلاتے ہیں۔ یہ کسی کی جان کی پروا نہیں کرتے۔ تمہیں معلوم ہے یہاں ہر روز سینکڑوں لوگ ٹریفک کے حادثوں میں مر جاتے ہیں۔ یعنی ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں —"

عنبر نے کہا۔" ناگ! کیا خیال ہے۔ کیوں نہ ہم ہندوستان سے پاکستان کے شہر لاہور چل کر یہ معلوم کریں کہ ہمارا دوست امجد واپس آ گیا ہے کہ نہیں۔ اگر آ گیا ہو گا تو خلائی سیاروں کے بارے میں اس سے کوئی کتاب لے کر پڑھیں گے —

مگر کیا تمہیں بارڈر کا پتہ ہے؟"

ناگ نے کہا۔" ہندوستان پاکستان کا بارڈر تو میں پہلے بھی پار کر چکا ہوں۔ مگر امجد سے خلائی سیاروں کی کتاب لے کر کیا کریں گے؟"

ناگ ہنسنے لگا۔ عنبر نے کہا۔" یار! سیاروں کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔ ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس خلائی سیارے کے بارے میں بھی کچھ معلوم ہو جائے۔ جہاں چوکور آنکھوں والی مخلوق رہتی ہے۔"

ناگ نے جواب دیا۔" خیال تو اچھا ہے مگر معلوم کر لینے سے تو ہمیں نیلی چوکور آنکھوں والی خلائی لڑکی کے سنہری بال نہیں مل جائیں گے۔ اس کے لئے تو ہمیں ان کے سیارے میں جانا ہو گا اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ویسے اگر تم کہتے ہو تو ہم لاہور چلے جاتے ہیں۔ لیکن ہمیں پہلے کچھ روپوں پیسوں کا انتظام کرنا ہو گا۔"

عنبر بولا۔" تو پھر کوئی خزانہ نکلواؤ زمین کے اندر سے اپنے کسی سانپ کو کہہ کر۔"

" یہی کرنا پڑے گا۔ میرا خیال ہے پرانی دلی چلتے ہیں وہاں قلعے میں کہیں نہ کہیں ضرور خزانہ دفن ہو گا۔"

عنبر کو اپنی قمیض کی جیب میں چھپائے ناگ نے ایک

آدمی سے اردو زبان میں پرانی دلی کی راہ پوچھی اور سڑک پر روانہ ہو گیا۔ ناگ کے پاس ہندوستان کی کرنسی کی ایک دونی تک نہیں تھی۔ اس لئے وہ پیدل ہی چل پڑا تھا۔

عنبر نے جیب میں سے سر نکال کر کہا۔

" ناگ! تھک تو نہیں جاؤ گے؟"

" نہیں عنبر بھائی! تم تو جانتے ہو کہ ہم کبھی نہیں تھکا کرتے۔"

" بھائی باز بن کر اڑ چلو۔ میں تمہارے پنجوں کے ساتھ لپٹا رہوں گا۔"

" خیال تو اچھا ہے۔ میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔"

اتنا کہہ کر ناگ نے ایک جگہ سڑک کے کنارے خالی دیکھی۔ ادھر آ کر اس نے ایک گہرا سانس لیا اور باز بن کر ہوا میں اڑنے لگا۔ اس کے پنجوں کے ساتھ عنبر چھوٹے سانپ کے روپ میں لپٹا ہوا تھا۔ ناگ پہلے بھی دلی آ چکا تھا اور سارے رستے جانتا تھا۔ وہ بارہ کھمبے کے علاقے کے اوپر سے اڑتا ہوا دلی کے پرانے لال قلعے کی طرف روانہ ہو گیا۔

ساون کی گھٹا چھائی تھی۔ دن کا وقت تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ناگ باز کی شکل میں بڑی تیزی سے

اڑتا چلا جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی سامنے لال قلعے کے برج اور مینارے نظر آنے لگے۔ ناگ قلعے کی چھت پر ایک جگہ اتر گیا۔ یہاں آس پاس کوئی نہیں تھا۔ ناگ نے انسانی شکل اختیار کی۔ عنبر گھاس پر گر پڑا تھا۔ ناگ نے اسے اٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔ قلعے میں جنوب کی طرف سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں۔ ناگ نیچے اتر آیا۔ یہاں کوئی آدمی نہیں تھا۔ قلعے کی دیوار کے ساتھ پیپل کا ایک پرانا درخت اگا ہوا تھا۔

ناگ نے کہا۔ "عنبر بھائی! یہ بہت پرانا درخت ہے۔ اس کے نیچے ضرور کوئی خزانہ ہو گا۔"

ناگ اس درخت کے پاس آکر گھاس پر بیٹھ گیا۔ ایک نظر آس پاس ڈالی کہ کوئی اسے دیکھ تو نہیں رہا۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ وہاں اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے تو اس نے آنکھیں بند کر کے منتر پڑھا۔ منتر کے پڑھتے ہی ایک سیاہ کالا سانپ پھن اٹھائے درخت کے پیچھے سے نکل کر ناگ کے سامنے آ گیا۔ اس نے تعظیم سے سر جھکایا اور بولا۔

"عظیم ناگ دیوتا! کیا حکم ہے؟"

ناگ نے کہا۔ "کیا اس جگہ کوئی خزانہ دفن ہے؟"

سانپ نے کہا۔ "ہاں اے عظیم دیوتا! اس جگہ آخری

مغل بادشاہ کی ایک وفادار کنیز زمانی بیگم نے غدر کے دنوں میں جب افراتفری مچی تھی، اپنی محنت کی کمائی کی اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک گڑوی دفن کی تھی کہ جب امن و امان ہو گا تو نکال لے گی۔ مگر اسے انگریزوں نے گولی مار کر ہلاک کر ڈالا۔ یہ اس کی امانت ہے جس کی میں حفاظت کر رہا ہوں۔ کیا اے عظیم دیوتا مجھ پر ایک مہربانی کریں گے؟"

"کیا؟" ناگ نے پوچھا۔

سانپ کہنے لگا۔ "زمانی بیگم کی ایک پڑپوتی دلی کی ایک گلی میں بڑی غریبی کے دن کاٹ رہی ہے۔ کیا آپ یہ امانت اس تک پہنچا دیں گے۔ اس کے بعد میں آپ کے لئے کوئی دوسرا خزانہ تلاش کر دوں گا۔"

ناگ بولا۔ "میں زمانی بیگم کی امانت اس کی پڑپوتی کے پاس ضرور پہنچا دوں گا۔ تم کسی دوسرے خزانے سے جو کسی کی امانت نہ ہو، میرے لئے ایک سونے کی اشرفی لے آؤ۔"

"جو حکم عظیم ناگ دیوتا۔"

یہ کہہ کر سانپ چلا گیا۔ عنبر نے کہا۔

"ناگ! تاریخ بتاتی ہے کہ غدر کے دنوں میں یہاں بڑا

قتلِ عام ہوا تھا۔ تمہیں یاد ہے ایک بار ہم غدر کے
دنوں میں یہاں آئے بھی تھے۔"

"ہاں عنبر! وہ بڑا بُرا زمانہ تھا۔ ہر طرف لوگوں کو
پھانسیاں دی جا رہی تھیں۔"

اتنے میں ناگ کو ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی کسی
کانسی کے برتن کو لڑھکاتا ہوا لئے چلا آ رہا ہو۔ پھر کالا
سانپ کانسی کی ایک گڑوی کو لڑھکاتا ہوا لے کر ناگ
کے پاس آ گیا۔ سانپ کے منہ میں سونے کی ایک طلائی اشرفی
بھی پکڑی ہوئی تھی۔ سانپ نے منہ میں پکڑی ہوئی اصلی
سونے کی اشرفی ناگ کے قدموں میں ڈال کر کہا۔

"عظیم ناگ دیوتا! یہ اشرفی آپ کی نذر ہے اور یہ
کانسی کی گڑوی زمانی بیگم کی غریب پڑپوتی کو دے دیجئے گا۔"

ناگ نے کہا۔ "اس کے گھر کا پتہ کیسے ملے گا؟"

سانپ بولا۔ "عظیم ناگ دیوتا! زمانی بیگم کی پڑپوتی کا
نام زیب النساء بیگم ہے اور وہ دلی کے ایک محلے پھول
والاں کی ایک تنگ و تاریک گلی میں رہتی ہے۔"

ناگ نے اشرفی اٹھا کر جیب میں ڈالی۔ اور گڑوی اٹھا
کر بولا۔ "بے فکر ہو جاؤ۔ تمہاری امانت اس کی مالک
تک پہنچ جائے گی۔"

"میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں عظیم ناگ!"

"اب تم جا سکتے ہو۔" ناگ نے کہا۔

اور سانپ رینگتا ہوا پیپل کے درخت کے پیچھے جا کر غائب
ہو گیا۔ عنبر نے کہا۔

"چلو ناگ! پہلے یہ امانت اس کی مالک تک پہنچا دیں۔
کیا تمہیں معلوم ہے محلہ پھول والاں کہاں ہے؟"

"ہاں عنبر! میں ایک بار اس محلے سے گزرا ہوں۔"

ناگ نے کانسی کی گڑوی پکڑی اور قلعے سے باہر نکلنے کے
لئے اس کے بڑے دروازے کی طرف چل پڑا۔ موسم خوشگوار
ہونے کی وجہ سے قلعے میں رونق تھی۔ لوگ سیر کرنے چلے آ
آ رہے تھے۔ ناگ قلعے سے باہر نکل آیا۔ اور شہر کے
پرانے گلی محلوں کی طرف چلا۔ پوچھتے پوچھتے وہ محلہ پھول
والاں پہنچ گیا۔ یہاں اس نے ایک آدمی سے زیب النساء
کے گھر کا پتہ معلوم کیا اور دیکھا کہ ایک ٹوٹی پھوٹی کوٹھڑی
میں ایک ادھیڑ عمر عورت پھٹے پرانے کپڑے پہنے برتن دھو
رہی ہے۔ ناگ نے سلام کر کے اندر آنے کی اجازت لی اور
زیب النساء کے قریب زمین پر بچھے ہوئے بورئیے پر بیٹھ گیا۔
پھر اس نے زیب النساء کو کانسی کی گڑوی پیش کرتے ہوئے
ساری بات سمجھائی تو زیب النساء سونے کی اشرفیوں سے بھری

ہوئی کانسی کی گڑوی دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ناگ نے کہا۔

"بہن! یہ تمہاری امانت ہے۔ اسے سنبھالو۔ نئی زندگی شروع کرو۔ خدا نے تمہارے دن پھیر دیئے ہیں۔ اب مجھے اجازت دو۔"

اور ناگ سلام کر کے زیب النساء کے مکان سے باہر آ گیا۔

عنبر بولا: "اب میرا خیال ہے ہمیں سونے کی اشرفی کسی سنار کو دے کر اس سے کرنسی نوٹ لینے چاہئیں۔"

ناگ بولا۔ "ہمیں پاکستانی کرنسی بھی لینی ہو گی۔ کیونکہ ہم پاکستان جا رہے ہیں۔"

ناگ بازار میں آ کر ایک سنار کی دکان پر گیا۔ سونے کی اشرفی دکھائی تو وہ سمجھ گیا کہ یہ کہیں سے چوری کر کے لایا ہے۔ بولا۔

"میاں! بڑے عمدہ مال پہ ہاتھ مارا ہے۔ بولو کیا دوں؟"

ناگ سنار سے بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔

"جو مرضی ہے دے دو۔"

سنار نے پانچ سو روپے کے نوٹ سامنے رکھ دیئے۔ حالانکہ اشرفی کی قیمت اس وقت سات آٹھ ہزار روپے سے کم نہ تھی۔ مگر ناگ نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ کہنے لگا۔

"ایسا کرو۔ اس میں سے ساڑھے چار سو روپے پاکستانی کرنسی میں دے دو۔"

سنار نے پاکستانی کرنسی اور ہندوستانی کرنسی کے نوٹ گن کر ناگ کو دے دیئے۔ عنبر نے کہا۔

"یہ دکاندار چور ہے۔ اگر کہو تو اسے تھوڑا سا مزا چکھا دوں۔"

"نہیں عنبر بھائی! ہمیں ابھی اور بھی کام کرنے ہیں۔"

ناگ نوٹ جیب میں ڈال کر شہر کے پرانے گلی محلوں سے باہر آ گیا۔ وہ سیدھا ریلوے سٹیشن کی طرف چل پڑا۔ اس نے امرتسر کا ایک ٹکٹ لیا اور ٹرین میں سوار ہو گیا۔ امرتسر ہندوستان کی پاکستان سے ملنے والی مشرقی سرحد کا آخری ریلوے سٹیشن تھا۔ شام کو ناگ اور عنبر امرتسر پہنچ گئے۔

عنبر نے کہا۔ "ناگ! کیا راتوں رات سرحد عبور کرو گے، یا رات یہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہے؟"

ناگ بولا۔ "میرا خیال ہے ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے تاکہ لاہور میں امجد سے ملاقات کر کے ماریا کے بارے میں اور خلائی سیاروں کے بارے میں کوئی معلومات حاصل کی جائے۔"

"خدا کرے کہ وہ لاہور واپس آ گیا ہو۔" عنبر بولا۔

ناگ نے کہا۔ "اگر نہیں پہنچا ہو گا تو ہم عنبر
سیاروں کے بارے میں کہیں اور سے معلومات حاصل
کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن عنبر بھائی! اگر
سے کیا ہو گا۔ ہم کسی خلائی سیارے پر تو پہنچ نہیں
سکیں گے۔"

عنبر نے کہا۔

"خدا کوئی نہ کوئی سبب بنا دے گا ناگ! ہمیں کوشش
کرتے رہنا چاہئیے۔"

امرتسر ریلوے سٹیشن سے باہر نکل کر ناگ پاکستانی
سرحد کی طرف جانے والی سڑک پر روانہ ہوا تو بوندا باندی
شروع ہو گئی۔

عنبر نے کہا۔ "ناگ! بھیگ جاؤ گے۔ یہاں کسی ہوٹل
میں ٹھہر جاتے ہیں۔"

"خیال بُرا نہیں ہے عنبر بھائی!"

ناگ نے کہا اور ہوٹل کی طرف بڑھا جو ریلوے سٹیشن
کے بالکل سامنے تھا۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے بارش بھی تیز
ہو گئی۔ بارش میں ناگ اگر باز بن کر اڑ بھی جاتا تو وہ
اچھی طرح سے نہیں اُڑ سکتا تھا۔ کیونکہ بارش میں پَر
گیلے ہو کر بھاری ہو جایا کرتے ہیں۔ اور پرندوں کو
اڑنے میں دقت ہوتی ہے۔ ناگ نے اس ہوٹل میں ایک
کمرہ کرائے پہ لیا۔ دروازہ بند کرکے عنبر کو جیب سے نکال
کر اپنے بستر کے سرہانے پہ بٹھا دیا۔ اور خود غسل خانے
میں نہانے چلا گیا۔ ناگ دروازہ بند کرنا بھول گیا تھا۔
وہ غسل خانے میں نہا رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھول کر بیرا
داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا ٹرے تھا۔

عنبر اور ناگ لاہور میں

بیرے نے سرہانے پر سانپ بیٹھا دیکھا تو ٹرے اس کے ہاتھ سے گر پڑا۔

وہ چیخ مار کر باہر کو بھاگا۔ عنبر جلدی سے سرہانے سے اتر کر بستر پر رینگتا ہوا کمرے کی الماری کے پیچھے چلا گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اب وہاں لوگ آئیں گے اور ناگ غسل خانے میں ہے۔ ٹرے گرنے کی آواز سن کر ناگ تولیہ جسم کے گرد لپیٹے غسل خانے سے باہر آگیا۔ اس نے دیکھا کہ فرش پر چائے کی پیالیاں ٹوٹی پڑی ہیں اور عنبر غائب ہے۔ اس نے عنبر کو آواز دی تو عنبر الماری کے پیچھے سے نکل آیا۔ ناگ نے پوچھا۔ "کیا ہوا تھا عنبر؟"

عنبر نے ساری بات سنا دی۔ ناگ نے کہا۔

"تم میری قمیض کی جیب میں جا کر چھپ جاؤ۔"

ناگ کی قمیض ہینگر کے ساتھ لٹک رہی تھی۔ عنبر اس کی جیب میں جا کر چھپ گیا۔ ناگ نے غسل خانے میں جا کر پتلون بنیان پہنی۔ اور باہر آکر قمیض بھی پہن لی۔ اتنے میں وہاں ہوٹل کا مینجر اور بیرے آگئے۔ وہ پریشان تھے کہ کمرے میں سانپ نکل آیا ہے۔ ناگ نے کہا۔

"یہاں تو کہیں بھی سانپ نہیں ہے۔"

بیرے نے کہا۔ "سر! میں نے خود دیکھا ہے۔ اس کے سرہانے پر بیٹھا تھا۔ الماری کے نیچے گھس گیا ہوگا۔"

مینجر نے کہا۔ "کمرے کی تلاشی لی جائے گی۔ سانپ کو مارا جائے گا۔"

ناگ نے بہتیرا سمجھانے کی کوشش کی کہ کمرے میں کہیں سانپ نہیں ہے۔ مگر مینجر کو اپنے ہوٹل کے سارے مسافروں کی زندگیوں کا خیال تھا۔ اس نے اسی وقت نیچے سے ایک سپیرا بلا لیا تاکہ بین بجا کر کمرے سے سانپ کو نکالا جائے۔ ناگ بھی کمرے سے باہر آگیا۔ وہ مطمئن تھا کہ عنبر تو سانپ کی شکل میں اس کی جیب میں ہے۔ سپیرے نے آتے ہی بین بجانی شروع کر دی۔ اس بات کا اثر عنبر پر ہونا شروع ہو گیا۔ کیونکہ آخر وہ سانپ تھا۔ ناگ کو اس بات کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ عنبر نے بین کی دھن پر اپنی گردن ناگ کی جیب سے باہر نکال کر جھومنا شروع کر دیا۔ مینجر نے شور مچا دیا۔

"سانپ آپ کی جیب میں ہے۔ اپنی جگہ سے نہ ہلیں
نہیں تو کاٹ ڈالے گا۔"

سپیرے نے بین کا رُخ ناگ کی جیب کی طرف کر دیا۔
عنبر نے ناگ کی جیب سے چھلانگ لگا دی اور بین کی
دُھن پر ناچنے لگا۔ سپیرے نے جب دیکھا کہ سانپ کے سر پر
سبز کلغی ہے تو وہ بے حد خوش ہوا۔ ایسا قیمتی سانپ اس
نے زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے عنبر کے
سر پر کپڑا ڈال کر اس کو پکڑ کر پٹاری میں بند کر لیا۔

ناگ نے کہا۔ "تم یہ سانپ نہیں لے جا سکتے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جی؟" منیجر نے حیرانی سے کہا۔

اتنے میں سپیرا سانپ کی پٹاری لے کر نیچے بھاگ گیا۔
ناگ اس کے پیچھے لپکا۔ سیڑھیوں میں اندھیرا تھا۔ سپیرا
سیڑھیوں پر سے گزر کر ہوٹل کے پیچھے چلا گیا۔ یہاں
جھاڑیاں تھیں اور ٹوٹے پھوٹے کوارٹروں کے درمیان درختوں
کی قطاریں کھڑی تھیں۔ سپیرا ان درختوں اور کوارٹروں کے
اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ ناگ پاگلوں کی طرح سپیرے کو تلاش
کرنے لگا۔ اس سے بڑی بھول ہو گئی تھی۔ اسے چاہئے تھا
کہ وہیں عنبر کو اٹھا لیتا اور کہتا کہ یہ اس کا پالتو سانپ
ہے۔ مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ ناگ نے سارا علاقہ

چھان مارا مگر سپیرے کا کوئی پتہ نہ چلا۔ ناگ کو عنبر کی
بُو بھی نہیں آ رہی تھی۔ وہ واپس منیجر کے پاس آ گیا اور
اس سے پوچھا کہ سپیرا کون تھا اور کہاں رہتا ہے؟

منیجر نے کہا کہ وہ اسے نہیں جانتا۔

"وہ تو بین بجاتا اِدھر سے گزر رہا تھا کہ میں اسے
بلا کر اوپر لے گیا۔ مجھے کیا پتہ وہ کون تھا اور کہاں
چلا گیا۔"

ناگ کے لئے اس منیجر نے ایک نئی پریشانی کھڑی کر دی
تھی۔ وہ ہوٹل سے نکل آیا اور اندازے سے سپیرے کی تلاش
میں روانہ ہو گیا۔ اُوپر سے شام ڈھل رہی تھی اور اندھیرا
ہونے لگا تھا۔ مگر ناگ اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا۔ اس
لئے وہ چلتا چلا گیا۔ وہ ٹوٹے پھوٹے کوارٹروں سے نکل کر
باہر کھیتوں میں آ گیا۔ کھیت بارش میں بھیگے ہوئے تھے۔
بوندا باندی ہو رہی تھی۔ ناگ نے گہرا سانس لیا اور باز بن
کر اس سارے علاقے میں اڑ کر سپیرے کو تلاش کرنے
کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ وہ تھک ہار کر واپس اپنے ہوٹل
میں آ گیا۔ وہ عنبر کے لئے بہت پریشان تھا اور منیجر کو دل
میں بُرا بھلا کہہ رہا تھا کہ کم بخت جانے کہاں سے سپیرے
کو لے آیا۔ ناگ اپنے آپ کو بھی بُرا بھلا کہہ رہا تھا کہ

وہ خواہ مخواہ کھڑا تماشہ دیکھتا رہا۔ اسے چاہیئے تھا کہ وہ
آگے بڑھ کر عنبر کو اٹھا لیتا اور کہتا کہ یہ اس کا پالتو
سانپ ہے مگر اس کے یہ وہم میں بھی نہیں تھا کہ سپیرا
عنبر کو پٹاری میں ڈال کر اتنی تیزی سے لے بھاگے گا۔ آخر
وہ یہ سوچ کر پلنگ پر لیٹ گیا کہ صبح عنبر کی تلاش میں نکلے
گا اور عنبر کی بُو اسے تلاش کرنے میں مدد ملے گی۔

سپیرا ہوٹل سے نکلتے ہی ایسا تیز تیز بھاگا کہ اس
نے وہاں سے کافی دور ایک کنوئیں کے پاس جا کر دم لیا۔
اسے معلوم تھا کہ کلغی والا سبز سانپ اسے پھر کبھی نہیں مل
سکے گا اور ہو سکتا ہے کہ ہوٹل والے لوگ وہ سانپ اسے
ساتھ نہ لے جانے دیں یا اس سے سانپ کے کچھ پیسے
مانگیں۔ سانس ٹھیک کر کے سپیرا پھر بھاگ کھڑا ہوا اور بارش
میں بھیگتا سڑک پر آ گیا۔ وہاں ایک بس شہر کی طرف جا
رہی تھی۔ وہ اس میں سوار ہو گیا اور امرتسر شہر سے دلی
بٹالہ کی جانب کچھ فاصلے پر ویرکا نامی ایک قصبے کے
باہر اتر گیا۔ یہاں سے پیدل چلتا وہ قصبے سے دور
ٹاہلی کے درختوں کی چھاؤں میں اپنے ڈیرے پر آیا اور سپیروں
کے سردار کی جھونپڑی میں جا کر اسے پٹاری کھول کر
کلغی والا سبز سانپ دکھایا۔ سپیروں کا سردار ایک تجربہ کار

بوڑھا سپیرا تھا۔ اس نے سانپ کو دیکھا تو اس کی آنکھیں
چمک اٹھیں۔ جھونپڑی میں لالٹین جل رہی تھی۔

بوڑھے سپیرے نے پوچھا۔ "یہ ہیرا تمہیں کہاں سے
مل گیا؟"

نوجوان سپیرے نے کہا۔ "شہر کے ہوٹل سے مل
گیا بابا۔"

بوڑھا سپیرا کہنے لگا۔ ارے یہ تو امر دیپ کشیش ناگ
ہے۔ اس کی تو اب دنیا میں نسل بھی باقی نہیں رہی۔
میں حیران ہوں کہ یہ اس ہوٹل میں کہاں سے آ گیا۔"

نوجوان سپیرے نے کہا۔ "بابا! کیا یہ ہمارے لئے
دھن دولت لائے گا؟"

بوڑھا سپیرا بولا۔ ارے یہ تو ہمیں بادشاہ بنا دے گا۔
اسے پٹاری میں بند کر کے اوپر پتھر رکھ کر کونے میں یہیں
رہنے دے۔ صبح میں اسے لے کر سانپوں کے بادشاہ سپیرے
کے پاس جاؤں گا۔"

نوجوان سپیرے نے عنبر کو پٹاری میں بند کیا اور کونے میں
اس پر پتھر ڈال کر رکھ دیا۔ عنبر ان کی ساری باتیں سن رہا
تھا۔ اب اس میں ایک تبدیلی یہ آ گئی تھی کہ وہ انسانوں
کی باتیں سمجھنے لگا تھا۔ وہ پٹاری میں بند خاموش پڑا رہا۔

وہ واپس ہوٹل میں ناگ کے پاس جانا چاہتا تھا۔ جب جھونپڑی میں خاموشی چھا گئی تو اس نے زور لگا کر پٹاری کا پتھر نیچے گرا دیا اور پٹاری سے باہر نکل آیا۔ جھونپڑی میں لالٹین جل رہی تھی اور بوڑھا سپیرا گہری نیند سویا ہوا تھا۔ عنبر رینگتا ہوا جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔ اس نے گردن اٹھا کر چاروں طرف سونگھا۔ اسے ناگ کی بو کسی طرف سے بھی نہیں آ رہی تھی۔

وہ خدا کا نام لے کر ایک طرف کو چل پڑا۔ وہ میدان میں سے رینگتا ہوا اس کچی سڑک پر آ گیا جو قصبے ویرکا کے قریب سے گزر کر شہر کو جانے والی بڑی سڑک کی طرف جاتی تھی۔ اسے بڑی سڑک کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ زمین پر تیزی سے رینگ رہا تھا۔ رات کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اچانک کھیتوں میں سے ایک نیولے نے نکل کر عنبر پر حملہ کر دیا۔ نیولا سانپ کا دشمن ہوتا ہے اور اپنے تیز دانتوں سے سانپ کی گردن کے دو ٹکڑے کر دیا کرتا ہے۔ عنبر نے نیولے کو دیکھا تو رک گیا۔ نیولے نے اچھل کر عنبر کی گردن پکڑ لی۔ نیولا سانپ کی گردن میں اپنے دانت گاڑنے کی کوشش کرنے لگا مگر اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے اپنے دانتوں

میں پتھر کا ٹکڑا پکڑ لیا ہو۔ نیولے نے زور لگایا تو اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ نیولا پریشان ہو گیا۔ اس نے ایسا سانپ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ عنبر نے اپنی دُم کو چابک کی طرح لہرایا اور زور سے نیولے پر دے ماری۔ عنبر کی دُم لوہے کی لاٹھی کی طرح نیولے کی گردن پر پڑی اور اس کی گردن اس کے جسم سے الگ ہو کر گر پڑی۔

عنبر آگے روانہ ہو گیا۔ اندھیرے میں عنبر کو پانی کی خوشبو آئی۔ سامنے زمین اونچی ہو گئی تھی۔ عنبر گھاس پھوس میں رینگتا ہوا اوپر چڑھا تو دیکھا کہ ایک نہر بہہ رہی تھی۔ عنبر نے سوچا کہ زمین کی بجائے وہ پانی میں آسانی سے تیر سکے گا۔ چنانچہ وہ نہر میں اتر گیا اور پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ تیرنے لگا۔ یہ نہر آگے جا کر دریائے راوی میں گر جاتی تھی اور دریائے راوی ہندوستان کی زمین سے نکل کر پاکستان میں لاہور کے مقام پر نکل آتا تھا۔ عنبر کو اس کی خبر نہیں تھی۔ وہ ناگ سے ملنے کے لئے پانی میں تیرتا جا رہا تھا۔

پانی کی لہروں نے اسے دریا میں لا کر ڈال دیا۔ یہاں پانی کا بہاؤ بڑا تیز تھا۔ عنبر نے دیکھ لیا کہ وہ دریا میں آ گیا ہے۔ اب اس نے کنارے پر آنے کی کوشش شروع کر دی۔ مگر دریا کی موجوں نے اسے اتنی اجازت نہ دی۔

برسات کی وجہ سے دریا چڑھا ہوا تھا اور اس کی بپھری ہوئی موجیں بڑی تیزی کے ساتھ بہہ رہی تھیں ۔ عنبر نے کنارے کی طرف جانے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا اور دریا کی سیلابی موجیں اسے تیزی کے ساتھ پاکستان کی طرف لے جانے لگیں ۔

صبح کی اذانیں ہو رہی تھیں کہ عنبر پاکستان میں داخل ہو گیا ۔

یہ لاہور کا دریائے راوی تھا ۔ عنبر نے صبح کی ہلکی ہلکی نیلی روشنی میں لاہور کے مقبرہ جہانگیر اور بادشاہی مسجد کے میناروں کو پہچان لیا ۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا ۔ وہ لاہور پہنچ گیا تھا اور اسی شہر میں وہ ناگ کے ساتھ آنے والا تھا ۔ اب اسے لاہور میں ہی کسی جگہ چھپ کر ناگ کا انتظار کرنا تھا ۔ دریا کی موجیں لاہور کے راوی والے ریلوے پل کے نیچے سے گزر رہی تھیں ۔ عنبر بھی ان لہروں کے ساتھ ہی پل کے نیچے سے گزر گیا ۔ اس کی بائیں جانب کامران کی بارہ دری تھی ۔ اس پرانے کھنڈر کو بھی عنبر نے پہچان لیا ۔

وہ ایک رات اس بارہ دری کے کھنڈر میں بسر کر چکا تھا ۔ یہاں آ کر دریا کی لہروں نے اسے کنارے کی طرف دھکیلنا

شروع کر دیا ۔ عنبر بھی چاہتا تھا ۔ اس نے بھی زور لگایا اور تھوڑی سی کوشش کے بعد کامران کی بارہ دری کے کنارے پر آ گیا ۔

کنارے پر ریت کی دلدل تھی ۔ عنبر اس دلدل پر رینگتا بارہ دری میں آ کر پڑ گیا ۔ وہ تھک گیا تھا ۔ حالانکہ انسانی شکل میں اسے تھکن کا کبھی احساس نہیں ہوا تھا ۔ دن نکل رہا تھا ۔ چاروں طرف صبح کی روشنی پھیل رہی تھی ۔ یہاں بھی آسمان بادلوں میں چھپا ہوا تھا ۔ مگر بارش نہیں ہو رہی تھی ۔ عنبر کو اپنے چھپنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کرنی تھی ۔ وہ ادھر ادھر رینگ کر جگہ تلاش کرنے لگا ۔ اسے بارہ دری سے دس قدم پر درختوں کے درمیان ایک کھوہ دکھائی دی ۔ عنبر اس کھوہ میں گھس گیا ۔ اس کے لئے بڑی مشکل بن گئی تھی ۔ اگر وہ باہر نکل کر گارڈن ٹاؤن اچھرہ کی کوٹھی کی طرف جاتا ہے تو خطرہ ہے کہ لوگ اسے پکڑ لیں گے ۔ کوئی سپیرا پکڑ لے گا ۔ وہ مر تو نہیں سکتا تھا ۔ کسی کی قید میں ضرور جا سکتا تھا ۔ کیونکہ لوگ ہر جگہ سانپ کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور یہ بات ہے بھی درست ۔ اگر وہاں بیٹھ کر ناگ کا انتظار کرے تو ناگ کو یہ کیسے پتہ چلے گا کہ عنبر اس درخت کی کھوہ میں بیٹھا اس کا انتظار کر

رہا ہے۔ عنبر کو یہی سوچتے سوچتے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔

ادھر صبح ہوئی تو ناگ نے ہوٹل سے نکل کر ایک بار پھر عنبر کی تلاش شروع کر دی۔ وہ دیر تک اسے ادھر ادھر ڈھونڈھتا رہا۔ مگر عنبر کہیں نہ ملا۔ کہیں سے اس کی بُو بھی نہ آئی۔ ناگ واپس ہوٹل میں آ گیا۔ وہ نا امید ہو گیا تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اگر وہ بھی سپیرے کا بھیس بدل لے تو اس سپیرے کو تلاش کر سکتا ہے جو عنبر کو اٹھا کر لے گیا تھا۔ یہ خیال ناگ کو پسند آیا۔ اس کے پاس ہندوستانی روپے موجود تھے۔ وہ ہوٹل کا کرایہ ادا کر کے شہر سے نکل کر پیچھے گاؤں کی طرف چلا۔ ایک گاؤں کے باہر اسے ایک سپیرا آتا نظر آیا۔ ناگ اس کے قریب پہنچا تو سپیرے کی پٹاری میں بند سانپوں نے ناگ دیوتا کی بُو پا کر پھنکارنا شروع کر دیا۔ ناگ نے وہیں سانپوں کی زبان میں ان سے کہا۔ "میں عظیم ناگ دیوتا تمہیں حکم دیتا ہوں کہ خاموش ہو جاؤ۔"

سپیرا پہلے تو حیران ہوا کہ پٹاری میں سانپ پھنکارنے کیوں لگے ہیں۔ پھر جب سانپ ایک دم چپ ہو گئے تو اس نے کوئی خیال نہ کیا۔ ناگ نے سپیرے سے کہا۔

"بھائی اگر تم مجھے اپنا لباس اور سانپوں کی پٹاری اور بین

دے دو تو میں تمہیں پانچ سو روپے دوں گا۔"

سپیرا فوراً راضی ہو گیا۔ اسے اور کیا چاہئے تھا۔ اسی وقت اس نے اپنے کپڑے اتار کر ناگ کو دے دیئے اور ناگ کے کپڑے خود پہن لئے۔ ناگ اب بالکل سپیرا لگتا تھا۔ اس نے سپیرے کو پانچ سو روپے دیئے اور پٹاری کاندھے سے لٹکا بین ہاتھ میں لے وہاں سے گاؤں کی طرف چل پڑا۔ گاؤں میں وہ گلیوں میں بین بجاتا پھرا۔ اسے کوئی سپیرا دکھائی نہ دیا۔ نہ ہی عنبر کی کہیں سے بُو آئی۔ موسم بڑا خوشگوار تھا اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ گاؤں سے دور ایک ویرانے میں آ گیا۔ یہاں اسے کچھ جھونپڑیاں نظر آئیں جن کے درمیان کچھ لوگ گول دائرہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ قریب جا کر ناگ نے دیکھا کہ وہ سپیروں کی بستی تھی اور سپیرے تازہ پکڑے ہوئے سانپوں کا زہر نکال رہے تھے۔

جونہی ناگ سپیرے کے بھیس میں قریب پہنچا، سارے سانپ بے چین ہو گئے۔ سپیرے حیران ہوئے کہ ان کو اچانک کیا ہو گیا ہے۔ ناگ نے فوراً وہیں سے انہیں خاموش اور پُرسکون رہنے کا حکم دیا۔ سانپ پھر اپنی اصل حالت پہ آ گئے۔ سپیرے انہیں باری باری پٹاریوں سے نکالتے اور ان کے منہ میں کپڑا ڈال

کر زہر نکالنے لگے۔ ناگ بھی ان میں جا کر کھڑا ہو گیا
ان لوگوں نے اپنے درمیان ایک اجنبی نوجوان سپیرے کو دیکھا
تو بولے۔ "تو کون ہے اوئے جو یہاں بغیر اجازت
آ گیا ہے؟"

ناگ کو معلوم نہیں تھا کہ سپیرے جب اپنی بستی میں تازہ
پکڑے ہوئے سانپوں کا زہر نکالتے ہیں تو کسی غیر سپیرے کو
وہاں آنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ناگ نے بیوقوفوں کی
طرح دانت نکال کر کہا۔

"بادشاہو! معاف کر دیں۔ بس یونہی ادھر آ گیا ہوں۔"

سپیروں کے سردار نے اپنی سرخ آنکھوں سے گھور کر ناگ کو
دیکھا اور بولا۔

"خیریت چاہتا ہے تو یہاں سے بھاگ جا نہیں تو کرونڈیا
سانپ پھینک کر ہلاک کر دوں گا۔"

ناگ ان سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس
کا وہاں کھڑے رہنا بہت ضروری تھا۔ اس نے کہا۔

"بادشاہو! دنیا میں ابھی وہ کرونڈیا سانپ پیدا نہیں ہوا
جو مجھے ڈسے۔"

سارے سپیرے دنگ رہ گئے۔ یہ ان کے سردار کی بہت
بڑی توہین تھی۔ سردار کا کالا چہرہ بھی غصے سے تمتما اٹھا۔ اس

نے ناگ سے کہا۔

"تمہاری یہ ہمت کہ مجھے چیلنج کرے؟ ابھی مزا چکھاتا
ہوں اس گستاخی کا۔"

باقی سپیرے پرے پرے ہٹ گئے۔ سردار سپیرے نے
ناگ سے کہا۔

"اب آ جاؤ میدان میں اگر باپ کے بیٹے ہو تو۔"

ناگ درمیان میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی پٹاری
اور بین زمین پر رکھ دی۔ سردار سپیرے نے ایک مٹی کا کٹورا
جس کے اوپر کالا کپڑا چڑھا ہوا تھا اٹھا کر ناگ کے آگے رکھ
دیا اور بولا۔

"اس میں کرونڈیا سانپ بند ہے جو آج ہی میں نے
دریا سے پکڑا ہے۔ اگر ماں کے لال ہو تو اس کٹورے میں
ہاتھ ڈال کر اسے باہر نکالو۔"

ناگ کے لئے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ اس نے مٹی
کا کٹورا پکڑ کر اس کا کپڑا کھولا اور اس میں ہاتھ ڈال کر نیلے
رنگ کے انتہائی زہریلے کرونڈیے سانپ کو پکڑ کر باہر نکال لیا۔
سانپ اس کے ہاتھ میں تھا اور اپنی گردن اوپر اٹھائے ناگ
دیوتا کو بار بار سلام کر رہا تھا۔ سب دانتوں میں انگلیاں
داب کر رہ گئے۔ کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ سانپ ناگ کو سلام

کر رہا ہے۔ سردار سپیرا بے حد شرمسار ہوا مگر اکڑ کر بولا۔

"تم نے ضرور کوئی منتر پڑھ کر پھونکا ہوگا۔ ٹھہرو، میرے پاس ایک شیش ناگ ہے۔ اگر تم اتنے ہی بڑے سپیرے ہو تو اس شیش ناگ کو ہاتھ میں پکڑ کر دکھاؤ۔"

ناگ نے کہا۔ "کہاں ہے شیش ناگ؟"

سردار سپیرے نے ایک پٹاری اٹھا کر ناگ کے آگے رکھ دی۔

"اس شیش ناگ کے ڈسنے سے انسان کی ہڈیاں ایک سیکنڈ کے اندر اندر گل سڑ جاتی ہیں۔ ایک بار پھر غور کر لو۔ میں تمہاری موت کا ذمہ دار نہیں ہوں گا۔ یہ سب سن رہے ہیں۔ اب بھی یہاں سے کان لپیٹ کر چلے جاؤ۔"

ناگ نے کہا۔ "اگر میں اس شیش ناگ کو پکڑ لوں اور یہ مجھے کچھ نہ کہے تو کیا تم مجھے اپنا سردار مان لو گے۔"

سردار نے کہا۔ "تم اس وقت تک زندہ نہیں رہو گے۔"

ناگ نے کہا۔ "ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

پٹاری کے اندر شیش ناگ عظیم ناگ دیوتا کی بو برابر سونگھ رہا تھا اور خوف سے کانپ رہا تھا کہ خدا جانے عظیم ناگ اس کے پاس کس لئے آیا ہے۔ ناگ نے پٹاری کا ڈھکنا اٹھا کر پرے پھینک دیا۔ پھر سب کے سامنے پٹاری میں ہاتھ ڈالا اور سیاہ کالے شیش ناگ کو پٹاری میں سے نکال کر اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ شیش ناگ نے اپنی گردن نیچے ڈال رکھی تھی اور کہہ رہا تھا۔

"عظیم ناگ! اگر مجھ سے کوئی قصور ہو گیا ہے تو مجھے معاف کر دیں۔"

ناگ نے سانپ کی خاموش زبان میں کہا۔

"تم سے کوئی قصور نہیں ہوا۔ شیش ناگ! میں ان لوگوں کو سبق سکھانا چاہتا تھا۔ میں ایک خاص مقصد لے کر یہاں آیا ہوں۔ یہ بتاؤ کہ کیا تم نے کلغی والے سبز سانپ کو دیکھا ہے جو امر دیپ سانپ کہلاتا ہے؟"

شیش ناگ بولا۔ "عظیم ناگ! میری اتنی قسمت کہاں کہ میں امر دیپ کے درشن کر دوں۔ میں نے اسے آج تک نہیں دیکھا۔"

ادھر سپیروں کا سردار اور سپیرے حیران پریشان کھڑے تھے۔ وہ ناگ کے ہاتھ میں شیش ناگ کو سر ڈالے دیکھ رہے تھے۔ جبکہ شیش ناگ ایسا سانپ ہے کہ کوئی اس کے قریب جانے کی کبھی جرأت نہیں کر سکتا۔ اب سپیروں کا سردار بھی سمجھ گیا کہ یہ نوجوان سپیرا کسی بہت بڑے سپیرے کا چیلا ہے۔ اس نے ہتھیار پھینک دیئے اور ہاتھ باندھ کر بولا۔

"گورو جی! میں آپ کا چیلا ہوں آج سے۔"

ناگ مسکرایا اور بولا۔ "اب تم سیدھی راہ پر آئے ہو۔"

سب نے ناگ سے ہاتھ ملایا اور اسے بڑی عزت سے جھونپڑے میں بٹھا کر دودھ پلایا۔

سردار نے کہا۔ "مجھے معلوم تھا کہ آپ ضرور کوئی کرنی والے اور پُراسرار سپیرے ہیں۔"

ناگ نے کہا۔ "تمہیں نہ اس وقت معلوم تھا کہ میں کون ہوں اور نہ اب معلوم ہے کہ میں کون ہوں۔ لیکن میں تم لوگوں سے ایک بات پوچھنے آیا تھا۔"

"کونسی بات گورو جی!" سردار نے کہا۔

ناگ نے پوچھا "کیا تم نے ادھر کہیں کلغی والے سبز سانپ کو دیکھا ہے۔ اسے امردیپ کہتے ہیں۔

سردار بولا۔ "ہماری اتنی قسمت کہاں کہ امردیپ سانپ کو دیکھیں۔ گورو جی ہمیں اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔"

اتنے میں ایک سپیرا جو صبح ہی دریا پار سے آیا تھا، بولا۔

"گورو جی! میں صبح دریا پار کر کے نہر کنارے چلا آ رہا تھا کہ میں نے نہر کے پاس دلدل اور ریت پر ایک عجیب سانپ کے رینگنے کا نشان دیکھا تھا۔ میں نے آج تک ہزاروں لاکھوں سانپوں کے نشان دیکھے ہیں۔ مگر ویسا نشان آج تک کسی کا نہیں دیکھا، ایسے

لگتا تھا کہ وہ کوئی مہاراجہ سانپ تھا جو وہاں سے بڑی شان کے ساتھ گزر گیا۔"

ناگ چونکا۔ اس سپیرے کا اندازہ درست تھا۔ سبز کلغی والے سانپ کے رینگنے کا نشان سب سانپوں سے الگ ہوتا ہے۔ اس نے پوچھا۔

"یہ نشان تم نے کہاں دیکھا تھا؟"

سپیرے نے کہا۔ "یہاں سے دو کوس جنوب کی طرف نہر ہے جو دریا کو جاتی ہے۔ نشان نہر تک آ کر ختم ہو گئے تھے۔ صاف لگتا تھا کہ یہاں سانپ نہر میں اتر گیا ہے۔"

ناگ نے سپیرے سے پورا پتہ ٹھکانہ معلوم کیا اور جب جانے لگا تو سردار سپیرے نے کہا۔ "گورو جی! ہمیں اپنی کوئی انوکھی کرامت ہی دکھاتے جائیں۔ ہم بھی کیا یاد کریں گے۔"

ناگ مسکرایا اور بولا۔ "ڈرو گے تو نہیں؟"

سردار بولا۔ "ہرگز نہیں گورو جی!"

ناگ نے کہا۔ "بہت اچھا۔ تو پھر دیکھو!"

اس کے ساتھ ہی ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور اصلی ناگ دیوتا کی شکل میں سامنے آ گیا۔ وہ ایک بہت بڑے پھن والا اژدہا بن گیا۔ جس کے سات منہ تھے۔ ساتوں سروں پر سونے کے تاج تھے۔ پھن کے گرد سنہری ہار چمک

رہا تھا۔ ناگ کو اس شکل میں دیکھ کر وہاں جتنے سانپ
تھے زمین پر گر پڑے اور اپنی گردنیں مٹی میں گھسا لیں۔
سردار غش کھا کر گر پڑا اور کئی دوسرے سپیرے بھی بے ہوش
ہو گئے۔ جو بے ہوش نہ ہوئے وہ تھر تھر کانپ رہے تھے۔
ناگ فوراً اپنی اصلی انسانی شکل میں واپس آ گیا۔ خاموشی
سے پجاری کا جھولا اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور بین ہاتھ میں
لے کر وہاں سے نکل گیا۔ سپیرے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ناگ
کو جاتا دیکھتے ہی رہ گئے۔

ناگ سپیرے کے لباس میں سپیروں کی بستی سے نکل کر
نہر پر آ گیا۔ یہاں اس نے زمین پر سانپ کے رینگنے کے
وہی نشان دیکھے جو سپیرے نے بتائے تھے۔ ناگ کو پہچاننے
میں ذرا دیر نہ لگی کہ یہ نشان عنبر ہی کے ہیں جو سبز کلغی
والے سانپ کے روپ میں وہاں سے گزرا تھا۔ نشان نہر میں
اتر گئے تھے۔ تو کیا عنبر یہاں سے نہر میں چلا گیا تھا؟
کیونکہ آس پاس وہاں کسی جگہ دوسرا کوئی نشان نہیں تھا۔
ناگ نہر کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ آگے جا کر نہر دریا میں
گر گئی۔ ناگ وہاں کھڑا ہو گیا۔ عنبر بھی دریا میں چلا گیا
ہو گا۔ مگر دریا تو آگے پاکستان کو جاتا ہے۔ ضرور عنبر
پاکستان نکل گیا ہے۔ وہاں عنبر کی بُو بھی نہیں آ
رہی تھی۔

ناگ نے بھی دریا کے ساتھ ساتھ پاکستان کی طرف
چلنا شروع کر دیا۔

اس کا خیال تھا کہ اگر راستے میں بارڈر پر کسی نے
اسے نہ روکا تو وہ سپیرے ہی کے بھیس میں پاکستان
میں داخل ہو جائے گا۔ دوپہر ڈھل رہی تھی۔ برسات
کے دن تھے اور صبح ہی سے بادل چھائے ہوئے تھے مگر کمال
ہے کہ صبح کے بعد سے پھر بارش نہیں ہوئی تھی۔ آگے
بارڈر کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔ دریا کے کنارے اونچے
اونچے سرکنڈے اُگے ہوئے تھے۔ ناگ کو معلوم ہی نہ ہوا
اور وہ ہندوستان کے بارڈر پر پہنچ گیا۔ سرکنڈوں میں سے
اچانک دو بھارتی فوجی نکل کر اس کے سر پر رائفلیں تان کر
کھڑے ہو گئے۔

"کون ہو تم؟"

ناگ نے بڑے بھولپنے سے کہا۔

"مہاراج! میں سپیرا ہوں۔ سانپوں کا تماشہ دکھا کر
روزی کماتا ہوں۔"

"ادھر بارڈر پر کس ماں کو سانپوں کا تماشہ دکھانے
آئے ہو؟"

ناگ کا ایک دم خون کھول اٹھا۔ اس بدتمیز نے ناگ
کی ماں کو برا کہا تھا۔

ناگ نے اپنا جھولا زمین پر رکھا اور کہا۔

"مہاراج! آپ بھی تماشہ دیکھ لیں۔"

"خبردار! وہیں بیٹھے رہو۔"

سپاہی نے تیسرے سپاہی کو آواز دے کر کہا۔

"آجا اوئے۔ ایں ماں کے پیرے کو لے جا۔"

ایک اور سپاہی مورچے میں سے نکل کر آگیا۔ اس نے آگے
بڑھ کر ناگ کو پکڑ لیا اور مورچے کی طرف گھسیٹنے لگا۔

ناگ نے کہا۔

"گھسیٹتے کیوں ہو۔ میں خود چلا جاتا ہوں۔"

"چل اوئے گیدڑ سنگی دیا پترا۔"

اب ناگ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی پٹاری میں
انتہائی زہریلے پانچ سانپ اس کے ایک اشارے کے انتظار
میں بیٹھے تھے۔ ناگ نے سانپوں کی زبان میں پٹاری میں بند
سانپوں کو حکم دیا۔

"تمہارے عظیم ناگ دیوتا کو یہ ہلاک کرنے والے ہیں!
اٹھو! اور انہیں اپنے زہر کے تیزاب میں جلا کر پانی پانی
کر دو۔"

عظیم ناگ دیوتا کا حکم سن کر پٹاری میں بند پانچوں
سانپ طیش کھا کر باہر نکلے۔ اپنے دیوتا کو ہلاک کرنے والوں
کو وہ کبھی زندہ نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ بھارتی سپاہیوں کو
کوئی خبر نہ ہو سکی کہ پٹاری میں سے سانپ نکل کر ان کے
پیچھے آرہے ہیں۔ سانپوں نے وہیں پانچ فٹ پیچھے سے
اچھل کر چھلانگیں ماریں اور ہوا میں اڑتے ہوئے تینوں ہندستانی
سپاہیوں کی گردنوں سے آکر چمٹ گئے۔ سپاہی بڑبڑا کر پیچھے
ہٹے۔

"س۔ سی۔ سانپ!"

ان کی کانپتی ہوئی آوازیں بلند ہوئیں۔ مگر عظیم ناگ دیوتا
کی جان خطرے میں ہو اور وہ سانپ ان سپاہیوں کو قدم
اٹھانے کا موقع دیتے؟ یہ ناممکن تھا۔ گردنوں کے ساتھ چمٹنے
سے پہلے ہی وہ انہیں کاٹ چکے تھے۔ اور اپنا سارا زہر
زبردست جھٹکے اور غصے کے ساتھ ان کے جسموں میں داخل
کر چکے تھے۔ رائفلیں ان کے ہاتھوں سے گر گئیں اور پھر
دھڑام سے خود بھی گر پڑے۔ ناگ کو دیکھتے دیکھتے ان کے
جسم ان کی وردیوں کے اندر نیلے پڑ کر پہلے نرم ہو گئے اور
پھر پانی بن کر بہنے لگے۔ ناگ نے سانپوں کو پٹاری میں بند
کرنے کی بجائے انہیں وہیں چھوڑ دیا اور کہا۔

"جاؤ تم آزاد ہو۔"

ناگ نے اپنی بین بھی وہیں جھاڑیوں میں پھینک دی اور
ہندوستان کی سرحد پار کر کے پاکستان میں داخل ہو گیا۔ یہاں
دریا موڑ گھوم کر پاکستان کے علاقے میں داخل ہو رہا تھا۔
ناگ کو اب پاکستانی بارڈر پولیس سے بھی خطرہ تھا مگر وہ ان
کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے دریا میں چھلانگ لگا
دی اور تیرنا شروع کر دیا۔ وہ دریا میں انسانی شکل میں
تیرنا چاہتا تھا۔ اچانک ایک طرف کنارے پر سے اس پر
کسی نے فائر کیا۔ گولی کی آواز سے علاقہ گونج اٹھا۔ ناگ نے
گہرا سانس لے کر ایک مچھلی کی شکل اختیار کر لی اور لہروں
میں ڈبکی لگا گیا۔ کافی آگے جا کر دریا میں سے اس نے سر
باہر نکال کر دیکھا۔ دریائے راوی لاہور میں داخل ہو رہا تھا۔

ناگ کو غروب ہوتے دن کی روشنی میں دور بادشاہی مسجد
کے مینارے نظر آئے۔ ناگ لاہور سے واقف تھا۔ یہ اب
اس کے لئے کوئی نیا شہر نہیں تھا۔ مچھلی بن کر پانی میں تیرنے
کا اسے بڑا مزا آ رہا تھا۔ اسے عنبر کا بھی خیال لگا ہوا تھا۔
کہ خدا جانے لاہور پہنچ کر وہ اس وقت کہاں ہوگا۔ عنبر
کے خیال نے اسے دوبارہ پانی میں ڈبکی لگا کر تیرنے کا لطف
نہ اٹھانے دیا۔ وہ کنارے کی طرف چلا۔ یہاں کنارے پر

ایک آدمی دریا میں کنڈی ڈالے مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔
اس نے جو ایک تین چار سیر کی مچھلی کو دریا کی لہروں
کو چیرتے ہوئے اپنی طرف آتے دیکھا تو وہ بڑا خوش ہوا
کہ شکار خود اس کی طرف آ رہا ہے۔ اس نے کنڈی
دریا میں سے نکال کر ناگ کی طرف پھینکی۔ ناگ نے کنڈی
کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور کنارے کی طرف بڑھتا چلا
آیا۔ شکاری نے چاقو نکال لیا کہ جونہی مچھلی کنارے پر
آئے گی وہ اسے پکڑ کر زخمی کر دے گا تاکہ وہ واپس دریا
میں نہ جا سکے۔ ناگ کو شکاری کی خود غرضی پر بڑا غصہ آیا
اس نے وہیں کنارے پہ آتے آتے گہرا سانس بھرا اور
ایک بڑے سانپ کی شکل بدل لی جس کا پھن اوپر کو اٹھا
ہوا تھا اور منہ سے پھنکاریں نکل رہی تھیں۔

شکاری نے سانپ دیکھا تو اس کے ہوش گم ہو گئے۔
حیران ہوا کہ مچھلی سانپ کیسے بن گئی۔ کنڈی بالٹی وہیں
چھوڑ کر چیخ مار کر ایسا بھاگا کہ واپس مڑ کر نہ دیکھا۔
کنارے پر آتے ہی ناگ نے دوبارہ انسانی شکل اختیار
کر لی۔ اب وہ ایک بار پھر اسی سپیرے کے لباس میں تھا۔
شکاری نے کچھ مچھلیاں پکڑ کر بالٹی میں ڈال رکھی تھیں جو
بے چین ہو رہی تھیں۔ ناگ نے ان مچھلیوں کو بالٹی

سمیت دریا میں پھینک دیا اور شہر کو جانے والے ریلوے
پُل کی طرف چل پڑا۔ اس ریلوے پُل پر سے وہ کئی بار
گزرا تھا۔ پُل کی دوسری جانب کامران کی بارہ دری
تھی جہاں پیپل کے درختوں کے درمیان ایک کھوہ میں عنبر ابھی
تک چھپا بیٹھا تھا۔

جونہی ناگ پل کے پار پہنچا، اسے عنبر کی بُو آنے
لگی۔ وہ چونک اٹھا اور جدھر سے بُو آئی تھی ادھر ہی
کو تیز تیز چلنے لگا۔ بُو زیادہ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ وہ کھیتوں
میں اُتر آیا۔ بُو کامران کی بارہ دری کی طرف سے آ رہی
تھی۔ ناگ کامران کی بارہ دری میں آیا تو بُو اتنی تیز تھی
جیسے عنبر یہیں کہیں ہو۔ ادھر عنبر نے بھی ناگ کی بُو پا لی
تھی۔ وہ جلدی سے درختوں کی کھوہ سے باہر نکل آیا۔
کیا دیکھتا ہے کہ سامنے ناگ سپیرے کے لباس میں کھڑا ہے۔
ناگ نے بھی عنبر کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے جلدی سے عنبر
کو اٹھا کر اپنے ساتھ لگا لیا۔ دو بچھڑے دوست مل گئے
اور بے حد خوش ہوئے۔ دونوں نے اپنی اپنی کہانی ایک دوسرے
کو سنائی اور پھر عنبر نے کہا۔

"اب کیا ارادہ ہے۔ کیا امجد کی طرف چلنا ہے؟"
ناگ نے کہا۔ "وہاں جانے کا کوئی فائدہ نہیں عنبر! وہ

ہماری کیا مدد کر سکے گا۔ ہو سکتا ہے وہ ابھی تک لاہور
نہ پہنچ سکا ہو۔"

عنبر بولا۔ "مگر وہ کم از کم ہمیں ماریا کے بارے میں تو
بتا سکے گا کہ وہ اسے کہاں چھوڑ آیا تھا۔"

"تم کہتے ہو تو چلے چلتے ہیں۔" ناگ بولا۔

ناگ نے عنبر کو جیب میں رکھا اور گارڈن ٹاؤن کی
طرف روانہ ہو گیا۔

○

پُراسرار نیلی انگوٹھی

لاہور برسات کی شام میں جگمگا رہا تھا۔

موسم خوشگوار تھا۔ بادل صبح سے چھائے ہوئے تھے۔ کسی وقت بھی بوندا باندی شروع ہو سکتی تھی۔ ناگ کے پاس پاکستانی روپے تھے۔ مگر وہ سپیروں کے لباس میں تھا۔

عنبر نے کہا۔ "ناگ بھیا! خدا کے لئے یہ فقیروں والا حلیہ بدلو۔ انارکلی چل کر نئے ریڈی میڈ کپڑے خرید کر پہنو۔"

"ہاں عنبر! میں بھی اس لباس سے تنگ آ گیا ہوں۔"

ناگ ایک بس پر سوار ہو کر انارکلی آ گیا۔ انارکلی میں بڑی گہما گہمی تھی۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ دکانوں میں روشنیاں ہو رہی تھیں۔ بلب جل رہے تھے۔ ناگ نے ایک دکان کے باہر ریڈی میڈ کپڑوں کا بورڈ لگا ہوا دیکھا تو دکان میں داخل ہوا۔ دکاندار نے اسے جھڑک کر کہا۔

"جاؤ بابا معاف کرو۔ ہماری گاہکی کا وقت ہے۔"

ناگ کو سخت برا لگا مگر غصہ پی گیا۔ کہنے لگا۔

"میں کوئی فقیر نہیں ہوں۔ گاہک ہوں اور کپڑے خریدنے آیا ہوں۔"

دکاندار نے کہا۔ "مال ہے تمہارے پاس؟"

ناگ نے جیب سے سو سو کے سات آٹھ نوٹ نکال کر دکھائے تو دکاندار نے مسکرا کر کہا۔ "تشریف لے چلیں اندر۔ باہر کیوں کھڑے ہیں۔"

عنبر کو بڑا غصہ آیا۔ بولا۔

"ناگ! ان لوگوں کی دو رُخی دیکھو۔ یہ پیسے کے فقیر ہیں۔ دنیا دار لوگ ہیں۔"

ناگ یہ کہتا ہوا دکان میں داخل ہو گیا۔

"کیا کیا جائے عنبر! جب بھی لاہور آتا ہوں ایسا ہی تجربہ ہوتا ہے۔ آج سے سینکڑوں برس پہلے ایسے لوگ نہیں ہوا کرتے تھے۔"

چونکہ ناگ ہونٹ ہلائے اور آواز نکالے بغیر عنبر سے بات کر رہا تھا۔ اس لئے وہاں کسی نے کوئی خیال نہ کیا۔

دکاندار کے نوکر نے کہا۔ "کیوں بھائی کدھر آ رہے ہو؟ کیا بات ہے؟"

جہاں پھر ناگ نے اسے بتایا کہ وہ اپنے لئے ایک پینٹ اور قمیض خریدنا چاہتا ہے۔

نوکر ہنسا۔ "کیوں! بابو بننے کا ارادہ ہے۔ کوئی بہروپیے
لگتے ہو مجھے۔"

عنبر نے جیب میں بیٹھے بیٹھے اتنی زور سے پھنکار ماری کہ
دکان میں جتنے گاہک کھڑے تھے ڈر کر پرے پرے ہٹ گئے۔
یہ پھنکار بالکل سانپ کی تھی۔ نوکر تو دہشت کے مارے کاؤنٹر
پر کھڑا ہو گیا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سانپ کی
پھنکار کہاں سے آئی ہے۔ پھر جب لوگوں نے ایک سپیرے کو
دیکھا تو سمجھ گئے کہ اس کے پاس کوئی سانپ ہو گا۔

دکاندار نے اندر آ کر کہا۔ "نکل جاؤ میری دکان سے۔"

ناگ نے دکاندار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ یہ
سانپ کی آنکھیں تھیں۔ اب ناگ کی آنکھیں نہیں تھیں۔
دکاندار پہ گویا جادو ہو گیا۔ لرزتی آواز میں بولا۔ "جو
لینا ہے لے لو بابا۔ لے لو۔"

نوکر سمجھا کہ دکاندار اسے حکم دے رہا ہے۔ اس نے
فوراً سپیرے ناگ کو پتلون قمیض دکھانی شروع کر دی۔ ناگ
ادھر مڑا تو دکاندار جلدی سے اپنی گدی پر جا بیٹھا۔ اس کے
حواس گم سے ہو گئے تھے کیونکہ اس نے سپیرے کی آنکھوں
میں ایک اژدہا کو دیکھ لیا تھا۔ ناگ نے ایک قمیض پتلون
پسند کی۔ کیبن میں جا کر پرانے کپڑے اتار کر وہیں پھینکے اور

نئے کپڑے پہن کر باہر آ گیا۔ عنبر سانپ کی شکل میں اس
کی جیب میں تھا۔ ناگ دکاندار کے پاس آ گیا۔ قمیض کی جیب
سے عنبر کو یعنی کلغی والے سبز سانپ کو کاؤنٹر پر رکھ کر بولا۔

"کتنے پیسے دوں ایک پتلون اور قمیض کے سیٹھ؟"

کلغی والے سبز سانپ نے رینگنا شروع کر دیا اور زور سے
پھنکار ماری۔ دکاندار کا رنگ زرد ہو گیا۔ جسم کانپنے لگا۔
لرزتی خشک آواز میں ہاتھ جوڑ کر بولا۔ "کوئی پیسہ نہیں۔ کچھ
نہیں لوں گا۔ چلے جاؤ۔ خدا کے لئے معاف کر دو۔"

ناگ نے عنبر سے پوچھا۔ "کیا خیال ہے؟"

عنبر نے کہا۔ "معاف کر دو ناگ بھیا!"

ناگ نے کلغی والے سبز سانپ کو کاؤنٹر پر سے اٹھا کر جیب
میں رکھا اور دکان سے باہر نکل گیا۔ انارکلی میں سے
گزرتا ہوا وہ مال روڈ پر پنجاب یونیورسٹی کے بس سٹاپ پر
آ گیا۔ یہاں اس نے ماڈل ٹاؤن جانے والی بس پکڑ لی۔

عنبر نے کہا۔ "یہ گارڈن ٹاؤن جائے گی نا؟"

"ہاں عنبر! گارڈن ٹاؤن پہلے آتا ہے۔ مجھے لاہور کی
کچھ کچھ خبر ہو گئی ہے۔"

بس تیزی سے ماڈل ٹاؤن کی طرف جا رہی تھی۔ سواریاں
کافی تھیں۔ جن کی وجہ سے بس میں گرمی ہو گئی تھی۔ عنبر نے

یہ دیکھنے کے لئے کہ بس میں کتنی سواریاں ہیں ناگ کی جیب
سے سر باہر نکال لیا۔ ناگ کے قریب ہی ایک اچکن پوش
دبلا پتلا شاعر قسم کا آدمی بیٹھا تھا۔ اس نے جو ناگ کی جیب
میں سے ایک سبز سانپ کے کلغی والے سر کو باہر نکل کر اپنی
زبان باہر نکالتے دیکھا تو چیخ اٹھا۔

"س۔۔ س۔ سانپ۔ مار ڈالو۔ پکڑو۔ سانپ۔۔سانپ!"

بس میں شور مچ گیا۔ ڈرائیور نے بس روک لی۔ ساری
سواریاں کود کود کر باہر چلی گئیں۔ ناگ چپکے سے اچکن
پوش شاعر کے قریب آیا اور عنبر کو چپکے سے اس کی اچکن
کی جیب میں ڈال دیا اور عنبر سے کہہ دیا کہ میں ذرا تماشا
کرنے لگا ہوں۔ ڈرائیور اور کنڈکٹر وہاں آ گئے۔

"کیا بات ہے۔ کہاں ہے سانپ۔ کس نے سانپ
دیکھا تھا؟"

اچکن پوش شاعر نے کہا۔

"اجی حضرت میں نے دیکھا تھا سانپ۔ اپنی ان گناہگار
آنکھوں سے۔ کیا کہتے ہیں کہ ان صاحب کی جیب میں تھا سانپ۔
سبز رنگ کا تھا سانپ۔ سر پر کلغی بھی تھی۔ کیا کہتے
ہیں کہ بڑا زہریلا تھا سانپ۔ اوئی۔ اگر کاٹ کھاتا تو
میں جیتے جی مر گیا ہوتا۔"

اچکن پوش شاعر نے ناگ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

ڈرائیور نے کہا۔ "کیوں باؤ جی! آپ کے پاس سانپ ہے؟"

ناگ نے سر ہلا کر کہا۔

"بالکل نہیں۔ میں نے اپنے پاس سانپ رکھ کر مرنا ہے؟"

اچکن پوش چلایا۔ "اجی حضرت یہ صاحب جھوٹ بول
رہے ہیں۔ کیا کہتے ہیں واللہ! میں نے خود ان کی جیب
میں سانپ دیکھا ہے۔ کلغی والا تھا ظالم۔ سبز تھا ظالم۔
کاٹ کھاتا تو میں کہیں کا نہ رہتا۔ ان کی جیب دیکھ
لو۔ ان کی تلاشی لو۔ سانپ ان کے پاس ہی ہو گا۔
بڑا ظالم تھا۔"

ناگ نے بازو پھیلا کر کہا۔ "بے شک تلاشی لے لو۔"

ڈرائیور نے ڈرتے ڈرتے ناگ کے کپڑوں کی تلاشی لی۔ سانپ
کہیں نہیں تھا۔

ناگ نے کہا۔ "اب ذرا ان صاحب کے کپڑوں کی بھی
تلاشی لی جائے۔ کیا معلوم سانپ ان کی اچکن کی جیب میں ہو۔"

اچکن پوش شاعر تنک کر بولا۔

"اجی خدا کا نام لیجئے۔ ہم کوئی سپیرے ہیں جو سانپوں کو
جیب میں رکھتے پھریں گے۔ خاندانی نواب ہیں۔ لکھنؤ میں
اپنی کچھ حویلیاں ہیں۔ جی۔۔"

ناگ نے کہا۔ "مگر تلاشی دینے میں کیا حرج ہے۔ آخر
میں نے بھی تلاشی دی ہے۔ اس میں سواریوں کی بھلائی
ہے۔ کیا خبر سانپ آپ کی جیب میں چھپا ہوا ہو اور
آپ کو خبر ہی نہ ہو۔"

سب مسافر بولے۔ "ہاں جی! کپڑوں کی تلاشی
لے لیں۔"

اچکن پوش شاعر جھلایا۔ "اجی توبہ کیجئے جو ہماری
جیب میں سانپ ہو۔ واللہ! ہم کوئی سپیرے تھوڑے ہیں۔
خاندانی رئیس ہیں۔ لکھنو میں چھ حویلیاں تھیں اپنی۔"

ساتھ ساتھ اچکن پوش شاعر اپنی جیبوں میں بھی ہاتھ
ڈال کر انہیں ٹٹول رہا تھا۔ جونہی اس نے اپنی اچکن
کی سامنے والی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ سبز کلغی والا سانپ ان
کے ہاتھ میں آ گیا۔ ایک دلدوز چیخ مار کر انہوں نے سانپ
کو پرے پھینکا اور سی۔ سی۔ سانپ کہہ کر غش کھا کر
گر پڑے۔ لوگ سانپ کو مارنے بھاگے۔

ناگ نے کہا۔ "اسے مت مارو۔ میں سانپوں کو پکڑنا
جانتا ہوں۔ میں پکڑ لیتا ہوں۔ نہیں تو یہ کسی نہ کسی
کو کاٹ لے گا۔"

لوگ پرے پرے ہٹ گئے۔ ناگ آگے بڑھا۔ سانپ

یعنی عنبر سڑک کے کنارے ایک جھاڑی کے پاس کنڈلی مارے
بیٹھا تھا۔ کیونکہ اس نے ناگ کی یہ بات سن لی تھی کہ میں
سانپ کو پکڑ لیتا ہوں۔ ناگ نے آگے بڑھ کر سانپ یعنی
عنبر کو پکڑ کر ہتھیلی پر اٹھا لیا۔ واپس گھوما تو لوگ
سانپ سے ڈر کر پیچھے کو بھاگے۔

ناگ نے کہا۔ "فکر نہ کرو بھائی۔ یہ کسی کو کچھ نہیں
کہے گا۔"

ڈرائیور نے کہا۔ "باؤ جی! کسی دوسری بس میں آنا۔
اس بس میں تمہیں سانپ کے ساتھ سفر کرنے کی اجازت نہیں
دوں گا۔" "چلو جی سواریو! بیٹھو بس میں۔"

سواریاں جلدی جلدی بس میں گھس گئیں اور ڈرائیور بس
کو تیزی سے آگے لے گیا۔ ناگ دوسری بس کے
انتظار میں بس سٹاپ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ لوگ اچکن
پوش شاعر صاحب کو اٹھا کر بس میں بٹھائے انہیں پنکھا
جھل رہے تھے اور پانی پلا رہے تھے۔ وہ بار بار یہی کہے
جا رہے تھے۔

"واللہ! کیا کہتے ہیں کہ ہم نے کبھی جیبوں میں
سانپ نہیں رکھا۔ واللہ پیدائشی نواب ہیں۔ لکھنؤ میں
چھ حویلیاں تھیں۔ ہائے۔ پانی لاؤ۔ پانی۔ ہائے۔"

ناگ دوسری بس میں سوار ہو کر گارڈن ٹاؤن کے سٹاپ پہ اتر گیا۔

اسے امجد کا گھر معلوم تھا۔ وہ ایک کوٹھی کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

عنبر نے پوچھا۔ "کیا یہی امجد کا گھر ہے؟"

"ہاں! میں یہاں پہلے آ چکا ہوں۔" ناگ نے کہا۔

کوٹھی کے باہر شیخ کرامت علی ٹھیکیدار کا بورڈ لگا تھا۔ شام کا ہلکا ہلکا اندھیرا چھانا شروع ہو گیا تھا۔ پورچ کی بتی روشن تھی۔ ناگ نے گھنٹی بجائی۔ ایک نوکرانی نے دروازہ کھول دیا۔ ناگ نے امجد کا پوچھا تو امجد کا باپ باہر آ گیا۔ اس نے ناگ کو پہچان لیا۔ ایک بار ناگ نے امجد کی بہن کی سانپ کے کاٹے سے جان بچائی تھی۔ اور امجد نے ناگ کا پروفیسر ناگ کہہ کر تعارف کروایا تھا۔ امجد کے باپ شیخ صاحب نے ناگ کو پہچان لیا۔ انہوں نے ہاتھ ملایا اور ناگ کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور نوکرانی سے شربت لانے کو کہا۔

"بہت دنوں بعد آپ سے ملاقات ہوئی۔ کیا کہیں باہر گئے ہوئے تھے؟"

ناگ نے کہا۔ "جی ہاں! ذرا کراچی گیا ہوا تھا۔ امجد کہاں ہے؟"

شیخ صاحب بولے۔ "دراصل کل اس کا حساب کا پرچہ ہے۔ وہ ماسٹر سے ٹیوشن پڑھنے گیا ہوا ہے۔ بس آنے ہی والا ہو گا۔"

نوکرانی شربت لے کر آ گئی۔ ناگ شربت پینے لگا۔ شیخ صاحب کی بیٹی نائیلہ کو سانپ سونگھ جایا کرتا تھا جس سے وہ مرنے والی ہو گئی۔ ناگ نے اس کی جان بچائی تھی۔ اس نے ناگ کو سلام کیا۔ ناگ نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر اسے پیار کیا اور امجد کی والدہ کو ادب سے کہا۔ اتنے میں امجد بھی کتابیں ہاتھ میں پکڑے اندر آ گیا۔ ناگ کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔

"انکل ناگ! آپ کب آئے؟"

ناگ نے مسکراتے ہوئے امجد کا ہاتھ تھام کر دبایا اور کہا۔

"بس تھوڑی دیر ہوئی آیا تھا۔"

پھر ادھر ادھر کی باتیں شروع ہو گئیں۔ امجد کی والدہ والد اور بہن نائیلہ ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھے تھے۔ وہ جاتے تو ناگ امجد سے کوئی بات کرتا۔ اور ماریا کا پوچھتا۔ امجد نے آہستہ سے ناگ سے پوچھا۔

"انکل عنبر کہاں ہیں؟"

ناگ نے کہا۔ "میری جیب میں ہیں۔"

"کیا؟" امجد پریشان ہو گیا۔ "خیریت تو ہے؟"

امجد کے باپ نے امجد کو پریشان ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

"کیا بات ہے بیٹا امجد؟"

"کچھ نہیں ڈیڈی۔ انکل ناگ مجھے کراچی کے عجائب گھر کے بارے میں بتا رہے تھے کہ وہاں ایک خلائی انسان کا ڈھانچہ بھی رکھا ہوا ہے۔"

بیگم بولیں۔ "اللہ نہ کرے۔ بھلا کبھی خلائی انسانوں کے بھی ڈھانچے ہوئے ہیں۔"

نائیلہ کہنے لگی۔ "سائنس کی کتابوں میں تو لکھا ہے کہ خلاء میں کوئی انسان نہیں ہے۔"

امجد کے باپ نے کہا۔ "بھئی سائنس کی تھیوریاں تو بدلتی ہی رہتی ہیں۔ کیا خبر کل کلاں کسی سیارے میں انسان دریافت ہو جائے۔"

ناگ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "جی ہاں! جی ہاں!"

پھر اس نے امجد سے کہا۔ "سنا ہے کل تمہارا سالانہ امتحان ہے۔"

"ہاں انکل! حساب کا پرچہ ہے۔"

"خوب تیاری کی ہے پھر؟"

"جی ہاں! کچھ تیاری کی ہے۔ باقی اللہ مالک ہے۔"

ناگ کسی بہانے امجد کو باہر لان میں لے آیا۔ لان میں آتے ہی امجد نے پوچھا۔

"انکل عنبر آپ کی جیب میں کیسے آ گئے؟"

"یہ بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم نے ماریا کو کہاں چھوڑا تھا؟"

امجد نے کہا۔ "وہ ملک مصر میں تھیں۔ میں بعلبک کے ایک ظالم یہودی کی قید میں تھا۔ ماریا مجھے وہاں سے نکال کر مصر لے گئیں اور پھر ایک تابوت میں لٹا دیا اور میں لاہور واپس پہنچ گیا۔"

"ماریا وہیں مصر کے اہرام میں ہی رہ گئی؟"

"ہاں انکل! میں تو دنگ رہ گیا ہوں تاریخ کے پرانے زمانے میں سفر کر کے۔"

"کیسا رہا تجربہ؟"

"یہ تجربہ مجھے ساری زندگی یاد رہے گا۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ اس وقت ساری دنیا میں مَیں پہلا لڑکا ہوں جس نے تین ہزار سال پیچھے جا کر تاریخ کے قدیم زمانے میں سفر کیا ہے۔ بلکہ وہاں جا کر زندہ رہا ہے۔ اگر مجھے اپنے ماں باپ اور بہن کا خیال نہ ستاتا تو میں کبھی واپس نہ آتا۔ وہ دنیا کس قدر انوکھی اور دلچسپ ہے۔ اگرچہ وہاں تکلیفیں

بھی تھیں ۔ مگر وہ بڑی پُر اسرار دنیا تھی ۔"

ناگ امجد کی باتیں بڑے غور سے سُن رہا تھا ۔ امجد نے پوچھا ۔

"اب یہ بتائیے کہ عنبر آپ کی جیب میں کیسے آ گئے ۔ کیا آپ مجھے انکل عنبر سے نہیں ملائیں گے ؟"

ناگ نے مختصر لفظوں میں عنبر کے سانپ بن جانے کی داستان امجد کو سنا دی ۔ اور پھر جیب سے سانپ نکال کر اپنی ہتھیلی پر رکھ دیا اور کہا ۔

"یہ ہیں تمہارے انکل عنبر"

امجد سبز کلغی والے سانپ کو دیکھ کر ایک بار تو ڈر گیا ۔

"ڈرو نہیں امجد ۔ یہ تمہارے انکل عنبر ہیں ۔ یہ لو انہیں اپنی ہتھیلی پر بٹھاؤ"

امجد نے ڈرتے ڈرتے سبز سانپ کو اپنی ہتھیلی پر رکھ لیا ۔ سانپ نے سر اُٹھا کر اپنی چھوٹی چھوٹی سرخ آنکھوں سے امجد کو دیکھا اور پھر اپنا سر امجد کی ہتھیلی پر رگڑ کر ناگ سے کہا ۔

"ناگ ! امجد کو میرا سلام کہو ۔"

ناگ نے امجد کو عنبر کا سلام پہنچایا تو اس نے کہا ۔

"انکل عنبر کو میرا بھی سلام کہیے ۔"

ناگ نے امجد کا سلام عنبر کو پہنچا دیا ۔ پھر عنبر کو جیب میں رکھ لیا ۔ ناگ نے کہا ۔

"ماریا بہن نے تم سے رخصت ہوتے ہوئے کچھ کہا تھا؟"

"نہیں ۔ بس یہی کہا تھا کہ امجد تمہارا لاہور اپنے ماں باپ کے پاس پہنچنا بہت ضروری ہے ۔ تم ضرور واپس لاہور اپنی دنیا میں پہنچ جاؤ ۔ اور ہاں"

امجد نے ہاتھ کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے کہا ۔

"ماریا بہن نے مجھے اپنی نشانی کے طور پر یہ پتھر کی انگوٹھی بھی دی تھی ۔"

ناگ نے انگوٹھی کو غور سے دیکھا ۔ یہ نیلے پتھر کی ایک ہی ٹکڑے کی انگوٹھی تھی اور اس میں کوئی نگ نہیں جڑا ہوا تھا ۔ ساری کی ساری انگوٹھی نیلے قیمتی پتھر کی بنی ہوئی تھی ۔ انگوٹھی پرانے زمانے کی تھی ۔ مگر ناگ کو اس میں کوئی خاص بات نظر نہ آئی ۔ حالانکہ جس چیز کی ناگ کو اس وقت سب سے زیادہ تلاش تھی وہ اسی انگوٹھی میں تھی یعنی اس انگوٹھی میں نیلی چمکور آنکھوں والی خلائی لڑکی کیٹی بند تھی ۔ جس کے بال سنہری تھے اور جس کے بالوں کی ایک لٹ عنبر کے گلے میں باندھنے سے عنبر انسانی شکل میں واپس آ

سکتا تھا۔ مگر ناگ کو یا امجد کو اس کے خفیہ راز کا علم نہیں تھا۔ جبکہ انگوٹھی میں بند خلائی لڑکی کیتھی ان کی باتیں برابر سُن رہی تھی اور چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ ناگ! میں انگوٹھی میں بند ہوں۔ مجھے یہاں سے باہر نکالو۔ لیکن خلائی لڑکی کیتھی کی آواز کوئی انسان نہیں سُن سکتا تھا۔

ناگ نے انگوٹھی امجد کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ماریا کی نشانی ہے اسے سنبھال کر رکھنا۔"

امجد بولا۔ "انکل میں تو اسے اپنی جان کے ساتھ لگا کر رکھتا ہوں۔ مجھے اسکول کے میرے کئی دوستوں نے کہا کہ اسے ہمیں دے دو۔ مگر میں نے کسی کو نہیں دی یہ انگوٹھی۔"

پھر ناگ نے امجد سے خلائی سیاروں کی بات شروع کر دی اور اس سے پوچھا کہ کیا یہاں لاہور میں کوئی ایسی جگہ یا لائبریری ہے جہاں سے اسے خلائی سیاروں کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکیں؟ امجد نے پوچھا کہ اس کی کیا ضرورت پڑ گئی تو ناگ نے اسے بتا دیا کہ عنبر صرف ایک ہی صورت میں انسانی شکل میں واپس آ سکتا ہے کہ چکور نیلی آنکھوں والی کسی لڑکی کے سنہری بال کاٹ کر اس کے گلے میں ڈالے جائیں۔ امجد نے کہا۔

"انکل ناگ! خلائی لڑکی کہاں سے ملے گی؟ اور پھر

خلائی سیاروں میں پہنچنا کوئی آسان نہیں ہے۔ آجکل امریکہ کے خلائی سیارے خلا میں گردش کرتے ہیں۔ دوسرے سیاروں میں سے صرف مریخ اور زہرہ پر ان کے خلائی سیارے اترے ہیں۔ لیکن ان میں بھی کوئی انسان سوار نہیں تھا اور وہ مصنوعی سیارے واپس بھی نہیں آسکے۔

ناگ خاموشی سے امجد کی باتیں سُن رہا تھا۔ انگوٹھی میں بند خلائی لڑکی کیتھی چیخ رہی تھی۔

"خدا کے لئے مجھے انگوٹھی میں سے نکالو۔ میں عنبر کو انسانی شکل میں واپس لا سکتی ہوں۔ کسی طرح مجھے انگوٹھی سے باہر نکالو۔"

لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ کیتھی کی آواز سوائے اس کے اور کوئی انسان نہیں سُن سکتا۔ عنبر ناگ کی جیب میں پڑا تھا۔ اس نے کہا۔

"ناگ! امجد سے پوچھو کہ جب ماریا اہرام مصر میں اس سے جدا ہوئی تھی تو کیا اُس نے کوئی خاص بات کی تھی؟"

ناگ نے عنبر کا سوال امجد کو کیا تو امجد نے کہا۔

"نہیں انکل! ماریا بہن نے کوئی خاص بات تو نہیں کی تھی۔ بس یہی کہا تھا کہ لاہور واپس اپنے ماں باپ

کے پاس جاؤ اور اپنی پڑھائی کی طرف دھیان دو۔"

عنبر خاموش ہو گیا۔ ناگ نے کہا۔

"اچھا امجد یہ بتاؤ کہ حساب کے مضمون میں تم کیسے ہو؟"

امجد ہنس پڑا۔ "انکل! حساب ذرا کم ہی آتا ہے مجھے۔ مگر میں انشاء اللہ پاس ہو جاؤں گا۔"

ناگ نے امجد سے پوچھا کل اس کا امتحان کس سنٹر میں ہو رہا ہے۔ اس سنٹر کا پورا پتہ پوچھنے کے بعد ناگ نے کہا۔

"اچھا کل وہیں سنٹر میں ملاقات ہو گی۔ اب میں جاتا ہوں۔ اپنے ڈیڈی کو میرا سلام کہنا۔"

اور ناگ امجد سے ہاتھ ملا کر وہاں سے چلا۔ ناگ کے پاس کافی پاکستانی روپے تھے۔ اس نے مال روڈ کے ہوٹل انٹرنیشنل میں ایک کمرہ کرائے پر لے لیا اور عنبر کو جیب میں رکھے ہوٹل کے لاؤنج میں آکر چائے پینے لگا۔ اس ماڈرن ہوٹل میں کچھ غیر ملکی بھی بیٹھے تھے۔ ناگ خاموش ہونٹوں کے ساتھ عنبر سے دیر تک باتیں کرتا رہا۔ پھر رات زیادہ ہوئی تو اپنے کمرے میں جا کر عنبر کو بستر پر ساتھ لٹا دیا اور سو گیا۔

دوسرے دن ناگ ٹھیک وقت پر اس امتحانی سنٹر میں پہنچ گیا جہاں امجد اپنا حساب کا سالانہ پرچہ دے رہا تھا۔ امجد

سنٹر کے باہر ہی اپنے دوستوں سے باتیں کرتا مل گیا۔

"انکل آپ نے کیوں تکلیف کی آنے کی۔ میں تو رات بھی آپ سے کہنے والا تھا کہ آپ تکلیف نہ کریں۔ مگر آپ ایک دم سے چلے گئے۔"

ناگ بولا۔ صاف صاف بات یہ ہے امجد کہ میں حساب کا پرچہ حل کرنے میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ میں کسی شکل میں اندر ہال میں آؤں گا اور تمہیں حساب کے سوالوں کے جواب لکھوا کر چلا جاؤں گا۔"

امجد ناگ کا منہ ہی تکتا رہ گیا اور ناگ وہاں سے ہٹ گیا۔ امجد اپنے دوستوں کے ساتھ سنٹر میں امتحان دینے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد پرچہ تقسیم ہو گیا۔ ناگ ننھی سی چڑیا بن کر ہال میں گیا اور ایک پرچہ اڑا کر لے آیا۔ باہر آ کر اس نے پرچے کے مشکل سوال ایک باریک کاغذ پر حل کیے اور پھر ننھی چڑیا بن کر ہال میں چلا گیا۔ امجد اپنے ڈیسک پر سر جھکائے بیٹھا پرچہ حل کر رہا تھا۔ ناگ نے موقع دیکھ کر حل شدہ پرچہ اس کے ڈیسک پر رکھا اور باہر نکل آیا۔ انسانی شکل میں واپس آ کر اس نے عنبر کو بتا دیا کہ امجد کو پرچہ حل کر کے دے دیا ہے۔ عنبر کہنے لگا۔

اچھا کیا۔ کیونکہ آج کل جو پروفیسر لوگ پرچہ بناتے ہیں۔

وہ بچوں کی لیاقت کا خیال نہیں رکھتے بلکہ اپنی لیاقت کے مطابق بڑا مشکل پرچہ بناتے ہیں۔

"اب کیا ارادے ہیں؟" عنبر نے پوچھا۔

ناگ بولا۔" امجد نے مجھے ایک لائبریری پتہ بتایا تھا۔ وہاں چل کر خلائی سیاروں کے بارے میں کسی کتاب کا مطالعہ کر کے معلوم کرتے ہیں کہ خلائی مخلوق سے کیونکر ملاقات ہو سکتی ہے۔"

عنبر کہنے لگا۔" ناگ بھائی! یہ خواب کی باتیں لگتی ہیں بھلا اس دنیا میں کسی خلائی مخلوق سے بھی کبھی ملاقات ہو سکتی ہے بھلا۔"

ناگ نے کہا۔" کوشش تو کرنی چاہیئے۔"

ناگ لاہور کی ایک پرانی لائبریری میں آ گیا۔ یہاں ایک سیکشن ایسا تھا جہاں خلاء کے بارے میں کتابیں اور رسالے رکھے تھے۔ ناگ دیر تک ان کتابوں اور رسالوں کو دیکھتا رہا۔ مگر اسے کچھ حاصل نہ ہوا۔ کچھ پتے نہ پڑا۔ خلاء میں جانا ان کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اور نہ ان میں اتنی طاقت تھی کہ خلاء سے کسی مخلوق کو زمین پہ بلا سکتے۔ عنبر نے ناگ سے کہا بھی کہ یہاں وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ مگر ناگ کچھ دیر اور لائبریری میں بیٹھ کر کتابیں

رسالے دیکھنا چاہتا تھا۔

ادھر امتحانی سنٹر میں امجد پرچہ حل کرنے میں لگا تھا۔ ناگ اسے جو کاغذ دے گیا تھا اس پہ پرچے کے مشکل سوال پہلے ہی حل کر دیئے گئے تھے۔ امجد ڈرتے ڈرتے ناگ کے کاغذ کی نقل مار رہا تھا۔ اس نے یہ خفیہ کاغذ اپنی جھولی میں چھپا رکھا تھا۔ انسپکٹر کی امجد پہ نظر پڑی تو اس نے دیکھا کہ امجد جھولی میں سے کسی شے کو پڑھ رہا ہے۔ وہ اس کے سر پہ آ کر بولا۔

"کیا کر رہے ہو، کھڑے ہو جاؤ۔"

امجد کانپ گیا۔ سمجھ گیا کہ وہ پکڑا گیا ہے اور اب نہ صرف یہ کہ اس کی بدنامی ہو گی بلکہ تین سال کے لئے اسکول سے بھی نکال دیا جائے گا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ انسپکٹر نے دیکھا کہ امجد کے پاؤں میں ایک کاغذ پڑا ہے۔ اسے اٹھا کر کھولا تو اس میں پرچے کے سارے سوال پہلے سے حل کئے ہوئے تھے۔ انسپکٹر نے امجد کو کان سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔

"نقل کر رہے ہو؟ اب اس کا نتیجہ بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ میں تمہاری محکمے کو رپورٹ کروں گا اور تم تین سال کے لئے اسکول سے نکال دیئے جاؤ گے۔"

سارے لڑکے امجد کو دیکھنے لگے ۔ امجد کا رنگ زرد ہو
گیا ۔ وہ پہلے ہی ایسا کام کرنے پر راضی نہیں تھا۔ مگر ناگ
نے اسے مجبور کر دیا تھا ۔ وہ انسپکٹر کے ڈیسک چھوڑ کر
باہر آگیا ۔ انسپکٹر اسے میز کے پاس لے گیا ۔ حل شدہ پرچہ
میز پر رکھ کر دوسرے انسپکٹر سے کہا ۔

"اس کی رپورٹ لکھیں جی کہ یہ نقل مار کر پرچہ حل
کرتے پکڑا گیا ہے۔"

امجد نے کہا ۔ "سر! معاف کر دیں ۔ غلطی ہو گئی مجھ
سے۔"

انسپکٹر نے مونچھو پر تاؤ دیتے ہوئے کہا ۔

"بدمعاش! ایک تو پرچہ نقل کرتا ہے ۔ پھر اوپر سے
معافی مانگتا ہے ۔ تمہیں معاف نہیں کیا جائے گا ۔ میں تمہارے
خلاف زبردست رپورٹ لکھوں گا۔"

اور انسپکٹر نے امجد کا اپنا پرچہ الگ کر کے رکھ دیا۔
جس پرچے سے امجد نقل مار رہا تھا ۔ وہ پرچہ میز پر
تہہ کیا پڑا تھا ۔

انسپکٹروں نے پولیس کو اندر بلا لیا ۔ پولیس کے
سپاہی نے پوچھا ۔

"جس پرچے سے یہ لڑکا نقل مار رہا تھا وہ

کہاں ہے؟"

انسپکٹر نے کہا ۔ "یہ میز پر رکھا ہے۔"

اس نے امجد سے کہا ۔ "دکھاؤ میاں! اپنا گناہ
خود کھول کر دکھاؤ ۔ اٹھاؤ اپنا پرچہ اور دکھاؤ سنتری
صاحب کو۔"

امجد سہما ہوا تھا ۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر میز
پر سے ناگ کا حل کیا ہوا پرچہ اٹھایا ۔ پرچہ امجد کی
نیلے پتھر کی انگوٹھی سے لگ کر نیچے گر پڑا ۔ امجد نے
جلدی سے اٹھا کر اسے پولیس کے سپاہیوں اور انسپکٹروں
کے سامنے کھولا تو وہ بالکل خالی اور کورا تھا ۔ کاغذ
پر ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہوا تھا ۔ انسپکٹر کے ہاتھوں کے
طوطے اڑ گئے ۔

سپاہی بولا ۔

"اس کاغذ پر تو کچھ بھی نہیں لکھا ۔ پھر انسپکٹر صاحب
یہ لڑکا کہاں سے نقل مار رہا تھا؟"

دوسرا سپاہی کہنے لگا ۔

"انسپکٹر صاحب! یہی کاغذ تھا نا جس پر آپ
کے کہنے کے مطابق سوال پہلے ہی حل کر کے یہ لڑکا ہال
میں لایا تھا۔"

انسپکٹر نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! بالکل یہی کاغذ ہے۔ اس کی جھولی سے گرا تھا۔ میں نے خود امجد کو اس کاغذ کی نقل مارتے دیکھا تھا۔"

سپاہی بولا۔

"تو پھر یہ کاغذ تو بالکل کورا ہے۔ اس پہ تو ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہوا۔"

اب امجد بھی ہوشیار ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ ناگ نے کسی غیبی طاقت سے کاغذ پر حل کئے ہوئے سوالوں کو مٹا دیا ہے۔ اس نے سپاہی سے کہا۔

"جناب میں تو کوئی نقل نہیں مار رہا تھا۔ انسپکٹر صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

سپاہی نے خالی کاغذ انسپکٹر کے منہ پر مارتے ہوئے کہا۔

"انسپکٹر صاحب! پولیس کو بلانے سے پہلے معاملے کی تفتیش کر لیا کریں۔ آپ نے خوامخواہ اس لڑکے کو اور ہمیں پریشان کیا ہے۔"

دوسرا سپاہی بولا۔

"آپ نے اس لڑکے کا وقت ضائع کیا ہے اور دوسرے لڑکوں کے سامنے اس کی بے عزتی کی ہے۔ آپ کا فرض ہے

کہ اس سے سب کے سامنے معافی مانگیں اور اسے پرچہ حل کرنے کے لئے بیس منٹ زائد دیں۔"

یہ کہہ کر پولیس کے سپاہی باہر چلے گئے۔ انسپکٹر نے امجد سے سب کے سامنے معافی مانگی اور امجد حیران اور خوش اپنے ڈیسک پر بیٹھ کر پرچہ حل کرنے لگا۔ ناگ کے کاغذ سے اس نے دو مشکل سوال حل کر لئے تھے۔ باقی سارے سوال اسے آتے تھے۔

○

گھر آ کر امجد بڑا حیران ہوا۔

اس نے خود اپنی آنکھوں سے ناگ کے دیئے ہوئے کاغذ پر سوال حل کئے ہوئے دیکھے تھے۔ پھر یہ کیسے ہو گیا کہ جب وہ پکڑا گیا تو کاغذ پر سے سارے سوال غائب ہو گئے۔ امجد نے یہی سوچا کہ یہ ناگ کی غیبی طاقت تھی جس نے کاغذ پر سے سارے سوال غائب کر دیئے۔ امجد نے گھر آ کر کسی کو نہ بتایا کہ امتحان کے سنٹر میں اس کے ساتھ کیسا ڈرامہ ہوا ہے۔ اب وہ ناگ کا انتظار کرنے لگا کہ وہ آئے تو اسے سارا قصّہ سنائے۔

وہ رات ناگ اور عنبر نے لاہور کے ہوٹل انٹرنیشنل میں بسر کی۔ صبح ناگ نے ناشتہ کیا۔ اگرچہ اسے ناشتے کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر بھی محض لوگوں کو دکھانے کے لئے ناگ نے ڈائننگ ہال میں دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ خاموش ہونٹوں سے عنبر کے ساتھ باتیں بھی کرتا جا رہا تھا۔ عنبر ناگ کو یہی بار بار کہہ رہا تھا کہ وہ اس کو دوبارہ انسانی شکل میں لانے کا خیال چھوڑ دے اور ماریا کی تلاش شروع کرنے کے لئے لاہور سے واپس جانے کی تیاری کرے۔ ناگ اسے جواب میں کہہ رہا تھا کہ اس نے امید کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ وہ خلائی مخلوق کو پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہے گا اور عنبر ایک نہ ایک دن انسانی شکل میں واپس آ جائے گا۔

"ہاں امجد کو چل کر ملتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ اس کا پرچہ کیسا رہا؟"

عنبر کہنے لگا۔ "کاش ماریا امجد کے ہاتھ کوئی ایسا پیغام بھیج دیتی جس سے ہمیں ڈھائی تین ہزار سال پرانے زمانے میں واپس جانے میں مدد مل سکتی۔"

ناگ بولا۔ "ماریا کو کیا خبر تھی بے چاری کو کہ ہم لاہور میں ہوں گے۔ بہر حال واپس جانے کا بھی کوئی طریقہ نکل آئے گا۔ ابھی تو میں تمہیں سانپ کے روپ سے نجات دلا کر واپس انسانی شکل دلانا چاہتا ہوں۔"

عنبر نے آہ بھر کر کہا۔ "ناگ بھیا! اسے بھول جاؤ اب۔"

ناگ نے چائے پیتے ہوئے کہا۔ "آگے آگے دیکھئے

ہوتا ہے کیا؟"

دوپہر کے وقت ناگ بس میں سوار ہو کر امجد کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس روز امجد کا پرچہ نہیں تھا۔ ناگ نے گھنٹی بجائی تو امجد نے ہی دروازہ کھولا۔ ناگ کو دیکھ کر وہ بے حد خوش ہوا۔

"انکل! میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ اندر میرے کمرے میں تشریف لے چلیں۔"

"خیریت تو تھی۔ میرا انتظار کیوں کر رہے تھے تم؟

"کمرے میں چل کر بتاتا ہوں۔" امجد نے کہا۔

امجد کے کمرے میں آ کر ناگ کرسی پر بیٹھ گیا۔ امجد نے دروازہ بند کر کے پردہ گرا دیا۔

ناگ مسکرایا۔ "کیا کوئی بڑی پُر اسرار بات ہو گئی ہے۔ تم بڑے پردے وغیرہ گرا رہے ہو۔"

امجد ناگ کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ درمیان میں گول میز تھی۔ عنبر بھی ناگ کی جیب میں کان لگائے بیٹھا تھا کہ امجد کیا بات بتانے والا ہے۔

ناگ نے پوچھا۔ "اب بتاؤ کیا بات ہوئی ہے۔"

امجد نے سارا قصہ سنا دیا جو امتحان کے سنٹر میں اس کے ساتھ ہوا تھا۔ پھر بولا۔

"انکل ناگ! خدا کی قسم اگر آپ غیبی طاقت سے کام لے کر کاغذ پر حل کیے ہوئے سوال غائب نہ کرتے تو میں تباہ ہو جاتا۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

ناگ نے امجد کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر کاغذ پر حل کیے ہوئے سوال میں نے غائب نہیں کیے تھے۔"

ایک پل کے لیے کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ عنبر نے بھی ناگ کی جیب میں پڑے پڑے کان کھڑے کر لیے۔

امجد نے پوچھا۔ "تو پھر۔۔۔ تو پھر کس نے غائب کیے تھے؟"

ناگ نے کہا۔ "یہی تو میں بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

اور وہ اٹھ کر کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

عنبر نے کہا۔ "ناگ! کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم نے غلطی سے امجد کو کورا کاغذ دے دیا ہو۔"

ناگ نے کہا۔ "نہیں۔ میں نے خود اپنے ہاتھ سے سوال حل کر کے وہ کاغذ پلیٹ کر امجد کو دیا تھا۔"

پھر اس نے عنبر کی تسلی کے لیے امجد سے پوچھ لیا کہ کیا اسے یقین ہے کہ جو کاغذ پکڑا گیا تھا اس پر سوال حل کیے ہوئے تھے؟

امجد بولا۔ "ہاں انکل! مجھے سو فیصد یقین ہے۔ میں
نے اس کاغذ پر سے دو مشکل سوال نقل بھی کئے تھے۔"
"وہ کاغذ کہاں ہے؟" ناگ نے سوال کیا۔
امجد بولا۔ "وہ کاغذ بالکل خالی اور کورا تھا۔ بس وہیں
کہیں ردّی میں پھینک دیا۔"
اچانک ناگ کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ وہ کرسی پر
بیٹھ گیا اور امجد سے کہنے لگا۔
"ایک کاغذ لاؤ۔ بالکل اسی سائز کا جس سائز کا کاغذ
میں نے تمہیں سوال حل کرکے دیا تھا۔"
امجد نے اپنی رائٹنگ ٹیبل کے دراز میں سے کاغذ کا ایک
فل سکیپ شیٹ نکال کر ناگ کو دیا۔
"بس ٹھیک یہی سائز تھا اس کاغذ کا۔"
عنبر بھی چوکنا ہو گیا کہ ناگ کیا کرنے والا ہے۔ ناگ
نے کاغذ لے کر میز پر رکھ دیا اور امجد سے کہا۔
"اب جو جو سوال میں کروں اس کے جواب دیتے جاؤ۔
پہلا سوال یہ ہے کہ جب انسپکٹر نے زمین سے کاغذ اٹھایا تو
کیا اس پر سوال لکھے ہوئے تھے؟"
امجد بولا۔ "ہاں! کاغذ انسپکٹر کے ہاتھ میں کھلا تھا اور
میں نے دیکھا تھا کہ کاغذ پر سوال حل کئے ہوئے تھے۔"

ناگ: "انسپکٹر کاغذ لے کر کہاں گیا؟"
امجد: "وہ بڑی میز کے پاس بیٹھے دوسرے انسپکٹر کے
پاس گیا۔ اسے کاغذ پر حل کئے ہوئے سوال دکھائے اور
پھر میرا پرچہ قبضے میں کرکے کہا کہ میں نقل مارتا پکڑا
گیا ہوں اور مجھے تین سال کے لئے اسکول سے نکال
دیا جائے گا۔"
ناگ: "پھر انسپکٹر نے کیا کیا؟"
امجد: "اس نے پولیس کو بلا لیا۔"
ناگ: "کاغذ کہاں تھا اس وقت؟"
امجد: "انسپکٹر نے تہہ کرکے میز پر رکھ دیا تھا۔"
ناگ: "جب پولیس کے سپاہی آئے تو پھر کیا ہوا؟"
امجد: "انسپکٹر نے مجھے کہا کہ اپنا گناہ خود پولیس کو
دکھا۔ میز پر سے اس کاغذ کو اٹھاؤ جس پر سے تم نقل
مار رہے تھے۔"
ناگ: "پھر کیا ہوا؟"
امجد: "میں کاغذ اٹھانے لگا تو وہ میرا ہاتھ لگ
جانے سے نیچے فرش پر گر پڑا۔"
ناگ: "پھر؟"
امجد: "میں نے زمین پر سے کاغذ اٹھا کر پولیس کے

سپاہی کو دے دیا ۔ اس نے کھولا تو کاغذ بالکل خالی تھا۔
اس پر کوئی تحریر نہیں تھی ۔"

ناگ :"مجھے یہاں بالکل اسی طرح کر کے دکھاؤ ۔"

جو سفید فل سکیپ کاغذ امجد نے ناگ کو دیا تھا اس
نے اسے تہہ کر کے میز پر رکھ دیا ۔ عنبر بڑی دلچسپی
سے یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا ۔ اس نے ناگ
کی جیب سے اپنی گردن باہر نکال رکھی تھی ۔

ناگ نے پوچھا ۔"کیا کاغذ اسی طرح میز پر پڑا
تھا امجد؟"

"ہاں انکل!"

ناگ نے کہا ۔"اب اندازے سے کر کے دکھاؤ کہ تمہارا
ہاتھ اسے کیسے لگا تھا ۔"

امجد نے دایاں ہاتھ بڑھا کر کاغذ کو اٹھاتے ہوئے
ذرا سا ٹکرا دیا ۔ کاغذ نیچے گر پڑا ۔

ناگ نے نیچے سے کاغذ اٹھا کر دوبارہ میز پر
رکھ دیا ۔

"ایک بار پھر یاد کر کے ہاتھ لگاؤ کہ تمہارا ہاتھ کاغذ
کو کیسے لگا تھا ۔"

امجد نے دوسری بار کاغذ کو اسی طرح اٹھانے کی کوشش

میں اسے نیچے گرا دیا ۔

ناگ نے اچانک امجد کا ہاتھ وہیں پکڑ لیا ۔ امجد
ہکا بکا ہو کر ناگ کا منہ تک رہا تھا ۔ ناگ امجد کے
ہاتھ کی انگلی میں پڑی ہوئی نیلے پتھر کی انگوٹھی کو تک رہا
تھا ۔ اس نے عنبر سے کہا ۔

"عنبر! بات کھل کر سامنے آنے والی ہے ۔"

ناگ نے امجد کو کچھ نہ بتایا ۔ اس کا ہاتھ چھوڑ
دیا اور کہا ۔

"پنسل لاؤ ۔"

امجد نے ناگ کو پنسل لا کر دی ۔ ناگ نے اس کاغذ کو
کھولا ۔ اس پر اردو زبان میں دو چار فقرے لکھے ۔ اسے تہہ
کر کے دوبارہ میز پر رکھا اور امجد سے کہا ۔

"امجد! اب اس کاغذ کو میز پر سے اس طرح نیچے
گراؤ کہ تمہاری انگلی کی یہ انگوٹھی اس کاغذ سے ضرور
ٹکرائے ۔"

امجد کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ڈرامہ
ہو رہا ہے ۔ بہر حال وہ ناگ کے کہنے کے مطابق عمل
کرتا جا رہا تھا ۔ اس نے میز کی طرف ہاتھ بڑھایا ۔ نیلے
پتھر والی انگوٹھی اس کی انگلی میں تھی ۔ اس نے کاغذ کو

میز پر سے اس طریقے سے گرایا کہ انگوٹھی کاغذ سے چھو گئی۔
کاغذ فرش پر گر پڑا۔ ناگ نے جلدی سے کاغذ اٹھا کر
کھولا تو کاغذ پر اس نے ابھی ابھی جو اردو میں فقرے
لکھے تھے، غائب ہو چکے تھے۔ کاغذ پہلے کی طرح بالکل
خالی اور کورا تھا۔

ناگ نے کاغذ وہیں پھینک کر امجد کی انگوٹھی کو پکڑ لیا۔
"عنبر! یہ سارا کارنامہ اس انگوٹھی کا ہے۔"
عنبر بولا۔ "کیا یہ کوئی طلسماتی انگوٹھی ہے؟"
ناگ نے کہا۔ "ایسا ہی لگتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا
ماریا کو پتہ تھا کہ یہ طلسماتی انگوٹھی ہے؟"
عنبر بولا۔ "اگر ماریا کو پتہ ہوتا تو وہ امجد کو ضرور
بتا دیتی کہ یہ جادو کی انگوٹھی ہے اور اس سے تم
فلاں فلاں کام لے سکتے ہو۔ صاف ظاہر ہے کہ خود ماریا
بھی اس انگوٹھی کی غیبی طاقت سے بے خبر تھی۔"

امجد کو عنبر اور ناگ کی گفتگو سنائی نہیں دے رہی
تھی۔ ادھر انگوٹھی میں بند خلائی لڑکی کیٹی چلا چلا کر کہہ
رہی تھی۔

"ناگ! مجھے باہر نکالو۔ ماریا تمہارا ذکر کیا کرتی
تھی۔ میں ماریا کی سہیلی ہوں۔ میں خلائی لڑکی ہوں جس

کی تمہیں تلاش ہے۔ مجھے باہر نکالو۔"
مگر ناگ اور عنبر خلائی لڑکی کی آواز نہیں سن سکتے تھے۔
امجد بھی حیران تھا کہ انگوٹھی لگنے سے کاغذ کی تحریر کیسے
غائب ہو گئی۔

"انکل! کیا یہ اس انگوٹھی کی کرامت تھی؟"
ناگ مسکرایا۔ "ہاں امجد! یہ سارا کام اس انگوٹھی
نے کیا ہے۔ ماریا نے تمہیں اپنی جو نشانی دی ہے اس
میں جادو کی طاقت ہے۔"
امجد حیرانی اور خوشی سے انگوٹھی کو تکنے لگا۔
ناگ نے کہا۔ "امجد! اس انگوٹھی کو سنبھال کر رکھنا۔
یہ بڑی قیمتی انگوٹھی ہے۔ خدا جانے اس میں اور کون کون
سی جادو کی طاقت چھپی ہوئی ہے۔"
امجد بولا۔ "انکل میں اسے اپنی صندوقچی میں بند کر
کے تالا لگا کر رکھے دیتا ہوں۔"
امجد نے اسی وقت انگوٹھی اتار کر دراز میں سے ایک
چھوٹی سی صندوقچی نکال کر اس میں رکھی اور تالا لگا کر
چابی جیب میں ڈال لی۔
"بس انکل اب اسے کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔"
ناگ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ عنبر نے گردن جیب

کے اندر کر لی تھی۔ اس نے ناگ سے پوچھا کہ وہ خاموش کیوں ہے اور کیا سوچ رہا ہے۔

ناگ بولا۔ میں اس انگوٹھی کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں کہ یہ کس قسم کی پُر اسرا انگوٹھی ہے کہ خود ماریا کو بھی اس کی طلسماتی طاقت کے بارے میں پتہ نہیں تھا۔"

عنبر نے کہا۔ "ہو سکتا ہے ماریا کو پتہ ہو مگر وہ امجد کو نہ بتانا چاہتی ہو۔"

"یہ بات مشکل ہی سے عقل مانے گی۔ کیونکہ ماریا کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ امجد کو ایک انگوٹھی دے کر اسے اس انگوٹھی سے فائدہ اٹھانے سے محروم رکھتی۔"

"پھر تم کس نتیجے پہ پہنچے ہو ناگ؟"

ناگ بولا۔ "میں ابھی کسی نتیجے پہ نہیں پہنچا۔ لیکن اس پُر اسرار انگوٹھی نے مجھے چوکنا کر دیا ہے۔"

"کس بارے میں چوکنا کر دیا ہے تمہیں؟"

"یہ ابھی بتانا بیکار ہے۔ بہر حال میں ابھی سوچ رہا ہوں۔"

امجد ناگ کی عنبر سے گفتگو نہیں سُن سکتا تھا۔ اس نے ناگ سے کہا۔

"انکل آپ خاموش کیوں ہیں۔ کیا سوچ رہے ہیں؟"

ناگ امجد کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

"کچھ نہیں امجد! اچھا اب میں چلتا ہوں۔"

امجد کہنے لگا۔ "نہیں انکل! آپ کھانا کھا کر جائیں گے۔"

ناگ مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم عنبر ناگ ماریا کی قسمیں کھاتے ہو اور تمہیں یہ نہیں معلوم کہ عنبر ناگ ماریا کو بھوک بھی نہیں لگتی۔ وہ تو کبھی کبھی محض شوق کی وجہ سے یا دوسروں کو دکھانے کے لئے کھا لیا کرتے ہیں۔"

امجد نے کہا۔ "تو انکل آج دوسروں کو دکھانے کے لئے ہی کھا لیں۔"

"نہیں امجد بیٹا! اب ہمیں اجازت دو۔"

اور ناگ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ امجد نے کہا۔

"انکل عنبر کو میرا سلام کہیے۔ کاش میں ان سے بھی گفتگو کر سکتا اور انہیں انسانی شکل میں دیکھ سکتا۔"

ناگ نے چھت کی طرف گھورتے ہوئے کہا۔

"وہ وقت بھی جلد آ جائے گا امجد۔"

پھر امجد سے ہاتھ ملایا اور کہا۔

"اچھا خدا حافظ دوست!"

امجد نے پوچھا۔ "انکل ابھی آپ لاہور ہی میں رہیں

گے ناں ۔"

ناگ بولا ۔ "ہاں امجد! ہم انٹرنیشنل ہوٹل کے کمرہ نمبر ۲۱۱ میں ٹھہرے ہوئے ہیں ۔ ابھی کچھ روز لاہور میں قیام رہے گا ۔"

ناگ امجد سے ہاتھ ملا کر واپس ہوٹل کی طرف چل پڑا ۔ راستے میں عنبر نے ناگ سے انگوٹھی کے بارے میں کئی ایک سوال کئے ۔ مگر ناگ نے ہر سوال کا ایک ہی جواب دیا کہ وہ اس انگوٹھی کے بارے میں غور کر رہا ہے ۔

"عنبر! مجھے یقین ہے کہ اس انگوٹھی میں کوئی زبردست طاقت چھپی ہوئی ہے ۔"

"طاقت سے تمہاری کیا مراد ہے؟" عنبر نے پوچھا ۔

"یہ میں ابھی کچھ نہیں بتا سکتا ۔ کیونکہ اس کے بارے میں خود مجھے ابھی تک زیادہ علم نہیں ہے ۔"

ناگ کے اس جواب پر عنبر خاموش ہو گیا ۔

شام کی چائے پینے ناگ ہوٹل انٹرنیشنل کے لاؤنج میں آ گیا ۔

یہاں ایک انگریز عورت مارتھا پہلے سے بیٹھی چائے پی رہی تھی ۔ مارتھا کی عمر پچاس کے قریب ہو گی ۔ جسم بھاری ، قد چھوٹا ، ناک طوطے کی طرح آگے سے مڑی ہوئی ۔ رنگ گورا ،

ے بال گھنگھریالے بھورے اور اس کی آنکھوں میں خاص
ی مکارانہ چمک تھی ۔ یہ عورت ہندوستان پاکستان کی
ت کرنے آئی تھی اور اس کا پیشہ پرانے تاریخی کھنڈرات
دفن کئے ہوئے قیمتی خزانوں کا پتہ چلانا تھا ۔ وہ حکومت
بتاتی کہ یہاں کوئی تاریخی نوادرات یا خزانہ دفن ہے ۔ اگر
ہ نکل آتا تو مارتھا اس کے عوض پانچ ہزار پونڈ وصول
یتی اور خزانہ حکومت کے حوالے کر دیا جاتا ۔ اس نے
بار کوشش بھی کی کہ کسی طرح حکومت کی آنکھ بچا کر
انہ لے کر فرار ہو جائے ۔ مگر دلی کے ایئرپورٹ پر
ی گئی اور بڑی مشکل سے اس نے جان بچائی ۔ ورنہ قید
ری جاتی ۔ اب اس نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ انگلستان
بعض علاقوں میں جہاں گھنے جنگل ہیں ، سینکڑوں برس پرانے
انے دفن ہیں مگر ان پر بڑے زہریلے سانپ پہرہ دیتے ہیں ۔
ر ان کا پتہ بھی نہیں چل سکتا ۔ دنیا کی کوئی مشین یا
یڈار یہ نہیں بتا سکتا کہ خزانہ یہاں دفن ہے ۔ آگے کتاب
ں بڑی عجیب بات لکھی تھی کہ ہاں اگر کوئی ایسا سانپ مل
ئے جو شکل و صورت سے انوکھا ہو اور جس کا رنگ بھی الگ
ہو تو اس خزانہ کا پتہ بتا سکتا ہے ۔

مارتھا پاکستان کی سیر و سیاحت بھی کر رہی تھی اور دور

دراز کے دیہات اور قصبوں میں سپیروں کی بستی میں جا کر کسی ایسے سانپ کی تلاش میں بھی تھی لیکن اسے کہیں بھی کوئی ایسا انوکھا سانپ نظر نہیں آیا تھا کہ جس کی شکل باقی تمام سانپوں سے الگ ہو اور جس کا رنگ بھی کسی سے نہ ملتا ہو۔

اب وہ پاکستان سے لندن روانہ ہونے ہی والی تھی اور انٹرنیشنل ہوٹل کے کمرے میں ٹھہری ہوئی تھی - وہ ناگ سے تھوڑے فاصلے پر تیسری میز پر اکیلی بیٹھی چائے پی رہی تھی اس نے ناگ کو ایک نظر دیکھا اور پھر چائے پینے لگی - مارتھا کو ناگ میں کوئی ایسی خاص بات نظر نہ آئی -

ناگ نے بھی مارتھا کو یونہی دیکھا - جس طرح ہوٹل میں بیٹھے ہوئے لوگ دوسرے مسافروں کو ایک نظر دیکھ کر پھر بھول جایا کرتے ہیں - ناگ چائے بھی پی رہا تھا اور عنبر سے خاموش زبان سے باتیں بھی کر رہا تھا - اچانک ایک امریکی ہپی اس کی میز کے قریب سے گٹار بجاتے ہوئے گزرا -

عنبر نے پوچھا - "یہ کیا بک رہا ہے؟"

ناگ بولا - "ایک پاگلوں ایسی شکل والا ہپی گٹار بجاتا ہوا گذر رہا ہے"

"اچھا - ذرا دیکھوں تو اس ہپی کو میں - ہپی دیکھے ایک مدت گذر گئی ہے"

اتنا کہہ کر عنبر ناگ کی جیب میں سے اپنی گردن نکال کر قریب سے گذرتے ہوئے گٹار بجاتے امریکی ہپی کو دیکھنے لگا عنبر کی بدقسمتی کہ عین اس وقت انگریز عورت مارتھا کی ادھر نگاہ پڑ گئی - اس نے جو ناگ کی جیب میں سے سبز رنگ کے ایک کلغی والے چھوٹے سانپ کی گردن باہر نکلی ہوئی دیکھی تو پہلے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا - پھر ایکدم سے اچھل پڑی - وہ اسی سانپ کی تلاش میں تھی - سبز رنگ والا سبز کلغی — یہ سانپ سب سانپوں سے الگ اور مختلف ہے - مگر اس شخص نے اسے جیب میں کیوں رکھا ہوا ہے - اور کوئی خاص قسم کا آدمی ہے یہ - اس سے کسی خاص طریقے ہی اس سانپ کو حاصل کرنا ہوگا - مارتھا سوچنے لگی -

مارتھا کا مکار دماغ بڑی تیزی سے چل رہا تھا - آخر اس کے دماغ میں ایک ترکیب آگئی - اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر سگریٹ منہ میں دبایا اور پھر یوں اپنی جیکٹ کی جیبیں اور پھر پرس ٹٹولنے لگی - جیسے ماچس کی تلاش ہو - اس کے ساتھ ہی اس نے ناگ کی طرف دیکھا - مسکرائی اور اٹھ کر اس کے پاس آکر بولی -

"کیوں جناب! ماچس ہوگی آپ کے پاس؟"

"جی نہیں مادام!"

پھر خود ہی اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ماچس نکالی
اور بولی ۔
"او مائی گاڈ! میں بھی کیسی بھلکڑ ہوں ۔ ماچس جیب
میں ہے اور آپ سے ماچس مانگ رہی ہوں ۔ دراصل پہلے
میں اتنی بھلکڑ نہیں ہوا کرتی تھی ۔ لیکن جب سے مجھے بھارت میں
ایک سبز سانپ نے کاٹا ہے میری یہ حالت ہو گئی ہے ۔ لیکن
میری نگاہ بڑی تیز ہو گئی ہے ۔ ایک میل کے فاصلے پر رکھی
ہوئی چیز دیکھ لیتی ہوں ۔"
سبز سانپ کا ذکر سن کر ناگ کچھ چونکا ۔ مارتھا
کو معلوم تھا کہ اس شخص سے میں سبز سانپ کی بات کروں
گی تو یہ مجھ میں دلچسپی لے گا ورنہ مجھے پاس بیٹھنے نہیں
دے گا ۔ ناگ نے کہا ۔
"سبز سانپ نے آپ کو کب کاٹا تھا؟"
"کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟" مارتھا نے مسکراتے
ہوئے پوچھا ۔
"ضرور ضرور مادام" ناگ نے کہا ۔
عنبر نے اسی وقت اپنی گردن ناگ کی جیب کے اندر کر
لی تھی جب وہ عورت اپنی کرسی سے اٹھ کر ماچس کی تلاش
میں ناگ کی میز کی طرف آئی تھی ۔

انگریز سیاح عورت شکریہ ادا کرتے ہوئے ناگ کے سامنے
والی کرسی پر بیٹھ گئی ۔ سگریٹ سلگایا ۔ ماچس ایش ٹرے میں
رکھی اور ہلکا سا کش لگا کر بولی ۔
"یہ آج سے چار ساڑھے چار سال پہلے کی بات ہے ۔
میں بندھیا چل کے جنگلوں میں ہرن کا شکار کھیلنے گئی تھی ۔
مجھے شکار کا بھی شوق ہے ۔ اصل میں میرے ماں باپ لندن
میں کافی جائیداد چھوڑ کر مرے ہیں ۔ میں نے شادی نہیں کی ۔
اب ملک ملک کی سیاحت کرتی ہوں ۔ کبھی کبھی شکار بھی کھیل
لیتی ہوں ـــ"
ناگ نے بات کاٹ کر کہا ۔
"مادام آپ بتا رہی تھیں کہ سبز سانپ نے آپ کو...."
"اوہ ہاں" وہ ماتھے پہ ہاتھ رکھ کر بولی ۔ "دیکھا میری
یادداشت کتنی کمزور ہو گئی ہے ۔ بات کرتے کرتے بھول جاتی
ہوں ۔ ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ ـــــ کیا کہہ رہی
تھی میں؟
ناگ نے کہا ۔ "کہ آپ بندھیا چل کے جنگل میں ہرن
کا شکار کھیلنے گئیں ۔"
"ہاں ـــ اور وہاں میں نے چار ہرن مارے ۔ ہرن کا
گوشت بڑا مزیدار ہوتا ہے ۔ اگر اسے بغیر گھی کے صرف

آگ پر بھونا جائے تو ......"

ناگ بور ہونے لگا۔ " مادام! آپ سبز سانپ کی بات کر رہی تھیں ؟"

" او ہاں ۔ ہاں — تو میں نے ایک ہرن مارا۔ اسے اٹھانے اس کے پیچھے جنگل میں گئی تو ایک جگہ کیا دیکھتی ہوں کہ سبز سانپ پھنکار کر پیچھے سے آیا اور میری پنڈلی پر کاٹ کر جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اس کے سر پہ ایک تاج بنا ہوا تھا ۔"

ناگ نے چونک کر پوچھا ۔" تاج کا رنگ کیسا تھا ؟"

"میرا خیال ہے سبز تھا ۔"

ناگ نے اس خیال سے اس انگریز عورت کی باتوں میں دلچسپی لینی شروع کر دی کہ شاید عنبر جس قسم کا سانپ بنا ہے اس کے بارے میں کوئی مفید معلومات حاصل ہو جائیں۔ حالانکہ عنبر نے جیب کے اندر ہی سے ناگ کو کہا کہ مجھے تو یہ کوئی جھوٹی اور فراڈ عورت لگتی ہے۔ مگر ناگ نے کہا۔

" معلومات حاصل کرنے میں کیا حرج ہے عنبر۔"

ناگ اس عورت سے کئی ایک باتیں پوچھتا رہا کہ وہ سانپ اس نے پھر کہیں دیکھا کہ نہیں ۔ انگریز عورت نے ناگ کو اپنی باتوں کے جال میں الجھا لیا تھا۔ اس دوران انگریز عورت

نے ناگ کی جیب میں سبز کلغی والے چھوٹے سانپ کو کئی بار ہلتے ہوئے دیکھ لیا تھا ۔ وہ اور زیادہ پکی ہو گئی تھی کہ ہو نہ ہو یہی سبز کلغی والا سانپ اس کی قسمت پلٹ دے گا۔ اور اسے لندن کے جنگلوں میں دفن خزانوں کا پتہ بتائے گا۔ اس نے ناگ سے کہا ۔

" مسٹر آپ میرے کمرے میں کیوں نہیں آتے ؟ رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیں ۔ مجھے خوشی ہو گی ۔ میں آپ کو وہاں سبز سانپ کے بارے میں اور باتیں بھی بتاؤں گی ۔ کیا آپ آئیں گے ؟"

عنبر نے کہا ۔" ناگ ! یار کیا بور کرو گے تم مجھے بھی اس کی دعوت میں ۔"

ناگ نے کہا ۔" ہو سکتا ہے کوئی نئی معلومات مل جائیں ۔"

ناگ نے انگریز عورت کی دعوت قبول کر لی ۔ اس عرصے میں اس نے ناگ سے اپنا تعارف بھی کرا دیا اور کہا کہ میرا نام مارتھا ہے ۔ ناگ نے اپنا نام چھپانے کی کوشش نہ کی اور بتا دیا کہ اس کا نام ناگ ہے ۔

رات ۹ بجے ناگ مارتھا کے کمرے میں رات کے کھانے پر آ گیا ۔ مارتھا نے بڑے اعلیٰ کھانے منگوا رکھے تھے ۔ کھانے پر

مارتھا سبز سانپوں کے بارے میں یونہی جھوٹ موٹ کہانیاں
سنانی شروع کر دیں۔ اس کے بعد انگریز عورت مارتھا نے
سگریٹ سلگا لیا۔ پھر سگریٹ بجھا کر بولی۔

"مسٹر ناگ! آپ سگار پینا پسند کریں گے؟"

ناگ نے کہا۔ "شکریہ مادام! میں سگریٹ نہیں پیتا"

"اوہ۔ کوئی بات نہیں۔ میں سگار پیئوں گی اتنے اعلیٰ
کھانوں کے بعد سگار اچھا لگتا ہے۔

اور اس مارتھا نے میز کی دراز میں سے ایک خاص
قسم کا موٹا سا سگار نکال کر سلگا لیا۔ ایک کش لے کر
سگار کو ایش ٹرے میں رکھا اور خود یہ کہہ کر غسل خانے
میں چلی گئی کہ میں ذرا ہاتھ دھو لوں۔

اس کے جانے کے بعد عنبر نے ناگ سے باتیں شروع
کر دیں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میں تو بور ہو گیا ہوں۔ اس
عورت سے بھلا کیا معلومات مل سکتی ہیں۔ یہ تو یونہی سانپوں
کے بارے میں فضول قسم کی باتیں کرتی ہے۔ ناگ نے کہا۔

"ہاں عنبر! تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس سے کچھ بھی حاصل
نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے یہ غسل خانے سے باہر آ جائے تو
اجازت لے کر اپنے کمرے میں چلتے ہیں"

ناگ کو جمائی آ گئی۔ پھر اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

اس نے دیکھا کہ کمرے میں سگار کا دھواں بھرنے لگا تھا۔
ناگ نے سگار پر ہاتھ مارنا چاہا۔ مگر کوشش کے باوجود وہ
اپنا ہاتھ اوپر نہ اٹھا سکا۔ اس نے اپنا سارا زور لگا کر
اٹھنے کی کوشش کی مگر وہ صوفے سے ایک انچ بھی نہ ہل
سکا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔ ناگ
نے عنبر کو بلایا۔ مگر عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ عنبر پہلے ہی
اس کی جیب میں سگار کے دھوئیں کی وجہ سے بے ہوش ہو
چکا تھا۔ ناگ نے دو تین بار اپنے سر کو سنبھالنے کی کوشش
کی اور پھر اس کا سر ایک طرف لڑھک گیا اور وہ بیہوش
ہو گیا۔

غسل خانے کے سوراخ سے مکار انگریز عورت مارتھا یہ
سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ ناگ بے ہوش
ہو گیا ہے تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ اس نے
اپنے منہ اور ناک پر گیلا تولیہ لپیٹ رکھا تھا۔ اس نے
جلدی سے کھڑکیاں کھول کر پنکھا چلا دیا۔ پھر بے ہوش ناگ
کی جیب میں ہاتھ ڈال کر بے ہوش سبز کلغی والے سانپ
کو نکالا۔ اسے ایک سوراخ دار ڈبی میں بند کر کے بریف
کیس میں رکھا اور بڑی تیزی سے اپنے کپڑے سمیٹ کر
اٹیچی کیس میں ڈالنے لگی۔

پندرہ بیس منٹ بعد وہ اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر آ گئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں بریف کیس اور دوسرے ہاتھ میں اٹیچی کیس تھا۔ ہوٹل کا بل اس نے صبح ہی ادا کر دیا ہوا تھا۔ کیونکہ اس کا جہاز رات کے گیارہ بجے پرواز کرنے والا تھا۔ چابی اس نے ہوٹل کے کاؤنٹر پر دے دی اور لابی سے باہر نکل کر ٹیکسی میں سوار ہو کر ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس نے سگار میں جو بے ہوشی کی دوا ملا رکھی تھی۔ اس کے دھوئیں کی وجہ سے ناگ کو چھ گھنٹے کے بعد ہوش آنا تھا۔ اس وقت رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ ٹھیک گیارہ بجے وہ لاہور سے ہوائی جہاز میں بیٹھ کر کراچی روانہ ہو گئی۔ بارہ بجے کراچی پہنچی اور رات دو بجے بی او اے سی کے جمبو جیٹ طیارے میں سوار ہو کر لندن روانہ ہو گئی۔

صبح کے پانچ بج رہے تھے جب ناگ کو ہوش آیا۔ اس نے سر کو ایک دو بار جھٹکا اور جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ وہ دھک سے رہ گیا۔ وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ اس کی جیب سے عنبر غائب تھا۔ کمرے کا سامان الٹا پلٹا ہوا تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ مکار انگریز عورت مارتھا سانپ لے کر فرار ہو چکی ہے۔ اس نے کاؤنٹر پر فون کر کے پولیس کو بلوا لیا۔ ہوٹل کا منیجر پولیس کو لے کر آ گیا۔

پولیس انسپکٹر نے ناگ سے پوچھا کہ آپ کو بے ہوش کرنے کے بعد وہ عورت آپ کی جیب سے کتنے پیسے نکال کر لے گئی ہے۔ ناگ نے کہا۔

"میری جیب میں کوئی پیسہ نہیں تھا۔"

اب وہ پولیس کو کیسے بتاتا کہ وہ مکار عورت اس کی جیب سے عنبر کو نکال کر لے گئی ہے۔ پولیس انسپکٹر نے پوچھا۔

"سوال یہ ہے کہ جب اس عورت نے آپ کی کوئی چیز بھی نہیں چرائی تو آخر اسے آپ کو کمرے میں بلا کر بے ہوش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہی تو میں حیران ہوں۔" منیجر نے کہا۔

انسپکٹر نے ایک بار پھر پوچھا۔

"جناب ایک بار پھر سوچ لیں۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کی کوئی چیز نہیں چرائی گئی؟"

"نہیں۔ کوئی نہیں۔"

ناگ نے اتنا کہا اور اجازت لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

صبح ہو رہی تھی۔ وہ بستر پر گر پڑا اور اپنی عقل کو کوسنے لگا کہ وہ اتنا عقلمند اور تجربہ کار ہو کر انگریز مکار

عورت کی باتوں میں کیوں آ گیا ۔ عنبر نے ٹھیک کہا تھا
کہ اسے عورت کے کمرے میں دعوت پر نہیں جانا چاہیئے
تھا ۔ مگر وہ تو اس لالچ میں چلا گیا تھا کہ وہ سبز سانپوں
کی باتیں کر رہی ہے اور پھر اس کو ایک ایسے سبز سانپ
نے کاٹا بھی تھا جس کے سر پہ تاج تھا ۔ سوچا شاید عنبر
کے بارے میں کوئی قیمتی راز ہاتھ آ جائے ۔ اور وہ پھرے
انسانی شکل میں واپس آ جائے ۔ اسے کیا پتہ تھا کہ یہ ایک
چالاک مکار عورت ہے اور اسے بے ہوش کر کے عنبر کو اڑا
لے جائے گی ۔ اب یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا کہ وہ عورت
عنبر کو کیوں اغوا کر کے لے گئی ہے ۔ اب تو اس بات کی
ضرورت تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے اس عورت کا تعاقب
کر کے اس سے عنبر کو دوبارہ واپس حاصل کیا جائے ۔ ناگ
نے ہوٹل کے مینجر کے ساتھ لاہور اور کراچی ایئر پورٹ پر
ٹیلیفون کئے ۔ معلوم ہوا کہ اس نام کی عورت رات کے دو بجے
کی فلائیٹ سے لندن روانہ ہو چکی ہے اور وہ اس سلسلے
میں کچھ نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ ہوائی اڈوں والوں کا برٹش ہوائی
کمپنی کے مسافروں پر کوئی اختیار نہیں تھا ۔ اور پھر ناگ نے
تو کسی کو یہ بتایا ہی نہیں تھا کہ وہ عورت کیا چرا کر
بھاگ گئی ہے ۔ ناگ پریشان ہو گیا ۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا

اور اس افسوسناک حادثے کی خبر امجد کو بتانے اس کی کوٹھی
کی جانب گارڈن ٹاؤن روانہ ہو گیا ۔

○

مکار انگریز عورت عنبر کو لے کر کہاں گئی ؟
طلسماتی نیلی انگوٹھی نے کیا کام دکھایا ؟
کیا ناگ کو چوکور آنکھوں والی خلائی لڑکی مل سکی ؟
کیا عنبر انسانی شکل میں واپس آیا ؟
ماریا کہاں تھی ؟
یہ آپ اگلی قسط نمبر ۷۴ "عنبر اور ڈسکو ٹڈے"
میں پڑھیں گے ۔

○

عنبر اور ڈسکو مُردے

اے حمید

۶۷

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی

کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

عنبر اور ڈسکو مُردے

اے حمید

قیمت ۱/۵۰ روپے

بار اوّل ـــــ ۱۹۸۳ء

ناشر: نیا مکتبہ اقرار ۱۴ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

پیارے ساتھیو!

ناگ کو جب ہوش آتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ جس مکّار سیّاح عورت نے اسے اور عنبر کو بے ہوش کردیا تھا وہ عنبر کو سانپ کی شکل میں اغوا کر کے لندن ساتھ لے گئی ہے۔ ناگ سیدھا امجد کے پاس گارڈن ٹاؤن جاتا ہے اور اسے سارا واقعہ سنا دیتا ہے۔ اور پھر لندن روانہ ہو جاتا ہے۔ لندن پہنچ کر وہ اس عورت کی تلاش شروع کرتا ہے جو عنبر سانپ کی مدد سے زمین کے اندر دفن شدہ قیمتی خزانوں کا کھوج لگانا چاہتی تھی۔ اُدھر خلائی لڑکی کیٹی امجد کی نیلے پتھر والی انگوٹھی میں بند ہے کہ ایک رات ٹی وی پر سائنس فکشن کی ایک فلم دکھائی جاتی ہے جس میں چوکور آنکھوں والی خلائی مخلوق زمین پر حملہ کر دیتی ہے۔ ایک خلائی انسان کو امجد کے کمرے میں خلائی لڑکی کیٹی کی بُو آجاتی ہے۔ وہ اسے ہلاک کرنے کے لیے ٹی وی سکرین سے آہستہ آہستہ باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے کہ پتھر کی انگوٹھی میں سے کیٹی کو کمزور آواز آتی ہے:

"امجد ـــ ٹی وی کا سوئچ آف کر دو۔"

پھر کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ ورق الٹ کر خود پڑھیے اور لطف اٹھائیے۔

اے حمید

ترتیب

سانپ کی خاموش آواز

ناگ امجد کی کوٹھی پہنچا تو وہ گھر پر ہی تھا۔
اسے سکول سے گرمیوں کی چھٹیاں ہو چکی تھیں اور وہ ناشتہ کرنے کے بعد اپنا سکول کی چھٹیوں کا کام لے کر برآمدے میں بیٹھا تھا۔ ناگ کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔
ناگ نے مسکراتے ہوئے کہا:
"دیکھو میں تم سے ملنے پھر آ گیا ہوں۔"
"انکل آپ سے مل کر مجھے ہمیشہ بڑی خوشی ہوتی ہے انکل عنبر کہاں ہیں؟ ذرا انہیں جیب سے نکال کر مجھے دکھائیے۔ یہاں اور کوئی نہیں ہے۔"
ناگ نے کہا:
"میں یہی بات تمہیں بتانے آیا ہوں کہ عنبر ہم سے بچھڑ گیا ہے۔"
"کیا؟" امجد نے حیرانی سے پوچھا۔
ناگ نے امجد کو مختصر لفظوں میں سارا واقعہ سنایا کہ کس

طرح ایک انگریز سیاح عورت نے دھوکے سے اسے کمرے میں بلا کر دونوں کو سگار کے دھوئیں سے بے ہوش کر دیا اور عنبر کو جو کہ سانپ کی شکل اختیار کر چکا ہے لے کر رفوچکر ہو گئی۔

"مگر انکل! وہ عنبر کو کیوں لے گئی ہے؟" امجد نے پوچھا۔

ناگ نے کہا:

"میرا خیال ہے وہ عنبر کی مدد سے اپنے ملک میں دفن شدہ کوئی قیمتی خزانہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔"

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟" امجد بولا۔

ناگ نے کہا:

"مجھے اس عورت کے پیچھے لندن جانا ہوگا۔"

"انکل میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟ مجھے چھٹیاں ہیں آج کل۔"

امجد نے بے تابی سے کہا۔

ناگ کہنے لگا:

"نہیں امجد تمہیں سکول کا کام کرنا چاہیے اور پھر میرا کام وہاں بڑا خطرناک بھی ہو سکتا ہے میں تمہیں اپنے ساتھ کسی مصیبت میں نہیں پھنسانا چاہتا۔ میں آج یا کل ہی لندن روانہ ہو جاؤں گا۔"

"آپ کو ویزا مل گیا ہے لندن کا سر؟"

"ویزے کی مجھے ضرورت نہیں ہے امجد۔ یہ تم جانتے ہی ہو۔"

"ٹھیک ہے سر مگر پھر بھی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔" ناگ نے کہا۔

پھر امجد کی طرف دیکھ کر بولا:

"تم نیلے پتھر کی انگوٹھی کی حفاظت کرنا۔ مجھے ایسے لگتا ہے کہ اس کے اندر کوئی ایسا جادو چھپا ہوا ہے جس کی ہمیں ابھی خبر نہیں ہے۔"

امجد نے کہا:

"انکل! میں نے اسے تالے میں رکھا ہوا ہے۔ آپ بالکل فکر نہ کریں۔"

ناگ نے اٹھتے ہوئے کہا:

"اچھا اب میں چلتا ہوں۔ لندن سے واپس آ کر ملوں گا۔ انشاء اللہ عنبر بھی میرے ساتھ ہوگا۔"

"انشاء اللہ!"

اور اپنے ہوٹل میں واپس آ گیا۔ اس نے ہوائی کمپنی کے دفتر میں فون کر کے پوچھا کہ کراچی جہاز کس وقت جائے گا اور پھر آگے کراچی سے لندن جانے والا جہاز کب مل سکے گا۔

یہ ساری معلومات حاصل کر کے ناگ شہر میں آ کر کچھ دیر
سیر کرتا رہا اور عنبر اور انگریز سیاح عورت مارتھا کے بارے
میں سوچتا رہا جو دھوکے سے عنبر کو اغوا کر کے لے گئی تھی۔
رات کو نو بجے وہ جہاز میں سوار ہو کر کراچی روانہ ہو گیا۔

کراچی سے رات ایک بجے امریکن ائیر لائنز کا ایک جمبو جیٹ
لندن کے لیے روانہ ہونے والا تھا۔ ناگ کے پاسپورٹ پر
لندن کا ویزا نہیں لگا ہوا تھا۔ اسے دینے کی ضرورت بھی
نہیں تھی۔ ساڑھے بارہ بجے وہ ائیرپورٹ پر آ گیا اور سُرخ
رنگ کی ایک ننھی سی چڑیا بن کر پہلے انٹرنیشنل لاؤنج اور
اس کے دروازے سے گزر کر جمبو جیٹ کی کھڑکی سے لگی
سیڑھی پر آ کر بیٹھ گیا۔ امریکی ائیر ہوسٹس نے سُرخ چڑیا کو دیکھا
تو مسکرا کر دوسری ائیر ہوسٹس سے کہا:

"کتنی پیاری چڑیا ہے!"

اب مسافر جہاز میں سوار ہونے لگے۔ موقع پا کر ناگ
بھی سُرخ چڑیا کے روپ میں جہاز کے اندر داخل ہو گیا
اور سیدھا باتھ روم کے دروازے پر آ کر انسانی شکل اختیار
کر لی۔ جہاز ابھی کافی خالی تھا۔ اس لیے کسی نے اسے نہ
دیکھا۔ وہ ایک خالی سیٹ پر بیٹھ گیا چونکہ سواریاں کم تھیں
اس لیے کسی نے ناگ سے اس کی سیٹ کا نمبر نہ پوچھا۔

جہاز رات کے پورے ایک بجے لندن کی طرف پرواز کر
گیا۔ ناگ نے آنکھیں بند کر لیں اور عنبر کے بارے میں
غور کرنے لگا۔ اسے ماریا کا بھی بار بار خیال آ رہا تھا کہ
جانے وہ بے چاری کہاں ماری ماری پھر رہی ہو گی۔

سات گھنٹے کی پرواز کے بعد جہاز لندن کے ائیرپورٹ
پر پہنچ گیا۔ ناگ نے یہاں ایک بار پھر سرخ چڑیا کی شکل
بدلی اور جہاز کی کھڑکی سے اڑاری ماری اور ائیرپورٹ کی
عمارت سے باہر نکل آیا۔ لندن میں اس وقت شام کے چار
بج رہے تھے۔ شہر روشنیوں میں جگمگا رہا تھا اور شام ہو
رہی تھی۔ سردی اتنی نہیں تھی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے
تھے اور ایسا لگتا تھا کہ بارش ہونے ہی والی ہے۔ ناگ کے
لیے یہ بڑا ہی خوبصورت موسم تھا۔ کراچی سے چلتے ہوئے
اس نے کچھ پاکستانی کرنسی انگلش کرنسی میں تبدیل کروا لی
تھی۔ اس کے پاس چالیس پچاس پاؤنڈ جیب میں پڑے
تھے۔ وہ ایک چھوٹے سے ہوٹل میں آ گیا اور ایک سنگل
بیڈ روم والا کمرہ کرائے پر لے لیا۔ اس نے سیاحت کی
ایک کتاب میں سے یہ پڑھنا شروع کیا کہ انگلستان میں
کہاں کہاں پرانے تاریخی کھنڈر ہیں۔ کیوں کہ ناگ کا خیال تھا کہ
اگر سیاح عورت مارتھا نے عنبر کو کسی خفیہ خزانے کی تلاش

میں مدد حاصل کرنے کے لیے اغوا کیا ہے تو وہ ضرور
ایسے ہی علاقوں میں رہتی ہو گی۔ کتاب میں لکھا تھا کہ ایسے
کھنڈر لندن سے پچاس میل شمال میں ایک جنگل ہے۔ اس
میں واقع ہیں۔

ناگ نے سوچا کہ وہ کل صبح ان کھنڈروں میں جائے گا۔
ابھی شام تھی۔ وہ سیر کرنے ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ پھرتے
پھراتے وہ ایک بڑے خوب صورت پارک میں آ گیا۔ اس
پارک میں ایک بہت بڑا چڑیا گھر بھی تھا۔ چونکہ لندن میں
شام بڑی دیر تک رہتی ہے اس لیے چڑیا گھر دیر تک
کھلا رہتا ہے۔ وہاں بڑی رونق تھی۔ اچانک لوگ ایک طرف
کو بھاگے۔ ادھر کچھ شور سا مچ رہا تھا۔ ناگ بھی ادھر چلا
کہ دیکھا جائے شور کیسا ہے۔ چڑیا گھر میں شیر چیتے تو کھلی
جگہ پر رکھے گئے تھے مگر سانپ، گوریلا اور دوسرے چھوٹے
جانوروں کو بڑے بڑے کمروں میں رکھا گیا تھا جو ائرکنڈیشنڈ
تھے اور ان کے آگے بڑے بڑے موٹے شیشے لگے تھے۔
شور یہاں مچا ہوا تھا۔

یہاں لوگ جمع تھے اور پولیس کے سپاہی پستولیں
تانے ہوئے تھے۔ ناگ نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا اژدہا
سانپ کسی طریقے سے شیشے کو توڑ کر باہر آ گیا تھا اور اس

نے ایک دبلی پتلی لڑکی کو اپنی کنڈلی میں لپیٹ رکھا تھا۔ لڑکی
بے ہوش ہو چکی تھی۔ اژدہا نے لڑکی کی گردن اپنے منہ
میں لے رکھی تھی۔ پولیس اس لیے گولی نہیں چلا رہی تھی
کہ کہیں سانپ غصے میں آ کر لڑکی کو نگل نہ لے۔

اژدہا ناگ کی وجہ سے بے چین ہو گیا۔ ناگ لوگوں کو
ایک طرف ہٹاتا آگے بڑھا۔ ایک پولیس والے نے اسے
پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا:

"مسٹر تم آگے جا کر کیا کرو گے۔ اژدہا تمہیں بھی نگل
لے گا۔"

ناگ نے کہا:

"مجھے آگے جانے دو۔ یہ اژدہا میرا دوست ہے
میں لڑکی کو چھڑا لوں گا۔"

پولیس والے نے کہا:

"لو بھئی یہ سانپ کا بھائی ہے۔ اسے آگے جانے دو۔"

ناگ اژدہا کے سامنے چلا گیا۔ اسے آگے جاتا دیکھ کر
لوگ ڈر کے مارے اور پیچھے ہٹ گئے۔

ناگ نے اژدہا کی طرف دیکھ کر کہا:

"یہ کیا حرکت کر رہے ہو بدتمیز؟"

لوگوں نے دیکھا کہ اژدہا نے لڑکی کی گردن پر سے اپنا

منہ پیچھے ہٹا لیا اور اسے اپنی کنڈلی سے آزاد کر دیا۔ ناگ
نے لڑکی کو آگے بڑھ کر اُٹھایا اور پولیس کے سپاہی کو
پکڑا دیا۔ ساتھ ہی آہستہ سے کہا:

"دیکھا۔ میرے دوست نے لڑکی واپس کر دی۔"

سپاہی حیران تھا۔ لوگ بھی حیران ہوئے کہ ایک نوجوان
نے کیسے آرام سے اژدہا کے منہ سے لڑکی کو نکال لیا۔

ناگ نے اژدہا سے کہا:

"تمہیں اس گھٹیا حرکت کی سزا دی جائے گی۔"

اژدہا نے اپنا سر ناگ کے قدموں پر ڈال دیا اور
گڑگڑا کر کہا:

"عظیم ناگ دیوتا! مجھے معاف کر دو۔ میرا کوئی
قصور نہیں۔ اس لڑکی نے جو انگوٹھی پہن رکھی ہے
وہ شیش ناگ کے عظیم خزانے سے چرائی گئی ہے
میں اس کا بدلہ لے رہا تھا۔"

"شیش ناگ کا خزانہ؟ وہ کہاں ہے یہاں؟"

اژدہا نے کہا:

"یہاں سے شمال کی طرف جنگل میں ایک کھنڈر ہے
اس کھنڈر میں شیش ناگ کا خزانہ دفن ہے۔ اس
لڑکی کی خالہ کو خزانے کھودنے کا شوق ہے اس

نے خزانہ کھودا۔ شیش ناگ نے اسے ڈس دیا
مگر وہ یہ انگوٹھی نکالنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔
اب میں اس لڑکی سے شیش ناگ کا خزانہ کھودنے کا
بدلہ لینا چاہتا تھا۔"

ناگ بولا:

"اب تم واپس اپنی جگہ پر چلے جاؤ۔ میں تمہیں
معاف کرتا ہوں۔"

اژدہا ناگ کا شکریہ ادا کر کے واپس اپنے کمرے میں چلا
گیا اور پولیس نے جلدی سے اس کے دروازے پر جالی
چڑھا دی۔

لوگوں نے ناگ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی تعریف کرنے
لگے۔ ناگ نے پوچھا کہ لڑکی کہاں ہے؟ اسے بتایا گیا کہ اسے
ہسپتال لے جایا گیا ہے۔

"کون سے ہسپتال؟"

یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ بہرحال ناگ کسی نہ کسی طرح
پتہ کر کے ہسپتال پہنچ گیا۔ وہاں لڑکی کی ماں بھی موجود تھی۔
اس نے ناگ کا شکریہ ادا کیا۔ ناگ نے اس سے لڑکی
کی خالہ کا نام پوچھا۔ معلوم ہوا کہ وہ مارتھا نہیں تھی جو
عنبر کو اغوا کر کے لندن آ گئی تھی۔ وہ کوئی دوسری عورت

تھی۔ ناگ نے لڑکی کی ماں سے مارتھا کے بارے میں سوال کیا تو وہ کوئی جواب نہ دے سکی، کہنے لگی :

"یہاں لندن میں کئی ایسی عورتیں اور مرد ہیں جو فرصت کے وقت کھنڈروں میں جا کر خفیہ خزانے تلاش کر کے قسمت آزماتے ہیں۔"

ناگ ناامید ہو کر واپس اپنے ہوٹل آ گیا۔

اب ذرا اس انگریز عورت مارتھا کی بھی سنیں کہ جو لاہور سے عنبر کو اغوا کر کے لندن سے آئی تھی۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ عنبر سبز کلغی والے سانپ کی شکل اختیار کر چکا ہے اور زمانہ قبل از تاریخ کے سبز اژدہا نے کہا تھا کہ عنبر اسی صورت میں دوبارا انسانی شکل میں آئے گا۔ جب کسی چوکور نیلی آنکھوں والی خلائی لڑکی کے سنہری بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر اس کے گلے میں ڈال جائے گی اور اسے سات روز تک کسی پرانی قبر میں رکھا جائے گا۔ مکار عورت مارتھا کو اس کی خبر نہیں تھی۔ اس کو خزانوں کی تلاش کا شوق تھا۔ وہ یہ سمجھ کر عنبر کو اغوا کر کے لے آئی تھی کہ یہ سبز کلغی والا انوکھا سانپ ہے۔ ہو سکتا ہے خزانے کی تلاش میں اس کی مدد کرے اور خزانے پر بیٹھے ہوئے سانپ کو ہلاک کر دے۔ وہ لندن سے بیس میل دور دریا کے

کنارے جنگل میں ایک مکان میں اکیلی رہتی تھی۔ اس نے عنبر کو ایک جالی دار صندوقچی میں بند کر رکھا تھا۔ عنبر پر ابھی تک بے ہوشی کی دوا کا اثر تھا۔ جب اسے ہوش آیا تو مکار عورت نے دوبارا اس کو مارفیئے کا ہلکا سا ٹیکا لگا دیا۔ وہ اسے نیم بے ہوشی کی حالت میں رکھنا چاہتی تھی۔ کیوں کہ اس نے سانپوں اور خزانوں کی کتاب میں پڑھ رکھا تھا کہ اگر کسی انوکھے سانپ کو ہلکی ہلکی بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ دیا جائے تو وہ سیدھا اس جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں زمین کے اندر کوئی قیمتی خزانہ دفن ہو۔

وہ عورت ٹیکہ لگانے کے بعد عنبر کو لے کر جنگل میں آ گئی۔ یہاں ایک کھنڈر کے پاس اس نے عنبر کو چھوڑ دیا۔ عنبر پر ہلکی ہلکی بے ہوشی تھی۔ اس کا دماغ ٹھیک طرح سے کام نہیں کر رہا تھا۔ اسے دوسرے سانپوں کی بو آئی جو زمین کے اندر ایک خزانے پر پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر غنودگی کی حالت میں اس طرف رینگنے لگا۔ عورت اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ عنبر ایک جگہ کھنڈر میں اینٹ پتھروں کے ڈھیر کے پاس آ کر رک گیا۔ عورت سمجھ گئی کہ اسی جگہ خزانہ دفن ہے۔ اس نے عنبر کو صندوقچی میں ڈالا اور چھوٹی کدال سے پتھر ہٹا کر زمین کھودنے لگی۔

کوئی گھنٹہ بھر کی سخت محنت کے بعد زمین کے اندر
اسے ایک کانسی کا مرتبان دکھائی دیا۔
لالچی عورت بہت خوش ہوئی۔ اس نے کدال کی مدد
سے مرتبان کا ڈھکن اُٹھایا ہی تھا کہ ایک زبردست پھنکار
کے ساتھ تین سیاہ کالے سانپ مرتبان سے باہر نکل آئے
عورت نے جلدی سے عنبر کو ان کے آگے پھینک دیا۔ ان
سانپوں کو عنبر کے جسم میں سے عظیم ناگ دیوتا کی ہلکی ہلکی
بُو محسوس ہوئی تو وہ ایک دم وہیں رُک گئے اور اپنے اپنے
پھن سکیڑ کر گردنیں جھکا لیں۔ عنبر چونکہ سانپ کی شکل میں
تھا اس لیے وہ بڑی آسانی سے سانپ کی زبان میں
بات کر سکتا تھا۔
اُس نے پوچھا:
"یہ عورت کون ہے اور تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"
ایک کالے سانپ نے کہا:
"یہ عورت خزانے کی تلاش میں آئی ہے اور ہم
اس خزانے پر پہرہ دے رہے ہیں جو زمین کی
امانت ہے۔ مگر جناب آپ کے جسم سے عظیم ناگ
کی بُو کیسے آ رہی ہے؟"
عنبر بولا:

"عظیم ناگ میرا دوست ہے اور ہم اکٹھے ہزاروں
سال کا سفر کر رہے ہیں۔"
دوسرا سانپ بولا:
"یہ عورت آپ کو کہاں سے لے کر آئی ہے؟"
عنبر نے کہا:
"یہ لمبی کہانی ہے۔ بہرحال اس نے مجھے نیم
بے ہوش کر کے قید میں ڈال رکھا ہے۔"
سانپ نے کہا:
"اگر آپ حکم دیں تو ہم ابھی اس عورت کا کام
تمام کر دیں۔"
عنبر بولا:
"اگر یہ عورت مر گئی تو میں اتنے بڑے شہر میں
اکیلا رہ جاؤں گا اور خدا جانے پھر میرا کیا حشر ہو
کیوں کہ میں ایک بددعا کی وجہ سے انسان سے
سانپ بنا دیا گیا ہوں۔"
چاروں کالے ناگ حیران ہو کر عنبر کو دیکھنے لگے انہوں
نے کہا کہ جیسے آپ کا حکم ہو گا۔ ہم اسی طرح کریں گے۔
"مگر اس عورت کو خزانہ نہیں لینے دیں گے۔"
عنبر نے کہا:

"یہ تمہارا کام ہے تم جانو۔"

عنبر کا خیال تھا کہ سانپوں کو دیکھ کر وہ عورت ڈر جائے گی اور خزانے چرانے کا خیال دل سے نکال دے گی۔ مگر وہ ایک انتہائی لالچی عورت تھی اور خزانے کی تلاش میں اس نے عنبر کو بے ہوش کر کے اغوا کیا تھا۔ اور خزانے کی خاطر ہی وہ وہاں آئی تھی۔ اب خزانے سے بھرا ہوا کانسی کا مرتبان اس سے دو فٹ کے فاصلے پر زمین میں پڑا تھا۔ وہ بھلا اسے کیسے چھوڑ کر جا سکتی تھی۔ اس نے عنبر کو اس لیے وہاں پھینکا تھا کہ اسے دیکھ کر چاروں سانپ بھاگ جائیں گے مگر وہ وہیں اپنی جگہوں پر موجود تھے اور عنبر رینگتا ہوا واپس آ رہا تھا۔ مارتھا کو سخت غصہ آیا۔ اس نے اپنے پرس میں سے چھوٹا سا ریوالور نکالا اور چاروں سانپوں پر فائرنگ شروع کر دی۔ دو گولیوں سے دو سانپ وہیں مر گئے۔ ایک بھاگ گیا۔ چوتھے سانپ نے دل ہلا دینے والی پھنکار ماری اور اچھل کر عورت کی گردن پر ڈس دیا۔ عورت چیخ مار کر بھاگی مگر سانپ نے اس کی گردن پر ایک بار پھر ڈس دیا اور نیچے اتر آیا۔ کیوں کہ اب لالچی عورت کا جسم گرنے لگا تھا۔ اس کے منہ سے جھاگ بہہ رہی تھی۔ وہ دھڑام سے

زمین پر گری اور اس کے سارے بدن پر کالے سیاہ آبلے پڑ گئے۔ وہ مر چکی تھی۔

سانپ نے کہا:

"جناب! اس نے میرے دو بھائیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا تھا۔"

عنبر نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ مگر میرے لیے تم نے مشکل پیدا کر دی ہے۔ اب میں اکیلا واپس شہر نہیں جا سکتا۔ اگر میں مر نہیں سکتا مگر کسی دوسرے شخص کے ہاتھ آ سکتا ہوں اور خدا جانے وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے اور مجھے یہاں سے کہاں اور کس جگہ لے جائے۔"

سانپ نے کہا:

"آپ ہمارے ساتھ یہاں کیوں نہیں رہتے؟"

عنبر بولا:

"مجھے اپنے دوست عظیم ناگ دیوتا کی بھی تلاش ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ میرا سراغ لگاتا اس شہر میں بھی ضرور آئے گا۔ اس لیے میں شہر میں رہنا چاہتا ہوں۔"

سانپ نے کہا:

"لیکن آپ اتنے بڑے شہر میں اکیلے کہاں رہیں گے؟"

عنبر کہنے لگا:

"دیکھا جائے گا، لیکن میں اس گڑھے کے اندر نہیں رہ سکتا۔ خدا حافظ!"

اور عنبر وہاں سے رینگتا ہوا شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ سڑک کے پاس آ کر عنبر نے جھاڑیوں میں سے سر باہر نکال کر دیکھا۔ ایک دو منزلہ سرخ بس بڑی تیزی سے گزر گئی۔ وہ شہر جا رہی تھی۔ عنبر بھی سڑک کے کنارے کنارے شہر کی طرف چل پڑا۔ اس کا سفر بڑا خطرناک تھا۔ وہ کسی کے بھی ہتھے چڑھ سکتا تھا جو اس کے لیے پریشانی پیدا کر سکتا تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا عنبر کو دھڑکا لگا تھا۔ سڑک کنارے جھاڑیوں میں ایک آدمی جالی دار ڈول کی مدد سے تتلیاں پکڑ رہا تھا۔ اس نے جو ایک سبز سانپ کو دیکھا تو پہلے تو اس پر پتھر مارے اور پھر اس پر جالی پھینک کر قابو میں کرنے کی کوشش کی عنبر کی طاقت اس کے جسم میں ابھی باقی تھی۔ اس نے ایک ہی جھٹکے سے جالی توڑ ڈالی اور آزاد ہو گیا اور اتنے زور سے پھنکار ماری کہ وہ آدمی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔

عنبر نے اپنی زبان میں کہا:

"حرام خور! اب کیوں ایسے بھاگ اٹھے ہو جیسے گدھے کے سر سے سینگ؟"

عنبر نے پھر شہر کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک ویگن سڑک کنارے کھڑی ہے اور اس میں سبزیاں اور ٹماٹر لادے جا رہے ہیں۔ فوراً سمجھ گیا کہ یہ سبزیاں شہر جا رہی ہیں۔ بس پھر کیا تھا۔ عنبر رینگتا ہوا پیچھے سے آیا اور ویگن میں چڑھ کر ٹماٹروں کے بکسوں کے پیچھے چھپ گیا۔ ویگن جب سبزی سے بھر گئی تو ڈرائیور نے اسے سٹارٹ کیا اور شہر کی طرف بڑھا۔

اصل میں یہ ویگن ان ہوٹل والوں کی تھی جہاں ناگ کمرہ لے کر ٹھہرا ہوا تھا اور ہوٹل کے لیے تازہ سبزی لے کر جا رہی تھی۔ عنبر کو یہ نہیں معلوم تھا۔ ویگن شہر میں آ کر دو چار سڑکیں گھومنے کے بعد ہوٹل کے پچھلے دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ عنبر گاڑی کے رکتے ہی بکسوں کے پیچھے سے نکلا اور بڑی تیزی سے رینگتا ہوا ہوٹل کے پچھلے دروازے سے گزر کر ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ یہاں سے سامان وغیرہ لفٹ میں رکھ کر ہوٹل کے بڑے

پکھن میں جاتا تھا عنبر بھی لفٹ کے ذریعے اوپر جا پہنچا۔
ناگ اپنے کمرے میں ٹی وی لگائے بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ ٹی وی پر دکھایا جا رہا تھا کہ جنگل میں ایک عورت کو جو خزانے کی تلاش میں آئی تھی سانپ نے ڈس لیا اور وہ مر گئی۔ جب اس عورت کی لاش دکھائی گئی تو ناگ حیرت سے اچھل پڑا۔ اس نے مارتھا کو فوراً پہچان لیا۔ اسی عورت نے عنبر کو بے ہوش کر کے اغوا کیا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ عنبر اس کے پاس ہو گا۔ ناگ نے سوچا کہ اس عورت کے گھر کا ایڈریس معلوم کر کے وہاں جائے اور عنبر کو تلاش کرنے کی کوشش کرے۔

ناگ نے ٹی وی بند کیا اور کوٹ پہن کر اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ باہر آتے ہی وہ ایک دم سے ٹھٹھک کر وہیں رُک گیا۔ یہ کیا؟ اسے عنبر کی ہلکی ہلکی بو آ رہی تھی۔ وہ اس بُو کے تعاقب میں چلا۔ وہ سیڑھیاں اترنے لگا۔ بُو تیز ہو رہی تھی۔ اس نے سانپ کی خاموش آواز میں عنبر کو پکارا:
عنبر کو بھی ناگ کی بُو آنے لگی تھی۔ اب اس کے جسم کے ساتھ ناگ کی آواز کی لہریں ٹکرائیں تو وہ ہوشیار ہو گیا۔

اس نے بھی خاموش آوازیں ناگ کو آواز دی۔ اب کی بار آواز کی خاموش لہریں ناگ کے جسم سے ٹکرائیں۔
"تم کہاں ہو؟" عنبر نے پوچھا تھا۔
"تم کس جگہ پر ہو؟" ناگ نے سوال کیا۔
"میں لفٹ کے اندر چھپا ہوا ہوں۔"
"میں آ رہا ہوں۔"
ناگ بڑی تیزی سے سیڑھیاں پھلانگتا دوسری منزل پر آیا۔ اس نے دیکھا کہ لفٹ کا دروازہ بند تھا۔ باہر کوئی آدمی نہیں تھا اور عنبر کی بڑی تیز بُو اندر سے آ رہی تھی۔
ناگ نے کہا:
"تم اندر ہو عنبر؟"
"ہاں۔ خدا کے لیے جلدی آؤ۔ میں اندر تو آ گیا ہوں آپ باہر نہیں نکل سکتا۔"
ناگ نے بٹن دبایا۔ لفٹ کا دروازہ کھل گیا۔ اس نے دیکھا کہ عنبر سبز کلغی والے سانپ کی شکل میں لفٹ کے فرش پر کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ دونوں دوست ایک دوسرے کو دیکھ کر خوشی سے نہال ہو گئے۔ ناگ نے عنبر کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور بولا:
"عنبر! میں نے تمہاری تلاش میں لندن کی خاک چھان

ماری ہے۔"

عنبر بولا:

"میں نے بھی بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں ناگ! خدا جانے میں کب انسانی شکل میں واپس آؤں گا اور مجھے کب اس مصیبت سے نجات ملے گی۔"

ناگ کہنے لگا:

"اسی مقصد کے لیے تو میں کوشش کر رہا ہوں۔"

ناگ عنبر کو اپنے کمرے میں لے گیا۔ اسے گرم گرم دودھ پلایا اور ساری کہانی بیان کی کہ سگار کے دھوئیں سے بے ہوش ہونے کے بعد اس پر کیا بیتی۔ عنبر نے بھی اپنی ساری داستان کا ایک ایک لفظ سنا ڈالا۔

ناگ نے کہا:

"اب ہمیں واپس لاہور جانا ہو گا۔"

عنبر نے کہا:

"لاہور جا کر کیا کریں گے؟"

ناگ بولا:

"میرا خیال ہے کہ امجد کے پاس جو جادو کی انگوٹھی ہے ہو سکتا ہے وہ ہماری کچھ مدد کر سکے۔"

"وہ ہماری کیا مدد کرے گی ناگ؟" عنبر نے پوچھا۔

ناگ بولا:

"میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لیکن میرا دل کہتا ہے کہ وہ انگوٹھی ہماری مدد کر سکتی ہے۔ ہم کل ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔"

ادھر ناگ اور عنبر لاہور واپس جانے کی تیاریاں کر رہے تھے اور ادھر امجد کے ساتھ اس کی زندگی کا سب سے زیادہ حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ ایک روز رات کو امجد اپنے کمرے میں بیٹھا ٹیلی ویژن کے ایک خاص پروگرام کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ ایک سائنس فکشن فلم تھی جس میں خلائی مخلوق کی آپس میں جنگ دکھائی جانے والی تھی۔ امجد کو کئی دنوں سے اس فلم کا انتظار تھا کیوں کہ ٹی وی پر ہفتے بھر سے اس کی پبلسٹی ہو رہی تھی اس روز اتفاق سے وہ گھر میں اکیلا تھا۔ سب گھر والے شادی پر گئے ہوئے تھے۔ امجد صرف اس فلم کی وجہ سے ان کے ساتھ نہیں گیا تھا۔

رات کے ٹھیک سوا دس بجے ٹی وی پر فلم شروع ہو گئی۔ امجد ٹی وی کے سامنے آرام کرسی پر بیٹھ گیا اور مزے لے کر فلم دیکھنے لگا۔ اس نے گھر کے سارے دروازے بند کر رکھے تھے۔ فلم میں پہلے تو اپنی زمین دکھائی گئی۔ ایک سائنس دان خلا میں کسی سیارے پر جانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ پھر وہ

شیشے کی ایک ٹیوب میں کھڑا ہو جاتا ہے اور بٹن دبنے سے غائب ہو کر دُور آسمانوں میں ایک اجنبی سیارے کی زمین پر آتا ہے۔ اچانک اسے خلائی مخلوق گھیر لیتی ہے۔ امجد نے دیکھا کہ اس خلائی مخلوق کے قد کاٹھ اور شکلیں زمین کے انسانوں سے ہوبہو ملتی جلتی تھیں۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس مخلوق کی آنکھیں چوکور تھیں۔ یہ بات امجد کو بڑی انوکھی لگی اور وہ فلم دیکھنے میں محو ہو گیا۔

کہانی آگے بڑھتی گئی۔ سائنس دان کو چوکور آنکھوں والی مخلوق کی قید میں ڈال دیا گیا۔ پھر ایک چوکور آنکھوں والے شیطان نما آدمی کی شکل ٹی وی کی سکرین سے باہر نکلتی محسوس ہونے لگیں۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ کس قسم کا فلمی آدمی ہے کہ ٹی وی میں سے اس کی طرف ہی دیکھے جا رہا ہے۔ ٹی وی پر فلم جیسے رُک گئی تھی اور وہ خوف ناک چہرے اور چوکور آنکھوں والا آدمی امجد کو گھورے جا رہا تھا۔

امجد پریشان سا ہو گیا۔ پھر اسے یوں لگا جیسے وہ آدمی ٹی وی سکرین سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ امجد نے صاف دیکھا کہ اس کا ایک ہاتھ ٹی وی سے باہر آ گیا تھا اور اس نے ٹی وی کے پاس رکھے ہوئے لیمپ کے سٹینڈ کو پکڑ لیا تھا اور باہر نکلنے کے لیے زور لگا رہا تھا۔

امجد ڈر کر کرسی پر سے اٹھا کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

اچانک امجد کے کانوں میں کسی لڑکی کی آواز آئی:

"امجد! میز کا دراز کھولو۔ جلدی کرو۔"

امجد پریشان ضرور ہوا لیکن چونکہ وہ ایک بار عنبر ناگ ماریا کی پُراسرار سنسنی خیز دنیا کی سیر کر آیا تھا اس لیے اتنا بھی پریشان نہ ہوا اور اپنے ہوش و حواس میں رہا۔ اس نے جھٹ میز کی دراز کھول دی۔ میز کی دراز میں اس نے دیکھا کہ اس کی وہ صندوقچی کھلی ہے جس میں ماریا کی دی ہوئی نیلے پتھر کی انگوٹھی تھی اور اس انگوٹھی میں ایک چھوٹی سی چھنگلی کے برابر ایک سنہری بالوں والی لڑکی کھڑی اسے ہاتھ کے اشارے سے اپنی طرف بلا رہی ہے۔ امجد اتنی چھوٹی سی لڑکی کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ جادوئی انگوٹھی کا کرشمہ ہے۔ امجد نے قریب جا کر لڑکی کو گھور کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کی آنکھیں بھی اسی طرح چوکور ہیں جس طرح کہ ٹی وی پر دکھائی جانے والی فلم میں خلائی مخلوق کی ہیں۔

یہ خلائی لڑکی کیٹی تھی جس کے متعلق خلائی مخلوق کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ اسی کمرے میں ہے اور وہ مخلوق فلم کی آڑ میں وہاں کیٹی کو ہلاک کرنے آ رہی تھی۔

کیتھی نے کہا :

"جلدی سے ٹی وی بند کر دو۔ جلدی کرو۔"

امجد نے ٹی وی سکرین کی طرف دیکھا تو خوف کے مارے زرد ہو گیا۔ کیوں کہ چوکور آنکھوں والا شیطان نما آدمی سکرین سے آدھا باہر نکل چکا تھا۔ کیتھی دراز سے نکل کر میز پر آئی تو خلائی شیطان کی شکل دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔ خلائی شیطان نے گرج دار آواز نکالی اور ٹی وی کی سکرین سے باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ امجد نے ٹی وی کا سوئچ آف کر دیا۔ ٹی وی بند ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی ایک دردناک چیخ مار کر خلائی شیطان دوبارہ ٹی وی سکرین کے اندر چلا گیا اور غائب ہو گیا۔

امجد کی جان میں جان آئی۔ اس نے میز کی طرف نگاہ ڈالی۔ کیا دیکھتا ہے کہ چوکور آنکھوں والی لڑکی کا قد بڑا ہوتا جا رہا ہے۔ امجد کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کا قد پوری جوان لڑکی جتنا ہو گیا اور وہ میز پر سے چھلانگ لگا کر نیچے آ گئی۔ اس نے پرانے زمانے کی عرب عورتوں ایسے کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس نے امجد کے پاس آ کر امجد سے ہاتھ ملایا اور کہا :

"تم مجھے نہیں جانتے۔ مگر میں تمہیں جانتی ہوں۔ میں

ماریا کی سہیلی ہوں اور میرا نام کیتھی ہے۔ میرا تعلق ایک خلائی سیارے سے ہے جہاں کی یہ مخلوق تھی جس کی فلم تم ٹیلی ویژن پر دیکھ رہے تھے۔ میں نے ان کی حکومت کے ظلم کے خلاف بغاوت کی تو یہ مجھے دنیا میں ہلاک کرنے آئے۔ ماریا نے مجھے بچا لیا اور پھر میں ماریا کے ساتھ ہی پرانے زمانے میں نکل گئی۔۔۔۔"

اس کے بعد خلائی لڑکی کیتھی نے سارے واقعات امجد کو سنا ڈالے۔ جب امجد کو پتہ چلا کہ عنبر کو دوبارہ انسانی شکل میں لانے کے لیے کیتھی کے بالوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے تو وہ بھی اور کیتھی کو بھی دکھ ہوا کہ ناگ اور امجد اس وقت وہاں نہیں تھے اور لندن میں تھے۔

کیتھی نے کہا :

"ہم ان کا انتظار کریں گے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ ناگ یہاں تمہارے پاس واپس آئے گا؟"

"ہاں" امجد نے کہا : "وہ کہہ کر گیا تھا کہ واپس ضرور آؤں گا۔"

"میں ان کا انتظار کروں گی۔"

پھر کچھ سوچ کر بولی :

"مگر میں تمہارے پاس نہیں رہ سکتی۔ تمہارے گھر والے کیا سوچیں گے کہ میں کون ہوں اور یہاں کیسے آ گئی اور پھر میری چوکور آنکھیں دیکھ کر وہ ڈر جائیں گے۔"

امجد نے کہا:

"میں انہیں کہہ دوں گا کہ انکل ناگ کی بہن ان سے ملنے آئی ہے۔"

کیٹی کہنے لگی:

"لیکن میری آنکھیں چوکور ہیں۔ وہ کیا سمجھیں گے کہ میں ناگ کی کیسی بہن ہوں۔ کہیں وہ مجھے چڑیل نہ سمجھ بیٹھیں۔"

امجد ہنس کر بولا:

"ایسی کوئی بات نہیں۔ ہمارے گھر میں عنبر ناگ ماریا کا ہی ماحول بن چکا ہے۔ یہاں کوئی حیران نہیں ہوگا۔"

کیٹی نے کہا:

"نہیں۔ میں اسے مناسب نہیں سمجھتی۔ میں کسی ہوٹل میں جا کر ٹھہر جاؤں گی۔"

امجد بولا:

"مگر تمہارے پاس تو پاکستانی کرنسی بھی نہیں ہے اور ہوٹل بڑے مہنگے ہیں یہاں کے۔"

کیٹی مسکرائی:

"میں خلائی مخلوق ہوں میرے لیے کسی ملک کی کرنسی پیدا کرنا کوئی مشکل بات نہیں۔ ہاں البتہ میرا عربی لباس جو کہ تین ہزار سال پرانا ہے دیکھ کر لوگ ضرور حیران ہوں گے۔ کیا تم مجھے اپنی بہن کا کوئی سوٹ دے سکتے ہو؟"

"کیوں نہیں۔"

امجد نے کہا اور وہ دوسرے کمرے میں جا کر اپنی بڑی بہن کا ایک ریشمی سوٹ لے آیا۔ ساتھ دوپٹہ بھی تھا۔ کیٹی نے دوسرے کمرے میں جا کر کپڑے بدل لیے جب وہ امجد کے سامنے آئی تو امجد خوش ہو کر بولا:

"تم بالکل مجھے اپنی بہن لگ رہی ہو۔ مگر ایک سب سے ضروری اور خطرناک بات تو تم بھول ہی گئی۔"

"وہ کیا؟" کیٹی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا:

امجد نے کہا:

"تمہیں اپنی چوکور آنکھوں کو چھپانے کے لیے ایک سیاہ چشمے یعنی عینک کی ضرورت ہے۔"

"ارے ہاں" کیٹی نے کہا: "لیکن سیاہ چشمہ مجھے کہاں
سے ملے گا؟"
امجد بولا:
"وہ میرے پاس ہے۔ اگرچہ اتنا قیمتی نہیں ہے۔ مگر
میں خوشی سے پیش کرتا ہوں۔"
امجد نے میز کی دراز میں سے اپنا سیاہ چشمہ نکال کر کیٹی
کو دے دیا۔ وہ اٹھی اور بولی:
"اب میں جاتی ہوں۔"
"مگر اتنی رات گئے تم کہاں ہوٹل تلاش کرتی پھرو
گی۔ کیوں نہ آج کی رات یہیں رہ لو۔"
"نہیں امجد" کیٹی بولی: "یہ مناسب بات نہیں ہے۔
میں ہوٹل تلاش کر لوں گی اور کل تمہیں ملنے آؤں
گی۔ پھر تم بے شک کہہ دینا کہ میں ناگ کی بہن
ہوں۔ اچھا خدا حافظ!"
کیٹی امجد کے کمرے سے نکل گئی۔ جاتے جاتے وہ
امجد کو خاص طور پر تاکید کرتی گئی کہ جب تک ٹی وی پر
چوکور آنکھوں والی خلائی مخلوق کی فلم دکھائی جا رہی ہے وہ
ٹی وی آن نہ کرے۔ امجد کو سخت افسوس ہوا اور غصہ
بھی آیا کہ اس کی سائنس فکشن کی فلم خراب ہو گئی تھی۔ وہ

کتاب لے کر بستر پر لیٹ گیا اور پڑھنے لگا۔
خلائی لڑکی کیٹی کو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ لاہور شہر میں
ہے اور یہاں کسی لڑکی کا رات کے گیارہ بجے ریشمی سوٹ
پہن کر سیاہ چشمہ لگا کر اکیلی سڑک پر نکلنا بڑا خطرناک ہوتا ہے۔
اس کے پاس پاکستانی کرنسی کا ایک روپیہ بھی جیب میں نہیں تھا بلکہ
اس کی کوئی جیب ہی نہیں تھی۔ اس کے پاس پرس بھی نہیں تھا۔
وہ گارڈن ٹاؤن کی سنسان سڑکوں پر سے گزر رہی تھی۔ کوٹھیوں میں
روشنیاں ہو رہی تھیں مگر سڑک ویران تھی۔ وہ فیروز پور روڈ پر
آ گئی۔ یہاں ایک کار اچانک پیچھے سے آ کر اس کے پاس رک
گئی۔ اس میں سے چیچک کے داغ والے سانولے چہرے کے
ایک آدمی نے سر باہر نکال کر پوچھا:
"کہاں چلو گے جناب عالی؟"
کیٹی نے کہا:
"ہوٹل میں۔"
وہ آدمی خوش ہو کر بولا:
"تو آؤ سرکار بیٹھو۔ میں بھی ہوٹل میں ہی جا رہا ہوں۔"

○

کنوئیں کے جِنّ کا مذاق

کار ایک شاندار ہوٹل کے سامنے جاکر کھڑی ہوگئی۔
چیچک کے داغوں والا آدمی کیٹی کو لے کر ہوٹل کے
ایک کمرے میں آگیا۔ اس نے کہا:
"سرکار! عینک اتار کر ذرا اپنی حسین آنکھیں تو دکھاؤ"
کیٹی نے کہا:
"تم میری آنکھیں نہ دیکھ سکو گے۔ عینک لگی رہنے دو۔
یہ بتاؤ کہ میں اس ہوٹل میں الگ کمرہ لے کر کچھ
عرصہ رہنا چاہتی ہوں اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا
ہوگا؟"
چیچک کے داغوں والا آدمی کہنے لگا:
"اس کی کیا ضرورت ہے یہ کمرہ بھی تو تمہارا ہی ہے۔
چاہے ساری زندگی رہو"
پھر اس نے کیٹی کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ کیٹی نے
پرے ہٹ کر کہا:

"تہذیب کے دائرے میں رہ کر بات کرو"
اب اس آدمی کو غصہ آگیا۔
"کیا تہذیب کی رٹ لگا رکھی ہے تم نے۔ طوائف
ہوکر تہذیب کی باتیں کرتی ہو۔ تمہاری بھی کوئی
عزت ہے۔ تم دو ٹکے کی عورت ہو...."
خلائی لڑکی کیٹی کا خون کھول اٹھا۔ اس نے اسے سمجھ کیا
رکھا تھا۔ کیٹی نے اس بدمعاش کے منہ پر ایک ہلکا سا تھپڑ
مار دیا۔ کیٹی نے اگرچہ جان بوجھ کر ہلکا ہاتھ مارا تھا مگر وہ
آدمی تھپڑ کھا کر قلا بازیاں لگاتا ہوا دیوار کے ساتھ صوفے
سے جا ٹکرایا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے کیٹی کو تکنے لگا کہ
اس لڑکی میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی ہے۔
کیٹی نے قریب جا کر کہا:
"تم نے میری طاقت کا اندازہ لگا لیا ہوگا۔ اب
ایک اور کرشمہ دیکھو"
اور کیٹی نے اپنی آنکھوں پر سے عینک اتار دی۔ کیٹی
کی چوکور آنکھیں دیکھ کر وہ آدمی خوف کے مارے تھر تھر
کانپنے لگا۔ سمجھ گیا کہ آدھی رات کو اس کا کسی چڑیل سے
پالا پڑ گیا ہے۔ اس کے گلے سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔
وہ ہاتھ جوڑ کر لرزتی آواز میں بولا:

"چڑیل بہن! مجھے معاف کر دو۔ چڑیل بہن! مجھے
معاف۔ معاف۔ کر۔"
اور اس کے ساتھ ہی وہ چیخ مار کر دروازے میں سے
باہر دوڑ گیا۔ کیٹی نے سوچا کہ اس شخص کے شور مچانے
سے لوگ جمع ہو جائیں گے اور ہر کوئی اس کی چوکور آنکھیں
دیکھ کر اسے چڑیل ہی سمجھے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ
یہاں سے کسی دوسری جگہ چلا جائے۔ کیٹی نے عینک لگائی
اور کھڑکی کے پاس آ گئی۔ یہ کمرہ ہوٹل کی آٹھویں منزل پر
تھا۔ کیٹی نے کھڑکی میں سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ وہ
سلو موشن کی طرح آہستہ آہستہ ہوا میں اڑتی ہوئی بڑے
آرام کے ساتھ زمین پر آ گئی۔ سامنے نہانے والا تالاب
تھا اور اس کے پیچھے جھاڑیاں اور درخت تھے جہاں گہرا
اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ ان جھاڑیوں میں جا کر چھپ گئی۔
ہوٹل میں شور سا پڑا ہوا تھا کہ چڑیل آ گئی ہے لوگ
ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ کہیں سے پولیس کے دو چار
سپاہی بھی ادھر گشت کرتے ہوئے آ گئے۔ سب یہی کہہ
رہے تھے کہ چڑیل ایک خوب صورت جوان لڑکی کی شکل
میں ہے جس کی آنکھیں نیلی اور چوکور ہیں۔ کیٹی عجیب مصیبت
میں پھنس گئی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں کو کہاں چھپائے؟ اس کی

آنکھیں تو ہر کوئی دیکھ سکتا تھا۔ پولیس کہہ رہی تھی کہ وہ
کوئی دھوکے باز عورت ہے جو چوروں اور ٹھگوں کی ساتھی
ہے اور ہوٹل میں چوری کرنے آئی ہو گی۔ پولیس اسے تلاش
کرتی کرتی ہوٹل کے تالاب کی طرف آ گئی۔
کیٹی بڑی گھبرائی کہ اب کیا کرے۔ خواہ مخواہ اس کا راز کھل
جائے گا۔ پولیس اسے پکڑ لے گی اور وہ اپنی نیلی چوکور آنکھیں
نہ چھپا سکے گی۔ بعد میں چاہے وہ بے گناہ ثابت ہو مگر ایک
بار تو پولیس اسے حوالات میں لے جا کر بند کر دے گی۔ وہ
حوالات کے باہر بھی آ گئی تو لوگ اس کا جینا حرام کر دیں گے۔
سپاہی اب جھاڑیوں کی طرف آ رہے تھے۔ کیٹی وہاں
سے کھسک کر درختوں کی طرف چلی گئی۔ لوگ ٹارچ کی روشنی
ڈال کر اسے تلاش کر رہے تھے۔ کیٹی کو سخت غصہ آیا کہ
آخر ان لوگوں نے اسے کیا سمجھ رکھا ہے۔ کیا وہ چور ہے؟
ڈاکو ہے؟ چڑیل ہے؟ پھر اس کا پیچھا کیوں کر رہے ہیں۔
وہ درختوں سے بھی آگے نکل گئی۔ اندھیرے میں اسے
کسی نے نہ دیکھا۔ آگے ایک ہندو سکھوں کے زمانے کا
ایک اندھا کنواں آ گیا جس میں لوگ کوڑا کرکٹ پھینکا کرتے
تھے۔ کیٹی اس کنوئیں کے پاس آئی تو اندھیرے میں اسے
ایک انسان کا جسم کنوئیں میں سے اوپر کی طرف اُٹھتا نظر

آیا۔ وہ پیچھے ہٹ کر اس انسانی جسم کو دیکھنے لگی۔ یہ ایک اونچا لمبا مردانہ جسم تھا جس کی لمبی سیاہ ڈاڑھی تھی۔ یہ جسم بلند ہوتا گیا۔ بڑے سے بڑا ہوتا گیا۔ پھر اتنا بڑا ہو گیا کہ اس کا سر درختوں سے بھی اوپر چلا گیا۔ اس جناتی انسان نے جھک کر کیٹی کو دیکھا اور کہا:

"تمہارے پیچھے لگے ہیں وہ لوگ؟"

"ہاں۔"

"تمہیں تنگ کرتے ہیں؟"

"ہاں۔"

جناتی انسان نے کہا:

"تو پھر چٹکی بجا۔ چٹکی کیوں نہیں بجاتی۔"

یہ کہہ کر وہ جناتی انسان کنوئیں میں سمٹ کر غائب ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک طرف سے ٹارچ کی روشنی کنوئیں پر پڑی اور آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں۔

"وہ ضرور اس طرف گئی ہے۔ اسے پکڑ کر ہی دم لیں گے۔"

کیٹی کو بے حد غصہ آیا۔ دو آدمی جو آگے آگے تھے اندھیرے درختوں میں سے نکل کر آتے اور کیٹی پر ٹارچ کی روشنی پھینکی، وہ چیخ اُٹھے۔

"وہ دیکھو ڈاکو لڑکی۔ ہم نے پکڑ لیا ہے اسے آ جاؤ۔"

دوسرے لوگ یہ سن کر کنوئیں کی طرف بھاگے۔ کیٹی نے چٹکی بجائی۔ چٹکی کے بجتے ہی کیٹی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گئی۔ کیٹی نے ایک بار پھر چٹکی بجائی وہ چوکور نیلی آنکھوں والی سیاہ بلی بن گئی۔ اس نے اسے عورت سے بلی اور بلی سے پھر عورت بنتے دیکھا وہ تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ باقی انہیں بے ہوش ہوتا دیکھ کر بھاگ گئے صرف پولیس کے سپاہی ڈنڈے لیے آگے بڑھ رہے تھے۔ کیٹی نے چٹکی بجائی اور غائب ہو گئی۔

سپاہی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ایک عورت جس پر وہ ٹارچ کی روشنی ڈالے ہوئے تھے غائب ہو گئی تھی۔

ایک سپاہی بولا:

"ماجھے۔ تم نے دیکھا جو میں نے دیکھا؟"

دوسرا سپاہی بولا:

"ہاں ساجھے! میں نے دیکھا جو تم نے دیکھا۔"

"پھر کیا ارادہ ہے؟"

"بھاگ چلو۔"

"بسم اللہ کرو۔"
"پہلے تم۔"
"پہلے تم۔"

کیٹی نے دو مرتبہ چٹکی بجائی تو وہ ایک شیرنی بن گئی۔ سپاہیوں کی آنکھوں کے سامنے اب ایک سیاہ دھاریوں والی خون خوار شیرنی کھڑی تھی۔ شیرنی دھاڑی۔ سپاہی ڈنڈے اور ٹارچ وہیں چھوڑ کر اُٹھ دوڑے اور ایسے دوڑے کہ پیچھے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ کیٹی نے سپاہیوں کے رفوچکر ہوتے ہی دوبار چٹکی بجائی اور وہ پھر چوکور آنکھوں والی بلی بن گئی۔ کیٹی نے محسوس کیا کہ وہ خواہ کسی شکل میں ہو اندر سے وہ عورت ہی رہتی ہے اور عورت کی طرح سنتی دیکھتی اور محسوس کرتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ شیرنی بن کر بھی وہ چٹکی بجا سکتی تھی۔ بلی بن کر وہ قلانچیں بھرتی ہوٹل کے پچھواڑے سے نکل کر اپر مال کے پل پر آ گئی۔ پل کے نیچے سے چار بڑے بڑے آوارہ کتے بھونکتے شور مچاتے نکلے اور کیٹی پر حملہ کر دیا۔ کیٹی نے چٹکی بجائی اور شیرنی بن کر جو دھاڑ ماری اور پنجے سے ایک کتے کو اٹھا کر پٹخا تو باقی کتے دم دبا کر نو دو گیارہ ہو گئے۔ شیرنی کی دھاڑ سے اردگرد گھروں میں

سوئے ہوئے کچھ لوگ جاگ پڑے اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے:

"کیا اس نے شیر کی گرج سنی؟"

کیٹی شیرنی کی شکل میں اپر مال کے پل پر آگئی۔ وہ فٹ پاتھ پر بڑی شان سے چھاؤنی کی طرف جا رہی تھی کہ سامنے سے ایک کار آ گئی۔ کار کے ڈرائیور نے جو ایک شیرنی کو فٹ پاتھ پر مزے سے چہل قدمی کرتے دیکھا تو پہلے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ آنکھیں ملنے لگا۔ بریک لگا کر غور سے فٹ پاتھ کو دیکھا۔ شیرنی بھی کھڑی ہو گئی تھی اور اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ اس کی طرف بڑھی۔ کار والے نے ایک چیخ ماری اور کار بھگا کر لے گیا۔

کیٹی نے سوچا کہ یہ دل لگی اچھی نہیں۔ کہیں کوئی اسے گولی نہ مار دے۔ اگرچہ وہ خلائی لڑکی تھی اور دنیا کے کسی خنجر، کسی گولی سے نہیں مر سکتی تھی۔ پھر بھی وہ شہر میں افراتفری نہیں پھیلانا چاہتی تھی۔ اس نے تین بار چٹکی بجائی اور یہ محسوس کر کے حیران رہ گئی کہ وہ تھانیدار بن گئی ہے۔ اس نے تھانے داروں کی وردی پہن رکھی ہے سر پر پی کیپ ہے۔ کمر کے گرد پستول لگا ہے اور وہ

سکوٹر پر بیٹھی ہے اور اس کا رُخ شہر کی طرف ہے۔ وہ دل میں مسکرائی اور گھرر گھرر سکوٹر کو سٹارٹ کیا اور آدھی رات کو سنسان مال روڈ پر سکوٹر چلاتے اسی ہوٹل کے سامنے آگئی جہاں سے وہ ابھی ابھی بھاگی تھی۔ یہاں بہت لوگ جمع ہو گئے تھے، ہر کوئی انوکھی کہانی سنا رہا تھا۔

"چڑیل تھی۔ بلی بن گئی اچانک"

"اجی میں نے اپنی آنکھوں سے اسے شیرنی بنتے دیکھا ہے۔"

"اجی نہیں وہ کوئی چور ڈاکو ہو گا۔ بھیس بدل کر آیا ہو گا۔"

غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ پولیس کے کچھ اور سپاہی بھی گشت کرتے وہاں آ گئے تھے۔ ہوٹل کا منیجر لوگوں کو تسلیاں دے رہا تھا کہ یہاں کوئی چڑیل نہیں آئی آپ لوگ جا کر آرام کریں۔ مگر کوئی مسافر اپنے کمرے میں نہیں جا رہا تھا۔ ان میں وہ چیچک کے داغوں والا کالا آدمی بھی کھڑا تھا جس نے کیٹی کو ہوٹل میں لا کر تنگ کیا تھا اور جہاں سے یہ ساری بک بک شروع ہوئی تھی۔

لوگوں نے تھانیدار کو آتے دیکھا تو پرے پرے ہٹ

گئے۔ پولیس کے سپاہیوں نے کھٹا کھٹ سیلوٹ مارنے شروع کر دیئے۔ کیٹی نے تھانے داروں کی زبان میں پوچھا:

"کیا ہوا ہے اوئے بشیرے؟"

بشیرے نے سیلوٹ مار کر کہا:

"حضور! کوئی ڈکیٹی کی واردات کرنے عورت بن کر آ گیا تھا۔ یہ کہتے ہیں چڑیل تھی۔"

کیٹی نے کہا:

"اوئے چڑیل تھی کہ تیری ماں تھی اوئے؟ توں بتا اوئے نذیرے؟"

نذیرے نے بھی زبردست سیلوٹ مارا اور کہا:

"حضور! وہ چڑیل نہیں تھی سرکار۔ وہ تو ایک بلی تھی جی۔ مگر حضور اس کی آنکھیں چوکور تھیں۔"

کیٹی نے ڈانٹ کر کہا:

"اوئے حرامیا! چوکور آنکھیں بھی کبھی کسی بلی کی ہوئی ہیں؟"

چیچک کے داغوں والا آدمی آگے بڑھ کر بولا:

"حضور تھانیدار جی! میں نے اس چڑیل کو عورت کے روپ میں دیکھا ہے۔ اس کی آنکھیں چوکور تھیں سینما سکوپ آنکھیں۔"

کیپٹی نے کہا:

"اوئے کاکیے! تینوں کس نے بلایا ہے اوئے
توں کیوں بیچ میں بول اٹھا ہے اوئے؟"

"حضور! وہ چڑیل تھی۔ سینما سکوپ آنکھوں والی چڑیل۔"

کیپٹی نے چیچک کے داغ والے کو گردن سے پکڑ کر کہا:

"تم اسے ہوٹل میں کس لیے لاتے تھے اوئے گودیلے
دی اولاد؟"

وہ ہکلانے لگا:

"جی میں تو اسے سیر کرانے لایا تھا جی۔"

کیپٹی نے کڑک کر کہا:

"اوئے اوہ تیری مامی لگتی تھی جو اسے سیر کرانے
لایا تھا۔ دس اوئے بد دیا پترا؟"

وہ ہاتھ جوڑنے لگا:

"معاف کر دو تھانیدار جی! غلطی ہو گئی مائی باپ۔"

کیپٹی نے تھانے داروں ایسے رعب دار لہجے میں کہا:

"اوئے نذیریا!"

"جی حضور!" نذیرے سپاہی نے سیلوٹ مار کر کہا:

"اوئے اس کو لے جا کر حوالات میں بند کر دو اوئے۔"

"یس سر حضور!"

پھر چیچک والے آدمی کو گردن سے دبوچ کر نذیرا بولا:

"چل کہاں اوئے بد دیا پترا حوالاٹ میں، ہم سے
ملے تم سجن۔ تم سے ملے ہم حوالاٹ میں۔"

وہ اسے گھسیٹتا ہوا پولیس کی جیپ کی طرف لے گیا
کیپٹی نے لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا:

"اوئے تم یہاں مداری کا تماشہ دیکھنے جمع ہو گئے
ہو؟ چلو رن تھرو ہو جاؤ اوئے۔ ون ٹو تھری۔
ڈبل مارچ۔ چلو۔"

لوگ ادھر ادھر بھاگ گئے۔ ہوٹل کا مینجر بڑا دبلا پتلا
اچکن پوش نازک مزاج شاعر قسم کا آدمی تھا۔ منہ میں پان
دبا رکھا تھا۔ تھانیدار کیپٹی کے قریب آکر بولا:

"اجی تھانیدار صاحب! ان لوگوں کا تو دماغ خراب
ہو گیا ہے اللہ قسم۔ بھلا اس ایٹمی زمانے میں
بھی کبھی کوئی چڑیل ہوئی ہے۔"

کیپٹی نے مینجر کی طرف دیکھ کر پوچھا:

"آپ کون ہیں اوئے۔"

مینجر نے جھک کر تین بار آداب بجا لاتے ہوئے کہا:

"آداب! واللہ یہ خاکسار اس ہوٹل کا مینجر ہے۔"

تھانیدار کیپٹی نے کہا:

"ادئے توں خاکسار ایں ادئے۔ تیری وردی بیلچہ کہاں ہے؟"

مینجر مسکرایا:

"اجی حضرت میں وہ خاکسار نہیں ہوں۔ میں تو خط کے نیچے جو لکھا جاتا ہے نا وہ خاکسار ہوں۔ آیئے میرے دفتر میں تشریف لایئے ٹھنڈا چائے ہر چیز حاضر ہے۔"

کیپٹن نے کہا:

"چل اوئے۔ ہم کولا کوکا پیئں گے۔"

مینجر بولا:

"آپ کا مطلب غالباً کوکا کولا سے ہے۔"

کیپٹن نے ہاتھ جھٹک کر کہا:

"ہاں اوئے۔ یہی مطلب ہے۔ کوکا کولا دیا پترا۔ چل ہمیں کوکا کولا پلا کر ہمارے جگر میں ٹھنڈ پا۔ بڑی پیاس لگی ہے۔"

کیپٹن تھانے دار کی وردی اور اسی کے روپ میں ہوٹل کے مینجر کے چھوٹے سے دفتر میں آ گئے۔ ساتھ دو سپاہی بھی آ گئے۔

مینجر نے کہا:

"اجی حضرت! آپ لوگ باہر ذرا چل پھر کر سیر کریں۔"

کیپٹن نے کہا:

"نہیں اوئے! ہمارے ساتھ یہ بھی کولا کوکا پیئں گے۔"

مینجر نے ہکلا کر کہا:

"آپ کا مطلب ہے کوکا کولا۔"

"ہاں۔ ہاں یہی مطلب ہے۔"

مینجر نے گھنٹی بجا کر فوراً نوکر سے کہا:

"چھ کولا کوکا۔ اف۔ واللہ زبان غوطہ کھا گئی۔ چھ کوکا کولا لاؤ۔ جلدی۔"

نوکر چلا گیا تو مینجر نے کیپٹن سے کہا:

"حضور آپ کو وردی بہت اچھی لگتی ہے اللہ قسم! ماشا اللہ! ہمیں آپ ہی کی طرح کے تھانیداروں کی ضرورت ہے۔"

کیپٹن نے ڈنڈا میز پر رکھ کر ٹانگ دوسری کرسی پر پھیلاتے ہوئے کہا:

"اوئے بشیرے!"

"جی حضور!" بشیرے نے سیلوٹ مار کر کہا:

"اوئے ہماری ٹانگ کو گھٹ اوئے۔"

منیجر نے کہا :
"آپ کا مطلب ہے کہ ٹانگ دبا دے۔ واللہ کیسے
بے ساختہ اُردو بولتے ہیں تھانے دار صاحب
آپ بھی — یعنی گھٹ یعنی دبا دے۔ ارے بھئی
سبحان اللہ"۔

کیٹی نے ڈنڈا اُٹھا کر منیجر کے سر پر رکھتے ہوئے کہا :
"اوئے منیجرا۔ کیوں تم نے ٹر ٹر لگا رکھی ہے۔
تمہاری زبان قینچی کی طرح چلتی ہے اوئے۔ کہیں
تمہارا باپ درزی تو نہیں تھا؟"

منیجر نے سر ہلا کر کہا:
"نہیں حضور میرے والد صاحب درزی نہیں تھے"۔
"تو پھر کیا تھے اوئے"۔ کیٹی نے پوچھا۔
"جی وہ ٹیلر ماسٹر تھے"۔ منیجر نے فخر سے سر اٹھا کر کہا:
اتنے میں بیرا کوکا کولا لے آیا۔ وہ سب پینے لگے۔
سپاہیوں نے جلدی جلدی پینا شروع کیا کہ ایک ایک بوتل
اور مل جائے گی۔

کیٹی تھانیدار نے ڈانٹ کر کہا:
"اوئے ہولے ہولے پیو اوئے۔ مرے کیوں جاتے
ہو۔ ہوٹل میں کولے کوکے بہت پڑے ہیں"۔

منیجر نے فوراً زبان درست کی :
"آپ کا مطلب ہے کوکے کولے"۔
"ہاں اوئے کوکے کولے"۔ کیٹی نے کہا:
کوکا کولا پی کر کیٹی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اندر سے وہ عورت
ہی تھی مگر اوپر سے پورا مرد تھانے دار بنی ہوئی تھی۔
اس کی آواز بھی تھانے داروں ایسی تھی۔ زبان اور لہجہ
بھی وہی بن گیا تھا۔ وہ اپنی مردانہ آواز سن کر خود حیران
ہو رہی تھی۔ اس کو اٹھتے دیکھ کر سپاہی بھی اُٹھ کھڑے
ہوئے۔ کیٹی نے کہا:
"چلو اوئے گشت کرو۔ کیوں حرام دیاں کھانے پر
لک باندھا ہوا ہے تم نے۔ چلو"۔
"یس سر!"

اور دونوں سپاہی سیلوٹ مار کر باہر چلے گئے۔ اب کمرے
میں صرف کیٹی تھانے دار اور ہوٹل کا منیجر رہ گئے۔ کیٹی
تھانیدار نے منیجر کی طرف جھک کر اسے گھورتے ہوئے کہا:
"کیوں اوئے تم چڑیلوں کو نہیں مانتے؟"
منیجر نے کہا:
"اللہ قسم! یہ چڑیلیں اور جن بھوت تو نظر کا فریب
ہے حضور! وہم ہوتا ہے انسان کا۔ جی ہاں۔ کیا عرض

کروں۔ قبلہ والد صاحب کو ایک بار ایک چڑیل مل
گئی بس انہوں نے اسے ایسی پٹخنی دی کہ میری توبہ
میری توبہ کرتی بھاگ گئی۔ اڑنچھو ہو گئی۔"
کیٹی تھانے دار نے کہا:
"اوئے تمہارا باپ کوئی رستمِ ہند تھا؟"
مینجر نے کہا:
"حضور! بس ٹیلر ماسٹر تھے مگر کثرت کرتے تھے
اکھاڑے میں جا کر۔"
"تو پھر تم چڑیلوں کو نہیں مانتے؟"
"اجی توبہ کیجئے حضرت! بھلا آج کے زمانے میں
کبھی کوئی چڑیل بھی ہوئی ہے۔"
کیٹی نے چٹکی بجائی۔ وہ ایک دم تھانیدار سے بلی
بن گئی۔
مینجر نے چیخ مار کر کہا:
"بچاؤ — چڑیل — بلا!"
کیٹی نے ایک بار پھر چٹکی ماری اور دوبارا تھانے دار
بن گئی اور بولی:
"تمہارا باپ بلا — کہاں ہے بلا اوئے؟"
اب مینجر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور وہ دھڑام

سے نیچے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ کیٹی تھانے دار
نے مسکرا کر اسے سلام کیا اور کمرے سے باہر آگیا۔
باہر اب کوئی نہیں تھا۔ کیٹی تھانے داروں کی وردی
سے اب تنگ آ چکی تھی۔ وہ اندھیرے درختوں میں
آئی اور چٹکی بجائی۔ وہ بلی بن گئی۔ پھر چٹکی بجائی پھر
وہی تھانے دار بن گئی۔ پھر چٹکی بجائی اور بلی بن گئی۔
کیٹی پریشان ہو گئی۔ اس نے دو بار چٹکی بجائی تھانے دار
بن گئی۔ تین بار بجائی۔ بلی بن گئی۔ چار پانچ بار چٹکی بجائی
بلی سے پھر تھانے دار بن گئی۔ اُف میرے خدا! یہ
میرے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔ کیٹی نے کتنی بار چٹکی بجائی
وہ یا تو تھانیدار بن جاتی اور یا پھر بلی بن جاتی۔ وہ
اپنی اصلی عورت کی شکل میں یا کسی اور شکل میں واپس
نہیں آ رہی تھی۔
وہ اپنا سر پکڑ کر رہ گئی۔ یہ کیا ہو گیا؟ اب کیا
کروں گی میں۔ ناگ عنبر اور امجد کو کیا منہ دکھاؤں
گی۔ عنبر کو میرے سنہری بالوں کی لٹ کی ضرورت تھی
وہ کہاں سے لا کر دوں گی۔ آہ! میں نے کس قدر
غلطی کی جو اس جناتی انسان کی باتوں میں لگ کر چٹکی
بجانی شروع کر دی۔ اس نے سکوٹر وہیں چھوڑا اور ہوٹل

کے پیچھے تالاب کے قریب سے گزر کر اس پرانے
کنوئیں پر آ گئی۔ اس نے اونچی آواز میں کہا:

"اے جناتی انسان! مجھے پھر سے لڑکی کیٹی بنا
دے میں اب کبھی چٹکی نہیں بجاؤں گی۔"

وہ دیر تک وہاں کھڑی پکارتی رہی مگر نہ تو وہ
جناتی انسان دوبارا نمودار ہوا اور نہ اس کی باتوں کا کسی نے
جواب ہی دیا۔ اپنی حالت پر کیٹی کو رونا آگیا۔ وہ کس
مصیبت میں پھنس گئی تھی اس دنیا میں آکر ــــ اپنے
سیارے میں وہ کس مزے سے زندگی بسر کر رہی تھی۔ مگر
کہتے ہیں کہ قسمت میں جو لکھا ہوتا ہے وہ ہوکر رہتا ہے۔
کیٹی تھانے دار کی وردی میں ہی واپس آ گئی۔ اس
نے ایک نئی بات نوٹ کی تھی کہ اپنے کسی دوست کے
ساتھ بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ تھانے داروں ایسا
نہیں رہتا تھا۔ کنوئیں کا جن اس کا دوست تھا۔ اس کے
ساتھ کیٹی نے تھانے داروں کے لہجے میں بات نہیں کی
تھی۔ کیٹی تھانے دار کی وردی میں سر جھکائے خاموش
خاموش ہوٹل کے باہر آئی۔ سکوٹر لیا اور اس پر سوار ہوکر
ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہو گئی یا روانہ ہو گیا۔ سکوٹر
پر بیٹھی کیٹی سوچ رہی تھی کہ جناتی انسان نے اس کے

ساتھ کیا مذاق کیا ہے کہ وہ بلی اور تھانے دار کے درمیان
پھنس کر رہ گئی ہے۔ اب یا وہ تھانے دار بن سکتی ہے
اور یا بلی۔

دن نکل رہا تھا اور لوگ دفتر اور میوہ منڈی کو
جا رہے تھے۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ کیٹی کو خیال آیا کہ وہ
سیدھا امجد کے پاس جائے مگر یہ سوچ کر خیال بدل لیا کہ
وہ ابھی سو رہا ہو گا۔ وہ ریلوے سٹیشن کے سامنے سے
گزری تو دو سپاہی جو ایک خربوزے والے سے مفت
خربوزے لے کر کھا رہے تھے تھانے دار کو دیکھ کر خربوزے
وہیں رکھ دیئے اور اُٹھ کر کھڑے ہو کر سیلوٹ مارا۔ کیٹی
تھانے دار نے سکوٹر روک کر کہا:

"اوئے تم غریب غرباء سے خربوزوں کی سویرے
سویر رشوت لیتا ہے۔ اوئے شرم کرو۔ حلوہ کدو
کے پُتر دو۔"

کیٹی تھانے دار یہ کہہ کر آگے روانہ ہو گیا یا ہم کہہ
سکتے ہیں کہ ہو گئی۔ کیٹی کے تھانے دار بن جانے سے
ہم بھی عجیب اُلجھن میں پھنس گئے ہیں کہ اسے مرد لکھیں
کہ عورت۔ روانہ ہو گیا ہے لکھیں کہ روانہ ہو گئی ہے لکھیں۔
بہرحال آپ تو سمجھ ہی جائیں گے۔ لیکن ہم اتنا ضرور کرتے

ہیں کہ جب ہم کیٹی تھانے دار لکھیں گے تو اس کو
مرد کہہ کر بیان کریں گے اور جب صرف کیٹی لکھیں گے
تو اسے عورت ظاہر کریں گے۔

تھانے میں گیا تو اسے بتایا گیا کہ گارڈن ٹاؤن میں
چوری کی واردات ہو گئی ہے۔ کیٹی تھانے دار سکوٹر لے
کر سیدھا گارڈن ٹاؤن آ گیا۔ یہاں آ کر اسے پتہ چلا کہ
جس کوٹھی میں چوری ہوئی ہے وہ امجد کی کوٹھی کے بالکل
ساتھ والی کوٹھی ہے۔ امجد بھی وہاں کھڑا تھا۔ کیٹی تھانیدار
کو دیکھ کر وہاں جو سپاہی کھڑے تھے وہ اٹن شن ہو گئے۔
اس نے سکوٹر ایک طرف کھڑا کیا اور سپاہیوں کے پاس
آ کر بولا:

"کیوں اوئے چور کا سراغ ملا؟"

ایک سپاہی نے جلدی سے کہا:

"ابھی نہیں ملا شاہ جی۔"

کیٹی تھانے دار بولا:

"جب پُولس ہی چور ہو تو سراغ کہاں سے ملے
گا پُتر ا۔"

امجد بالکل سامنے کھڑا تھا مگر وہ کیٹی کو نہیں پہچان
رہا تھا۔ ایک تو کیٹی تھانے دار کی وردی میں تھی اور دوسرے

اس کی شکل ہی بدل چکی تھی۔ پھر بھلا وہ اسے کیسے پہچان
سکتا تھا۔ کیٹی تھانے دار نے اندر جا کر موقع واردات کا
معائنہ کیا کوٹھی کا مالک پریشان تھا، کہنے لگا:

"تھانے دار صاحب! چور نہ پکڑے گئے تو میں برباد
ہو جاؤں گا۔"

کیٹی تھانے دار نے کہا:

"میرے پاس صرف یہی پالے پرانے سپاہی ہیں۔
کوئی عنبر ناگ ماریا نہیں ہیں کہ چور کو سامنے لا کر
کھڑا کر دیں گے۔"

عنبر ناگ ماریا کا نام سن کر امجد چونک پڑا اور تھانیدار
کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا:

"سر! آپ بھی عنبر ناگ ماریا سیریز پڑھتے ہیں کیا؟"

کیٹی تھانے دار ہنسا:

"میں خود عنبر ناگ ماریا ہوں۔ مجھے پڑھنے کی
کیا ضرورت ہے۔"

امجد بولا:

"سر! میں سمجھا نہیں۔"

"اوئے تم سمجھ کے کیا کرو گے امجدے۔"

"سر آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہو گیا؟"

"ادئے امجدے! میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب تم آج سے تین ہزار سال پہلے یہودی شیخ ہامان کے باغ میں غلام تھے۔"

امجد اچھل کر پرے ہٹ گیا:

"آپ؟ آپ کون ہیں؟"

سپاہی نے امجد کو اور پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا:

"پرے ہٹ کے کھڑا ہو ادئے کاکا! جانتے ہیں کہ ہمارے شاہ صاحب ہیں؟"

کیٹی تھانے دار نے سپاہی کو ڈانٹ کر کہا:

"تمہیں کیا تکلیف ہے ادئے جیریا۔"

کیٹی تھانیدار نے امجد کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور اسے لوگوں سے ذرا پرے لے جا کر کہا:

"تم نے مجھے پہچانا نہیں ادئے امجدا؟"

امجد عجیب الجھن میں تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کہنے لگا:

"سر! آپ تھانے دار جی ہیں۔ میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

کیٹی کہنے لگی:

"تمہاری انگوٹھی کہاں ہے جس میں تمہاری دوست

خلائی لڑکی کیٹی بند ہے؟"

اب تو امجد کا مارے حیرانی کے بُرا حال ہو گیا۔ چونک کر بولا:

"سر! یہ آپ ــــ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

کیٹی نے مسکرا کر کہا:

"اس لیے کہ میں ہی تمہاری دوست خلائی لڑکی کیٹی ہوں۔"

امجد کو جیسے کسی نے بجلی کا جھٹکا دے دیا ہو۔ بٹر بٹر تھانیدار کا منہ تکنے لگا:

"امجد! میں ہی کیٹی ہوں۔ میرے ساتھ ایک حادثہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے میں تھانے دار بن گئی ہوں اور میری شکل اور آواز بدل گئی ہے۔"

کیٹی نے امجد کو ساری بات بیان کر دی۔

امجد نے سر تھام لیا:

"کیٹی بہن! یہ کیا ہو گیا۔ اب عنبر کو ہم کیسے پھر سے انسان کی شکل میں لائیں گے؟ اس کی گردن میں کس کی سنہری بالوں کی لٹ باندھیں گے۔"

کیٹی بولی:

"کنوئیں کے جن نے میرے ساتھ بھیانک مذاق کیا ہے امجد! اب میں یا تھانے دار ہوں یا چوکور آنکھوں والی بلی ہوں۔ لیکن میں کوشش کروں گی کہ پھر سے اپنی اصلی لڑکی کی شکل میں آ جاؤں، مجھے تھوڑی دیر بعد تمہاری طرف آنا تھا کہ اس چوری کی واردات کی خبر مل گئی اور میں پہلے ہی آ گیا۔"

کیٹی ہنس پڑی اور کہنے لگی:

"مجھے اپنے آپ کو مرد کہتے ہوئے شرم سی آ جاتی ہے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ میں اصل میں عورت ہوں۔ مرد نہیں ہوں۔"

اتنے میں ایک سپاہی نے آ کر کہا:

"حضور! چور کے پاؤں کے نشان مل گئے ہیں۔"

کیٹی تھانے دار نے جھنجھلا کر کہا:

"اوئے چور کی انگلیوں کے نشان تلاش کرو۔ چور نے پاؤں سے چوری نہیں کی تھی۔"

سپاہی بولا:

"جو حکم حضور! مگر چور کے پاؤں کے نشان شہر کی طرف جاتے ہیں۔"

"اوئے شہر کی طرف جائیں چاہے تھانے کی طرف جائیں اسے تلاش کرو۔" کیٹی تھانیدار نے کہا:

پھر اس نے امجد سے کہا کہ وہ بہت جلد اسے آ کر پھر ملے گی۔ ابھی وہ تھانے جا رہی ہے۔ وہ اپنے سکوٹر کے پاس گئی۔ اسے سٹارٹ کیا اور تھانے کی طرف روانہ ہو گئی۔

○

طیارے میں ناگ کی گرفتاری

ناگ اور عنبر لندن سے روانہ ہو گئے۔

عنبر سانپ کی شکل میں ناگ کے کوٹ کی اندرونی جیب میں تھا۔ کیوں کہ لندن میں سردی کا موسم شروع ہو گیا تھا۔ ناگ کے پاس پاسپورٹ نہیں تھا۔ اس نے وہی طریقہ اختیار کیا جو وہ شروع میں کرتا رہا تھا۔ وہ پرندہ بن کر جہاز میں سوار ہوا اور پھر ایک خالی سیٹ پر انسانی شکل میں آکر بیٹھ گیا۔ جہاز کراچی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب ایسا ہوا کہ جہاز کی جس سیٹ پر ناگ بیٹھا ہوا تھا اس سیٹ کا مسافر بھی وہاں عین جہاز اڑنے سے چند منٹ پہلے آ گیا۔ ائیر ہوسٹس مسافر کو لے کر اس سیٹ پر آ گئی جس پر ناگ بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر ناگ سے کہا کہ وہ اپنا سیٹ نمبر والا بورڈنگ کارڈ دکھائے۔ ناگ کے پاس بورڈنگ کارڈ کہاں تھا۔ بغلیں جھانکنے لگا۔ عنبر نے سانپ کی زبان میں کہا:

"بیٹا ناگ! اب کر لو جہاز کی سیریں۔ کیا جواب دو گے انہیں؟"

ناگ نے یونہی دو تین جیبیں تلاش کرنے کے بعد کہا:

"بورڈنگ کارڈ کا آدھا حصہ کہیں کھو گیا ہے۔"

ائر ہوسٹس بولی:

"جس سیٹ پر آپ بیٹھے ہیں وہ ان صاحب کی ہے۔ آپ سیٹ خالی کر دیں برائے مہربانی۔"

ناگ اٹھ کھڑا ہوا۔ مسافر اس کی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اب ناگ ائیر ہوسٹس کے لیے پرابلم بن گیا۔ اس نے کیپٹن سے جا کر بات کی کہ ایک مسافر ایسا جہاز میں سوار ہے جس کے پاس بورڈنگ کارڈ نہیں ہے اور جس کا نام بھی مسافروں کی فہرست میں نہیں ہے۔ کیپٹن پریشان ہو گیا کہ کہیں جہاز کو اغوا کرنے کی سازش نہ کی گئی ہو۔ اس نے کنٹرول ٹاور کو ریڈیو پر پیغام دیا کہ جہاز میں ایک گمنام پر اسرار مسافر سوار ہے۔ کیا کیا جائے۔ کنٹرول والوں نے کہا:

"اسے کسی طریقے سے گرفتار کر لو۔"

کیپٹن جہاز کو بلندی پر لے جانے کے بعد اُٹھ کر ناگ کے پاس آ گیا جو باتھ روم کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے ناگ سے پاسپورٹ طلب کیا۔ ناگ کے پاس پاسپورٹ بھی

نہیں تھا۔ اس نے جہاز کے عملے سے کہا کہ اس کو حراست
میں لے لیا جائے۔
ناگ نے کوئی اعتراض نہ کیا اور کہا:
"آپ مجھے بے شک حراست میں لے لیں۔ میں
آپ کا مقابلہ نہیں کروں گا۔ لیکن مجھے کراچی تک
لے جائیں۔"
"آپ ادھر جا کر تشریف رکھیں۔"
ناگ کو عملے کے آدمی باورچی خانے کے ساتھ والے چھوٹے
سے کیبن میں لے گئے اور اسے اندر بٹھا کر باہر سے دروازے
پر تالہ لگا دیا۔
عنبر نے کہا:
"اب کیا کرو گے؟"
ناگ بولا:
"عنبر بھیا! کرنا کیا ہے۔ بہت کچھ کر سکتا ہوں مگر
میں کراچی ضرور پہنچنا چاہتا ہوں۔"
"میرا خیال ہے جہاز راستے میں جہاں بھی رکا یہ
لوگ ہمیں وہاں اتار دیں گے۔"
اور ایسا ہی ہوا۔ جہاز دوبئی اُتر گیا۔ وہاں پہلے ہی ریڈیو
سگنل کر دیئے گئے تھے۔ دوبئی کی پولیس ائرپورٹ پر

موجود تھی۔
کیپٹن نے کیبن کا دروازہ کھول کر ناگ سے کہا:
"آپ کو یہاں اتر جانا ہوگا۔"
ناگ نے بہت کہا کہ اسے نہ اتارا جائے۔ وہ کسی
کو کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ اسے کراچی لے جایا جائے مگر کیپٹن
نہ مانا اور ناگ کو نیچے اترنے پر مجبور کرنے لگا۔
ناگ کو بڑا غصہ آ گیا۔ اس نے کہا:
"اچھا کیبن کا دروازہ ذرا بند کرو۔ میں کپڑے بدلنا
چاہتا ہوں۔"
کیپٹن نے یہ سوچ کر دروازہ بند کر دیا کہ یہ کیبن کے
اندر سے کہاں بھاگ جائے گا۔ دروازہ بند ہوتے ہی ناگ
نے سانس بھرا اور ایک چھوٹی سی کالی چڑیا کا روپ
اختیار کر کے کونے میں بیٹھ گیا۔ کیپٹن نے کچھ دیر انتظار
کرنے کے بعد دروازہ کھولا تو کیبن خالی تھا۔ اندر کوئی انسان
نہیں تھا۔ وہ تو حیران پریشان رہ گیا۔ اس کے ساتھی بھی ایک
دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ پھر انہوں نے ایک ننھی سی کالی
چڑیا کو پھُرر سے باہر اُڑتے دیکھا۔ لیکن ان کی سمجھ میں نہ
آیا کہ ایک جیتا جاگتا انسان چڑیا کیسے بن سکتا ہے۔ ناگ
چڑیا کی شکل میں جہاز کے اندر ہی اندر ایک جگہ کرسیوں

کے نیچے چھپ کر بیٹھ گیا۔ عنبر بھی ایک باریک سے
سانپ کی شکل میں اس کے پنجوں کے ساتھ لپٹا ہوا تھا
تھوڑی دیر بعد جہاز کراچی کی طرف روانہ ہو گیا۔ ناگ دوبارا
انسانی شکل میں آکر ایک خالی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ کیوں کہ
یہاں کئی مسافر اُتر گئے تھے۔ ائر ہوسٹس نے ناگ کو
دیکھا تو بھاگ کر کیپٹن کے پاس گئی اور اسے بتایا کہ وہی
پُراسرار مسافر جو غائب ہو گیا تھا۔ اب پھر سیٹ پر بیٹھا
اخبار پڑھ رہا ہے۔

کیپٹن نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا:

"خدا کے لیے مجھے جہاز چلانے دو۔ وہ جہاں
بیٹھا ہے۔ اسے بیٹھا رہنے دو۔ اگر وہ کوئی ایسی
ویسی حرکت کرے تو مجھے آکر خبر کر دینا۔ جاؤ۔"

جہاز کراچی کے قریب پہنچ گیا تھا اور اب بلندی سے
نیچے آ رہا تھا۔ کراچی میں اس وقت رات کے گیارہ بج
رہے تھے اور چاروں طرف روشنیاں ہی روشنیاں بکھری
ہوئی تھیں۔ جہاز ائر پورٹ پر اُتر گیا۔ ناگ دوسرے
مسافروں کے ساتھ جہاز سے اترنے لگا تو اسی ائر ہوسٹس
کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا:

"میں اب پھر غائب ہونے لگا ہوں۔ کیوں کہ میرے

پاس پاسپورٹ نہیں ہے۔ دیکھتی رہنا۔"

ناگ نے سانس کھینچا اور ائیر ہوسٹس کے دیکھتے ہی
دیکھتے غائب ہو گیا اور اس کی جگہ ایک کالی چڑیا پھرر
سے اُڑ گئی۔ ائیر ہوسٹس غش کھا کر گر پڑی۔ ناگ ائرپورٹ
کی عمارت ہی میں رہا۔ کیوں کہ اسے آگے لاہور جانا تھا
اور لاہور جانے والا جہاز صبح آٹھ بجے روانہ ہو رہا تھا۔

عنبر نے کہا:

"ہمیں رات اسی جگہ گزار دینی چاہیے۔"

"ہاں عنبر" ناگ نے کہا:

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

ناگ انسانی شکل میں تھا۔ وہ کراچی ائیرپورٹ کی کینٹین
میں آ گیا اور چائے منگوا کر پینے لگا۔

"کیا مجھے چائے نہیں پلاؤ گے۔" عنبر نے پوچھا۔

ناگ نے کہا:

"بھائی تم سانپ کی شکل میں ہو اگر تمہیں باہر نکالا
تو یہاں لوگوں کا مجمع جمع ہو جائے گا۔"

"تو پھر ایک چمچ چائے ہی پلا دو۔" عنبر نے کہا:

ناگ نے مجبور ہو کر عنبر کو اپنی جیب سے نکال کر میز
پر رکھ دیا اور پلیٹ میں تھوڑی ہی چائے ڈال کر کہا:

"لو پیو بھائی۔ زیادہ گرم نہیں ہے چائے۔"

عنبر پلیٹ میں اپنا منہ ڈال کر بڑے مزے سے چائے پینے لگا۔ اگرچہ ناگ کونے والی میز پر بیٹھا تھا مگر ایک مسافر کی نظر پڑ گئی۔ اس نے گھبرا کر اپنے ساتھی سے کہا:

"وہ آدمی سانپ کو چائے پلا رہا ہے۔"

اب سب گاہک ناگ کو تکنے لگے۔ کینٹین کا مینجر بھی وہاں آگیا۔ اس نے ناگ سے کہا کہ اگر اسے سانپوں کو پالنے کا شوق ہے تو یہ شوق باہر جا کر پورا کرے۔ کینٹین میں مسافر ڈر کر بھاگ جائیں گے۔

ناگ نے عنبر سے کہا:

"دیکھا۔ آخر تم مجھے یہاں سے اٹھوا کر ہی رہے یار عنبر۔"

اس نے سانپ اٹھا کر جیب میں رکھا اور کینٹین سے نکل کر سیڑھیاں اترتا نیچے لاؤنج میں آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسے ساری رات اسی طرح بیٹھ کر اور کبھی ائر پورٹ کے لاؤنج میں چل پھر کر گذارنی تھی۔ ایسی ہزاروں راتیں عنبر ناگ اور ماریا گذار چکے تھے۔ رات بارہ بجے تک ناگ وہیں بیٹھا رہا۔ پھر اس نے اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا۔ ٹہلتے ٹہلتے وہ ائر پورٹ کے لاؤنج سے باہر آ گیا۔ سامنے کراچی شہر کو جانے والی سڑک تھی جس پر کبھی کبھی کوئی موٹر کار گزر جاتی تھی۔ سامنے ہوٹل کھلا

تھا۔ مسافر چائے وغیرہ پی رہے تھے۔ ناگ عنبر کو جیب میں لیے صبح تک اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ خدا خدا کر کے ساڑھے سات بجے۔ لاہور جانے والے جہاز پر مسافر سوار ہونا شروع ہوئے۔ ناگ بھی عنبر کو لے کر اپنے خاص طریقے سے جہاز پر سوار ہو گیا۔ جہاز لاہور کی طرف اڑ گیا۔

لاہور ائر پورٹ پر اترنے کے بعد ناگ کالی چڑیا بن کر باہر سڑک پر آ گیا اور ایک بس میں سوار ہو کر امجد کی کوٹھی کی طرف چلا۔ امجد گھر ہی تھا۔ اور سکول کا کام کر رہا تھا۔ ناگ سے مل کر امجد بڑا خوش ہوا۔ وہ اسے خلائی لڑکی کیٹی کے بارے میں تازہ واقعہ بتانے کو بے تاب تھا۔ ناگ نے جب اس سے پوچھا کہ وہ انگوٹھی کہاں ہے۔ جس میں جادو بھرا ہوا ہے تو امجد نے اسے سارا قصہ سنا ڈالا کہ کس طرح اس میں سے خلائی لڑکی کیٹی نکل کر باہر آئی اور کس طرح اب وہ تھانیدار بن گئی ہے اور سوائے تھانیدار یا بلی کے اور کچھ نہیں بن سکتی۔ ناگ اور عنبر یہ سن کر دنگ رہ گئے۔ ناگ نے پوچھا:

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ خلائی لڑکی ہی تھی؟"

امجد بولا:

"میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کی

آنکھیں چوکور تھیں۔ اس کے بال سنہری تھے اور
اس نے مجھے بتایا کہ وہ ماریا کی دوست ہے
اور جادو کے ذریعے اسے انگوٹھی میں بند کر دیا
گیا تھا جس کا ماریا کو بھی علم نہیں تھا۔"

عنبر نے کہا:

"ناگ! یہ تو کمال ہو گیا۔"

ناگ بولا:

"مجھے پہلے ہی اس انگوٹھی پر شک تھا۔ مگر اب
کیا کریں۔ خلائی لڑکی کیٹی کو لڑکی کی شکل میں کیسے
واپس لایا جائے؟"

امجد کہنے لگا:

"ہمیں کنوئیں کے جن سے مدد حاصل کرنی چاہیے۔"

ناگ نے کہا:

"ایسا ہی کریں گے، لیکن پہلے چل کر خلائی لڑکی
کیٹی کو دیکھنا چاہیے۔ کیوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ
کنوئیں کا جن اسے تھانیدار سے کچھ اور بنا کر
غائب کر دے۔"

امجد نے کہا:

"چلئے میرے ساتھ۔ وہ نوکھا تھانے میں تھانیدار

بنی بیٹھی ہے۔ میرا مطلب ہے بیٹھا ہے۔ مگر وہ
بالکل مرد ہے۔ آواز بھی مردانہ ہے اور تھانیداروں
کی طرح بات کرتی ہے۔"

ناگ بولا:

"چلو چل کر دیکھتے ہیں۔ میں نے اور عنبر نے اسے
پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ کاش! وہ لڑکی کی شکل میں
ہوتی اور ہم اس کے سنہری بالوں کی لٹ عنبر کے
گلے میں باندھ کر اسے پھر سے انسانی شکل میں
واپس لا سکتے۔"

عنبر نے ناگ کی جیب میں سے کہا:

"ناگ بھیا! خدا کچھ نہ کچھ سبب بنا دے گا۔ چلو چل
کر تھانیدار سے ملاقات تو کریں۔"

عنبر، ناگ اور امجد بس میں بیٹھ کر ریلوے سٹیشن پر آ
گئے۔ یہاں سے وہ پیدل ہی نوکھا تھانے میں آئے تو
ناگ نے دیکھا کہ ایک جوان تھانے دار پوری وردی
پہنے کرسی پر بیٹھا رجسٹر میں کچھ لکھ رہا ہے۔ کمرے کے
باہر دو سپاہی کھڑے ہیں۔ امجد کو دیکھ کر کیٹی تھانیدار نے
اسے اندر بلا لیا۔

"امجد آ جاؤ! اندر آ جاؤ۔ اوئے نذیرے! انہیں

اندر آنے دو یہ میرے مہمان ہیں۔"
امجد ناگ کو لے کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ ناگ کیٹی
بھاٹے دار کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ کیٹی نے انہیں کرسیاں
پیش کیں اور ناگ کی طرف دیکھ کر امجد سے پوچھا:
"یہ صاحب کون ہیں امجد میاں؟"
امجد نے کہا:
"ابھی بتاتا ہوں۔"
کیٹی بھاٹے دار بولا:
"کیا کوئی چور ڈاکو یا غنڈہ ہے یہ، ابھی پرچہ
کاٹتا ہوں میں ان کا۔"
امجد نے ہنس کر کہا:
"نہیں بہن کیٹی! یہ چور ڈاکو نہیں ہیں۔"
بہن کیٹی کے نام پر بھاٹے دار کیٹی چونک پڑی اور
امجد سے بولی:
"تم نے مجھے میرے نام سے کیوں پکارا ایک
غیر آدمی کے آگے۔"
امجد نے کہا:
"کیٹی بہن یہ غیر آدمی نہیں ہے۔ یہ ناگ ہے
ماریا کا بھائی اور دوست اور اس کی جیب

میں سانپ کی شکل میں عنبر موجود ہے۔"
اب تو کیٹی بھاٹے دار کے ہوش اڑ گئے۔ حیرانی سے
ناگ کو تکنے لگا اور پھر خوش ہو کر بولا:
"اچھا تو تم ناگ ہو۔ ماریا کے بھائی۔"
"ہاں" ناگ نے کہا:
کیٹی بولی:
"خدا کا شکر ہے کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔ ماریا بہن
تمہیں یاد بہت کیا کرتی تھی۔ اب مجھے عنبر سے
بھی ملاؤ۔ میں اسے بھی دیکھنا چاہتی ہوں۔ ماریا
عنبر کو بھی بہت یاد کیا کرتی تھی۔"
ناگ نے عنبر کو جیب سے نکال کر میز پر رکھ دیا۔
کیٹی نے سبز کلغی والے سانپ کو دیکھ کر حیرانی سے پوچھا:
"عنبر سانپ کیسے بن گیا۔ سانپ تو تمہیں بننا
چاہیے تھا۔"
ناگ نے کہا:
"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔"
کیٹی بولی:
"میری کہانی بھی بڑی لمبی ہے۔"
پھر اس نے ناگ اور عنبر کو بتایا کہ کس طرح وہ خلائی

سیارے سے اپنی مخلوق کے ساتھ زمین پر آئی اور ماریا
سے ملاقات ہوئی۔ پھر خلائی مخلوق والے اس کی جان کے
دشمن ہو گئے اور ماریا اس کی جان بچا کر اسے پرانے
گذرے ہوئے زمانے میں لے گئی۔ پھر اس کے ساتھ عجیب
عزیب واقعے اور حادثے پیش آتے رہے اور آخر میں جادو
کے زور سے وہ انگوٹھی میں بند کر دی گئی اور ماریا سے بچھڑ
کر امجد کے ساتھ لاہور آ گئی اور یہاں کنوئیں کے جن
نے اس کے ساتھ بھیانک مذاق کیا:

"اب میں یا تھانیدار بن سکتی ہوں اور یا چوکور آنکھوں
والی بلّی ــــ"

ناگ نے کیٹی کو بتایا کہ عنبر کو سانپ کی شکل سے
تبدیل کر کے دوبارا انسانی شکل میں لانے کے لیے انہیں
اس کے سنہری بالوں کی ایک لٹ کی بڑی ضرورت ہے
مگر اب وہ اس وقت ایسا نہیں کر سکتے جب تک کہ
وہ پھر سے انسانی شکل میں واپس نہیں آ جاتی۔ کیٹی اداس
ہو کر بولی:

"یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں عنبر بھائی کے کام
نہیں آ سکتی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ہمیں کنوئیں
والے جن کے پاس جا کر اس سے مدد حاصل کرنی

چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہ مان جائے اور مجھے
پھر سے انسان بنا دے کم بخت نے ایسی چٹکی
بجانی سکھائی کہ میں تھانے دار اور بلّی کے درمیان
پھنس کر رہ گئی ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"چٹکی بجا کر تو دکھاؤ کیٹی۔"

کیٹی نے کمرے کا دروازہ بند کردا دیا۔ اور پھر دو بار
چٹکی بجائی۔ ناگ اور امجد نے دیکھا کہ تھانے دار کیٹی
کی کرسی پر کیٹی کی جگہ ایک کالی بلّی بیٹھی تھی اور انہیں
گھور گھور کر دیکھ رہی تھی۔

ناگ نے کہا:

"کیٹی پھر چٹکی بجاؤ۔"

کیٹی نے دل ہی دل میں دو بار چٹکی بجائی اور وہ دوبارا
تھانے دار بن گئی۔

"ناگ بھیا! تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے
کہ میں کس مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہوں۔"

عنبر نے کہا:

"اور میں بھی مصیبت میں گرفتار ہوں۔"

مگر عنبر کی آواز صرف ناگ ہی سن سکا۔ اس نے عنبر

سے کہا:

"عنبر بھائی! خدا نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

پھر اس نے کیٹی سے کہا:

"میرا خیال ہے ہمیں ہوٹل کے پچھواڑے اندھے کنوئیں کے پاس جا کر جن سے ملاقات کی کوشش کرنی چاہیے۔"

کیٹی کہنے لگی:

"میں دو بار جنّ کو بلانے کی کوشش کر چکی ہوں۔ مگر وہ کم بخت ایسا غائب ہوا ہے کہ اتنی جلدی گدھے کے سر سے سینگ بھی غائب نہیں ہوتے۔"

امجد بولا:

"بہرحال ہمیں ایک بار پھر کوشش کرنی چاہیے۔"

کیٹی بولی:

"رات کے گیارہ بجے چلیں گے۔ کیونکہ جنّ عام طور پر راتوں کو آتے ہیں۔"

ناگ نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ ہم رات گیارہ بجے ہوٹل انٹرنیشنل کے کے باہر پہنچ جائیں گے۔ تم بھی وہاں آ جانا۔"

کیٹی بولی:

"بالکل ٹھیک ہے۔ مگر تم لوگ اب کہاں جاؤ گے؟"

ناگ نے بات کاٹ کر پوچھا:

"ماریا کا کیا حال تھا اور تم نے اسے کہاں چھوڑا تھا۔"

کیٹی نے کہا:

"وہ بالکل ٹھیک تھی اور تم دونوں کو بہت یاد کرتی تھی اور جب میں اس سے جدا ہوئی تو وہ بابل کی جانب تمہاری تلاش میں جانے کا ارادہ کر رہی تھی۔"

ناگ نے پوچھا:

"کیا تمہیں کوئی اندازہ ہے وہ کون سا زمانہ تھا؟"

کیٹی نے کہا:

"اگرچہ میں خلا کی رہنے والی ہوں مگر اب مجھے تمہاری دنیا کی تاریخ کا بھی پتہ چل گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے کا زمانہ تھا۔"

امجد نے کہا:

"ہاں — میں اس زمانے میں گیا تھا۔ اس وقت ایران پر شہنشاہ سائرس کی حکومت تھی۔ میں بعلبک میں ایک یہودی ہامون کی قید میں تھا کہ ماریا نے

مجھے وہاں سے نکالا۔"
ناگ خاموش تھا اور کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر سر اُٹھا کر بولا:
"اچھا کیٹی بہن! ہم گیارہ بجے رات کو ہوٹل کے باہر لابی میں تمہارا انتظار کریں گے۔"
کیٹی بولی:
"میں ٹھیک وقت پر وہاں آ جاؤں گی۔ مگر تم لوگ کچھ پیو گے نہیں۔"
اور ساتھ ہی کیٹی نے تھانیدار بن کر آواز دی:
"اوئے بشیریا! جا کر چار پانچ کوکے کولے کی بوتلیں لا اوئے۔"
امجد نے ہنس کر کہا:
"کولا کوکا یا کوکا کولا آنٹی؟"
کیٹی ہنس پڑی:
"جب تم مجھے آنٹی کہتے ہو تو میری ہنسی نکل نکل جاتی ہے۔ بھلا میں تھانے دار کی وردی میں آنٹی لگتا ہوں۔ میں تو اچھا خاصا آنٹا ہوں۔"
اور کیٹی تھانے دار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
ناگ نے کہا:
"کیٹی! تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہمیں کچھ کھانے

پینے کی حاجت نہیں ہے۔"
کیٹی تھانے دار بولا:
"بھا جی! میرے کون سے پیسے لگتے ہیں۔ کولا کوکا کی بوتلیں مفت آ جائیں گی۔"
ناگ نے کہا:
"شکریہ! اس کی ضرورت نہیں۔ اب رات کے گیارہ بجے ملاقات ہو گی۔"
ناگ اور امجد اٹھ کر باہر جانے لگے تو سپاہی نے آ کر سیلوٹ کیا اور کہا:
"حضور! شاہ جی! کولا کوکا نہیں ہے حکم دیں تو پنجاب ہوٹل سے سیون اپ لے آؤں؟"
کیٹی تھانے دار نے گرج کر کہا:
"اوئے سیون اَپ دیا پُتر! تو نے اتنی دیر کہاں لگا دی۔ جاؤ۔ اب ایک اپنے لیے سیون اپ اور میرے لیے ایک سیون ڈاؤن لے آؤ مہمان جا رہے ہیں۔"
"جو حکم زنابِ عالی!"
سپاہی سیلوٹ مار کر چلا گیا۔
ناگ ہنسنے لگا:

"کیٹی بہن! تمہیں اس روپ میں دیکھ کر دل دکھ بھی رہا ہے اور ہنسی بھی آ رہی ہے۔"

کیٹی نے سر کھجاتے ہوئے کہا:

"ناگ بھیا! مجھے خود ہنسی آتی ہے اپنے آپ پر۔"

اور پھر ناگ اور امجد کیٹی سے ہاتھ ملا کر تھانے سے چلے گئے۔

امجد کو ناگ نے یہ کہہ کر گھر چھوڑ دیا کہ اسے رات کے گیارہ بجے ہوٹل پہنچنے کی ضرورت نہیں۔ امجد آنا چاہتا تھا مگر ناگ نے اسے منع کر دیا کہ لڑکوں کا آدھی رات کو گھر سے نکلنا مناسب نہیں ہوتا۔

"تم کو ہم صبح اطلاع کر دیں گے۔"

ناگ امجد کو بنگلے میں چھوڑ کر واپس لاہور کی مال روڈ پر آ گیا۔ راستے میں وہ عنبر سے کیٹی کی حالت پر باتیں بھی کرتا رہا۔ پھر وہ ماریا کے بارے میں گفتگو کرنے لگے کہ خدا جانے اب اس سے کب اور کہاں ملاقات ہو گی۔

عنبر بولا:

"پہلے میری بک بک ختم ہو تو ماریا کی تلاش میں نکلیں۔"

ناگ نے کہا:

"ہمیں اب کیٹی خلائی لڑکی کو بھی ساتھ رکھنا ہو گا

خدا جانے اس کا تعلق جس خلائی سیارے سے ہے وہاں اب وہ کیسے جا سکے گی۔ کیوں کہ وہ مخلوق تو اس کے خون کی پیاسی ہے۔"

عنبر کہنے لگا:

"میرا خیال ہے کہ اب کیٹی کو بھی ہم اپنے ساتھ ہی رکھیں گے۔"

"ایسا ہی کرنا پڑے گا۔" ناگ نے کہا۔

وہ دونوں پرانے دوست اور صدیوں کے مسافر باتیں کرتے مال روڈ پر چلے جا رہے تھے۔ موسم میں ہلکی ہلکی خنکی آ گئی تھی۔ کیوں کہ ستمبر کے مہینے کا اخیر تھا۔ سردیاں شروع ہونے والی تھیں۔ یہاں ناگ ایک کتابوں کی دکان پر کھڑا ہو گیا اور کتابیں دیکھنے لگا۔ یہاں عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی قسطیں بھی پڑی تھیں جسے بچے بڑے شوق سے خرید رہے تھے۔

ناگ نے عنبر سے خاموش آواز میں کہا:

"عنبر! تمہیں معلوم ہے ناکہ یہاں لاہور میں ایک پبلشر ہمارے سنسنی خیز پُراسرار سفر کی کہانی قسطوں کی شکل میں چھاپ رہا ہے جسے بچے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔"

عنبر بولا :

"ہاں۔ میں نے ان کی دو ایک قسطیں پڑھی تھیں۔"

ناگ نے کہا :

"ہمارے پاس وقت کافی ہے۔ کیوں نہ ان لوگوں سے چل کر ملا جائے۔"

"تمہارا مطلب ہے جو ہمارے سفر کی قسطیں چھاپ رہے ہیں ان سے جا کر ملا جائے۔"

"ہاں۔" ناگ نے کہا:

"مگر ہمیں ان کا ایڈریس معلوم نہیں ہے۔"

"ابھی پتہ کر لیتے ہیں۔"

یہ کہہ کر ناگ نے ایک کتاب اُٹھائی۔ اس کا عنوان تھا "لاش کی چیخ"۔ نیچے "نیا مکتبہ اقراء" شاہ عالم مارکیٹ لاہور لکھا تھا۔ ناگ نے کہا :

"پبلشر کا دفتر شاہ عالمی گیٹ میں ہے اور دفتر کا نمبر ہے B-14۔"

عنبر بولا :

"چلو ذرا مزا رہے گا۔ مگر ان لوگوں کو جاتے ہی مت بتانا کہ تم ناگ ہو اور میں عنبر ہوں۔"

"نہیں۔"

ناگ نے وہاں سے بس پکڑی اور شاہ عالمی آ گئے۔ یہاں پوچھتے پوچھتے آخر وہ نیا مکتبہ اقراء کے دفتر میں آ گئے۔ یہاں دو صحت مند خوش شکل نوجوان بیٹھے کام کر رہے تھے۔ ایک سانولا سا چمکیلی آنکھوں والا نوجوان میز پر ڈرائینگ بورڈ رکھے کوئی تصویر بنا رہا تھا اور دوسرا نوجوان کتابوں کی فہرست تیار کر رہا تھا۔ ناگ کو دفتر میں داخل ہوتے دیکھ کر کتابوں کی فہرست بنانے والے نوجوان نے پوچھا :

"کہیے جناب! ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں۔"

ناگ نے دیکھا کہ فرش سے لے کر چھت تک الماریوں میں ان کے پُراسرار سفر کی قسطوں کی کتابیں لگی ہوئی تھیں۔ کچھ بنڈل فرش پر بندھے پڑے تھے۔ کونے والی میز پر چائے بنانے کا سامان یعنی کیتلی اور پیالیاں وغیرہ رکھی تھیں۔ ناگ نے کہا :

"میں عنبر ناگ ماریا کی کچھ قسطیں خریدنا چاہتا ہوں۔"

"تشریف رکھیے۔"

اس نوجوان نے کہا۔ جو نوجوان تصویر بنا رہا تھا۔ اس نے ایک نظر غور سے ناگ کو دیکھا اور پھر تصویر بنانے لگا۔ اس نوجوان کا نام سلیم اختر تھا جو بڑا مشہور آرٹسٹ

تھا اور دوسرے نوجوان کا نام جلال انور تھا جو سلیم اختر
کا دوست اور کاروبار میں پارٹنر تھا۔ جلال انور ناگ کو عنبر
ناگ ماریا کی کتابیں دِکھانے لگا۔

"اس میں سے جو قسطیں آپ کو پسند ہیں الگ
کر لیجئے۔ میں آپ کو اور بھی دکھاتا ہوں۔"

پھر ناگ کی طرف دیکھ کر بولا:

"آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

ناگ نے کہا:

"میں لاہور سے آیا ہوں۔"

سلیم اختر نے ایک بار پھر ناگ کو دیکھا۔ کچھ سوچا اور
پھر اپنے کام میں لگ گیا۔

ناگ بولا:

"کیا عنبر ناگ ماریا کے سفر کی یہ پُراسرار داستان
سچی ہے؟"

جلال انور مسکرا کر بولا:

"یہ تو جی اے حمید صاحب لکھ رہے ہیں۔ بس
بچوں کی دلچسپی کے لیے یہ سیریز شروع کی
ہے۔ بچے بہت پسند کرتے ہیں۔ خدا معلوم سچی
ہے کہ نہیں۔"

ناگ نے کہا:

"میں نے اس کی بہت سی قسطیں پڑھی ہیں۔ مجھے
تو ایسا لگتا ہے کہ یہ سچی کہانی ہے اور عنبر ناگ
ماریا زندہ ہیں اور تاریخ کے زمانے میں اپنے
عجیب و غریب انوکھے اور حیرت انگیز سفر
پر روانہ ہیں۔"

سلیم اختر نے کہا:

"جناب! یہ کہانی تو اے حمید صاحب کے
ذہن کی تخلیق ہے۔ بھلا کوئی آدمی تاریخ کے
زمانے میں واپس جا سکتا ہے۔"

جلال انور بولا:

"اور کوئی سانپ آدمی بن سکتا ہے۔"

ناگ نے جلال انور کی طرف دیکھ کر کہا:

"میرا تو خیال ہے کہ اے حمید صاحب بالکل سچی
کہانی لکھ رہے ہیں اور سانپ پانچ سو برس
زندہ رہنے کے بعد آدمی بن سکتا ہے۔"

سلیم اختر نے کرسی کا رُخ ناگ کی طرف کر لیا۔ وہ
اس کی باتوں میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ اُس نے کہا:

"کیا آپ کو کبھی کوئی ایسا آدمی ملا ہے جو سانپ ہو؟"

ناگ مسکرایا اور سلیم اختر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا:

"مجھے ایسا کوئی آدمی آج تک نہیں ملا۔"

جلال انور نے کہا:

"تو پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سانپ آدمی بن سکتا ہے۔"

ناگ خاموش ہو گیا۔ اس نے عنبر سے سانپ کی زبان میں پوچھا:

"کیوں عنبر بھیا! بات کھول دوں؟"

عنبر نے کہا:

"دیکھ لو۔ کہیں یہ دونوں نوجوان ڈر نہ جائیں۔"

ناگ بولا:

"اب ڈریں یا نہ ڈریں۔ میں تو بات کھول رہا ہوں۔"

اس کے بعد ناگ نے جلال انور کی طرف دیکھا اور کہا:

"اس لیے کہ وہ آدمی میں خود ہوں۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" جلال انور نے حیرانی سے پوچھا:

ناگ بڑے سکون سے بولا:

"مطلب یہ ہے کہ میں ہی وہ سانپ ہوں جو پانچ

سو برس زندہ رہنے کے بعد آدمی بن گیا ہوں اور میرا نام ناگ ہے اور عنبر میری جیب میں ہے اور ماریا اس وقت ڈھائی ہزار سال پیچھے تاریخ کے زمانے میں ہماری تلاش میں پھر رہی ہے اور آپ ہمارے ہی سنسنی خیز سفر کی کہانی قسط وار شائع کر رہے ہیں۔"

جلال انور مسکرایا۔ سلیم اختر خاموش اور سنجیدہ تھا۔ جلال انور نے میز پر سے کتابیں اٹھا کر دوسری طرف رکھ دیں اور بولا:

"مجھے افسوس کہ آپ غلط جگہ پر آ گئے ہیں۔ آپ کو چار نمبر بس میں سوار ہونا چاہیے تھا۔"

ناگ نے پوچھا:

"وہ کون سی بس ہے؟"

جلال انور نے کہا:

"وہ بس پاگل خانے جاتی ہے۔ کیونکہ معاف کیجئے گا مجھے آپ کوئی پاگل لگتے ہیں۔"

ناگ کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے جلال انور کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا:

"تو میں پاگل ہوں تمہارے خیال میں؟ اچھا تو

پھر یہ دیکھو۔ عنبر میری جیب میں ہے۔"
اور ناگ نے جیب سے کلغی والا سبز سانپ نکال
کر میز پر رکھ دیا۔ جلال انور اور سلیم اختر سانپ کو دیکھ کر
کرسیوں سے اٹھ کر پرے ہٹ گئے۔
"سانپ کو جیب میں رکھیں اور یہاں سے تشریف
لے جائیں سانپوں کا تماشہ کہیں اور جا کر دکھائیں۔"
ناگ کا غصہ اور زیادہ تیز ہو گیا۔ اس نے سانپ اٹھا
کر جیب میں رکھ لیا اور بولا:
"تو تمہارے خیال میں، میں کوئی سپیرا ہوں، پاگل
ہوں، کوئی بات نہیں۔ اب مجھے اپنا آپ
ظاہر کرنا ہی پڑے گا۔ غور سے میری طرف دیکھو۔"
ناگ نے ایک گہرا سانس لیا اور دوسرے لمحے
جلال انور اور سلیم اختر کی آنکھوں کے سامنے کرسی پر
ایک شیش ناگ کنڈلی مارے بیٹھا تھا جس کے سات
منہ تھے اور پھن لہرا رہے تھے۔ جلال انور اور سلیم اختر
کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ آنکھوں سے خوف جھلکنے
لگا۔ وہ پتھر کے بُت بنے اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے
ناگ کو شیش ناگ کے روپ میں کرسی پر کنڈلی مارے
بیٹھا دیکھ رہے تھے۔ ناگ انہیں زیادہ خوف زدہ نہیں

کرنا چاہتا تھا۔ وہ پھر انسانی شکل میں آگیا۔ وہ مسکرا
رہا تھا۔ کہنے لگا:
"اب کیا خیال ہے آپ کا مسٹر جلال انور اور
مسٹر سلیم اختر — اب تو آپ دونوں کو
یقین آ گیا ہو گا کہ میں ناگ ہوں۔ عنبر اور ماریا
کا دوست — ساتھی، جن کی آپ قسطیں شائع
کر رہے ہیں۔"
جلال انور نے دھیمی آواز میں کہا:
"مجھے یقین ہو گیا ہے۔"
"اور آپ کا کیا خیال ہے مسٹر سلیم اختر؟" ناگ نے
سلیم اختر سے پوچھا۔
سلیم نے کہا:
"مجھے پہلے ہی آپ پر شک ہو گیا تھا۔ کیونکہ میں
نے نوٹ کیا تھا کہ آپ آنکھیں نہیں جھپک رہے۔"
ناگ ہنس پڑا:
"بہت خوب۔ تم بڑے ذہین نوجوان ہو۔"
جلال انور بولا:
"میں آپ کے لیے چائے تیار کرتا ہوں۔"
سلیم اختر نے کہا:

"مگر ایک بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی مسٹر ناگ
کہ سانپ تو آپ کو بننا چاہیے تھا پھر عنبر سانپ
کی شکل میں آپ کی جیب میں کیوں پڑے ہیں۔"
ناگ نے ہلکی سی آہ بھر کر کہا:
"یہ بڑی عجیب کہانی ہے۔ فکر نہ کریں مسٹر اے حمید
اس کہانی کو لکھ رہے ہیں اگلی قسط میں آپ پر
یہ راز بھی کھل جائے گا۔ بہرحال ہمیں آپ سے
مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔"
جلال انور مسکرا کر کہنے لگا:
"خوشی تو اصل میں ہمیں ہوئی ہے آپ سے
مل کر۔"
سلیم اختر نے کہا:
ہمارے تو خواب میں بھی خیال نہیں آسکتا تھا
کہ کبھی ناگ اور عنبر سے ملاقات ہو گی۔ یہ بتایئے
کہ آپ یہاں کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں اور لاہور
کس سلسلے میں آئے ہیں۔ آپ کو پرانے زمانے
میں سفر کر رہے ہیں آج کل۔"
ناگ نے کہا:
"ہمیں اپنے واپسی کے پانچ ہزار سالہ سفر کے سلسلے

میں ہر زمانے میں ظاہر ہونا پڑتا ہے۔ لاہور ہم
اپنے سفر کے سلسلے میں ہی آئے ہیں۔ اس راز
کا پتہ آپ کو ہمارے مصنف اے حمید کی کتاب
سے لگ جائے گا۔ کیوں کہ وہ واحد شخص ہے
جو ہمارے تمام رازوں سے واقف ہے۔"
جلال انور بولا:
"اے حمید بچوں کے لیے آپ کے سفر کی پُراسرار
داستان بڑی محبت اور محنت سے لکھ رہے ہیں۔"
ناگ نے کہا:
"ہاں۔ ہمیں معلوم ہے۔ اسی لیے ہم نے انہیں کبھی
کچھ نہیں کہا۔ حالانکہ پہلے ہمیں اپنی کہانی کو چھپے
ہوئے دیکھ کر بڑا غصہ آیا تھا۔ مگر جب دیکھا کہ
وہ کوئی غلط بات نہیں لکھ رہے اور بچوں کو
صحیح صحیح باتیں بڑے ہی دلچسپ انداز میں سنا
رہے ہیں تو ہم نے انہیں کچھ نہیں کہا اور میں
تو انہیں واشنگٹن امریکہ میں بھی مل چکا ہوں۔"
سلیم اختر نے کہا:
"ہاں۔ انہوں نے ایک قسط میں لکھا ہے کہ کس
طرح ناگ کی ان سے واشنگٹن میں ملاقات

ہوئی تھی۔"

ناگ بولا:

"ہاں — وہ وہاں فالز چرچ کی ایک ہائی رائز بلڈنگ کیوبیز اپارٹمنٹ کے ایک ڈبل بیڈ روم میں رہتے تھے۔ اب سنا ہے امریکہ سے واپس لاہور آ گئے ہیں۔"

سلیم اختر نے کہا:

"جی ہاں — وہ لاہور میں ہی ہیں اور ان دنوں صرف آپ کے سنسنی خیز سفر کی داستان لکھ رہے ہیں۔"

ناگ نے کہا:

"میں ان سے ملنے کی کوشش کروں گا۔"

جلال انور جھٹ بولا:

"ہم اتوار کی شام کو ان کے ہاں جاتے ہیں۔ اگر آپ پسند کریں تو یہاں تشریف لے آئیں۔ اکٹھے چلے چلیں گے ان کے گھر۔"

ناگ نے کچھ سوچ کر جواب دیا:

ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا۔ کیوں کہ مجھے آج رات ایک اندھے کنوئیں کے جنّ کو بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ ایک کنوئیں کے اندھے جنّ سے ملاقات کرنی

ہے جس نے ہمارے ساتھ ایک عجیب و غریب مذاق کیا ہے۔"

سلیم اختر نے پوچھا:

"کیا ہم اس عجیب و غریب مذاق کے بارے میں کچھ جان سکتے ہیں؟"

ناگ نے کہا:

"نہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو اس وقت کچھ نہیں بتا سکتا۔ آپ اے حمید صاحب کی اگلی قسط میں پڑھ لیجئے گا۔"

اتنے میں چائے تیار ہو گئی۔ سلیم اختر نے تین پیالے میز پر رکھے اور ان میں چائے انڈیلنے لگا۔

ناگ سے پوچھا:

"عنبر صاحب کے لیے پلیٹ میں دودھ ڈال دوں؟"

عنبر نے سانپ کی زبان میں ناگ سے کہا:

"ناگ! اسے کہو میں کوئی سانپ نہیں ہوں انسان ہوں۔ ہاں۔ اس مصیبت سے جان چھوٹ گئی تو میں بھی کپ میں چائے پیا کروں گا۔"

ناگ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس نے سلیم اختر سے کہا:

"نہیں بھائی سلیم! عنبر ناراض ہو جائیں گے۔ وہ چائے یا دودھ نہیں پیئیں گے ابھی۔"

"کوئی بات نہیں۔" سلیم اختر نے کہا: "جب وہ انسان کے روپ میں آ جائیں گے تو انہیں رنگ محل کا فالودہ پلائیں گے۔"

جلال انور نے پوچھا:

"وہ بات بیچ میں ہی رہ گئی۔ مسٹر ناگ! آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں یہاں لاہور میں؟"

ناگ نے کہا:

"آپ تو ہماری سپنس بھری کہانی کو چھاپ رہے ہیں۔ آپ کو تو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمیں نہ کچھ کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ کہیں ٹھہرنے کی ضرورت ہے۔ نہ ہمیں سونے کی حاجت ہوتی ہے بس آج رات کے گیارہ بجے تک آپ کے خوب صورت شہر لاہور کی سیر کریں گے پھر اندھے کنوئیں کی طرف جن سے ملاقات کرنے چلے چلیں گے۔"

سلیم اختر نے بڑے شوق کے ساتھ پوچھا:

"مسٹر ناگ! کیا آپ ماریا کو یہاں نہیں لا سکتے

مجھے اس سے ملنے کا بڑا شوق ہے۔ میں جب بھی کتاب کے ٹائیٹل پر اس کی نیلے رنگ کی تصویر بناتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔"

ناگ نے مسکراتے ہوئے کہا:

"مسٹر سلیم اختر! تم بڑے ذہین آرٹسٹ ہو۔ تم تخیل کی فضاؤں میں بہت اونچا اڑاتے ہو۔ میں تمہارے یہ خیالات ماریا تک پہنچا دوں گا۔ اگر کبھی اس کا لاہور آنا ہوا تو وہ تمہیں ضرور ملے گی۔ اچھا اب اجازت دیں۔ زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔"

جلال انور نے کہا:

"آپ کی تو زندگی اتنی لمبی ہے کہ کوئی حد ہی نہیں اس کی۔"

ناگ بولا:

"پھر بھی زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ خدا حافظ۔"

ناگ نے گہرا سانس لیا اور غائب ہو گیا۔ جلال انور اور سلیم اختر نے بس اتنا دیکھا کہ ایک کالی چڑیا پھر کر کے ان کے دفتر کی کھڑکی سے باہر نکل گئی تھی۔ اب وہ ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے۔

ناگ پُرانی قبر میں

رات کے ٹھیک گیارہ بجے ناگ ہوٹل کے باہر پہنچ گیا۔

عنبر اس کی جیب میں تھا۔ گیارہ بج کر پانچ منٹ پر ایک سکوٹر ہوٹل کے پورچ میں داخل ہوا۔ اس پر کیٹی تھانیدار سوار تھا۔ کیٹی نے سکوٹر ایک طرف کھڑا کیا۔ سکوٹر سٹینڈ والے نے آگے بڑھ کر تھانے دار کو سلام کیا اور نمبر دینے لگا تو کیٹی تھانیدار نے کھنکار کر کہا:

"اوئے دیکھتے نہیں ہم تھانے دار ہیں۔ ہمیں نمبر کی ضرورت نہیں۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔"

سٹینڈ والا سلام کر کے پرے ہٹ گیا۔ ناگ نے آگے بڑھ کر کیٹی سے کہا:

"میں تمہارا انتظار کر رہا تھا کیٹی۔ تم پانچ منٹ لیٹ ہو۔"

کیٹی تھانے دار بولی:

"کیا کروں ناگ بھیا! ایک چور کو پکڑ کر لے آئے

تھے اس کی کٹائی کرتی رہی۔"

ناگ نے کہا:

"تم چوروں کو مارتی بھی ہو؟"

"مارتی کہاں ہوں۔ مارتا ہوں۔"

اور وہ ہنسنے لگی۔ پھر ناگ سے کہا:

"چلو۔ اس اندھے کنوئیں کی طرف چلتے ہیں۔"

کیٹی ناگ کو لے کر ہوٹل کے پیچھے جہاں جھاڑیوں اور درختوں میں اندھیرا چھایا تھا اندھے کنوئیں کے پاس آگئی۔ ناگ نے جھک کر دیکھا۔ کنوئیں میں اندھیرا تھا مگر اندھیرے میں بھی اسے کنوئیں میں گرا ہوا کوڑا کرکٹ دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے کہا:

"کیٹی! جن کو آواز دو۔"

کیٹی نے کنوئیں میں منہ ڈال کر کہا:

"اے جن! خدا کے لیے اپنی شکل دکھاؤ اور مجھے اس مصیبت سے چھڑاؤ۔ میں تھانیداری کرنے کرتے تنگ آ گیا ہوں۔"

کنوئیں میں سے کوئی آواز نہ آئی۔ ناگ نے کیٹی کو دوبارہ آواز دینے کے لیے کہا۔ کیٹی نے پھر آواز دی۔ کوئی جواب نہ آیا۔ کیٹی نے تیسری بار آواز دی۔

"جنّ جی! آ جاؤ۔ آ جاؤ خدا کے لیے"

اس کے ساتھ ہی کنوئیں میں ایک جنّ نمودار ہوا جو بالکل انسان کی طرح تھا۔ پھر وہ ایک دم سے درختوں سے بھی زیادہ اونچا ہو گیا۔ ناگ اور کیٹی پیچھے ہٹ کر چہرے اُوپر اُٹھا کر اسے دیکھنے لگے۔

کیٹی نے کہا:

"یہی وہ جنّ ہے ناگ"

جن نے سر اوپر سے نیچے جھکا کر کیٹی سے کہا:

"کیا جنّ جی جنّ جی لگا رکھی ہے۔ جاؤ چٹکی بجاؤ اب تم چٹکی بجا کر جو بننا چاہو گی بن جایا کرو گی اور خبردار جو مجھے پھر آواز دی۔ دفع ہو جاؤ اس ناگ عنبر کو لے کر"

جنّ ایک دم غائب ہو گیا۔

کیٹی کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے۔ اُس نے ناگ سے کہا:

"میں چٹکی بجانے لگی ہوں"

ناگ نے کہا:

"اپنی شکل کا خیال لا کر چٹکی بجانا"

کیٹی نے اپنی شکل کا خیال دل میں کیا اور چٹکی بجا دی۔

چٹکی کے بجتے ہی کیٹی اپنی اصل شکل میں سامنے آ گئی۔ ناگ نے دیکھا کہ اس کے سامنے شلوار قمیض میں ایک سنہری بالوں والی خوبصورت لڑکی کھڑی ہے۔ اس کی آنکھوں پر سیاہ عینک لگی ہوئی ہے۔

کیٹی نے کہا:

"یہ میرا اصلی روپ ہے ناگ بھیّا!"

ناگ نے کہا:

"کیا تمہاری آنکھیں چوکور ہیں کیٹی؟ مجھے دکھاؤ"

عنبر بھی ناگ کی جیب میں سے گردن نکالے کیٹی کو دیکھ رہا تھا کہ یہ کیسی خلائی مخلوق ہے۔ کیٹی نے اپنی آنکھوں پر سے عینک اتاری تو اس کی آنکھیں نیلی اور چوکور تھیں۔ عنبر نے سکھ کا سانس لیا۔ اب اسے سانپ کی زندگی سے نجات مل جائے گی۔ ناگ نے کیٹی کی چوکور آنکھوں کو دیکھ کر کہا:

"کیٹی بہن! تمہارے انسانی روپ میں آنے سے تمہیں جتنی خوشی ہوئی ہے اس سے کہیں زیادہ خوشی مجھے ہوئی ہے"

عنبر نے کہا:

"اور تم دونوں سے زیادہ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ

اب میں پھر بندے کا پتر بن جاؤں گا یعنی انسانی شکل میں آ جاؤں گا۔"

کیٹی مسکرائی۔ کیوں کر خلائی مخلوق ہونے کی وجہ سے وہ انسانوں کے علاوہ سانپوں اور پرندوں کی بولی بھی سمجھ لیتی تھی، اُس نے کہا:

"عنبر بھائی! آپ کو انسانی شکل میں دیکھ کر مجھے آپ سب سے زیادہ خوشی ہو گی۔"

عنبر بولا:

"اب جلدی سے مجھے اپنے خوبصورت بالوں کی ایک لٹ دے دو تاکہ ناگ اسے میرے گلے میں باندھ ڈالے۔"

ناگ نے کہا:

"اور تمہیں کسی پرانی قبر میں سات دنوں کے لیے لٹا دیا جائے۔"

عنبر نے سر ہلا کر کہا:

"خدا بچائے پرانی قبر سے، کہیں مُردہ مجھے تنگ نہ کرے۔"

ناگ بولا:

"وہ کیا تم سے اُدھار مانگنا شروع کر دے گا بھلا؟"

کیٹی ہنسنے لگی۔ اس نے اسی وقت اپنے بالوں کی ایک لٹ کاٹ ڈالی۔ ناگ نے اسے دھاگے سے باندھ کر عنبر کی گردن میں لٹکا دیا اور وہ قبرستان جانے کے لیے ہوٹل کے پورچ میں آ گئے۔

ناگ نے کہا:

"تمہارے سکوٹر کا کیا بنے گا؟"

کیٹی نے مردانہ آواز اور تھانیدار کا لہجہ بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"اوے آپے لے جائیں گے سپاہی اوئے۔"

ناگ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا:

"بالکل تھانے دار لگتی ہو کیٹی۔"

عنبر نے کہا:

"ایک بات ہے۔ کیٹی کو ہر وقت آنکھوں پر سیاہ عینک لگائے رکھنی ہو گی۔ کیوں کہ اس کی چوکور آنکھیں اس کے لیے پریشانی کا باعث بن جائیں گی۔"

کیٹی نے کہا:

"ان آنکھوں کا میرے پاس کوئی علاج نہیں ہے بس عینک لگائے رکھوں گی۔"

ناگ نے کہا:

"دیکھا جائے گا۔ ابھی قبرستان چلتے ہیں۔"

ناگ کو ایک خوبصورت چشمے والی لڑکی کے ساتھ جاتا دیکھ کر سکوٹر سٹینڈ والا بھاگ کر آیا اور بولا:

"جناب! آپ کے ساتھ تھانے دار صاحب تھے ان کا سکوٹر یہاں پڑا ہے۔"

ناگ نے کیٹی کی طرف دیکھ کر کہا:

"سکوٹر کا کیا کریں؟"

ناگ مسکرا رہا تھا۔

کیٹی نے سٹینڈ والے سے کہا:

"اسے تھانے لے جا کر جمع کرا دو ادئے باندر دیا پُترا!"

اور وہ دونوں تیزی سے سڑک پر آ گئے۔ بے چارہ سکوٹر سٹینڈ والا ہکا بکا ہو کر ان دونوں کو جاتا دیکھتا رہا۔ کیونکہ اسے عورت کی آواز میں تھانے دار کی آواز صاف سنائی دی تھی۔

مال روڈ پر خاموشی تھی۔

کیٹی نے کہا:

"ناگ بھیّا! تم تو لاہور میں پہلے بھی آ چکے ہو۔ یہاں قبرستان کہاں ملے گا؟"

ناگ نے کہا:

"بڑے قبرستان ہیں اس شہر میں۔ بلکہ کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ سارا شہر ایک قبرستان تھا جس کے مُردے اچانک باہر آ کر سڑکوں پر چلنے پھرنے لگ گئے ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"خدا کے لیے میانی صاحب والے قبرستان نہ جانا۔"

ناگ نے سوال کیا:

"کیوں؟ کیا وہاں کے مُردوں سے تمہاری لڑائی ہے کیا؟"

عنبر بولا:

"نہیں یہ بات نہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میانی صاحب کے قبرستان میں پہلے ہی ایک ایک قبر میں چھ چھ سات سات مُردے آرام کر رہے ہیں مجھے کہاں جگہ ملے گی وہاں؟"

ناگ نے ہنس کر کہا:

"عنبر بھیّا! تم نے قبر میں جا کر کون سا اپنا پلنگ بچھانا ہے تمہیں تو مٹھی بھر جگہ چاہیے۔ جا کر کسی کونے میں لیٹ جانا۔ سات روز بعد تمہیں نکال لیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"کیا اس سے پہلے نہیں نکال سکتے؟"
ناگ بولا:
"یہ کیسے ہو سکتا ہے عنبر بھیا! سبز شیش ناگ نے ایسا ہی کہا تھا۔ ہم سات روز بعد تمہیں نکالیں گے۔ ہاں اگر وقت کاٹنے کے لیے اپنے ساتھ عنبر ناگ ماریا کی چھ سات قسطیں پڑھنے کے لیے لے جانا چاہتے ہو تو میں تمہیں جلال انور اور سلیم اختر سے جا کر لا دوں گا۔"
عنبر نے کہا:
"نہ بھیا یہ کام نہ کرنا۔ اگر مُردوں کو پتہ چل گیا کہ نیا مکتبہ اقراء والے عنبر ناگ ماریا کی قسطیں چھاپ رہے ہیں تو وہ سارے کے سارے قبروں سے نکل کر شاہ عالمی گیٹ کی طرف چل پڑیں گے اور لاہور میں مصیبت آ جائے گی۔ میں سات دن کسی نہ کسی طرح گزار لوں گا۔"
کیٹی نے کہا:
"ایک خالی ٹیکسی آ رہی ہے۔"
ناگ نے ساتھ دیا۔ ٹیکسی ان کے قریب آ کر رُک گئی۔
"کہاں چلو گے بابو جی؟" ڈرائیور نے کھڑکی میں سے سر

باہر نکال کر پوچھا:
ناگ نے کچھ سوچ کر کہا:
"میانی صاحب"
عنبر نے ہلکی سی چیخ مار کر کہا:
"اوئی — میں نہیں جاؤں گا میانی صاحب۔"
ناگ نے کہا:
"عنبر بھیا! کوئی بات نہیں۔ تمہیں کسی ایک مُردے والی پرانی قبر میں رکھیں گے۔"
ڈرائیور نے میانی صاحب کا نام سنا تو سہم کر بولا:
"میت کہاں ہے جسے دفنانے وہاں جا رہے ہیں؟"
ناگ نے کہا:
"بھائی ہم کسی کو دفنانے نہیں جا رہے۔ ذرا میانی صاحب کے پاس ہی ایک گلی میں جانا ہے۔ تم ہمیں بہاولپور روڈ پر اتار دینا۔"
ڈرائیور نے کہا:
"بیس روپے لوں گا۔"
ناگ اور کیٹی کے پاس پاکستانی کرنسی کا ایک پیسہ تک نہیں تھا۔ مگر ان کا وہاں جانا بھی ضروری تھا۔ وہ ٹھیک ہے کہہ کر ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ ٹیکسی میانی صاحب کی طرف

روانہ ہو گئی۔ میانی صاحب کے دروازے پر پہنچ کر ٹیکسی رُک
گئی۔ ناگ اور کیٹی باہر نکل آئے۔ ٹیکسی والا بھی باہر نکل آیا۔
"کرایہ دیں میرا"۔ اس نے بڑے رعب سے کہا:
ناگ نے کہا:
"کیٹی ذرا چٹکی تو بجانا"
ٹیکسی ڈرائیور نے تلخ آواز میں کہا:
"تم لوگ شاید مجھے نہیں جانتے۔ میں سانپ کے منہ
سے بھی کرایہ نکال لایا کرتا ہوں"۔
ناگ نے جلدی سے کیٹی کو کہا:
"کیٹی چٹکی نہ بجانا"
پھر ٹیکسی ڈرائیور کی طرف دیکھ کر کہنے لگا:
"دوست! پھر آج تم سانپ کے منہ میں سے ہی کرایہ
نکالو"
یہ کہہ کر ناگ نے لمبا سانس لیا اور ایک دم سے ایک
بہت بڑا سانپ بن گیا جو اپنا بڑے پنکھے ایسا پھن اٹھائے
زبان لہرا لہرا کر ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھ رہا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے
جو یہ جن بھوتوں کا والا سین دیکھا تو سمجھ گیا کہ کوئی بدروحیں انسان
کی شکل میں اس کی ٹیکسی میں بیٹھ گئی تھیں۔ چیخ مار کر ٹیکسی وہیں
چھوڑ چوبرجی کی طرف بھاگ گیا۔ ناگ واپس انسانی شکل میں

آکر بولا:
"چلو بھائی عنبر! اب کسی پرانی قبر کو تلاش کرتے ہیں"۔
"خدا خیر کرے"۔ عنبر نے آہستہ سے کہا:
"مُردوں کے ساتھ رہنا پڑ گیا ہے"۔
کیٹی نے کہا:
"سب ٹھیک ہو جائے گا عنبر بھائی! فکر نہ کرو"۔
ناگ بولا:
"آج کل کے مُردے ڈسکو مُردے ہوتے ہیں۔ وہ ہو سکتا
ہے تنگ کریں مگر پرانے مُردے بے چارے بڑے
شریف ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں کچھ نہیں کہیں گے"۔
کیٹی اور ناگ قبروں میں چل پھر کر کوئی پرانی قبر تلاش کر رہے
تھے۔ قبرستان میں اندھیرا تھا۔ موت ایسی خاموشی تھی۔ بھلا قبرستان
میں خاموشی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ آخر انہوں نے پرانے
ٹوٹے پھوٹے چبوترے والی ایک قبر دیکھی جس کی اینٹیں جگہ جگہ سے
اُکھڑی ہوئی تھیں۔ لگتا تھا کہ یہ بہت پرانی سکھوں کے زمانے
کی کوئی قبر ہے۔ قبر کا چبوترا ایک طرف کو بیٹھ سا گیا تھا۔ قبر
میں بھی ایک جانب سوراخ تھا۔ ناگ نے سوراخ میں سے جھانک
کر قبر میں دیکھا۔ قبر کے اندر اسے سوائے اندھیرے اور گہری تاریکی
کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ اس نے عنبر کو جیب سے نکال کر کہا:

"عنبر! یہ قبر بہت پرانی ہے اور اس کے اندر مُردے
کی ہڈیاں تک نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ٹھیک رہیگی۔"
عنبر نے کہا:
"تم تو یہی کہو گے کہ ٹھیک رہے گی۔ میری جگہ ہوتے
تو تم سے پوچھتا۔"
کیٹی نے مذاق کرتے ہوئے کہا:
"عنبر بھیا! میں تمہارے ساتھ آجاؤں قبر میں؟"
عنبر بولا:
"شکریہ کیٹی بہن! مجھے اکیلے ہی جانا پڑے گا۔ جل تُو
جلال تُو۔ آئی بلا ٹال تُو ـــ آٹھویں روز مجھے نکالنے آ
جانا ـــ کہیں بھول نہ جانا۔"
یہ کہہ کر عنبر قبر کے سوراخ میں سے اندر رینگ گیا۔ ناگ
نے سوراخ کے پاس منہ لے جا کر کہا:
"میں آٹھویں روز اسی وقت آجاؤں گا۔"
عنبر نے کہا:
"میں انشاء اللہ انسانی صورت میں تمہیں قبر کے باہر
ملوں گا۔"
"انشاء اللہ۔"
اور ناگ نے قبر کے آگے ایک بڑا سا پتھر رکھ کر اوپر

درخت کی شاخیں کاٹ کر ڈال دیں تا کہ کوئی جانور
درندہ اندر نہ جا سکے۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ قبروں
ں سے گزرتے ہوئے باہر ایک چھوٹی سی سڑک پر آ گئے
قبرستان میں سے گزر کر چوبرجی اور بہادل پور روڈ کی طرف
تی تھی۔ وہ اس چھوٹی سڑک پر چلنے لگے۔ ناگ کوٹ پتلون
ں تھا اور کیٹی نے شلوار قمیض کے ساتھ آنکھوں پر کالا
شمہ لگا رکھا تھا۔ اچانک ایک طرف سے دو سپاہی نکل کر
منے آ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔
"کون ہو بھئی۔ یہ عورت کون ہے؟ ایک سپاہی نے پوچھا۔
کیٹی کو اپنا تھانیدار کا وقت بہت یاد آیا۔ اگر اس وقت
ہ تھانے دار کی وردی میں ہوتی تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ
سپاہی انہیں روکتے۔
ناگ نے کہا:
"یہ میری بہن ہے اور میں اسے لے کر گھر جا رہا ہوں۔"
دوسرا سپاہی آگے ہو گیا اور ناگ کو گھور کر بولا:
"آدھی رات کو تم اپنی بہن کو کہاں سے لا رہے ہو؟"
اس وقت میں لاہور میں چرس اور افیون کی ناجائز خرید
خت بہت ہوتی تھی کہ قبرستانوں میں خاص طور پر پولیس
ت کو گشت لگایا کرتی تھی۔

ناگ نے کہا:

"بھائی! کہہ جو دیا گھر جا رہا ہوں۔ میری بہن اپنی خالہ کے ہاں گئی ہوئی تھی۔ وہاں سے اسے لے کر آ رہا ہوں۔"

"آدھی رات کو خالہ کے گھر سے نکلنے کی کیا ضرورت تھی کیا خالہ نے تمہاری بہن کو سونے کے لیے چارپائی دینے سے انکار کر دیا تھا۔"

پھر اس نے کیٹی کی طرف دیکھ کر پوچھا:

"کون ہو تم بی بی؟"

کیٹی نے کہا:

"میں ان کی بہن ہوں اور ہم اپنی خالہ کے گھر سے آ رہے ہیں۔"

ایک سپاہی ان دونوں کو بجلی کے کھمبے کے نیچے روشنی میں لے آیا اور بولا:

"بی بی یہ عینک تو اتارو ذرا۔"

کیٹی نے کہا:

"میری آنکھیں دکھتی ہیں۔ اس لیے چشمہ نہیں اتارتی۔"

دوسرا سپاہی بولا:

"بشیریا! انہیں تھانے لے چلو۔ مجھے یہ دونوں بدمعاش

لگتے ہیں۔"

ناگ کو طیش آ گیا۔

"زبان سنبھال کر بات کرو سنتری صاحب! ہم شریف آدمی ہیں۔"

سپاہی نے ڈانٹ کر کہا:

"چپ کر اوئے شریف دیا پترا۔ شریف لوگ آدھی راتوں کو اپنی بہن کو ساتھ لے کر قبرستانوں میں نہیں پھرا کرتے۔"

ناگ نے کہا:

"تو پھر تمہیں بتا دیں کہ ہم کون ہیں؟"

سپاہی بولا:

"کیا تم پنجاب کے گورنر لگے ہوئے ہو؟"

کیٹی نے کہا:

"تو پھر میری طرف دیکھو۔"

اور کیٹی نے آنکھوں پر سے چشمہ اتار دیا۔ اس کی چوکور آنکھوں سے روشنی میں نیلی شعاعیں نکل رہی تھیں۔ سپاہی چوکور آنکھیں دیکھ کر ششدر سے ہو کر رہ گئے۔

ناگ نے نہلے پر دہلا پھینکتے ہوئے کہا:

"آؤ پھر مجھ سے بھی مل لو۔"

اور ناگ سانس اندر کھینچ کر پلک جھپکتے میں کالا ناگ
بن گیا جو پانچ فٹ اونچا تھا اور سڑک پر اپنی دم
سیدھا کھڑا پھنکار رہا تھا۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ
سپاہیوں کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ پہلے تو وہ کانپنے لگے
پھر ان کے ہاتھوں سے لاٹھیاں گر گئیں۔ اس کے بعد وہ
بھی غش کھا کر سڑک پر گر پڑے۔ ناگ واپس انسان کی
صورت میں آ گیا۔

"یہاں سے نکل چلو کیٹی۔ ان کے ساتھی بھی یہیں
کہیں گشت لگا رہے ہوں گے۔ آ گئے تو ایک اور
مصیبت آ جائے گی۔"

وہ سپاہیوں کو سڑک پر ہی بے ہوش چھوڑ کر تیز تیز
قدموں سے گذرتے ہوئے بہاول پور روڈ پر آ گئے اور چوک
کی طرف چلنے لگے۔ یہ روڈ بھی سنسان تھی۔ دونوں طرف
تھا جہاں رات کے اندھیرے میں جھینگر بول رہے تھے۔
چوک میں بھی خاموشی تھی۔ دکانیں اور ہوٹل بند ہو چکے تھے
صرف ایک چائے خانہ کھلا تھا جہاں دو تین رکشا ڈرائیور
بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی ٹرک ملتان کی
طرف سے آتا یا ادھر کو جاتا ہوا تیزی سے گذر جاتا۔
کیٹی نے کہا:

"ناگ بھائی! ہم کہاں جا رہے ہیں؟"
ناگ نے کہا:

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں کہ ہم کہاں جا رہے ہیں
اور ہمیں کہاں جانا چاہیے۔ ابھی سات دن ہمیں
اس شہر لاہور میں گذارنے ہیں اور یہاں کسی لڑکی
کے ساتھ سات دن سڑکوں پر نہیں گذارے جا سکتے۔"

"تو پھر کسی ہوٹل میں چلتے ہیں"۔ کیٹی نے کہا:
ناگ بولا:

"ہوٹل بھی سب سے اعلیٰ ہونا چاہیے۔ نہیں تو چھوٹے
ہوٹلوں میں پولیس ہمیں بدمعاش سمجھ کر پکڑ کر لے
جائے گی۔"

کیٹی نے کہا:

"تو پھر کسی بڑے ہوٹل میں چلے چلتے ہیں۔ مگر آپ
شاید یہ بھول گئے ہیں کہ میں جن کے کہنے کے مطابق
چٹکی بجا کر اب جو صورت شکل چاہے اختیار کر
سکتی ہوں۔"

"ارے ہاں" ناگ بے اختیار بولا! "یہ تو میں بھول ہی
گیا تھا۔"

کیٹی نے پوچھا:

"تو پھر کیا خیال ہے؟ کون سی شکل بناؤں اپنی
چٹکی بجا کر۔"
ناگ نے کہا:
"میرا خیال ہے کہ جب تک ہم ہوٹل نہیں پہنچ
جاتے تم تھانے دار ہی بن جاؤ۔ کیوں کہ ابھی راستے
میں ہمیں پولیس کے کئی سپاہی گشت کرتے ہوئے
روکیں گے۔"
کیٹی نے کہا:
"او کے۔ میں تھانے دار ہی بن جاتی ہوں اور وہی
پہلے والا تھانے دار بنتی ہوں۔"
کیٹی نے چٹکی بجائی۔ دل میں اس نے اسی پہلے والے
تھانے دار کا خیال جما لیا تھا۔ چٹکی بجاتے ہی کیٹی ایک دم
سے تھانے دار بن گئی۔ سر پر ٹوپی، وردی، گلے میں پستول
فل بوٹ اور ہاتھ میں بید، ہنس کر بولی:
"کیا خیال ہے تمہارا ناگ بھیا!"
"نمبر ون کیٹی۔ بالکل نمبر ون، آؤ اب ہوٹل ہلٹن
کی طرف چلتے ہیں۔"
کیٹی نے کہا:
"مگر ہوٹل کے پیسے کہاں سے دیں گے؟ ہمارے پاس

تو ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔"
ناگ بولا:
"وہاں جا کر دیکھا جائے گا۔ پہلے وہاں پہنچیں تو سہی"
اور وہ پرانی انار کلی کی طرف چل پڑے۔ پرانی انارکلی
میں تھانہ تھا۔ جب وہ پرانے مندر کے قریب پہنچے تو
چار سپاہی سگریٹ کے کش لگاتے باتیں کرتے سامنے آ گئے۔
کیٹی نے گرج کر کہا:
"اوئے سُور دیو پُترو۔ یہ تمہاری ماں کا کمپنی باغ
ہے جو یوں سیر کرتے پھر رہے ہو۔ اٹن شن!"
سگریٹ سپاہیوں کے ہاتھ سے چھوٹ گئے۔ انہوں نے
بڑی زور سے سلیوٹ مارے اور اٹن شن ہو کر کھڑے ہو
گئے۔ کیٹی نے چاروں سپاہیوں کے سینے پر اپنا بید کا ڈنڈا
رکھ کر تھوڑا پیچھے کو دھکیلا اور کہا:
"حرام کی مت کھاؤ۔ یہ پاکستان ہے۔ تمہارا اپنا ملک
ہے۔ اس کی خدمت کرو۔ ڈیوٹی اٹن شن ہو کر دو۔
جاؤ۔ دفعہ ہو جاؤ۔"
"سلام سر! سلام!"
سپاہی سیلوٹ کر کے بڑے چاق و چوبند ہو کر یونیورسٹی گراؤنڈ
کی طرف چلنے لگے۔

ناگ ہنسنے لگا :

"اگر تم اس وقت تھانیدار نہ بنی ہوتی تو ہمیں پھر وہی ڈرامہ دہرانا پڑتا۔"

کیٹی نے کہا :

"اب خدا کرے کہ میں تھانیدار سے کوئی دوسری شکل اختیار کرسکوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر وہی چکر شروع ہو جائے کہ چٹکی بجا کر بلی بن جاؤں اور پھر چٹکی بجا کر تھانے دار اور بس۔"

"ایسی کیا بات ہے آزما کر دیکھ لو۔" ناگ نے کہا۔

کیٹی بولی :

"میرا خیال ہے ہوٹل پہنچ جائیں۔ پھر وہاں جا کر کوئی اور چیز بن جاؤں گی۔"

"اچھا خیال ہے، کیوں کہ راستے میں ابھی گشت کرتے کرتے کئی سپاہی ملیں گے۔"

مال روڈ پر آکر وہ چیئرنگ کراس کی طرف مڑ گئے۔ سامنے لاہور کا سب سے شاندار ہوٹل ہلٹن آ گیا۔

ناگ نے کہا :

"اب تم کون سی شکل اختیار کرو گی کیٹی بہن؟"

کیٹی نے کہا :

"کسی ایسی مشہور عورت کی شکل اختیار کرتی ہوں جس سے ہوٹل والے پہلے ہوٹل کا کرایہ مانگنے کی جرائت ہی نہ کریں۔"

"ہاں۔ یہ ٹھیک رہے گا۔"

کیٹی نے کہا :

"ملکہ ترنم نور جہاں بن جاؤں۔"؟

ناگ بولا :

"ہمیں یہاں ہوٹل میں سات دن رہنا ہے۔ نورجہاں کو پتہ چل جائے گا اور ہمارا بھانڈا اگلے ہی روز پھوٹ جائے گا۔ کسی ایسی مشہور عورت یا مرد کی شکل اختیار کرو جو یہاں سات دن تک نہ آسکے۔"

کیٹی نے کہا :

"اندرا گاندھی بن جاؤں؟"

"ارے نہیں بابا۔ کیوں دونوں حکومتوں میں لڑائی جھگڑا کراؤ گی۔ کوئی اور شکل سوچو۔" ناگ نے کہا۔

کیٹی سوچنے لگی۔

ناگ نے کہا :

"تم جھانسی کی رانی بن جاؤ۔"

"وہ کون تھی؟" کیٹی نے پوچھا۔

ناگ نے کہا:

"جھانسی بھارت میں ایک ریاست تھی۔ وہ وہاں کی رانی تھی۔" پھر کچھ سوچ کر بولا: "مگر وہ تو سو سال ہوئے مر چکی ہے۔"

کیٹی بولی:

"تو پھر کیا ہوا میں اس کی پڑپوتی بن جاتی ہوں۔"

ناگ بولا:

"ٹھیک ہے تم رانی آف جھانسی کی پڑپوتی بن جاؤ۔"

کیٹی نے دل میں رانی آف جھانسی کی پڑپوتی کا خیال کیا اور چٹکی بجا دی۔ دوسرے لمحے کیٹی ایک شاندار قیمتی بنارسی ساڑھی پہنے سر پر موتیوں کا تاج رکھے۔ گلے میں ہیرے موتیوں کی مالا ڈالے مہارانی آف جھانسی کی پڑپوتی کے روپ میں کھڑی تھی۔ وہ اتنی خوبصورت اور باوقار تھی کہ رانی لگ رہی تھی۔ ماتھے پر بندیا لگی تھی۔ ساڑھی چم چم کر رہی تھی۔ آنکھیں چوکور نہیں تھیں۔ بادام کی طرح تھیں اور سیاہ کالی تھیں۔

ناگ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"کیٹی! تم تو ہو بہو کسی ملک کی مہارانی لگتی ہو۔"

کیٹی مسکرائی۔

"اب تم ایسا کرو کہ آگے جا کر ہلٹن ہوٹل والوں سے کہو کر مہارانی جھانسی کی پڑپوتی رانی گھانسی دیوی کو انڈیا سے اچانک لاہور آنا پڑ گیا ہے اور وہ آپ کے ہوٹل میں ٹھہرے گی۔"

"او کے۔"

ناگ جلدی جلدی ہوٹل کے بڑے شیشے والے دروازے سے داخل ہو کر کاؤنٹر پر آ گیا۔ کاؤنٹر پر ایک لمبا تڑنگا مونچھوں والا مینجر سوٹ پہنے کھڑا کسی کو فون کر رہا تھا۔ ناگ بے چینی سے کھڑا ہو گیا۔

مینجر نے فون کا ریسیور رکھ کر ناگ سے پوچھا:

"فرمائیے!"

ناگ نے کہا:

"میں مہارانی آف جھانسی کی پڑپوتی رانی گھانسی دیوی کا پرائیویٹ سیکرٹری ہوں۔ رانی جی کو رات کی آخری فلائیٹ سے اچانک لاہور آنا پڑ گیا ہے۔ وہ آپ کے ہوٹل میں ٹھہریں گی۔"

مینجر بولا:

"مہارانی آف جھانسی کی پڑپوتی۔ رانی گھانسی؟"
"جی ہاں۔ رانی گھانسی دیوی پدم شریمتی۔"
"کہاں ہیں وہ؟"
"وہ۔ دیکھئے۔ تشریف لا رہی ہیں۔"

مینجر نے دروازے کی طرف دیکھا۔ ایک انتہائی خوبصورت اونچی لمبی باوقار عورت ـــ نہایت قیمتی ساڑھی میں ملبوس، ہیرے جواہرات پہنے۔ سر پر موتیوں کا تاج رکھے بڑی شان سے قدم اٹھاتی چلی آ رہی ہے۔ وہ جلدی سے کاؤنٹر سے نکل کر سامنے آ گیا۔

"خوش آمدید رانی گھانسی دیوی پدم شریمتی جی!"
کیٹی نے ایک ہاتھ اٹھا کر کہا:
"دھن باد شری جی! ہمیں اپنے شاہی محل سے اچانک لاہور آنا پڑ گیا ہے۔ ہمارا جہاز راستے میں خراب ہو گیا تھا۔ میرا مطلب ہے۔۔۔"

ناگ نے کیٹی کی طرف گھور کر دیکھا۔ وہ فوراً سنبھل گئی۔
"میرا مطلب ہے کہ ہمارا ذاتی جہاز پتا جی کو لے کر امریکہ گیا ہوا تھا۔ ہمیں ایک دوسرے جہاز میں آنا پڑ گیا۔ ہمیں ہوٹل کا سب سے قیمتی اور اعلیٰ ترین کمرہ دیا جائے اور ہمارے سیکرٹری

ناگ دیو کا کمرہ ہمارے کمرے کے ساتھ ہونا چاہیئے۔"
مینجر نے جھک کر کہا:
"جو حکم مہارانی صاحبہ"

اس نے اسی وقت ہوٹل میں سب نوکروں کو جگا دیا۔ سب سے اعلیٰ تین بیڈ روم والے کمرے کو کھول دیا گیا۔ کیٹی بڑی شان سے اس کمرے میں داخل ہوئی اور ناک سیکڑ کر بولی:
"اس کمرے سے روغن کی بُو آ رہی ہے۔ یہاں فوراً قیمتی خوشبو کا سپرے کرایا جائے۔"
"جو حکم مہارانی صاحبہ"

اسی وقت مینجر نے نوکروں کو بلا کر خوشبو کی سپرے کرا دی۔ کمرہ مہک اٹھا۔ ناگ دیو کے لیے ساتھ والا کمرہ کھلوا دیا گیا۔
کیٹی نے کہا:
"اس وقت ہم آرام کریں گے۔"
مینجر نے جھک کر کہا:
"مہارانی جی! صبح ناشتے پر کیا پیش کیا جائے؟"
مہارانی کیٹی نے کہا:
"بلبل کی یخنی۔ کبوتر کا اچار، ہرن کی چٹنی،

گنڈیریوں کا آملیٹ، مچھلی کا حلوہ اور ہاتھی کے
چھوٹے بچے کا سوپ۔"
مینجر کا دماغ چکرا گیا:
"جو حکم مہارانی جی۔"
اور وہ بلبل کی یخنی، کبوتر کا اچار، ہرن کی چٹنی منہ
ہی منہ میں دہراتا کمرے سے باہر نکل گیا۔ باہر جا کر
اس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا:
"یا خدا! یہ رانی گھانسی دیوی ہے کہ چڑیا گھر کی
چڑیل ہے۔ کہاں سے لاؤں گا میں ہرن کی چٹنی
گنڈیریوں کا آملیٹ اور ہاتھی کے بچے کا سوپ۔"
وہ اپنے سر پر بار بار ہاتھ مارتا ہوا نیچے کاؤنٹر پر آ کر
کھڑا ہو گیا اور چڑیا گھر فون کر کے وہاں کے رات کے
چوکیدار سے پوچھنے لگا:
"کیوں بھائی جان! ایک دن کے لیے ہاتھی کا بچہ
مل جائے گا؟ اس کا تھوڑا سا سوپ بنا کر آپ
کو واپس کر دیں گے۔"
ادھر سے چوکیدار نے تنک کر کہا:
"میاں تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہاتھی کے
بچے کا سوپ تم نکال لو گے تو چڑیا گھر کے لیے

باقی کیا بچے گا؟ میاں پاگل خانے فون کرو۔ وہ
تمہیں آ کر خود ہاتھی کے بچے کے پاس لے
جائیں گے۔"
مینجر نے کہا:
"بھائی ناراض نہ ہو۔ ہاتھی کے بچے کو چھوڑو، یہ
بتاؤ کہ بلبل کی یخنی اور کبوتر کا اچار مل جائے گا
تمہارے چڑیا گھر سے؟"
"یہ چڑیا گھر ہے بھائی صاحب! کوئی پاگل خانہ نہیں ہے۔"
اور فون بند کر دیا گیا۔ اچانک فون کی گھنٹی بج اٹھی۔
مینجر نے ریسیور اٹھا کر کہا:
"ہلٹن ہوٹل یس پلیز۔ میں آپ کی کیا خدمت کر
سکتا ہوں۔"
دوسری جانب سے رانی گھانسی دیوی کی نازک اور سریلی
آواز سنائی دی:
"ہیلو ڈارلنگ مینجر!"
مینجر کا رنگ سرخ ہو گیا۔ جھٹ بولا:
"فرمائیے مہارانی جی!"
کیٹی نے کہا:
"ناشتے میں ایک اور آئٹم شامل کر لو۔"

"جی فرمایئے، حکم کیجئے۔" مینجر نے کہا:
کیٹی بولی:
"بلبل کی یخنی کے ساتھ چھوٹے سے نابالغ گدھے کے
نرگسی کباب ضرور ہونے چاہئیں۔"
مینجر نے ہکلا کر کہا:
"نو پرابلم رانی صاحبہ! گدھے کے بچے یہاں بہت
مل جائیں گے۔"
اور مینجر نے ریسیور رکھ کر اپنا سر پکڑ لیا:
"کیا کرو گے اب گدھے کے بچے!"

○

عنبر اور ڈسکو مُردے

ہوٹل میں شور مچ گیا کہ مہارانی جھانسی کی پڑپوتی آئی ہوئی ہے۔

اخباروں کے رپورٹر ہوٹل ہلٹن کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے کہ مشہور تاریخی مہارانی جھانسی کی پڑپوتی کا انٹرویو اور تصویریں لی جائیں جو کوئی آتا ناگ اسے کہہ دیتا کہ مہارانی گھانسی دیوی سو رہی ہیں۔ آرام کر رہی ہیں۔ پھر تشریف لایئے گا۔ ناشتے پر کیٹی کو بلبل کی یخنی تو مل گئی مگر گنڈیریوں کا آملیٹ اور ہرن کا اچار نہ مل سکا۔ مینجر خود ہیڈ بیرے کے ساتھ آیا اور سر جھکا کر ادب سے بولا:

"مہارانی جی! معاف کیجئے گا۔ گنڈیریوں کا آملیٹ اس لیے نہیں بنایا جا سکا کہ آج کل گنے کا موسم نہیں ہے اور ہاتھی کا سوپ اس لیے نہ بن سکا کہ ہاتھی گرمیوں کی چھٹیاں گذارنے مری چلے گئے ہیں۔"

مہارانی نے کہا :

"کوئی بات نہیں۔ مگر لنچ پر ہمیں سٹیر کے سری پائے ضرور ملنے چاہئیں۔"

مینجر نے ہاتھ باندھ کر عرض کی :

"مہارانی صاحبہ! سٹیر کی بجائے آپ میرے سری پائے کھا لیں لیکن میری نوکری خطرے میں نہ ڈالیں مجھ پر رحم کریں۔ اوپر والوں کو پتہ چلا کہ میں مہارانی گھانسی دیوی کو سٹیر کے سری پائے نہیں کھلا سکا تو وہ مجھے نوکری سے نکال دیں گے۔"

ناگ نے مہارانی سے جھک کر کہا :

"مہارانی صاحبہ! اس نوجوان پر رحم کیا جائے آپ سری پائے کی بجائے اونٹ کے کوفتے کھا لیں۔"

مینجر نے چیخ مار کر کہا :

"نہیں نہیں مہارانی جی! یہاں اونٹ بھی نہیں ملتے۔ مجھے اونٹ لینے کے لیے دوبئی جانا پڑے گا۔ کوئی اور شے کھا لیں۔"

مہارانی نے کہا :

"اچھا ہم بکرے کے کوفتے کھا لیں گے اب تم چلے جاؤ اور ہمارا دماغ خراب نہ کرو۔"

"جو حکم مہارانی جی!"

اور مینجر ادب سے سلام کر کے بیرے کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی ناگ نے کہا :

"کیپٹی! خدا کے لیے اتنی زیادہ ایکٹنگ نہ کرو کہ بھانڈا ہی پھوٹ جائے۔"

کیپٹی ہنسنے لگی :

"کیسا الّو بنایا ہے اس ہوٹل والوں کو مہارانی آف جھانسی کی پڑپوتی رانی گھانسی دیوی۔ اخبار والے بھی کیسے بے وقوف بن گئے ہیں۔ انٹرویو پر انٹرویو لینے چلے آ رہے ہیں۔"

ناگ نے کہا :

"اخبار والوں کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ انہیں تو اخبار کے لیے گرما گرم مصالحہ چاہیے۔ اب انہیں کیا خبر کہ تم جھانسی کی رانی کی پڑپوتی نہیں ہو۔"

کیپٹی نے کہا :

"اور جب انہیں پتہ چل گیا تو ؟"

"تو دیکھنا تمہارے خلاف کیسے کیسے مضمون لکھے جائیں گے۔ مجھے تو یہ ڈر ہے کہ ہندوستان میں یا پاکستان میں اگر جھانسی کی رانی کی کوئی حقیقی پڑپوتی

نکل آئی تو کیا ہوگا۔"

کیٹی بولی:

"میں چٹکی بجا کر خود جھانسی کی رانی بن جاؤں گی اور کہہ دوں گی کہ یہ میری پڑپوتی نہیں ہے۔"

ناگ ہنسنے لگا:

"یہ تو تم ٹھیک کہتی ہو۔"

دروازے پر دستک ہوئی:

"کون ہے؟" ناگ نے پوچھا۔

"حضور! لنچ کتنے بجے کھائیں گی مہارانی صاحبہ؟"

ناگ اور کیٹی مسکرا دیئے!

ناگ نے کہا:

"دو بجے لنچ تیار ہونا چاہیے۔"

"جو حکم حضور!"

شام کو کیٹی نے مینجر کو فون کیا اور کہا:

"جلدی میں ہم اپنی چیک بک شاہی محل میں ہی بھول آئے ہیں۔ تم ایسا کرو کہ ہمیں اسی وقت دس ہزار روپے نقد لا کر دو۔ روپے روپے کے نوٹ ہوں اور یہ رقم ہمارے شاہی بل میں ڈال دی جائے۔"

"جو حکم مہارانی جی۔"

تھوڑی دیر بعد مینجر خود دس ہزار روپے لے کر حاضر ہوگیا۔ مہارانی نے لے کر رکھ لیے۔

ناگ نے مینجر کے جانے کے بعد پوچھا:

"اس کی کیا ضرورت تھی؟ میں یہاں کسی بھی زمین میں دفن خزانے سے دولت حاصل کر سکتا تھا۔"

کیٹی نے کہا:

"آخر یہ لوگ بھی تو حرام کی کمائی کر رہے ہیں۔ کوکا کولا کی جو بوتل بازار میں دو روپے میں ملتی ہے وہ یہ لوگ یہاں تیس روپے کی بیچ رہے ہیں۔"

ناگ بولا:

"مگر تم دس ہزار روپے لے کر کیا کرو گی۔"

کیٹی بولی:

"آخر میں مہارانی ہوں۔ مجھے غریبوں میں خیرات بھی تو کرنی چاہیے جس طرح بادشاہ راجہ اور مہارانیاں کیا کرتی تھیں۔"

ناگ خاموش ہوگیا۔ دوسرے روز ہوٹل کے احاطے میں فقیروں کا ہجوم جمع تھا اور مہارانی گھانسی دیوی خود ان میں روپے تقسیم کر رہی تھی۔ فقیر اسے دعائیں دے رہے تھے۔

اخباروں میں اس بات کا بھی بڑا چرچا ہوا کہ مہارانی گھانسی
دیوی نے ہزاروں روپے غریبوں میں خیرات کر دیئے۔ اس
سے اگلے روز کیٹی نے ایک بار پھر ہوٹل والوں سے دس
ہزار روپے لے کر غریبوں میں تقسیم کر دیئے۔ مینجر کا ڈر کے
مارے بُرا حال ہو رہا تھا کہ اگر مہارانی گھانسی کی چیک
تک نہ آئی تو اسے جیل کی ہوا کھانی پڑے گی۔

اب ذرا عنبر کی خبر لیتے ہیں کہ جب ناگ اور کیٹی اس
کو میانی صاحب کی ایک پرانی قبر میں لٹا کر واپس آئے تو
عنبر پر کیا گزری؟

عنبر سبز سانپ کی شکل میں قبر میں چپکے سے جا کر
لیٹ گیا۔ جب کیٹی اور ناگ قبر کے سوراخ کو بند کر کے
چلے گئے تو قبر میں اور زیادہ تاریکی چھا گئی۔ پھر بھی
عنبر اندھیرے میں قبر کی چھت کی اکھڑی ہوئی اینٹوں
کو دیکھ رہا تھا۔ قبر بالکل خالی تھی۔ اس وقت رات کے بارہ
بج رہے تھے۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ قبر کی دیوار میں
ایک چھوٹا سا سوراخ نمودار ہوا۔ یہ سوراخ بڑا ہوتے ہوتے
ایک کھڑکی بن گیا۔ عنبر کو میوزک کی آوازیں آنے لگیں۔
یہ انگریزی میوزک تھا۔ عنبر آہستہ سے رینگتا ہوا کھڑکی کے
پاس آیا اور اس نے جھانک کر دوسری طرف دیکھا۔ وہ

دیکھتا رہ گیا۔ دوسری طرف ایک ہال کمرہ تھا جس میں میز پر
کیسٹ پلیئر لگا ہوا تھا اور مُردوں کے ہڈیوں کے ڈھانچے
میوزک کی تال پر ڈسکو ناچ رہے تھے۔

ہڈیوں کے ڈھانچے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر رقص
کرتے گول چکر لگاتے۔ کبھی ہاتھ چھوڑ کر تالی بجاتے، کبھی
گھوم کر جھک جاتے اور کبھی کھوپڑیوں کو آگے پیچھے جھٹکے
دے کر جسم کی ہڈیوں کو میوزک کی دھن پر زور زور سے
لچکانے لگتے۔ عنبر یہ منظر دیکھ کر حیران ہوا کہ یہ کیسے مردے
ہیں کہ میوزک لگا کر ڈسکو ڈانس کر رہے ہیں۔ میوزک
بڑا تیز تھا۔ اچانک ایک مردے کی نظر عنبر پر پڑ گئی۔
اس نے ہاتھ بلند کیا۔ میوزک بند ہو گیا۔ سارے مردے
عنبر کی طرف تکنے لگے۔ عنبر کھڑکی سے پیچھے ہٹ گیا۔
ایک مُردہ جو ان سب کا بڑا ڈانسر تھا۔ آگے آیا اور عنبر
کو ہاتھ سے اُوپر اٹھا لیا۔ پھر اپنے ساتھیوں کی طرف
دیکھ کر بولا:

"میرے ساتھی مُردو! اس گستاخ نے ہمارے خفیہ
میوزک ہال میں بغیر اجازت دیکھنے کی کوشش کی
ہے۔ اسے ہم سزا دیں گے۔"

عنبر نے زور لگا کر مُردے کے ہاتھ سے چھلانگ مارنے

کی کوشش کی مگر اسے محسوس ہوا کہ اس کی ساری طاقت
جواب دے گئی ہے۔

مردے نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

"میں جانتا ہوں تم کون ہو اور تمہیں اس قبر میں
کیوں بھیجا گیا ہے لیکن تم نہیں جانتے تھے کہ
یہ ہمارا میوزک روم ہے اور ہم ہر رات بارہ
بجے یہاں ڈسکو ناچنے آتے ہیں۔"

سارے مردوں نے شور مچایا:

"اسے ڈسکو میوزک کے مرتبان میں ڈال دو۔"

ڈانسر مردے نے عنبر کو پکڑ رکھا تھا اور ہنس رہا تھا
وہ اسے لے کر ایک نیلے رنگ کے بڑے مرتبان کے
پاس آیا جس کے اُوپر ڈھکنا لگا تھا۔

"کیا حکم ہے سب کا؟" اس نے دوسرے مردوں سے
پوچھا:

سب نے کہا:

"اسے ڈسکو مرتبان میں ڈال دو۔"

ڈانسر مردے نے مرتبان کا ڈھکنا اُٹھایا اور عنبر کو
مرتبان کے اندر ڈال دیا۔ اوپر سے ڈھکنا بند کر دیا گیا۔
عنبر کو گرنے کے ساتھ ہی پہلے تو کچھ نظر نہ آیا۔ ہر طرف

گھرا اندھیرا تھا۔ اسے لگا کہ وہ سخت پتھروں پر پڑا
ہے۔ وہ رینگنے لگا۔ وہ کافی دُور تک رینگتا چلا گیا۔
اب اسے محسوس ہوا کہ وہ مرتبان کے اندر گرنے
کے بعد مرتبان میں نہیں رہا بلکہ کسی کھلی جگہ پر نکل آیا
ہے جہاں اس کے چاروں طرف پتھر بکھرے ہوئے
ہیں۔ اندھیرے میں اب اسے ہر شے نظر آنے لگی۔ اس
کے ارد گرد چھوٹے چھوٹے پتھر ہی پتھر تھے۔ سامنے
ایک چٹان تھی جس کے بائیں جانب گھنا درخت اُگا
ہوا تھا۔ اس نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔ نیلے آسمان
پر ستارے جگمگا رہے تھے۔

"یا اللہ! میں کہاں آگیا ہوں؟ یہ کون سا ملک
ہے؟ کون سا زمانہ ہے؟"

عنبر دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ وہ رینگتے ہوئے
چٹان کی دوسری طرف آگیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک نہر بہہ
رہی ہے جس کے کناروں پر پیلے پھول اور کانٹے دار
جھاڑیاں ہیں۔ اسے بین کی آواز آنے لگی۔ بین کی آواز
پر وہ خود بخود جھومنے لگا اور جدھر سے آواز آ رہی
تھی ادھر کو چل پڑا۔ بین کی آواز نہر کے دوسرے کنارے
سے آ رہی تھی۔ عنبر نہر میں تیرتا ہوا دوسرے کنارے

پر آ گیا۔ جھاڑیوں اور درختوں اور گھاس میں سے ہوتا
وہ ایک بہت بڑے درخت کے پاس آیا تو دیکھا کہ
ایک سپیرا جس کے سر پر مغل زمانے کا پگڑ بندھا ہے۔
گلے میں گیروے رنگ کا جھولا نما کرتہ ہے۔ پٹاری کھلی
ہے اور سامنے زمین پر رکھی ہے بین بجا رہا ہے اور
جھوم رہا ہے۔ عنبر کو یعنی سبز کلغی والے سانپ کو دیکھ
کر سپیرے نے اور زور سے بین بجانی شروع کر دی۔
اس کے کانوں کے بالے جھوم رہے تھے۔

عنبر بھی بین کی دُھن پر رقص کرنے لگا۔ رقص کرتا
کرتا وہ کھلی پٹاری کے پاس آ گیا۔ سپیرے نے بین کا
رخ پٹاری کی طرف کر دیا۔ عنبر نے پٹاری کے گرد
دو چار چکر لگائے اور پھر اس میں داخل ہو کر بیٹھ گیا اور
اپنا کلغی والا سر ہلانے لگا۔ جونہی عنبر پٹاری کے اندر گیا
سپیرے نے ایک ہاتھ بڑھا کر پٹاری کا ڈھکن بند کر دیا۔
پٹاری کو جھولے میں ڈالا اور جھولا کاندھے کے ساتھ لٹکا کر
وہاں سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

عنبر پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی جیسے اس نے
نیند لانے والی گولیاں کھا رکھی ہوں۔ اس نے کئی بار
زور لگا کر پٹاری میں سے نکل جانے کی کوشش کی مگر

کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر تھک ہار کر وہ پٹاری میں سر
رکھ کر لیٹ گیا اور اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا۔

سپیرا عنبر کو لے کر شہر سے باہر والے اپنے جھونپڑے
میں آ گیا۔ پٹاری والا جھولا دیوار کے ساتھ لٹکایا۔ منہ ہاتھ
دھو کر نئے کپڑے پہنے۔ عنبر والی پٹاری اٹھائی اور باہر
نکل آیا۔ جھونپڑی کی دوسری طرف اس کا گھوڑا درخت کے
نیچے کھڑا تھا۔ سپیرا گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے لے کر رات
کی تاریکی میں گم ہو گیا۔

سپیرا راتوں رات دس میل کا جنگل میں سفر طے کر کے
دریا کے کنارے ایک جھونپڑے کے باہر آ کر گھوڑے سے
اُترا اور بولا:

"جہاں پناہ شاہ عالم! غلام حاضر ہے۔"

اندر سے ایک بارعب آواز آئی:

"کیا تم کامیاب لوٹے ہو بھائی دِلو؟"

"ہاں شاہ عالم جہاں پناہ!"

"اندر آ جاؤ۔"

سپیرا جھونپڑی کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اندر
ایک بارعب چہرے والا آدمی گھاس پر لیٹا تھا۔ اس کا
لباس مغلیہ زمانے کا تھا۔ اس کی تلوار دیوار کے ساتھ لٹک

رہی تھی۔ کمر کے گرد سنہری پیٹی بندھی تھی۔ اس کا رنگ
زرد ہو کر سیاہی مائل ہو رہا تھا۔ سپیرے نے
جلدی سے پٹاری کھول کر عنبر کو جو سبز کلغی والے
سانپ کی شکل میں تھا باہر نکالا اور اس کو ہتھیلی پر بٹھا
کر جہاں پناہ شاہ عالم کے گرد سات پھیرے لگائے۔ پھیروں
کا لگنا تھا کہ شاہ عالم کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا اور وہ
اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"دہلو! تم نے نمک کا حق ادا کر دیا۔ اگر تم یہ سانپ
تلاش کر کے نہ لاتے تو امیر تیمور کے آدمیوں
نے مجھے جو زہر پلا دیا تھا وہ زندہ نہ چھوڑتا
اور میں مر گیا ہوتا۔"

سپیرا بولا:

"جہاں پناہ! غلام کو خوشی ہے کہ وہ آپ کے
کام آیا۔ اب آپ اس سانپ کو اپنے پاس
ہی پٹاری میں بند کر کے رکھیں۔ کیوں کہ سات
روز تک اس کا آپ کے پاس رہنا بڑا ضروری
ہے۔ سات روز کے بعد آپ کے جسم میں سے
زہر کا اثر بالکل ختم ہو جائے گا۔"

یہ کہہ کر سپیرے نے عنبر کو دوبارا پٹاری میں بند کر دیا

اور پٹاری جہاں پناہ کے سرہانے کے پاس رکھ دی۔

یہ مغلیہ سلطنت کے زوال کا آخری زمانہ تھا۔ اورنگزیب
کے بعد ہندوستان میں مغلوں کی سلطنت دہلی کے قریب
سمٹ آئی تھی اور امیر تیمور نے حملہ کر کے دہلی پر قبضہ
کر لیا تھا اور شہزادہ شاہ عالم ثانی کو زہر دلوا دیا تھا مگر
ایک نمک حلال غلام جو کسی زمانے میں سپیرا رہ چکا تھا۔
شہزادے کو اٹھا کر دور جنگل میں دریا کے کنارے لے
آیا اور آخری کوشش کے طور پر سبز کلغی والے سانپ
کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا، کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ
شہزادہ شاہ عالم کے جسم میں جو زہر داخل ہو چکا ہے اس
کے اثر کو سبز سانپ ہی ختم کر سکتا ہے۔ یہ شہزادے
کی خوش قسمتی تھی کہ سپیرا سبز کلغی والے سانپ کو حاصل کرنے
میں کامیاب ہو گیا۔

شہزادہ عالم امیر تیمور کے سپاہیوں سے چھپ کر اس
جنگل میں بیٹھا تھا اور اسے معلوم تھا کہ امیر تیمور اس
کی والدہ اور بہن شہزادی زیب النساء سے چھپے ہوئے
خزانے کا پتہ پوچھنے کے لیے ظلم کر رہا ہو گا۔ امیر تیمور
کو یقین تھا کہ شاہی خاندان کے لوگ نے محل کے
اندر کروڑوں روپے کے قیمتی خزانے زمین میں دفن کر
رکھے ہیں۔ امیر تیمور صرف دولت حاصل کرنا چاہتا تھا

اور وہ اس کے لیے لوگوں کو بے دریغ قتل کر رہا تھا۔
اس نے شاہی خاندان کے کئی مردوں اور عورتوں اور بچوں
تک کو قتل کروا دیا تھا اور ان کی لاشیں کتوں کے آگے
ڈلوا دی تھیں۔ اس نے شاہ عالم ثانی کے سینے پر چڑھ
کر اس کی آنکھیں خود خنجر ہاتھ میں لے کر نکال دی تھیں
اور پھر اسے بوری میں بند کر کے قلعے کی دیوار سے پھنکوا
دیا تھا۔ شاہ عالم ثانی کا قصور صرف اتنا تھا کہ اسے امیر
تیمور کو یہ نہیں بتایا تھا کہ شاہی خزانہ محل میں کس جگہ
دفن ہے جب کہ شاہ عالم ثانی کو خود بھی معلوم نہیں تھا۔
امیر تیمور کو تاریخ ایک بے رحم بادشاہ کے طور پر یاد
کرتی ہے۔ اس نے نازک مغل شہزادیوں کو ایک چھوٹی
سی تنگ کوٹھڑی میں بند کر کے باہر تالا لگا دیا۔ بے چاری
پھول ایسی شہزادیاں اندر بند گرمی بھوک اور پیاس سے
تڑپ تڑپ کر مرگئیں۔

شہزادہ عالم کو اس نے کھانے میں زہر دلوا دیا مگر
نمک حلال غلام کو پتہ چل گیا اور وہ راتوں رات شہزادے
کو گھوڑے پر بٹھا کر جنگل میں لے آیا اور اسے اچھا کر دیا۔ اب شہزاد
کو سب سے زیادہ اپنی والدہ ملکہ زمانی اور بہن شہزادی
زیب النساء کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ غلام سپیرے نے
شہزادے کو تسلی دینے کی بہت کوشش کی کہ شہزادی صاحبہ

اور ملکہ صاحبہ خیریت سے ہوں گی مگر شہزادے کا غم
بڑھتا ہی گیا۔ زہر کے اثر کی وجہ سے ابھی وہ خود چلنے
پھرنے کے قابل نہیں تھا۔ ورنہ وہ اپنی بہن اور ماں کی
مدد کے لیے دہلی روانہ ہو جاتا خواہ اس کی اپنی جان
چلی جاتی۔ غلام سے اپنے شہزادے کی یہ حالت دیکھی نہ
گئی۔ ایک روز اس نے شہزادے سے اجازت لی
اور گھوڑے پر بیٹھ کر ملکہ اور شہزادی کو فرار کروا کر ساتھ
لانے کے لیے دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

ساری رات اور سارا دن سفر کرنے کے بعد سپیرا
غلام دہلی شہر میں پہنچ گیا۔ ایک رات اور دوسرا دن اس
نے سرائے میں گذارا پھر سپیرے کے بھیس میں گلیوں میں
بین بجاتا۔ سانپ کا تماشہ دکھاتا شاہی محل کی طرف روانہ
ہو گیا۔ وہ قلعے کی دیواروں اور سارے خفیہ راستوں سے
واقف تھا۔ شام کب کی ہو چکی تھی اور اب رات کا اندھیرا
چھا رہا تھا۔ شاہی محل کی عقبی دیوار میں ایک جگہ خفیہ
راستہ تھا۔ سپیرا غلام اس خفیہ راستے کے آگے اُگی ہوئی
جھاڑیوں اور پتھروں کو ہٹا کر اندر داخل ہو گیا اور شاہی
زنان خانے میں نکل آیا۔ یہاں اسے ایک وفادار کنیز مل
گئی۔ وہ غلام کو دیکھ کر حیران ہو گئی۔ سپیرے غلام نے
اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ایک طرف لے جا

کر پوچھا کہ ملکہ زمانی بیگم اور شہزادی زیب النساء کس حال
میں ہیں۔ کنیز کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگی:۔
"ملکہ اور شہزادی کو عالم امیر تیمور نے تہہ خانے
میں بند کر رکھا ہے جہاں ان پر بڑے ظلم توڑے
جاتے ہیں۔ میں کسی طرح پہرے داروں سے مل کر
ملکہ اور شہزادی صاحبہ کو کھانا پہنچا دیتی ہوں۔"
کنیز رونے لگی اور بولی:
"تم یہاں کس لیے آئے ہو؟ شہزادے کا کیا
حال ہے؟"
سپیرے غلام نے اسے بتایا کہ شہزادہ عالم خیریت
سے ہے:
"اور میں ملکہ اور شہزادی کو یہاں سے بھگا کر لے
جانے کے لیے آیا ہوں۔"
اتنے میں امیر تیمور کا ایک سپاہی وہاں آ گیا۔ اس نے
جو ایک سپیرے کو شاہی محل میں دیکھا تو وہیں سے تلوار
نکال کر چلایا:
"خبردار! کون ہو تم؟"
سپیرا غلام فوراً پیچھے کو بھاگا۔ سپاہی نے تلوار اس
کی طرف پھینکی جو اس کی کمر میں آدھی کھب گئی۔ پھر بھی
سپیرا غلام خفیہ راستے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ گرتا پڑتا اپنے گھوڑے پر جا کر بیٹھ گیا اور ایڑ لگا
دی۔ گھوڑا اپنے مالک کو لے کر دریا کی طرف روانہ ہو گیا۔
سپیرا غلام شدید زخمی تھا اور اس کے جسم سے خون بہہ رہا
تھا۔ وہ مرنے کے قریب تھا۔ چاہتا تھا کہ مرنے سے پہلے
شہزادے کے پاس پہنچ جائے۔ گھوڑا بھی شاید اپنے مالک
کی حالت کو بھانپ گیا تھا۔ اس نے اپنی رفتار تیز کر
دی تھی۔
دن نکلنے والا تھا کہ شہزادے شاہ عالم کو جھونپڑی کے
قریب گھوڑے کے رکنے کی آواز آئی۔
اس نے پکار کر کہا:
"دلو! تم آ گئے کیا؟"
سپیرے غلام کی کمزور سی آواز آئی:
"ہاں شہزادہ شاہ عالم۔"
شہزادہ گھاس کے بستر پر سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ کیا
دیکھتا ہے کہ غلام شدید زخمی حالت میں گھوڑے کی پیٹھ پر
الٹا پڑا ہے اور اس کی کمر میں تلوار آدھی کھبی ہوئی ہے۔
شہزادے نے جلدی سے تلوار باہر کھینچ لی اور غلام کو
گھوڑے سے اتار کر زمین پر لٹا دیا۔ وہ پانی لانے اندر
جانے لگا تو غلام نے شہزادے کا ہاتھ پکڑ لیا اور کمزور
آواز میں کہا:

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ شہزادے۔ مجھے دکھ ہے کہ ملکہ اور شہزادی صاحبہ کو اپنے ساتھ نہیں لا سکا۔ مگر میں آپ کو یہ اطلاع دینے کے لیے اب تک زندہ تھا کہ ملکہ اور شہزادی کو امیر تیمور نے تہہ خانے میں ڈال رکھا ہے اور ایک کنیز چوری چھپے انہیں کھانا دے آتی ہے۔"

اتنا کہہ کر غلام نے ہچکی لی اور مر گیا۔

شہزادہ شاہ عالم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بے بس تھا اور نہ اپنے غلام کو موت کے منہ سے بچا سکا تھا اور نہ اپنی والدہ ملکہ زمانی اور اپنی بہن شہزادی زیب النساء کی زندگیاں بچا سکتا تھا۔ کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ امیر تیمور انہیں نہیں چھوڑے گا۔ اس نے شاہی خاندان کی ایک ایک عورت اور شہزادے کو بڑی بے دردی سے اپنی آنکھوں کے سامنے قتل کروا دیا تھا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ شاید ملکہ اور شہزادی شاہی محل ہی میں چھپے ہوئے خزانے کا پتہ بتا دیں کیونکہ اس کے خیال میں یہی دو شاہی فرد زندہ باقی رہ گئے تھے۔

شاہ عالم شہزادے نے اپنے ہاتھوں قبر کھود کر غلام کو دفن کیا اور فاتحہ پڑھ کر اس کی روح کو ثواب پہنچایا۔ اور جھونپڑی میں آ کر گھاس کے بستر پر لیٹ گیا۔ عنبر اس

کے قریب ہی پٹاری میں بند پڑا تھا۔ ڈسکو مُردے کے جادو کا ابھی تک عنبر پر اثر تھا اور وہ پوری طرح سے اپنے جسم کے اندر وہ طاقت محسوس نہیں کر رہا تھا جو عنبر کے پاس ہوا کرتی تھی۔ اس نے شہزادہ شاہ عالم اور سپیرے غلام کی ساری باتیں سن لی تھیں۔ وہ پوری طرح سمجھ چکا تھا کہ وہ کس زمانے میں آ گیا ہے اور کس کے پاس پڑا ہے۔

اسی طرح جب سات دن گزر گئے تو شہزادہ عالم نے فیصلہ کر لیا کہ وہ محل میں جا کر یا اپنی والدہ اور بہن کی جانیں بچائے گا یا خود بھی جان دے دے گا۔ سپیرے غلام کے کہنے کے مطابق اب سات دن گزر گئے تھے۔ شہزادے نے سانپ یعنی عنبر کی پٹاری کو پرے کر کے رکھ دیا۔ اب وہ اپنے جسم میں ایک نئی طاقت محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنی تلوار نکال کر صاف کر کے اسے نیام میں ڈال کر جھونپڑے کی دیوار سے لٹکا دیا۔ وہ رات کے اندھیرے میں جنگل سے کوچ کر جانا چاہتا تھا۔

دوسری طرف عنبر بھی سات روز گزر جانے کے بعد اپنے اندر ایک نئی تبدیلی محسوس کرنے لگا تھا۔ کیٹی کے بالوں کی سنہری لٹ جو اس کی گردن میں بندھی تھی وہ تو ڈسکو مردے کے سردار ڈانسر نے اتار کر اپنے گلے میں ڈال لی تھی۔ اس لیے عنبر کو یقین تھا کہ شاید سات دن کے بعد وہ انسانی

شکل میں واپس نہ آئے۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ سنہری بالوں کی لٹ
اپنا کام کر چکی تھی۔
جب عنبر نے محسوس کیا کہ وہ انسان کی شکل میں ظاہر
ہونے ہی والا ہے وہ پٹاری میں سے چپکے سے باہر نکلا اور
گھاس میں سے رینگتا ہوا جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔ اس وقت
دن کی روشنی زیادہ نہیں تھی۔ شہزادے نے آج رات وہاں سے
چلے جانے کا پروگرام طے کر رکھا تھا اور اب دریا کے کنارے
بیٹھا منہ ہاتھ دھو رہا تھا۔ عنبر جھونپڑا کے پیچھے جھاڑیوں میں آکر
بیٹھ گیا۔ اس کے اندر نئی طاقت آنے لگی تھی۔ پھر اچانک اسے
ایک جھٹکا لگا اور اس کی آنکھیں اپنے آپ بند ہوگئیں۔
جب اس کی آنکھ کھلی تو یہ دیکھ کر بے حد خوش ہوا کہ وہ
دوبارا انسان بن چکا تھا۔ اس وقت اسے کیٹی اور ناگ
یاد آئے۔ جانتا تھا کہ وہ گذرے ہوتے مغل زمانے میں آ
چکا ہے اور اب قسمت سے ہی واپس جائے گا اور خدا
جانے واپس کس زمانے میں نکل جائے اور کیٹی ناگ اور
ماریا سے پھر کہاں اور کب ملاقات ہو؟ سوچنے لگا۔ سات
روز گذرنے کے بعد وہ لوگ پرانی قبر پر آکر سوراخ میں
سے اندر جھانکیں گے تو انہیں کچھ دکھائی نہیں دے گا۔
بے چاروں کو کس قدر مایوسی ہوگی۔
عنبر نے دیکھا کہ شہزادہ شاہ عالم دریا کنارے سے

اٹھ کر واپس جھونپڑی کی طرف جا رہا ہے۔ عنبر نے آگے
بڑھ کر بڑے ادب سے سلام کیا۔
شہزادہ ایک اجنبی کو سامنے دیکھ کر گھبرا گیا۔
"ک۔ک۔کون ہو تم؟" شہزادے نے پوچھا۔
عنبر نے کہا:
"حضور شہزادہ صاحب۔ اس خاکسار کا نام یاقوت ہے
اور میں آپ کے غلام دلو کا چھوٹا بھائی ہوں
اور اسے ملنے آیا ہوں۔"
شہزادہ شاہ عالم بولا:
"یاقوت! مجھے افسوس ہے کہ تمہارے بڑے
بھائی نے حق نمک ادا کرتے ہوئے اپنی جان قربان
کر دی۔ وہ دیکھو اس کی قبر۔"
عنبر نے قبر پر جا کر جھوٹ موٹ کے آنسو بہائے۔ فاتحہ
پڑھی اور شہزادے کو جھونپڑی میں لے جا کر دیکھا۔
"شہزادہ صاحب! مجھے میرے بڑے بھائی نے سب
کچھ بتا دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر کبھی مجھے کچھ ہو جائے
تو تم شہزادہ شاہ عالم کی خدمت کرنا۔ بس میں حاضر
ہوں شہزادہ صاحب!"
شہزادے نے آہ بھر کر کہا:
"تم میری کیا خدمت کر سکو گے بھائی۔ جیسے بھی ہو

سکے اپنی جان بچا کر یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تو مرنے کے لیے شاہی محل جا رہا ہوں تاکہ اپنی بہن اور والدہ کی ہو سکے تو جانیں بچا سکوں۔"

عنبر نے کہا:

"میں بھی آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ میں آپ کو اتنی خطرناک مہم پر اکیلا نہیں جانے دوں گا۔"

اور اسی رات جب کہ جنگل میں گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا شہزادہ عالم اور عنبر گھوڑوں پر سوار ملکہ زمانی بیگم اور شہزادی زیب النساء کی جان بچانے کے لیے شاہی محل کی طرف روانہ ہو گئے۔

- کیا شہزادہ اور عنبر اپنے مشن میں کامیاب ہوئے؟
- مہارانی جھانسی کی پڑپوتی بن کر کیٹی پر کیا گذری؟
- جب ناگ اور کیٹی نے قبرستان میں آ کر عنبر کو نہ پایا تو انہوں نے کیا سوچا؟
- ماریا بابل میں کن پُراسرار حالات میں گھر گئی؟

ان سوالوں کے جواب آپ آئندہ کی سنسنی خیز قسط نمبر ۶۸ "کیٹی پھانسی کے تختے پر" میں پڑھیں گے۔

مصنف: اے حمید

عنبر ناگ ماریا

کے ۵ ہزار سالہ سفر کی
پُراسرار اور سنسنی خیز داستان

نیا مکتبہ اِقراء : ۱۴/بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور ۸

کٹی پھانسی کے تختے پر

اے حمید

۶۸

ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی
کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

کیٹی پھانسی کے تختے پر

اے حمید

قیمت -/5.50 روپے

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

بار اوّل —— ۱۹۸۳ء

ناشر: نیا مکتبہ اقرا، ۲۰ اپر شاہ عالم مارکیٹ لاہور

طابع: التعمیر پرنٹرز، لاہور

پیارے دوستو!

عنبر سانپ سے انسانی روپ میں واپس آکر مغل شہزادہ شاہ عالم کے ہمراہ رات کی تاریکی میں دلی شہر کی طرف جا رہا ہے جہاں شہزادے کی ماں ملکہ اور اس کی بہن شہزادی زیب النساء کو امیر تیمور نے قید میں ڈال رکھا ہے اور انہیں اذیتیں دے کر ان سے شاہی محل میں دفن خزانہ کا پتہ پوچھ رہا ہے۔ عنبر ملکہ اور شہزادی کو ظالم حکمران کی قید سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ دوسری طرف خلائی لڑکی کیٹی ناگ کے ساتھ لاہور کے ہلٹن ہوٹل میں ڈی آئی جی کا روپ بدل کر جاتی ہے کہ وہاں اصلی ڈی آئی جی آ جاتا ہے کیٹی اسے دیکھ کر گورنر کا روپ بدل لیتی ہے۔ ڈی آئی جی فون کر کے پتہ کرتا ہے کہ گورنر صاحب کو گورنر ہاؤس میں ہیں۔ پھر یہ ہوٹل میں کون گورنر بن کر آ گیا ہے؟ ڈی آئی جی پولیس کو

لے کر خلائی رڈ کی کیپٹن کے کمرے پر چھاپہ مارتا ہے مگر اندر جو آدمی بیٹھا ہوتا ہے اس کو دیکھ کر وہ کانپنے لگ جاتا ہے۔ وہ آدمی کون تھا؟ یہ آپ خود پڑھ کر معلوم کیجئے اور لطف اٹھایئے۔

آپ کا ساتھی

اے حمید

ترتیب

موت کی سُرنگ

ان کے ارد گرد رات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

آسمان پر جو ستارے چمک رہے تھے ان کی دھیمی دھیمی چمک میں آس پاس کے میدان میں درختوں کے جھنڈوں اور کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کے خاکے دکھائی دے رہے تھے۔ عنبر غلام یاقوت کے روپ میں مغل شہزادہ شاہ عالم کے ساتھ گھوڑے پر سوار دلّی کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں مغل شہزادے کی والدہ ملکہ زمانی اور بہن زیب النسأ کو ظالم امیر تیمور نے دلّی کے تخت پر قبضے کے بعد قید میں ڈال رکھا تھا اور انہیں اذیتیں دے رہا تھا۔ وہ ان سے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ان کے بادشاہ کا قیمتی شاہی خزانہ محل میں کس جگہ دفن ہے جب کہ ان بے چاری ماں بیٹی کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ خزانہ کس جگہ پر دفن ہے شاہ عالم شہزادہ، دلّی سے جان بچا کر جنگل میں چھپ گیا تھا۔ اس کے سپیرے غلام دلو کے پاس عنبر سانپ کی شکل

میں پٹاری میں بند تھا۔ سپیرے غلام نے ملکہ اور شہزادی کو بچا کر فرار کروانے کی کوشش کی اور شدید زخمی ہو کر شہزادے کے پاس کسی نہ کسی طرح پہنچ گیا اور اسے بتایا کہ اس کی والدہ اور بہن کو قید خانے میں سخت تکلیفیں دی جا رہی ہیں اس کے بعد وہ مر گیا۔ عنبر سانپ کی شکل میں پٹاری میں بند شہزادے کی جھونپڑی میں پڑا تھا۔ جب سات دن پورے ہو گئے تو وہ انسان کی شکل میں آ گیا۔ مگر شہزادے پر اس نے یہ ظاہر نہ کیا کہ وہ سانپ تھا اور اب عنبر بن گیا ہے بلکہ وہ چپکے سے جھونپڑی سے نکل کر دریا کی طرف چلا گیا اور پھر وہاں سے مسافر کی شکل میں شہزادے کے پاس آیا جو دریا پر منہ ہاتھ دھو رہا تھا۔ اور کہا کہ میں مسافر ہوں۔ آپ مجھے اپنا خادم سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیں۔ شہزادہ شاہ عالم نے عنبر سے پوچھا کہ وہ کون ہے؟

عنبر نے کہا:

"حضور! میرا نام یاقوت ہے اور میں آپ کے نمک حلال غلام دلو سپیرے کا چھوٹا بھائی ہوں۔"

شہزادہ بڑا خوش ہوا۔ پھر اسے گلے لگایا اور دکھ کے ساتھ اس کے بھائی کی موت کی خبر سنائی۔ عنبر نے یونہی جھوٹ موٹ کا افسوس کیا۔ جب شہزادے نے عنبر کو اپنی ماں ملکہ زمانی

اور بہن زیب النساء کی تکلیفوں کا حال سنایا تو عنبر نے کہا کہ
چلیے دلّی چلتے ہیں اور ملکہ اور زیب النساء شہزادی کو وہاں
سے فرار کروانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ انہیں امیر تیمور کے
ظلم وستم سے نجات ملے۔

شہزادہ تیار ہو گیا، مگر اس نے کہا:

"دلّی میں امیر تیمور کے سپاہی قدم قدم پر میری تلاش
میں پھر رہے ہوں گے"

عنبر بولا:

"ہم ان سے چھپ کر کسی جگہ رہیں گے"

عنبر اور شہزادہ عالم شاہ ساری رات سفر کرتے رہے۔

دوسرے دن انہوں نے دن بھر آرام کیا۔ عنبر ایک قریبی گاؤں سے
کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے آیا۔ شام کو جب اندھیرا چھانے لگا تو
انہوں نے گھوڑوں کی زینیں کسیں اور ان پر سوار ہو کر اپنی منزل
کی طرف روانہ ہو گئے۔

رات بھر کے سفر کے بعد ابھی دن نہیں نکلا تھا کہ انہیں دُور
سے شہر دلی کی چار دیواری کا خاکہ دکھائی دینے لگا:

"ہم شہر میں پہنچنے والے ہیں یاقوت!"

عنبر نے کہا:

"ہاں شہزادہ شاہ عالم! مگر آپ کو کسی ایسی جگہ چھپانا چاہتا

ہوں جہاں کے لوگ وفادار ہوں اور آپ کی اور
میری مخبری کر کے ہمیں امیر تیمور کے سپاہیوں کے
ہاتھوں گرفتار نہ کروا دیں"

"اس کے لیے پھر ہمیں کسی خفیہ جگہ پر جا کر ٹھہرنا
ہو گا" شہزادے نے کہا:

عنبر نے پوچھا:

"شہزادے! شہر میں یوں تو آپ کے وفادار بہت
لوگ ہوں گے مگر کیا کوئی ایسا شخص ہے جس پر
بھروسہ کیا جا سکے۔ مطلب یہ کہ اسے کوئی لالچ
غداری کرنے پر آمادہ نہ کر سکے؟

شہزادے نے کہا:

"عبداللہ نام کا ایک خادم ہے جو شاہی محل میں
باغبان ہے۔ اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے"

عنبر بولا:

"تو پھر چلیے ہم اسی کے ہاں چلتے ہیں۔ آپ کو اس
کے گھر کا پتہ معلوم ہے نا؟"

"ہاں۔ میں ایک بار اس کے گھر گیا تھا" شہزادے نے کہا

عبداللہ باغبان کا گھر شہر کی چار دیواری کے اندر ایک باؤلی
کے پاس تھا جس کا پانی ایک نہر کی شکل میں عبداللہ کے

گھو کے قریب سے گذرتا تھا۔ یہ پانی باؤلی کے اندر ہی اندر
سے قلعے کے شاہی باغ میں سے ہوتا ہوا شاہی محل کے
باغوں میں جاتا تھا۔ عبداللہ کے گھر شہزادہ اور عنبر منہ اندھیرے
ہی پہنچ گئے۔ ادھیڑ عمر عبداللہ نماز پڑھ کر فارغ ہی ہوا تھا
اور گھوڑے کو دانہ ڈال رہا تھا۔ اس کی جوان بیٹی بانو دودھ
بلو رہی تھی۔

دو گھوڑ سواروں کو اپنے مکان کی ڈیوڑھی کے باہر اُترتا دیکھ
کر عبداللہ باہر آ گیا۔

"کون ہو تم بھائی؟" اس نے پوچھا:

"السلام علیکم بابا عبداللہ!"

شہزادے نے قریب آ کر کہا۔

عبداللہ نے شہزادے شاہ عالم کو فوراً پہچان لیا۔ عنبر کی
طرف دیکھ کر بولا:

"یہ کون ہے؟"

شہزادے نے کہا:

"یہ میرا دوست یاقوت ہے۔"

"آپ شہر کے دروازے میں سے کیسے نکلے؟" عبداللہ
نے پوچھا:

"بس کسی نے مجھے پہچانا نہیں۔"

عبداللہ شہزادے کو لے کر اندر گیا۔ چارپائی ڈال کر
اوپر نئی چادر بچھائی اور دودھ پیش کیا۔ پھر اُداسی کے ساتھ بولا:
"شہزادہ صاحب! امیر تیمور نے محل کو برباد کر دیا ہے۔
شہزادہ عالم ثانی کو بڑی اذیتیں دے کر ہلاک کر ڈالا۔
شاہی خاندان پر یہ کیسی مصیبت ٹوٹ پڑی۔"

شہزادے نے اپنی والدہ اور بہن کا پوچھا تو عبداللہ
نے کہا:

"انہیں تیمور نے قید میں ڈال رکھا ہے۔ وہ بے چاری
بہت بُری حالت میں ہیں۔ کسی نے ان کی شکل تک
نہیں دیکھی۔ سُنا ہے کہ ایک کنیز انہیں کسی نہ کسی
طرح چھُپ چھپا کر کھانا پہنچا دیتی ہے۔"

شہزادے نے کہا:

"سُنا ہے تیمور ان سے کسی خزانے کا پوچھ رہا ہے
مگر انہیں تو کسی خزانے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔"

عبداللہ بولا:

"ہاں محل میں یہی بات سنی جاتی ہے۔ مگر شہزادے
تم نے یہاں آنے کا خطرہ کیوں مول لیا ہے۔ تیمور
تو تمہارے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔ اس نے دس
ہزار اشرفیاں تمہارے سر کے عوض انعام دینے کا

اعلان کر رکھا ہے۔"
شہزادے نے کہا:
"عبداللہ! تم میرے بزرگ ہو اور شاہی خاندان
کے وفادار ہو۔ تم نے مجھے کھلایا ہے۔ میں تم پر
بھروسہ کر سکتا ہوں۔"
عبداللہ نے کہا:
"شہزادے! میری جان بھی تم پر قربان ہے۔"
شہزادہ بولا:
"تو پھر میری بات غور سے سنو۔ میں اور میرا یہ
دوست یاقوت۔ ہم اس لیے یہاں آئے ہیں کہ
ملکہ زمانی اور شہزادی زیب النساءؑ کو قلعے کی قید سے
نکال کر لے جائیں۔"
عبداللہ نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر کہا:
"آہستہ بولو شہزادے! دیواروں کے بھی کان ہوتے
ہیں۔"
پھر اس نے اُٹھ کر ڈیوڑھی میں جا کر دیکھا کہ کوئی ہمسایہ
تو ان کی باتیں نہیں سن رہا۔ پھر شہزادے کے پاس آ کر
کہنے لگا:
"شہزادے! ملکہ زمانی بیگم اور شہزادی صاحبہ کو شاہی

قلعے کے قید خانے سے نکال کر بھگا لے جانا کوئی
آسان کام نہیں ہے۔ قلعے کے باہر اور اندر ہر طرف
سخت پہرہ لگا ہے اور جس تہہ خانے میں ملکہ
اور شہزادی صاحبہ قید ہیں وہاں تو چڑیا بھی پَر نہیں
مار سکتی۔"
شہزادے نے کہا:
"خواہ میری جان چلی جائے مگر میں اپنی والدہ صاحبہ
اور بہن کو ظالم کی قید سے نکال کر رہوں گا۔ میں
نے فیصلہ کر رکھا ہے۔ تم ہمیں یہ بتاؤ کہ اس سلسلے
میں کیا مدد کر سکتے ہو؟"
عبداللہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس کی بیٹی بانو بھتایوں میں مکھن
اور روٹی ڈال کر لے آئی۔
شہزادہ اور عنبر روٹی کھانے لگے۔
شہزادے نے کہا:
"عبداللہ بابا! تم نے میری درخواست کا کوئی جواب
نہیں دیا۔"
عبداللہ بولا:
"ملکہ عالم پر میری جان فدا ۔۔ مگر شہزادے میں تمہاری
کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

عنبر خاموش بیٹھا ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ ان باتوں میں بالکل دخل دینا نہیں چاہتا تھا۔

شہزادے نے کہا:

"کیا تم کسی طرح ہمیں شاہی قلعے میں داخل کروا سکتے ہو؟"

عبداللہ بولا:

"شہزادہ صاحب! آپ شاہی قلعے کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ قلعے میں ہر طرف پہرہ لگا ہوتا ہے۔ اور آج کل تو قلعے کے اندر اور باہر مغل سپاہیوں کی بجائے امیر تیمور کے اپنے ترک سپاہی پہرہ دے رہے ہیں اور وہ جس پر ذرا سا بھی شبہ ہو اسے وہیں قتل کر ڈالتے ہیں۔"

شہزادے نے کہا:

"اس کا مطلب ہے کہ تم ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ مگر کوئی بات نہیں۔ کیا تم ہماری اتنی مدد کر سکتے ہو کہ ہم تمہارے مکان میں کچھ دیر چھپے رہیں؟"

"کیوں نہیں" عبداللہ نے کہا،

"یہ آپ کا گھر ہے آپ جب تک چاہیں یہاں رہ سکتے ہیں، لیکن آپ کو بڑی احتیاط کرنی ہوگی۔ کیوں کہ باہر کوئی بھی دس ہزار اشرفیوں کے لالچ میں آ کر آپ کو پکڑوا سکتا ہے۔ کیوں کہ یہاں کے لوگ آپ کی شکل پہچانتے ہیں۔"

شہزادے نے کہا:

"میں بلا ضرورت یہاں سے باہر نہیں جاؤں گا۔ اگر کسی وجہ سے باہر جانا بھی پڑا تو بھیس بدل کر جاؤں گا۔"

کھانے کے بعد عنبر اور شہزادہ سو گئے۔ وہ تھکے ہوئے تھے۔ شام تک سوتے رہے۔ شام کو اٹھ کر انہوں نے غسل کیا اور تھوڑا سا قہوہ پی کر عبداللہ کی کوٹھڑی میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ عبداللہ شاہی قلعے اپنی نوکری پر گیا ہوا تھا۔ شہزادے نے عنبر سے پوچھا:

"یاقوت! تمہارا کیا خیال ہے؟"

عنبر نے کہا:

"عبداللہ مجبور ہے۔ وہ آپ کا وفادار خادم ہے مگر اس کی مجبوری ہے کہ وہ آپ کو قلعے کے اندر نہیں لے جا سکتا۔"

شہزادہ بولا:

"پھر کیا کیا جائے؟ ہمارا قلعے کے اندر جانا بہت ضروری ہے۔"

عنبر کہنے لگا:

"اس کے لیے کوئی طریقہ سوچا جا سکتا ہے۔"

شہزادے نے کہا:

"کیا ہم غلاموں کا بھیس بدل لیں؟"

عنبر نے کہا:

"اس طرح ہم پکڑے جائیں گے۔ آپ کو فوراً پہچان لیا جائے گا۔"

"تو پھر تم کیا مشورہ دیتے ہو؟"

عنبر غور کرنے لگا۔ پھر اس کا دھیان باؤلی کی طرف چلا گیا جس کے اندر ہی اندر سے ایک سرنگ کی شکل میں دریا کا پانی شاہی باغ میں قلعے کے اندر جاتا تھا۔ اس نے کہا:

"ایک ترکیب دماغ میں آئی ہے۔"

"وہ کیا ہے؟" شہزادہ عالم نے جلدی سے پوچھا:

عنبر نے کہا:

"عبداللہ کے گھر کے سامنے سے باؤلی کا پانی گذرتا ہے۔"

"ہاں گذرتا ہے۔"

"یہ پانی باؤلی کے اندر ہی اندر ایک سرنگ کی شکل میں شاہی قلعے میں داخل ہو جاتا ہے۔ کیوں نہ ہم پانی کی اس سرنگ میں سے گذر کر قلعے میں پہنچ جائیں! کیا خیال ہے؟"

شہزادہ ایک لمحے کے لیے سوچنے لگا۔ یہ ترکیب اسے پسند آئی تھی۔ مگر وہ اس پر غور کرنے لگا تھا۔

"کیا سرنگ کے اندر پانی چھت سے نیچے ہو کر بہتا ہے۔ کیوں کہ اگر چھت کے بالکل ساتھ لگ کر بہہ رہا ہو گا تو ہم پانی میں ڈوب جائیں گے۔"

عنبر بولا:

"اس کے بارے میں پتہ لگایا جا سکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟" شہزادہ شاہ عالم نے پوچھا۔

عنبر نے کہا:

"یہ میں آج رات ہی پتہ چلا لوں گا۔ میں پانی میں تیر کر سرنگ کے اندر جا کر معلوم کر لوں گا کہ پانی چھت کے ساتھ لگ کر گذرتا ہے کہ چھت اور پانی کے درمیان تھوڑا فاصلہ ہے۔"

رات کو کھانے سے فارغ ہو کر عنبر باؤلی کے پانی میں

اُتر گیا ۔

ادھر شہزادہ عبداللہ سے باتیں کرنے لگا۔ اُس نے کہا:

"کیا کسی طرح ملکہ صاحبہ اور شہزادی کو یہ خبر دی جا سکتی ہے کہ میں ان کو قید سے نکال لے جانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

عبداللہ نے پوچھا:

"اس سے کیا ہو گا؟"

شہزادہ بولا:

"اس طرح سے ملکہ سلامت اور شہزادی کو تسلی ہو جائے گی کہ میں ان سے غافل نہیں ہوں اور ان کو قلعے سے نکال کر لے جانے کے لیے آ گیا ہوں۔"

عبداللہ نے کہا:

"میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ ملکہ سلامت تک یہ بات نہ پہنچائیں۔ کیوں کہ اگر کسی طرح سے یہ بات باہر نکل کر محل میں پھیل گئی تو امیر تیمور ملکہ سلامت اور شہزادی صاحبہ کا جینا اور بھی حرام کر دے گا اور وہ انہیں اذیتیں دے کر پوچھنے کی کوشش کرے گا کہ شہزادہ عالم کہاں چھپا ہوا ہے۔"

عبداللہ کا یہ مشورہ شہزادے کو پسند آیا۔ اس نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ میں اپنی آمد کے راز کو چھپائے رکھوں گا۔ لیکن کیا تم یہ بتا سکتے ہو عبداللہ بابا کہ وہ کون سی کنیز ہے جو میری ماں اور بہن کو چھپ کر کھانا پہنچا دیتی ہے؟"

عبداللہ بولا:

"وہ گلنار کنیز ہے۔"

شہزادے نے جھٹ کہا:

"خدا گلنار کو سلامت رکھے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ اس نے شاہی خاندان سے وفاداری اور نمک حلالی کا حق ادا کر دیا ہے۔"

ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ ادھر عنبر باؤلی کے ٹھنڈے پانی کی چھوٹی سی نہر میں سے گزرتا باؤلی کے منہ کی طرف جا رہا تھا۔ جہاں سے پانی باؤلی کی سرنگ میں داخل ہو جاتا تھا۔ یہاں پانی عنبر کے گھٹنوں گھٹنوں تک تھا۔ لیکن جب وہ سرنگ میں داخل ہوا تو پانی اس کی چھاتی تک آ گیا۔ پانی اور چھت کے درمیان کافی فاصلہ تھا اور عنبر کی گردن پانی سے باہر تھی اور اس کا سر سرنگ کی چھت سے لگ رہا تھا۔ پانی کی سرنگ بہت

تنگ تھی۔ پانی کا بہاؤ اتنا تیز نہیں تھا۔ عنبر سرنگ کے اندر ہی اندر کافی دور تک نکل گیا۔ ہر جگہ پانی کی سطح ایک جیسی تھی اور اس کی گردن پانی سے باہر رہتی تھی۔ عنبر واپس آ گیا۔ عبداللہ کے گھر آ کر اس نے شہزادے کو بتایا کہ پانی سرنگ کی چھت تک نہیں جاتا۔ شہزادے نے اپنی سکیم عبداللہ کو بھی بتا دی۔ چونکہ وہ شاہی قلعے کا باغبان تھا اس لیے اسے پتہ تھا کہ پانی کہاں کہاں گرتا ہے اور سرنگ اندر سے کیسی ہے۔ کہنے لگا:

"تم لوگوں نے بڑی خطرناک سکیم بنائی ہے تمہیں شاید پتہ نہیں کہ جب پانی کی یہ نہر شاہی قلعے میں پہنچنے لگتی ہے تو اس کے منہ پر لوہے کا جال چڑھا دیا گیا ہے۔ تم لوہے کے اس جال کو کیسے کاٹو گے؟"

عنبر نے کہا:

"میں اپنے ساتھ لوہے کا جال کاٹنے والا اوزار لے جاؤں گا۔"

حالانکہ اسے معلوم تھا کہ لوہا کاٹنے والا اوزار وہ خود ہے اور اسے کسی اوزار کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

عبداللہ کہنے لگا:

"باؤلی کا پانی قلعے کے جنوبی حصے والے باغ کے بڑے تالاب میں گرتا ہے جہاں سے وہ چھوٹی چھوٹی نہروں میں تقسیم ہو کر قلعے اور شاہی محلات کے باغوں میں پھیل جاتا ہے۔"

شہزادے نے کہا:

"میں نے یہ تالاب دیکھا ہوا ہے۔ وہاں سے قلعے کے نیچے تہہ خانے کو جانے والا راستہ دو تختے چھوڑ کر ہے۔"

عبداللہ نے کہا:

"ہاں ۔۔۔ مگر شہزادہ صاحب! آپ قلعے کے تہہ خانے میں کیسے پہنچیں گے۔ وہاں تو تیمور کے جلاد سپاہی ہر وقت پہرے پر ہوتے ہیں اور اگر کسی طرح تہہ خانے میں پہنچ بھی گئے تو ملکہ سلامت اور شہزادی صاحبہ کو لے کر کیسے وہاں سے فرار ہوں گے۔"

شہزادہ بولا:

"بابا! اگر ان باتوں پر غور کرتے رہے تو ہم کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے اور ملکہ سلامت اور شہزادی صاحبہ کی زندگیوں کے چراغ

گل ہو جائیں گے۔"

عبداللہ نے کہا:

"مگر ان باتوں پر غور کرنا بھی تو ضروری ہے آخر ہمیں آپ کی زندگی بھی عزیز ہے۔"

شہزادے نے کہا:

"بابا! یہ ساری باتیں ہیں قلعے کے اندر جا کر سوچوں گا۔ کیا معلوم وہاں خدا میرے لیے بہتری کے کیا حالات پیدا کر دیتا ہے۔"

عبداللہ خاموش ہو گیا۔

عنبر نے کہا:

"تو پھر آج رات ہی ہمیں خدا کا نام لے کر نکل جانا چاہیے۔"

شہزادے نے کہا:

"ہاں یاقوت۔ ہم آج ہی آدھی رات کو باؤلی کی سرنگ کے ذریعے قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔ ہمیں لوہے کی جالی کاٹنے والا اوزار ابھی سے ساتھ رکھ لینا چاہیے۔"

عبداللہ نے کہا:

"میرے پاس ایک پرانا اوزار ہے۔ یہ لوہے کی

ایک قینچی ہے جو لوہا کاٹ ڈالتی ہے۔ میں وہ تمہیں دے دوں گا۔"

جب رات آدھی گزر گئی اور عبداللہ کے مکان کے ارد گرد گہرا اندھیرا اور خاموشی چھا گئی تو وہ عبداللہ کے گھر کی ڈیوڑھی سے باہر نکل آئے۔ عنبر نے یونہی دکھانے کے لیے عبداللہ بابا کی دی ہوئی زنگ آلود قینچی ساتھ رکھ لی تھی۔ باؤلی کا پانی ایک چھوٹی سی ندی کی شکل میں بہہ رہا تھا۔ انہوں نے اللہ کا نام لیا اور ندی کے پانی میں اتر گئے۔ آگے آگے عنبر تھا اور اس کے پیچھے شہزادہ عالم چلا آ رہا تھا۔ پانی ٹھنڈا تھا مگر اس کا بہاؤ تیز نہیں تھا۔

دونوں بڑے آرام سے پانی میں آگے بڑھتے گئے۔ پچاس قدم چلنے کے بعد درختوں کا جھنڈ آ گیا۔ یہاں سے سرنگ شروع ہوتی تھی جس کے گول دروازے پر بھاری پتھر لگے ہوئے تھے۔ عنبر نے پیچھے پلٹ کر آہستہ سے کہا:

"شہزادہ صاحب! ہوشیار ہو جائیے۔ ہم سرنگ میں داخل ہو رہے ہیں۔"

"اللہ محافظ و ناصر ہے۔"

شہزادے نے اپنی تلوار سینے کے ساتھ باندھ رکھی تھی۔ ایک تلوار عنبر نے بھی محض دکھانے کے لیے اپنے سینے پر

باندھی ہوئی تھی۔ سرنگ کے منہ کے پاس جا کر ندی کی
تہہ ڈھلانی ہونے لگی اور پانی کے سینے تک آ گیا۔
"بس یہ پانی اتنا ہی رہے گا۔ آگے جا کر سرنگ
میں زیادہ سے زیادہ گردن تک آ جائے گا۔"
شہزادہ بولا:
"کہیں بہت آگے جا کر سرنگ پانی سے بھر تو
نہیں جاتی؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں واپس آنا پڑے۔"
عنبر نے کہا:
"میں کافی دور تک جانچ پڑتال کر آیا تھا۔ میرا
اندازہ ہے کہ سرنگ میں پانی بھرتا کہیں بھی نہیں۔"
"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔" شہزادہ بولا۔
اب وہ سرنگ میں داخل ہو گئے تھے۔ ان کے اردگرد
گہرا اندھیرا تھا۔ عنبر تو اس اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا
مگر شہزادہ عالم کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔
عنبر نے کہا:
"شہزادہ صاحب! آپ بے فکر ہو کر آہستہ آہستہ
چلتے چلے آئیں۔"
"اللہ حافظ و ناصر ہے یاقوت۔ میں تمہارے پیچھے
پیچھے چلا آ رہا ہوں۔"

عنبر اور شہزادہ پانی کی سرنگ میں آگے ہی آگے بڑھتے
گئے۔ پانی ابھی تک ان کی گردنوں تک ہی تھا اور ان کے
سر پانی سے باہر تھے اور وہ سانس لے سکتے تھے۔ عنبر کو
بس ایک ہی ڈر تھا کہ اگر کہیں آگے جا کر سرنگ چھوٹی ہو
گئی اور پانی اس کے اندر چھت تک آ گیا تو بڑی مشکل
پیدا ہو جائے گی۔ وہ خود تو پانی کے اندر بھی زندہ رہ سکتا
تھا مگر شہزادہ عالم پانی کے اندر پندرہ بیس سیکنڈ سے زیادہ
نہ رہ سکے گا اور انہیں مجبوراً واپس آنا پڑے گا۔
مگر عنبر کا اندازہ درست نکلا۔ سرنگ میں آخر تک پانی
ان کی گردن تک ہی رہا۔ کافی دیر سرنگ میں چلتے رہنے
کے بعد اندھیرے میں عنبر کے ہاتھ ایک لوہے کی گول
جالی ٹکرائے جو سرنگ کے منہ پر لگی تھی۔ یہاں انہیں
بڑی تازہ ہوا بھی آنے لگی تھی۔
عنبر نے کہا:
"شہزادہ صاحب! ہم قلعے کے باغ میں داخل
ہو چکے ہیں۔"
"یا اللہ تیرا شکر ہے۔"
"میں جالی کاٹنے لگا ہوں۔"
"جلدی کرو یاقوت۔ کہیں دن نہ نکل آئے۔"

عنبر نے تیغنچی تو جیب میں ہی رہنے دی اور جالی
کے سوراخوں میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ڈال کر ایک ہلکا
سا جھٹکا دیا تو جالی ٹوٹ کر اس کے ہاتھوں میں آ گئی۔ اس
نے جالی وہیں پھینکی اور پیچھے منہ کر کے شہزادے کو
اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا۔ سرنگ سے باہر نکل کر
وہ قلعے کے شاہی باغ والے بڑے تالاب میں آ گئے۔
یہاں پانی کافی گہرا تھا اور انہوں نے تیرنا شروع کر دیا۔
وہ تازہ فضا میں نکل آئے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔
اور اندھیرے میں شہزادے نے وہ درختوں کے جھنڈ اور
بارہ دریاں دیکھیں جہاں کبھی وہ اپنی بہن شہزادی زیب النساء
کے ساتھ سیر کیا کرتا تھا۔ اپنی بہن اور والدہ کی حالت کا
خیال کر کے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

عنبر آگے آگے تیر رہا تھا۔ وہ تیرتے ہوئے تالاب کے
کنارے پر آ گئے اور پھر باہر نکل کر کنارے پر سے تیزی
سے دوڑ کر درختوں کے جھنڈ میں جا کر چھپ گئے۔ ایک گہری
خاموشی قلعے میں چھائی ہوئی تھی۔ کہیں سے کسی چوکیدار کی
بھی آواز نہیں آ رہی تھی۔

عنبر نے سرگوشی میں پوچھا:
"قلعے کے تہہ خانے کو کون سا راستہ جاتا ہے؟"

شہزادے نے ایک بارہ دری کی طرف اشارہ کر کے کہا:
"اس بارہ دری کے پیچھے سے ہو کر ہم ایک
سہ دری میں آ جاتے ہیں جہاں سے ایک دروازہ نیچے
تہہ خانے کو جاتا ہے۔"

عنبر نے کہا:
"لیکن ہم اس طرح گئے تو سپاہی ہمیں پکڑ لیں گے۔
میرا خیال ہے کہ ہمیں سپاہیوں کا بھیس بدلنا چاہیے"

شہزادہ کہنے لگا:
"مگر ہمارے پاس تو سپاہیوں کی وردیاں نہیں ہیں۔"

عنبر بولا:
"اگر کوئی سپاہی اِدھر آیا تو ہم اسے مار کر اس کی
وردی پہن لیں گے۔"

عنبر اور شہزادہ عالم درختوں کی آڑ میں چھپے بیٹھے تھے۔
برسات کا زمانہ تھا۔ کیڑوں پتنگوں کی بہار تھی۔ اچانک گھاس
میں سے ایک کالا سانپ نکل کر پھنکارتا ہوا سامنے آ گیا۔
شہزادے نے تلوار کھینچ کر اسے مارنا چاہا تو سانپ نے
اچھل کر حملہ کر دیا۔ خوش قسمتی سے سانپ کا وار خالی گیا۔
اور عنبر نے بڑی تیزی سے سانپ کو گردن سے پکڑ لیا۔
سانپ نے عنبر کی کلائی پر ڈسا مگر پتھر کی طرح سخت کلائی

پر دانت مارنے سے اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ اب سانپ
کو عنبر کے جسم سے ناگ دیوتا کی ہلکی ہلکی بُو آنے لگی تھی۔
کیوں کہ عنبر ناگ کا دوست تھا اور ایک مدت سے ساتھ
ساتھ سفر کر رہے تھے جس کی وجہ سے عنبر اور ماریا میں بھی
ناگ کی بُو آگئی تھی۔

سانپ نے گردن جھکا دی۔ عنبر نے سانپ کی بولی ناگ
سے سیکھ رکھی تھی۔ اُس نے کہا: تمہیں معلوم نہیں تھا کہ یہاں میں بیٹھا ہوا

"غلطی ہو گئی حضور! معاف کر دیں۔"

شہزادے نے آہستہ سے کہا:

"یاقوت! سانپ کو کچلتے کیوں نہیں۔"

عنبر نے کہا:

"اس کی ضرورت نہیں رہی اب حضور!"

اور عنبر نے سانپ کو پرے پھینک دیا:

"اب یہ ادھر کبھی نہیں آئے گا۔"

شہزادے نے کہا:

"مگر اس نے تمہاری کلائی پر ڈسا تھا۔ میں نے
خود اسے حملہ کرتے دیکھا ہے۔ تم ٹھیک تو
ہو ناں؟"

عنبر مسکرایا:

"میں بالکل ٹھیک ہوں حضور! میں نے ایک ایسی
بوٹی کھا رکھی ہے جس کی وجہ سے مجھ پر سانپ
کے زہر کا اثر نہیں ہوتا۔"

"خاموش! کوئی ادھر آ رہا ہے۔" شہزادے نے
سرگوشی کی۔

اندھیرے میں عنبر نے دیکھا کہ تین سپاہی آپس میں
باتیں کرتے چلے آ رہے تھے۔ عنبر نے شہزادے کو اشارے
سے بتایا کہ میں حملہ کرنے لگا ہوں۔ شہزادہ حیران ہوا
کہ یہ شخص اکیلا تین سپاہیوں پر کیسے حملہ کرے گا۔ اس
نے عنبر کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس طرح کرنے
سے جھاڑیوں میں سرسراہٹ پیدا ہوئی اور سپاہی چوکنے
ہو گئے۔ وہ تلواریں نکال کر جھاڑیوں کی طرف آ گئے۔ یہ بڑا
نازک موقع تھا۔ شہزادے نے عنبر کو روک کر بڑی غلطی
کی تھی۔ عنبر کو شہزادے کی جان کی فکر تھی۔ سپاہی جونہی
قریب آئے، عنبر نے تلوار سونت
کر حملہ کر دیا۔ اس نے ایک سپاہی کو کاٹ ڈالا۔ دوسرے
کے سینے میں تلوار ماری تو تیسرے سپاہی نے شہزادے
کو قابو کر کے اس کی گردن پر تلوار کی نوک رکھ دی
اور کہا:

"اگر تم نے ہتھیار نہ ڈالے تو میں شہزادے کو
ہلاک کر ڈالوں گا۔"

اس سپاہی نے اندھیرے میں بھی شہزادے کو پہچان
لیا تھا۔ عنبر بے بس ہو گیا۔ شہزادے کی جان بچانا بہت
ضروری تھا۔ اس نے تلوار پھینک دی۔ سپاہی نے چلّا کر
اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ ایک سیکنڈ میں وہاں تیمور کی
فوج کا پورا دستہ آ گیا۔ شہزادے اور عنبر کو گرفتار کر لیا گیا۔

دوسرے روز امیر تیمور کو جب معلوم ہوا کہ شہزادہ
شاہ عالم گرفتار ہو گیا ہے تو اس نے خوش ہو کر رات
کی ڈیوٹی دینے والے سپاہیوں کو انعام و اکرام سے مالا
مال کر دیا اور خود قید خانے میں شہزادے کو دیکھنے آیا۔
شہزادہ شاہ عالم اور عنبر تہ خانے میں پڑے تھے۔ امیر تیمور
کے ساتھ باڈی گارڈوں کا دستہ تھا۔ اس نے جنگی لباس
پہن رکھا تھا اور ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ شکل سے ہی وہ
ایک ظالم اور سنگ دل بادشاہ لگتا تھا۔ اس کے چہرے
پر ایک لمبا زخم کا نشان تھا۔ وہ ہزاروں لوگوں کو قتل
کر چکا تھا اور شہزادہ شاہ عالم کے بڑے بھائی کی آنکھیں
امیر تیمور نے خود اپنے خنجر سے نکالی تھیں۔

امیر تیمور نے شہزادے عالم کو نفرت سے دیکھا اور

تلوار کی نوک اس کی گردن پر رکھ کر بولا:

"میری تلوار کو تمہاری گردن کی ایک مدت سے
تلاش تھی۔"

پھر اس نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

"یہ کون ہے؟"

وزیر نے بتایا کہ یہ شہزادے کا دوست ہے۔

امیر تیمور نے تلوار اُٹھا کر کہا:

"یہ بھی میرا دشمن ہے۔ اسے بھی شہزادے کے ساتھ
ہی قتل کر دیا جائے گا۔"

پھر وہ شہزادے کے قریب آ کر بولا:

"لیکن اس سے پہلے تمہیں تمہاری والدہ اور
بہنوں کے پاس پہنچایا جائے گا تاکہ تم ان سے
پوچھ سکو کہ تمہارے باپ دادا کا خزانہ محل میں
کس جگہ دفن ہے۔ اگر تم یہ معلوم کرنے میں کامیاب
ہو گئے تو ہم تمہاری جان بخشی کر دیں گے۔"

اس نے حکم دیا کہ شہزادے عالم کو اس کی والدہ کے
تہ خانے میں پہنچا دیا جائے۔ سپاہی شہزادے کو پکڑ کر لے
گئے۔ امیر تیمور بھی اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ قید خانے کی
کوٹھڑی سے نکل گیا۔ اب وہاں صرف عنبر باقی رہ گیا تھا۔

عنبر سوچنے لگا کہ اس قید خانے میں وہ شہزادے اور اس
کی والدہ اور بہن کو کیسے نکال سکے گا۔ معاملہ اور زیادہ اُلجھ
گیا تھا۔ پہلے صرف ملکہ اور شہزادی کو وہاں سے نکالنا تھا۔
اب شہزادہ بھی پھنس گیا تھا۔

شہزادے کو دیکھ کر ملکہ زمانی اور شہزادی زیب النساء
اس سے لپٹ گئیں۔ دونوں بے حد کمزور ہو گئی تھیں۔
شہزادے کو ان کے پاس اکیلا چھوڑ کر سپاہی واپس چلے گئے۔

شہزادے عالم نے ملکہ کو بتا دیا کہ امیر تیمور نے اسے
اس لیے بھیجا ہے کہ وہ ان سے دفن شدہ خزانے کا بھید
معلوم کرے۔ ملکہ نے کہا:

"بیٹا! اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ خزانہ کہاں ہے تو
ہم کب کا بتا چکے ہوتے۔"

"امی جان میں جانتا ہوں کہ خزانے کا نہ آپ کو
کچھ علم ہے اور نہ مجھے۔"

شہزادی نے کہا:

"بھائی جان! آپ نے اپنی جان کیوں خطرے
میں ڈالی؟"

شہزادے نے اسے بتایا کہ وہ اپنے غلام یاقوت کے
ساتھ ان دونوں کو قید سے فرار کروانے کے لیے آیا تھا کہ

خود پھنس گیا۔ ملکہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کہنے لگی:

"بیٹا! تم نہیں تھے تو کم از کم دل میں ایک تسلی
ضرور تھی کہ تم زندہ سلامت ہو۔ ہماری قسمت
میں تو موت لکھی ہی جا چکی تھی، لیکن تمہیں یہاں
موت کے منہ میں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

شہزادے نے کہا:

"امی جان! خدا نے چاہا تو ہم یہاں سے نکل
جائیں گے۔"

ملکہ نے کہا:

"بیٹے! امیر تیمور ایک سنگدل بادشاہ ہے۔ وہ ہمیں
زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اگر اسے خزانے کا لالچ نہ
ہوتا تو ہمیں کب کا قتل کروا چکا ہوتا۔"

شہزادہ بولا:

"امی جان! زندگی اور موت تو صرف اللہ کے ہاتھ
میں ہے۔"

کہنے کو تو شہزادہ شاہ عالم نے یہ کہہ دیا تھا مگر اندر سے
وہ خود پریشان تھا کہ اب کیا ہوگا اور وہاں سے فرار کیسے
ہوا جائے گا۔ کنیز گلنار دن میں صرف ایک بار اور وہ
بھی شام ہو جانے کے بعد کھانا لے کر آتی تھی۔ کھانا کیا

ہوتا تھا۔ بس ایک پوٹلی میں بھنا ہوا گوشت یا کھچڑی باندھ کر پہرے دار کی مدد سے اندر پھینک دیتی تھی۔ اس روز شام کو گلنار نے تہہ خانے میں کھانے کی پوٹلی پھینکی تو شہزادہ عالم نے اسے سلاخوں کے پاس بُلا کر کہا:

"میرا دوست یاقوت قید میں ہے۔ اس کا خیال رکھنا اور کل آؤ تو اپنے ساتھ ایک خنجر لیتی آنا۔"

گلنار نے کوئی جواب نہ دیا اور وہاں سے فوراً چلی گئی۔ کیوں کہ ایک تیموری سپاہی گشت پر ادھر آ رہا تھا۔ یہ تو مغل فوج کے سپاہی اور پہرے دار تھے جو تھوڑا بہت خیال کر لیتے تھے۔ پھر بھی انہیں ہر وقت موت کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔

تہہ خانے میں لاشیں

کنیز گلنار نے عنبر کو شہزادے کا پیغام دیا کہ اس نے گلنار کو اس کا خیال رکھنے کے لیے کہا ہے تو عنبر نے اس سے اس قید خانے کا سارا نقشہ معلوم کر لیا جہاں شہزادہ ملکہ اور شہزادی قید تھے۔ گلنار نے عنبر سے پوچھا کہ اس کے لیے بھی کچھ لے آیا کروں؟ تو عنبر نے کہا:

"نہیں۔ شکریہ۔ تم ملکہ اور شہزادے کا ہی خیال رکھو۔"

گلنار چلی گئی۔ عنبر کو ڈر تھا کہ شہزادہ ناسمجھ اور جذباتی ہے۔ کہیں غلطی سے کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کر بیٹھے۔ کیوں کہ گلنار نے اسے بتایا کہ شہزادے نے خنجر منگوایا ہے۔ ان لوگوں کا وہاں زیادہ دیر رہنا ٹھیک نہیں تھا۔ امیر تیمور کسی بھی وقت ان تینوں کے قتل کا حکم دے سکتا تھا۔

عنبر نے اسی رات وہاں سے فرار ہونے کا پروگرام بنا لیا۔

شام ہوتے ہی عنبر کی کوٹھڑی کے باہر پہرے دار بدلتا تھا۔ عنبر تاک میں رہا۔ جب نیا پہرے دار آگیا اور پرانا پہرے دار جا چکا تو عنبر نے اشارے سے پہرے دار کو کوٹھڑی کی سلاخوں کے پاس بلایا اور کہا:

"میرے پیٹ میں شدید درد کا دورہ اٹھا ہے مجھے حکیم کے پاس لے چلو۔"

پہرے دار تیموری فوج کا سپاہی تھا۔ اس نے قہقہہ لگا کر کہا:

"ہم نے تمہیں مرنے کے لیے یہاں ڈالا ہوا ہے جتنی جلدی مر جاؤ اتنا ہی تمہارے حق میں اچھا ہے۔"

عنبر کو بڑا غصہ آیا۔ دل میں کہنے لگا کہ بیٹا ذرا ٹھہرو۔ ابھی دیکھتا ہوں کہ کون پہلے مرتا ہے۔ اس نے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"صرف ایک بار مجھے حکیم کے پاس لے چلو بہت ظالم درد ہو رہا ہے۔"

اور عنبر یونہی جھوٹ موٹ ہائے ہائے کرنے لگا۔

تیموری پہرے دار نیزہ لے کر سلاخوں کے پاس آگیا اور غراتے ہوئے بولا:

"بکواس بند کرو سُور کی اولاد!"

اس سے زیادہ عنبر کی بے عزتی نہیں کی جا سکتی تھی۔ غصے سے اس کا رنگ لال ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں شعلے چمکنے لگے۔ وہ سلاخوں کے پاس آیا اور ایک ہی جھٹکے سے اس نے لوہے کی بڑی بڑی سلاخوں کو اکھیڑ کر پرے پھینک دیا۔ پہرے دار تو ہکا بکا سا ہو کر اسے تکنے لگا۔ عنبر جب پہرے دار کی طرف بڑھا تو اس نے نیزہ تان کر پوری طاقت سے عنبر کے سینے پر مارا۔ سینے پر لگتے ہی نیزہ دوہرا ہو گیا۔ اور نیچے گر پڑا۔ پہرے دار سوچ ہی رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے کہ عنبر نے دونوں ہاتھوں میں اس کا سر لے کر اوپر کو ایک ایسا جھٹکا دیا کہ پہرے دار کی گردن ٹوٹ گئی۔ عنبر نے اسے چھوڑ دیا۔ پہرے دار مر چکا تھا۔ وہ دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔

عنبر نے تیزی کے ساتھ اس کا لباس پہن لیا اور نیزہ تھام کر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آگیا۔ گلنار نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ شہزادہ اور ملکہ وغیرہ کہاں قید ہیں۔ عنبر راہ داری میں آیا تو وہاں دو سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ راہ داری میں روشنی زیادہ نہیں تھی۔ اس نے سر جھکا لیا اور گذر گیا۔ چونکہ اس نے رات کو پہرہ دینے والے

تیموری سپاہیوں کی وردی پہنی ہوئی تھی اس لیے کسی نے
اس پر شک نہ کیا۔

عنبر کے سامنے سیڑھیاں نیچے اتر رہی تھیں۔ ان سیڑھیوں
کے نیچے جا کر وہ کوٹھڑی تھی جہاں ملکہ اور شہزادہ اور اس
کی بہن قید تھے۔ عنبر جلدی جلدی سیڑھیاں اُتر گیا۔ کوٹھڑی
کے باہر تین ہٹے کٹے سپاہی تلواریں ہاتھوں میں لیے بڑی
ہوشیاری سے پہرہ دے رہے تھے۔ یہ بڑے خاص قسم کے
پہرے دار تھے اور امیر تیمور نے اپنے خاص حکم سے
انہیں وہاں لگایا تھا۔ انہوں نے جو ایک پہرے دار سپاہی
کو اپنی طرف آتے دیکھا تو ان میں سے ایک سپاہی بولا:

"تم ادھر کدھر آ رہے ہو؟ تمہاری پہرہ دینے کی
باری کہاں ہے آج رات؟"

عنبر نے قریب آکر کہا:

"امیر تیمور تشریف لا رہے ہیں۔"

اتنا سننا تھا کہ تینوں پہرے دار کچھ گھبرا گئے اور
انہوں نے جلدی سے کوٹھڑی کے تالے کو دیکھا کہ لگا ہوا
ہے کہ نہیں، سلاخوں میں سے اندر جھانکنے لگے کہ شاہی
قیدی موجود ہیں۔ عنبر نے اسی لمحے حملہ کر دیا اور دو سپاہیوں
کو پہلے ہی وار میں مار ڈالا۔ تیسرے نے تلوار کا وار کیا اور

چیخ مار کر مدد کے لیے لوگوں کو بلانے ہی والا تھا کہ عنبر نے
اس کی تلوار چھین کر اسی کے دل میں اتار دی۔

اس خونی منظر کو شہزادہ عالم، ملکہ اور شہزادی زیب النساء
حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ کوئی ان کا
وفادار سپاہی ہے۔ عنبر جب قید خانے کا سلاخ دار دروازہ کھولنے
لگا تو شہزادے نے اسے پہچان لیا۔

"یاقوت — یہ تم ہو؟"

"ہاں شہزادہ صاحب۔"

اس نے اندر آکر تینوں سپاہیوں کی لاشوں کو کوٹھڑی میں
گھسیٹ لیا اور ان کی وردیاں اتار کر شہزادہ، ملکہ اور شہزادی
زیب النساء کو پہنا دیں اور سروں پر لوہے کے خود رکھ دیے۔
دُور سے دیکھنے پر وہ تینوں تیموری فوج کے سپاہی لگتے تھے۔
عنبر نے انہیں ساتھ لیا اور کوٹھڑی کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر
راہ داری میں آگیا۔ عنبر نے انہیں پیچھے رکنے کا اشارہ کیا
اور آگے جھانک کر راہ داری میں دیکھا۔ راہ داری بالکل خالی
تھی۔ "آ جائیں۔"

عنبر نے آہستہ سے کہا اور تینوں کو لے کر راہ داری سے
نکل گیا۔ یہاں سے شہزادہ عالم نے اس کی راہ نمائی کی کیونکہ
اس کو محل کے تمام خفیہ راستوں کا علم تھا۔ راہ داری کے

کونے پر ایک تنگ سا راستہ گھومتا تھا۔ یہاں بھی ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ اس نے جو چار سپاہیوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو چوکس ہو گیا کہ خدا جانے کیا بات ہو گئی ہے۔

عنبر نے آگے بڑھ کر کہا:

"ظل سبحانی امیر تیمور آ رہے ہیں"

وہ سپاہی گھبرا گیا۔ عنبر نے اس کی گردن پر ہاتھ رکھ کر اسے زور سے ایک چکر دیا۔ وہ سامنے والی دیوار سے ٹکرایا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ شہزادہ بولا:

"جلدی سے ادھر آ جاؤ"

وہ چاروں ایک طرف گھوم گئے۔ آگے سیڑھیاں نیچے اترتی تھیں۔ یہ بڑی تنگ و تاریک سیڑھیاں تھیں۔ یہاں سے ایک تاریک سرنگ شروع ہو جاتی تھی۔ وہ اس سرنگ میں داخل ہو گئے۔

شہزادے نے عنبر سے کہا:

"یہ سرنگ ہمیں دریائے جمنا کے کنارے ایک جنگل میں لے جائے گی"

عنبر نے کہا:

"ہم آتی دفعہ ادھر سے کیوں نہ آ گئے؟"

شہزادہ بولا:

"عبداللہ کے گھر سے یہ جگہ بہت دور تھی اور پھر اس سرنگ کا دروازہ اندر سے بند رہتا ہے۔ میں نے سوچا کہ ہم اس دروازے کو باہر سے داخل ہوتے وقت نہ کھول سکیں گے"

عنبر دل میں ہنس دیا۔ بھلا شہزادے کو کیا معلوم تھا کہ وہ باہر سے بھی بند دروازے کو اکھاڑ کر پھینک سکتا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ملکہ اور شہزادی سپاہیوں کے لباس میں تھیں۔ ملکہ نے کہا:

"بیٹا! ہم کب تک اس فوجی وردی میں رہیں گے؟"

شہزادہ بولا:

"امی حضور! جب تک ہم اس قلعے سے باہر نہیں نکل جاتے ذرا صبر کیجئے گا۔ ہماری اس میں بھلائی ہے"

سرنگ کافی لمبی تھی اور زمین ذرا گیلی اور نرم تھی کافی دیر تک اور کافی دور تک چلنے کے بعد سرنگ کا دریا کنارے والا دروازہ آ گیا۔

شہزادے نے کہا:

"اب اس دروازے کو کھولنے کا مرحلہ باقی ہے"

دروازے پر لوہے کا بہت بڑا تالا لگا تھا۔

شہزادے نے کہا:

"یہ تلوار کی چوٹ سے نہیں ٹوٹ سکتا۔ میرا خیال ہے ہمیں اس پر یہاں سے اینٹ پتھر ڈھونڈ کر مارنے ہوں گے۔"

عنبر نے کہا:

"میرا خیال ہے۔ میں اسے کھولنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

شہزادے نے کہا:

"تم اتنے بڑے تالے کو کیسے کھول لو گے؟"

عنبر بولا:

"میں نے ایک مشہور چور سے کبھی یہ گر سیکھا تھا۔ تم لوگ پیچھے ہٹ جاؤ۔"

سرنگ میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ عنبر نے تالے کو ہاتھ میں لے کر جانچا۔ پھر اسے غور سے دیکھا اور کہا:

"کچھ نیا ہے تالا۔ کبھی ایسا تالا کھولنے کا پہلے اتفاق نہیں ہوا مگر کوشش کرتا ہوں۔"

یہ عنبر یونہی جان کر کر رہا تھا۔ ورنہ تالا ایک سیکنڈ میں دو ٹکڑے ہو سکتا تھا۔ عنبر نے دو تین بار جھوٹ موٹ زور لگایا۔ اور پھر ایک ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ تالے کو کھول دیا۔

شہزادے ملکہ اور شہزادی نے عنبر کی تعریف کی۔

عنبر نے پوچھا:

"دروازہ کھول دوں شہزادے؟"

شہزادہ خود آگے آ گیا اور اس نے دروازہ کھول کر باہر دیکھا۔ دروازے کے کھلتے ہی تازہ ہوا کا جھونکا اندر آیا جس میں دریا کے ٹھنڈے پانی اور اس کے کنارے اگے ہوئے گیلے گھاس کی خوشبو بھی تھی۔

"کوئی نہیں یہاں چلے آئیں۔"

سب سے پہلے شہزادہ باہر نکلا۔ پھر ملکہ شہزادی اور سب سے آخر میں عنبر سرنگ سے باہر نکل آیا۔ وہ دریا کنارے جھاڑیوں کے درمیان سے ہو کر ایک طرف روانہ ہو گئے۔

ملکہ سلامت نے پوچھا:

"کیا اب ہم وردیاں اتار دیں بیٹا؟"

شہزادے نے کہا:

"نہیں امی جان۔ ابھی نہیں۔"

شہزادی نے کہا:

"بھائی جان ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

شہزادہ بولا:

"عبداللہ باغبان کے گھر۔ شہر کی فصیل کے پاس اس کا گھر ہے۔ وہاں سے ہم شہر سے فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔"

عنبر نے کہا:

"شہزادہ حضور ایک بار پھر غور کر لیں۔ کیا وہاں جانا خطرناک بات تو نہیں ہوگی؟"

"نہیں یاقوت۔ عبداللہ ہمارا وفادار ساتھی ہے۔"

ملکہ نے کہا:

"ہمیں پھر بھی سوچ سمجھ کر کوئی قدم اٹھانا ہوگا کیونکہ اس وقت کسی کا کوئی بھروسہ نہیں۔"

شہزادے نے کہا:

"نہیں امی جان۔ عبداللہ نمک حلال ہے وہ ہمارا دوست ہے اور کبھی تیموری فوج کو خبر نہیں کرے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" ملکہ نے آہستہ سے کہا۔

ملکہ اور شہزادی نے دریا کنارے ایک جگہ بیٹھ کر پانی پیا۔ منہ ہاتھ دھویا۔ شہزادے اور عنبر نے بھی منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ رات کا آخری پہر تھا۔ صبح کی اذان کا وقت ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب یہ لوگ دریا کنارے پھر چلنے

لگے تو قلعے کی اور شہر کی مسجدوں کی طرف سے فجر کی اذان کی آوازیں آنے لگیں۔ عبداللہ کا گھر اب زیادہ دور نہیں تھا شہر کی فصیل کا اندر کا علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ یہاں دریا کا آدھا حصہ شہر کی فصیل کے اندر آ گیا تھا۔ پھر دور سے نیم کے وہ درخت نظر آئے جن کے سائے میں عبداللہ باغبان کا گھر تھا۔ اس کے گھر کی ڈیوڑھی کا دروازہ بند تھا۔ شہزادے نے دروازے پر دستک دی۔ اس کی بیٹی بانو نے پوچھا:

"کون ہے باہر؟"

شہزادے نے کہا:

"میں ملکہ سلامت اور شہزادی زیب۔"

تھوڑی دیر بعد عبداللہ نے دروازہ کھول دیا۔ اس کی بیٹی بانو بھی اس کے ساتھ کھڑی تھی۔ انہوں نے جو اپنے سامنے ملکہ سلامت اور شہزادی زیب النساء کو دیکھا تو جھک کر تعظیم بجا لائے۔ ملکہ اور شہزادی نے عبداللہ کے مکان کے قریب آ کر سپاہیوں کی وردیاں اتار کر پھینک دی تھیں۔ عبداللہ یہ کہتا ہوا ملکہ اور شہزادی زیب النساء کو اندر لے گیا۔

"ملکہ عالم! یہ میری خوش بختی ہے کہ آپ ہمارے غریب خانے پر تشریف لائے۔"

اس نے اور اس کی بیٹی نے ملکہ اور شہزادی کو الگ کوٹھڑی میں نئے بچھونے بچھا دیئے۔ کھانے کو سادہ سی روٹی جو پکی ہوئی تھی دی۔ انھوں نے کھانا کھایا اور وہ سو گئیں۔ عبداللہ شہزادے اور عنبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ پریشان تھا کہ کہیں اس کے مکان پر سپاہی چھاپہ نہ ماردیں کیوں کہ اس کے گھر میں اس وقت ملکہ کے ساتھ ساتھ شہزادی اور شہزادہ عالم بھی موجود تھا۔ عبداللہ کی پریشانی نامناسب نہیں تھی۔ مگر زبان سے وہ یہی کہہ رہا تھا کہ وہ خود مر جائے گا مگر شاہی خاندان کی مرتے دم تک حفاظت کرے گا۔ اس کے باوجود عنبر اور شہزادے کو احساس تھا کہ انہیں عبداللہ کے ہاں زیادہ دیر نہیں رہنا چاہیے۔ شہزادے نے عبداللہ سے کہا:

"ہم کل رات یہاں سے نکل جائیں گے بابا۔"

عبداللہ نے کہا:

"لیکن بیٹا کل تو شہر کے دروازوں پر زبردست پہرہ ہو گا۔ کیونکہ دن نکلتے ہی قلعے میں پتہ چل جائے گا کہ ملکہ شہزادی اور شہزادہ فرار ہو گئے ہیں۔"

عبداللہ نے بڑے پتے کی بات کی تھی۔ اس کے

بارے میں شہزادے نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اس نے عنبر کی طرف دیکھا۔

عنبر نے کہا:

"عبداللہ ٹھیک کہتا ہے شہزادہ صاحب! ہمیں اسی وقت نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ابھی دن پوری طرح نہیں نکلا۔"

شہزادے نے کہا:

"لیکن ملکہ اور شہزادی نے تو سپاہیوں کا لباس بھی نہیں پہنا ہوا۔ وہ شہر کے دروازے پر پہچان لی جائیں گی۔"

ابھی یہ لوگ باتیں ہی کر رہے تھے کہ باہر سے گھوڑوں کے تیز تیز دوڑنے کی آواز آئی۔ عبداللہ گھبرا کر مکان کی ڈیوڑھی میں گیا اور پھر اس سے بھی زیادہ گھبرایا ہوا واپس آیا اور کہنے لگا:

"امیر تیمور کی فوج حرکت میں آ گئی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تیمور کو شاہی قیدیوں کے فرار کا علم ہو گیا ہے۔"

شہزادہ پریشان ہو گیا:

"کیا تمہارے گھر میں کوئی تہہ خانہ ہے بابا؟"

عبداللہ نے کہا:

"نہیں شہزادے۔ لیکن اگر تہہ خانہ ہوتا بھی تو تیموری فوج کے سپاہی اسے تہس نہس کر دیتے۔ یہ بڑے جابر قسم کے سپاہی ہیں مکانوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں"

یکایک عنبر کو ایک خیال آیا۔ اس نے کہا:

"کیوں نہ ہم سرنگ کے نیچے پانی میں جا کر چھپ جائیں؟"

عبداللہ نے کہا:

"اچھا خیال ہے مگر ملکہ اور شہزادی ٹھنڈے سرد پانی میں کب تک چھپی رہ سکیں گی؟"

اتنے میں باہر سے کسی نے زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا۔ عبداللہ نے گھبرا کر کہا:

"جلدی سے تہہ خانے میں جا کر چھپ جائیں"

عنبر اور شہزادہ اندر کو بھاگے۔ عبداللہ کی بیٹی نے ملکہ، شہزادی اور شہزادے اور عنبر کو تہہ خانے میں لے جا کر چھپا دیا۔ عبداللہ نے دروازہ کھولا۔ تیموری لشکر کے چار سپاہی کوڑے ہاتھوں میں لیے اندر آ گئے اور کچھ کہے بغیر ڈیوڑھی سے گزر کر کوٹھڑی میں دیکھنے لگے۔ انہوں نے بڑی خاموشی

سے سارے مکان کی تلاشی لی۔ ایک لشکری سپاہی نے عبداللہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا:

"تمہیں شاہی قیدیوں کے بارے میں کچھ معلوم ہے جو فرار ہو گئے ہیں؟"

عبداللہ کہنے لگا:

"حضور! میں شاہی قلعے کا معمولی باغبان ہوں بھلا مجھے کیا خبر ہو سکتی ہے شاہی قیدیوں کی — اور پھر آپ نے خود سارے مکان کی تلاشی لی ہے۔ یہاں سوائے میرے اور میری بیٹی کے اور کوئی نہیں ہے۔"

ایک سپاہی نے زمین پر غور سے دیکھتے ہوئے کہا:

"گھر میں تم صرف دو آدمی ہو مگر زمین پر کتنے ہی آدمیوں کے پاؤں کے نشان ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟"

عبداللہ کا رنگ اڑ گیا۔ دو سپاہیوں نے عبداللہ کے بازو پکڑ لیے۔ تیسرے سپاہی نے زور سے کوڑا مارا۔ عبداللہ کی چیخ نکل گئی۔ اس کی بیٹی بانو چیخ مار کر اپنے باپ سے لپٹ گئی۔ سپاہیوں نے اسے بھی کوڑے مارنے شروع کر دیے۔ بیٹی کو کوڑے کھاتے دیکھ کر عبداللہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"نیچے تہہ خانے میں۔ تہہ خانے میں۔"

اور وہ اپنی بے ہوش بیٹی کا سر زانو پر رکھ کر آنسو بہانے لگا۔

سپاہی بڑی تیزی سے تہہ خانے کی طرف لپکے۔ پچھلی کوٹھڑی میں انہیں فرش ایک جگہ سے اکھڑا اکھڑا سا نظر آیا۔ انہوں نے وہاں سے پتھر اوپر اٹھایا تو نیچے لکڑی کی چھوٹی سی سیڑھی جا رہی تھی۔

سپاہی نے منہ ڈال کر آواز دی:

"اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ تمہارا راز فاش ہو چکا ہے۔ تم بچ نہیں سکتے اب"

ملکہ اور شہزادی سہم گئیں۔

شہزادے نے تلوار کھینچ لی۔

"یہ لوگ میری لاش پر سے گذر کر میری بہن اور ماں کو گرفتار کریں گے۔"

اوپر سے سپاہی نے پھر آواز دی:

"اوپر آ جاؤ۔ تم تیموری فوج کے گھیرے میں آ چکے ہو۔"

عنبر نے شہزادے کو پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا:

"مجھے اوپر جانے دو۔ ہٹ جاؤ پیچھے۔"

عنبر نے شہزادے کو پیچھے ہٹا دیا اور اوپر منہ کر کے بولا:

"ہم آ رہے ہیں۔"

عنبر بڑے سکون کے ساتھ تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گیا۔ اس کے سامنے تیموری لشکر کے چار جلاد قسم کے سپاہی کھڑے اسے خون آلود نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں کوڑے تھے اور کمر کے ساتھ تلواریں لٹک رہی تھیں سروں پر لوہے کے خود تھے۔

سپاہی نے پوچھا:

"شاہی قیدی کہاں ہیں۔ ملکہ اور شہزادہ شہزادی کہاں ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"وہ یہاں نہیں ہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے پتھر کا ٹکڑا تہہ خانے کے منہ کے اوپر گرا دیا۔ سپاہیوں نے عنبر کو گردن سے پکڑ کر نیچے گرایا اور تلواریں نکال کر اسے ہلاک کرنے کی غرض سے بازو اوپر اٹھائے ہی تھے کہ عنبر نے اپنے اوپر بیٹھے ہوئے دونوں سپاہیوں کو جھٹکا دے کر اتنی زور سے اوپر کو اچھالا کہ ان کے سر چھت سے جا ٹکرائے۔ نیچے گرے تو بے ہوش ہو چکے تھے۔ باقی دو سپاہیوں نے تلواریں نکال کر عنبر پر وار کرنے شروع کر دیئے۔ عبداللہ اور اس کی بیٹی جس کو اب ہوش آ چکا تھا دہشت بھری آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

یہ دیکھ کر ان کی حیرانی کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی کہ سپاہی
عنبر پر بڑے زور زور سے تلوار کے ہاتھ چلا رہے تھے۔
تلواریں عنبر کے جسم سے برابر ٹکرا رہی تھیں مگر اس کے
جسم پر ذرا سا بھی زخم نہیں آ رہا تھا۔ تیموری سپاہی بھی پریشان
تھے کہ وہ کسی انسان پر تلوار کے وار کر رہے ہیں کہ کسی
پتھر کے بُت پر۔؟

لیکن عنبر نے انہیں زیادہ دیر حیران رہنے کا موقع نہ دیا۔
وہ اپنے اوپر برستی تلواروں میں فرش پر سے اٹھا اور دونوں
سپاہیوں کی تلواروں کو پکڑ کر انہیں توڑ کر پھینک دیا۔ سپاہیوں
نے خنجر نکال لیے۔

عنبر نے کہا:

"جہاں تمہاری تلواریں کچھ نہیں کر سکیں وہاں یہ خنجر کیا
کر لیں گے؟ اب ایسا کرو کہ بڑی خاموشی سے مرنے
کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

سپاہیوں نے نعرہ لگا کر عنبر پر خنجروں سے حملہ کر دیا۔ عنبر
نے بڑے آرام سے ان باقی بچے ہوئے دو سپاہیوں کو
گردن سے پکڑ کر نیچے جھکایا اور ان کی گردنوں پر بڑی زور
سے دو ہاتھ کچھ اس طرح مارے کہ ان کی گردنیں نیچے ڈھلک
گئیں۔ ان کے منکے ٹوٹ چکے تھے اور وہ بھی اگلے جہان

کی سیر کر رہے تھے۔ عبداللہ اور اس کی بیٹی بانو حیران پریشان
کھڑے تھے کہ یہ کوئی آدمی ہے کہ جن۔

عنبر نے عبداللہ سے کہا:

"مجھے حیرانی سے دیکھنے کی بجائے تہہ خانے کی سِل
اٹھا کر ملکہ شہزادی اور شہزادے کو باہر نکالو اور
ان سپاہیوں کی لاشوں کو تہہ خانے میں ڈال دو۔
آدھی رات کو انہیں باہر نکال کر نہر میں پھینک
دیں گے۔"

عبداللہ اور بانو نے بھاگ کر جلدی سے تہہ خانے کی سِل
اٹھا کر شاہی قیدیوں کو باہر نکالا۔ وہ بھی سپاہیوں کی لاشیں
دیکھ کر حیران رہ گئے۔

عنبر نے کہا:

"ان لاشوں کی وردیاں اتار کر پہن لیں۔"

اسی وقت سپاہیوں کی وردیاں اتار کر ایک بار پھر ملکہ،
شہزادی اور شہزادے کو پہنائی گئیں۔ عنبر نے بھی سپاہی کی
وردی پہن لی اور سپاہیوں کی لاشوں کو تہہ خانے میں پھینک دیا۔

شہزادے نے پوچھا:

"کیا ہم اس وقت شہر سے باہر نکلیں گے؟"

"ہاں۔" عنبر نے کہا: "اگر اس وقت یہاں سے نہ نکلے

تو پھر آپ لوگوں کی زندگیوں کی میں ذمے داری نہیں
لے سکتا۔"

شہزادے کو اور ملکہ وغیرہ کو بھی کچھ شک ہو گیا تھا کہ عنبر
معمولی طاقت موجود ہے جس کے بارے میں وہ رازداری سے
کام لے رہا ہے۔ وہ شہر سے فرار ہونے پر راضی ہو گئے۔
عنبر نے انہیں ساتھ لیا۔
عبداللہ سے کہا:
"فکر نہ کرو بابا۔ میں واپس آکر ان سپاہیوں کی لاشوں کو
نہر میں پھینک دوں گا۔"

وہ چاروں گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور شہر کے دروازے کی
طرف چل پڑے۔ شہر میں ہر طرف سپاہی گشت لگا رہے تھے
اور لوگوں کو روک کر ان سے ملکہ اور شہزادی کے بارے
میں پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ عنبر، شہزادی، ملکہ اور شہزادی چونکہ
سپاہیوں کی وردیوں میں تھے اس لیے ان پر کسی نے شک نہ
کیا اور وہ گھوڑوں کو بڑھاتے شہر کے دروازے کے پاس آ گئے۔
عنبر نے کہا:
"میں آگے آگے ہوں۔ آپ لوگ میرے پیچھے پیچھے
رہیں اور ایک لمحے کے لیے بھی نہ رکیں۔"
عنبر دروازے کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔ پہرے دار نے

اسے روک کر پوچھا:
"تم کہاں جا رہے ہو؟ اور یہ کون ہیں؟"
عنبر نے ذرا رعب دار آواز میں کہا:
"تم کون ہوتے ہو مجھ سے یہ پوچھنے والے کہ میں
کون ہوں اور کہاں جا رہا ہوں اور یہ کون ہیں۔
کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ ہم تیموری فوج کے خاص
دستے کے سپاہی ہیں اور شاہی قیدیوں کی تلاش میں
شہر سے باہر جا رہے ہیں۔"
"معاف کیجیے گا حضور! مجھ سے بھول ہو گئی۔"
عنبر نے گرج کر کہا:
"اگر پھر بھول ہوئی تو تمہاری گردن اڑا دی جائے
گی۔ سمجھے؟"
"سمجھ گیا حضور! سمجھ گیا!"
پہرے دار نے کہا اور جھٹ آگے بڑھ کر دروازہ کھول
دیا۔ وہ چاروں شہر کے دروازے میں سے نکل کر باہر آ گئے
شہزادے نے گھوڑا عنبر کے قریب لاتے ہوئے کہا:
"یاقوت! تم نے کمال کر دیا۔ ایک بات بتاؤ گے؟"
"کیا۔ پوچھو!" عنبر نے کہا۔
وہ گھوڑے دوڑاتے شہر سے باہر کھیتوں میں جا رہے تھے۔

"شہزادے نے کہا:

"تم اصل میں کون ہو؟ کیوں کہ یہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم یاقوت نام کے کوئی معمولی غلام نہیں ہو۔"

عنبر مسکرایا:

"نہیں صاحب! میں تو ایک عام غلام ہوں۔ مجھ میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔"

شہزادی گھوڑا دوڑاتی آگے آئی اور بولی:

"میرا خیال ہے کہ ہمیں دریائے چنبل عبور کر کے جنوب میں کرناٹک کی طرف نکل جانا چاہیے مرہٹہ سردار ہماری مدد کرے گا۔"

عنبر نے کہا:

"میں تمہیں دہلی سلطنت کی سرحد عبور کروا دوں گا کیونکہ مجھے واپس جا کر عبداللہ کے گھر سے لاشوں کو بھی ٹھکانے لگانا ہے۔ نہیں تو اگر وہاں چھاپہ پڑ گیا تو عبداللہ اور اس کی بیٹی پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے یاقوت" شہزادہ بولا: "تم ہمیں دلی کی سرحد عبور کروا کر بے شک واپس چلے جانا میں تمہارا ساری زندگی احسان نہیں فراموش کر سکوں گا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ؟ میں نے جو کچھ کیا اپنا

فرض سمجھ کر ادا کیا ہے۔"

اچانک شہزادی نے ایک طرف اشارہ کیا۔ بائیں جانب سے کچھ گھوڑ سوار شہر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے وہ عنبر دیزہ کے قریب سے گذرنے لگے تو ان کے ایک سردار نے پوچھا:

"کیا شاہ ہند امیر تیمور اپنے محل میں ہی ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"ہاں سردار — وہ اپنے محل ہی میں ہیں"

"تم لوگ ادھر جنگل میں کیا کرنے جا رہے ہو؟"

عنبر نے جھٹ جواب دیا:

"ہم ایک خفیہ شاہی مہم پر جا رہے ہیں۔"

سپاہی محل کی طرف آگے بڑھ گئے۔

شہزادے نے کہا:

"تم نے بڑی عقل مندی سے کام لے کر آئی بلا ٹال دی یاقوت!"

عنبر نے کہا:

"ہمیں رفتار تیز کر دینی چاہیے۔"

اور وہ گھوڑوں کو تیز چلانے لگے۔ دہلی کی سرحد ختم ہو گئی تو عنبر نے شہزادے ملکہ اور شہزادی سے کہا:

"مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی اتنی ہی مدد کر سکتا
تھا۔ تخت واپس دلانا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ میرے
لیے اتنی تسلی ہی کافی ہے کہ آپ زندہ سلامت
ہیں اور تخت حاصل کرنے اور ظالم کو اس کے
ظلم کی سزا دینے کے لیے زندہ ہیں۔"

شہزادی کی ماں نے کہا:

"بیٹا! مرہٹہ سردار ہماری ضرور مدد کریں گے۔ ہم ان
کی مدد سے اپنا کھویا ہوا تخت پھر سے واپس لے
لیں گے۔ ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"ملکہ سلامت! مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میں نے اپنا انسانی
فرض ادا کیا ہے۔"

شہزادہ اور عنبر گلے ملے۔ ملکہ اور شہزادی کو لے کر شہزادہ
شاہ عالم کرناٹک کے صوبے کی طرف روانہ ہو گیا اور عنبر
گھوڑے پر سوار واپس شہر کی طرف چل پڑا۔ آنے جانے میں
دن ڈوب گیا اور شام کے اندھیرے پھیلنا شروع ہو گئے۔
عنبر چونکہ سپاہی کی وردی میں تھا اس لیے اس کو کسی نے
شہر میں داخل ہونے سے نہ روکا۔ وہ سیدھا عبداللہ باغبان کے
گھر آیا۔ عبداللہ اور اس کی بیٹی تہ خانے کی لاشوں کی وجہ سے

بہت پریشان تھے۔ عنبر کو دیکھ کر ان کی جان میں جان
آ گئی۔

عنبر نے کہا:

"بابا! میں جانتا ہوں آپ لوگ پریشان ہوں گے لیکن
میں آ گیا ہوں۔ اندھیرا ہوتے ہی میں لاشوں کو ٹھکانے
لگا دوں گا۔"

عبداللہ کی بیٹی نے کہا:

"بھائی جان آپ کھانا کھا لیں جب تک۔"

عنبر کے منہ سے نکل گیا:

"ہم کھانا نہیں کھایا کرتے۔"

پھر فوراً ہی سنبھل گیا اور اسے احساس ہو گیا کہ اس نے
ایک ایسی بات کہہ دی ہے جو اسے نہیں کہنی چاہیے تھی
مگر اب وہ کہہ چکا تھا اور عبداللہ اور اس کی بیٹی کو پہلے
ہی شک پڑ چکا تھا کہ یہ شخص جو اپنے آپ کو یاقوت
نام کا ایک معمولی غلام ظاہر کر رہا ہے اصل میں کچھ
اور ہے اور اس کے پاس جادو کی کوئی بہت بڑی طاقت
ہے۔ عنبر نے جلدی سے کہا:

"میرا مطلب تھا کہ مجھے بھوک نہیں ہے اس وقت۔"

عبداللہ نے عنبر کا ہاتھ تھام لیا اور کہا:

"بیٹا! کیا تم مجھے بھی نہیں بتاؤ گے کہ تم اصل میں کون ہو؟"

عنبر ہنس دیا کہنے لگا:

"آپ کو خواہ مخواہ مجھ پر شک ہو رہا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ مجھے کچھ ایسا جادو آتا ہے جس کی وجہ سے میں ایسے کام آسانی سے کر لیتا ہوں جو دوسرے آدمی نہیں کر سکتے۔"

عبداللہ نے عنبر کے دلی راز کو اگلوانے کی بہت کوشش کی مگر عنبر اتنا بے وقوف نہیں تھا۔ آخر پانچ ہزار سال سے بھی زیادہ عرصے سے وہ سفر کر رہا ہے۔ دنیا کے تقریباً ہر آدمی سے مل چکا تھا۔ وہ کیسے اپنا آپ عبداللہ پر کھول کر رکھ دیتا۔ جب تک رات کا اندھیرا نہیں پھیل گیا وہ ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ پھر جب شہر میں ہر طرف تاریکی نے اپنے خیمے گاڑ دیئے تو وہ تہہ خانے میں گیا اور چاروں لاشوں کو کاندھوں پر لاد کر عبداللہ اور بانو کی حیران نظروں کے سامنے انہیں مکان سے باہر لے جا کر باؤلی کی ندی میں پھینک دیا۔

"یہ لاشیں باؤلی میں آگے جا کر شاہی قلعے میں داخل ہو جائیں گی۔ جہاں کی یہ لاشیں ہیں وہیں پہنچ جائیں گی۔"

عبداللہ نے کہا:

"محل میں ان لاشوں کے پہنچنے سے ایک طوفان مچ جائے گا۔"

عنبر بولا:

"شاہی محلوں میں پہلے کیا کم طوفان مچے ہوتے ہیں؟ اور اس دلی کے لال قلعے نے بہت سے طوفان دیکھے ہیں۔"

بانو نے کہا:

"بھائی جان! کیا آپ مجھے جادو سکھا دیں گے؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"بانو بہن! جادو سیکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس میں بڑی محنت اور ریاضت کرنی پڑتی ہے اور بعض اوقات جان کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔"

بانو نے کہا:

"اچھا تو پھر آپ صاف صاف کیوں نہیں بتا دیتے کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟"

عنبر نے کہا:

"ارے بھئی ان باتوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے اور اگر جواب ہوتا بھی تو میں آپ کو نہ بتاتا کیونکہ

یہ باتیں ہر ایک کو بتانے کی نہیں ہوتیں۔ ویسے بھی
انسان کو چاہیے کہ اپنے راز کسی کو نہ بتائے۔
"اچھا بھائی جان! آپ کی مرضی"
جب رات آدھی سے زیادہ گذر گئی تو عنبر نے عبداللہ اور
اس کی بیٹی سے اجازت لی اور اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔
کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور اس کی اگلی منزل
کون سی ہے؟

آج رات قبر کھولیں گے

خلائی لڑکی کیٹی رانی گھانسی پدم ہشریمتی کے روپ میں لاہور
کے ہوٹل ہلٹن کے شاندار بھتری بیڈ روم والے کمرے میں ٹھاٹھ
سے رہ رہی تھی۔ ناگ اس کا سیکرٹری بنا ہوا تھا۔ مہارانی جھانسی
کی پڑپوتی رانی گھانسی کے روپ میں اس نے ہوٹل کے مینجر سے
بیس ہزار روپے قرض لے کر لوگوں میں خیرات بھی کر دیئے
تھے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ رانی خیرات نہیں کرتی۔ ہوٹل کا
مینجر پریشان تھا کہ اگر رانی کی چیک بک شاہی محل سے نہ
آئی تو وہ ہوٹل والوں کو بیس ہزار روپے کہاں سے ادا کریگا۔
اس نے ایک روز ڈرتے ڈرتے ناگ سے ذکر بھی کیا تھا۔
اس نے کہا تھا۔

"گھبراؤ نہیں۔ مہارانی جی کی چیک بک دو ایک روز
میں شاہی محل سے آ جائے گی۔ اسی وقت تمہارا
قرض ادا کر دیا جائے گا۔ بلکہ انعام بھی ملے گا۔"
سات روز گذر گئے۔ رانی گھانسی نے مینجر سے مزید دس

ہزار روپے قرض لے کر غریب لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔
ناگ نے کیٹی کو منع بھی کیا کر خدا کے لیے اتنا قرض
نہ لو مگر وہ بولی:
"ان ہوٹل والوں نے لوگوں کی جیبیں کاٹ کر دولت جمع
کی ہے۔ ان کے پیسے غریبوں میں خرچ کروانا ہمارا
فرض ہے۔"
ناگ نے کہا:
"لگتا ہے تم مجھے قید کراؤ گی۔"
پھر کہنے لگا:
"آج عنبر کو میانی صاحب کی قبر میں رکھے سات روز
ہو گئے ہیں۔ ہمیں آج رات بارہ بجے جا کر قبر کھودنی
ہے عنبر ضرور انسانی شکل میں آ چکا ہو گا۔"
"ہاں۔ ہم آج رات بارہ بجے قبرستان جائیں گے میں
ہوٹل والوں کو فون کر دوں گی کہ بارہ بجے رات ہمارے
لیے گاڑی کا انتظام کر دیا جائے۔"
ناگ بولا:
"ارے نہیں بابا! کیوں مصیبت میں ڈالو گی۔ انہیں
کیوں بتائیں کہ ہم رات کے بارہ بجے قبرستان جا
رہے ہیں۔ ہم ٹیکسی لے کر چلے جائیں گے۔"

کیٹی نے کہا:
"تو پھر اگر ایسا ہے تو میں چٹکی بجا کر کسی بھی مرد
کے روپ میں تمہارے ساتھ چلی چلوں گی۔"
ناگ نے کہا:
"ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ تم کون سا مرد بنو گی؟"
کیٹی سوچ کر بولی:
"میرا خیال ہے میں تھانیدار بن جاتی ہوں ایک بار
پھر۔ اس طرح سے ہمیں رات کے وقت راستے
میں پولیس بھی تنگ نہیں کرے گی۔"
ناگ نے کہا:
"سوچ لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم تھانے دار ہی بنی
رہو اور رانی گھانسی کی شکل میں یا اپنی اصلی شکل
میں دوبارا واپس نہ آ سکو۔"
کیٹی مسکرانے لگی:
"نہیں ناگ بھیا! اب ایسا نہیں ہو گا۔"
جب رات کے بارہ بج گئے تو ناگ اٹھ کر کیٹی کے
بیڈ روم میں آ گیا۔ وہ جاگ رہی تھی:
"کیا تم قبرستان چلنے کے لیے تیار ہو کیٹی؟"
"ہاں۔" کیٹی نے اٹھتے ہوئے کہا: "مگر میں سوچ

رہی ہوں کہ کون سی مرد کی شکل اختیار کروں ؟"

ناگ بولا :

"تم نے تو کہا تھا کہ میں تھانیدار بن جاؤں گی ۔"

"ہاں یاد آگیا ۔ میں تھانیدار بنوں گی ۔"

کیٹی نے تھانے دار کا خیال دماغ میں رکھ کر چٹکی بجائی تو وہ تھانے دار کی بجائے ڈی آئی جی پولیس بن گئی ۔ معلوم ہوا کہ چٹکی ذرا زور سے بج گئی تھی ۔

ناگ نے کہا :

"یہ تم نے کیا کر دیا کیٹی ۔ تمہیں تھانے دار بننا چاہیے تھا اور تم ڈی آئی جی پولیس بن گئی ہو ۔"

کیٹی ہنس کر بولی :

"یہ تو اور بھی اچھا ہے ۔ پولیس کے سپاہی تو اب میری شکل دیکھ کر ہی غائب ہو جائیں گے ۔"

وہ باتیں کرتے کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اترتے لابی میں آئے تو مینجر نے ڈی آئی جی کو پہچان لیا ۔ کیٹی لاہور کے ڈی آئی جی کے روپ میں ظاہر ہو گئی تھی اور ڈی آئی جی پولیس کی شکل سے مینجر خوب واقف تھا ۔ اس کا نام شیر خان تھا ۔ مینجر حیران ہوا کہ یہ ڈی آئی جی صاحب کو اوپر جاتے تو میں نے نہیں دیکھا ۔ پھر یہ نیچے کہاں

سے اتر رہے ہیں ؟ اور پھر یہ رات کے بارہ بجے ان کے ہوٹل میں کیسے آ گئے ؟ کہیں کوئی چھاپہ تو نہیں پڑ گیا ۔ مینجر نے آگے بڑھ کے ڈی آئی جی کو سلام کیا اور بڑے ادب سے بولا :

"خان صاحب خیریت تو ہے آپ اس وقت کیسے تشریف لائے ؟"

کیٹی جو کہ ڈی آئی جی پولیس کی پوری وردی میں تھی کہا

"کوئی خاص بات نہیں ۔ بس ذرا رانی گھانسی کے درشن کرنے آیا تھا ۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے جب کسی ہمسایہ ملک کی کوئی مشہور شخصیت آتی ہے تو ہمیں ان کا ہر طرح سے خیال رکھنا پڑتا ہے ۔"

"جی ہاں ۔ جی ہاں ۔ بجا فرمایا ۔"

مینجر نے جھک کر کہا اور آگے سے راستہ چھوڑ دیا ۔ کیٹی اور ناگ ہوٹل کی لابی سے نکل کر مال روڈ پر آ گئے اور ایک ٹیکسی لے کر قبرستان میانی صاحب روانہ ہو گئے ۔ میانی صاحب پہنچ کر انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی ۔ وہ بہاول پور روڈ پر سے قبرستان کے اندر جانے والی سڑک پر آ گئے ۔ یہاں اچانک جھاڑیوں میں سے نکل کر تین سپاہی سامنے آ گئے ۔ وہاں اندھیرا تھا ۔

سپاہی نے اکھڑ لہجے میں کہا:

"کون ہے اوئے؟ کون جا رہا ہے؟"

کیٹی نے آگے بڑھ کر کہا:

"تمہارا باپ ہے اوئے۔ تمہارا باپ جا رہا ہے۔"

سپاہی طیش کھا کر آگے آ گئے۔ انہوں نے جو اپنے سامنے ڈی آئی جی پولیس شیر خان کو دیکھا تو ان کی سٹی گم ہو گئی۔ یعنی ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ وہ ڈی آئی جی کی شکل پہچانتے تھے۔ سمجھ گئے کہ بڑا صاحب کسی زبردست مگر خفیہ مہم پر وہاں آیا ہے۔ تینوں سپاہیوں نے اتنے زور سے ایڑیاں جوڑ کر سیلوٹ مارے کہ تینوں کی ایڑیاں درد کرنے لگیں۔

کیٹی نے بید کا ڈنڈا لہراتے ہوئے کہا:

"جاؤ اوئے۔ یہاں سے دُور ہو جاؤ۔"

تینوں سپاہی ایک بار پھر سیلوٹ کر کے وہاں سے غائب ہو گئے۔

ناگ نے کہا:

"اس طرف تھی وہ پُرانی قبر۔"

"کسی اور قبر کو نہ کھول دینا۔" کیٹی نے کہا۔

ناگ بولا:

"میں نے سوراخ کے آگے بڑا سا پتھر رکھ دیا ہوا ہے۔ یہی اس کی نشانی ہے۔"

بہت جلد انہیں وہ پرانی قبر مل گئی۔ ناگ نے خدا کا نام لے کر سوراخ کے منہ پر سے پتھر ہٹایا اور عنبر کو آواز دی۔ قبر کے اندر سے کسی نے جواب نہ دیا۔

ناگ نے ایک بار پھر عنبر کو آواز دی:

"عنبر بھیا! ہم آ گئے ہیں۔ باہر نکل آؤ۔"

مگر قبر کے اندر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ ایک گہری خاموشی کی سنسناہٹ سی سنائی دے رہی تھی۔ کیٹی نے جیب سے ٹارچ نکال کر قبر کے سوراخ کے اندر روشنی ڈالی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ قبر بالکل خالی تھی اور عنبر انسان کے روپ میں تو کیا وہاں سانپ کے روپ میں بھی نہیں تھا۔

کیٹی بولی:

"عنبر کہاں چلا گیا ناگ؟"

ناگ نے بھی قبر میں روشنی ڈال کر چاروں طرف دیکھا۔ عنبر کہیں نہیں تھا۔ دونوں کو فکر لگا کہ کہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔ ناگ نے آہستہ آہستہ اور سانپ کی آواز میں بھی عنبر کو آوازیں دیں مگر عنبر وہاں پر موجود ہی نہیں تھا۔ اگر ہوتا تو ضرور جواب دیتا۔ وہ سخت ناامید ہو کر واپس ہوٹل آ گئے۔

کیٹی نے کمرے میں آ کر دروازہ بند کر لیا اور ناگ سے کہا:

"ناگ بھیا! اب کیا پروگرام ہے؟ عنبر کو ہم کہاں تلاش کریں گے؟"

ناگ بولا:

"کیٹی بہن! میرا خیال ہے کہ عنبر اسی شہر میں کسی جگہ پہنچ گیا ہے۔ ضرور اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔ اس لیے ہمیں اسی جگہ رہ کر اس کا انتظار کرنا چاہیے:"

کیٹی نے کہا:

"مگر اس ہوٹل میں اب میں زیادہ دیر رانی گھانسی کے بہروپ میں نہیں رہ سکتی۔ ان لوگوں کو شک ہو جائے گا اور ہم پر بیس ہزار روپے ادا نہ کرنے کے جرم میں مقدمہ چلے گا اور ہم دونوں قید ہو جائیں گے:"

ناگ بولا:

"چاہے کچھ بھی ہو ہمیں کم از کم ایک ہفتہ لاہور میں ضرور رہنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے سات دن کے بعد عنبر اپنی قبر میں واپس آ جائے:"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اس ہوٹل میں اتنے دن کیسے

رہیں گے؟" کیٹی نے کہا:

ناگ بولا:

"جس طرح پہلے سات دن رہے ہیں۔ یعنی رانی گھانسی بن کر:"

کیٹی نے کہا:

"میں رانی گھانسی کی شکل سے تنگ آگئی ہوں میرا خیال ہے کہ میں کچھ دن ڈی آئی جی کے بہروپ میں بسر کروں گی:"

ناگ کہنے لگا:

"پاگل لڑکی! اصلی ڈی آئی۔ جی صاحب تو لاہور میں رہ رہے ہیں۔ اگر انہیں پتہ چل گیا کہ ایک نقلی ڈی آئی جی ہوٹل ہلٹن میں موجود ہے تو مصیبت پڑ جائے گی:"

کیٹی تالی بجا کر بولی:

"پھر تو خوب مزا آ جائے گا:"

اب ایسا ہوا کہ رات کے ایک بجے گورنر نے ڈی آئی جی کو ٹیلی فون پر بتایا کہ صبح صبح امریکہ سے ایک سیاسی شخصیت لاہور پہنچ رہی ہے۔ یہ وزارت خارجہ کا ایک اعلیٰ افسر ہے جو ہوٹل ہلٹن میں ٹھہرایا جائے گا۔ آپ ہوٹل ہلٹن

خود جا کر سیکورٹی چیک کریں اور دیکھیں کہ انہیں کون سا کمرہ دیا جائے۔ کیوں کہ ان کی حفاظت کا ہمیں بڑا سخت انتظام کرنا ہوگا۔

اصلی ڈی آئی جی بشیر خان نے گورنر سے کہا کہ وہ ابھی جا رہے ہیں۔ فون بند کیا۔ وردی پہنی اور گاڑی میں بیٹھ کر ہوٹل ہلٹن آ گئے۔ یہاں مینجر کاؤنٹر پر بیٹھا رجسٹروں کو مکمل کر رہا تھا کہ اصلی ڈی آئی جی اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

مینجر نے اسے دیکھ کر سلام کیا اور پوچھا:

"آپ جا رہے ہیں حضور؟"

ڈی آئی جی نے کہا:

"میں تو آ رہا ہوں۔"

مینجر نے کہا:

"لیکن آپ تو ابھی ابھی اوپر رانی گھانسی کے کمرے میں اس کے سیکرٹری کے ساتھ گئے تھے۔"

اصلی ڈی آئی جی نے تعجب سے پوچھا:

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ میں تھا؟"

مینجر بولا:

"حضور! آپ ہی تھے۔ آپ نے یہاں سے جاتے ہوئے بھی مجھ سے باتیں کی تھیں۔ پھر میں نے ابھی

ابھی آپ کو دیکھا کہ آپ باہر سے سیکرٹری کے ساتھ تشریف لائے اور اوپر رانی گھانسی دیوی کے کمرے میں سیڑھیاں چڑھ کر چلے گئے۔"

اصلی ڈی آئی جی سمجھ گیا کہ اس ہوٹل میں کوئی دھوکے باز اس کا حلیہ بنا کر کوئی بہت بڑا فراڈ کرنے والا ہے۔ اس نے مینجر سے کہا،

"میرے ساتھ رانی گھانسی دیوی کے کمرے میں چلو۔ مگر بڑی احتیاط کے ساتھ۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ وہ کوئی جعل ساز ہے۔ میں اصلی ڈی آئی جی ہوں۔ وہ میرا حلیہ بنا کر یہاں گیا ہے۔"

مینجر حیران ہو کر اصلی ڈی آئی جی کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اصلی ڈی آئی جی نے پستول نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔ رانی گھانسی دیوی کے کمرے کے باہر جا کر مینجر نے دروازے پر دستک دی:

"کون ہے؟" اندر سے ناگ کی آواز آئی۔

"میں ہوں سر — مینجر!"

ناگ نے دروازے کے سوراخ میں سے دیکھا کہ باہر مینجر کے ساتھ ہو بہو کیٹی ڈی آئی جی کی شکل کا ایک آدمی وردی میں کھڑا ہے۔ فوراً سمجھ گیا کہ اصلی ڈی آئی جی آ گیا ہے۔

بھاگ کر کیٹی کے کمرے میں گیا اور کہا کہ مصیبت آ گئی۔
اصلی ڈی آئی جی لاہور باہر دروازے پر کھڑا ہے۔ اب کیا ہوگا۔

کیٹی نے مسکرا کر کہا:

"پھر کیا ہوا۔ میں ابھی چٹکی بجاتی ہوں۔ مگر مجھے یہ بتاؤ کہ اس اصلی ڈی آئی جی کے اوپر کون سا افسر ہوتا ہے؟"

ناگ نے کہا:

"اس کے اوپر تو پھر پنجاب کا گورنر ہی ہوتا ہے۔"

کیٹی نے آنکھیں بند کر لیں۔

ناگ نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"خدا کے لیے ایسا نہ کرنا۔"

مگر کیٹی نے پنجاب کے گورنر کی شکل ذہن میں لاتے ہوئے چٹکی بجا دی۔ دوسرے لمحے کیٹی پنجاب کے گورنر کی شکل میں وہاں کھڑی تھی۔

ناگ نے کہا:

"خدا کے لیے یہ ناٹک بند کرو کیٹی۔ اس کی کوئی حد نہیں ہے۔"

کیٹی بولی:

"پہلے اس مصیبت سے تو نمٹ لوں جو ہمارے

دروازے کے باہر کھڑی ہے۔ آؤ اب اور دیکھو مصیبت کیسے گدھے کے سینگوں کی طرح بھاگتی ہے۔"

دروازے پر دھڑا دھڑ دستک ہو رہی تھی۔ اب اصلی ڈی آئی جی نے دروازے پر پاؤں کی ٹھوکر مار کر کہا:

"دروازہ کھولو نہیں تو میں گولی چلا دوں گا۔"

کیٹی نے جو پنجاب کے گورنر کی شکل میں تھی بڑے آرام سے دروازہ کھول دیا اور کہا:

"کون بدتمیز ہے؟"

اصلی ڈی آئی جی نے تو اپنے سامنے پنجاب کے گورنر کو سلیپنگ سوٹ میں دیکھا تو اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔ پستول اس کے ہاتھ سے گرنے ہی لگا تھا کہ اس نے اسے جیب میں رکھ لیا اور سیلوٹ مار کر بولا:

"حضور! غلطی ہو گئی۔"

کیٹی گورنر پنجاب نے کہا:

"تمہیں میرے کمرے کے دروازے کو زور زور سے کھٹکھٹانے کی جرأت کیسے ہوئی؟ تمہیں معلوم تھا کہ گورنر پنجاب یہاں نہایت ضروری میٹنگ کے لیے آئے ہوئے ہیں۔"

پھر مینجر کی طرف دیکھ کر کیٹی نے کہا:

"اور تم بھی ساتھ آئے ہو مسخرے مینجر! تمہیں تو میں صبح ٹھیک کروں گا۔ اب دفع ہو جاؤ تم دونوں یہاں سے اور مجھے کام کرنے دو۔ میں اس وقت بہت ضروری میٹنگ لے رہا ہوں۔ جاؤ۔ جاؤ۔"

اصلی ڈی آئی جی اور مینجر نے بڑے ادب سے سلام کیا اور چلے گئے۔ سیڑھیوں میں آکر ڈی آئی جی نے مینجر کی گردن کو دبوچ لیا اور کہا:

"حرامزادے! کہاں ہے ڈی آئی جی تیرا باپ؟ کمینے تو نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ یہاں گورنر صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں؟"

مینجر نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"حضور! قسم لے لیں مجھے کچھ نہیں پتہ کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ آپ اوپر گئے تھے۔ پھر باہر سے آئے تھے۔ خدا جانے یہ گورنر صاحب کہاں سے آ گئے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں کوئی بہت بڑے بہروپیے اور جعل ساز ہیں۔ آپ گورنر ہاؤس فون کر کے پتہ کریں کہ گورنر صاحب کہاں ہیں۔"

ڈی آئی جی نے کہا:

"مگر میں نے گورنر صاحب کو اچھی طرح سے دیکھا ہوا ہے۔ اوپر جو گورنر ہے اس کی شکل بالکل گورنر کی ہے۔"

مینجر نے کہا:

"حضور! ان لوگوں نے آپ کی بھی تو ہو بہو شکل بنا لی تھی۔ یہ ضرور کوئی جادوگر ہیں حضور! آپ گورنر ہاؤس فون کریں۔"

ڈی آئی جی نے کاؤنٹر پر آکر گورنر ہاؤس فون کیا۔ ادھر سے گورنر کے پرائیویٹ سیکرٹری کی آواز آئی۔

ڈی آئی جی نے کہا:

"میں ڈی آئی جی بول رہا ہوں۔ گورنر صاحب نے ابھی ابھی مجھے فون کر کے یہاں ہلٹن ہوٹل بھیجا تھا۔ اگر وہ اس وقت جاگ رہے ہوں تو میری ان سے بات کرا دیں۔ بڑا ضروری مشورہ کرنا ہے۔"

سیکرٹری نے کہا:

"میں گورنر صاحب سے ملائے دیتا ہوں۔ وہ کام کر رہے ہیں اپنے کمرے میں۔"

"شکریہ"

ڈی آئی جی بڑا حیران ہوا۔ اس نے مینجر سے کوئی بات

نہ کی۔ وہ چکر کھا گیا تھا کہ اگر گورنر صاحب گورنر ہاؤس میں
ہے تو اوپر جو گورنر ہے اور جس کی شکل ہو بہو گورنر کی
ہے وہ کون ہے۔ اتنے میں اُدھر سے گورنر پنجاب کی
آواز آئی:

"ہیلو! میں گورنر بول رہا ہوں۔"

ڈی آئی جی نے کہا:

"سر! میں آپ کے حکم کے مطابق یہاں ہوٹل میں
آگیا ہوں آپ کو اس لیے زحمت دی ہے کہ
کتنے کمرے بُک کرا لیے جائیں سر!"

"چھ سات کروا لو۔ اس افسر کا شاف بھی ساتھ ہوگا۔"

اتنا کہہ کر گورنر نے فون بند کر دیا۔ ڈی آئی جی ششدر
رہ گیا۔

مینجر نے جلدی سے پوچھا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے سر؟ گورنر اوپر بھی ہے اور
گورنر، گورنر ہاؤس میں بھی ہے۔ اُف میرے خدا
میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

مینجر سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ ڈی آئی جی نے جیب
سے پستول نکال لیا اور تیزی سے اوپر کی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔
ناگ اور کیٹی کے کمرے کے باہر پہنچ کر اس نے دروازے

ٹھوکر مار کر آواز دی:

"دروازہ کھولو۔"

ناگ اور کیٹی آرام کر رہے تھے۔ ناگ نے دروازے کے
سوراخ میں سے جھانک کر جب اصلی ڈی آئی جی کو دوبارہ
دیکھا تو لپک کر کیٹی کے کمرے میں گیا۔ وہ رانی گھانسی کی
شکل میں پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا؟ کون بدتمیز اتنی زور سے دروازہ کھٹکھٹا
رہا ہے۔"

ناگ نے کہا:

"مہارانی صاحبہ وہی ڈی آئی جی پولیس آپ کو گرفتار
کرنے آیا ہے۔"

"اس کی یہ جرأت کہ ہمیں بے آرام کرے۔ ابھی اس
کو مزہ چکھاتی ہوں۔ مجھے بتاؤ ناگ کہ گورنر کے
اوپر کون سا افسر ہوتا ہے؟"

ناگ نے دوبارہ ہاتھ جوڑ کر کہا:

"نہیں نہیں کیٹی۔ خدا کے لیے ایسا نہ کرنا۔"

"تم مجھے بتاؤ تو سہی کہ گورنر کے اوپر کون سا افسر
ہوتا ہے؟"

ناگ نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"گورنر کے اوپر تو ملک کا وزیر اعظم ہی ہوتا ہے۔"

کیٹی نے کہا،

"وہی چھوٹی سی ڈاڑھی والا؟ جس کی تصویر آج صبح کے اخبار میں بھی چھپی تھی؟"

"ہاں وہی۔"

دروازے پر پھر دستک ہوئی۔

ناگ نے کہا:

"آ رہا ہوں۔"

ناگ نے دروازہ کھولا۔

اصلی ڈی آئی جی نے پستول تان کر کہا:

"خبردار جو اپنی جگہ سے حرکت کی۔ بتاؤ جعل ساز ڈی آئی جی کہاں ہے؟"

ناگ نے کہا:

"جناب یہاں تو کوئی بھی جعل ساز ڈی آئی جی نہیں ہے"

"دوسرے کمرے میں کون ہے؟"

"آپ خود چل کر دیکھ لیں۔"

ناگ نے یہ کہا اور راستے سے ہٹ گیا۔ ڈی آئی جی کے ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا بیڈ روم کی

طرف آیا۔ ایک دم سے پردہ ہٹا کر کہا:

"ہینڈز اپ!"

مگر کیا دیکھتا ہے کہ سامنے پلنگ کے پاس کرسی پر ملک کا وزیر اعظم کرسی پر بیٹھا اس کی طرف گھور کر دیکھ رہا ہے۔ ڈی آئی جی کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر وزیر اعظم نے کہا:

"کیا تم مجھے گولی مارنا چاہتے ہو؟ تم بغاوت کر رہے ہو؟ تم مجھے مار کر میری حکومت کا تختہ الٹنا چاہتے ہو؟"

ڈی آئی جی کی گگھی بندھ گئی۔ ٹانگیں کانپنے لگیں۔ پستول ہاتھ سے گر گیا اور خود بھی گھٹنوں کے بل گر کر ہاتھ باندھ کر گڑگڑایا:

"حضور! مجھے معاف کر دیں۔ میں ایک جعل ساز کی تلاش میں آیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ مجھے معاف کر دیں۔ اُف یہ کیا گڑبڑ ہو رہی ہے حضور!"

وزیر اعظم نے بڑے رعب سے کہا:

"دفع ہو جاؤ یہاں سے نکل جاؤ۔"

ڈی آئی جی نے پستول اٹھایا اور جھک کر سلام کر کے

ہر کو اُٹھ دوڑا۔ وہ ایک ہی وقت میں دو دو سیڑھیاں چلانگتا نیچے اُتر رہا تھا۔ سامنے کاؤنٹر پر مینجر پریشان بیٹھا تھا۔ اس نے ڈی آئی جی کو پاگلوں کی طرح آتے دیکھا تو چلایا:

"حضور کیا ہوا؟"

ڈی آئی جی نے اپنا سر پیٹ کر کہا:

"اوپر وزیر اعظم بیٹھے ہیں۔"

"ہاں — جا کر دیکھ لو۔"

اور ڈی آئی جی پاگلوں کی طرح اپنے سر کو پیٹتا ہوا ہوٹل کی لابی سے باہر نکل گیا۔ مینجر کو چکر آ گیا۔ وزیر اعظم، وزیر اعظم! اور وہ چکر کھا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

ڈی آئی جی نے دفتر جا کر دارالحکومت اپنے ایک خاص آدمی کو فون کر کے کہا کہ فوراً معلوم کرو کہ ملک کا وزیر اعظم کہاں ہے۔

اُس آدمی نے کہا:

"کیا پاگل ہو گئے ہو؟ آدھی رات کو تمہیں وزیر اعظم کی فکر کیوں پڑ گئی ہے؟"

"خدا کے لیے مجھے ابھی پتہ کر کے بتاؤ کہ وزیر اعظم کہاں ہیں؟"

دو منٹ بعد اسی آدمی نے فون پر ڈی آئی جی کو بتایا کہ وزیر اعظم دارالحکومت میں ہی ہیں اور پرائم منسٹر ہاؤس میں میٹنگ لے رہے ہیں۔ میں خود انہیں دیکھ کر آ رہا ہوں۔ ڈی آئی جی کے ہاتھ سے ریسیور گر پڑا اور وہ خود بھی دھم سے صوفے پر گر پڑا۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یا اللہ! یہ کیا معمہ ہے؟ وہ کیا کرے! اسے کیا کرنا چاہیے؟ جب ڈی آئی جی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو اس نے نیند لانے والی گولیاں پانی سے کھائیں اور صوفے پر پڑی ہوئی گدیوں میں سر گھسا کر سو گیا۔

دوسرے دن جب اس نے پوری تحقیق کر لی کہ وزیر اعظم لاہور میں نہیں ہے تو ڈی آئی جی نے پولیس کا ایک دستہ ساتھ لیا اور ہوٹل ہلٹن کو جا کر گھیرے میں لے لیا۔ وہ کیٹی اور ناگ کو گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ ناگ نے پولیس کو ہوٹل کے چاروں طرف پھیلے ہوئے دیکھا تو کیٹی سے کہا:

"یہ لو آ گئی مصیبت — اب کیا بننے کا ارادہ ہے گورنر اور وزیر اعظم تو بن چکی ہو۔ اب باقی امریکہ کا صدر کینیڈی ہی رہ گیا ہے۔"

کیٹی نے خوش ہو کر کہا:

"میں امریکہ کا صدر کینیڈی بن جاؤں گی۔"

ناگ چلایا:

"خدا کے لیے میری حالت پر ترس کھاؤ۔ کیوں
میرا مُردہ خراب کر رہی ہو؟"

"تو پھر یہاں سے بھی تو نکلنا ہے؟"

ناگ بولا:

"میں پرندہ بن کر اُڑ جاتا ہوں۔ تم بلی بن کر نکل
چلو۔ ہماری ملاقات قبرستان میں اسی قبر پر ہوگی
جس میں ہم نے عنبر کو لٹایا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں تمہارے پیچھے پیچھے آتی ہوں
مگر خدا کے واسطے آ جانا۔ کوئی اور حرکت نہ کرنا!"
ناگ نے کہا:

کیٹی مسکرائی:

"بالکل نہیں کرتی۔ بس تمہارے پیچھے پیچھے آ رہی ہوں۔"
ناگ نے گرا جانتی لیا اور چڑیا بن کر پھڑپھڑاتے
اُڑ گیا۔

پولیس نے ہوٹل کے گرد گھیرا تنگ کر لیا اور ڈی
آئی جی پولیس کے سات سپاہیوں کو لے کر سیڑھیاں چڑھنے
لگا کہ ناگ کے کمرے میں جا کر نقلی وزیرِ اعظم کو گرفتار
کرے گا۔ ابھی اس نے آدھی سیڑھیاں ہی چڑھی تھیں کہ

اس نے اپنے سامنے امریکہ کے صدر کینیڈی کو دیکھا کہ
خوب صورت سوٹ پہنے مسکراتا ہوا سیڑھیاں اتر رہا ہے۔

"ہیلو! ہاؤ آر یو مائی فرینڈز!"

صدر کینیڈی نے ڈی آئی جی سے آگے بڑھ کر ہاتھ
ملایا۔ ڈی آئی جی کا خوف کے مارے ہاتھ ٹھنڈا ہو گیا تھا
صدر کینیڈی نے مسکراتے ہوئے کہا:

"یو آر کولڈ سر؟ آپ کے ہاتھ کیوں ٹھنڈے ہیں
جناب؟"

ڈی آئی جی کا حلق دہشت کے مارے خشک ہو گیا
تھا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ اس نے
صدر کینیڈی کے آگے ادب سے سر جھکایا۔ سپاہی ایک دم
ادھر اُدھر ہو گئے۔ ہوٹل کے لوگ بھی صدر کینیڈی کو اپنے
سامنے دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ امریکہ کا صدر اچانک لاہور
کیسے آ گیا۔ ڈی آئی جی کا دماغ چکر کھا رہا تھا۔ وہ صوفے
پر بیٹھ گیا اور اپنا سر تھام لیا۔ مینیجر پاگلوں کی طرح صدر کینیڈی
کا منہ تک رہا تھا۔ صدر کینیڈی سیڑھیاں اُتر کر ڈی آئی جی
کے پاس آیا اور آہستہ سے پنجابی میں بولا:

"اوئے بشیریا! کیہہ حال اے تیرا؟"

اور پھر مینیجر کے پاس آیا اور اس کے بالکل قریب

منہ لے جا کر بولا:

"کیہہ حال اے بادشاہو؟"

مینجر اور ڈی آئی جی ہکے بکے ہو کر صدر کینیڈی کا منہ دیکھ رہے تھے اور خوف کے مارے ان کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ صدر کینیڈی نے ہوٹل کی لابی میں کھڑے ہو کر سب لوگوں کو ہاتھ ہلایا اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ صدر کینیڈی نے چٹکی بجائی اور اس کی جگہ ایک کالی بلی میاؤں میاؤں کرتی باہر کو بھاگ گئی۔ لوگ دہشت کے مارے اپنی جگہ پر کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

ڈی آئی جی نے اپنا سر آگے کر دیا اور چلایا:

"میرے سر پر پانی ڈالو۔ میرے سر پر پانی ڈالو۔ میرا سر کھول رہا ہے.....؟"

اُدھر مینجر بھی نیم پاگل ہو گیا تھا۔ وہ کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر قہقہے لگا رہا تھا۔ اور بار بار کہہ رہا تھا:

"رانی گھانسی دیوی۔ ڈی آئی جی۔ گورنر پنجاب۔ وزیراعظم صدر کینیڈی۔ میرا بیس ہزار روپیہ۔ میرا بیس ہزار روپیہ۔ مارا گیا۔ میں مارا گیا۔ ہاہاہاہا"

کیٹی کالی بلی کی شکل میں مال روڈ پر سے گزر کر کوئنز روڈ

پر آ گئی اور سڑک کے کنارے کنارے گنگا رام ہسپتال کے سامنے سے ہو کر مزنگ چونگی کی طرف روانہ ہو گئی بلی کو دیکھ کر کچھ آوارہ کتے اس پر بھونکنے لگے اور جھپٹے۔ کیٹی بھاگی۔ کتے اس کے پیچھے لپکے۔ کیٹی پریشان ہو گئی۔ کم بخت کتے اس کی جان چھوڑنے والے نہیں لگتے تھے۔ وہ ہسپتال کے اندر گھس گئی۔ کتے بھی اس کے پیچھے بھاگے۔ وہاں ایک شور مچ گیا۔ کتوں نے بھی اس قسم کی بلی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ زور زور سے بھونک رہے تھے اور کیٹی کو پھاڑ ڈالنے ہی والے تھے کہ کیٹی نے دل ہی دل میں بنگال کے زرد دھاری دار شیر کا خیال دل میں کر کے خیال ہی خیال میں چٹکی بجائی۔ کتے جونہی بلی کی طرف بڑھے اپنے سامنے ایک زبردست شیر کو دیکھ کر اُلٹے پاؤں بھاگے شیر زور سے دھاڑا۔ کتے تو بھاگ گئے مگر ہسپتال میں افراتفری مچ گئی۔ مریض شیر کی دھاڑ سن کر اپنے بستروں پر کانپ گئے۔ نرسیں چیخیں مارتی بھاگتے دوڑنے لگیں۔ ہسپتال کے برآمدے دیکھتے دیکھتے خالی ہو گئے۔ کیٹی نے بنگال کے شیر کی شکل میں خالی برآمدوں کا ایک چکر لگایا۔ ایک انگڑائی لے کر منہ اوپر اٹھا کر آخری بار بھیانک انداز میں گرج کر خیال ہی خیال میں اپنی شکل سامنے لا کر چٹکی بجانے کا

تصور کیا اور وہ تیزی سے ایک دم اپنی اصلی کیٹی کی صورت
میں آ کر ایک لڑکی بن گئی۔ اس نے نوری شلوار قمیض پہن
رکھی تھی اور چوکور آنکھوں پر سیاہ چشمہ چڑھا رکھا تھا۔ وہ
بڑے آرام سے برآمدے سے نکل کر سڑک پر آ گئی اور میانی صاحب
کے قبرستان کی طرف چل پڑی۔

بوڑھا سانپ، سونے کی اشرفیاں

کیٹی اپنی اصلی خوب صورت شکل میں مزنگ چوک کی
طرف جا رہی تھی۔

اس کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ تھا جس نے اس کی چوکور
آنکھوں کو چھپا رکھا تھا۔ کالج کے دو لڑکے اس کے پیچھے
لگ گئے اور اس پر آوازیں کسنے لگے۔ یہ بہت بری بات
ہے۔ کسی بھی مہذب ملک میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہمارے ملک
میں بھی شریف اور مہذب لڑکے کبھی ایسی حرکت نہیں کرتے
لیکن کالی بھیڑیں بھی بیچ میں ہی ہوتی ہیں۔ یہ بُرے لڑکے
تھے اور کیٹی کو محض تنگ کرنے کے لیے اس کے پیچھے
لگ گئے تھے کہ ایک جوان لڑکی اکیلی جا رہی ہے ذرا اسے
پریشان کرتے ہیں۔

کیٹی نے پہلے تو ان کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور
اپنے خیال میں چلتی گئی۔ مزنگ چوک سے گزرنے کے لیے
مکتی فوج کے دفتر کی دیوار کے پاس ٹھہری تو ایک لڑکے

نے اس پر پیچھے سے خربوزے کا چھلکا پھینکا۔ خلائی لڑکی
کیٹی کو سخت غصہ آیا۔ اس نے غصے کو ظاہر نہ ہونے دیا
مسکرا کر اس لڑکے کی طرف دیکھا اور اشارے سے اپنے پیچھے
آنے کو کہا۔ لڑکا بڑا خوش ہوا۔ وہ کیٹی کے پیچھے پیچھے چل
پڑا۔ اس کا ایک دوست بھی جو کیٹی پر آوازے کس رہا تھا
خوش ہو کر اس کے پیچھے لگ گیا۔ کیٹی بہاول پور روڈ پر آ
کر قبرستان کے اندر جانے والی خاموش سڑک پر آ گئی۔ یہاں
بھی اس نے مسکرا کر لڑکوں کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ لڑکے
بڑے خوش تھے۔ مگر وہ قبرستان میں داخل ہو کر کچھ گھبرا بھی
گئے تھے۔ مگر یہ سوچ کر کہ دن کا وقت ہے وہ بے دھڑک
کیٹی کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"کیا حال ہے جناب؟"

کیٹی رک گئی۔ اس نے دیکھا کہ آس پاس بالکل خاموشی
تھی۔ سوائے قبروں اور قبروں کے مردوں کے وہاں کوئی نہیں
تھا۔ کیٹی نے اس لڑکے کی طرف دیکھا جس نے اسے چھلکا
مارا تھا۔

"خربوزے کا چھلکا تم نے پھینکا تھا؟"

لڑکے نے شرماتے ہوئے کہا:

"مجھے معاف کر دیں بس غلطی ہو گئی تھی؟"

کیٹی نے چشمہ اتار کر کہا:

"کبھی ایسی خوب صورت آنکھیں تم نے پہلے دیکھی ہیں؟"

کیٹی کی نیلی چوکور آنکھیں دیکھ کر دونوں لڑکوں پر دہشت
طاری ہو گئی۔ وہ تھر تھر کانپنے لگے۔ سمجھ گئے کہ کسی چڑیل سے
پالا پڑ گیا ہے۔ ان میں خوف کے مارے اتنی ہمت بھی
باقی نہیں رہی تھی کہ وہاں سے بھاگ ہی جائیں۔ کیٹی نے
چٹکی بجائی تو وہ ایک دم سے بنگال کا ٹائیگر بن گئی اور
دونوں لڑکوں کی گردنوں پر پنجہ رکھ کر انہیں نیچے جھکا دیا پھر
چٹکی بجائی تو تھانے دار کے روپ میں آ گئی اور لڑکوں
سے کہا:

"زمین پر ناک رگڑ کر لکیریں نکالو اوئے سورو!"

لڑکوں کی جان ہی نکل گئی تھی۔ ایک دم سے بخار چڑھ
گیا تھا۔ وہ زمین پر ناک رگڑ کر لکیریں نکال رہے تھے۔

کیٹی تھانیدار نے کہا:

"زور سے ناک رگڑو اوئے جیرے بلیڈ دیو پتر دے"

مگر دونوں لڑکے دہشت کے مارے زمین پر گر پڑے۔

کیٹی نے ان کی آنکھوں کے آگے ہاتھ کر کے کہا:

"چٹکی بجا کر کیا بن جاؤں؟ تمہاری ماں بنوں؟ تمہارا
باپ بنوں جس نے تمہیں نیک تربیت نہیں دی

تمہاری پھوپھی بن جاؤں ؟ اچھا چلو میں سانپ بن
جاتی ہوں۔"

کیٹی نے زور سے چٹکی بجائی اور سانپ بن کر جو
پھنکار ماری تو دونوں لڑکے چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔
خلائی لڑکی کیٹی نے بلند قہقہہ لگایا اور بولی :

"بُرے لڑکوں کا بُرا انجام ہوتا ہے جو دوسروں کی
عزت نہیں کرتا۔ اس کی بھی کوئی عزت نہیں کرتا۔"

یہ کہہ کر خلائی لڑکی کیٹی پھر اپنی اصلی انسانی شکل میں
واپس آگئی اور پرانی قبر کی طرف چلی جہاں ناگ کب سے
اس کا انتظار کر رہا تھا۔ کیٹی کو دیکھتے ہی بولا :

"تم نے اچھا کیا جو اپنی اصلی زنانہ شکل میں میرے
پاس آئیں ورنہ میرے لیے تمہیں پہچاننا مشکل
ہو جاتا۔ مگر تم نے اتنی دیر کہاں لگا دی ؟"

کیٹی نے کہا :

"تم تو چڑیا بن کر پھر سے اُڑتے ہوئے یہاں
جلدی پہنچ گئے تھے۔ مجھے پیدل یہاں تک آنا
پڑا۔ اور پھر تمہارے اس لاہور شہر میں اکیلی لڑکی
کو کوئی آرام سے چلنے دیتا ہے ؟"

"کیوں کیا ہوا ؟" ناگ نے پوچھا۔

"بس لڑکے پیچھے لگ گئے۔ کوئی چھلکے پھینک رہا
ہے۔ کوئی آوازے کس رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔"

ناگ بولا :

"مجھے بے حد افسوس ہے کیٹی بہن ! لیکن میں اگر
تمہارے ساتھ ہوتا تو ان بدمعاشوں کو ایسا سبق
سکھاتا کہ انہیں نانی یاد آجاتی۔"

کیٹی نے کہا :

"فکر نہ کرو۔ میں نے بھی انہیں ایسا سبق سکھایا
ہے کہ انہیں عمر بھر نانی یاد آتی رہے گی اور وہ
کبھی کسی غریب عورت کو اکیلی دیکھ کر اسے
تنگ نہیں کریں گے۔"

پھر وہ ناگ کے قریب پرانی قبر کے چبوترے پر بیٹھ گئی
اور بولی :

"اب کیا پروگرام ہے ناگ ؟ عنبر تو اس قبر میں
بند ہے اور اس قبر میں اس کے دوبارا بننے کا
چانس بھی نہیں ہے۔"

ناگ بولا :

"تمہارا کیا خیال ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے ؟"

کیٹی نے کہا :

"عنبر کو ہم نے اس قبر میں لٹایا تھا۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ اسی قبر میں واپس آئے گا۔"

ناگ نے کہا:

"لیکن ہم کب تک اس کا انتظار کریں؟"

کیٹی نے کہا:

"ہمیں کم از کم ایک مہینہ اس کا ضرور انتظار کرنا چاہیے اور پھر ذرا سوچو کہ ہم یہاں سے کسی دوسرے شہر کو چلے بھی گئے تو ہمیں کیا حاصل ہو گا۔ یا تو ہم یہاں سے اپنے طور پر ڈھائی ہزار سال پیچھے نکل جائیں کہ چلو ماریا کو تلاش کرنا شروع کریں گے۔ مگر ہم ایسا بھی نہیں کر سکتے۔ اس لیے کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم اسی لاہور شہر میں ٹھہریں اور ہر روز رات کو آ کر اس قبر کو دیکھ جایا کریں کہیں عنبر ہماری راہ تو نہیں دیکھ رہا؟"

"مناسب خیال ہے۔" ناگ نے کہا۔ "مگر تمہاری ان چوکور آنکھوں کے ساتھ اس شہر میں شور مچ جائے گا۔ اخبار اور پولیس والے ہمیں جینے نہیں دیں گے۔"

کیٹی نے کہا:

"میرا کیا ہے۔ میں چٹکی بجا کر کوئی بھی شکل اختیار

کر کے تمہارے ساتھ رہ لوں گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ رہیں گے کہاں۔ بلٹن ہوٹل تو ہم سے گیا۔"

ناگ ہنسا:

"وہ تو کبھی رانی گھانسی دیوی اور کبھی صدر کینیڈی کو یاد کر کے رو رہے ہوں گے کہ وہ چلے کہاں گئے؟"

کیٹی نے قہقہہ لگا کر کہا:

"وہ تو مینجر رہا ہو گا۔ بیس ہزار روپے کہاں سے لا کر دے گا وہ؟"

ناگ نے کہا:

"ویسے کیٹی یہ تم نے اس کے ساتھ ظلم کیا ہے۔ آخر اس کا کیا قصور ہے۔ ہوٹل کے مالک تو اس سے بیس ہزار روپے وصول کریں گے۔ اصل میں تو ہوٹل کے مالکوں کا نقصان ہونا چاہیے تھا مگر نقصان ایک بے گناہ انسان کا ہو گیا جو بے چارہ ہوٹل کا ملازم ہے۔"

کیٹی سوچ میں پڑ گئی:

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو ناگ! میرا خیال ہے میں اس کے پاس جا کر پتہ کرتی ہوں کہ وہ کس حال میں ہے۔"

ناگ نے ہاتھ باندھ کر کہا:

"خدا کے لیے وہاں کسی ملک کی وزیرِ اعظم یا مہارانی بن کر نہ جانا۔ لیکن تمہارے پاس بیس ہزار روپے اسے دینے کو ہیں؟ چاہیے تو یہ کہ تم لے بیس ہزار روپے جا کر واپس کر دو۔ ویسے ملاقات کرنے کا کیا فائدہ ہے؟"

کیٹی نے کہا:

"میرے پاس تو دس پندرہ روپے ہوں گے۔"

ناگ خاموش ہو گیا کہنے لگا:

"روپوں کا بندوبست میں کر لیتا ہوں۔ جب روپے پیدا ہو جائیں تو پھر ایسا کریں گے کہ تم یہاں جا کر مینجر کے کمرے میں بیس ہزار روپوں کا تھیلا رکھ کر ساتھ رقعہ چھوڑ آئیں گے کہ یہ روپے ہم نے ادھار لیے تھے۔ اب اسے واپس کیے جا رہے ہیں۔"

ناگ نے کہا:

"وہی ہمارے لیے مقبرہ جہانگیر لاہور کی بہترین جگہ ہے۔ وہاں کوئی تنگ نہیں کرتا۔ اپنا آرام سے پڑے رہیں گے جب تک کہ عنبر یہاں واپس نہیں

آ جاتا۔"

کیٹی کہنے لگی:

"لیکن ہم ہلٹن میں جا کر بھی رہ سکتے ہیں۔ میں کوئی دوسری شکل اختیار کر لوں گی۔"

ناگ بولا:

"تم تو کر لو گی مگر وہ مجھے پہچان لیں گے۔ میں کسی جانور کی شکل تو اختیار کر سکتا ہوں لیکن کسی دوسرے انسان کی شکل اختیار کرنے کے لیے مجھے بڑے منتر پڑھنے اور بڑی بک بک کرنی پڑتی ہے۔ تم تو خوش قسمت ہو کہ چٹکی بجائی اور جو چاہا بن گئے اور میں کتا بلی بن کر تمہارے ساتھ ہلٹن ہوٹل میں رہنے کو تیار نہیں ہوں۔"

کیٹی کہنے لگی:

"تو گلبرگ کے کسی ہوٹل میں رہ لیتے ہیں۔ وہاں تمہیں کوئی نہیں پہچانے گا۔ میرا مطلب ہے کہ مقبرہ جہانگیر ایک ویران جگہ ہے وہاں کیا کریں گے جا کر۔"

ناگ کچھ دیر غور کرنے کے بعد گلبرگ کے کسی ہوٹل میں رہائش اختیار کرنے پر راضی ہو گیا کہنے لگا:

"میرا خیال ہے کہ تم اپنی اسی اصلی زنانہ شکل میں ہی رہنا۔ میں وہاں کہہ دوں گا کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ کراچی سے کاروبار کے سلسلے میں آیا ہوں۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ اب روپوں کا انتظام کرو۔"

"ابھی کرتا ہوں۔"

ناگ نے آنکھیں بند کر کے منتر پڑھا اور قبرستان میں رہنے والے ایک پرانے بوڑھے سانپ کو بلایا۔ اس سانپ کی مونچھوں کے دو چار بال تھے جو بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو گئے تھے۔ اس نے آتے ہی ناگ کی خدمت میں تعظیم پیش کی اور ادب سے سر جھکا کر بلانے کی وجہ پوچھی۔ ناگ نے کہا کہ ہمیں یہاں کوئی دفن شدہ خزانہ ہے تو اس میں سے ایک دو ہیرے موتی یا سونا لا دو۔ بوڑھے سانپ نے بڑے ادب سے کہا:

"عظیم ناگ دیوتا! یہاں صدیوں سے سوائے مردہ لاشوں کے اور کوئی شے دفن نہیں کی گئی۔ ایک ایک قبر میں پچاس پچاس سو سو مردے دفن کیے گئے ہیں۔ یہاں خزانہ کہاں سے ملے گا؟"

ناگ نے غصے سے کہا:

"تم بہت بولتے ہو۔ بک بک بند کرو اور جہاں

کہیں بھی کوئی خزانہ دفن ہو وہاں سے ہمارے لیے کوئی موتی یا سونے کی کوئی چیز لے کر آ جاؤ۔"

"جو حکم سرکار! ابھی جاتا ہوں۔"

اور بوڑھا سانپ قبروں میں ایک طرف چلا گیا۔ بیچارہ بوڑھا سانپ سوچ رہا تھا کہ ناگ دیوتا نے مجھے ایک ایسے کام پر لگا دیا ہے جو میرے بس ہی نہیں ہے۔ بھلا یہاں سوائے مُردوں کے زمین کے اندر اور کچھ نہیں ہے اور مردے بھی ایسے ہیں کہ ان کی ہڈیاں بھی باقی نہیں رہیں۔ اب میں کسی مُردے سے سو دو سو روپے ادھار تو نہیں مانگ سکتا۔ اچانک بوڑھے سانپ کو خیال آیا کہ قبرستان میں ایک ایسا ٹیلہ ہے جہاں آج سے چھ سات سو برس پہلے ایک قبیلہ اپنے مردوں کو دفن کرتے وقت ساتھ کچھ پیسے اور اشرفیاں بھی دفن کر دیا کرتا تھا۔ بوڑھا سانپ اس ٹیلے کی طرف مڑ گیا۔

تھوڑی دیر بعد بوڑھا سانپ ناگ کے پاس واپس آیا تو اس کے منہ میں سونے کی ایک سرخ اشرفی دبی ہوئی تھی۔ اشرفی اس نے ناگ کی خدمت میں پیش کر دی۔ ناگ نے لے اٹھا کر غور سے دیکھا۔ کیٹی کو دکھایا اور سانپ کو واپس بھیج دیا۔

"یہ کافی پرانی اشرفی ہے کیٹی۔ سونا بالکل خالص
ہے۔ آج کل اس قدر خالص سونا کہیں نہیں ہوتا۔
چلو اسے بازار چل کر فروخت کر کے روپیہ حاصل
کرتے ہیں اور پھر میں ہلٹن ہوٹل کے مینجر کو
اس کی امانت واپس کر آؤں گا۔"

دوپہر کا وقت تھا۔ ناگ اور کیٹی مرزنگ کے ایک بازار
سُنار کی دکان پر آ گئے۔ یہ کافی بڑی دکان تھی۔ ناگ نے
دکان دار کو خالص سونے کی اشرفی دکھائی تو ہوشیار دکاندار
فوراً سمجھ گیا کہ اشرفی بہت پرانے زمانے کی ہے اور سونے
کے علاوہ اس کے ایک نوادر ہونے کی حیثیت سے بہت
قیمت ہے اور وہ اسے حکومت کے ساتھ یا کراچی کے کسی
ایجنٹ کے پاس ستر اسی ہزار روپے کے عوض فروخت کر
سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے ناگ اور کیٹی کو پچیس ہزار روپے
پیش کیے جو انہوں نے قبول کر لیے۔ بیس ہزار روپے ناگ
مینجر کے کمرے میں جا کر اس کی تجوری میں تالہ کھول کر رکھ
کر دوبارا تالہ لگا کر واپس آ گیا۔ ساتھ ایک پرچہ بھی رکھ
دیا جس پر لکھ دیا کہ یہ رانی گھانسی دیوی کی طرف سے
قرض کی رقم کی واپسی ہے۔ پھر وہ دونوں گلبرگ کے ہوٹل
میں ایک ڈبل بیڈ کمرہ لے کر آتش دان کے سامنے بیٹھ

کر کافی پینے لگے۔ ہوٹل کا کمرہ ائرکنڈیشنڈ تھا۔
ناگ نے کہا:

"کیٹی! میرا جی تھوڑی دیر آرام کرنے کو چاہتا ہے
اور پھر آج رات کو مجھے قبرستان عنبر کو دیکھنے
بھی جانا ہے۔ کیا خیال ہے۔ میں تھوڑی دیر آرام
کر لوں؟"

کیٹی کہنے لگی:

"ضرور آرام کر لو۔ مگر تم نے کبھی آرام کیا نہیں۔"

"ہاں۔" ناگ بولا: "مگر آج کی ماڈرن دنیا میں رہ
رہ کر میرے اندر بھی ملاوٹ ہو گئی ہے اور آرام
کرنے کو جی چاہنے لگا ہے۔"

کیٹی نے کہا:

"تم آرام کرو۔ میں ذرا شہر کی سیر کو جاتی ہوں۔"

ناگ نے کہا:

"خدا کے لیے کوئی شرارت نہ کرنا۔ آرام آرام
سے جانا اور خاموشی سے سیر کر کے واپس آ جانا۔"

کیٹی کہنے لگی:

"فکر نہ کرو ناگ بھیا! میں کوئی شرارت نہیں کروں
گی۔ روپے الماری میں ہیں ذرا ان کا خیال رکھنا۔"

ناگ نے چابی سرہانے کے نیچے دکھا کر کہا:
"اس ملک کے لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں مجھے تو
نیک آدمی چھوڑ کر اس ملک کے سارے آدمی
چور لگتے ہیں۔ فکر نہ کرو۔ چور آیا تو اپنی لاش
لے ہی واپس جائے گا:
ناگ اٹھ بدل کر بستر پر آرام کرنے لگا اور کیٹی ہوٹل
کی سیڑھیاں اتر کر نیچے بازار میں آگئی۔ دوپہر کے تین بج
رہے تھے۔ کیٹی شلوار قمیض میں ہی تھی۔ اس نے بازار سے
دن کے وقت دو نئے جوڑے خریدے تھے۔ اس وقت وہ نیا جوڑا پہنے
ہوئے تھی اور آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا تھا تا کہ اس کی
چوکور آنکھیں چھپی رہیں۔ اس نے چوک میں سے ٹیکسی
لی اور کوٹ لکھپت کی نئی آبادیوں کو دیکھنے کے لیے روانہ
ہو گئی۔ یہاں بڑی شاندار کوٹھیاں بن رہی تھیں۔ آبادی دُور دُور
تک پھیل گئی تھی۔

کیٹی نے ایک جگہ عورتوں کو روتے ہوئے دیکھا۔ وہ
ایک بہت بڑی لمبی سی عمارت کے باہر درخت کے نیچے
بیٹھی تھیں۔ ایک بوڑھی عورت تھی۔ دو جوان لڑکیاں تھیں۔
اور کچھ بچے اور دوسرے لوگ تھے۔ لڑکیاں اور بوڑھی
عورتوں کی آنکھوں سے آنسو نہ تھمتے تھے۔ دوسرے لوگ

بھی غم زدہ تھے۔
کیٹی نے ڈرائیور سے پوچھا:
"یہ لوگ کیوں رو رہے ہیں؟"
ڈرائیور نے کہا:
"بیگم صاحبہ یہ آخری ملاقات والے ہیں:
"آخری ملاقات والے سے کیا مطلب ہے تمہارا؟"
ڈرائیور بولا:
"بیگم صاحبہ ان لوگوں کے کسی آدمی کو صبح یہاں
پھانسی دی جانے والی ہے اور یہ اس سے آخری
ملاقات کرنے آئے ہیں:
"کیا یہ پھانسی گھر ہے؟" کیٹی نے پوچھا:
ڈرائیور بولا:
"ہاں بیگم صاحبہ۔ یہ جیل ہے اور پھانسی گھر اس
جیل کے اندر ہی ہے:
"گاڑی روکو۔"
ڈرائیور نے وہیں گاڑی روک دی۔ کیٹی نے اسے کرایہ
دے کر واپس بھیج دیا اور خود آہستہ آہستہ چلتی ان عورتوں
کے پاس آگئی جو آنسو بہا رہی تھیں کیٹی ان لوگوں کے قریب
ہی جا کر گھاس پر بیٹھ گئی جیسے وہ بھی جیل میں کسی سے

ملاقات کرنے آئی ہے۔ کیٹی نے اس ٹولی میں سے ایک
لڑکی سے باتیں شروع کر دیں۔ اس لڑکی کا رو رو کر گلا بیٹھ
گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ:

"میرے بھائی کو صبح پھانسی ملنے والی ہے۔ ہم دو بہنیں
ہیں۔ وہ ہماری ماں ہے۔ سامنے میرے ماموں ہیں۔
ہمارا اکلوتا بھائی ہے۔ اس نے خون نہیں کیا۔
اسے زبردستی دشمنی کی وجہ پر مقدمے میں ڈال دیا گیا
تھا۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ ہمارے پاس وکیل کو
دینے کے لیے دولت نہیں تھی۔ ہم مقدمہ ہار گئے
اور میرے ویر، میرے بھائی کو پھانسی کی سزا
ہو گئی۔ آج اس کی ہم سے آخری ملاقات ہے۔"

یہ کہہ کر بے چاری دکھی بہن پھوٹ پھوٹ کر رونے
لگی۔ اس کی دوسری بہن نے آکر اس کے سر پر ہاتھ
رکھ کر کہا:

"نہ رو میری بہن — نہ رو — ابھی ہمارا بھائی آ
رہا ہے۔ اسے دولہا بنانا ہے۔ اسے پھولوں کے
ہار ڈالنے ہیں۔ آج رات اس کی شادی ہو رہی
ہے ناں۔ اس کی ڈولی آئے گی آج رات۔"

اور پھر دونوں بہنوں کی چیخیں نکل گئیں۔ اس کی ماں کی

ہچکی بندھ گئی۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر کیٹی کا دل ہل
گیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ان دکھی بہنوں اور
ماں کی مدد کرے گی۔

اتنے میں سپاہی نے اعلان کیا کہ ملاقات لگ گئی ہے۔
آ جاؤ۔ یہ سن کر یہ عورتیں اور مرد روتی پیٹتی اس برآمدے
کی طرف چلی گئیں جہاں لوہے کے جالی دار جنگلے کے
پیچھے ایک بے حد اداس نوجوان قیدیوں کے لباس میں چپ
چاپ بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی پھٹی سی تھیں اور
چہرے کا رنگ موت کے خوف سے زرد ہو رہا تھا۔ یہی
وہ نوجوان تھا جو ان بہنوں کا اکیلا بھائی اور بوڑھی ماں
کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اور جس کو صبح صبح پھانسی ملنے والی تھی۔
اس کی رحم کی اپیل بھی نامنظور ہو گئی تھی۔ اس کو دیکھتے
ہی ماں اور بہنوں نے بین کرنے شروع کر دیئے۔ ان کی
دردناک چیخوں نے دیواریں ہلا دیں۔ وہاں کوئی ایسا نہیں
تھا جس کی آنکھ نہ بھر آئی ہو۔ کیٹی کی آنکھوں میں بھی شاید
زندگی میں پہلی بار آنسو آ گئے۔ وہ ان کے قریب ہی کھڑی
تھی اور دوسرے لوگوں پر یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ ان
کی رشتے دار ہے۔ جتنی دیر آخری ملاقات ہوتی رہی
بہنیں چیخیں مارتی اور بین کرتی رہیں اور ماں اپنی ویران

آنکھوں سے اپنے جگر کے ٹکڑے، اپنے دل کے ٹکڑے
کو تکتی رہی اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعا مانگتی رہی۔ وہ
اپنے بیٹے کا آخری دیدار کر رہی تھی۔ وہ اس کا آخری
بار منہ بھی نہیں چوم رہی تھی۔ جس لڑکے کو وہ سامنے
غم کی تصویر بنا بیٹھا دیکھ رہی تھی۔ اس کی صبح اس نے
لاش لے کر جانی تھی۔

آخری ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔ وہاں ایسا کہرام
مچا۔ ایسی چیخ و پکار مچی کہ جیسے کسی جوان لڑکے کا جنازہ
اٹھ رہا ہو۔ کیتھی تو وہاں سے پرے ہٹ گئی۔ اس سے
یہ دل پھاڑ دینے والا منظر دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ لڑکے
کو سپاہی اٹھا کر زبردستی اندر لے گئے اور ماں اور بہنیں
ہاتھ پھیلائے بین کرتی رہ گئیں۔ اب ان کو صبح اپنے بھائی
اور اپنے بیٹے کی لاش ہی ملنی تھی۔ ماں کو غش آگیا۔ بہنیں پچھاڑے کھانے لگیں
ان کے رشتے داروں نے بڑی مشکل سے انہیں سنبھالا اور تانگے میں ڈال
کر واپس گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

کیتھی نے اس لڑکے کی شکل بڑے غور سے دیکھ لی
تھی جس کو صبح پھانسی ملنے والی تھی اور اس کی شکل کو
دل میں بٹھا لیا تھا۔ کیتھی نے بھی تانگہ کرایہ اور ان لوگوں

کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئی۔ یہ لوگ شہر سے باہر کھیتی
کے کنارے ایک مکان میں اتر گئے۔ تھوڑی دیر بعد کیتھی
بھی ان کے مکان میں داخل ہو گئی۔ ایک بہن سے تو
اس نے دوستی پیدا کر ہی لی تھی۔ دونوں بہنوں کے رو رو
کر گلے خشک ہو گئے تھے۔ رشتے دار انہیں تسلی دے
رہے تھے ماں کو بار بار غش آ جاتا تھا۔

کیتھی نے جس لڑکی سے بات چیت کی تھی اسے بلا کر کہا
"بہن! ذرا الگ ہو کر میری ایک بات سنو گی؟"
لڑکی نے روتے ہوئے کہا:
"بہن اب کیا باتیں سننے کو رہ گئی ہیں جو کہنا
ہے یہیں کہہ دو۔ صبح میرے بھائی کی لاش آ رہی
ہے۔ میرے بھائی کی برات آ رہی ہے۔"
اور وہ چیخیں مار مار کر رونے لگی۔ کیتھی نے ایک دو
سیکنڈ انتظار کیا۔ جب لڑکی کا رونا تھوڑا کم ہوا تو کیتھی
نے کہا:
"مجھے تم سے بڑی ضروری بات کرنی ہے بہن!
ذرا اس طرف کمرے میں آ جاؤ۔"
لڑکی بے چاری آنسو بہاتی۔ سر کو غم کی وجہ سے اِدھر
اُدھر مارتی کیتھی کے ساتھ دوسرے کمرے میں آکر زمین پر

ہی بیٹھ گئی۔

کیٹی نے آہستہ سے کہا:

"میں تمہارے بھائی کو بچا سکتی ہوں"

یہ سن کر لڑکی کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ وہ کیٹی کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے کیٹی نے اسے زندگی کی سب سے بڑی خوش خبری سُنا دی ہو۔

"یہ — یہ تم کیا کہہ رہی ہو بہن! اب تو کچھ نہیں ہو سکتا"

کیٹی نے کہا:

"خدا جو چاہے کر سکتا ہے۔ میری بات غور سے سنو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تمہارا بھائی زندہ سلامت آدھی رات کے بعد یہاں تمہارے پاس آ جائے گا۔ تم ایسا کرنا کہ یہاں سے کسی دوسرے شہر جانے کے لیے بالکل تیار رہنا۔ جونہی میرا خاص آدمی تمہارے بھائی کو لے کر آئے تم اسے ساتھ لے کر دوسری بہن اور ماں کے ساتھ یہاں سے کسی بھی دوسرے شہر چلی جانا۔ خبردار اس راز کا کسی دوسرے کو ہرگز علم نہیں ہونا چاہیے۔ کسی ہمسائے کو بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تمہارا بھائی زندہ سلامت

واپس آ گیا ہے"

لڑکی کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ جلدی سے بھاگی دوسری بہن ماں اور بڑے تایا جان کو لے آئی۔ کیٹی نے ان سب کے سامنے وہی بات دہرائی کہ ان کا لڑکا جسے پھانسی ہونے والی زندہ سلامت ان کے پاس واپس آ جائے گا۔

"اب تم لوگوں کا کام یہ ہے کہ ارد گرد ہمسایوں میں کسی کو ذرا بھی خبر نہ ہو کہ تمہارا بیٹا زندہ واپس آ گیا ہے۔ تم تھوڑا بہت سامان باندھ کر بالکل تیار رہنا جب لڑکا واپس گھر آ جائے تو اس کا منہ سر چھپا دینا اور اسے ساتھ لے کر فوراً یہاں سے چلے جانا کسی دوسرے شہر جا کر نئی زندگی شروع کرنا بلکہ اگر تم لوگوں کا کوئی رشتے دار دبئی کویت گیا ہوا ہو یا تم خود فوراً جا سکو تو لڑکے کو لے کر دبئی یا کویت چلے جانا اور باقی زندگی سکون سے گذارنا"

تایا جان نے کہا:

"مگر بیٹی یہ کیسے ممکن ہے"

کیٹی نے کہا:

"یہ جب آپ کا لڑکا زندہ واپس گھر آئے گا تو خود بخود پتہ چل جائے گا کہ یہ بات ممکن تھی

وہ آج آدھی رات کے بعد کسی بھی وقت آ
سکتا ہے۔ آپ تیار رہیں۔ اچھا میں جاتی ہوں۔ اب
آپ اسی طرح رونا دھونا شروع کر دیں تا کہ
ہمسایوں کو شک نہ پڑ جائے:

لڑکے کی بہن نے کہا:

خدا تمہیں خوش رکھے۔ مگر یقین نہیں آتا:

اور دونوں بہنیں رونے لگ پڑیں۔ کیٹی نے انہیں گلے
لگا لیا اور آہستہ سے کہا:

بہن فکر نہ کرو۔ تمہارا بھائی پھانسی نہیں چڑھے گا:

جاتے جاتے کیٹی رک گئی اور گھر کے بزرگ تایا جان
کو مخاطب کر کے کہا:

ایک اور بات یاد رکھیں۔ جیل میں سب کچھ وہی
ہو گا جو ہوا کرتا ہے۔ آپ کے لڑکے کو پھانسی
دے دیں گے۔ صبح آپ کو لاش بھی مل جائے گی
اخباروں میں خبر بھی چھپ جائے گی کہ آپ کے
لڑکے کو رات جیل میں پھانسی دے دی گئی۔
آپ بیٹے کی لاش کو دفن کر دیں۔ سب کے سامنے
بلکہ بہتر یہی ہے کہ لڑکے کو اس کا تایا لے کر راتوں
رات یہاں سے نکل جائے۔ آپ لوگ لڑکے کی

لاش صبح وصول کر کے اسے قبرستان میں دفن کرنے
کے بعد تایا جان اور اپنے لڑکے کے پاس
چلی جائیں:

کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ جب ان کے
لڑکے کی لاش بھی آ جائے گی تو ان کا لڑکا آدھی رات کو
ان کے پاس کہاں سے آئے گا۔

کیٹی نے کہا:

یہ باتیں آپ کی سمجھ سے باہر ہیں۔ بہرحال آپ
آج آدھی رات کے وقت اپنے لڑکے کے استقبال
کے لیے تیار رہیں اور تایا جان اسے لے کر یہاں
رہے تو معاملہ خراب ہو سکتا ہے:

ماں نے کہا:

ہم بیٹے کو فوراً روانہ کر دیں گے:

پھر روتے ہوئے کہا:

بیٹی یقین نہیں آتا۔

آج آدھی رات کو آپ کو یقین آ جائے گا ماں جی:

اتنا کہہ کر کیٹی باہر چلی گئی۔ جتنی دیر وہ وہاں بیٹھی
باتیں کرتی رہی اس نے اپنا کالا چشمہ نہیں اتارا تھا۔ یہاں
سے وہ سیدھی ناگ کے پاس گئی اور اسے ساری بات سمجھائی

ناگ نے کہا:
"اپنی شکل چٹکی بجا کر تبدیل کرنے کا یہ تم بہترین فائدہ اٹھا رہی ہو۔"
کیٹی نے کہا:
"میں اس لڑکے کی شکل میں پھانسی کے تختے پر چڑھ جاؤں گی۔ تمہارا کام یہ ہے کہ میرے ساتھ جیل کی کوٹھڑی میں چلنا ہے اور اس پھانسی پانے والے لڑکے کو کسی نہ کسی طرح جیل سے رات کے اندھیرے میں باہر نکال کر اس کے گھر پہنچا دینا ہے مگر ایسے کہ لڑائی جھگڑا بالکل نہ ہو۔"
ناگ نے کہا:
"ایسا ہی ہو گا۔ تم کوئی فکر نہ کرو۔ اس لڑکے کا نام کیا ہے؟"
کیٹی نے کہا:
"ریاض احمد — بارویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ بس دشمنی میں پھنس گیا۔ بُری صحبت کا نتیجہ ہمیشہ بُرا ہوتا ہے۔"
ناگ نے کہا:
"میں چڑیا بنتا ہوں۔ تم بھی چٹکی بجا کر چڑیا بنو تاکہ

ہم اڑتے اڑتے جیل کے اندر پھانسی کی کوٹھڑی تک پہنچ جائیں جہاں بدنصیب لیکن اب خوش نصیب ریاض احمد موت کی گھڑیاں گن رہا ہے۔"
کیٹی نے چٹکی بجائی اور ننھی سی کالی چڑیا بن گئی۔ ناگ نے سانس کھینچا اور ننھی چڑیا بن گیا۔ دونوں ایک ساتھ اڑے اور جیل خانے کی طرف پرواز کر گئے۔

○

کیٹی پھانسی کے تختے پر

ناگ اور کیٹی چڑیا کی شکلوں میں جیل کے اندر آ گئے۔
کیٹی سیاہ چڑیا کی شکل میں آگے آگے تھی اور ناگ اس کے پیچھے اُڑ رہا تھا۔ اڑتے اڑتے کیٹی نے ناگ کو بتایا:

"میں نے ریاض احمد کی شکل دیکھ رکھی ہے میں اسے پہچان لوں گی۔"

ناگ نے کہا:

"جن مجرموں کو پھانسی دی جانے والی ہوتی ہے انہیں شام کو پھانسی کی خاص کوٹھڑی میں لے آتے ہیں۔"

کیٹی بولی:

"ابھی پتہ چل جاتا ہے۔"

اس نے جھک کر جیل خانے کے اندر بنی ہوئی ساری عمارتوں کا چکر لگایا۔ ایک جگہ چار کوٹھڑیاں ساتھ ساتھ بنی

ہوئی تھیں۔ ان کے آگے چھوٹا سا تنگ برآمدہ تھا۔ ہر کوٹھڑی پر لوہے کی سلاخوں والا دروازہ چڑھا جس پر لوہے کا تالا لگا تھا۔

کیٹی نے ناگ سے کہا،

"میرا خیال ہے وہ لڑکا ان کوٹھڑیوں میں سے کسی میں ہو گا۔"

اور وہ ان کوٹھڑیوں کے برآمدے کی دیوار پر آ کر بیٹھ گئی۔ ناگ بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ کیٹی نے دیوار پر چل کر دیکھا کہ چوتھی اور آخری کوٹھڑی میں وہ لڑکا سر جھکائے زمین پر بچھے ہوئے کمبل پر بیٹھا تھا جس کا نام ریاض احمد تھا اور جس کی تلاش میں کیٹی ناگ کو لے کر وہاں آئی تھی اور جسے صبح پھانسی ملنے والی تھی۔ کوٹھڑی کے باہر بڑا سخت پہرہ لگا تھا۔ دو سپاہی سلاخوں والے دروازے کے سامنے چل پھر کر پہرہ دے رہے تھے اور دو سپاہی برآمدے کے باہر کوٹھڑیوں کے اردگرد چل پھر کر گشت لگا رہے تھے۔

ناگ نے کہا:

"یہاں تو بڑا سخت پہرہ لگا ہے۔"

کیٹی نے کہا:

"ہاں — لیکن اس لڑکے کو ہر حالت میں رات کے

تین بجے سے پہلے پہلے یہاں سے نکالنا ہے۔
کیوں کہ اسے صبح تین بجے پھانسی دے دی جائے گی۔"

اس وقت شام کے سائے گہرے ہو گئے تھے اور پھانسی پانے والے ریاض احمد کی کوٹھڑی میں بلب روشن تھا جس کی روشنی میں ریاض احمد سر جھکائے بیٹھا قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا اور داڑھی کے بال بڑھ آئے تھے۔

ناگ نے کہا:

"بغیر کسی سے ٹکر لیے اور لڑائی جھگڑا کیے بغیر اسے یہاں سے نکالنا اتنا آسان کام نہیں ہے کیٹی — لیکن میں پوری کوشش کروں گا۔"

کیٹی نے کہا:

"میں تمہاری مدد کروں گی۔"

دونوں پھانسی کی کوٹھڑی کے سامنے والی برآمدے کی دیوار پر بیٹھے ایک دوسرے سے آہستہ آہستہ باتیں کرتے رہے۔ جب رات گہری ہو گئی اور جیل میں سوائے ان جگہوں کے جہاں جہاں بلب روشن تھے ہر طرف اندھیرا چھا گیا تو ناگ نے کہا:

"کیٹی! تم اسی جگہ دیوار پر رہنا۔ میں ادھر جا کر اپنا کام شروع کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ناگ کالی چڑیا کے روپ میں جیل کی دوسری طرف اُڑ گیا۔ ادھر جیل کی دو منزلہ عمارت تھی جہاں جیل کے دفتر تھے۔ یہ دفتر رات ہونے کی وجہ سے بند تھے۔ ناگ اس بلڈنگ کے روشن دان میں سے اندر چلا گیا اور سانپ بن کر منہ سے ایسی چنگاریاں نکالیں کہ دفتر میں آگ لگ گئی۔ وہ اڑ کر روشن دان سے ہی واپس آ گیا۔ بلڈنگ میں سے دھواں نکلنے لگا اور پھر آگ کے شعلے بلند ہوئے تو جیل خانے میں ایک شور مچ گیا۔ ہر کوئی آگ بجھانے کی طرف لگ گیا۔ ایک افراتفری سی مچ گئی۔ ناگ کیٹی کے پاس آ کر بولا:

"اُدھر میں نے آگ لگا دی ہے۔ اب تم ان پہرے داروں کو اُدھر بھیجو۔"

کیٹی فوراً نیچے آ گئی اور دل میں چٹکی بجا کر اس نے جیل کے ہیڈ وارڈن کی شکل بدل لی جس کو اس نے آتے ہی جیل کے دفتر میں دیکھا تھا۔ پہرے داروں نے جو اچانک اپنے سامنے ہیڈ وارڈن کو دیکھا تو گھبرا سے گئے۔

ہیڈ وارڈن نے انہیں ڈانٹ کر کہا:

کم بختو! اُدھر جا کر آگ بجھانے میں مدد دو تم
ادھر کیا پہرہ دے رہے ہو۔ ادھر میں پہرہ دیتا
ہوں۔ چلو۔ بھاگو۔ جلدی کرو۔"

چاروں پہرے دار جدھر آگ لگی تھی ادھر بھاگے اب
کوٹھڑیوں کے آگے برآمدہ بالکل خالی تھا۔ باہر بھی کوئی
پہرے دار نہیں تھا۔ آگ تیز ہو رہی تھی اور ہر کوئی آگ
بجھانے میں لگا تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب کیٹی اور
ناگ کو اپنا کام کرنا تھا۔

پھانسی پانے والا نوجوان ریاض احمد اپنی کوٹھڑی میں
اداس بیٹھا قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔ پھر اس نے شور سنا
تو قرآن شریف بند کر کے اسے چوم کر آنکھوں سے لگایا
اونچی جگہ پر رکھا اور کوٹھڑی کی سلاخوں کے پاس آ کر کھڑا
ہو گیا کہ آگ کدھر لگی ہوئی ہے۔

اس وقت خلائی لڑکی کیٹی ہیڈ وارڈن کے روپ میں
وہاں آئی اور ریاض احمد اسے دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔
ہیڈ وارڈن نے جیب سے چابی نکال کر کوٹھڑی کھولنی چاہی،
مگر چابی اس کی جیب میں نہیں تھی۔ چابی دفتر میں تھی۔
اب اگر وہ دفتر میں جائے تو وہاں اصلی ہیڈ وارڈن
موجود ہو گا اور کیٹی کا بھانڈا پھوٹ جانے کا ڈر تھا۔ اس

لیے کیٹی نے ہیڈ وارڈن ہی کی شکل میں ناگ سے جو
دیوار پر بیٹھا تھا کہا:

"ناگ دروازہ کھول کر اسے لے جاؤ۔"

یہ اس نے جانوروں اور پرندوں کی زبان میں بات کی
تھی۔ پھانسی پانے والا ریاض احمد اسے بالکل نہیں سمجھ سکا۔
ناگ دیوار پر سے نیچے اتر آیا۔ اس نے دیوار کے پیچھے کھڑے
ہو کر گہرا سانس لیا اور ایک بہت بڑے اڑنے والے سیاہ
پرندہ سیمرغ کی شکل بدل لی۔ دوسری تینوں کوٹھڑیاں خالی تھیں۔
جن کی وجہ سے ناگ اور کیٹی کا کام زیادہ آسان ہو گیا تھا۔
ریاض احمد نے جو ایک بہت بڑے کالے سیمرغ پرندے کو
چونچ مار کر دروازے کا تالا توڑتے اور پھر دروازہ کھول کر
اسے اپنی طرف بلاتے دیکھا تو ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ ہیڈ وارڈن
یعنی کیٹی نے اندر آ کر ریاض احمد سے کہا:

"ریاض! جلدی سے اس سیمرغ کے اوپر سوار ہو جاؤ
اور اس کی گردن پکڑ کر لیٹ جاؤ۔ جلدی کرو۔
وقت بہت کم ہے۔"

ریاض کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کیٹی نے اسے
زبردستی سیمرغ کے اوپر بٹھا دیا۔ سیمرغ جلدی سے باہر نکل
کر برآمدے میں آ گیا۔ وہ اوپر کو اٹھا تو ریاض احمد نے

اس کی گردن کے پر پکڑ لیے اور اس کے اوپر لیٹ گیا۔
سمیرغ اندھیرے میں پھڑ پھڑاتا ہوا جیل کی دیوار کے باہر
ٹالی (شیشم) کے درختوں کے اوپر سے ہوتا ہوا دور پیچھے
کھیتوں کے پاس آکر ایک جگہ اتر گیا۔ یہاں ناگ نے
انسان کی شکل بدل لی۔ ریاض احمد خوف کے مارے تھر تھر
کانپنے لگا۔

ناگ نے کہا:

"گھبراؤ بالکل نہیں۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں تمہاری
جان بچانے کے لیے کر رہے ہیں۔ اب تم میرے
ساتھ اپنے گھر اپنی ماں اور بہنوں کے پاس جا رہے
ہو۔ جہاں وہ تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں۔"

ریاض نے سہمے سہمے لہجے میں کہا:

"لیکن آپ کون ہیں۔ ہیڈ وارڈن صاحب آپ
کے ساتھ ملے ہوئے ہیں کیا؟"

"تم یہی سمجھ لو۔ مگر کسی سے اس کا ساری زندگی ذکر
نہ کرنا۔ تمہیں سب کچھ بعد میں سمجھا دیا جائے گا۔
اب آؤ میرے ساتھ۔"

ناگ نے ریاض احمد کی جیل کی قمیض اتروا کر اسے اپنی
قمیض دے دی اور خود بنیان کے اوپر جیکٹ پہن لی۔

ناگ نے کہا:

"یہاں سے ہم رکشا لے کر تمہارے گھر جائیں گے۔"

ریاض احمد نے سر ہلا کر کہا کہ اچھا۔ ناگ اسے ساتھ
لے کر کھیتوں میں سے باہر ایک سڑک پر نکل آیا جو آگے
جا کر ریلوے لائن کے پھاٹک میں سے گذرتی تھی۔ یہاں ایک
خالی رکشا کھڑا تھا۔ ناگ نے ریاض سے اس کے محلے کا نام
پوچھ کر رکشے والے کو بتایا اور رکشا ریاض احمد کے گھر کی
طرف دوڑنے لگا۔

ادھر ناگ جب پھانسی پانے والے ریاض احمد کو لے کر
جیل کی چار دیواری سے باہر نکل گیا تو کیٹی نے ہیڈ وارڈن
کے روپ میں ہی دل میں ریاض احمد کی شکل کا تصور کیا اور
اور چٹکی بجائی۔ وہ ہیڈ وارڈن سے ریاض احمد بن گئی۔ وہی
بڑھی ہوئی ڈاڑھی اور وہی دبلا پتلا جسم، کیٹی خاموشی سے
زمین پر بچھے ہوئے کمبل پر بیٹھ گئی۔ آگ بجھانے والے
انجنوں نے تھوڑی دیر بعد آگ پر قابو پا کر اسے بجھا دیا۔
پھانسی کی کوٹھڑی کے باہر پہرہ دینے والوں کو جب اصلی
ہیڈ وارڈن نے وہاں آگ بجھاتے دیکھا تو غصے سے لال
ہو کر بولا:

"ارے الو کے پٹھو تم یہاں آ گئے ہو تو ادھر

پہرہ تمہاری ماں دے رہی ہے۔"
پہرے دار سپاہی ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے کہ ایک
نے کہا:
"جناب آپ نے خود ہی تو ہمیں یہاں بھیجا تھا۔"
"ارے کس کافر نے تمہیں یہاں بھیجا تھا۔ میں تو ادھر
تمہاری طرف گیا ہی نہیں۔ چلو حرامیو! پھانسی گھر
کی طرف چلو۔"
اور ہیڈ وارڈن خود ان کے ساتھ بھاگتا ہوا پھانسی کی
کوٹھڑیوں کی طرف آ گیا جب اس نے صبح پھانسی پانے والے
ریاض احمد کو اپنی کوٹھڑی میں دیوار کے ساتھ سر جھکائے
ہوئے بیٹھے دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے
پہرے داروں کو ڈانٹ کر کہا:
"اگر اب تم لوگوں نے یہ جگہ چھوڑی تو میں تمہیں
مارشل لاء والوں کے حوالے کر دوں گا، سمجھے؟"
"جی حضور!"
ہیڈ وارڈن چلا گیا اور چاروں سپاہی وہاں گشت لگا
کر پہرہ دینے لگے۔ کیٹی کوٹھڑی میں ریاض احمد کی شکل
میں یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اب اسے رات کے
تین بجنے کا انتظار تھا جب اسے پھانسی دی جانے والی

تھی ادھر ناگ کا رکشا اڑا جا رہا تھا۔
رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ جس محلے میں ریاض احمد
کی ماں اور بہنوں کا مکان تھا۔ اس محلے میں گہری خاموشی
چھائی ہوئی تھی۔ صرف ریاض احمد کے گھر کے ایک کمرے
میں ہلکا سا بلب روشن تھا اور اس کی ماں اور دونوں بہنیں
سجدے میں گر گر کر خدا سے اپنے بیٹے اور بھائی کی زندگی
کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ ریاض احمد کا تایا چھوٹے کمرے
میں چارپائی پر بیٹھا بے چینی سے کسی کا انتظار کر رہا تھا۔
اسے یقین بھی نہیں آ رہا تھا کہ سیاہ چیونٹے والی لڑکی ٹھیک
کہہ گئی کہ آدھی رات سے پہلے پہلے ریاض احمد گھر واپس
آ جائے گا اور یقین کرنے کو دل بھی چاہ رہا تھا۔ اچانک
رکشے کی آواز سنائی دی جو گلی کے سرے پر آ کر رک
گئی۔ گھر میں ماں اور دونوں بہنوں اور تایا جان کے کان
کھڑے ہو گئے اور دل دھڑکنے لگے۔ یا اللہ خیر! یا اللہ خیر!
پھر گلی میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ چاپ
ان کے مکان کے باہر آ کر رک گئی۔ دونوں بہنیں اور
ماں ایک دوسرے کو تکنے لگیں۔ ان کے دلوں میں ایک
ہی بات دھڑک رہی تھی۔
"کیا ہمارا لختِ جگر آ گیا ہے؟ کیا وہ پھانسی کے

پھندے سے بچ گیا ہے ؟"

دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی۔ تایا، ماں، اور دونوں بہنیں دروازے کی طرف بھاگیں۔ سامنے ناگ کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر سب کو خاموش رہنے کی ہدایت کی اور آہستہ سے کہا:

"اندر چلو۔"

کوٹھڑی میں آکر اس نے کہا:

"ریاض احمد میرے ساتھ ہے۔"

"کہاں ہے میرا لعل! میرے دل کا ٹکڑا؟" ماں نے کہا۔

"شی ___ خدا کے لیے خاموش رہیں۔ کہیں بنا بنایا کھیل نہ بگڑ جائے۔ میں ریاض احمد کو لا رہا ہوں مگر خبردار کسی کی بھی آواز بلند نہ ہو؟"

اور ناگ جلدی سے گلی میں آگیا۔ اندھیرے میں ریاض احمد اپنے مکان کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا۔ ناگ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ریاض احمد مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ ناگ نے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی اور ریاض کو لے کر تیزی سے پچھلے کمرے میں آگیا۔ ماں بہنوں اور تایا نے ریاض احمد کو زندہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تو خوشی سے ان کی چیخیں نکلتے نکلتے رہ گئیں۔ ناگ نے

ہاتھ اٹھا کر کہا:

"خبردار! کسی کی آواز بلند نہ ہو۔"

ریاض احمد ماں اور بہنوں سے لپٹ گیا۔ وہ اس کو چومنے لگیں۔ ماں اپنے بیٹے کی بلائیں لے رہی تھی۔ بہنیں اپنے بھائی پر نثار ہوئی جا رہی تھیں۔ ان کا بھائی زندہ سلامت تھا۔ انہیں یقین آگیا تھا کہ وہ ریاض احمد ہی ہے کوئی اور نہیں ہے۔

ناگ نے تایا جان سے پوچھا:

"کیا ریاض احمد کو یہاں سے نکال لے جانے کا انتظام ہو چکا ہے؟"

"ہاں" تایا نے کہا:

"میں نے ایک جیپ یہاں سے دور ایک جگہ کھڑی کی ہوئی ہے۔ اس کی چابی میرے پاس ہے میں ریاض کو راتوں رات یہاں سے نکال کر لنڈی کوتل کے غیر علاقے میں لے جاؤں گا۔ وہاں میرا ایک گہرا دوست رہتا ہے۔ دو دن کے بعد ریاض کی والدہ اور بہنیں بھی وہاں آ جائیں گی اور پھر ہم لوگ یہ ملک چھوڑ کر ایران چلے جائیں گے جہاں جا کر اپنی نئی زندگی شروع کریں گے۔"

ناگ نے کہا :

"تو پھر دیر نہ کریں اور ریاض کو لے جائیں۔"

تایا جان نے اسی وقت ریاض کو دوسرے کپڑے پہنائے۔ اس کے سر پر رومال باندھ کر اس کا حلیہ تھوڑا سا تبدیل کیا اور ماں اور بہنوں سے بڑی مشکل سے جُدا کر کے اسے مکان سے لے کر نکل گیا۔ ناگ ریاض کی ماں اور بہنوں کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور کہا :

"آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ خدا نے آپ کے بیٹے کو پھر سے نئی زندگی دی ہے۔"

ریاض کی ایک بہن نے پوچھا :

"لیکن یہ سب کیسے ہو گیا؟"

ناگ بولا :

"یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ ابھی صبح آپ کو ایک ریاض احمد کی لاش لے جانے جیل خانے جانا ہو گا اور وہاں اسی طرح رونا اور ہچکیاں بھر کر بین کرنے ہوں گے جیسے آپ سچ مچ ریاض کی لاش لے رہی ہیں۔"

ماں نے کہا :

"مگر جب ریاض احمد۔ میرا بیٹا زندہ ہے تو وہ لاش کس کی ہو گی؟"

دوسری بہن نے کہا :

"پھر کس ریاض احمد کو پھانسی دی جائے گی؟"

ناگ نے کہا :

"آپ یہ سوال نہ کریں۔ کیوں کہ میں اس کا جو جواب دوں گا وہ آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا آپ اتنا یقین رکھیں کہ آپ کا بیٹا اور بھائی ریاض احمد پھانسی کے پھندے سے بچ گیا ہے۔ وہ زندہ رہے گا۔ اور جس ریاض احمد کو صبح تین بجے پھانسی دی جائے گی وہ آپ کا بیٹا نہیں ہو گا۔ اگرچہ اس کی شکل۔ وضع قطع۔ ہر شے آپ کے بیٹے سے ملتی ہو گی۔"

بہن نے کہا :

"یا اللہ! یہ کیا معمہ ہے؟"

دوسری بولی :

"اس کے بعد تو ہمارے بھائی کو کچھ نہیں ہو گا؟"

"ہرگز نہیں۔ پولیس کے ریکارڈ میں آپ کے بھائی کو پھانسی مل چکی ہو گی۔ پھر ساری زندگی پولیس اس

کا نام نہیں لے گی اور آپ کا بھائی یہاں سے
دور آپ کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہا
ہو گا۔ اس سے زیادہ آپ کو اور کیا چاہیے؟"

"یا اللہ! تیرا شکر ہے۔"

اور ریاض احمد کی ماں سجدے میں گر گئی۔

ناگ نے کہا:

"صبح لاش لینے میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ آپ
یہی کہیں گے کہ میں آپ کا رشتے دار ہوں۔"

"ایسا ہی کہیں گے بھائی جان!" ایک لڑکی نے کہا۔

جوں جوں رات گذر رہی تھی اور پھانسی کا وقت قریب
آ رہا تھا۔ ماں اور بہنوں کی حالت عجیب ہو رہی تھی کبھی
انہیں یقین آتا کہ ان کے بیٹے اور بھائی کو تھوڑی دیر
بعد پھانسی کے "تختے" کی طرف لے جایا جائے گا اور کبھی
انہیں محسوس ہوتا کہ ان کا بھائی موت کے پنجوں سے
نکل کر بہت دور جا چکا ہے۔ ان کے دل ایک کش مکش
میں مبتلا تھے۔ کبھی ان کے چہروں پر اطمینان آ جاتا اور
کبھی ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ ناگ انہیں کبھی کبھی
تسلی دے دیتا تھا۔ ایک بار ریاض کی بہن نے ناگ سے
پوچھا:

"بھائی جان آپ کہاں رہتے ہیں؟ کہاں کام
کرتے ہیں؟"

ناگ نے کہا:

"عزیز بہن! یہ پوچھنے کا ابھی وقت نہیں ہے پھر
کبھی بتاؤں گا۔"

جب ٹھیک رات کے اڑھائی بجے تو ناگ نے کیٹی
کا تصور کیا کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ اس وقت جس کو
پھانسی دینی ہوتی ہے نہلایا جاتا ہے اور پھانسی کا سیاہ
لباس پہنایا جاتا ہے۔

ناگ کا اندازہ ٹھیک تھا۔

کیٹی پھانسی کی کوٹھڑی میں ریاض کی شکل میں خاموش
بیٹھی تھی اور چہرے پر مصنوعی افسردگی طاری کی ہوئی تھی
کہ ٹھیک رات کے اڑھائی بجے جیل کا ہیڈ وارڈن اور
چار ہٹے کٹے سپاہی داخل ہوئے انہوں نے کہا کہ غسل
کر لو۔ ریاض نے پردہ تان کر غسل کیا۔ وارڈن اور جیل
کے سپاہیوں نے اسے پھانسی کے کالے کپڑے پہنا دیئے۔
پھر ایک مولوی صاحب اور مجسٹریٹ اندر آ گئے۔

مجسٹریٹ نے کیٹی سے کہا:

"اگر تم نے کوئی وصیت لکھوانی ہے تو لکھوا سکتے ہو۔"

کیٹی نے جو ریاض احمد کی شکل میں پھانسی کے کالے
کپڑے پہنے بیٹھی تھی کہا "نہیں مجھے کوئی وصیت نہیں کرنی۔"

مولوی صاحب نے کہا:

"بیٹے! یہ تمہارا آخری وقت ہے ہاتھ بلند کرو
اور خدا سے اپنے گناہوں کی بخشش کی دعا مانگو۔"

کیٹی کی سمجھ میں یہ سب کچھ بالکل نہیں آ رہا تھا۔
کیوں کہ وہ خلا کی رہنے والی تھی لیکن چونکہ اس وقت
وہ ریاض احمد کی شکل میں تھی اس لیے یہ باتیں کچھ کچھ
سمجھ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر خدا سے اپنے گناہوں
کی معافی اور بخشش کے لیے دُعا کی۔ پھر ایک ڈاکٹر آگیا۔
اس نے کیٹی کا ڈاکٹری معائنہ کیا کہ وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔
اس نے اعلان کیا کہ پھانسی پانے والا مجرم بالکل ٹھیک
ہے۔ ایک سپاہی نے وارڈن کے اشارے پر آگے بڑھ کر
کیٹی کے دونوں بازو رسی سے پیچھے باندھ دیئے اور اسے
پھانسی کے تختے کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ کیٹی چُپ
چاپ ان کے ساتھ چل پڑی۔ وہ سر سے پاؤں تک
ریاض احمد کی شکل میں تھی اور اسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں
کہہ سکتا تھا کہ یہ ریاض احمد نہیں ہے اور اصلی ریاض احمد
اس وقت جیپ میں اپنے تایا جان کے ساتھ بیٹھا

وہاں سے سینکڑوں میل دُور پشاور کی طرف نکل چکا تھا۔

پھانسی گھر وہاں سے چند قدموں کے فاصلے پر تھا۔ کیٹی
نے دیکھا کہ سامنے ایک اونچا چبوترہ ہے جس پر لوہے
کے گارڈر کھڑے ہیں۔ گارڈر پر سفید رنگ کا رسّہ لٹک
رہا ہے جس کے آگے گلے میں ڈالنے والا پھندا بنا ہوا
ہے۔ اس کے پاس ہی ایک جلاد آنکھوں پر نقاب ڈالے
کھڑا ہے۔

سپرنٹنڈنٹ، ڈاکٹر اور مجسٹریٹ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سپاہی
کیٹی کو لے کر چبوترے کے پاس آ گئے۔

کیٹی نے کہا:

"میں خود اوپر جاؤں گا۔"

سپاہی ریاض احمد کی دلیری پر حیران تھے کہ وہ بڑی
بہادری سے چل رہا تھا اور اب خود سیڑھیاں چڑھ کر
چبوترے پر جانا چاہتا تھا۔ وہ اس کے پیچھے اور دونوں
پہلوؤں پر ہو گئے۔ ریاض احمد یعنی کیٹی بڑے آرام سے
سیڑھیاں چڑھنے لگی اور چبوترے پر پہنچ کر اس جگہ لوہے
کے تختے پر کھڑی ہو گئی جہاں اوپر پھانسی کا پھندا لٹک
رہا تھا۔ دو قدم پر ایک لیور یعنی ہتھی لگی تھی جس کے
کھینچ دینے سے تختے کو کیٹی کے پاؤں سے کھسک جانا

تھا اور اسے نیچے کنوئیں میں لٹک کر مرجانا تھا لیکن
کیٹی کو معلوم تھا کہ وہ ان لوگوں کے لیے ریاض احمد
کے روپ میں مرجائے گی مگر اصل میں زندہ رہے گی۔
کیوں کہ اس نے اپنی پوری خلائی طاقت کو اپنے جسم
پر طاری کر لیا تھا۔ وہ تختے پر پاؤں جوڑ کر کھڑی
ہو گئی۔

وارڈن کے اشارے پر جلاد نے جلدی سے آگے
بڑھ کر کیٹی کے منہ پر کالا نقاب چڑھایا اور اس کی
گردن میں رسہ ڈال کر پھندے کو کس دیا اور خود پیچھے
ہٹ کر لیور کے پاس کھڑا ہو گیا۔ ٹھیک تین بجے رات
یعنی دس سیکنڈ بعد جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے اشارہ کیا۔
اور جلاد نے لیور یعنی ہتھی کو پیچھے کھینچ دیا۔ ہتھی کے
کھینچتے ہی کیٹی کے پاؤں کے نیچے سے تختہ کھسک گیا۔
اور وہ زور سے نیچے کنوئیں میں گر گئی۔ یا گر گیا۔ کیونکہ
وہ ریاض احمد کی شکل میں تھی۔

وہ دو منٹ تک نیچے کنوئیں میں لٹکتی رہی۔ پھر
ڈاکٹر نے نیچے جا کر کیٹی کے دل پر ٹونٹی لگائی اور اعلان
کر دیا کہ ریاض احمد ملزم مرچکا ہے۔ اسی وقت اس کی
لاش اتار کر چارپائی پر ڈال دی گئی اور اسے وہاں سے اٹھا

کر جیل کے برآمدے میں ڈال دیا گیا تاکہ صبح اس کے
لواحقین آکر وہاں سے لے جائیں۔ چار بجنے میں ابھی پچیس
منٹ باقی تھے اور پچھلی رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا کہ
ناگ، ریاض احمد کی ماں اور بہنیں ریاض احمد کی لاش
لینے وہاں آگئے۔ وہ سب رو رہی ہیں اور بین کر رہی
تھیں۔ کیوں کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ریاض احمد کی
لاش پڑی تھی۔ ناگ نے لاش سنبھالی۔ اسے ویگن میں
رکھوایا اور ان کے گھر لے آیا۔ وہاں بھی ایک بار پھر کہرام
مچ گیا۔ محلے کے لوگ اور عورتیں آگئیں۔ ان سب کو یہی
معلوم تھا کہ ریاض کی لاش آگئی ہے۔ ریاض کے دوسرے
رشتے دار بھی وہاں پہنچ گئے تھے۔ ناگ نے ریاض کی
ماں سے کہا کہ لاش کو جلدی دفنا دیا جانا چاہیے۔ چنانچہ
تھوڑی ہی دیر بعد کیٹی کا جنازہ قبرستان پہنچا دیا گیا اور اسے
قبر میں اتار دیا گیا۔ سب لوگ واپس آگئے۔ ناگ بھی
ان کے ساتھ واپس آگیا مگر وہ راستے سے الگ ہو کر
دوبارہ قبرستان آیا اور کیٹی کی قبر کے پاس جا کر بیٹھ گیا
اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کیوں کہ اسے یقین تھا کہ کیٹی
کسی نہ کسی روپ میں قبر سے باہر آچکی ہو گی۔

"خدا کا شکر ہے تمہاری پھر سے صورت دیکھی" ناگ

نے کہا۔

کیٹی مسکرا رہی تھی۔

ناگ نے کہا:

"تم قبر میں سے کس طرح باہر نکلیں؟"

کیٹی نے کہا:

"سانپ کی شکل میں — میں مری تھوڑی تھی۔ صرف میرا دل بند ہو گیا تھا۔ پھر میں نے سانپ کی شکل آنکھوں میں لا کر چٹکی بجائی اور سانپ بن کر قبر میں سے باہر آ گئی۔"

ناگ نے کہا:

"تم نے ایک بہت بڑا معرکہ انجام دیا ہے کیٹی!"

کیٹی نے پوچھا:

"کیا ریاض احمد اپنے تایا کے ساتھ چلا گیا تھا؟"

"ہاں — وہ راتوں رات اسے ساتھ لے کر لنڈی کوتل کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔"

کیٹی نے کہا:

"اپنے بھائی اور بیٹے کو دیکھ کر ریاض احمد کی ماں اور بہنیں تو بہت خوش ہوئی ہوں گی۔"

ناگ نے کہا:

"ان کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اگر میں انہیں نہ روکتا تو خوشی سے ان کی چیخیں نکل جاتیں۔"

کیٹی خوش ہوئی کہنے لگی:

"خدا کا شکر ہے کہ میں اپنے ایک انسانی مشن میں کامیاب ہوئی اور ایک بے گناہ انسان کو جس نے قتل نہیں کیا تھا پھانسی کے پھندے سے بچا لیا اور اسے اس کی ماں اور بہنوں کے پاس پہنچا دیا۔"

ناگ نے کہا:

"اب کیا پروگرام ہے؟"

کیٹی بولی:

"تم رات قبرستان جا کر عنبر کا پتہ نہیں معلوم کر سکے، چلو قبرستان چل کر دیکھتے ہیں کہیں عنبر واپس نہ آ گیا ہو۔"

"چلو۔"

اس وقت دن کے گیارہ بج رہے تھے۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی اور سڑکوں پر ٹریفک جا رہی تھی۔ موسم میں گرمی بڑی معمولی سی تھی۔

کیٹی نے پوچھا :

"تمہارے پاس پاکستانی کرنسی ہے نا ؟"

"ہاں — کافی روپے ہیں ۔ ویسے میں نے دو ہزار روپے ریاض کی بہن کو چپکے سے دے دیئے تھے اور یہ بات اس کہانی کے لکھنے والے مصنف یعنی اے حمید کو بھی معلوم نہیں جو ہمارے سفر کی داستان لکھ رہا ہے ۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا ۔ مگر یہ اے حمید کہاں رہتا ہے ؟ کیوں نہ اس کے پاس جا کر ذرا اس کی خبر لی جائے ؟"

ناگ نے کہا :

"وہ سمن آباد میں رہتا ہے اور ہمارے سفر کی داستان کو بڑی ایمانداری سے ٹھیک ٹھیک دیانت کے ساتھ لکھ رہا ہے ۔ اگر وہ ہماری داستان میں ڈنڈی مارتا تو میں کب کی اس کی خبر لے چکا ہوتا ۔ میں اسے امریکہ میں مل چکا ہوں ۔"

کیٹی بولی :

"اچھا پہلے عنبر کا پتہ کرتے ہیں ۔ اس کے بعد سوچ لیں گے ۔"

انہوں نے قبرستان سے نکل کر سڑک پر ایک رکشہ لیا اور میانی صاحب کی طرف روانہ ہو گئے ۔ وہ میانی صاحب پہنچ کر پرانی قبر کے پاس جا کر ادھر اُدھر دیکھنے اور عنبر کو آوازیں دینے لگے ۔ مگر عنبر کا کسی طرف سے کوئی جواب نہ آیا ۔

ناگ نے کہا :

"اس کے ساتھ ضرور کوئی حادثہ ہو گیا ہے جو وہ اب تک یہاں نہیں پہنچا ۔"

"اب اسے کہاں تلاش کیا جائے ؟" کیٹی نے پوچھا ؛

ناگ جواب دینے ہی والا تھا کہ اچانک اس نے کیٹی سے کہا :

"ادھر دیکھو — وہ کون جا رہا ہے ؟"

کیٹی نے دیکھا پرانی قبر کا سوراخ بڑا ہو گیا ہے اور اس میں بالکل ٹیلی ویژن کی طرح ایک منظر نظر آ رہا ہے ۔ اس منظر میں آسمان پر ستارے چمک رہے ہیں اور عنبر ایک گھوڑے پر سوار مغل دور کی دلی شہر کی چار دیواری سے نکل کر ایک سنسان سڑک پر چلا جا رہا ہے ۔

کیٹی نے چلا کر کہا :

"ناگ! یہ تو عنبر ہے۔"

عنبر نے بھی اس کی آواز سن لی تھی۔ اس نے پلٹ کر کیٹی اور ناگ کو دیکھا اور اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ ناگ اور کیٹی نے قبر کے سوراخ میں چھلانگ لگا دی۔ وہ ۱۹۸۳ء کے لاہور شہر کے روشن دن سے نکل کر ۱۸۳۰ء کے دلی شہر کی چار دیواری کے باہر سنسان سڑک پر آ گئے۔ عنبر گھوڑے سے اتر پڑا۔ اس نے کیٹی سے ہاتھ ملا کر اس کا ماتھا چوم لیا اور ناگ کو گلے لگایا:

"تم کہاں چلے گئے تھے عنبر! ہم کب سے پرانی قبر کے باہر تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

"یہ بڑی لمبی کہانی ہے ناگ بھیا! پھر سناؤں گا۔"

کیٹی نے ارد گرد دیکھ کر پوچھا:

"ہم کہاں آ گئے ہیں؟"

ناگ نے کہا:

"تم مغل خاندان کے شاہ عالم ثانی کے زمانے میں ہو آؤ اب ماریا کی تلاش میں چلتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم تینوں ایک بار پھر اکٹھے ہو گئے ہیں۔"

کیٹی اور ناگ مسکرائے اور وہ تینوں ماریا کی تلاش میں روانہ ہو گئے اور ماریا ان سے پونے تین ہزار سال پیچھے شہر بابل سے دور ایک صحرا میں سے گذر رہی تھی۔

○

- ماریا کی ملاقات کہاں ہوئی؟
- کیا خلائی لڑکی کو خلا کے لوگ واپس اغوا کر کے لے جا سکے؟
- عنبر اور ناگ آگے جا کر کس مصیبت میں پھنس گئے؟

یہ معلوم کرنے کے لیے آج ہی عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی قسط ۶۹ "عنبر انگوٹھی میں اتر گیا" پڑھیں۔

مصنف: اے حمید

عنبر ناگ ماریا

کے ۵ ہزار سالہ سفر کی
پُراسرار اور سنسنی خیز داستان

۱۔ لاش سے ملاقات ۵/-
۲۔ جہاز ڈوب گیا ۵/-
۳۔ مندر کی چڑیل ۵/-
۴۔ پُراسرار غار کی مورتی ۵/-
۵۔ ناگ لندن میں ۵/-
۶۔ تابوت میں سانپ ۵/-
۷۔ موت کا دریا ۵/-
۸۔ سانپ کا انتقام ۵/-
۹۔ سانپ کی آواز ۵/-
۱۰۔ ناگ کا قتل ۵/-
۱۱۔ شاہ بلوط کا خزانہ ۵/-
۱۲۔ پتھر کا ہاتھ ۵/-
۱۳۔ طوفانی سمندر کا بھوت ۵/-
۱۴۔ ڈائناسورس کا جزیرہ ۵/-
۱۵۔ سیاہ پوش سایہ ۵/-
۱۶۔ انسانی بلی ۵/-
۱۷۔ سانپوں کا جنگل ۵/-
۱۸۔ ماریا اور بن مانس ۵/-
۱۹۔ قبر نما انسان ۵/-
۲۰۔ لکشمی دیوی کا انتقام ۵/-
۲۱۔ ناگ اور جادو کی ترشول ۵/-
۲۲۔ ناگ عنبر مقابلہ ۵/-
۲۳۔ لاش کی چیخ ۵/-
۲۴۔ آسیب کی رات ۵/-
۲۵۔ ۹۹ ہیروں کا راز (مسلسل جلد) ۱۵/-
۲۶۔ عنبر پھانسی کی کوٹھڑی میں ۵/-
۲۷۔ ماریا اور جادوگر سانپ ۵/-
۲۸۔ نقلی ناگ کی سازش ۵/-
۲۹۔ بابل کی بدروحیں ۵/-
۳۰۔ قبر کی دلہن (خاص نمبر) ۷/۵۰
۳۱۔ آدھا گھوڑا آدھا انسان ۵/-
۳۲۔ ناگ ناگن مقابلہ ۶/-
۳۳۔ ایک آنکھ والی عورت ۶/-
۳۴۔ مُردوں کی شہزادی ۶/-
۳۵۔ سانپوں کا دربار ۶/-
۳۶۔ قبر اور ڈھانچہ ۶/-
۳۷۔ عقرب دیوتا کا پجاری ۶/-
۳۸۔ کٹا ہوا زندہ ہاتھ ۶/-
۳۹۔ عنبر لاہور میں ۶/-
۴۰۔ چڑیلوں کی ملکہ (خاص نمبر) ۱۳/-
۴۱۔ مُردہ ہوٹل اور ماریا ۱۰/-
۴۲۔ رات کا کالا کفن ۶/-
۴۳۔ کھنڈرات کی بدروحیں ۶/-
۴۴۔ ممباطوش اور ناگ ۶/-
۴۵۔ ماریا سونے کی مورتی ۶/-
۴۶۔ ناگ غائب ہوگیا ۷/۵۰
۴۷۔ خون کی آبشار ۷/۵۰
۴۸۔ شیشے کی آنکھ پتھر کا دل ۷/۵۰
۴۹۔ خونی لومڑی ۷/۵۰
۵۰۔ کھوپڑیوں کا محل (مسلسل جلد) ۱۵
۵۱۔ ماریا بوتل میں بند ہوگئی ۷/۵۰
۵۲۔ خون کی پیاس ۷/۵۰
۵۳۔ ناگ اور پیر مین ۷/۵۰
۵۴۔ پتھریلی آنکھ والا جاسوس کدھر
۵۵۔ ناگ اور ناگن زنگامتی ۷/-
۵۶۔ جاذر پراسرار سپیرے ۷/-
۵۷۔ اسپا دیوی کی مورتی ۶/-
۵۸۔ خفیہ مندر کی تلاش ۷/-
۵۹۔ موت کا وعدہ ۷/۵۰
۶۰۔ اور قبر کھل گئی ۷/۵۰
۶۱۔ لاش کا دوسرا جنم ۶/-
۶۲۔ ماریا قتل ہوگئی ۷/-
۶۳۔ خالی تابوت یاقوتی سانپ ۶/-
۶۴۔ ماریا اور ممی کی لاش ۷/۵۰
۶۵۔ نیلی قبر کا خفیہ راستہ ۷/۵۰
۶۶۔ عنبر سانپ بن گیا ۶/-
۶۷۔ عنبر اور ڈسکو مُردے ۷/-
۶۸۔ کیٹی پھانسی کے تختے پر ۷/-
۶۹۔ عنبر انگوٹھی میں اتر گیا ۶/-
۷۰۔ دیوی روشنک کے اژدہا
۷۱۔ عنبر کا سر کٹ گیا
۷۲۔ چنگیز خان لاہور میں
۷۳۔ دیوتا اقلام پر قربان کردو
۷۴۔ ماریا سانپ بن گئی
۷۵۔ روح اور سانپوں والے [illegible]
۷۶۔ ماریا انار کلی میں
۷۷۔ قبر، مرتبان اور ہڈیاں
۷۸۔ سیاہ کفن پوش بلا
۷۹۔ پُراسرار فرعون کا ڈھانچہ
۸۰۔ طلسمی تختی اور سانپوں کا غار
۸۱۔ قفل والا پراسرار چہرہ
۸۲۔ ڈاکو سیاتا اور عابدہ کا [illegible]
۸۳۔ روتی آنکھوں والا چراغ
۸۴۔ کھوپڑی پر جلتی موم بتی

نیا مکتبہ اقرأ: ۱۴/بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور ۸

عنبر انگوٹھی میں اتر گیا

اے حمید

۷۹

نیا مکتبہ اقرا
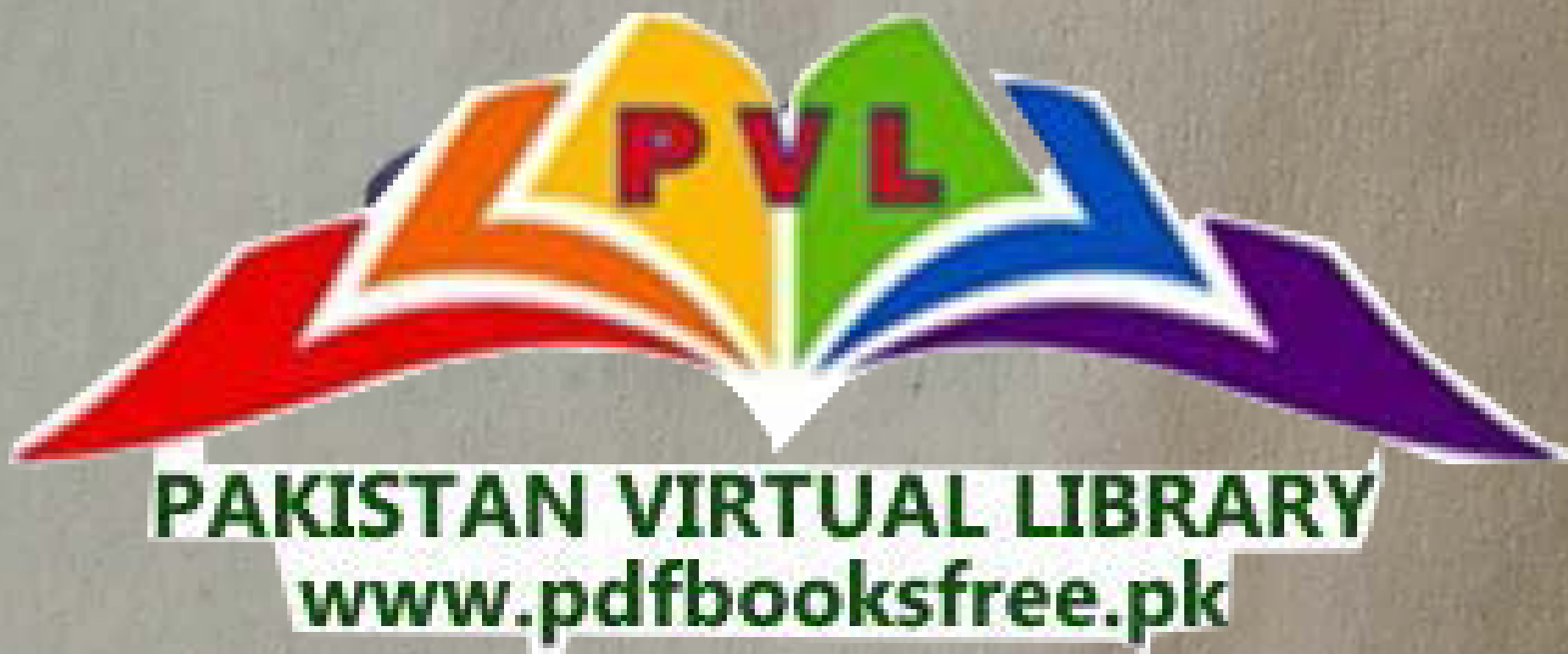
ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی

کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

عنبر انگوٹھی میں اُتر گیا

اے۔حمید

قیمت -/۶ روپے

بار اول ——— ۱۹۸۳ء
ناشر: مکتبہ اقرا ۔ ۳۰ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: القریش پرنٹرز ۔ لاہور

پیارے دوستو!

اس بار عنبر ایک عجیب مگر دلچسپ مصیبت میں پھنس جاتا ہے ۔ وہ ناگ اور خلائی لڑکی کیٹی کے ساتھ دریا کے ساتھ ساتھ ایک گاؤں سے گذرتا ہے کہ ایک عورت اور اس کے بچے عنبر کو ابا ابا کہہ کر چمٹ جاتے ہیں ۔ ایسا ہوتا ہے کہ اس عورت کا خاوند دو سال سے گُم ہے اور عنبر کی شکل اس کے خاوند سے ہو بہو ملتی ہے ۔ وہ اسے اپنا خاوند اور بچے اسے اپنا باپ سمجھ کر اس سے لپٹ جاتے ہیں ۔ ناگ اور کیٹی مسکرانے لگتے ہیں کہ دیکھتے ہیں عنبر اب کیا کرتا ہے ۔ عنبر فیصلہ کرتا ہے کہ وہ بچوں کی خوشی اور ان کے مستقبل کے لئے اس وقت تک ان کے پاس رہے گا اور باپ کی محبت دے گا ، جب تک کہ وہ بڑے ہو کر خود اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو جاتے ۔ اس کے بعد ناگ اور کیٹی عنبر کو وہیں گاؤں میں چھوڑ کر آگے روانہ ہو جاتے ہیں ۔ عنبر کے ساتھ کیسے کیسے مزے دار واقعات ہوتے ہیں اور ناگ اور کیٹی آگے جا کر کس طرح ماریا کے پاس پہنچتے ہیں ۔ یہ آپ خود پڑھیں گے تو زیادہ لطف اٹھائیں گے۔

آپ کا ساتھی

اے حمید

ترتیب

عنبر کی انوکھی مصیبت

خلائی لڑکی کیٹی، عنبر اور ناگ چلے جا رہے تھے۔

دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ جیسا کہ آپ پچھلی قسط میں پڑھ چکے ہیں یہ ۱۸۳۰ء کے زمانے کا دلّی شہر ہے۔ مغل سلطنت کو زوال آ چکا ہے اور انگریزوں نے سارا انتظام خود سنبھال لیا ہے۔ دلّی کے تخت پر شاہ اکبر مغل بادشاہ کو کاٹھ کا پتلا بنا کر بٹھا دیا گیا ہے۔ حکم انگریز کا چلتا ہے۔ تینوں دوست شہر سے نکل کر دریا کی طرف جانے والی سڑک پر جا رہے ہیں۔ وہ ماریا کی تلاش میں ہیں۔ انہیں کیٹی نے بتا دیا تھا کہ ماریا آج سے اڑھائی تین ہزار سال تاریخ میں پیچھے کے زمانے میں ہے۔ اب وہ بھی ۱۸۳۰ء کے زمانے سے چھلانگ لگا کر اڑھائی ہزار سال پیچھے جانا چاہتے ہیں مگر اپنی مرضی سے ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ یہی سوچتے چلے جا رہے ہیں کہ پیچھے
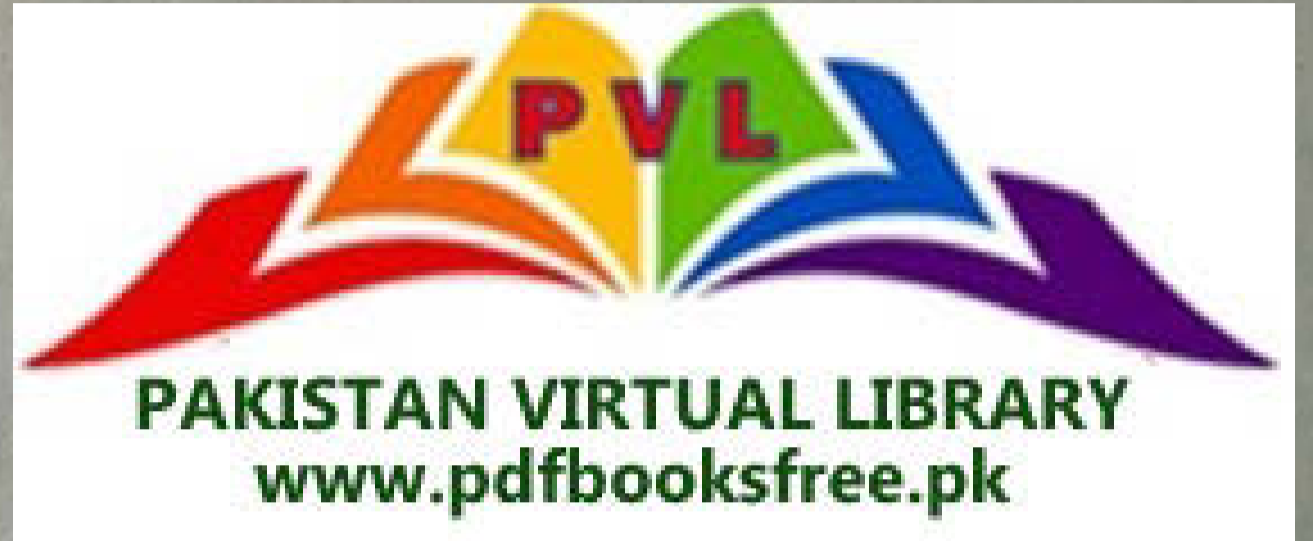
کے زمانے میں کس طرح چلا جائے کہ ماریا کو تلاش
کیا جائے۔ وہ ایک چھوٹے سے گاؤں سے گذرتے
ہیں۔ خلائی لڑکی کیٹی نے اپنی چوکور آنکھوں کو عام
لوگوں سے چھپانے کے لئے آنکھوں کے آگے باریک ململ
ایسے کپڑے کا پلّو کر رکھا ہے۔ انہیں گھوڑے چاہئیں
کیونکہ وہ پیدل سفر نہیں کر سکتے۔

عنبر نے کہا۔ "کیوں نہ اس گاؤں میں چل کر
دو تین گھوڑوں کا بندوبست کیا جائے؟"

"اچھا خیال ہے۔" ناگ نے کہا۔

کیٹی نے کہا۔ "مجھے تو یہ کمہاروں کا گاؤں
لگتا ہے۔ مٹی کے برتن دھوپ میں سکھانے کو
پڑے ہیں۔"

عنبر بولا۔ "مجھے کچھ گھوڑے بھی نظر آ رہے
ہیں۔ میرا خیال ہے اگر ہم انہیں کچھ پیسے زیادہ
دے دیں تو یہ گھوڑے ہمارے آگے بیچ دیں
گے۔"

وہ گاؤں میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے ایک
جوان عورت کو دیکھا کہ اپنے دو کم سن بچوں کے ساتھ
ایک جگہ بیٹھی برتن بنانے کے لئے مٹی کی گھانی میں

پانی ڈال رہی تھی۔ یہ تینوں دوست اس کی طرف
آ گئے۔

ناگ نے کہا۔ "کیوں بہن! یہاں سے ہمیں
کچھ گھوڑے مل جائیں گے۔ ہم ان کے دام ادا
کر دیں گے۔"

جوان عورت خوبصورت بھی تھی۔ اس نے ان لوگوں
کو دیکھا اور ابھی کچھ کہنے ہی والی تھی کہ عنبر کو
دیکھ کر ٹھٹھک گئی اور پھر خوشی سے "میرے شرفو!
میرے سرتاج تم آ گئے۔" کہتی ہوئی عنبر کی طرف آئی اور
اس سے لپٹ گئی۔

اس کے دونوں بچے بھی "بابا جان! آپ آ گئے۔
باباجان آپ ہمیں چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟"
کہتے ہوئے عنبر کی ٹانگوں سے لپٹ گئے۔ وہ سب
خوشی سے نہال ہو رہے تھے۔

عنبر گھبرا گیا۔ ناگ اور خلائی لڑکی کیٹی بھی حیران
ہوئی کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ خوبصورت جوان عورت عنبر
کی بلائیں لے رہی تھی۔

عنبر نے کہا۔
"میں نے تمہیں نہیں پہچانا بی بی۔ تم سے غلطی ہوئی

ہے ۔ میں تمہارا سرتاج نہیں ہوں۔"

عورت نے خوشی سے آوازیں دے کر گاؤں والوں کو بلا لیا۔

"ارے بھائیو آؤ، دیکھو میرا خاوند، میرا سرتاج شرفو پردیس سے واپس آگیا ہے۔ میرا سہاگ سلامت ہے۔"

گاؤں کی عورتیں اور مرد وہاں آگئے۔ وہ سب عنبر سے آگے بڑھ بڑھ کر ملنے لگے۔ بوڑھی عورتوں نے عنبر کو گلے لگا لیا۔

"بیٹا شرفو! تم اپنی بیوی کو چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟ اس بے چاری نے تمہارے پیچھے رو رو کر بُرا حال کر لیا تھا۔"

ایک بوڑھا مرد آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"اے اللہ کریم! تیرا شکر ہے۔ ہماری بیٹی کو اس کا بچھڑا ہوا خاوند پھر سے مل گیا۔"

جوان عورت نے کہا۔ "میرے سرتاج! چلو مکان میں چل کر بیٹھو۔ میں تمہارے لئے بکری کا دودھ لاتی ہوں۔"

اور وہ عورت اور اس کے بچے عنبر کو کھینچتے

ہوئے مکان کی طرف لے گئے۔ گاؤں کے بوڑھے نے ناگ اور کیٹی سے پوچھا۔

"میرے بچو! یہ شرفو تمہیں کہاں سے مل گیا؟ تم نے بڑی نیکی کی جو اسے اس کی بیوی خانم جان کے پاس لے آئے۔ اس بے چاری کا سوائے اس کے خاوند کے دنیا میں اور کوئی نہیں تھا۔ اگر اس کا خاوند نہ آتا تو یہ اپنے بچوں کے ساتھ بھوکی مرجاتی۔"

عنبر پریشان تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ چلا چلا کر کہتا رہا کہ میں شرفو نہیں ہوں۔ میرا نام عنبر ہے۔ مگر اس کی بیوی، بچے اور گاؤں کے لوگ بھلا کیسے اس کی بات مان لیتے۔ کیونکہ عنبر کی شکل اس عورت کے خاوند سے ہو بہو ملتی تھی۔ ذرا سا بھی فرق نہیں تھا وہی ناک نقشہ، وہی قد، وہی آنکھیں اور وہی آواز۔ وہی رنگ روپ ——

ناگ اور کیٹی بھی پریشان تھے مگر خاموش تھے اور عنبر کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ کیا کرتا ہے۔

عنبر کو اس کی بیوی خانم جان کہارنی کچی کوٹھڑی میں لے گئی اور چارپائی پر بچھونا بچھا کر اسے دودھ پینے کو دیا۔

عنبر نے کہا۔

"بی بی تمہیں بڑی سخت غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں تمہارا خاوند شرفو نہیں ہوں"

دونوں بچے عنبر سے لپٹ لپٹ جا رہے تھے اور بار بار اسے بابا جان! باباجان! کہہ کر پیار سے بلا رہے تھے۔

خانم جان کمہارنی نے کہا۔

"شرفو! میرے سرتاج! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا تمہاری یادداشت کھو گئی ہے۔ تمہیں یاد نہیں آج سے تین سال پہلے تم گھر سے یہ کہہ شہر گئے تھے کہ برتنوں پر لگانے کے لئے سرسوں کا تیل لینے جا رہے ہو۔ تین سال گزر گئے تمہارا کوئی پتہ نہ چلا۔ کوئی خبر نہ ملی۔ میرا رو رو کر بُرا حال ہو گیا۔ بچے تمہاری یاد میں تڑپتے رہے اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر باباجان۔ باباجان پکارتے رہے۔ ان کی پکار سُن کر میرا دل پھٹ جاتا تھا۔ تمہیں جگہ جگہ تلاش کیا گیا مگر تم نہ ملے۔ گھر میں فاقے آنے لگے۔ گاؤں والے کب تک میری مدد کرتے۔ میں اکیلی کیسے برتن بنا کر بازار بیچتی اور بچوں کا پیٹ پالتی۔

پھر بھی میں نے ہمت نہ ہاری اور کسی نہ کسی طرح برتن بنا کر بازار لے کر چلی جاتی۔ مگر میری ہمت جواب دے گئی تھی۔ میرا دل ہر وقت روتا رہتا تھا۔ بچے ہر وقت تمہیں یاد کرتے رہتے تھے۔ خدا کا شکر ہے کہ تم آ گئے۔ اور میرے اور بچوں کے دل میں ٹھنڈ پڑی——"

عنبر خاموش تھا۔ وہ سارا معاملہ سمجھ گیا تھا۔ اس کمہاری جوان عورت خانم جان کا خاوند شرفو اسے چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا اور عنبر کی شکل اس کے خاوند سے ہو بہو ملتی تھی۔ وہ عجیب مشکل میں پھنس گیا تھا۔ اگر اس عورت کو چھوڑ دے تو غم سے اس کا اور اس کے بچوں کا بُرا حال ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے وہ زندہ نہ بچیں اور اگر وہاں اس عورت کا خاوند اور اس کے بچوں کا باپ بن کر رہ جاتا ہے تو کیٹی اور ناگ کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا فیصلہ کرے۔ وہ اٹھ کر باہر آ گیا۔ باہر خلائی لڑکی کیٹی اور ناگ اس کا انتظار کر رہے تھے۔

ناگ نے کہا۔ "چلو عنبر بھائی مبارک ہو۔ تمہیں

ایک بیوی اور دو بچے مل گئے۔"

کیٹی نے کہا۔ "عنبر بھائی! تم نے ہمیں بتایا ہی نہیں کہ تمہارے بیوی بچے بھی ہیں؟"

وہ عنبر کو مذاق کر رہے تھے۔ عنبر نے گردن کھجاتے ہوئے کہا۔

"دوستو! میں بڑی عجیب الجھن میں پھنس گیا ہوں اس عورت کے خاوند سے میری شکل سو فیصد ملتی ہے۔ اور وہ اسے چھوڑ کر بھاگ گیا ہے بد بخت۔ اب اگر میں ان کو چھوڑ جاتا ہوں تو عورت اور بچوں کا دل ٹوٹ جائے گا۔"

ناگ نے کہا۔ "تو پھر کیا ارادہ ہے تمہارا عنبر بھائی؟"

عنبر نے کہا۔ "یہی سوچ رہا ہوں۔"

کیٹی کہنے لگی۔ "میرا تو خیال ہے کہ ایک غریب اور بے کس عورت کے دل کو توڑنا اور اس کے گھر کو برباد کرنا اچھا نہیں ہے۔"

عنبر بولا۔ "اس خیال نے میرے پیروں میں زنجیر ڈال دی ہے۔"

عنبر کچھ سوچ رہا تھا۔ اتنے میں مکان کے اندر

سے اس کے بچوں نے آواز دی۔

"بابا جان! امی بلا رہی ہیں۔"

ناگ مسکرا کر بولا۔ "جاؤ عنبر بھائی تمہارے بچوں کی امی بلا رہی ہے۔"

عنبر نے فیصلہ کر لیا اور سر اٹھا کر بولا۔

"میں نے اس عورت کا خاوند اور اس کے بچوں کا باپ بن کر یہاں رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لیکن میں صرف اس وقت تک یہاں رہوں گا جب تک کہ اس کے دونوں لڑکے جوان نہیں ہو جاتے۔ جب وہ بڑے ہو کر خود کمانے اور ماں کی خدمت کرنے کے لائق ہو جائیں گے تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

کیٹی نے کہا۔ "بڑا اچھا خیال ہے عنبر بھیا! لیکن تم ہم سے جدا ہو جاؤ گے۔"

ناگ بولا۔ "تمہاری جدائی ہم کیسے برداشت کریں گے۔ اور پھر نہ جانے دس گیارہ سال بعد جب تم یہاں سے نکلو تو ہم کس ملک میں ہوں۔ کس زمانے میں ہوں اور ہماری تمہاری ملاقات کس طرح ممکن ہو۔"

عنبر نے کہا۔ "ہم تو صدیوں کے مسافر ہیں ناگ بھیا! اور تاریخ کے ویرانوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں

کبھی بچھڑ جاتے ہیں اور کبھی حالات ہمیں خود بخود ملا دیتے ہیں۔ دس گیارہ سال یونہی گذر جائیں گے۔ اور اس کمہاری کے بچے جوان ہو کر خود کام کرنے لگیں گے۔ پھر میں کسی نہ کسی طرح یہاں سے نکل کر تمہیں تلاش کر لوں گا۔ اب تم جاؤ۔ خدا حافظ۔ ماریا اگر ملے تو اسے ساری بات بتا دینا اور میرا سلام کہنا۔"

عنبر کے بچوں نے ایک بار پھر آواز دی۔ عنبر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"آیا میرے بچو!"

اور ناگ اور کیٹی سے ہاتھ ملا کر بچوں کے پاس چلا گیا۔ اس کی بیوی خانم جان مکان سے باہر نکل آئی اور عنبر سے لپٹ گئی۔

"خدا کا شکر ہے تمہاری یادداشت واپس لوٹ آئی اور تم نے اپنے بچوں کو میرے بچے کہہ کر پکارا۔ میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ خدا جانے تمہاری یاد داشت کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اپنے بیوی بچوں کو بھی نہیں پہچانتے۔"

عنبر نے ٹھنڈا سانس بھرا اور چہرے پر زبردستی

مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

"خانم جان! مجھے معاف کر دو۔ میری یادداشت کھو گئی تھی۔ جس کی وجہ سے تمہیں نہ پہچان سکا۔ اب واپس آ گئی ہے۔"

اور عنبر نے بچوں کو گلے لگا لیا۔

اُدھر ناگ اور کیٹی گاؤں سے نکل کر ایک کچی سڑک پر چلے جا رہے تھے کہ اچانک کیٹی نے کہا۔

"ارے ناگ بھائی! ہم گھوڑے خریدنا تو بھول ہی گئے؟"

ناگ بولا۔ "خدا کے لئے اب اس گاؤں میں واپس جانے کا خیال نہ کرو۔ کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی دوسری عورت میرے سرتاج کہتی ہوئی مجھ سے چمٹ جائے۔"

کیٹی ہنسنے لگی۔ "تو پھر چلو دونوں چڑیا بن کر اڑنا شروع کرتے ہیں۔ اب تو میں بھی چٹکی بجا کر جو چاہے بن سکتی ہوں۔"

ناگ نے مسکراتے ہوئے مذاق سے کہا۔

"میرا تو خیال ہے کہ تم چٹکی بجا کر گھوڑا بن جاؤ تاکہ میں تم پر سوار ہو کر آرام سے سفر کر سکوں۔"

کیٹی نے بھی جواب دیا۔
" اور تم ناگ بھیا ہاتھی کیوں نہیں بن جاتے
کہ میں تمہارے سر پر بیٹھ کر مزے سے ہونٹے لیتی
ہوئی سفر کروں ۔"

دونوں ہنس پڑے ۔ ناگ نے کہا ۔
" کیٹی بہن ! مجھے عنبر کے یوں بچھڑ جانے کا
افسوس ہے ۔"

کیٹی نے کہا ۔" افسوس تو مجھے بھی بہت ہے ۔ مگر
یہ ایک انسانی معاملہ تھا ۔ ایک عورت اور اس کے بچوں
کے مستقبل اور ان کی زندگیوں کا معاملہ تھا ۔ میں تو
سمجھتی ہوں کہ عنبر نے وہاں ٹھہرنے کا فیصلہ کر کے
بڑا انسانی اور نیکی کا کام کیا ہے ۔"

ناگ بولا ۔" وہ تو بالکل ٹھیک ہے ۔ لیکن سوچتا
ہوں کہ ہم اس گاؤں میں کیوں چلے گئے ۔ نہ اس
گاؤں میں جاتے اور نہ عنبر ہم سے جدا ہوتا ۔"

کیٹی بولی ۔" میں اگرچہ خلاؤں کی دنیا کی رہنے والی ہوں
لیکن اتنا مجھے معلوم ہے کہ تقدیر میں جو لکھا ہوا ہوتا ہے
ہو کر رہتا ہے ۔"

ناگ نے آہ بھری اور بولا ۔" اچھا عنبر بھائی ! خدا نے

چاہا تو کہیں نہ کہیں پھر سے ضرور ملیں گے ۔"

کیٹی کہنے لگی ۔" اب کیا ارادے ہیں؟"

" کس بات کے ؟"

" وہ گھوڑوں کے بارے میں ؟ میرا تو جی چاہتا ہے
کہ چڑیا بن کر ہوا میں اڑنے کی بجائے گھوڑوں پر مزے
سے سفر کیا جائے ۔ کیونکہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ابھی ہمیں
کتنی دیر تک کتنی مدت تک اس طرح جنگلوں ، دریاؤں اور
صحراؤں میں در بدر سفر کرنا ہوگا ۔"

ناگ نے کہا ۔" تو چلو کسی دوسرے گاؤں چل کر دو
گھوڑے خرید لیتے ہیں ۔ آگے کوئی نہ کوئی گاؤں تو آئے
گا ہی ۔"

اس طرح سفر کرتے کرتے ناگ اور کیٹی دریا کے کنارے
پہنچ گئے ۔ وہاں گھاٹ پر پار جانے کے لئے ایک بڑی
سی کشتی تیار کھڑی تھی ۔ ملاح ایک ایک دمڑی لے کر
مسافروں کو اس میں سوار کرا رہا تھا ۔ ناگ نے بھی
اپنی اور کیٹی کی ٹکٹ کی ایک ایک دمڑی دی اور کشتی
میں سوار ہو گئے ۔ کشتی دریا کے پرے کنارے کی طرف
روانہ ہو گئی ۔

کشتی مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی ۔ ان میں

عورتیں، بچے اور بوڑھے مرد بھی تھے۔ سب غریب کسان
لوگ تھے جو دریا پار جا رہے تھے۔ ان میں ایک کالا بھجنگ
سرخ خونی آنکھوں والا سادھو بھی بیٹھا تھا۔ اس نے
تن پر صرف ایک لنگوٹ باندھ رکھا تھا اور لمبے لمبے
بال شانوں پر چھوڑ رکھے تھے۔ وہ شکل سے ہی بڑا
جلاد لگ رہا تھا۔ جب کشتی بیچ دریا میں پہنچی تو سادھو
نے ترشول والا بازو اٹھا کر نعرہ لگا۔

"اولکھ نرنجن! سب لوگ میرے کشکول میں ایک
ایک روپیہ ڈال دو نہیں تو میں ایسی بد دعا دوں گا کہ
یہ کشتی تم سب کو لے کر دریا میں ڈوب جائے گی۔
میں ہوا میں اڑ جاؤں گا اور تم سب ڈوب جاؤ گے۔
اولکھ نرنجن! جلدی کرو۔"

یہ سننا تھا کہ غریب مسافروں میں کھلبلی مچ گئی۔
ان بے چاروں کے پاس بھلا ایک ایک روپیہ کہاں تھا۔
سادھو لوگوں سے یہ بڑا ڈرتے تھے۔ کیونکہ ان کے عقیدے
بڑے کمزور تھے۔ سب سادھو کو لگے ہاتھ جوڑنے اور
اس کی منت سماجت کرنے کہ مہاراج ہمیں معاف کر دو
اور کشتی کو نہ ڈبوؤ۔ ہمارے پاس ایک ایک روپیہ
نہیں ہے۔

سادھو نے ہاتھ اٹھا کر پھر نعرہ لگایا۔

"اولکھ نرنجن! جاؤ ہم نے تمہیں معاف کیا۔
تمہارے پاس جو جو کچھ ہے ہمارے اس کشکول میں
ڈال دو۔"

سب مسافر اپنی اپنی جیبیں ٹٹولنے لگے۔ گٹھڑیاں
اور پوٹلیاں کھولنے لگے۔ غریب لوگوں کے پاس شہر سے
سودا وغیرہ خرید کر جو تھوڑے بہت پیسے بچے تھے
انہوں نے کشکول میں ڈالنے شروع کر دیئے۔ بدمعاش
سادھو مسکرا رہا تھا۔ کیٹی اور ناگ خاموشی سے یہ تماشہ
دیکھ رہے تھے۔ جب ناگ کی باری آئی تو سادھو نے
کڑک کر کہا۔

"لاؤ جی تمہارے پاس جو کچھ ہے اس میں
ڈال دو۔"

ناگ نے کہا۔ "میری جیب میں سونے کی چار
اشرفیاں ہیں۔"

سادھو کی آنکھیں کھل گئیں۔ بولا۔
"تو پھر جلدی سے میرے کشکول میں ڈال دو۔
نہیں تو میں اس کشتی کو ڈبو دوں گا۔"

ناگ نے کہا۔ "میں نہیں ڈالوں گا اشرفیاں تمہارے

کشکول میں۔"

سادھو نے غصے سے چہرہ لال کرتے ہوئے گرج دار آواز میں کہا۔

"بچہ! تو اپنے ساتھ ان سب مسافروں کو دریا میں ڈبونا چاہتا ہے کیا؟"

دوسرے مسافر بھی ناگ کی منت کرنے لگے کہ اشرفیاں سادھو کو دے دو، نہیں تو ہم سب مارے جائیں گے۔

ناگ نے سادھو سے کہا۔ "ان سب مسافروں کے پیسے واپس کر دو۔"

سادھو کا تو پارہ ایکدم چڑھ گیا۔ اس نے کڑک کر کہا۔

"میں تمہیں بھسم کر کے رکھ دوں گا۔"

اور پھر سادھو نے اپنی ترشول کو ہوا میں بلند کیا اور منتر پڑھا۔ ترشول کے اوپر سے شعلے نکلنے لگے۔ مسافر ڈر گئے۔ ناگ نے مسافروں سے کہا۔

"اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے رہو۔ تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔"

پھر اس نے ایک منتر پڑھ کر ترشول کی طرف پھونکا۔ ترشول کی آگ بجھ گئی۔ سادھو نے غصے میں

آکر ایک اور منتر پڑھا اور ترشول دریا میں پھینک دی۔ دریا میں گرتے ہی ترشول ایک بہت بڑا اژدہا بن گیا۔ ناگ یہی چاہتا تھا۔ اژدہا کا بہت بڑا پھن اوپر کو اٹھا ہوا تھا۔ سادھو نے اژدہا سے کہا۔

"اس گستاخ کو اٹھا کر دریا میں لے جا اور ڈبو دے۔"

ناگ مسکرا رہا تھا۔ کیونکہ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اژدہا نے ناگ کو دیکھ لیا ہے اور اس کی حالت خراب ہونے لگی ہے۔ اژدہا کانپ رہا تھا۔ اس نے اپنے سامنے ناگ دیوتا کو دیکھ لیا تھا، پھر اس کی جرأت ہو سکتی تھی کہ وہ اسے اٹھا کر دریا میں ڈبو دے۔ سب مسافروں کے دیکھتے دیکھتے اژدہا نے اپنا پھن سکیڑ کر ناگ کے آگے جھکا دیا۔ مسافر چیخ مار کر پرے پرے ہٹ گئے۔

ناگ نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں بھائیو! یہ اژدہا تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔"

سادھو حیران تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ اس کے اژدہا پر اس کے منتر کا اثر کیوں نہیں ہو رہا؟ اژدہا نے اپنی زبان میں ناگ سے کہا۔

"تسلیم ناگ دیوتا! اس بد بخت سادھو نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپ کو ڈبو دوں۔ اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ مجھے حکم دیں کہ میں اس کو کچا چبا کر نگل جاؤں۔"

کیٹی اور دوسرے مسافر یہ تماشہ خاموش نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

ناگ نے کہا۔ "ابھی انتظار کرو۔"

ناگ نے سادھو کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اے بد معاش سادھو! بول ان لوگوں کے پیسے واپس کرتا ہے کہ نہیں؟"

سادھو نے ابھی تک ہار نہیں مانی تھی۔ کہنے لگا۔

"میں ان کو ایک پائی بھی واپس نہیں کروں گا۔ تم میری طاقت سے واقف نہیں ہو۔"

اس نے ایک منتر پڑھ کر پھونکا اور اژدہا پانی میں غائب ہو گیا۔ اور اس کی جگہ ایک مگرمچھ منہ کھولے آگے بڑھا۔ بچے اور عورتیں چیخنے لگے۔ ناگ نے سوچا کہ یہ سادھو تو بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ اس نے گہرا سانس بھر کر چھوڑا تو اس کے منہ سے آگ کا ایک لمبا شعلہ نکل کر مگرمچھ پر گرا اور مگرمچھ

گھبرا کر پانی کے اندر غائب ہو گیا۔

سادھو نے کہا۔ "تم ہار جاؤ گے۔ میں جانتا ہوں تم جادو گر ہو۔ مگر میری کرامتوں کا مقابلہ نہ کر سکو گے۔"

وہ کوئی منتر پڑھنے لگا۔ ناگ نے کیٹی سے سرگوشی میں کہا۔

"کیٹی! تم نے کرشن بھگوان کی مورتی دیکھی ہے نا؟"

"ہاں۔ کئی مندروں میں دیکھی ہے۔"

"تو پھر کرشن بھگوان بن جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔"

ناگ نے سادھو سے کہا۔

"تم میری کرامتوں کا مقابلہ بعد میں کرنا۔ پہلے میری شاگرد کی طرف دیکھو۔ میں نے تمہارے بھگوان کرشن کو اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔"

کیٹی نے کرشن مہاراج کی شکل آنکھوں میں لا کر چٹکی بجائی اور سادھو کا منہ منتر پڑھتے پڑھتے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ کیونکہ اس کے سامنے بھگوان کرشن کھڑے تھے۔ ان کے چار بازو تھے۔ سر کے گرد چکر تھا اور گلے میں شیش مالا پڑی تھی۔ سادھو کے ہوش

گم ہو گئے۔

فوراً سجدے میں گر گیا اور گڑگڑا کر کہنے لگا۔

"بھگوان مجھے معاف کر دو۔ مجھ سے غلطی ہو گئی آئندہ میں کبھی مسافروں کو تنگ نہ کیا کروں گا۔"

کیٹی نے بھگوان کرشن کی آواز میں کہا۔

"تم ظالم ہو۔ اور ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔"

کشتی میں جو ہندو مسافر تھے وہ بھی سجدے میں گر گئے اور ہاتھ باندھ کر جے سری کرشن بھگوان کی جے کے نعرے بلند کرنے لگے۔ سادھو نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "بھگوان شما کر دو۔"

کیٹی نے کرشن کی آواز میں پھر کہا۔

"تمہیں معاف نہیں کیا جائے گا۔ میں تمہیں دریا میں پھینک رہا ہوں۔ اگر تمہیں تیرنا آتا ہے تو تیر کر دریا سے نکل جاؤ۔ اگر نہیں آتا تو ڈوب جاؤ۔ تمہاری قسمت۔"

کیٹی کے جسم میں کرشن مہاراج کا روپ دھارنے کی وجہ سے کرشن کی طاقت بھی آگئی تھی۔ کیٹی نے سادھو کی طرف اپنا چکّر گھما کر پھینکا۔ چکّر نے سادھو

کو کشتی میں سے اٹھایا اور دریا میں پھینک دیا۔ سادھو چیخنے چلّانے اور شور مچانے لگا۔

"مجھے تیرنا نہیں آتا۔ مجھے تیرنا نہیں آتا۔ مجھے بچاؤ۔"

کیٹی نے ناگ سے کہا۔ "ناگ! کیا خیال ہے؟"

ناگ نے کہا۔ "ظالم پر رحم کرنا اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے۔ اس بدمعاش نے ہزاروں لوگوں کو لوٹا اور تنگ کیا ہے۔ اس کا مر جانا ہی اچھا ہے۔"

کیٹی نے کہا۔ "اے دریا کی لہرو! اس ٹھگ کو بہا کر لے جاؤ۔"

دریا کی ایک موج اوپر اُٹھی اور سادھو کو اپنے ساتھ بہا کر دریا کے نیچے لے گئی۔ کشتی کے مسافروں میں ان کے پیسے تقسیم کر دیئے گئے۔ کیٹی نے چٹکی بجائی اور پھر اپنی اصلی عورت کی شکل میں واپس آ گئی۔ ہندو مسافروں نے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ کیٹی نے اپنی چوکور آنکھوں کو چھپانے کے لئے آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا تھا۔

ناگ نے کہا۔ "بھائیو! ہم کوئی اوتار یا جادوگر نہیں ہیں۔ ہم تمہاری طرح کے انسان ہیں۔ صرف خدا نے ہمیں تمہاری مدد کرنے کے لئے طاقت عطا کی تھی۔"

مگر لوگ بھلا کب ماننے والے تھے۔ انہوں نے ناگ
اور کیٹی کے ہاتھوں کو پکڑ پکڑ کر چومنا شروع کر دیا۔
خدا خدا کر کے کشتی کنارے پر لگی۔

ناگ نے کیٹی سے کہا۔ "یہاں سے فوراً بھاگو نہیں تو
یہ لوگ عقیدت میں آ کر ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے پھر
ہماری قبروں کی پوجا کریں گے۔"

کیٹی نے کہا۔ "تو پھر ہم دو سفید باز بن کر اڑ
جاتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ ایک۔ دو۔ تین۔"

کیٹی نے چٹکی بجائی اور ناگ نے گہرا سانس اندر کو
کھینچ کر چھوڑا اور لوگوں کی نظروں کے سامنے دیکھتے ہی
دیکھتے دونوں دو سفید باز بن کر فضا میں بلند ہوئے
اور ان کے سروں کے اوپر ایک چکر لگا کر جنگل کی
طرف اڑ گئے۔ لوگ جوش کے ساتھ نعرے لگاتے
رہ گئے۔

کیٹی اور ناگ نے خدا کا شکر ادا کیا اور سفید
بازوں کی شکل میں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ نیلے
نیلے آسمان کی فضاؤں میں پر پھیلائے اڑتے چلے گئے۔ وہ
ایک جنگل کے اوپر سے گذر کر میدانوں اور کھیتوں میں

آ گئے۔ یہاں سے آگے سرسبز پہاڑیوں کا سلسلہ شروع
ہو جاتا تھا۔ وہ اڑتے چلے گئے۔ یہ سرسبز پہاڑیاں
آگے جا کر بڑے بڑے پہاڑوں میں بدل گئیں۔ ان میں
جو پہاڑ سب سے بلند تھے ان پر برف جمی ہوئی تھی۔
ان پہاڑیوں کے درمیان دُور نیچے دریا کے ساتھ ساتھ
ایک سڑک چلی گئی تھی جس پر ایک خوبصورت چمکیلی بیل
گاڑی جا رہی تھی۔ بیل گاڑی کے ساتھ ساتھ دو چوکیدار
تلواریں اٹھائے چل رہے تھے۔

ناگ نے کہا۔ "یہ کوئی شاہی سواری لگتی ہے۔ چلو
نیچے چل کر دیکھتے ہیں۔"

دونوں غوطہ لگا کر نیچے سڑک پر آ کر آگے جا کر
ایک درخت پر بیٹھ گئے۔ بیل گاڑی ان کے قریب سے
گزری تو انہوں نے دیکھا کہ اس کی کھڑکی پر ریشمی پردہ
اٹھا ہوا ہے اور اندر ایک خوبصورت شہزادی بیٹھی ہے۔
اس کے سامنے ایک نوکرانی بیٹھی اسے مور کے پروں کا
پنکھا جھل رہی ہے۔

ناگ بولا۔ "یہ کوئی مغل شہزادی معلوم ہوتی ہے۔"

کیٹی بولی۔ "بڑی خوبصورت ہے۔"

بیل گاڑی آگے گزر گئی۔ جب گاڑی پہاڑ کے موڑ کے

پیچھے چھپ گئی ۔ اور ناگ اور کیٹی اڑنے ہی لگے تھے کہ پیچھے سڑک پر چار گھوڑ سوا آتے دکھائی دیئے ۔ گھوڑ سوار درخت کے نیچے سے گزرے تو ناگ اور کیٹی نے ان کی باتیں سنیں ۔ ان کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شہزادی کو اغوا کرنے کی نیت سے جا رہے ہیں ۔

کیٹی نے کہا ۔ " میں اتنی پیاری شہزادی کو ان بدمعاشوں کے ہاتھوں اغوا ہوتے نہیں دیکھ سکتی "

ناگ بولا ۔ " میرا بھی یہی خیال ہے ۔ آؤ "

" لیکن ہمیں پرندوں کے روپ میں نہیں جانا چاہیئے ۔ پرندوں کے روپ میں اگر انہوں نے تیر چلایا تو مجھے تو کچھ نہیں ہو گا مگر تم زخمی ہو سکتے ہو "

ناگ نے کہا ۔ " تو پھر کس شکل میں ہمیں جانا چاہیئے ؟ "

کیٹی نے کہا ۔ " اپنی اصلی شکلوں میں "

ناگ بولا ۔ " اصلی انسانی شکل میں مجھے نقصان پہنچ سکتا ہے ۔ میرا خیال ہے میں سانپ کی شکل میں بعد میں آؤں گا ۔ تم اپنی اصلی شکل میں چلو "

ناگ اور کیٹی درخت کی ٹہنی سے اڑ گئے ۔ ناگ

سانپ کی شکل میں جھاڑیوں میں گم ہو گیا اور کیٹی اصلی خوبصورت نیلی آنکھوں والی لڑکی کی شکل میں بیل گاڑی کے آگے جا کر نکل آئی ۔ مگر وہ ابھی پہاڑیوں کے پیچھے چھپی ہوئی تھی اور دیکھنا چاہتی تھی کہ یہ ڈاکو شہزادی کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں ۔

بیل گاڑی سڑک پر آ رہی تھی پہرے دار تلواریں اٹھائے ساتھ ساتھ چل رہے تھے ۔ اچانک پیچھے سے دو تیر آ کر پہرے داروں کی کمر میں لگے اور وہ چیخ مار کر گر پڑے ۔ شہزادی اور نوکرانی نے کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر دیکھا اور خوف کے مارے ان کا برا حال ہو گیا ۔ کیونکہ چار گھوڑ سوار تلواریں لہراتے بیل گاڑی کی طرف بڑھے اور انہوں نے بیل گاڑی کو گھیرے میں لے لیا ۔ گاڑی بان چھلانگ لگا کر جھاڑیوں میں بھاگ گیا ۔

ڈاکوؤں نے گاڑی کا دروازہ کھول کر شہزادی اور نوکرانی کو بازوؤں سے پکڑ کر باہر کھینچ لیا ۔ ان کی چیخیں نکل گئیں

ڈاکوؤں کا سردار بولا ۔

" اب چیخنے چلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا ۔ تم دونوں ہماری قیدی ہو "

سردار کے حکم سے باقی تین ڈاکوؤں میں سے ایک بیل

گاڑی پر گاڑی بان کی جگہ بیٹھ گیا ۔ سردار آگے آگے چل پڑا اور دو ڈاکو بیل گاڑی میں شہزادی اور نوکرانی کو سوار کرا کر پہرہ دیتے ساتھ ساتھ چل پڑے ۔ انہوں نے بیل گاڑی کو واپس موڑ لیا تھا ۔ شہزادی غم کے مارے بار بار بے ہوش ہو رہی تھی ۔ نوکرانی اسے پنکھا جھل رہی تھی ۔ اس کا اپنا بہت بُرا حال تھا ۔

کیٹی نے کیا کیا کہ چٹکی بجا کر ایک فقیرنی کا بھیس بدل لیا اور آگے جا کر سڑک کے کنارے بیٹھ گئی اور ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگنے لگی ۔ جب شہزادی کی بیل گاڑی اور ڈاکو اس کے قریب پہنچے تو کیٹی نے ہاتھ پھیلا کر کہا

" شہزادی سلامت رہے ۔ کچھ اس فقیرنی کو بھی مل جائے ۔"

سردار چونک پڑا ۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے بیل گاڑی رکوائی اور کیٹی کے پاس آ کر بولا ۔

" او بھکارن ! تجھے کیسے پتہ چلا کہ اس بیل گاڑی میں شہزادی بیٹھی ہے ۔"

کیٹی نے ہنستے ہوئے کہا ۔

" بیٹا ! مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ تم کون ہو اور تم شہزادی کو لے کر کہاں جا رہے ہو ؟"

سردار نے تلوار کھینچ لی ۔ " تم کون ہو عورت ؟"

کیٹی نے کہا ۔ " میں فال رمل نکالنے والی ہوں ۔ میں چہرہ دیکھ کر دلوں کا حال جان لیتی ہوں ۔"

حالانکہ کیٹی کو بالکل خبر نہیں تھی کہ وہ لوگ شہزادی کو اغوا کر کے کہاں لئے جا رہے ہیں ۔ سردار کا ایک ساتھی کیٹی کی گردن تلوار سے اڑانے ہی لگا تھا کہ سردار نے اسے روک دیا ۔

" ٹھہرو ۔ ابھی اسے قتل نہ کرو ۔ مجھے اس سے کچھ پوچھ لینے دو ۔"

سردار نے کیٹی کے قریب آ کر گھوڑے سے اترتے ہوئے پوچھا ۔

" کیا تم بتا سکتی ہو کہ میں اس شہزادی کو اغوا کر کے کہاں لئے جا رہا ہوں ؟"

کیٹی اندر سے پریشان ہو گئی ۔ کیونکہ اسے بالکل معلوم نہیں تھا ۔ لیکن اسے اپنا بھرم بھی رکھنا تھا ۔ ہاتھ لہرا کر بولی ۔

" تم ہمارا امتحان لینے کی کوشش نہ کرو ۔ میں تمہیں اتنا بتائے دیتی ہوں کہ تم جس شخص کی خاطر اس مغل شہزادی کو اغوا کر کے لے جا رہے ہو ۔ وہ

تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

یہ کیٹی نے اندازے کے ساتھ کہہ دیا تھا کیونکہ تاریخ میں بادشاہوں کے محلوں میں رہنے اور سفر کرنے کے بعد اسے اتنا معلوم ہو چکا تھا کہ اکثر قسم کے معاملات میں سازشوں کے چکر چلتے رہتے ہیں اور عورت کی خاطر دوست دوست کو قتل کر دیتا ہے۔ سردار کا تو رنگ اڑ گیا۔ کہنے لگا،

"مجھے اس بدبخت پر پہلے ہی شک تھا۔ اے عورت! یہ بتاؤ کہ وہ مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو سکے گا کہ نہیں؟"

○

بارہ دری کی بدرُوح

کیٹی نے کہا:

"اگر تم نے اسے پہلے قتل کر دیا تو بچ جاؤ گے۔ لیکن ایک شرط پر۔"

"وہ شرط کیا ہے؟"

"اس شہزادی کو رہا کر دو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے بھکارن! اس کی خاطر تو ساری مصیبتیں اٹھائی ہیں ہم نے۔ اسے جا کر اپنے بڑے سردار ڈاکو کے سامنے پیش کروں گا تو وہ مجھے ایک لاکھ اشرفی دے گا وگرنہ تو وہ مجھے ایک پائی بھی نہیں دے گا۔ اور قتل الگ کروا دے گا۔"

کیٹی نے کہا۔ "تو پھر جاؤ اور جا کر قتل ہو جاؤ۔ قتل ہونا تمہاری تقدیر میں لکھا جا

چکا ہے۔"

سردار نے تلوار لہراتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری گردن اڑا دوں گا تاکہ تمہاری پیشین گوئی غلط ثابت ہو جائے۔"

اب تو کیٹی پریشان ہو گئی کہ یہ کم بخت تو الٹا گلے پڑ گیا ہے۔ سردار نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا۔ اس نے تلوار کا وار کیا۔ تلوار کیٹی کی گردن کے کچھ اوپر پڑی اور ٹوٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ ڈاکو حیران ہوا کہ تلوار کیسے ٹوٹ گئی۔

سردار چلایا۔

"دوسری تلوار سے وار کرو۔ اس نے گردن میں لوہے کی جالی پہن رکھی ہے۔"

کیٹی اٹھ کر جھاڑیوں کی طرف گئی اور جھاڑیوں کے پیچھے آ کر چٹکی بجائی اور پھر سے سفید باز بن کر درخت پر جا بیٹھی۔ ناگ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے کیٹی کی گردن پر تلوار کا وار ہوتے دیکھ لیا تھا۔ وہ رینگتا ہوا سانپ کے روپ میں آگے بڑھا اور جو ڈاکو گاڑی چلا رہا تھا، اس کی گردن پر آ کر ڈس دیا۔ وہ گھبرا کر نیچے گرا۔ اس نے جو سانپ دیکھا تو

چیخ مارنے لگا تھا کہ ناگ کے زہر نے اسے اتنی بھی مہلت تک نہ دی اور وہ گاڑی پر سے گرتے ہی مر گیا۔

سردار اور باقی دو ڈاکو اس کی طرف لپکے۔ شہزادی اور اس کی نوکرانی بے چاریاں گاڑی کے اندر سہمی ہوئی بیٹھی تھیں۔ تینوں ڈاکوؤں نے سانپ کو دیکھا تو اس پر تلواروں سے حملہ کر دیا۔ لیکن بھلا ناگ ان کے قابو میں کب آنے والا تھا۔ وہ غائب ہو گیا اور اب ایک خونخوار شیر کی شکل میں جھاڑیوں سے لپکا۔ اور دو ڈاکوؤں کو اتنے زور سے پنجے مار کر نیچے گرایا کہ ان کی گردنیں ٹوٹ گئیں۔ تیسرا ڈاکو بھاگ کر جھاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔ شیر بھی جھاڑیوں کی طرف بھاگا اور ایک چٹان کے پاس چھپتے اور آخری ڈاکو کو بھی نیچے گرا کر اس کا کام تمام کر دیا۔

بیل گاڑی کا بیل شیر کی دھاڑ پر بدک کر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ گاڑی اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ بیل ڈر کر منہ اٹھائے سڑک پر بھاگا جا رہا تھا۔ یہ پہاڑی سڑک تھی۔ کسی جگہ سے بھی

نیچے گر سکتی تھی۔ شہزادی تو دہشت کے مارے
بے ہوش ہو چکی تھی۔ نوکرانی چیخیں مار رہی تھی۔
کیٹی اور ناگ سفید باز بن کر بیل گاڑی کے اوپر
آ کر بیٹھ گئے۔ یہاں انہوں نے دوبارہ انسانی شکلیں
بدل لیں۔ ناگ نے بیل گاڑی پر قابو پا لیا۔
گاڑی کھڑی ہو گئی۔

شہزادی کو گاڑی میں سے اتار کر گھاس پر
پتھروں میں لٹا دیا گیا اور کیٹی چشمے سے پتّوں
میں پانی لے آئی۔ نوکرانی کا بھی بُرا حال ہو
رہا تھا۔ پانی کے چھینٹے مارنے سے شہزادی کو
ہوش آیا تو اس نے سہمی ہوئی آنکھوں سے
اپنے سامنے ناگ اور کیٹی کو دیکھا تو بولی۔

"میں کہاں ہوں؟"

ناگ نے کہا۔ "آپ اپنے دوستوں میں ہیں۔
فکر نہ کریں۔"

کیٹی نے آنکھوں پر کپڑے کا پلّو کر رکھا تھا
تاکہ اس کی چوکور آنکھیں انہیں نظر نہ آئیں۔ نوکرانی
نے ناگ اور کیٹی کو بتایا کہ وہ شہزادی صاحبہ کو
لے کر ان کے سسرال جا رہی تھی کہ راستے

میں ڈاکوؤں نے آ لیا۔

"اگر آپ لوگ مدد نہ کرتے تو خدا جانے ہمارا
کیا حال ہوتا۔ مگر تم کون ہو بھائی؟ اور یہ
خاتون کیسی ہے کہ آنکھوں پر کپڑا رکھے ہوئے ہے
کیا یہ پردہ کرتی ہے؟"

ناگ نے کہا۔ "اس کا پردہ کرنا ہی اچھا
ہے ماما ———"

شہزادی نے بھی ناگ اور کیٹی کا شکریہ ادا کیا۔
وہ بھی کیٹی کی آنکھوں پر پڑے ہوئے پردے
پر حیران تھی۔ مگر اس نے اس بارے میں کوئی بات
نہ کی۔ آخر خاندانی عورت تھی اور خاندانی لوگ دوسروں
کے معاملوں میں یونہی دخل نہیں دیا کرتے۔

ناگ نے کہا:

"شہزادی صاحبہ ہم آپ کو آپ کی منزل پر
چھوڑ کر آئیں گے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان ڈاکوؤں
کے ساتھی کہیں راستے میں پھر حملہ نہ کر دیں۔"

شہزادی نے کہا۔ "یہ آپ کا احسان ہوگا۔"

کیٹی بولی۔ "یہ تو ہمارا فرض ہے۔"

نوکرانی نے پھر کہا۔ "بی بی! یہ تم منہ پر

کس لئے ڈرائے ہوئے ہو؟"
کیٹی نے مسکرا کر کہا۔ "بڑی بی! اگر میں نے
پلو ہٹا دیا تو تم ڈر جاؤ گی۔"
شہزادی نے نوکرانی کی سرزنش کی۔
"ماما! یونہی دوسروں کے معاملے میں ٹانگ
نہیں اڑایا کرتے۔"
ناگ شہزادی کی دانشمندی اور شائستگی پہ بہت
خوش ہوا۔ انہوں نے شہزادی اور نوکرانی کو
بیل گاڑی میں بٹھایا اور آگے چل دیئے۔ شام کے
وقت پہاڑیوں کے پار ایک کھلی وادی میں ایک
گاؤں میں آگئے۔ جہاں ایک خوبصورت حویلی کے باہر
پہرہ لگا تھا۔
شہزادی نے کہا۔ "یہی میرا سسرال ہے۔"
سسرال والوں نے شہزادی کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔
اس کے خاوند اور سسر کو جب پتہ چلا کہ راستے میں
اکوؤں نے حملہ کر دیا تھا تو ان کے چہرے غصے سے
تانخ ہو گئے۔
نے "کون تھے وہ نابکار۔ ان کی یہ ہمت؟"
ے کن اب غصہ دکھانے کا کوئی مقام نہیں تھا۔

ناگ اور کیٹی کی انہوں نے بڑی آؤ بھگت کی اور
انہیں صحن میں چارپائی ڈال کر عزت سے بٹھایا۔
انہیں دودھ، شہد اور پھل کھانے کو دیا۔
ناگ نے کہا۔
"شکریہ! ہمیں کھانے پینے کی کوئی حاجت نہیں
ہے۔ ہاں اگر آپ ہمیں دو گھوڑے دیدیں تو بڑی
مہربانی ہو گی۔ ہم اس کی قیمت ادا کرنے کو تیار
ہیں۔"
"قیمت کی کیا ضرورت ہے بیٹے!" شہزادی کے
سسر نے کہا۔ "ہم آپ کی خدمت میں دو گھوڑے
پیش کرتے ہیں۔"
ناگ اور کیٹی تھوڑی دیر بعد گھوڑوں پہ سوار
وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ ان لوگوں نے بہت
اصرار کیا کہ رات یہیں بسر کرو۔ راستے میں آگے جنگل
پڑتا ہے جو بڑا خطرناک ہے اور وہاں رات بجتی
ہے مگر ناگ اور کیٹی نے نہ مانا اور وہ چل کھڑے
ہوئے۔
کیٹی نے ناگ سے پوچھا۔
"یہ لوگ کیا کہہ رہے تھے کہ جنگل رات کو

بجتا ہے؟ اس سے کیا مراد تھی؟ جنگل کیسے بجا
کرتا ہے؟"

ناگ بولا۔ "خدا جانے کیا مطلب تھا ان کا۔
بہر حال اگر اس جنگل سے گزرے تو معلوم ہو
جائے گا کہ رات کو جنگل کیسے بجتا ہے۔ ابھی تو
میں صرف اس فکر میں ہوں کہ کسی نہ کسی طرح ماریا
کے پاس چلا جاؤں۔"

کیٹی بولی۔ "ماریا کو حاصل کرتے کرتے ہم نے
عنبر کو بھی ہاتھ سے کھو دیا۔ خدا جانے اب وہ
وہاں سے کب چلے گا اور اس سے دوبارہ پھر کب
ملاقات ہو گی؟"

ناگ نے کہا۔ "یہ ایک ماں اور اس کے بچوں
کا مسئلہ تھا کیٹی۔ میں سمجھتا ہوں عنبر نے بڑی
قربانی دی ہے۔ ہمیں بھی تھوڑی سی قربانی دینی چاہئے
اور تھوڑی دیر کے لئے عنبر کو بھلا دینا چاہئے۔"

"وہ تو ہمیں کرنا ہی پڑے گا۔" کیٹی نے کہا۔

وہ گھوڑوں کو دوڑاتے وادی سے دور نکل آئے۔ گاؤں
بہت پیچھے کہیں پہاڑیوں کے درمیان رہ گیا تھا اور
اب کہیں نظر نہیں آتا تھا۔

ناگ بولا۔ "کیٹی! یہ تمہاری چوکور آنکھیں ہمیں ہر
جگہ پریشان کریں گی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ
اس دنیا کے انسانوں کی طرح سیدھی یعنی لمبوتری
ہو جائیں۔"

کیٹی نے کہا۔ "یہ ناممکن ہے۔ کاش ہم لاہور
سے آنکھوں پر لگانے والا چشمہ ساتھ لے آتے۔"

ناگ بولا۔ "وہ تو ہم کر ہی نہیں سکتے تھے۔
ہمارے سفر میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے کہ جو چیزیں
جہاں کی ہوتی ہیں وہ وہیں رہ جاتی ہیں۔"

اسی طرح باتیں کرتے وہ پہاڑیوں کی وادی سے
کافی دور نکل گئے اور شام بھی غروب ہو گئی اور
میدانوں میں رات کا اندھیرا پھیل گیا۔ اب ان کے سامنے
ایک جنگل منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ دور سے اس جنگل
کے اونچے گھنے درخت ایک سیاہ بلند دیوار کی
طرح دکھائی دے رہے تھے۔ انہیں اس جنگل سے
گزر کر آگے نکلنا تھا۔

ناگ نے کہا۔ "ہمیں اس جنگل کو پار کرنا ہوگا۔"

کیٹی نے پوچھا۔ "لیکن ہم جا کہاں رہے
ہیں؟"

ناگ مسکرایا۔ "اس سوال کا جواب تو ہمیں کبھی نہیں مل سکا۔ ہمیں بس اتنا پتہ ہے کہ ہم ۵ ہزار سال کے واپسی کے سفر پر ہیں اور ہمیں ہر وقت چلتے، چلتے اور چلتے رہنا ہوگا۔"

کیٹی کہنے لگی۔ "ناگ بھیا! ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہم ڈھائی ہزار سال پیچھے کے زمانے میں ماریا کے پاس پہنچ جائیں۔"

"کاش ہم ایسا کر سکتے۔" ناگ نے جواب دیا۔

جنگل سامنے آگیا تھا۔ کیٹی بولی:

"شاید یہی وہ خطرناک جنگل ہے جس کے بارے میں شہزادی کے سسرال والوں نے کہا تھا کہ اس جنگل میں رات بجتی ہے۔ میرا خیال ہے یہاں کوئی آسیب رہتا ہے۔"

ناگ بولا۔ "آسیب ہو یا جاسیب ہو، اب تو ہمیں اس جنگل سے گزرنا ہی ہوگا۔"

اور انہوں نے گھوڑے جنگل میں ڈال دیئے۔

جنگل سچ مچ بڑا گھنا اور پُر اسرار تھا۔ ایسے اونچے اونچے گھنے درخت تھے کہ ان میں سے آسمان کے ستارے بھی دکھائی نہ دیتے تھے۔ گہرا سیاہ اندھیرا

چاروں طرف چھایا ہوا تھا۔ قبرستان ایسی خاموشی تھی۔ جنگل میں ایک چھوٹی سی پگڈنڈی بنی ہوئی تھی جس پر ناگ اور کیٹی گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے تھے۔ جب وہ کافی دیر چلنے کے بعد جنگل کے درمیان میں پہنچے تو انہیں وہاں ایک کھلی جگہ ملی جس کی دونوں جانب درختوں کے جھنڈ تھے اور ان درختوں کے کنارے کھلی جگہ کی ایک جانب ایک چبوترے پر گول سہ دری بنی ہوئی تھی۔

ناگ اور کیٹی نے سوچا کہ اس جگہ رات بسر کی جائے اور پھر صبح اٹھ کر سفر شروع کیا جائے۔

انہوں نے گھوڑے ایک طرف کھلے چھوڑ دیئے تاکہ وہ جنگل میں چل پھر کر گھاس کھائیں اور پانی پی کر پیاس بجھائیں۔ کیونکہ جنگل میں جگہ جگہ پانی کے تالاب بنے ہوئے تھے۔ ناگ اور کیٹی سہ دری کے چبوترے پر آگئے۔ اندھیرے میں انہیں ایک تکونی قبر سی بنی ہوئی دکھائی دی۔

کیٹی نے کہا۔ "یہ کیا چیز ہے ناگ بھیا؟"

ناگ نے کہا۔ "یہ کسی سکھ عورت کی مڑھی ہے۔ ہندوستان میں جب کوئی سکھ عورت مر جاتی ہے تو اس

کو جلا کر اس کی راکھ کسی جگہ زمین میں دفن کر کے
اس کے اوپر ایسی سہ دری بنا دیتے ہیں۔ اس کے
اوپر کرپان اور سیندھور کا نشان ظاہر کرتا ہے کہ یہ
کسی سکھ عورت کی قبر ہے۔

وہ سہ دری سے کوئی ساٹھ ستر قدموں کے فاصلے
پہ ایک جگہ گھاس پہ لیٹ گئے۔ اور عنبر اور ماریا کے
بارے میں باتیں کرتے کرتے انہیں نیند آ گئی۔

وہ کوئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سوئے ہوں گے کہ کسی
آواز سے ان کی آنکھ کھل گئی۔

"یہ کس کی آواز تھی ناگ بھیا؟ تم نے سنی
تھی؟"

کیٹی نے آنکھیں کھول کر پوچھا۔

ناگ نے کہا۔ "کوئی آواز میرے کانوں میں بھی
آئی تھی مگر یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ بالکل
خموشی ہے۔"

کھلی جگہ ہونے کی وجہ سے انہیں آسمان پہ
نکلے ہوئے کہیں کہیں ستارے نظر آ رہے تھے۔
درختوں کے اوپر سے زرد رنگ کا اداس پھیکا چاند
طلوع ہو رہا تھا اور اس کی دھیمی اور پھیکی سی روشنی

کھلی جگہ پہ پڑنے لگی تھی جس کی وجہ سے وہ جگہ
اور پُر اسرار ہو گئی تھی۔

اچانک وہی آواز پھر سنائی دی۔ ناگ اور کیٹی
چونکتے ہو گئے۔ یہ آواز کچھ اس قسم کی تھی جیسے
دور سے کوئی کانسی کے تھال پہ ہلکے ہلکے ہاتھ مارتا
چلا آ رہا ہو۔

"یہ تو کوئی ادھر کو چلا آ رہا ہے۔ ناگ!"

"لگتا ایسا ہی ہے۔ لیکن خاموش رہو اور
دیکھتی جاؤ۔"

کانسی کے تھال کو بجانے کی آواز قریب آتی گئی۔
جب یہ آواز کھلی جگہ کے سامنے والے کنارے پہ اُگے
ہوئے درختوں کی قطار تک پہنچ گئی تو ناگ نے کہا۔

"ہمیں جھاڑیوں کے پیچھے چھپ جانا چاہئے۔"

اور وہ دونوں اٹھ کر اپنے پیچھے اُگی ہوئی گھنی
جھاڑیوں کے عقب میں آ کر چھپ گئے۔ کانسی کے
تھال کی پُر اسرار آواز قریب آئی تو دور درختوں میں
کھڑے ان کے گھوڑے زور سے ہنہنائے اور ہنہناتے
ہوئے جنگل میں بھاگ گئے۔

ناگ بولا۔ "کم بخت گھوڑے فرار ہو گئے ہیں۔"

کیٹی نے کہا۔ "لگتا ہے تھوڑی دیر بعد ہم بھی فرار ہو جائیں گے۔ کیونکہ مجھے اس آواز سے ڈر سا لگنے لگا ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے کیٹی۔ پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ یہ آواز کون پیدا کر رہا ہے۔"

چاند ابھی درختوں کے اوپر پوری طرح سے نہیں آیا تھا۔ میدان میں اس طرف جدھر سہ دری کا چبوترہ تھا، اندھیرا تھا۔ اتنے میں درختوں کے پیچھے سے ایک سفید سایہ سا نکلا اور کانسی کے تھال کی آواز تیز ہو گئی۔ سفید سایہ سہ دری کے چبوترے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تھال کی آواز اتنی تیز اور کرخت ہو گئی تھی۔ ناگ نے کانوں میں انگلیاں دے لیں۔

کیٹی نے کہا۔ "یہ تو کوئی رُوح لگتی ہے۔ تمہاری دنیا کی روحیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔"

ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سفید سائے کو دیکھ رہا تھا جو واقعی کوئی روح لگ رہا تھا۔ یہ سایہ چبوترے پر سکھ عورت کی قبر کے پاس آ کر رک گیا۔ اس نے رُکتے ہی کانسی کے تھال کا شور

ختم ہو گیا۔ شور کے بعد جنگل کی خاموشی اور سناٹا اور زیادہ گہرا محسوس ہونے لگا۔ ان کے دیکھتے دیکھتے سفید سایہ قبر کے اُوپر کھڑا ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ قبر کے اندر اُترتا چلا گیا۔ جب وہ قبر میں پورے کا پورا اتر گیا تو ناگ بولا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ سکھ عورت کی روح تھی جو رات کو جنگل کی سیر سے واپس آ کر اپنی قبر میں چلی گئی ہے۔"

کیٹی نے اپنی چوکور آنکھیں قبر پر لگا رکھی تھیں کہنے لگی۔

"مجھے اس پر روشنی سی دکھائی دینے لگی ہے۔"

ناگ نے دیکھا کہ قبر کے اوپر روشنی کا غبار سا پھیلنے لگا تھا۔ پھر یہ غبار بلند ہوتا چلا گیا اور سہ دری سے اُتر کر ایک روشن غبارے کی طرح چبوترے کی دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ پھر اس میں سے ایک عورت کا ہیولا ابھرا جس نے اپنی ہتھیلی پر جلتا ہوا چراغ رکھا تھا۔ ناگ بولا۔

"یہ تو کوئی عورت ہے۔ اس نے ساڑھی پہن رکھی ہے یہ کوئی آسیب ہے۔"

کیٹی نے کہا ۔ " کیا ہمیں یہاں سے بھاگ جانا ہو گا ؟"

ناگ کہنے لگا ۔ " ابھی کچھ کہہ نہیں سکتا ۔ لیکن میں نہیں بھاگوں گا ۔ تم بے شک چلی جانا کیونکہ میں اس مسئلے کو حل کرنا چاہتا ہوں کہ آخر یہ سب کچھ ہے کیا ؟"

ساڑھی والی عورت کے بال کھلے تھے اور اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے ۔ وہ چراغ ہاتھ میں لئے چبوترے کی دیوار کے ساتھ لگی خاموش چپ چاپ کھڑی تھی ۔ اتنے میں جنگل میں سے ایک گھوڑ سوار رات کی تاریکی اور ہلکی ہلکی چاندنی میں گھوڑا دوڑاتے آیا اور چبوترے کے دو چار چکر لگانے کے بعد عورت کے پاس آکر کھڑا ہو گیا ۔ عورت نے چراغ ہاتھ سے رکھ دیا اور ہاتھ باندھ کر گھوڑ سوار کو پرنام کیا ۔ گھوڑ سوار نیلے کپڑوں میں تھا اور چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا ۔ جونہی عورت نے سر جھکا کر سلام کیا ، نقاب پوش گھوڑ سوار نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس عورت کی گردن تن سے جُدا کر دی ۔ کیٹی نے ناگ کو تھام لیا ۔ جنگل میں ایک بھیانک اور دردناک

چیخ بلند ہوئی اور ساڑھی والی عورت کا جسم گھاس پر تڑپنے لگا ۔ گھوڑ سوار تلوار کو لہراتے ہوئے چبوترے کا چکر لگا رہا تھا ۔ عورت کا سر بھی اور دھڑ بھی الگ الگ تڑپ رہے تھے ۔ پھر اس کا سر اوپر کو اٹھا اور آہستہ آہستہ قبر میں جا کر اتر گیا ۔ اس کے بعد عورت کا کٹے ہوئے سر والا دھڑ زمین سے بلند ہو کر چبوترے پر چڑھ کر قبر کے پاس آیا ۔ قبر میں سوراخ ہو گیا تھا شاید ۔ یہ دھڑ اس سوراخ میں اُتر گیا اور قبر بند ہو گئی ۔ چبوترے کا دیا ایک دم بجھ گیا اور نقاب پوش گھوڑ سوار گھوڑا دوڑاتا واپس جانے کے لئے مڑ گیا ۔

وہ ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ کیٹی کے منہ سے کچھ نکل گیا ۔ وہ شاید ناگ کو کچھ بتانا چاہتی تھی ۔ اس کی آواز پر گھوڑ سوار نقاب پوش نے وہیں گھوڑا روک لیا اور اس طرف گردن گھما کر دیکھا جدھر ناگ اور کیٹی بیٹھے تھے ۔ پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تلوار لہراتا کیٹی اور ناگ کے سر پہ پہنچ گیا ۔ ناگ اور کیٹی اسی لمحے دو سیاہ چڑیاں بن کر درخت کی شاخ پر جا بیٹھے تھے ۔ نقاب پوس گھوڑ سوار نے

درخت کی طرف دیکھا اور چہرے پر سے نقاب الٹ
دیا۔ کیٹی اور ناگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ
نقاب پوش گھوڑ سوار وہی عورت تھی جو تھوڑی دیر
پہلے چبوترے پاس روشن چراغ ہتھیلی پر رکھے کھڑی
تھی اور جس کو گھوڑ سوار نے قتل کر دیا تھا۔

ناگ نے کیٹی سے کہا۔

"یہ عجیب پُراسرار معمّہ ہے۔ کیوں نہ اس کے
پاس چل کر یہ معمّہ حل کریں۔ وہ ہمارا کیا بگاڑ
لے گی؟"

ناگ اور کیٹی فوراً انسانی شکل میں گھوڑ سوار عورت کے
سامنے آگئے۔

ناگ نے کہا۔" اے روح! اگر تو ہماری آواز سن
رہی ہے تو ہمیں بتا کہ تو کون ہے اور تو نے اپنے
آپ کو کیوں قتل کیا۔

نقاب پوش گھوڑ سوار عورت گھوڑے پر بیٹھی ناگ
اور کیٹی کو گھورتی رہی۔ اس نے نقاب الٹ رکھا تھا
اور اس کی آنکھوں سے عجیب قسم کے رنگ کی شعاعیں
نکل رہی تھیں۔

ناگ نے ایک بار پھر اس روح سے وہی سوال

پوچھا۔ اس عورت نے تلوار والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور
خشک پھیکی سی آواز میں آہستہ آہستہ کہا۔

"تم نے میرے راز پر سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ آج
تک اس جنگل میں مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ تم نے
میرے راز کو بے نقاب کر دیا ہے۔ تم یہاں سے آگے
یا پیچھے کے زمانے میں چلے جاؤ۔"

ناگ نے کہا۔" یہ تو ہماری خوش قسمتی ہو گی اگر
تم ہمیں پیچھے کے زمانے میں پہنچا دو گی۔ لیکن کیا
تم ہمیں یہ نہیں بتاؤ گی کہ تم کون ہو اور ایسا کیوں کر
ممکن ہوا کہ تم نے اپنے ہی جسم کی گردن اڑا دی؟"

عورت کی روح نے کہا۔" یہ تم قیامت تک نہیں سمجھ
سکو گے اور نہ کبھی اسے سمجھنے کی کوشش کرنا۔
میں جانتی ہوں تم دونوں کون ہو۔ تم ناگ ہو اور
یہ خلائی لڑکی کیٹی ہے۔ تم دونوں ماریا کی تلاش
میں پیچھے کے زمانے میں جانا چاہتے ہو اور تم عنبر کو
پیچھے ایک گاؤں میں چھوڑ آئے ہو۔ کیا میں ٹھیک
نہیں کہہ رہی؟"

ناگ اور کیٹی حیران ہو گئے کہ اس عورت نے بالکل
ٹھیک ٹھیک بتایا تھا۔ ناگ نے کہا،

"کیا تم ہمیں ماریا کے پاس پہنچا سکتی ہو؟"

عورت کی روح نے کہا: "میں تمہیں ماریا کے پاس نہیں پہنچا سکتی۔ لیکن اس وقت ماریا جس صحرا میں سے گزر رہی ہے میں تمہیں اس صحرا میں پہنچا سکتی ہوں۔ کیا تم وہاں جانے کے لئے تیار ہو؟"

ناگ اور کیٹی نے یک زبان ہو کر کہا:

"ہاں — ہمیں اس صحرا میں پہنچا دو جہاں ماریا موجود ہے۔"

روح نے کہا۔ "آنکھیں بند کر کے دس قدم آگے چلو اور پھر آنکھیں کھول دینا۔ خبردار! اس سے پہلے آنکھیں نہ کھولنا۔ نہیں تو جل کر بھسم ہو جاؤ گے۔"

ناگ اور کیٹی نے آنکھیں بند کر لیں اور ایک ایک قدم گن کر آگے چلنا شروع کر دیا۔ دس قدم پورے کرنے کے بعد انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ دونوں ایک لق و دق صحرا میں کھڑے ہیں۔ سورج سر پہ چمک رہا ہے اور دُور دُور تک کوئی جھاڑی کا سایہ تک نظر نہیں آ رہا۔

ناگ نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا۔ کیٹی بار بار آنکھیں جھپکا رہی تھی۔ کہنے لگی:

"یہ ہم کہاں ویرانے میں آ گئے ہیں ناگ بھیا؟"

ناگ بولا۔ "نقاب پوش روح نے تو یہی کہا تھا کہ تم ایک صحرا میں جا نکلو گے اور ماریا بھی اسی صحرا میں تمہیں ملے گی۔ اب ہمیں ماریا کو اس صحرا میں تلاش کرنا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم ماریا کے زمانے میں تو آ گئے۔"

کیٹی نے کہا۔ "پہلے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ زمانہ کونسا ہے؟"

ناگ بولا۔ "صحرا میں تو کچھ پتہ نہیں چل سکتا کہ کونسا زمانہ ہے۔ کوئی گاؤں آئے تو لوگوں کا لباس دیکھ کر معلوم ہو کہ ہم تاریخ کے کس دور میں نکل آئے ہیں۔ ویسے میرا دل کہتا ہے کہ ہم ڈھائی پونے تین ہزار سال پیچھے کے زمانے میں آ گئے ہیں۔"

کیٹی کہنے لگی۔ "اس اجاڑ بیابان صحرا تو ہم پرندے بن کر ہی عبور کر سکتے ہیں۔"

یہ خیال ناگ کو پسند آیا۔ انہوں نے اسی وقت دو سفید بازوں کا روپ بدلا اور فضا میں بلند ہو کر ایک طرف اڑنا شروع کر دیا۔ اڑتے اڑتے جب انہیں دو تین گھنٹے گزر گئے تو نیچے ایک جگہ انہیں کھجور کے

درختوں کا جھنڈ دکھائی دیا۔

کیٹی نے کہا۔ "مجھے تو بھوک اور پیاس نے تنگ کیا ہے۔ میں یہاں کھجوریں کھاؤں گی۔ ہو سکتا ہے یہاں پانی بھی مل جائے۔"

"تو چلو نیچے اترتے ہیں۔"

دونوں درختوں کے اس جھنڈ میں اُتر گئے۔

یہ بڑی پُر فضا ٹھنڈی جگہ تھی۔ پانی کا ایک تالاب بنا ہوا تھا جس کے اوپر کھجور کے درختوں نے سایہ ڈال رکھا تھا۔ کیٹی نے یہاں جی بھر کر کھجوریں کھائیں اور پانی پی کر پیاس بجھائی۔ کچھ کھجوریں ناگ نے بھی کھا لیں اور پانی پیا۔ کہنے لگا۔

"اس ویرانے میں ایسی ٹھنڈی جگہ ہو تو قریب کوئی آبادی ضرور ہوتی ہے۔ مگر یہاں تو چاروں طرف صحرا ہی نظر آتا ہے۔"

کیٹی بڑے آرام سے ٹھنڈی ریت پر لیٹی ہوئی تھی۔ کہنے لگی:

"ہو سکتا ہے آگے کوئی شہر آباد ہو۔"

ناگ ریت کو اٹھا کر غور سے دیکھنے لگا۔ پھر کھجور کے درختوں کو دیکھتے ہوئے بولا:

"ریت اور یہ درخت مجھے ڈھائی ہزار سال پیچھے کے زمانے کے لگتے ہیں۔ ضرور ہم ڈھائی ہزار سال پیچھے کے زمانے میں آ چکے ہیں۔"

پھر چٹکی بجا کر بولا۔

"کیوں نہ میں کسی سانپ کو زمین کے اندر سے بلا کر پوچھوں کہ ہم کس زمانے میں آ گئے ہیں؟ سانپوں کو سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔"

"اچھا خیال ہے۔" کیٹی نے کہا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

ناگ نے منتر پڑھ کر چاروں طرف پھونک ماری اور ریت پر التی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور کسی سانپ کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بعد صحرا میں درختوں کے پیچھے سے ایک سرخ رنگ کا سانپ پھن اٹھائے تیزی سے آتا دکھائی دیا۔

ناگ نے کیٹی سے کہا۔

"ایک سرخ رنگ کا سانپ آ رہا ہے۔ یہ سانپ بڑا مقدّس سانپ سمجھا جاتا ہے اور پرانے زمانے میں یہ بُت خانوں اور مندروں میں رکھا جاتا تھا۔"

سرخ سانپ نے ناگ کے سامنے آ کر سر جھکا دیا

اور بولا۔

"اے عظیم ناگ! تمہارا ادھر آنا مبارک ہو۔ یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ تمہاری شکل دیکھنی ملی۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ حکم دیا جائے مجھے۔"

ناگ نے کہا۔ "پہلے تو یہ بتاؤ کہ یہ کونسا زمانہ ہے اور اس ملک پر کس بادشاہ کی حکومت ہے؟"

سرخ سانپ نے کہا۔ "اے عظیم ناگ! تم بابل کے آخری بادشاہ شاہ ایلام کے ملک میں ہو۔ مگر عظیم ناگ کیا تمہاری بہن نے تمہیں یہ بات نہیں بتائی تھی؟"

ناگ نے چونک کر پوچھا۔ "میری بہن؟"

سرخ سانپ بولا۔ "ہاں عظیم دیوتا! یہاں سے ایک رات کے فاصلے پر بابل کا شہر ارغون آباد ہے۔ جہاں سب سے بڑا بت خانہ ہے اور اس مندر کا پروہت سب سے بڑا جادوگر کالام ہے۔ تمہاری بہن اس کے قبضے میں ہے۔ کیونکہ ہمیں اس کے جسم سے تمہاری خوشبو آئی تھی۔ کاش ہم اس کی مدد کر سکتے۔ لیکن کالام کا جادو اتنا طاقتور ہے کہ دنیا کا کوئی سانپ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

اب تو کیٹی اور ناگ پریشان ہو گئے۔ ناگ نے پوچھا۔

"جس عورت کے جسم سے تمہیں میری بُو آئی تھی کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟"

"ہاں عظیم ناگ! اس کے بال سنہری تھے۔ آنکھیں نیلی تھیں۔ مگر وہ کسی سے بات نہیں کرتی تھی۔ کالام جادوگر نے اسے مرتبان میں بند کر رکھا ہے۔ جادو کے اثر کی وجہ سے وہ خود اس کے اندر سے نہیں نکل سکتی۔ ہر ہفتے کی رات کو مندر میں جشن ہوتا ہے اور کالام دیوتا کی پوجا کرتا ہے۔ اس جشن کی رات کو آپ کی بہن کو مرتبان میں سے باہر نکالا جاتا ہے اور وہ کالام کے جادو کے اثر میں آکر دیوتا کے سامنے رقص کرتی ہے۔"

ناگ نے کہا "تمہارا شکریہ کہ تم نے ہمیں یہ خبر بتائی۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

سرخ سانپ نے کہا۔ "عظیم ناگ! کالام جادوگر سے ہوشیار رہیئے گا۔ وہ دنیا کا سب سے خطرناک جادوگر ہے۔ اس کا جادو پتھروں پر بھی ہو جاتا ہے۔"

ناگ نے کہا۔ "میں اسے دیکھ لوں گا۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

سرخ سانپ ادب سے سلام کر کے واپس چلا گیا

ناگ سوچ میں پڑ گیا۔

"آخر وہی ہوا جس کا مجھے خطرہ تھا۔ ماریا ایک بار پھر مصیبت میں پھنس چکی ہے۔"

کیٹی کہنے لگی۔ "ہم ماریا کو اس خبیث جادوگر سے نجات دلا کر رہیں گے۔"

ناگ نے سنجیدہ آواز میں کہا۔

"کیٹی! شاید تمہیں اتنی زیادہ خبر نہ ہو۔ ڈھائی ہزار سال پرانے بابل کے جادوگر بڑے کمال کے جادوگر ہوا کرتے تھے۔ ان کے پاس ایسا ایسا خطرناک جادو ہوتا تھا کہ وہ پتھروں کو پانی بنا دیتے تھے اور غائب چیزوں کو سامنے لا کھڑا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس جادوگر کالام نے ماریا کو غائب حالت میں بھی دیکھ لیا اور پھر اسے اپنے جادو کے زور سے قید کر لیا۔ اب اس سے دیوتا کی خوشی کے لئے رقص کرواتا ہے۔ کیونکہ پرانے زمانے کے دیوتاؤں کے آگے اگر کسی ایسی عورت کو لایا جاتا تھا جو کسی کو نظر نہ آتی ہو تو دیوتا اپنے پروہت پر بہت خوش ہوتے تھے اور انہیں زیادہ جادو کی طاقت عطا کر

دیتے ہیں۔ اس خیال سے کالام جادوگر نے ماریا کو قید میں ڈال رکھا ہے۔"

کیٹی نے کہا۔ "ہم اس کے جادو کا مقابلہ کریں گے۔ اس کے جادو کا اثر مجھ پر نہیں ہوگا۔"

ناگ کہنے لگا۔ "یہ وہاں چل کر دیکھیں گے۔ ہر جادو کا کوئی نہ کوئی توڑ ضرور ہوتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ کالام جادوگر کے جادو کا بھی کوئی نہ کوئی توڑ ضرور ہوگا۔ کم بخت اتنا طاقتور جادوگر ہے کہ سانپ بھی اس کے جادو کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

کیٹی نے کہا۔ "ناگ! ہمیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں جادو نہیں چل سکتا وہاں ہم عقل سے کام چلانے کی کوشش کریں گے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" ناگ نے پوچھا۔

کیٹی نے ناگ کے کان میں ایک ہلکی سی سرگوشی کی جس پر ناگ مسکرانے لگا۔

"خدا کی قسم کمال کا خیال سوجھا ہے تمہیں۔ مجھے یقین ہے ہم اس طریقہ سے ماریا کو آزاد کرانے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ آداب چلتے ہیں۔"

انہوں نے تالاب کے پانی سے منہ ہاتھ دھویا اور ایک چٹکی بجا کر اور دوسرا منتر پڑھ کر سفید باز کی شکل میں بدل گئے اور بابل کے شہر ارغون کی طرف اڑنا شروع کر دیا۔ سانپ نے ایک رات کا سفر اونٹوں پر بتایا تھا۔ پرندے اڑ کر دو گھنٹے میں وہاں پہنچ سکتے تھے۔

O

ماریا جادوئی مرتبان میں قید

ابھی شام نہیں ہوئی تھی کہ کیٹی اور ناگ بابل شہر میں پہنچ گئے۔

شہر کی فصیل کے اوپر سے اڑتے ہوئے وہ ایک باغ میں اترے اور اپنی انسانی شکلوں میں آ گئے۔

ناگ نے کہا۔

"کیٹی تم اس باغ میں ہی ٹھہرو۔ میں کالام جادوگر کے مندر میں جا کر پہلے دیکھتا ہوں کہ ماریا کا مرتبان کس جگہ رکھا ہوا ہے اور اس پر کس قسم کا جادو کیا گیا ہے۔"

کیٹی نے کہا۔ "میری ترکیب یہ ہے کہ ہم کوئی بھیس بدل کر مندر میں داخل ہوں گے۔ اس لئے تم جلدی آ جانا۔ میں اسی درخت کے سائے میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

"میں دیر نہیں لگاؤں گا۔"

یہ کہہ کر ناگ دوبارہ ایک سیاہ چڑیا بن کر کالام کے مندر کی طرف اڑ گیا۔ یہ مندر شہر کی سب سے بڑی عمارت تھی اور ناگ کو پہچاننے میں دیر نہ لگی۔ وہ مندر کی چھت کے ایک روشندان میں سے اندر داخل ہو گیا۔ پروہت اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے۔ ایک بڑے ہال کمرے میں دیوتا کا بہت بڑا بت بنا ہوا تھا۔ جس کے قریب ہی دیوار کے ساتھ ایک چبوترے پر کانسی کا ایک بڑا سا مرتبان رکھا تھا۔ ناگ کو یہاں سے ماریا کی خوشبو آ رہی تھی۔ اس نے فوراً ایک کالے سانپ کی شکل بدلی اور مرتبان کی طرف بڑھا۔ مرتبان کے قریب جاتے ہی اسے ایک جھٹکا لگا اور وہ پیچھے گر پڑا۔ اس نے دیکھا۔ مرتبان کے ارد گرد سرخ کھریا مٹی سے ایک دائرہ کھینچ دیا گیا تھا۔ اس دائرے کے اندر جادو تھا اور کوئی اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

ناگ مندر سے نکل آیا۔ چڑیا کا روپ دھار کر اڑتا ہوا باغ میں واپس آیا اور انسانی شکل اختیار کر لی۔ کیٹی درخت کی چھاؤں میں بیٹھی تھی۔ اس نے کیٹی

کو بتایا کہ ماریا مرتبان میں قید ہے۔ اسے اس کی خوشبو آ رہی تھی۔ سرخ سانپ نے ٹھیک کہا تھا۔

"مگر مرتبان کے گرد جادو کا دائرہ کھینچ دیا گیا ہے۔ کوئی اس کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔"

کیٹی نے کہا۔ "ہم جادو میں کالام جادوگر کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم بھیس بدل کر وہاں جاتے ہیں۔"

"کس قسم کا بھیس؟"

کیٹی نے ناگ کے کان میں کچھ کہا۔ وہ مسکرایا۔ کیٹی نے چٹکی بجائی اور وہ ایک جوگن بن گئی۔ اس نے گیروے کپڑے پہن رکھے تھے۔ کھلے کالے بال شانوں پر بکھرے تھے۔ ہاتھ میں اک تارا تھا۔ ماتھے پر سیندور کا ٹیکا لگا تھا۔ کالی لمبوتری آنکھوں میں سرمہ تھا۔

ناگ نے کہا۔ "خدا کی قسم تم اتنی خوبصورت جوگن بن گئی ہو کہ میرا جوگی بن جانے کو جی چاہتا ہے۔"

کیٹی نے کہا۔ "جلدی سے سانپ بن جاؤ۔ کسی نے دیکھ لیا تو سارا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔"

ناگ نے گہرا سانس لیا اور کالا سانپ بن گیا جس

نے پھن اٹھا رکھا تھا۔ کیٹی نے اسے اٹھا کر اپنی
گردن میں ڈال لیا اور اکتارا بجاتی ہوئی کالام کے مندر
کی طرف چل پڑی۔ وہ ساتھ ساتھ اک تارا بجاتے
ہوئے گاتی جا رہی تھی۔

"میں تو جوگن ہوں کالام کی
میں تو پوجا کروں کی کالام کی"

لوگ خوبصورت جوگن کو دیکھ کر اس کے پیچھے پیچھے
چل پڑے۔ مندر کے سامنے جا کر جوگن کیٹی نے
ناچتے ہوئے اونچی اونچی آواز میں گانا شروع کر دیا۔
مندر میں کالام جادوگر کو خبر ہوئی کہ کوئی جوگن اس
کا نام لے کر گا رہی ہے۔ وہ اپنے تین پروہتوں
کے ساتھ باہر آ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک لمبے
سیاہ بالوں والی خوبصورت جوگن گلے میں کالا سانپ لٹکائے
اک تارے پر جھوم جھوم کر گا رہی ہے۔ کالام کو دیکھتے
ہی جوگن کیٹی جھک گئی۔ اس نے جھک کر کالام جادوگر
کو سلام کیا۔ اور ناگ سے کہا۔

"عظیم کالام کو سلام کرو۔"

سانپ نے بھی اپنا پھن کالام کے آگے جھکا دیا۔
کالام جادوگر اگرچہ بڑا بدمزاج، ظالم اور پتھر دل

جادوگر تھا مگر خوشامد نے اس کے دل پر بھی اثر کر دیا۔
اور وہ خوش ہو کر مسکرایا۔ لیکن جلدی سے پھر
سنجیدہ ہو گیا اور کیٹی کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔

"تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو؟"

جوگن کیٹی نے کہا۔ "عظیم کالام! میرا نام سندری
ہے۔ میں ملک ہندوستان کے عظیم سنیاسی دھروپد کی
بیٹی ہوں اور تمہاری شہرت سن کر تمہارے عشق میں گرفتار
ہو گئی اور تمہارے نام کی مالا کا جاپ کرنے لگی۔
بس صرف تمہاری پوجا کرنے کے خیال سے ہندوستان سے
یہاں تمہارے مندر میں آئی ہوں۔ بھگوان کا شکر
ہے کہ تمہارے درشن ہو گئے۔ یہ سانپ میرا
دوست ہے۔"

کالام کو بدمزاج سمجھ کر کوئی اس سے پیار محبت
کی بات نہیں کرتا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ایک
خوبصورت عورت اس کے ساتھ پیار جتا رہی تھی۔
وہ خوشی سے پھول کر کُپا ہو گیا۔ مگر آدمی بڑا جادوگر
اور چالاک تھا۔ اپنے دل کی حالت چہرے پہ نہ
آنے دی۔ چہرے کو اسی طرح کرخت بنائے رکھا
اور بولا:

"جوگن سندری! میں تمہیں اپنے مندر میں خوش آمدید
کہتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ۔ تمہیں میں اپنے دیوتا کے
درشن کراتا ہوں۔"

"شکریہ عظیم کالام!"

اور جوگن کیٹی کالام کے ساتھ مندر میں داخل
ہو گئی۔

ناگ سانپ کی شکل میں اس کے گلے سے لپٹا یہ
سب عیاری دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ کالام جادوگر
نے مندر کے ہال کمرے میں آ کر پروہتوں کو وہاں
سے ہٹا دیا اور کیٹی کو لے کر دیوتا کے سامنے
آ گیا۔

"یہ ہمارے عظیم دیوتا کا بت ہے۔ یہ سمندروں،
ہواؤں اور پہاڑوں پر حکمرانی کرتا ہے۔"

جوگن کیٹی نے دیوتا کے آگے سر جھکا دیا اور بولی:
"عظیم کالام! اس سامنے والے مرتبان میں کیا ہے؟"

کالام جادوگر نے مرتبان کی طرف دیکھ کر کہا:

"اس میں دیوتا کی منظورِ نظر رقاصہ راج نرتکی قید
ہے۔ سنیچر کی رات کو یہ رقاصہ دیوتا کے حضور رقص
کرتی ہے۔"

جوگن کیٹی بولی۔ "کیا میں اسے دیکھ سکتی ہوں؟"

کالام کہنے لگا۔ "سنیچر کی رات جب اس کا رقص
ہو گا تو تم دیکھ سکو گی۔"

جوگن کیٹی نے مسکراتے ہوئے مرتبان کے ارد گرد
کھنچے ہوئے دائرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"یہ سرخ سیندور کا دائرہ کیسا بنا ہے اس
مرتبان کے گرد؟"

کالام جادو بولا۔ "یہ میرا خاص جادو کا دائرہ ہے
اس دائرے کے اندر سوائے میرے دوسرا کوئی داخل
نہیں ہو سکتا۔"

جوگن کیٹی بولی۔ "عظیم کالام کی جے ہو۔ جیسی میں
نے تمہاری تعریف سنی تھی تم ویسے ہی عظیم
جادوگر ہو۔"

"آؤ اب میں تمہیں اپنے مندر کے دوسرے حصے
دکھاتا ہوں۔"

کالام جادوگر نے جوگن کیٹی کو ساتھ لیا اور اسے
سارا مندر دکھایا۔ کیٹی نے ایک ایک جگہ کو بڑے غور
سے دیکھا۔ اور دل میں یاد کر لیا۔ اس کے بعد کالام
جادوگر جوگن کیٹی کو ایک کمرے میں لے گیا جہاں فرش پر

قالین بچھا تھا۔ اس کے اوپر دسترخوان لگا تھا اور قسم
قسم کے جنگلی پرندوں کا بھنا ہوا گوشت، پھل اور
مٹھائیاں پڑی تھیں۔ کالام نے کہا:
"میرا خیال ہے ہمیں تھوڑا سا کھانا کھا لینا چاہئے۔"
اور وہ کھانے کے دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ کھانا
کھاتے ہوئے کالام جادوگر نے کہا۔
"سندری جوگن! کیا تمہارا باپ بہت بڑا سنیاسی ہے؟"
جوگن کیٹی بولی۔ "ہاں — وہ ہندوستان کا سب
سے بڑا سنیاسی ہے۔"
کالام نے جوگن کیٹی کی طرف جھک کر کہا:
"کیا تمہارے باپ کو سونا بنانے کا گُر آتا ہے؟"
جوگن کیٹی چونکی۔ آہستہ سے بولی۔
"میرے باپ کے پاس سونا بنانے کا ایسا نسخہ ہے کہ
اگر وہ چاہے تو پورے پہاڑ کو سونے کا پہاڑ بنا سکتا
ہے۔ لیکن وہ دنیا چھوڑ کر سنیاسی بن چکا ہے۔ اب
اسے سونے کا لالچ نہیں رہا۔"
کالام جادوگر کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ جوگن کیٹی نے یہ
بات خاص طور پر نوٹ کی۔ اس نے آہستہ سے کالام
سے پوچھا۔

"عظیم کالام! تم اتنے بڑے جادوگر ہو۔ کیا
تمہارے پاس سونا بنانے کا کوئی جادو نہیں ہے؟"
کالام نے کہا۔ "بس جادو میں یہی ایک خامی ہے۔
میں اپنے جادو کے زور سے سونے کے پہاڑ کو مٹی بنا
سکتا ہوں۔ بھاپ بنا کر اڑا سکتا ہوں مگر ایک چھوٹے
سے روڑے کو سونا نہیں بنا سکتا۔"
کیٹی دل میں بڑی خوش ہوئی۔ اس کے ہاتھ کالام
کی دکھتی رگ آ گئی تھی۔ اس نے کہا:
"میرا باپ تو سونے کا پورا محل بنا سکتا ہے۔"
کالام جادوگر نے بڑی دھیمی آواز میں جوگن کیٹی کے
کان کے قریب منہ لے جا کر کہا:
"کیا تمہیں سونا بنانے کا گُر آتا ہے؟"
جوگن کیٹی مسکرانے لگی۔ بولی:
"کبھی آتا تھا۔ مگر اب بھول گئی ہوں۔ کیونکہ
مجھے تو سونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرا سونا چاندی تو
تم ہو — جے ہو عظیم کالام جادوگر کی۔"
کالام خاموش ہو کر کھانا کھانے لگا۔ لیکن دل میں اس
نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس جوگن سے سونا بنانے کا
گر معلوم کر کے رہے گا۔ کھانے کے بعد کالام نے جوگن

کیٹی کو ساتھ لیا۔ اور باغ میں ٹہلنے لگا۔ پھر ہاتھ ملتے ہوئے کیٹی کی طرف دیکھ کر بولا:

"جوگن سندری! کیا تم سونا بنانے کا گر یاد کر سکتی ہو؟"

جوگن کیٹی نے کہا۔ "جب مجھے سونا بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے تو اسے یاد کرنے کا کیا فائدہ؟"

کالام اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ اصل مقصد زبان پر کیسے لائے۔ پھر ذرا کھنکار کر بولا:

"بات یہ ہے سندری کہ میں دیوتا کا سونے کا ایک بہت بڑا بت بنانا چاہتا ہوں۔ مگر میں جادو کے زور سے سونا نہیں بنا سکتا۔ اس کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ کیا تم ذہن پر زور دے کر سونا بنانے کا گر یاد کر لو گی؟"

اصل میں کالام جادوگر سونا اکٹھا کرنا چاہتا تھا۔ اسے سونے کا لالچ تھا۔ اسے ملک پر حکومت کرنے کا لالچ تھا اور ڈھیروں سونا اکٹھا کر کے وہ شاہی فوج کے کمانڈر کو ساتھ ملا کر اسے سونے کی رشوت دے کر بادشاہ کو قتل کروا کر خود بادشاہ بننا چاہتا تھا۔ اب جوگن کیٹی کو دیکھ کر اور اس کی بات سن کر اس کی خواہش چمک اٹھی تھی اور اس کے

دل میں امید پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اس کی مدد سے سونے کی دولت حاصل کر کے ملک کے تخت پر قبضہ حاصل کر سکے گا

جوگن کیٹی بھی خوب جانتی تھی کہ دیوتا کا سونے کا بت بنانے کا تو محض بہانہ ہے۔ اصل میں کالام کو خود سونا چاہئے۔

اس نے کہا۔ "اگر کوشش کروں تو سونا بنانے کا گر یاد کر سکتی ہوں۔"

پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "لیکن یاد کرنے سے ہو سکتا ہے کوئی کمی رہ جائے۔ کیوں نہ میں اپنے باپ سے پوچھ لوں۔"

کالام نے کہا: "لیکن اس کے لئے تمہیں واپس اپنے ملک ہندوستان جانا پڑے گا جو یہاں سے بہت دور ہے۔"

جوگن کیٹی مسکرائی۔ کہنے لگی۔ "عظیم کالام! تم بہت بڑے جادوگر ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن ہم ہندوستانی سادھو جوگی بھی تھوڑا بہت جادو جانتے ہیں۔ میں یہاں رہ کر اپنے باپ سے بات چیت کر سکتی ہوں۔"

کالام جادوگر بولا۔ "تو پھر اپنے باپ سے آج ہی بات کر کے سونا بنانے کا گر پوچھو۔"

جوگن نے کہا۔ "میں آج آدھی رات کو خاص عبادت کرنے اور اشلوک پڑھنے کے بعد اپنے باپ کو بلاؤں گی۔"

کالام جادوگر بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگا۔ "تو پھر میں کل صبح

تمہیں ملوں گا۔ اگر تم نے مجھے سونا بنانے کا گُر بتا دیا تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم کو اس ملک کی مہارانی بنا دوں گا۔

جوگنی کیٹی ہنسنے لگی۔ "عظیم کالام کی جے ہو۔ مجھے اس کی حسرت نہیں۔"

اور وہ کالام سے اجازت لے کر اپنی کوٹھڑی میں آ گئی۔ اس نے دروازہ بند کر لیا اور ناگ سے کہا۔

"کیسی رہی میری چال؟"

ناگ انسانی شکل میں آ کر بولا:

"تم نے تو کمال کر دیا کیٹی۔ اور وہ خود اپنے جال میں آ گیا ہے۔ کم بخت سونے کا لالچی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس کا جادو سونا نہیں بنا سکتا۔"

کیٹی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ سونے کی بہت زیادہ دولت جمع کر کے اس سے کوئی خطرناک کام لینا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس ملک پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہا ہو۔"

ناگ بولا۔ "چاہے کوئی بھی خواب دیکھ رہا۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ ہم تو ماریا کو اس کے جادو سے آزاد کرانا چاہتے ہیں۔"

کیٹی بولی: "میں بھی اسی فکر میں ہوں۔ کالام میرے ہاتھ میں

آ گیا ہے۔ کل اسے تھوڑا سا سونا بنا کر دکھا دوں گی۔ پھر اس سے ہر کام لے سکوں گی۔"

ناگ نے کہا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ماریا کو آزاد نہیں کرے گا کیونکہ وہ دیوتا کو ناراض نہیں کرے گا۔"

کیٹی بولی۔ "اس کا باپ بھی ماریا کو اپنے جادو سے آزاد کریگا۔ تم ذرا آگے آگے دیکھتے جاؤ کہ میں کیا کرتی ہوں۔"

ناگ ہنس کر بولا۔ "کیٹی تم نے اس وقت سامری کو مات کر دیا ہے۔"

"وہ کون تھا؟" کیٹی نے پوچھا۔

ناگ نے کہا۔ "بس یوں سمجھ لو کہ وہ تمہارا غلام تھا۔"

اسی طرح باتیں کرتے کرتے رات گزر گئی۔

دوسرے روز کالام خود جوگن کیٹی کو لینے اس کی کوٹھڑی کے باہر آیا۔ وہ اتنا بڑا جادوگر تھا کہ اس کو جوگن کیٹی کی تعظیم کرتے دیکھ کر مندر کے دوسرے پروہت اور پجاری بھی جوگن کیٹی کا بے حد احترام کرنے لگے تھے۔ کالام نے جوگن کیٹی کو ساتھ لیا اور اپنے خاص کمرے میں آ گیا۔ یہاں بڑے ہی قیمتی قالین بچھے تھے اور ریشمی پردے پڑے تھے۔ کالام کمخواب کی بڑی کرسی پر بیٹھ گیا اور جوگن کیٹی سے پوچھنے لگا۔

"سندری! کیا رات تمہاری ملاقات تمہارے والد سے ہوئی؟"

"ہاں۔" کیٹی نے کہا۔

وہ خوش ہو کر بولا۔ "کیا تم نے ——"

کیٹی نے بات کاٹ کر کہا۔ "عظیم کالام کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ میں نے اپنے باپ سے سونا بنانے کا گُر پوچھ لیا ہے۔"

یہ سن کر خوشی سے کالام جادوگر کی باچھیں کھل گئیں۔

"کیا تم اب سونا بنا سکتی ہو؟"

"کیوں نہیں۔" کیٹی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کالام جادوگر نے اٹھ کر کیٹی کے ہاتھ چوم لئے۔ خوشی سے اس کا چہرہ چمکنے لگا تھا اور آنکھوں میں ملک کا تخت و تاج حاصل کرنے کی ہوس تیز ہو گئی تھی۔ اس نے کیٹی سے کہا۔

"کیا تم مجھے سونا بنا کر دکھا سکتی ہو؟"

کیٹی نے بڑے سکون سے کہا۔ "کیوں نہیں۔"

اور اس نے کالام سے کہا کہ وہ لوہے یا مٹی کا کوئی برتن لائے۔ کالام فوراً باہر گیا اور مٹی کا ایک پیالہ اٹھا لایا۔ پیالہ اس نے کیٹی کے ہاتھ میں دے دیا۔ کیٹی نے پیالے کو میز پر رکھا اور کالام سے کہا:

"میں اب ایک خفیہ منتر پڑھوں گی جو میرے باپ نے بتایا ہے اور یہ مٹی کا پیالہ سونے کے پیالے میں بدل جائے گا۔"

کالام حیرت سے جوگن کیٹی کی باتیں سن رہا تھا۔

جوگن کیٹی نے کہا۔ "اس پیالے کے اوپر کوئی کپڑا ڈال دو۔"

کالام جادوگر نے اپنا نیلا رومال پیالے پر ڈال دیا۔

جوگن کیٹی نے پیالے کی طرف منہ کر کے آنکھیں بند کر لیں اور منہ ہی منہ میں یونہی جھوٹ موٹ منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ اس نے مٹی کے پیالے کا عکس اپنی آنکھوں میں جمایا اور کہا۔ "اے پیالے! سونے کا بن جا۔" اور چٹکی بجا دی۔

آنکھیں کھول کر کالام جادوگر سے کہا:

"پیالے پر سے کپڑا ہٹا لو۔"

کالام نے کانپتے ہاتھوں سے پیالے پر سے رومال ہٹایا تو اس کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ مٹی کا پیالہ سونے کا بن گیا تھا اور چمک رہا تھا۔ اس نے کیٹی کا ہاتھ تھام کر زور سے دبایا اور خوش ہو کر بولا۔

"سندری! تم نے میرا دل جیت لیا ہے۔ دیوتا کی قسم اب تم اس ملک کی ملکہ ہو گی۔ اور میں ——"

پھر کچھ سوچ کر چپ ہو گیا اور سونے کے پیالے کو الماری میں رکھ کر کیٹی کے پاس آ کر بولا: "اب میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ میرے تہہ خانے میں چلو۔ وہاں پتھروں کا ایک ڈھیر لگا ہے۔ اس ڈھیر کو سونے کا بنا دو۔"

کیٹی نے کہا۔ "اتنے بڑے ڈھیر کو سونے میں تبدیل کرنے کے
واسطے مجھے تین راتیں عبادت کرنی پڑے گی۔"
"کیا تم اس کے لئے تیار ہو سندری؟"
"کیوں نہیں۔ عظیم کالام کے لئے میں سب کچھ کروں گی۔
میں پرسوں رات سے اپنی خاص عبادت شروع کروں گی۔ کل ہفتہ
ہے اور ہفتے یعنی سنیچر کو ہم ایسی عبادت نہیں کیا کرتے۔"
کالام بولا۔ "اچھی بات ہے۔ کل سنیچر کو میں تمہیں اپنے مندر کا
خوبصورت جشن بھی دکھاؤں گا۔ اس جشن میں مرتبان کی رقاصہ دیوتا
کے سامنے رقص کرے گی۔ تم دیکھ کر خوش ہو جاؤ گی۔"
کیٹی نے کہا۔ "میں بڑی خوشی سے اس جشن میں شریک
ہوں گی ——— اچھا اب میں جاتی ہوں۔ مجھے باغ میں چہل قدمی
کرتے ہوئے سورج دیوتا کی پوجا بھی کرنی ہے۔"
"تمہیں اجازت ہے سندری۔" کالام نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔
جوگن کیٹی کالام جادوگر سے الگ ہو کر مندر کے باغ میں آکر
کچھ دیر ٹہلتی رہی۔ پھر وہ سب کی آنکھ بچا کر اپنی کوٹھڑی
میں آگئی۔ اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کر لیا اور گلے
سے سانپ اتار کر کہا،
"ناگ! اب میرا آخری حملہ کرنے کا وقت آگیا ہے۔"
ناگ نے انسانی شکل میں آکر پوچھا۔ "لیکن تم ماریا کے

مرتبان کے پاس کیسے جاؤ گی؟ اس کے گرد تو جادو کا حصار
بنا ہوا ہے۔"
کیٹی نے کہا۔ "یہی تو میرا کمال ہوگا۔ بس تم دیکھتے جاؤ۔"
ناگ نے کہا۔ "دیکھتے دیکھتے تو میری آنکھیں پک گئی
ہیں۔ کم بخت دن بھر سانپ بن کر تمہارے گلے میں پڑا رہتا
ہوں۔ اتنی دیر میں کبھی سانپ نہیں بنا تھا۔"
کیٹی نے کہا۔ "ماریا کے لئے تمہیں یہ قربانی دینی پڑے
گی ناگ۔"
"ماریا بہن کے لئے تو ہم ہر قسم کی قربانی دے سکتے ہیں۔
اچھا۔ یہ بتاؤ کہ اب تم کیا کرو گی؟ کیا اسے سونے کا ڈھیر
بنا دو گی۔"
کیٹی ہنس پڑی۔ "میں خلائی لڑکی ہوں۔ اس جادوگر کو
ایسا تگنی کا ناچ نچاؤں گی کہ ہاتھ ملتا رہ جائے گا۔"
اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ ناگ فوراً
سانپ بن گیا۔ کیٹی نے سانپ کو گلے میں ڈال لیا اور دروازہ
کھولا۔ باہر کالام جادوگر کھڑا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔
"سندری! تم کس سے باتیں کر رہی تھیں؟"
کیٹی کی تو جان ہی نکل گئی کہ اس بدبخت نے ان کی
باتیں نہ سن لی ہوں۔ اس نے پوچھا۔ "کیا تم نے ہماری

باتیں سن لی ہیں عظیم کالام؟"
کالام نے کہا۔" نہیں۔ میں نے صرف ایک آدمی کی
آواز سنی تھی مگر یہاں کوٹھڑی میں تو کوئی مرد نہیں ہے۔"
کیٹی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔" عظیم کالام!
تم بہت بڑے جادوگر ہو۔ مگر میں بھی چھوٹی سی جادوگرنی
ہوں۔ میں اس وقت تمہارا ہی کام کر رہی تھی۔"
"سچ؟" کالام نے خوش ہو کر کہا۔
"ہاں۔" کیٹی بولی۔" میں سونا بنانے کے سلسلے میں ایک
بات بھول گئی تھی۔ اس وقت میں نے ہنگامی طور پہ اپنے
باپ کی روح کو یہاں بلایا تھا اور میں اس سے وہ بھولی
ہوئی بات پوچھ رہی تھی۔"
"تو کیا تم نے اپنے باپ سے وہ بات پوچھ لی؟"
"کیوں نہیں۔ اب نسخہ تیار ہے۔ ایسا سونا تیار کر کے
تمہیں دوں گی کہ ساری دنیا میں اس کی نظیر نہیں ہوگی۔
لیکن اس کے لئے تمہیں ایک کام کرنا ہوگا۔"
کالام نے جھٹ کہا۔" میں ضرور کروں گا۔ تم مجھے بتاؤ۔"
کیٹی بولی۔" اندر آجاؤ۔"
کالام جادوگر کوٹھڑی میں آکر بیٹھ گیا۔
کیٹی نے کہا۔" پرسوں رات کو جب میں تمہارے لئے پتھروں

کے ڈھیر کو سونے میں تبدیل کرنے کے لئے بیٹھوں گی تو
وظیفہ شروع کرنے کے بعد شیطانی طاقتیں مجھ پہ حملہ کرنے آئیں
گی۔ اس کے لئے مجھے اپنے چاروں طرف ایک دائرہ کھینچنا پڑیگا۔
یہ دائرہ جادو کا ہوگا۔ اس کی وجہ سے شیطانی طاقتیں مجھے نقصان
نہ پہنچا سکیں گی۔ کیا تم جادو کے زور سے ایسا دائرہ بنا سکو گے
جیسا کہ تم نے مرتبان کے گرد بنایا ہے؟"
کالام جادوگر بولا۔" یہ کونسی مشکل بات ہے۔ میں تمہیں
دائرہ بنا دوں گا۔ پھر تم اس کے اندر بیٹھ جانا۔"
کیٹی نے کہا۔" وہ دائرہ مجھے خود بنانا ہوگا۔ اگر تم میرے
لئے بناؤ گے تو وظیفے کا اثر نہیں ہوگا اور پتھروں کا
ڈھیر سونا نہیں بن سکے گا اور شیطانی طاقتیں مجھے ہلاک کر
ڈالیں گی۔"
کالام جادوگر نے کہا۔" تو میں تمہیں وہ منتر بتا دوں گا
تم خود اپنے ارد گرد دائرہ بنا لینا۔"
کیٹی بولی۔" اور وہ منتر بھی بتانا ہوگا جس سے دائرے
کا جادو بے اثر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب میں دائرے سے
باہر آنے لگوں گی تو مجھے خود منتر پڑھ کر دائرے کے جادو کو
بے اثر کرنا ہوگا۔"
کالام جادوگر بولا۔" یہ کونسی مشکل بات ہے۔ میں تم کو

دونوں منتر بتا دوں گا۔"

"پھر ابھی بتا دو۔ تاکہ میں اسے یاد کر لوں۔"

کالام جادوگر نے کہا۔ غور سے سنو اور انہیں اچھی طرح یاد کر لینا۔"

پھر کالام جادوگر نے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھ لئے اور کیٹی کو پہلے وہ منتر بتایا جس کو پڑھ کر اپنے ارد گرد جادو کا دائرہ کھینچا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ منتر بتایا جس کے پڑھنے سے دائرے کا جادو بے اثر ہو جاتا ہے۔ کیٹی نے پہلا منتر تو اسی وقت بھلا دیا، بلکہ وہ منتر توجہ سے سنا ہی نہیں۔ صرف دوسرا منتر اس نے بڑے غور سے سنا اور اسے دل میں بار بار دہرا کر زبانی یاد کر لیا۔ پھر کالام کی طرف دیکھ کر بولی۔ "فکر نہ کرو۔ مجھے دونوں منتر یاد ہو گئے ہیں۔ اب میں چاہتی ہوں کہ کل کی رات چھوڑ کر پرسوں تمہارے تہہ خانے میں پتھروں کے ڈھیر کے آگے بیٹھ کر اسے سونے میں تبدیل کرنے کا وظیفہ شروع کر دوں گی۔"

کالام جادوگر اٹھ بیٹھا اور کیٹی کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔ کہنے لگا۔ "سندری! میرے ساتھ تیری قسمت کا سنہری سورج بھی طلوع ہونے والا ہے۔"

اور پھر مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔ کیٹی کو جب یقین ہو گیا

کہ وہ کوٹھڑی سے کافی دور چلا گیا ہے تو اس نے دروازہ بند کر کے سانپ کو نیچے اتار دیا۔ ناگ نے اس وقت انسانی شکل اختیار کر لی اور بولا۔ "کیٹی! میں تجھے مان گیا ہوں۔ تم واقعی وہ عورت ہو جو آسمان کی ٹاکی اتار بھی سکتی ہے اور پھر دوبارہ اسے لگا بھی سکتی ہے۔"

کیٹی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "پرسوں رات ماریا کو ساتھ لے کر ہم یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔"

ناگ بولا۔ "لیکن سوچ سمجھ کر یہ قدم اٹھانا۔ کالام جادوگر کے پاس جادو کا خزانہ ہے۔ کہیں تم پر کوئی ایسا جادو نہ پھونک دے کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔"

کیٹی بولی۔ "اس کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو گی اور ہم اس منحوس مندر سے بہت دور نکل چکے ہوں گے۔"

آخر سنیچر یعنی ہفتے کی رات آ گئی۔

اس رات مندر کے چبوترے کو خوب پھولوں سے سجایا گیا۔ کیونکہ اس رات مرتبان میں سے ماریا کو نکال کر اس سے دیوتا کے آگے رقص کروانا تھا۔ دوسری طرف کیٹی بھی فرار کی تیاریاں کر رہی تھی۔ اس نے کالام کے ساتھ نیچے تہہ خانے میں جا کر پتھروں کا وہ ڈھیر دیکھا جس کے سامنے بیٹھ کر اس نے سونا بنانے کے لئے وظیفہ شروع کرنا تھا۔ اس نے

کالام سے کہا۔ "عظیم کالام! میں تمہاری شاہی رقاصہ کا رقص دیکھنے کے بعد یہاں وظیفہ کرنے بیٹھوں گی۔"

"جیسی تمہاری مرضی سندری!"

آدھی رات کو کالام جادوگر شاندار چمکیلا لباس پہن کر دیوتا کے سامنے آیا۔ جوگن کیٹی بھی دوسرے پجاریوں اور پروہتوں کے ساتھ وہاں موجود تھی۔ اس کے گلے میں ناگ سانپ کی شکل میں لپٹا ہوا تھا۔ کالام نے دیوتا کے آگے جھک کر اشلوک پڑھے اور پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس مرتبان کے پاس گیا جس میں ماریا بند تھی۔ اس نے مرتبان کا ڈھکنا اٹھایا اور اندر سے ماریا باہر نکل آئی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ ناگ نے اپنی زبان میں کیٹی سے کہا۔

"او خدایا! ماریا بہن کس قدر لاغر ہو گئی ہے۔"

مگر کیٹی سانپ کی زبان نہیں سمجھ سکتی تھی۔ ناگ اس کی زبان ضرور سمجھ جاتا تھا۔ وہ خاموشی سے ماریا کو تک رہی تھی۔ ماریا نے شاندار لباس پہن رکھا تھا اور اس کے سنہری بال کھلے تھے۔ کالام جادوگر نے اسے دیوتا کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا اور موسیقاروں کو اشارہ کیا۔ اس وقت ڈھول تاشے بجنے لگے اور ماریا نے آہستہ آہستہ تھرکتے ہوئے دیوتا کے بت کے آگے رقص کرنا شروع کر دیا۔ ناگ پہلی بار ماریا کو

رقص کرتے دیکھ رہا تھا۔ اس کے رقص میں مجبوری اور بے بسی کا احساس تھا۔ اس کا جی چاہا کہ ابھی جا کر کالام کو ڈس کر ہلاک کر دے مگر وہ جانتا تھا کہ کالام سب سے بڑا جادوگر ہے اور اس پر اس کے زہر کا اثر نہیں ہوگا اور خوامخواہ ان کی اپنی سکیم بھی فیل ہو جائے گی۔ وہ دل پر جبر کر کے ماریا کا رقص دیکھتا رہا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ جادو کے اثر کی وجہ سے ماریا کو ناگ اور کیٹی کی خوشبو بھی نہیں آ رہی تھی۔

ماریا کبھی رقص کرتے کرتے دیوتا کے آگے جا کر جھک جاتی اور کبھی دونوں بازو فضا میں لہراتے ہوئے اٹھتی اور اپنے گرد گول چکر لگانے لگتی۔ ڈھول اور تاشے کی دھن تیز تر ہوتی گئی اور ماریا اس دھن پر دیوانہ وار ناچتی چلی گئی۔ پھر موسیقی رک گئی۔ رقص ختم ہو گیا۔ کالام جادوگر نے آگے بڑھ کر دیوتا کے کے سامنے دو زانو ہو کر سر جھکایا اور پھر دعائیں مانگنے لگا۔ پھر اٹھا اور ماریا کا ہاتھ پکڑ کر اسے مرتبان میں دوبارہ بند کر کے اوپر ڈھکن دے دیا۔ اور بڑے سکون سے جادو کے دائرے میں سے منتر پڑھتا ہوا باہر نکل آیا۔ دائرے سے باہر نکلنے کا یہ وہ منتر تھا جو اس نے کیٹی کو بھی بتا دیا تھا اور وہ اس وقت اپنے دل میں اسے دہرا رہی تھی۔ اس کے بعد جشنِ رقص ختم ہو گیا۔

کالام جادوگر سیدھا جوگن کیٹی کے پاس آیا اور آہستہ سے
بولا۔ "میرا خیال ہے تمہارے وظیفے کا وقت آ گیا ہے۔"
"ہاں ۔ میرے ساتھ تہہ خانے میں چلو۔" کیٹی نے کہا۔
کالام نے کیٹی کو ساتھ لیا اور مندر کی بھول بھلیوں سے
ہوتا ہوا نیچے ایک تاریک تہہ خانے میں آ گیا۔ اس نے طاق میں
رکھی ہوئی شمع روشن کی اور کیٹی نے دیکھا کہ دیوار کے ساتھ چھوٹے
چھوٹے پتھروں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ کالام جادوگر نے اس
ڈھیر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
"سندری! ان پتھروں میں میری اور تمہاری زندگی کی روشنیاں
چھپی ہوئی ہیں۔ ان پتھروں کو سونا بنا دو گی تو تمہارے سر پر
بابل کی ملکہ کا تاج ہو گا۔ یہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔"
کیٹی نے پتھروں کو دیکھا اور پھر دل میں کہنے لگی کہ احمق
لالچی انسان! یہ پتھر تیری عقل پہ پڑیں گے۔ اوپر سے مسکرا کر
بولی: "فکر نہ کرو کالام! میں وظیفہ کرنے بیٹھ رہی ہوں۔ صبح
ہونے کے ساتھ ہی یہ پتھروں کا ڈھیر سونا بن جائے گا۔ لیکن
میری ایک شرط ہے۔"
کالام نے کہا۔ "جلدی بتاؤ کونسی شرط ہے؟"
کیٹی بولی۔ "صبح تک مندر میں سب پجاری اور پروہت اور
تم بھی اپنی کوٹھڑیوں میں بند رہو۔ کوئی باہر نہ نکلے۔ نہیں

تو میرا وظیفہ الٹا ہو جائے گا۔"
کالام نے کہا۔ "ہم سب کوٹھڑیوں میں بند ہو جائیں گے،
کوئی باہر نہیں نکلے گا۔ تم بے فکر رہو۔"
کیٹی نے ڈھیر کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔
"اب میرے ارد گرد جادو کا دائرہ بنا دو تاکہ شیطانی
طاقتیں مجھ پہ حملہ نہ کر سکیں۔"
کالام نے کہا۔ "مگر تم نے تو کہا تھا کہ یہ جادو کا منتر تم
خود پڑھو گی اور خود دائرہ بناؤ گی۔"
اب کیٹی کو خیال آیا کہ اس سے بھول ہو گئی ہے۔ جھٹ بولی۔
"کوئی بات نہیں۔ تم بھی منتر پڑھ سکتے ہو۔ اصل معاملہ دائرے
سے باہر نکلتے وقت منتر پڑھنے کا ہے۔ وہ میں خود پڑھوں گی۔ مجھے یاد ہے۔"
"جیسے تمہاری مرضی۔"
کالام نے منہ ہی منہ میں منتر پڑھنا شروع کیا اور کیٹی جہاں
بیٹھی تھی اس کے ارد گرد دائرہ کھینچ دیا۔ کالام کو کیٹی نے ہاتھ
کے اشارے سے واپس چلے جانے کا اشارہ کیا۔ کالام نے آخری
بار پتھروں کے ڈھیر پہ نگاہ ڈالی۔ اسے وہ سونے کا ڈھیر دکھائی
دیا۔ کالام مسکرایا اور تہہ خانے سے نکل گیا۔

○

خونی مندر سے فرار

کالام جادوگر کے جانے کے بعد کیٹی کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی، اس کی گردن میں پڑا ہوا ناگ بھی سانپ کے روپ میں خاموش رہا۔ کیونکہ ہو سکتا تھا کہ جادوگر کسی جگہ سے جھانک رہا ہو۔ جب کالام کو گئے کافی دیر گزر گئی تو کیٹی نے سانپ کو گردن میں سے اتار کر اپنے قریب ہی زمین پر رکھ دیا اور کہا:

"ناگ! اب تم انسانی شکل میں آ جاؤ۔"

ناگ نے سانس کھینچا اور انسان بن گیا۔ دونوں جادو کے دائرے کے اندر ہی بیٹھے تھے۔ کیونکہ اس دائرے سے ناگ بھی جادو کا اثر ضائع کئے بغیر باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ کیٹی نے کہا:

"کیا خیال ہے ہمیں اپنا کام شروع کر دینا چاہیے؟"

ناگ کہنے لگا۔ "میرا خیال ہے ہمیں کچھ وقت اور انتظار کرنا چاہیے۔"

کیٹی نے کہا: "کالام کوٹھڑی میں بند ہو گیا ہو گا۔ کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اگر وہ باہر رہا تو یہ پتھر سونا نہیں بن

سکیں گے۔"

ناگ نے کہا۔ "یہ تو ٹھیک ہے لیکن ہمیں ذرا رک جانا چاہیے۔"

پھر ناگ بولا۔ "یہ دائرہ بڑا تنگ ہے۔ میں تو جادو کے ڈر کے مارے ٹانگیں بھی نہیں پسارتا۔ تم منتر پڑھو تا کہ ہم اس دائرے سے باہر تو نکلیں۔"

"بہت اچھا۔"

اور کیٹی کو جو منتر یاد تھا۔ اس نے پڑھ کر دائرے پر پھونک ماری اور پھر سب سے پہلے خود بغیر کسی نقصان کے بڑے آرام سے دائرے میں سے باہر نکل آئی۔ اس کے بعد ناگ بھی دائرے سے باہر آ گیا۔ کچھ دیر وہ تہہ خانے میں بیٹھے ماریا کے بارے میں اور عنبر کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔ انہیں یہ بھی فکر تھا کہ کہیں کالام جادوگر جادو کے زور سے ان کی باتیں سن نہ رہا ہو۔ جب تہہ خانے میں آئے انہیں کافی دیر ہو گئی تو کیٹی نے کہا: "ناگ! اب ہمیں اوپر چل کر ماریا کو آزاد کرانا ہے۔ تم سانپ بن کر میری گردن سے لپٹ جاؤ۔"

ناگ سانپ بن کر کیٹی کی گردن سے لپٹ گیا۔ کیٹی آہستہ سے اٹھی اور تہہ خانے میں سے نکل کر اوپر والی راہداری میں آ گئی۔ یہ جگہ بالکل سنسان تھی۔ یہاں سے گزرتی ہوئی وہ مندر

کے بڑے کمرے میں آئی۔ یہاں رات کو اکثر پروہت اور
پجاری بیٹھے بھجن گایا کرتے تھے۔ آج ان میں سے کوئی بھی
وہاں نہیں تھا۔ کیٹی نے ناگ سے کہا۔ "کالام نے اپنا وعدہ
پورا کیا ہے۔ پجاری پروہت سب غائب ہیں۔ بڑا سنہری موقع ہے۔"
ناگ نے کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ کیٹی
اس کی بات نہیں سن سکے گی۔ کیٹی دیواروں اور ستونوں کے
ساتھ لگ کر چلتی ہوئی بڑے ہال کمرے میں آئی۔ جہاں دیوتا کا
بڑا بت خاموش کھڑا تھا۔ اس جگہ رات کو ضروری پجاری
موجود رہتے تھے۔ مگر اس رات وہاں کوئی نہیں تھا۔ کیٹی کی
سکیم کامیاب جا رہی تھی۔ اب اس سکیم کا آخری مرحلہ باقی
تھا جو سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ کیٹی بڑے بت کے پیچھے
سے ہو کر چبوترے والی دیوار کے پاس آ گئی۔ جہاں کانسی کے
مرتبان میں ماریا قید میں پڑی تھی اور مرتبان کے گرد جادو کا
خطرناک دائرہ بنا دیا گیا تھا۔

اب وقت ضائع کرنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ کیٹی نے
دائرے کے قریب آ کر منتر پڑھا اور دائرے میں داخل ہو گئی۔
پھر اس نے دوبارہ دائرے سے باہر نکلنے کا جادوئی منتر پڑھا اور
کانسی کے مرتبان کو کھینچ کر دائرے سے باہر آ گئی۔ یہ بڑا
نازک لمحہ تھا۔ مگر گزر گیا۔ اور مرتبان بڑی آسانی سے دائرے

میں سے باہر آ گیا۔ جادو بے اثر ہو چکا تھا۔ کیٹی نے مرتبان
کا ڈھکن اٹھا دیا۔ اس کے اندر ماریا کہیں نہیں تھی مگر اسے
ماریا کی بڑی تیز خوشبو آ رہی تھی۔

ناگ نے چلّا کر کہا۔ "کیٹی! ماریا اندر ہی ہے۔"

مگر کیٹی نے اس کی آواز نہ سُنی۔ ناگ نے سانس کھینچا
اور انسانی شکل میں آ گیا۔ چونکہ وہ کیٹی کی گردن میں پٹا
ہوا تھا اس لئے اپنے بوجھ کی وجہ سے کیٹی کے ساتھ ہی زمین
پر گر پڑا۔ ماریا کی آواز آئی۔ "تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟"

ناگ نے کہا۔ "سبحان اللہ! یعنی ہم جو تمہیں اتنے پاپڑ
بیل کر یہاں سے نکالنے آئے ہیں، پاگل ہیں۔"

کیٹی بولی۔ "ماریا بہن! کیا تم ہمارے پاس ہو؟"

ماریا نے کہا۔ "کیوں نہیں۔ کالام کا جادو اس دائرے
سے باہر نکلتے ہی ختم ہو گیا ہے۔ اور میں اپنی اصلی حالت
میں آ گئی ہوں۔ یعنی کہ غائب ہو چکی ہوں۔"

ناگ نے کہا۔ "یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے نکل چلو۔"

"ماریا ہمارے ساتھ رہنا۔" کیٹی نے کہا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں جوگن بہن۔"

کیٹی ہنسنے لگی۔ ناگ نے کہا:

اگر یہ جوگن کا روپ نہ دھارتی تو تم اس وقت مرتبان

میں پڑی ہوتی ۔"

ماریا نے کہا ۔" میں تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں کیٹی بہن! لیکن یہاں سے بھاگو۔ کالام جادوگر بڑا خبیث ہے اور بڑا طاقتور جادوگر ہے ۔ اگر اسے ذرا بھی بھنک پڑ گئی تو ہم تینوں کسی مصیبت میں پھنس جائیں گے ۔ میں تو حیران ہوں کہ تم لوگ یہاں تک آ کیسے گئے ؟"

ناگ نے کہا ۔" یہ لمبی کہانی ہے پھر سنائیں گے۔"

اور وہ تینوں مندر کے ہال کمرے سے نکل کر اس راہ داری میں سے گزرنے لگے جو مندر کی بڑی ڈیوڑھی کی طرف جاتی تھی ۔ یہاں بھی سناٹا چھایا ہوا تھا اور کوئی پجاری نہیں تھا ۔ راہ داری میں ایک چراغ جل رہا تھا ۔

ماریا نے آہستہ سے کہا ۔" یہ پجاری پروہت آج کہاں چلے گئے ہیں ؟"

کیٹی نے جواب دیا ۔" یہ میری کارستانی ہے ماریا بہن! کہیں بیٹھیں گے تو سناؤں گی ۔"

ناگ نے کہا ۔" ہوشیار ! مجھے ڈیوڑھی میں آدمی کا سایہ نظر آیا ہے ۔"

وہ تینوں خاموش ہو کر وہیں رک گئے اور اندھیرے میں غور سے دیکھنے لگے ۔ تینوں کو اندھیرے میں بہت کچھ

نظر آ جاتا تھا ۔ ناگ نے کہا ۔

" دو پجاری پہرہ دے رہے ہیں ۔"

ماریا نے کہا ۔" ان کی تو میں ابھی جا کر خبر لیتی ہوں ۔"

ناگ نے کہا ۔ تم یہیں ٹھہرو ۔ میں جاتا ہوں ۔"

ماریا نے سرگوشی میں کہا ۔" نہیں ۔ میں جاؤں گی ۔ مجھے ان دونوں سے اپنی ساری مصیبتوں کا انتقام لینا ہے ۔"

ڈیوڑھی کے بڑے دروازے پر دو پہلوان قسم کے ہٹے کٹے پجاری پہرہ دے رہے تھے ۔ اچانک ایک پجاری کو گردن پر کسی کی ٹھنڈی انگلیوں کا احساس ہوا ۔ اس نے اپنی گردن کو ہاتھ سے جھاڑتے ہوئے کہا ۔

"آج سردی کیوں لگ رہی ہے ۔"

دوسرا پجاری بولا ۔" سردی کہاں ہے ؟ موسم تو گرم ہے ۔"

" پہلا کہنے لگا ۔" مجھے اپنی گردن پر ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے اپنی ٹھنڈی انگلیاں رکھ دی ہوں ۔"

دوسرا ہنسا ۔" تم بزدل ہو ۔ ہمیشہ رات کو ڈرتے رہتے ہو۔ مجھے کبھی ڈر نہیں لگا ۔ میں بہادر ہوں تمہاری طرح بزدل بکری نہیں ہوں ۔"

پھر اچانک وہ جہاں تھا وہیں رک گیا ۔

پہلے پجاری نے پوچھا ۔" کیا ہوا ؟"

دوسرا گردن پہ ہاتھ رکھ کر لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

"میری گردن کو کسی نے پکڑ لیا ہے۔"

پہلا پجاری اچھل کر پرے ہٹ گیا۔ ماریا کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں یہ دونوں شور نہ مچا دیں۔ اس نے دونوں کو گردنوں سے پکڑا اور بجلی ایسی تیزی کے ساتھ دونوں کے سر ایک دوسرے سے ٹکرا دیئے۔ ٹکر اتنی زور کی تھی کہ دونوں پجاری چکرا کر زمین پہ گر پڑے۔ ماریا نے ان کی گردنوں پہ پاؤں رکھ کر زور سے جھٹکا مارا اور دونوں کی گردنیں ٹوٹ گئیں۔ پھر وہ ناگ اور کیٹی کے پاس آ کر بولی۔

"میدان صاف ہے۔"

ناگ نے آگے بڑھ کر دروازے کی کنڈی اتار کر دروازہ کھول دیا۔ باہر رات کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ وہ تینوں مندر کے دروازے سے باہر نکل گئے۔ اپنے پیچھے انہوں نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ باہر آتے ہی کیٹی نے کہا۔

"ناگ! ہمیں اپنا اپنا حلیہ بدل لینا چاہیئے۔ کیونکہ ابھی ہمیں شہر کے بڑے دروازے میں سے گزرنا ہے اور وہاں سپاہی کھڑے ہوتے ہیں۔"

ماریا نے کہا۔ "ناگ تو سانپ یا چڑیا بن جائے گا، مگر کیٹی تم کیسے دوسرا روپ بدلو گی۔"

کیٹی نے کہا۔ "میں اب چٹکی بجا کر جو روپ چاہے بدل سکتی ہوں۔ یہ جو تم میرا جوگن کا روپ دیکھ رہی ہو، یہ میں نے چٹکی بجا کر بدلا تھا۔ اور تمہیں مرتبان سے باہر نکالتے ہوئے پھر چٹکی بجا کر میں نے اپنی شکل اصلی بنا لی تھی۔ کیونکہ جوگن کے روپ میں تم مجھے نہیں پہچان سکتی تھیں۔"

ماریا نے کہا۔ "تو پھر ایسا کرو۔ تم دونوں پرندے بن کر شہر کی چار دیواری کے بڑے دروازے کے اوپر سے باہر نکل جاؤ۔ میں دروازے میں سے گزر کر تمہیں باہر آ کر ملتی ہوں۔"

ناگ اور کیٹی اسی وقت دو سیاہ پرندے بن کر اڑ گئے۔ اور ماریا نے غیبی حالت میں ہی شہر کے بڑے دروازے کی طرف چلنا شروع کیا۔ وہ تیز تیز چل رہی تھی۔ شہر کا دروازہ بند تھا اور سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ مگر ماریا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ماریا بند دروازے میں سے ہی گزر گئی۔ باہر آ کر اس نے ایک درخت کی طرف دیکھا۔ دو پرندے اس کی شاخ پہ بیٹھے تھے۔ ماریا نے ہلکی سی سیٹی بجائی۔ دونوں پرندے اڑ کر نیچے آ گئے اور انہوں نے انسان کی

شکل اختیار کر لی۔ اب کیٹی جوگن نہیں تھی بلکہ اپنی اصلی چوکور آنکھوں والی شکل میں تھی۔ وہ دوڑ کر کیٹی اور ناگ کے پاس آگئی۔

"ہمیں گھوڑوں کی سخت ضرورت ہے۔" ناگ نے کہا۔

کیٹی نے اب آنکھوں کے آگے پلّو نہیں کیا ہوا تھا۔ ایک طرف دیکھ کر بولی: "وہ سامنے دیوار کے ساتھ دو گھوڑے بندھے ہیں۔ کیوں نہ ان قسمت آزمائی جائے۔"

"بڑے شوق سے۔" ناگ نے کہا۔

کیٹی، ناگ اور ماریا دیوار کے قریب گئے تو غائب ماریا کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے گھوڑے ہنہنائے۔ کیٹی اور ماریا ایک طرف ہٹ گئے۔ بڑی مشکل سے ناگ نے گھوڑوں کو کھولا۔ ایک گھوڑے پہ ماریا اور کیٹی سوار ہو گئے اور دوسرے پر ناگ بیٹھ گیا۔ انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگائی۔ گھوڑے پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے۔ ایڑ کے لگتے ہی ہوا سے باتیں کرنے لگے۔

اب ہم ان کو تو گھوڑوں پر سوا ہوا سے باتیں کرتا چھوڑتے ہیں اور ذرا ڈھائی ہزار سال آگے کی طرف چل کر عنبر کی خبر لیتے ہیں کہ وہ بے چارہ جس مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ اس کا کیا حال ہے۔ یہ بھی انوکھی مصیبت تھی۔

نامتِ اعمال، اس کی شکل دلّی کی کمہارن خانم کے گمشدہ خاوند شرفو سے ملتی تھی۔ بس وہ اسے اپنا خاوند سمجھ کر بال بچوں سمیت عنبر سے لپٹ گئی۔ بے چارہ عنبر انسانی جذبے کی خاطر اور اس خیال سے کہ چھوٹے بچوں کا دل نہ ٹوٹ جائے وہ ان کا باپ بن کر وہیں رہ گیا۔

ناگ اور کیٹی اسے دلّی کے قریب کمہاروں کے ایک گاؤں میں خانم کمہاری کے بال بچوں کے پاس چھوڑ کر آگے چلے گئے تھے۔ عنبر اس گاؤں میں ایک شریف کمہار بن کر وقت گزارنے لگا۔ جنگل میں جاکر مٹی کھودتا۔ گدھوں پہ لاد کر گھر لاتا، اسے گوندتا اور پھر اپنی بیوی خانم کے ساتھ مل کر چاک گھما کر اس پہ لوٹے، گھڑے اور صراحیاں بناتا۔ اس کی بیوی بڑی خوش تھی کہ اس کا خاوند واپس اس کے پاس گھر آگیا ہے اور بچے بھی خوش تھے کہ انہیں ان کا باپ مل گیا ہے۔ صرف عنبر اداس تھا کیونکہ وہ ناگ، ماریا اور کیٹی سے جُدا ہو گیا تھا۔

اسے کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کب تک اسی طرح زندگی بسر کرے گا اور کب تک لوٹے، صراحیاں بناتا رہے گا۔ دن بھر وہ کام کرتا اور ہفتے میں دو بار شام کو شہر دلّی میں جا کر مٹی کے برتن بڑے دکاندار کے ہاں بیچ آتا۔

اسی طرح کافی دن گزر گئے۔ ان ہی دنوں دلّی میں ایک انگریز آکر گورنر لگا۔ اس کا نام فریزر تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس کی شہرت بڑی بدنام ہو گئی۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ وہ بڑا بدمعاش اور لفنگا انگریز ہے اور کسی کی عزت کو عزت نہیں جانتا۔ لوگوں کے گھروں میں زبردستی گھس کر ان کی لڑکیاں اغوا کر کے لے جاتا ہے اور چونکہ وہ گورنر بہادر ہے اس لئے کسی کی جرأت نہیں کہ اس پر ہاتھ ڈالے۔ گھوڑے پر سوار ہو کر شہر اور اردگرد کے گاؤں میں گشت کرتا تھا۔ جو عورت پسند آجاتی اسے اٹھا کر لے جاتا اور پھر اس عورت کی کوئی خبر نہ ملتی۔ لوگ بادشاہ کے پاس قلعے میں شکایت لے کر جاتے تو وہ شرم کے مارے سر جھکا لیتا۔ کیونکہ وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اسے تو ایک کھلونے کی طرح انگریزوں نے تخت پر بٹھا رکھا تھا۔ دلّی میں اصل حکومت گورنر فریزر کرتا تھا۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ایک شام عنبر مٹی کے برتن بیچنے دلّی آیا۔ برتن بیچ کر پیسے کھیسے میں ڈال کر گدھے پر سوار واپس گاؤں پہنچا تو وہاں اس کے دونوں بچے رو رہے تھے۔ گاؤں کے دوسرے لوگ پریشان بیٹھے تھے۔ عنبر نے پوچھا۔ "کیا بات ہو گئی ہے۔ میرے بچے

کیوں رو رہے ہیں؟"

گاؤں کے بوڑھے نے آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو پونچھ کر کہا۔ "شرفو بیٹا! تیری جانی (بیوی) کو فریزر بہادر اٹھا کر لے گیا ہے۔"

اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ عنبر کو سخت طیش آیا۔ اگرچہ خانم کمہارن اس کی اصلی بیوی نہیں تھی۔ پھر بھی عنبر اس کی بے حد عزت کرتا تھا۔ اس نے اپنے بچوں کو چپ کرا کر تسلی دی اور گاؤں کے چوہدری سے کہا۔ "چاچا! میں اپنی بیوی کو گورنر سے واپس لینے جا رہا ہوں۔"

گاؤں کا چوہدری اور دوسرے لوگ اس کے پاؤں پڑنے لگے۔

"شرفو! خدا کے لئے اپنی جوانی اور چھوٹے چھوٹے بچوں پر رحم کر۔ انگریز گورنر بہادر سے کون ٹکر لے سکتا ہے۔ وہ تو کھڑے کھڑے کھال کھنچوا دیتا ہے۔ شرفو مت جا!"

عنبر نے کہا۔ "چاچا! میرے بچوں کا خیال رکھنا میں اپنی بیوی خانم اور اپنے بچوں کی ماں کو واپس لے کر آؤں گا بلکہ گورنر بہادر اسے خود یہاں چھوڑنے آئے گا اور میرے بچوں سے معافی مانگے گا۔

گاؤں کے لوگ تو ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ سمجھ گئے
کہ بیوی کے غم میں شرفو کا دماغ پھر گیا ہے۔ اس کے
بعد انہوں نے عنبر سے کچھ نہ کہا اور وہ شاموں شام ہی
واپس شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ شہر تک پہنچتے پہنچتے رات
ہو گئی۔ اور دلی شہر کے گلی محلوں میں چراغ جل اٹھے
تھے۔ عنبر نے سوچا کہ رات کسی جگہ آرام کیا جانا چاہئے۔
پھر خیال آیا کہ جو کرنا ہے راتوں رات ہی کرنا چاہئے۔ جس
آدمی کو شہر میں عنبر مٹی کے برتن دیتا تھا، اسی کے گھر
آ گیا۔ اس نے پوچھا:

"شرفو میاں خیریت تو ہے تم پھر آ گئے گاؤں سے؟"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا: "یار! یہ بتاؤ کہ یہ جو
فرنگی فریزر ہے اس سے ملاقات کہاں ہو سکتی ہے۔"

دکاندار نے اوپر سے نیچے تک شرفو کو دیکھا۔ کہاں ایک
کمہار اور کہاں دلی کا بلکہ آدھے ہندوستان کا مالک گورنر فریزر!
ضرور شرفو کا دماغ چل گیا ہے۔ ہنس دیا اور بولا۔

"تم تھکے ہوئے لگتے ہو شرفو! تم آرام کرو۔ میں تمہارے
لئے گرم گرم دودھ لاتا ہوں۔"

عنبر نے کہا۔ "بھائی سلام دین میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم
مجھے صرف یہ بتا دو کہ گورنر بہادر فریزر کا مکان کہاں ہے؟"

سلام دین سر کھجانے لگا۔

"شرفو میاں! میں تو کبھی ادھر نہیں گیا۔ مگر سنا ہے
کہ ہمایوں کے مقبرے میں اس نے اپنا گھر بنا رکھا ہے۔"

عنبر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اچھا تو سلام دین بھائی!
کل ملیں گے۔ خدا حافظ!"

سلام دین عنبر کو پکڑتا ہی رہ گیا کہ پاگل ہو گیا ہے،
مارا جائے گا۔ مگر عنبر رکنے والے دن پیدا ہی نہیں ہوا
تھا۔ وہ اس کے گھر سے نکل کر سیدھا ہمایوں کے مقبرے
کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان دنوں اکّے چلا کرتے تھے جن
کے آگے مریل گھوڑے جتے ہوتے تھے۔ عنبر ایک اکّے
پر بیٹھ گیا اور مقبرہ ہمایوں کے باہر جا کر اتر گیا۔ یہاں
رات کے اندھیرے میں مقبرے کے اندر روشنیاں جگمگا رہی
تھیں۔ باہر ہندوستانی سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر
نے ایک دکاندار سے جو کڑوا تیل اور دال بیچتا تھا، معلوم
کیا کہ "گورنر بہادر مقبرے کے اندر ہی ہیں کیا؟" دکاندار نے
بھی سر سے پاؤں تک عنبر کو دیکھا اور ہنس کر کہا۔

"جاؤ میاں کسی پاگل خانے میں جا کر داخل ہو جاؤ۔
میرا سر کیوں کھانے آ گئے ہو۔"

عنبر کو سخت غصہ آیا کہ یہ شہر اس قدر بے غیرت ہو

گیا ہے کہ کسی کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ
ظالم کے گریبان میں بھی ہاتھ ڈالا جا سکتا ہے۔ ہر کوئی
گورنر کا نام سن کر حیران پریشان ہو رہا ہے۔

عنبر نے کہا۔ "بھائی میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں
کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ گورنر فریزر اپنے مکان میں ہے؟
یہیں مقبرے میں رہتا ہے نا وہ؟"

دکاندار نے منہ پر انگلی رکھ کر کہا۔

"بھائی کیوں میری جان لوگے۔ مجھے توپ دم کرواؤ
گے۔ ادب سے نام لو گورنر بہادر کا۔ میاں بہتر یہی ہے
کہ یہاں سے چلتے بنو۔ جاؤ۔ اپنا کام کرو۔"

عنبر نے دکاندار کی گردن کو پکڑ کر ذرا سا، معمولی سا
جھٹکا دیا اور وہ تڑپ کر دور جا گرا۔ عنبر نے اسے
جھنجھوڑ کر کہا۔

"تمہاری غیرت کہاں چلی گئی ہے؟ تم لوگوں نے
گورنر کو خدا جانے کیا سمجھ رکھا ہے۔ اسی لئے وہ تمہارے
گھروں میں گھس کر تمہیں ذلیل کرتا ہے۔ بتاؤ وہ کہاں ہے؟"

دکاندار کی گھگھی بند گئی تھی سمجھ گیا کہ کسی پاگل خانے
سے بھاگے ہوئے پاگل سے واسطہ پڑ گیا ہے۔ ہاتھ باندھ
کر بولا۔

"گورنر بہادر پارٹی پر لال قلعے کے سامنے والے بنگلے
میں گئے ہیں۔"

"ایسے بکو ناں۔"

عنبر نے اسے چھوڑ دیا اور وہیں سے اکے پر بیٹھ
کر واپس قلعے کی طرف چلا۔ قلعے کے سامنے ایک سرسبز
گھاس کا میدان تھا جو اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ لیکن
اس میدان میں ایک جانب بڑا خوبصورت اِک منزلہ انگریزی
فیشن کا بنگلہ بنا ہوا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہی
گورنر بہادر فریزر کا دفتر اور اس کا مکان ہے اور آج
وہاں اس نے اپنے انگریز دوستوں کو جمع کرکے پارٹی دے
رکھی ہے۔ عنبر جب گورنر فریزر کے بنگلے کے قریب پہنچا
تو دیکھا کہ اندر بڑی رنگا رنگ بتیاں جل رہی ہیں۔
عورتوں اور مردوں کے قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ بیرے
شربت اور کافی پیش کر رہے تھے۔ انہوں نے سفید وردیاں
پہن رکھی تھیں۔ عنبر راستے سے ہٹ گیا۔ پیچھے سے دو
گھوڑوں والی بگھی آ رہی تھی۔ جونہی بگھی عنبر کے قریب
سے گذری عنبر چھلانگ لگا کر بگھی کے پیچھے سائیس کی سیٹ
پر کھڑا ہو گیا۔ جب بگھی گورنر کے بڑے دروازے میں
سے نکل کر بنگلے کے برآمدے کے پہلو میں نیم کے درختوں

ہیں سے گزری تو عنبر نے درختوں میں چھلانگ لگا دی۔
بگھی آگے جا کر رک گئی اور اس میں سے دو انگریز عورتیں
پرانے زمانے کے بڑے بڑے پھولے ہوئے گھگھرے پہنے باہر
نکلیں اور چھوٹے چھوٹے سفید چینی پنکھوں سے چہروں کو
ہوا دیتی بنگلے میں داخل ہو گئیں۔ عنبر ایک خاص موقع
کا انتظار کرنے لگا۔

وہ درختوں میں چھپا ہوا تھا۔

آخر جو وہ چاہتا تھا ہونے لگا۔ ایک بیرہ سفید
وردی پہنے بڑا جھومتا جھامتا طشت ہاتھ میں لئے باہر چلا
آ رہا تھا۔ شاید وہ کسی کو تلاش کر رہا تھا۔ جب وہ
عنبر کے قریب سے گزرا تو عنبر نے بڑے آرام سے اسے
گردن سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اس کے ہاتھ سے طشت
گرتے گرتے بچا۔ وہ عنبر کی طرف غور سے دیکھ کر بولا۔

"کون ہو تم بدتمیز؟"

عنبر مسکرایا۔ "ابھی اپنا پورا تعارف کرواتا ہوں بیٹا"
اور عنبر نے اس کی گردن کو پکڑ کر دو انگلیوں سے
اس کی ایک رگ اس طریقے سے دبائی کہ وہ بے ہوش ہو کر
گر پڑا۔ عنبر اسے گھسیٹ کر درختوں کے نیچے جہاں اندھیرا
تھا لے گیا اور اس کے کپڑے اتار کر خود پہن لئے۔ وہ

پورا بیرا بن گیا۔ اس نے طشت ہاتھ میں اٹھایا اور سیڑھیاں
چڑھ کر برآمدے میں سے ہوتا ہوا ہال کمرے میں داخل
ہو گیا۔ ہال روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ سارے کے
سارے مہمان لال لال چہروں والے انگریز تھے۔ ان میں
گوری گوری میمیں یعنی انگریز عورتیں بھی تھیں۔ دعوت ہو
رہی تھی۔ لوگ کھا پی رہے تھے۔ ہنسی مذاق کر رہے
تھے۔ عنبر جیسے کئی بیرے طشت لئے اِدھر اُدھر گھوم پھر
کر مہمانوں کو کھانے پینے کی چیزیں دے رہے تھے۔ ایک
لمبی میز پہ پھل، مٹھائیاں اور کبابوں کے تھال سجے ہوئے
تھے۔ شربت کی بوتلیں بھی تھیں۔ عنبر نے اپنے طشت میں
پھل، مٹھائیاں اور شربت کے گلاس رکھے اور انگریز مہمانوں
میں چل پھر کر خاطر مدارات کرنے میں لگ گیا۔

مگر اس کی تیز نگاہیں گورنر فریزر کو تلاش کر رہی
تھیں۔ اس نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ ایک
ہندوستانی بیرے سے اس نے پوچھا۔

"کیوں میاں! گورنر بہادر کون ہے یہاں؟"

بیرے نے چونک کر عنبر کو دیکھا اور کہا۔

"گنوار معلوم ہوتے ہو۔ کیا آگرہ سے آئے ہو؟ میاں
گورنر وہ بیٹھا ہے سامنے کمخواب کے کاؤچ پر۔"

عنبر نے دیکھا۔ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی جس کے گال اندر کو دھنسے ہوئے تھے اور آنکھوں میں حلقے تھے۔ دبلا پتلا جسم تھا۔ بڑی شاندار وردی پہنے ٹانگیں قالین پر پھیلائے کاؤچ پر بیٹھا مزے سے انگور کھا رہا تھا اور ہنس ہنس کر انگریز عورتوں سے باتیں کر رہا تھا۔ عنبر نے اس کی شکل غور سے دیکھ لی اور کام میں لگ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ اس بدمعاش گورنر بہادر نے اس کی بیوی خانم کو اپنے گھر کے کسی کمرے میں بند کر رکھا ہوگا۔ گورنر اسی بنگلے میں رہتا تھا۔ عنبر نے گھوم پھر کر مکان کا جائزہ لینا شروع کیا۔

بنگلے کے کئی کمرے تھے۔ عنبر ایک طرف گیا تو وہاں ایک ہندوستانی عورت پہرہ دے رہی تھی۔ عنبر نے اس سے مسکرا کر بات کی اور اسے کھانے کو مٹھائی اور پھل دیئے۔ پھر باتوں ہی باتوں میں اس سے پوچھا کہ وہ وہاں کیوں کھڑی ہے۔

عورت نے کہا۔ "گورنر بہادر کا زنان خانہ اندر ہے میں یہاں پہرہ دے رہی ہوں۔"

عنبر نے کہا۔ "بڑی خوش قسمت ہو بی بی جو انگریز عورتوں میں رہتی ہو۔ گوری گوری میمیں روز دیکھتی ہو۔"

عورت نے منہ بنا کر کہا:

"ارے میاں! یہاں تو گوری میمیں دو ایک ہی ہیں۔ باقی تو سب کالی کلوٹی ہندوستانی عورتیں ہیں جنہیں انگریز گورنر بہادر نے گھر میں ڈال رکھا ہے۔"

عنبر بولا:

"اچھا —— مگر میں نے تو سنا ہے کہ گورنر بہادر جس عورت کو گھر میں ڈالتا ہے وہ بڑی خوبصورت ہوتی ہے۔"

عورت کہنے لگی:

"خوبصورت عورت تو بس ایک کہارنی ہے، جسے گورنر بہادر آج ہی لائے ہیں۔ کیا کہوں۔ بس چاند کا ٹکڑا ہے۔"

عنبر سمجھ گیا کہ وہ اسی کی بیوی کی بات کر رہی ہے۔ کہنے لگا:

"کیا وہ بھی اسی زنان خانے میں ہے؟"

"ارے کہاں۔ جب گورنر بہادر کسی نئی عورت کو پکڑ کر لاتا ہے تو اسے بنگلے کے پچھواڑے قید خانے میں کچھ دن رکھتا ہے۔ وہاں تو مرد پہرہ دیتے ہیں ——

ہاں — لاؤ تھوڑی سی مٹھائی اور کھلاؤ۔"

"لو بڑی بی اور کھاؤ۔"

اور عنبر نے مٹھائی کا تھال بڑی بی کے آگے کر دیا۔ دل میں سوچ رہا تھا کہ بنگلے کے پچھواڑے والے کمرے میں کیسے جایا جائے۔

○

عنبر انگوٹھی میں اتر گیا

پارٹی کی رونق خوب زوروں پر تھی۔

عنبر موقع نکال کر بنگلے کے پیچھے آ گیا۔ یہاں درختوں کے نیچے کچھ پکی کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کوٹھڑی کے باہر دو انگریز گورے پہرہ دے رہے تھے۔ عنبر بلا جھجھک مٹھائیوں کا تھال لئے ان کے پاس چلا گیا۔

"صاحب بہادر! مٹھائی کھائے گا؟"

"او ویل ادھر لاؤ کالا آدمی۔ ہم مٹھائی شوق سے کھاتا۔"

عنبر نے تھال ان کے سامنے رکھ دیا۔ دونوں گوروں نے اپنی اپنی بندوقیں زمین پہ رکھ دیں اور مزے لے لے کر گلاب جامن کھانے لگے۔ یہ ان کی زندگیوں کے آخری گلاب جامن تھے۔ کیونکہ اس کے بعد ان کا اس دنیا سے دانہ پانی اٹھنے والا تھا۔ عنبر نے دونوں بندوقیں اٹھا کر جلدی سے پرے پھینک دیں۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا

تھا کہ کسی قسم کا شور پیدا ہو۔ گورے ایک دم ہوشیار
ہو گئے۔ انہوں نے عنبر کو وہیں دبوچ لیا۔ یہی عنبر کی
سکیم تھی کہ وہ دونوں اکٹھے اس کے قریب آ جائیں۔
جب وہ عنبر کے اوپر آ گئے تو عنبر نے بڑے آرام سے
ان کی گردنوں کو دبانا شروع کر دیا۔ گوروں نے بہت ہاتھ
پاؤں مارے کہ کسی طرح عنبر کے چنگل سے نکل جائیں
مگر بھلا ان میں اتنی طاقت کہاں تھی کہ عنبر کی گرفت
سے نکل سکتے۔ ان کی آنکھیں باہر کو آنے لگیں۔ چہرے
اور زیادہ سرخ ہو گئے۔ منہ کھل گئے اور پھر وہ دونوں
دم گھٹنے سے مر گئے۔

عنبر نے ان کی لاشوں کو بھی گھسیٹ کر درختوں کے
نیچے ڈال دیا اور قید خانے کی کوٹھڑی میں جھانک کر
دیکھا۔ اندھیرے میں اسے اپنی بیوی خانم کونے میں سر
جھکائے بیٹھی نظر آئی۔

عنبر نے کہا: "خانم! گھبراؤ نہیں۔ میں ابھی تمہیں
آزاد کرا کر اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"شرفو! میرے سرتاج!" اس کی بیوی نے چیخ کر کہا۔

"بس کچھ دیر خاموش بیٹھی رہو۔ میں ابھی واپس آ رہا ہوں۔"

عنبر صرف یہی دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کی بیوی خیریت سے

ہے کہ نہیں۔ اصل میں اس نے کچھ اور ہی سکیم سوچ رکھی تھی
عنبر واپس اس ہال کمرے میں آ گیا۔ جہاں گورنر بہادر اپنے
انگریز دوستوں اور گوری گوری عورتوں کے ساتھ بیٹھا ہنسی مذاق
میں مشغول تھا۔ اس کے دائیں جانب ایک بڑی خوبصورت گول
مٹول گھنگھریالے بالوں والی ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ عنبر کو ایک
ہندوستانی بیرے نے بتایا کہ یہ گورنر کی لڑکی ایلس ہے۔

یہ سن کر عنبر واپس بنگلے کے پچھواڑے آ گیا۔ اس نے
قید خانے کی کوٹھڑی کا دروازہ توڑا اور اپنی بیوی خانم کو
نکال کر ایک گھوڑے پہ بٹھا کر کہا۔

"خانم بی بی! سیدھی اپنے گاؤں پہنچو اور گھر میں جا کر
بیٹھ رہو اور میرا انتظار کرو۔"

خانم نے عنبر کا بازو پکڑ کر کہا۔

"شرفو! تم کہاں جا رہے ہو۔ خدا کے لئے تم بھی
میرے ساتھ چلو۔"

عنبر نے کہا۔ "خانم! میں نے تمہیں تو آزاد کرا لیا ہے۔ اب
میں گورنر سے انتقام لینے جا رہا ہوں۔ تم گاؤں پہنچو۔"

اور عنبر نے گھوڑے کو زور سے ہاتھ مارا۔ گھوڑا خانم کو
لے کر بگٹٹ دوڑنے لگا۔ عنبر کو معلوم تھا کہ خانم کو نہ صرف
گھر کا راستہ آتا ہے بلکہ وہ گھوڑ سواری بھی کر لیتی ہے۔ اس

زمانے میں تقریباً ہر عورت گھوڑے کی سواری کر لیا کرتی تھی کیونکہ اس زمانے میں یہی ایک سواری ہوا کرتی تھی۔

عنبر ایک بار پھر ہال کمرے میں آ گیا۔ اب پارٹی ختم ہو رہی تھی اور مہمان گورنر بہادر سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں سب مہمان چلے گئے۔ اب وہاں صرف گورنر بہادر، اس کی بیٹی اور کچھ انگریز فوجی رہ گئے۔ جنہوں نے تلواریں اور پرانے زمانے کے پستول لٹکا رکھے تھے۔ وہ گورنر بہادر کے پاس کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ بیرے چیزوں کو سمیٹ رہے تھے۔ گورنر کی بیٹی ایک میز کے پاس کھڑی تھال میں سے کباب اٹھا کر چکھ رہی تھی۔

وہ انگریز فوجی افسر بھی چلے گئے اور گورنر بہادر اپنی بیٹی کو لے کر اپنی رہائش گاہ کی طرف بڑھا۔ عنبر اسی وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے تھال میز پر رکھ کر اپنی ٹوپی اتار کر پرے پھینک دی اور گورنر بہادر بدمعاش فرنگی فرنیڈ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ گورنر حیران ہوا کہ اس کالے ہندوستانی کی یہ ہمت کہ میرے راستے میں آ کر کھڑا ہو۔

اس نے کڑک کر کہا۔ "تم کون ہو؟"

عنبر نے بڑے سکون سے کہا۔ "تمہاری موت۔"

گورنر نے تلوار نکال لی اور عنبر پر ایک بھرپور ہاتھ مارا۔

عنبر اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ تلوار اس کی پیشانی پر لگی اور آدھی ٹوٹ کر نیچے گر پڑی۔ گورنر نے پہلے اپنی ٹوٹی ہوئی تلوار کو اور پھر عنبر کے سر کو دیکھا۔ اس کی بیٹی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ چیخ کی آواز سن کر ہندوستانی بیرے ادھر کچھ انگریز پہرے دار ادھر کو بھاگے۔ گورنر نے پستول نکال کر عنبر پر دو فائر کئے۔ پستول میں صرف دو ہی فائر بھرے ہوئے تھے۔ دونوں فائروں کی گولیاں عنبر کے چہرے پر لگیں اور پھر اڑ کر دور جا گرے اور عنبر کو کچھ نہ ہوا اور وہ اپنی جگہ پر بڑے سکون کے ساتھ کھڑا رہا۔

گورنر اور دوسرے فوجی حیران ہو کر عنبر کو دیکھ رہے تھے۔ گورنر نے چیخ کر کہا۔

"اس کالے سؤر کو گرفتار کر کے پھانسی پر لٹکا دو۔"

چار انگریز گورے سپاہی سنگینیں نکال کر عنبر کی طرف بڑھے انہوں نے عنبر کو گرفتار کرنے کی کوشش کی تو عنبر نے ان کی سنگینیں چھین کر توڑ کر پھینک دیں اور پھر باری باری ان سب کو گردنوں سے پکڑ کر اتنی زور اور غصے کے ساتھ اوپر کو اچھالا کہ وہ اوپر چھت سے جا کر ٹکرائے اور ایک دھماکے کے ساتھ نیچے گرے اور ان کی ہڈی پسلی ایک ہو گئی اور وہ فرش سے پھر نہ اٹھ سکے۔

گورنر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کوئی انسان ہے یا
جادوگر۔ عنبر نے آگے بڑھ کر سہمی ہوئی گورنر کی بیٹی کو
بازو سے پکڑا۔ وہ چیخیں مارنے لگی۔ عنبر اسے کھینچتا ہوا باہر
لے جانے لگا تو گورنر اس پر ٹوٹ پڑا۔ عنبر نے ایک ہاتھ سے
اسے ایسا دھکا دیا کہ گورنر چھ میزوں سے ٹکراتا ہوا، ساتویں
میز کے ساتھ الٹ کر آٹھویں میز کے نیچے جا گھسا۔

عنبر نے گرج کر کہا۔ "سنو بدمعاش انگریز گورنر! تم
نے میری بیوی خانم کو اس کے گھر سے اغوا کیا تھا۔ میں
تمہاری بیٹی کو تمہارے گھر سے اغوا کر کے لئے جا رہا ہوں۔
اگر ہمت ہے تو اپنی ساری فوج سے کہو کہ مجھے پکڑے۔"

عنبر نے انگریز گورنر کی بیٹی کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور
باہر آ گیا۔ باہر کئی گھوڑے کھڑے تھے۔ عنبر پر وہاں جتنے
فوجی تھے انہوں نے تلواروں اور گولیوں سے حملہ کر دیا۔
عنبر نے گورنر کی بیٹی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"مجھے کچھ نہیں ہو گا۔ تم نے دیکھ لیا ہے۔ لیکن تمہاری
گولیوں اور تلواروں سے گورنر کی بیٹی ہلاک ہو جائے گی۔"

گورنر گرتا پڑتا کپڑے جھاڑتا برآمدے میں آ کر یہ سب
کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر فوجیوں سے کہا۔
"رک جاؤ۔ حملہ مت کرو۔"

عنبر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ گورنر کی بیہوش بیٹی کو
اس نے گھوڑے پر اپنے آگے ڈال لیا اور بلند آواز میں گورنر سے کہا:

"سنو انگریز بدمعاش! میرا نام شرفو ہے اور میں دلی
سے باہر کمہاروں کی بستی میں رہتا ہوں۔ وہاں آ کر میری
بیوی کے پاؤں پڑ کر سب کے سامنے معافی مانگنا اور اپنی
بیٹی لے جانا۔"

اور اس کے ساتھ ہی عنبر نے گھوڑے کو زور سے ایڑی
ماری۔ گھوڑا اچھلا۔ دونوں ٹانگیں اوپر کر کے ہنہنایا اور پھر
ایک طرف کو دوڑ پڑا۔ گورنر اور دوسرے فوجی ہکا بکا
کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ ایک فوجی نے آگے بڑھ کر حکم دیا
کہ ڈاکو کا پیچھا کر کے اسے گرفتار کیا جائے۔ گورنر نے
ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا۔ دوسرے فوجی نے
مشورہ دیا کہ کمہاروں کی بستی کو گولا باری کر کے تباہ کر دیا جائے۔

گورنر نے کہا۔ "میری بیٹی کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہے۔"

گورنر سوچ میں پڑ گیا۔ پھر اس نے گھوڑا منگوایا۔ اس پر
نئی تلوار لگا کر سوار ہوا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ میرے
پیچھے پیچھے رہیں اور گھوڑے کو دوڑاتا ہوا کمہاروں کی بستی
کی طرف روانہ ہو گیا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔
کہ عنبر انگریز گورنر کی بیٹی ایلس کو لے کر اپنے گھر میں داخل

ہوا۔ اس کی بیوی خانم پہلے ہی وہاں پہنچ چکی تھی۔ وہ
بچوں کو لئے چارپائی پر لیٹی اپنے خاوند کا انتظار کر رہی تھی
عنبر کے ساتھ ایک انگریز لڑکی کو دیکھ کر اس نے حیران ہو کر
پوچھا۔ "یہ کون ہے شرفو؟"

"گورنر کی بیٹی۔"

"اسے کیوں لے آئے ہو؟"

"تمہارے اغوا کا بدلہ لینے کے لئے۔"

ایلس بے ہوش تھی۔ اسے چارپائی پر ڈال دیا گیا۔
اسے ہوش آیا تو اس نے شور مچانا شروع کر دیا۔ سارا
گاؤں جاگ پڑا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ شرفو یعنی عنبر گورنر
بہادر کی لڑکی کو اٹھا لایا ہے تو وہ تھر تھر کانپنے لگے۔

"اب اس گاؤں کی خیر نہیں۔ ہم سب پھانسی پر لٹکا
دیئے جائیں گے۔"

عنبر نے کہا: "گھبراؤ نہیں بھائیو۔ یہ سب کچھ میں
تمہارے گاؤں کی اور تمہاری عزت بحال کرنے کے لئے کیا ہے۔
گورنر خود تم سب سے آکر معافی مانگے گا۔"

بھلا اس بات پر کون اعتبار کر سکتا تھا۔ گورنر کی چاروں
دہشت پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے ظلم سے سبھی کانپتے تھے۔ ان
میں سپاہیوں نے گاؤں کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔

دیہاتی اپنے اپنے گھروں میں گھس گئے۔ گورنر گھوڑے پر سوار شرفو
یعنی عنبر کے مکان کے سامنے آکر رک گیا اور عنبر کو آواز دی۔

"میری بیٹی کو میرے حوالے کردو۔ نہیں تو میں گاؤں کی
اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔"

عنبر باہر آگیا۔ کہنے لگا۔ "بدمعاش آدمی! تم جانتے ہو کہ
تمہاری بیٹی میرے پاس ہے اور میں مر نہیں سکتا۔ اگر تم نے
گاؤں کو تباہ کیا تو میں تمہاری بیٹی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

گورنر نے کہا۔ "تم کیا چاہتے ہو؟"

عنبر بولا۔ "میری بیوی اور سارے گاؤں والوں سے اپنے
گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ سے وعدہ کرو کہ تم خلقِ خدا
کو تنگ نہیں کرو گے۔"

گورنر گھوڑے سے اتر پڑا۔ قدم قدم چلتا عنبر کے پاس
آیا۔ اندر سے اس کی بیٹی نے چیخ مار کر کہا۔ "ڈیڈی!"

گورنر نے جوش میں آکر تلوار کھینچ لی اور دروازے کی طرف
بڑھا۔ عنبر نے اسے کلائی سے پکڑ کر اوپر اچھال دیا۔ انگریز گورنر
ہوا میں اچھلا اور اس کا سر درخت کی ٹہنیوں سے ٹکرایا اور
نیچے گرا۔ اتنی طاقت گورنر نے کبھی کسی انسان میں نہیں دیکھی
تھی۔ ہوشیار اور مکار آدمی تھا۔ سمجھ گیا کہ وہ طاقت کے ساتھ
عنبر کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ زمین پر سے وردی جھاڑتا ہوا

اٹھا اور عنبر سے کہنے لگا۔

"میں تمہاری بیوی اور گاؤں والوں سے معافی مانگتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔"

عنبر نے بلند آواز سے سارے گاؤں والوں کو بلا لیا اور کہا۔ "سنو بھائیو! تمہارا انگریز گورنر کیا کہہ رہا ہے۔ ہاں اے گورنر بہادر! کہو۔ پھر کہو۔"

گورنر نے کہا۔ "میں تمہاری بیوی سے معافی مانگتا ہوں۔ سارے گاؤں والوں سے معافی مانگتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ سے ایسی حرکت نہیں ہو گی۔ بس!"

گاؤں والے اس کایا پلٹ پر ششدر تھے۔ کہاں ظالم انگریز گورنر اور کہاں وہ غریب کمہاروں کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا سب سے معافی مانگ رہا تھا۔ عنبر نے کہا۔

"بھائیو! تمہاری تسلی ہو گئی ہے کیا؟"

سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ "ہاں شرفو! ہماری تسلی ہو گئی۔"

عنبر نے گورنر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اب تم اپنی بیٹی کو لے جا سکتے ہو۔"

عنبر نے گورنر کی بیٹی ایلس اس کے حوالے کی اور کہا۔

"اپنا وعدہ یاد رکھنا اور رعایا کو تنگ نہ کرنا۔ نہیں

تو میں اسی گاؤں میں تمہاری خبر لینے کے لئے موجود ہوں گا۔"

انگریز گورنر نے کھا جانے والی نظروں سے عنبر کو دیکھا۔ مگر وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کو گھوڑے پر بٹھایا اور وہاں سے نکل گیا۔ گورنر کے جاتے ہی گاؤں کے آدمیوں نے عنبر کو گھیر لیا۔ وہ اس کی بہادری کی تعریف کرنے لگے۔ بڑے بوڑھوں نے کہا کہ شرفو کی اب خیر نہیں۔ انگریز بہادر اسے قتل کروا دے گا۔ شرفو کو یہاں سے کہیں باہر چلے جانا چاہئے۔ مگر عنبر نے کسی کی بات پر دھیان نہ دیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ انگریز گورنر کی پوری فوج بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔

وقت گزرتا گیا۔ عنبر کی بیوی بوڑھی ہوتی چلی گئی۔ بچے جوان ہوتے گئے مگر عنبر ویسے کا ویسا ہی رہا۔ اس کی بیوی اور گاؤں والے بھی حیران تھے کہ عنبر اسی طرح جوان کا جوان کیسے ہے؟ آخر اس کی بیوی بوڑھی ہو کر فوت ہو گئی۔ عنبر نے جن بچوں کو پال پوس کر بڑے کرنے کا عہد کیا تھا۔ وہ اب بڑے ہو گئے تھے۔ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے تھے۔ اور خود کما کر کھاتے تھے۔ اب انہیں عنبر کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ ایک لڑکی کی عنبر نے برادری میں شادی کر دی اور بڑا لڑکا دولت کمانے دوسرے ملک چلا گیا۔ عنبر آزاد تھا۔

اب وہ ماریا، ناگ اور کیٹی کی تلاش میں ان سے ملنے
کے لئے روانہ ہو سکتا تھا۔ یہ زمانہ ۱۸۵۷ء کا تھا۔ یعنی
دلّی میں غدر شروع ہونے ہی والا تھا اور قلعے کے تخت
پر مغل خاندان کا آخری بوڑھا اور کمزور بادشاہ بہادر شاہ
ظفر بیٹھا تھا اور پھر ایک دن دلّی شہر میں لوٹ مار اور
قتل شروع ہو گیا۔ لوگوں نے انگریزوں کو چُن چُن کر
مارنا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے شہر کے دروازے بند کر دینے
کا حکم دے دیا۔ مگر جو انگریز بچ کر قلعے میں پہنچ گئے پہنچ
گئے۔ باقی راستے میں ہی مار دیئے گئے۔ عنبر ابھی تک
شہر میں تھا۔

وہ ایک دن پرانی مسجد میں سے نکل کر شہر کی طرف
جا رہا تھا۔ جولائی کا مہینہ تھا۔ آسمان پر بادل چھا رہے تھے۔
دن کا وقت تھا۔ شہر کے مکان بالکل سامنے تھے کہ ایک
بنگلے میں سے نکل کر ایک انگریز عورت بھاگتی ہوئی اس کی
طرف آئی اور بولی۔ "مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ۔"

اس کے پیچھے چھ سات ہندو تلواریں اٹھائے دوڑے آ
رہے تھے۔ عنبر نے اس عورت کو اپنے پیچھے کر لیا اور ہندوؤں
سے کہا۔ "اس کی ناحق جان نہ لو۔ یہ عورت ہے۔ اس
پر رحم کرو۔"

ایک ہندو بولا۔ "ارے رامو! اس کو بھی مار ڈال رے۔"
اور رامو تلوار لئے عنبر کی طرف بڑھا۔ تھوڑی ہی دیر
بعد وہاں تین ہندوؤں کی لاشیں پڑی تھیں اور باقی بھاگ
گئے تھے۔ عنبر نے انگریز عورت سے پوچھا کہ وہ کہاں جانا
چاہتی ہے۔ اس نے کہا:

"میرے گھر کے سارے لوگ قلعے میں پناہ لے چکے ہیں۔
پلیز مجھے بھی وہاں چھوڑ آؤ۔ نہیں تو شہر کے لوگ میری
تکا بوٹی کر دیں گے۔"

عنبر نے کہا۔ "فکر نہ کرو بہن۔ میں تمہیں قلعے میں
پہنچا دوں گا۔"

قریب ہی دھوبیوں کے کچھ مکان تھے۔ جن کے باہر
دھوبی گھاٹ بنی ہوئی تھی۔ عنبر کو معلوم تھا کہ اس انگریز
عورت کو اگر وہ اکیلا اس حالت میں لے کر قلعے کی طرف
گیا تو راستے میں کئی بار ان پر حملہ ہوگا اور کہیں ایسا
نہ ہو کہ انگریز عورت اس کی بے خبری میں ہلاک کر دی
جائے۔ وہ انگریز عورت کو لے کر ایک دھوبی کے مکان
میں آ گیا۔ یہ ایک مسلمان دھوبی کا مکان تھا۔ عنبر نے
یہاں انگریز عورت کو ولایتی کپڑے اتار کر دھوبنوں کے کپڑے
پہنائے۔ اس کے بازوؤں، چہرے اور گردن پر کالک مل کر
ہندوستانی عورتوں کی طرح اس کا رنگ کالا کر دیا اور پھر

اسے لے کر قلعے کی طرف بڑھا۔

راستے میں غنڈوں کے چھ سات جتھے لوٹ مار اور قتل و غارت کرتے اسے ملے۔ کسی نے عنبر اور کالی دھوبن کی طرف دھیان نہ دیا۔ وہ تو صرف انگریزوں کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ انگریز عورت کالی دھوبن کے روپ میں اندر سے خوف کے مارے کانپ رہی تھی۔ قلعہ جب تھوڑی دور رہ گئے تو ایک گلی کے موڑ پر چند پوربی ہندو کھڑے تھے۔ تلواریں ان کی ڈھالوں میں لگی تھیں اور پوریاں کھا رہے تھے۔ دھوبن کو دیکھ کر ایک پوربی ہنس کر بولا۔

"ارے یہ تیری جورو جا رہی ہے رے کلو!"

وہ دھوبن کے پاس آ گئے اور اس سے مذاق کرنے لگے۔

عنبر نے کہا۔ یہ میری ہمسائی ہے۔ میں اسے اس کے گھر چھوڑنے جا رہا ہوں۔ اسے تنگ نہ کرو۔"

پوربی قہقہے لگانے لگے اور عنبر سے مذاق شروع کر دیا۔

"ارے تو کون ہے رے سانسی کی اولاد؟"

کسی نے عنبر کا کرتا کھینچا۔ کسی نے اسے دھکا دے دیا۔ باقی انگریز عورت پر ٹوٹ پڑے۔ عورت کے منہ سے انگریزی میں نکل گیا۔ "ہیلپ۔ ہیلپ می۔"

پوربی چونکے۔ "ارے! یہ تو فرنگن ہے۔"

اور پھر انہوں نے انگریز عورت کے منہ پر ہاتھ پھیرا

تو کالک اتر گئی۔ عنبر انگریز عورت کے آگے آ گیا۔ پوربی عنبر کو ہلاک کرنے کے لئے آگے بڑھے تو عنبر نے ان کو باری باری گریبانوں سے پکڑ کر پیچھے کو ایسے زور سے دھکے دیئے کہ ان کے سر دیواروں سے ٹکرا کر پھٹ گئے۔ دو پوربی عنبر کی زبردست طاقت سے ڈر کر بھاگ گئے۔ ایک تلوار کھینچ کر عنبر کی طرف آیا۔ عنبر کے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا۔ اس نے تلوار ماری۔ عنبر نے وار ہاتھ پر روکا۔ پھر تلوار کو پکڑ کر اپنی طرف جھٹکا دیا تو پوربی کا سر سامنے والی دیوار کے ساتھ ایسا جا کر لگا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ انگریز عورت عنبر کی طاقت پر حیران ہو رہی تھی۔ عنبر نے اسے ساتھ لیا اور وہاں سے بھاگا۔ اسے خطرہ تھا کہ کہیں اس عورت پر کوئی دور سے نیزہ نہ پھینک دے۔ وہ عورت کو لے کر قلعے میں داخل ہو گیا اور بولا۔

"اب تم محفوظ ہو۔ یہاں تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ میں یہاں سے واپس جا رہا ہوں۔"

انگریز عورت نے اپنی ایک انگوٹھی اتار کر عنبر کو دیتے ہوئے کہا:

"میرے بھائی! تم نے میری جان اور میری عزت بچائی ہے۔ یہ میری طرف سے میری نشانی قبول کرو۔ یہ تمہیں میری یاد دلایا کرے گی۔"

عنبر نے انگوٹھی لے کر انگلی میں پہن لی۔ انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس میں سرخ رنگ کا عقیق جڑا ہوا تھا۔

انگریز عورت نے کہا۔ "یہ انگوٹھی مجھے کوہ ہمالیہ کے ایک درویش نے دی تھی۔ چاندنی رات میں اگر تم اس انگوٹھی کے نگینے کو ہاتھ سے رگڑ کر دیکھوگے تو تمہیں اس میں سے بہت کچھ نظر آئے گا۔ اچھا خدا حافظ!!"

اور انگریز عورت قلعے کے اندر چلی گئی۔

عنبر نے انگوٹھی کو غور سے دیکھا اور پھر قلعے کی ڈیوڑھی سے نکل کر دریا کی طرف جانے والی سڑک پر روانہ ہو گیا۔ دریا پر آکر اسے دور کمہاروں کا وہ گاؤں نظر آیا۔ جہاں کچھ عرصہ پہلے اس کی بیوی خانم اپنے بچوں کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ اور جس کی خوشی اور جس کے بچوں کے مستقبل کے لئے عنبر نے وہاں بارہ پندرہ سال بسر کئے تھے۔ دریا کے گھاٹ پر کشتی دریا پار جانے کے لئے کھڑی تھی۔ عنبر بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گیا۔ دریا کے پار جا کر عنبر ایک پرانے مقبرے کی بارہ دری میں بیٹھ گیا۔ اور ناگ، ماریا اور کیٹی کے بارے میں سوچنے لگا۔ کہ وہ کہاں ہوں گے۔ اس کا خیال تھا کہ ناگ اور کیٹی ابھی تک ملک ہندوستان میں ہی ہوں گے۔ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ وہ اس سے ڈھائی ہزار سال پیچھے ملک بابل

میں پہنچ کر ماریا کو آزاد کرانے کے بعد گھوڑوں پر سوار کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہے ہیں۔

عنبر اپنے خیالوں میں ایسا گم ہوا کہ اسے پتہ ہی نہ چلا اور شام کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا۔ اس نے شہر کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا کہ کہیں کہیں آگ لگ رہی تھی۔ شہر میں غدر مچا ہوا تھا۔ اس غدر یا جنگ آزادی میں سینکڑوں لوگ مارے گئے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا تاریخی واقعہ تھا۔ عنبر نے شام کے ہلکے اندھیرے میں چھ سات گھوڑ سواروں کو دریا کے ساتھ ساتھ شہر کی طرف گھوڑے دوڑا کر جاتے دیکھا۔ عنبر نے اس طرف کوئی خاص دھیان نہ دیا۔ اس کا ذہن ناگ، ماریا اور کیٹی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اسی طرح رات ہو گئی۔ شہر کی طرف سے آگ کے شعلے صاف نظر آنے لگے۔ آسمان پر تھوڑی دیر کے بعد چاند نکل آیا۔ اور اس کی چاندنی آہستہ آہستہ کھیتوں، دریا اور میدانوں پر پھیلنے لگی۔

اچانک عنبر کو خیال آیا کہ انگریز عورت نے اسے جو انگوٹھی دی تھی اس کے بارے میں کہا تھا کہ چاندنی رات میں اگر وہ اسے ہاتھ سے رگڑے گا تو اسے اس کے اندر بہت کچھ نظر آئے گا۔ عنبر نے سوچا کہ اس انگوٹھی کے نگینے میں کیا نظر آ سکتا ہے؟ کیا اسے ماریا اور ناگ نظر آ سکتے ہیں؟

یہ سوچ کر عنبر نے انگوٹھی والی انگلی اوپر اٹھا کر اس کے
نگینے کو غور سے دیکھا۔ چاندنی میں سرخ نگینہ چمک رہا تھا۔
عنبر نے دوسرے ہاتھ سے اسے زور زور سے رگڑا اور پھر
آنکھیں نگینے پر لگا دیں کہ خدا جانے اسے اس میں سے کیا
نظر آتا ہے۔ مگر نگینہ اسی طرح چمک رہا تھا۔ اسے کچھ بھی
نہ نظر آیا۔ عنبر نے خیال کیا کہ اس عورت نے ضرور اس
کے ساتھ مذاق کیا ہے۔ اس کے باوجود عنبر نے ایک بار پھر
انگوٹھی کے نگینے کو ہاتھ سے رگڑ کر پھونک مار کر دیکھا
تو اسے کچھ دھندلے دھندلے سائے سے نظر آئے۔ وہ ہوشیار
ہو کر بیٹھ گیا۔ اور اس نے جھک کر بڑی توجہ سے آنکھیں
نگینے پر گاڑ دیں۔ نگینے میں جو سائے دکھائی دے رہے تھے
وہ بڑے دھندلے تھے اور انسانی سائے تھے۔ انہوں نے لمبے
کوٹ پہن رکھے تھے اور چھتریاں کھول رکھی تھیں۔ عنبر نے
اور زیادہ نظر لگا کر دیکھا کہ وہ ایک بازار کا منظر تھا جہاں
بارش ہو رہی تھی اور لوگ چھتریاں لگائے تیز تیز گزر رہے
تھے۔ سردی کی وجہ سے انہوں نے گرم ہیٹ اور گلے کے گرد
مفلر پیٹے ہوئے تھے۔ عنبر کو یہ انیسویں صدی کا انگلینڈ
لگ رہا تھا۔ وہ ناگ اور ماریا کے ساتھ ایک بار انیسویں
صدی کے انگلستان میں سے گزر چکا تھا۔
اس کی نظریں انگوٹھی کے نگینے پر لگی تھیں۔ سائے دھندلے

ہی تھے۔ اچانک فلم کی طرح سین بدل گیا۔ اب ایک کمرہ تھا
جو کسی سائنس دان کی لیبارٹری لگتی تھی۔ الماریوں میں شیشے کی
نازک بوتلیں لگی تھیں۔ سفید سنگِ مرمر کی لمبی میز پر سپرٹ لیمپ
جل رہا تھا جس کے اوپر شیشے کے مرتبان میں کوئی سبز رنگ
کی دوا ابل رہی تھی۔ اس دوائی کی بھاپ شیشے کی مختلف
نلکیوں میں سے گزرتی ہوئی آگے جا کر ایک چھوٹے سے شیشے
کے گلاس میں پانی کے قطرے بن کر ٹپک رہی تھی۔ عنبر غور
سے دیکھنے لگا۔ ایک آدمی لیبارٹری میں داخل ہوا۔ اس نے سفید
لمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔ ہاتھ میں کتاب کھلی تھی۔ وہ اسے دیکھ بھی رہا
تھا۔ پروفیسر کا سر سفید بالوں والا تھا اور وہ بوڑھا آدمی لگتا تھا۔
کتاب کو دیکھ کر اس نے کوئی دوائی شیشے کے مرتبان میں ڈالی اور
پھر کتاب بند کر کے شیشے کے گلاس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا جس
میں دوائی کا عرق قطرہ قطرہ گر رہا تھا۔ جب گلاس آدھا ہو گیا
تو اس نے سپرٹ لیمپ بجھا دیا۔ دوا کا عرق بننا بند ہو گیا۔
جو عرق شیشے کے گلاس میں پڑا تھا وہ اس نے غٹا غٹ پی لیا
اور دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر باہر نکل گیا۔ اس کے بعد
منظر پھر بدل گیا اور بارش میں ایک سنسان سی گلی نظر آئی۔
رات کا وقت۔ گلی کے کونے میں دور گیس کا ایک لیمپ روشن
ہے۔ جس کی روشنی دس قدم سے آگے نہیں جا رہی۔ ایک
عورت پاگلوں کی طرح بھاگتی ہوئی آ رہی ہے۔ وہ پیچھے دیکھ

کہ چیخ مارتی ہے اور دوسری گلی کے اندھیرے میں غائب ہوجاتی ہے ۔ عنبر نظر لگا کر غور سے تکنے لگا کہ اس کے پیچھے کون لگا ہوا تھا ۔ جس سے ڈر کر وہ چیختی چلاتی بھاگتی چلی آ رہی تھی ۔ گلی کے کونے کے گیس لیمپ کے کھمبے کے پیچھے اندھیرے میں سے ایک عجیب وغریب شے باہر نکلتی ہے ۔ پھر اچانک انگوٹھی کے نگینے پر ایسی لہریں آنا شروع ہوگئیں جیسی کبھی کبھار ہمارے ٹیلی ویژن سکرین پر آجاتی ہیں اور تصویر صاف دکھائی نہیں دیتی عنبر نے انگوٹھی کو ایک بار پھر رگڑا ۔ مگر لائنیں اسی طرح آ رہی تھیں ۔ عنبر نے جھنجلا کر کہا ۔

"کم از کم مجھے یہ تو دکھا دے کہ وہ عجیب وغریب شے کیا تھی ؟"

اتنا کہنا تھا کہ عنبر کی آنکھیں اپنے آپ بند ہوگئیں ۔ اسے ایک اس قسم کا جھٹکا لگا جیسے کسی نے اسے اٹھا کر اوپر پھینک دیا ہو ۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی بہت کوشش کی مگر نہ کھول سکا ۔ آنکھوں کے پپوٹے آپس میں جڑ گئے تھے اور کھلتے ہی نہیں تھے ۔ پھر عنبر کو محسوس ہوا کہ وہ نیچے آ رہا ہے جیسے کوئی ہوا باز پیراشوٹ کے ذریعے نیچے اتر رہا ہو ۔ پھر عنبر کو سردی کا احساس ہونے لگا ۔ عنبر کے پاؤں زمین کے ساتھ لگ گئے اور اس کی آنکھیں اپنے آپ کھل گئیں ۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ اسی کھمبے کے پاس کھڑا ہے ۔ جس کے اوپر گیس کا لیمپ

جل رہا ہے اور جس کے پیچھے سے ابھی ابھی ایک پُراسرار شے نکلی تھی ۔ یا خدا یہ کیا کرامات ہے ؟ عنبر نے سوچا ۔ اس انگریز عورت کی انگوٹھی نے کمال کر دیا تھا ۔ عنبر ۱۸۵۷ء کے ہندوستان سے نکل کر فضاؤں میں اڑتا ہوا آن کی آن میں ۱۸۵۰ء کے انگلستان کے شہر لندن کی سرد، ویران، پراسرار اور خونی گلیوں میں آگیا تھا ۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی ۔ اس نے ارد گرد دیکھا ۔ وہ عجیب وغریب چیز کہیں نظر نہ آئی ۔ عنبر اس طرف چلا جدھر ایک عورت چیختی چلاتی ہوئی بھاگ کر گئی تھی ۔

O

وہ عجیب وغریب مخلوق کون تھی جو عنبر کو انگوٹھی میں دکھائی دی تھی ؟

عنبر کی ناگ، ماریا اور کیٹی سے کیسے ملاقات ہوئی ؟

ناگ، ماریا اور کیٹی ملک بابل سے نکل کر کس مشکل میں پھنسے ؟ اور عنبر کے ساتھ انیسویں صدی کے پُراسرار خطرناک لندن میں کیا گزری ؟ یہ آپ اگلی قسط دیوی روشنک کے اژدھا میں پڑھئے گا ۔ آج ہی اپنے قریبی بکسٹال سے طلب کریں ۔

دیوی دشت کے اژدھا

اے حمید

نیا مکتبہ اقرأ
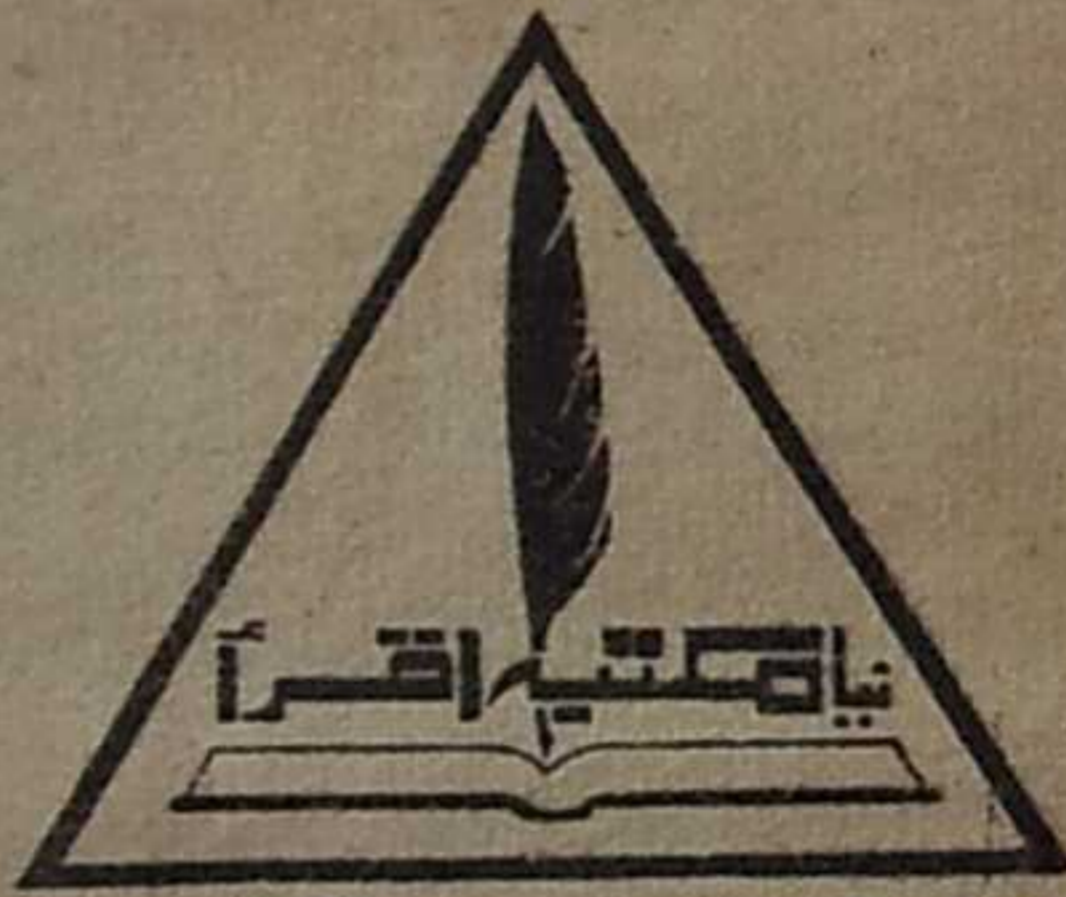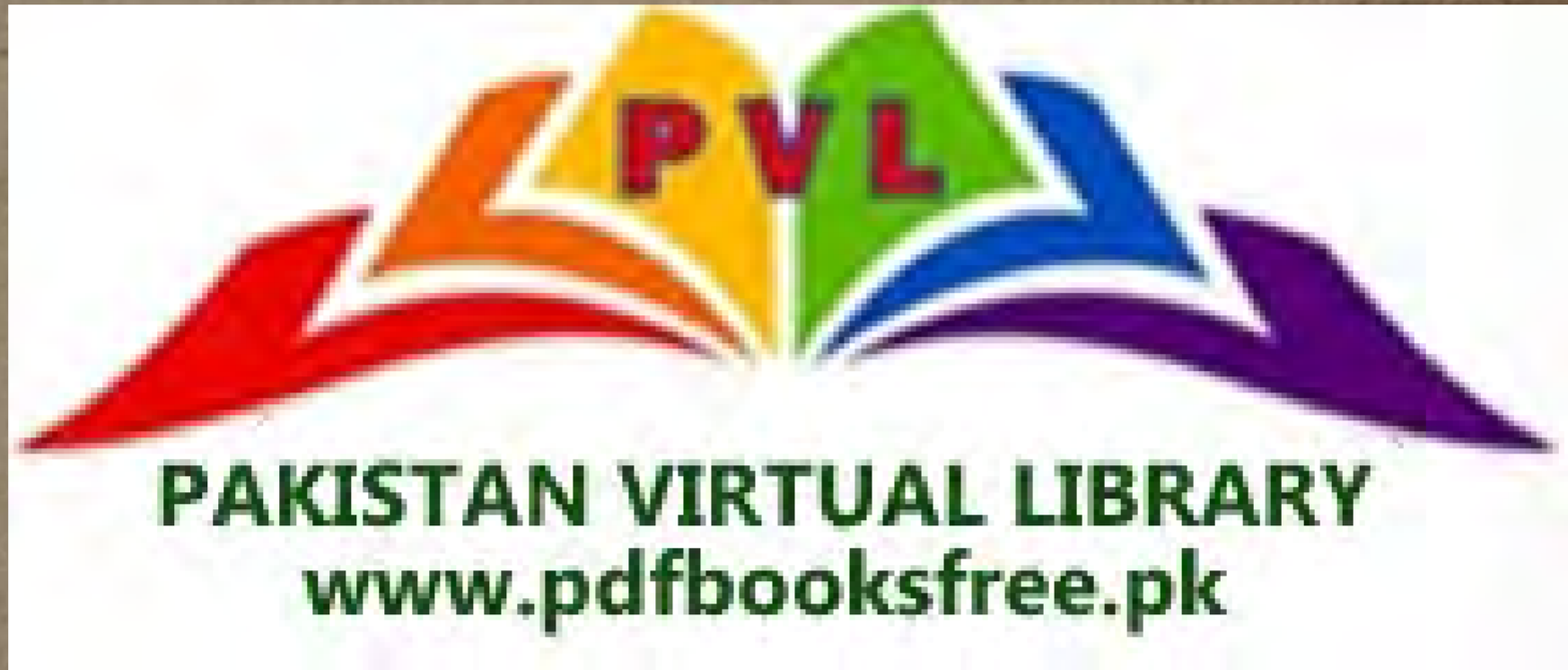
ناگ، ماریا اور عنبر کی واپسی

کے پانچ ہزار سالہ سفر کی سنسنی خیز داستان

دیوی روشنک کے اژدہا

اے حمید

قیمت: ۷/۵۰ روپے

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں
بار اول ـــــ ۱۹۸۳ء
ناشر: نیا مکتبہ اقرا، ۱۳ بی شاہ عالم مارکیٹ لاہور
طابع: الفرید پرنٹرز، لاہور

پیارے دوستو!

عنبر نے انگوٹھی کے نگینے میں داخل ہونے کے بعد آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ اسی پُراسرار نیم روشن دھندلی گلی میں ہے جو اس نے نگینے کی سکرین پر دیکھی تھی۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ دھند پھیلی ہوئی تھی۔ سردی بہت زیادہ تھی اور رات کی تاریکی میں گلی ویران اور سنسان تھی۔ عنبر نے اس گلی میں ایک عورت کو چیخ مار کر بھاگتے دیکھا تھا اور پھر ایک پراسرار عجیب شے کو اس عورت کا پیچھا کرتے دیکھا تھا۔ وہ ان کی تلاش میں آگے چلا تو ایک پل آگیا جس کے نیچے نالہ بہہ رہا تھا۔ عنبر نالے میں اُتر گیا۔ آگے اندھیرے میں ایک چھوٹا سا فٹ پاتھ نظر آیا۔ اس کے بعد عنبر کو کیا دکھائی دیا۔ وہ پُراسرار سایہ اور عجیب و غریب شکل والا سایہ کس کا تھا؟ وہ عورت کون تھی جو چیخ مار کر دھندلی سرد ویران گلی میں بھاگ کر گم ہو گئی تھی۔؟ آپ جلدی سے ورق الٹ کر پڑھنا شروع کریں سب راز آپ کو معلوم ہو جائے گا۔

آپ کا دوست

اے حمید

ترتیب

دُھندلی گلی، پُراسرار پاؤں

عنبر کچھ دور تک گلی میں گیا۔

آگے ایک چھوٹا سا پل آگیا جس کے نیچے ایک برساتی نالہ بہہ رہا تھا۔ ہلکی بوندا باندی اور سردیوں کی دھند میں پُل ویران تھا۔ عنبر کو یہاں نہ وہ لڑکی نظر آئی جو اسے انگوٹھی کے نگینے میں چیخ مار کر بھاگتی دکھائی دی تھی اور نہ وہ پُراسرار عجیب سی شئے ہی نظر آئی جو اس لڑکی کا پیچھا کر رہی تھی۔ یہ سارا خوف ناک منظر اس نے اپنی چاندی کی انگوٹھی کے سرخ نگینے میں اسے چاندنی رات میں رگڑنے کے بعد دیکھا تھا۔ یہ انگوٹھی اسے اس انگریز عورت نے دی تھی جسے عنبر نے ۱۸۵۷ء کے غدر کے زمانے میں بلوہ کرنے والوں سے بچایا تھا۔ انگریز عورت نے کہا تھا کہ چاندنی رات میں اس انگوٹھی کو ہاتھ سے رگڑنا پھر تمہیں اس میں عجیب منظر دکھائی دیں گے جب چاند نکلا تو عنبر نے اس خیال سے انگوٹھی کے نگینے کو رگڑا کہ شاید اس میں سے ناگ ماریا اور کیٹی نظر آجائیں لیکن اس کی

بجائے اس نے انیسویں صدی کے لندن کی ایک ہلکی بارش اور دھند میں ڈوبی ہوئی ٹھنڈی اور ویران گلی دیکھی۔ گلی کے کونے میں کھمبے پر گیس کا لیمپ روشن تھا۔ پھر اس نے ایک لیبارٹری دیکھی جس میں سفید بالوں والا ایک ادھیڑ عمر کا سائنس دان شیشے کے مرتبانوں اور صراحیوں کے پاس کھڑا کتاب میں سے کچھ پڑھ کر سپرٹ لیمپ کے اوپر اُبلتے سبز رنگ کے سیال میں دوائی کے چند قطرے ٹپکا رہا تھا۔ پھر اس سائنس دان نے ایک چھوٹے گلاس میں گرتی قطرہ قطرہ دوائی کو پی لیا اور دونوں ہاتھ اپنے چہرے پر رکھ کر لیبارٹری سے نکل گیا۔

انگوٹھی پر منظر ایک بار ٹیلی ویژن کی طرح پھر بدلا اور عنبر نے پھر وہی سرد ویران گلی دیکھی کھمبے والے گیس لیمپ کے نیچے دھند اور بارش میں ایک انگریز لڑکی پرانے زمانے کے لباس میں چیخ مار کر بھاگتی ہوئی گذر گئی۔ اس کے بعد ایک عجیب سا پُراسرار آدمی جس کی شکل پوری طرح نظر نہیں آ رہی تھی اس کے پیچھے بھاگا۔ عنبر حیران تھا کہ انیسویں صدی کے لندن کا منظر اس کی انگوٹھی کے نگینے میں کیسے آ گیا۔ اس نے دل میں کہا کہ کاش مجھے معلوم ہو سکتا کہ یہ عجیب و غریب شے جو لڑکی کا تعاقب کر رہی تھی کون تھی؟

اسی وقت عنبر کی آنکھیں اپنے آپ بند ہو گئیں۔ اس نے آنکھیں کھولنے کی لاکھ کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا پھر جیسے کسی نے اسے زمین پر سے ہوا میں اچھال دیا اور جب وہ دوبارا زمین پر واپس آیا تو اس کی آنکھیں اپنے آپ کھل گئیں اور اس نے دیکھا کہ وہ اسی گلی میں کھڑا ہے جو اسے انگوٹھی کے نگینے میں نظر آئی تھی۔ سمجھ گیا کہ وہ انیسویں صدی کے لندن میں آ گیا ہے۔ وہ گلی میں اس طرف گیا جدھر پہلے لڑکی اور اس کے بعد پُراسرار آدمی گیا تھا۔ مگر آگے جا کر اسے دونوں میں سے کوئی دکھائی نہ دیا۔

عنبر پل پر جا کر نیچے نالے میں دیکھنے لگا۔ نالے میں کھمبے والے گیس کے لیمپ کی روشنی پڑ رہی تھی اور بارش کا پانی بہہ رہا تھا۔ ہلکی بارش کی آواز میں سردیوں کی وہ رات بے حد سنسان اور دہشت ناک لگ رہی تھی۔ عنبر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں جائے اور کیا کرے اگرچہ اسے سردی نہیں لگ رہی تھی۔ پھر بھی سرد رات کی بارش میں ویران گلی کے پُل پر وہ کب تک کھڑا رہ سکتا تھا۔ دور اسے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی اور پھر وہی بھیانک خاموشی چھا گئی جس میں ہلکی بارش کی آواز کے سوا اور کوئی آواز نہیں تھی۔ اچانک یوں لگا جیسے کوئی شے نیچے برساتی

نالے کے پانی میں گری ہو۔

عنبر نے جھک کر نیچے دیکھا پھر وہ پل کی ڈھلان سے اُتر کر نالے کے کنارے آ گیا۔ یہاں کیچڑ میں انسانی پاؤں کے نشان بنے تھے جو نالے کے فٹ پاتھ کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ عنبر ان کے سراغ میں آگے بڑھا۔ برساتی نالہ پل کے نیچے سے گذر کر آگے ایک پختہ سڑک اور محلے کے مکانوں کے نیچے آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ پتھروں کا ایک فٹ پاتھ بنا ہوا تھا۔ چھت زیادہ اونچی نہیں تھی اور عنبر کو جھک کر چلنا پڑ رہا تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد عنبر نے غور سے دیکھا کہ انسانی پاؤں کے نشان ایک تنگ راستے کی طرف مڑ گئے تھے۔ یہ راستہ برساتی نالے سے الگ ہو کر آگے ایک چھوٹے محرابی دروازے تک جا کر بند ہو گیا تھا۔ انسانی پاؤں کے نشان بھی یہاں آ کر ختم ہو گئے تھے۔ صاف لگتا تھا کہ کوئی انسان یہاں سے اندر چلا گیا ہے۔

عنبر زمین پر بیٹھ گیا اور یہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگا کہ انسانی پاؤں کے نشان کس قسم کے ہیں۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ چھ انگلیوں والے ننگے پاؤں کے نشان تھے۔ پاؤں کے نشان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ کسی انسان کے پیر نہیں ہیں بلکہ کسی انسان نما جانور کے پاؤں کے نشان ہیں۔ دونوں

پاؤں کی چھ چھ انگلیاں تھیں۔ عنبر ابھی غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک کسی عورت کی چیخ بلند ہوئی۔

چیخ کی آواز مکان کے اندر کسی بند کمرے سے نکلتی محسوس ہوئی تھی۔ عنبر نے دروازے کو ذرا سا دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ اندر تاریکی تھی۔ مگر عنبر کو اس تاریکی میں بھی ڈیوڑھی میں بائیں جانب سیڑھیاں نیچے اترتی نظر آئیں۔ وہ جلدی جلدی سیڑھیاں اُتر کر نیچے ایک ٹھنڈے برآمدے میں آ گیا۔ یہاں دیوار میں ایک کھڑکی میں سے روشنی آ رہی تھی۔ عنبر لپک کر اس کھڑکی کے پاس گیا اور پردہ ذرا سا ہٹا کر اندر دیکھا۔

اندر ایک سجا سجایا چھوٹا سا کمرہ تھا۔ پلنگ بچھا تھا۔ ایک خوب صورت جوان لڑکی قالین پر بے ہوش پڑی تھی اور ایک سیاہ بالوں والا وحشی گوریلا ہاتھ میں چمڑے کا ہنٹر لیے آہستہ آہستہ خرخر کرتے اسے گھما رہا تھا۔ پھر اس نے ہنٹر زور سے بے ہوش عورت کے جسم پر مارا۔ عورت کے منہ سے ایک ہلکی سی آہ کی آواز نکلی۔ گوریلا اچھل کر پرے ہٹ گیا اور دوسری بار پھر ہنٹر مارا۔ عورت کو ہوش آ گیا۔ وہ چیخ مار کر اٹھی اور کمرے میں پلنگ کے پیچھے جا کر چھپ گئی۔ گوریلا بھی اب چیخنے اور چلانے لگا۔ عنبر نے

دیکھا کہ کھڑکی میں لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔ اس نے زور
سے سلاخوں پر ہاتھ مارا۔ ایک سلاخ ٹوٹ کر کمرے میں گر
پڑی۔ گوریلے نے پلٹ کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ عنبر نے
دوسرا ہاتھ مار کر باقی سلاخیں بھی توڑ ڈالیں اور کھڑکی میں سے
کود کر اندر کمرے میں چھلانگ لگا دی۔

گوریلا ہنٹر لے کر اس کی طرف بڑھا۔ اس کی سرخ
آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ اس نے عنبر پر حملہ کر دیا۔
عنبر نے ہنٹر کو پکڑ کر گوریلے کو زور سے ایک جھٹکا دیا۔
گوریلا لڑھکنیاں کھاتا گرا اور دیوار سے جا ٹکرایا۔ عنبر آگے
بڑھا تو گوریلا چیخ مار کر کمرے کے پچھلے دروازے سے باہر
نکل گیا۔ عنبر دروازے کی طرف بھاگا۔ وہاں آگے سیڑھیاں
تھیں۔ یہ پتھر کی پرانی سیڑھیاں تھیں۔ عنبر انہیں پھلانگتا ہوا
اوپر گیا۔ یہاں بھی ایک کھڑکی تھی۔ اس نے جھانک کر
دیکھا۔ نیچے وہی برساتی نالہ بہہ رہا تھا اور بارش ہو رہی
تھی۔ عنبر نے اندھیرے میں دیکھا کہ گوریلا نالے کے پانی
میں سے شڑاپ شڑاپ گذر کر دوسری طرف سڑک کے
اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

عنبر واپس کمرے میں مظلوم لڑکی کے پاس آگیا۔
یہ خوب صورت لڑکی بستر پر بے سُدھ پڑی تھی۔ اس کا

لباس پھٹا ہوا تھا اور جسم پر کوڑے کے نشان تھے۔ اس
کے بال بکھرے ہوئے تھے اور خوف اور درد کے مارے
اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ وہ عنبر کو دیکھ کر حیران
ہو رہی تھی کہ وہ وہاں کیسے آگیا۔ عنبر نے اسے تسلّی دی۔
جگ میں سے پانی نکال کر پلایا اور پلنگ پر آرام سے
ٹیک لگوا کر بٹھا دیا۔ پھر اس سے پوچھا کہ یہ گوریلا کہاں
سے آگیا تھا؟ لڑکی کی آنکھوں میں آنسو تھے کہنے لگی:

"میں دو مہینوں سے یہاں قید ہوں۔ اس گوریلے نے
مجھے یہاں قید کر رکھا ہے۔ یہ ہر رات آدھی رات
کے بعد آتا ہے اور مجھے کوڑوں سے مار کر چلا
جاتا ہے۔"

عنبر نے پوچھا:

"کیا تمہارے ماں باپ نہیں ہیں؟"

لڑکی نے کہا:

"میں ایک یتیم لڑکی ہوں۔ میرا نام مارتھا ہے۔ میرا
اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ میں ڈاکٹر والڈن کی
لیبارٹری میں کام کرتی تھی۔ ایک رات میں ڈاکٹر کے
کہنے پر دیر تک کام کرتی رہی۔ میں ایک ہوسٹل
میں رہتی تھی۔ آدھی رات کو جب میں لیبارٹری سے

نکل کر ہوسٹل کی طرف جا رہی تھی تو ایک سنسان
گلی میں اچانک ایک طرف سے اس گوریلے نے
نکل کر مجھے دبوچ لیا۔ میں بے ہوش ہو گئی۔ جب
ہوش آیا تو اس کمرے میں قید تھی۔ تب سے لے
کر اب تک یہ دکھ جھیل رہی ہوں۔"

اور لڑکی مارتھا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی:

عنبر نے کہا:

"مارتھا! گھبراؤ نہیں۔ تمہاری مصیبت کے دن کٹ
گئے ہیں۔ اب وہ گوریلا تمہیں تنگ نہیں کریگا۔
تم میرے ساتھ چلو۔"

لڑکی نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"نہیں نہیں خدا کے لیے مجھے یہاں سے نہ نکالو۔ وہ
بڑا طاقتور ہے۔ وہ تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

عنبر نے کہا:

"یہ سب کچھ میں دیکھ لوں گا۔ تم میرے ساتھ یہاں
سے چلو۔"

عنبر نے لڑکی کو اٹھا کر کھڑکی میں سے باہر نکالا اور
برساتی نالے کے نٹ پاتھ پر سے ہو کر گلی والے پل پر
آ گیا۔ اس نے لڑکی کے کندھوں پر گرم کوٹ ڈال دیا تھا۔

پھر بھی وہ سردی سے ٹھٹھر رہی تھی۔ عنبر نہیں جانتا تھا کہ
وہ اس لڑکی کو کہاں لے کر جائے۔ کیونکہ وہ خود اس
شہر میں اکیلا اور اجنبی تھا۔

اُس نے لڑکی سے پوچھا:

"مارتھا! کیا اس شہر میں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں
تم آج کی رات بسر کر سکو؟"

مارتھا بولی:

"ہاں — یہاں سے تھوڑی دور اولڈ فورٹ کے
علاقے میں میری ایک سہیلی اپنے فلیٹ میں
اکیلی رہتی ہے۔ میں اس کے پاس جا سکتی ہوں۔"

پھر وہ گھبرا کر بولی:

"لیکن مجھے اکیلا نہ چھوڑنا۔ وہ گوریلا وہاں بھی آ جائیگا۔"

عنبر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا:

"گھبراؤ نہیں میری بہن! میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔"

اتنے میں ایک گھوڑا گاڑی بارش اور دھند میں کلوپ کلوپ
کی آواز کے ساتھ آئی۔

عنبر نے اسے آواز دے کر روک لیا:

"اولڈ فورٹ!"

اور وہ مارتھا کے ساتھ گھوڑا گاڑی کے بند کیبن میں بیٹھ

گیا۔ کیبن گرم تھا۔ عنبر نے مارتھا سے پوچھا کہ اس کے پاس
کرایہ دینے کے لیے پیسے ہوں گے؟
اُس نے کہا:
"ہاں — میرے بٹوے میں ایک پونڈ ہے۔"
مارتھا کوچوان کو راستہ بتاتی گئی۔ آخر گھوڑا گاڑی ایک پرانی
قسم کی ڈھلانی چھت والی دو منزلہ عمارت کے آگے جا کر
رُک گئی۔ کوچوان کو کرایہ ادا کر کے مارتھا نے عنبر کو ساتھ
لیا اور بلڈنگ کی دوسری منزل پر کمرہ نمبر سات میں آکر
دستک دی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ دستک کی آواز کے
ساتھ اندر کسی نے موم بتی روشن کی اور پھر دروازہ کھلا اور
ایک سنہری بالوں والی لڑکی سونے کے لباس میں نمودار ہوئی۔
مارتھا اس سے لپٹ گئی۔
"مریانہ!"
یہ مارتھا کی اس سہیلی کا نام تھا۔
"مارتھا! میرے خدا! تم اتنے دن کہاں غائب تھیں؟
یہ تمہارا کیا حال ہو گیا ہے؟"
عنبر نے کہا:
"مریانہ بہن! مارتھا کو اس وقت آرام کی ضرورت
ہے۔ صبح بات ہو گی۔ اور ہاں — میں اس کمرے کے

صوفے پہ سو جاؤں گا۔"
"او کے۔"
اور مریانہ، مارتھا کو بیڈ روم میں لے گئی۔ اس نے اس
کے کپڑے تبدیل کیے۔ گرم گرم دودھ پلایا۔ کوڑے کے
نشانوں پر مرہم لگایا اور حیران ہوئی کہ مارتھا کا یہ حال کیسے
ہو گیا۔ مارتھا کا درد، تھکن، خوف اور کمزوری سے بُرا حال
ہو رہا تھا۔ وہ گرم بستر پر گرتے ہی سو گئی۔ مریانہ نے اس کے
اوپر لحاف دے دیا اور ڈرائنگ روم میں آکر عنبر سے پوچھا:
"آپ کون ہیں اور مارتھا کو کہاں سے لائے ہیں؟"
عنبر نے سارا واقعہ بیان کیا۔ مریانہ دنگ رہ گئی کہ کیا
شہر میں کوئی گوریلا بھی آدھی رات کو لڑکیوں کو اغوا کر سکتا
ہے؟ عنبر نے کہا:
"یہ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے میڈم!"
مریانہ نے عنبر سے پوچھا:
"آپ انڈین ہیں کیا؟"
عنبر نے کہا:
"نہیں۔ میں مصر کا رہنے والا ہوں اور یہاں لندن
میں — لندن میں نوکری کر کے روزی کمانے آیا
ہوا ہوں مگر ابھی تک کہیں کام نہیں ملا۔ رات

کو گھوم رہا تھا کہ یہ واقعہ پیش آ گیا۔"

مریانہ نے کہا:

"آپ آرام کریں۔ صبح پولیس کو اطلاع دی جائے گی۔"

دوسرے روز مارتھا کو وکٹوریہ ہسپتال میں داخل کر دیا گیا۔ پولیس کو خبر کر دی گئی۔ اخباروں میں اس کی اور عنبر کی تصویریں چھپ گئیں۔ لیباٹری کا ڈاکٹر والڈن جس کے پاس مارتھا ملازم تھی ہسپتال مارتھا کی خبر لینے آیا۔ اسے دیکھتے ہی عنبر نے فوراً پہچان لیا۔ یہ وہی سفید بالوں والا ادھیڑ عمر کا ڈاکٹر تھا جس کو عنبر نے اپنی انگوٹھی کے نگینے میں دیکھا تھا کہ لیباٹری میں کسی کتاب کو کھولے دوا کے قطرے شیشے کی صراحی میں ٹپکا رہا ہے اور پھر سبز دوائی کا گلاس پی کر باہر نکل رہا ہے۔ عنبر نے کوئی خیال نہ کیا۔ کیوں کہ وہ انگوٹھی میں کسی کو بھی دیکھ سکتا تھا۔ ڈاکٹر والڈن اپنے ساتھ پھولوں کا گلدستہ لایا تھا۔ اس نے مارتھا کا بڑی شفقت سے ماتھا چوما اور کہا:

"میری پیاری بچی! تمہارے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے۔ مجھے اس کا بے حد دکھ ہے۔ فکر نہ کرو۔ پولیس اس گوریلے کی تلاش میں ہے جو شاید چڑیا گھر سے نکل بھاگا تھا۔"

عنبر نے کہا:

"مگر ڈاکٹر یہ گوریلا تو ہر رات مارتھا کو آ کر مارتا تھا۔"

ڈاکٹر نے گہری نظروں سے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

"یہی بات تو سمجھ میں نہیں آتی۔ بیٹا تم کون ہو؟"

مارتھا نے آہستہ سے کہا:

"ڈاکٹر! ان کا نام عنبر ہے۔ انہوں نے ہی مجھے اس ظالم گوریلے سے نجات دلائی ہے۔"

"اوہ آئی سی!" ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا:

"پھر تو تم بہت بہادر نوجوان ہو۔ کیا تم ہسپانوی ہو؟"

"نہیں سر!" عنبر بولا۔ "میں مصر کا رہنے والا ہوں۔"

ڈاکٹر نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"تم ایک بہادر نوجوان ہو۔"

پھر اس نے ہسپتال کے ڈاکٹر سے جو وہیں کھڑا تھا کہا:

"ڈاکٹر جوزف! کیا خیال ہے مارتھا کب تک اپنی ڈیوٹی پر واپس جا سکے گی؟"

ڈاکٹر جوزف بولا:

"میرا خیال ہے اسے ایک ہفتہ مکمل آرام کی ضرورت ہے۔"

مارتھا بولی:

"ڈاکٹر والڈن ! مجھے ڈر لگتا ہے. کہیں وہ گوریلا مجھے
پھر نہ اٹھا کر لے جائے."
ڈاکٹر والڈن مسکرایا اور مارتھا کے گال تھپتھپا کر بولا:
"میری پیاری بچی ! ہم اس گوریلے کو پکڑ کر ہلاک کر
چکے ہوں گے۔ تم کوئی فکر نہ کرو۔ سکاٹ لینڈ یارڈ
کے سپاہی اس کی تلاش میں ہیں۔ اچھا اب میں
جاتا ہوں۔ خدا حافظ !"
"خدا حافظ!" مارتھا نے تھوڑا سا مسکرا کر کہا:
ڈاکٹر والڈن نے اپنے لیے گرم کوٹ کا کالر اٹھایا۔ سر پر
فلیٹ ہیٹ رکھا اور مارتھا کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

○

جس ہسپتال میں مارتھا کو رکھا گیا تھا اس کے دروازے پر
لندن کی مشہور خفیہ پولیس یعنی سکاٹ لینڈ یارڈ کے ایک جاسوس
کا پہرہ لگا دیا گیا تھا جو رات کو ہسپتال کے بڑے دروازے اور
پیچھے والے چھوٹے دروازے کے آگے گھوم پھر کر پہرہ دیتا تھا۔
عنبر دن بھر شہر میں بندرگاہ پر مزدوری کرتا اور شام کو مارتھا کی
خیریت معلوم کرنے ہسپتال آ جاتا۔ مارتھا ہسپتال کی پہلی منزل
کے کمرے میں تھی اور اس کے کمرے کی جو کھڑکی باہر گلی میں

کھلتی تھی۔ اس میں لوہے کی سلاخیں لگی تھیں۔
مارتھا کو ہسپتال میں داخل ہوئے چوتھا دن جا رہا تھا۔ عنبر
اس کی خیریت معلوم کر کے رات کے دس بجے کے بعد جا
چکا تھا۔ وہ رات کو ایک بہت بڑے گرجا گھر کی ایک کوٹھڑی
میں سوتا تھا جس کی اجازت گرجا کے پادری صاحب نے کمال
مہربانی سے اسے دے رکھی تھی۔ مارتھا کمرے میں اکیلی تھی۔ خفیہ
پولیس کا جاسوس باہر پہرہ دے رہا تھا۔ اکتوبر کی یہ رات بڑی
سرد اور سنسان تھی۔ لندن کی گلیوں اور بازاروں میں دھند پھیلی
ہوئی تھی۔ مریض سو رہے تھے۔ خفیہ پولیس کا جاسوس بھی گرم
اوورکوٹ میں دبکا ہسپتال کے دروازے کے اندر بنچ پر بیٹھا
کسی وقت اونگھ جاتا تھا۔ اچانک اسے کسی کے قدموں کی
آہٹ سنائی دی۔ وہ اونگھ سے چونکا تو کیا دیکھتا ہے کہ
سامنے ایک چھ فٹ کا سیاہ بالوں سے بھرا ہوا گوریلا کھڑا
دانت نکالے اسے سرخ انگارہ ایسی آنکھوں سے گھور رہا
ہے۔ خوف کے مارے اس کا حلق خشک ہو گیا۔ اس کی
جیب میں پرانے زمانے کا لمبا پستول تھا۔ اس نے پستول
نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ گوریلے نے
اس کی گردن پر اتنی زور سے اپنا پنجہ مارا کہ وہ منہ کے بل
گر پڑا۔

گوریلے نے بڑی خاموشی سے خرخر کرتے ہوئے جاسوس کی گردن کو توڑ ڈالا اور اسے اٹھا کر کونے میں پھینک دیا۔ پھر وہ ہسپتال کی راہ داری میں مارتھا کے کمرے کی طرف بڑھا۔ رات کی نرس ایک کمرے سے نکل رہی تھی۔ گوریلا اچانک اس کے سامنے آ گیا۔ نرس پر سکتہ طاری ہو گیا۔ اس کے منہ سے ایک آواز بھی نہ نکل سکی۔ وہ گری اور بے ہوش ہو گئی۔

گوریلا مارتھا کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ مارتھا اپنے پلنگ پر گہری نیند سو رہی تھی۔ گوریلے نے آگے بڑھ کر مارتھا کی گردن کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا۔ مارتھا کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے پھر اسی گوریلے کو دیکھا تو دہشت کے مارے سارا جسم ٹھنڈا پڑ گیا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ گوریلا یہی چاہتا تھا۔ اس نے بڑے آرام سے مارتھا کو اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور کھڑکی کی سلاخوں کو توڑ کر کھڑکی میں سے باہر کودا اور رات کے اندھیرے اور دھند میں غائب ہو گیا۔

دن نکلتے ہی ہسپتال میں کہرام مچ گیا۔ سکاٹ لینڈ یارڈ کے جاسوس کی لاش ہسپتال کی ڈیوڑھی میں پڑی تھی۔ رات کی نرس راہ داری میں بے ہوش گری ہوئی ملی اور مارتھا غائب تھی۔

اس وقت پولیس اور سکاٹ لینڈ یارڈ کا چیف انسپکٹر وہاں پہنچ گیا۔ عنبر کام پر جانے سے پہلے مارتھا کے لیے صبح صبح پھول لے کر آیا تو معلوم ہوا کہ اسے آدھی رات کو گوریلا اٹھا کر لے گیا ہے اور سکاٹ لینڈ یارڈ کا جاسوس ہلاک کر دیا گیا ہے۔ عنبر پریشان ہو گیا۔ چیف انسپکٹر کھڑکی کی ٹوٹی ہوئی سلاخوں کا معائنہ کرنے کے بعد ہسپتال کے فرش پر گوریلے کے پیروں کے نشان دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں لیبارٹری والا ڈاکٹر والڈن بھی وہاں پہنچ گیا۔ وہ مارتھا کے دوبارہ اغوا ہو جانے پر بے حد غمگین تھا۔ کہنے لگا:

"انسپکٹر میری بچی کو کسی طرح واپس لا دو۔ وہ بڑی ہونہار لڑکی ہے۔ میں اس کے لیے ہر قسم کی قربانی کرنے کو تیار ہوں۔"

انسپکٹر بولا:

"ڈاکٹر! ہم گوریلے کے پیروں کے نشان پر اس کا سراغ لگانے کی کوشش کریں گے۔ وہ ہم سے بچ نہیں سکے گا۔"

اور انسپکٹر، دو پولیس کے سپاہی، ڈاکٹر والڈن اور عنبر، گوریلے کے پیروں کے نشان کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ یہ نشان ہسپتال کی گلی سے نکل کر دو تین گلیوں سے ہوتے ہوئے برساتی نالے کی طرف گھوم گئے۔ عنبر سمجھ گیا کہ گوریلا ایک بار پھر مارتھا کو

اسی برساتی نالے کے پل کے نیچے والے مکان میں لے گیا ہے لیکن ایسا نہیں تھا۔ پاؤں کے نشان کچھ دور تک برساتی نالے کے ساتھ ساتھ گئے پھر بائیں جانب میدان کی طرف گھوم گئے۔ یہاں زمین گیلی تھی۔ گوریلے کے چھ انگلیوں والے پاؤں کے نشان بڑے صاف دکھائی دے رہے تھے۔

انسپکٹر نے ایک جگہ پاؤں کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"پاؤں کے نشان زمین میں گہرے ہیں۔ صاف لگ رہا ہے کہ اس نے اپنے کاندھوں پر مارتھا کو اٹھا رکھا ہے۔"

ڈاکٹر والڈن بولا:

"کیا میری بچی زندہ ہو گی؟"

چیف انسپکٹر نے کہا:

"ہمیں خدا سے یہی امید کرنی چاہیے۔ ویسے بھی اگر وہ مر چکی ہوتی تو گوریلا اسے پھینک دیتا۔ پھر اسے اٹھائے پھرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔"

ڈاکٹر والڈن نے کہا:

"لیکن وہ اسے لے کر کہاں جا رہا ہے؟"

انسپکٹر بولا:

"یہی تو ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

اور وہ گوریلے کے پاؤں کے نشان کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے چلے گئے۔ اگرچہ دن کافی نکل آیا تھا مگر بادل اور دھند ہونے کی وجہ سے فضا زیادہ روشن نہیں تھی۔ پاؤں کے نشان میدان سے ایک طرف ہٹنے لگے۔ وہ کچی سڑک پر آ گئے۔ یہ سڑک اس فوج کی غیر آباد ٹوٹی پھوٹی بارکوں کی طرف چلی جاتی تھی جہاں ایک جگہ درختوں میں گھری ہوئی لکڑی کی اک منزلہ پرانی عمارت میں ڈاکٹر والڈن کی لیبارٹری تھی۔

ڈاکٹر والڈن نے خوش ہو کر کہا:

"اگر یہ وحشی قاتل میری لیبارٹری میں گیا ہے تو بچ کر نہیں جا سکتا۔"

"انسپکٹر جھک کر قاتل گوریلے کے پاؤں کے نشان کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا اور پولیس کے سپاہیوں کے ساتھ قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔ عنبر بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ وہ خاموش تھا۔ کیوں کہ سکاٹ لینڈ یارڈ کا چیف انسپکٹر ایک قابل جاسوس تھا اور وہ بالکل درست تفتیش کر رہا تھا۔ عنبر کو یقین تھا کہ گوریلا پکڑ لیا جائے گا۔ پاؤں کے نشان فوج کی غیر آباد ٹوٹی پھوٹی بارکوں کے ایک دروازے پر جا کر ختم ہو گئے۔

انسپکٹر نے جیب سے اپنا لمبا پستول نکال لیا۔ اس کے

ساتھی پولیس والوں نے بھی اپنے پستول نکال کر ہاتھوں میں تھام لیے۔

ڈاکٹر والڈن نے کہا:

"گوریلا ضرور ان بارکوں میں کہیں چھپا ہوا ہے۔"

انسپکٹر نے سپاہیوں سے کہا کہ وہ بارکوں کی تلاشی لیں اور خود بھی پستول ہاتھ میں تانے پرانی بارکوں میں داخل ہوگیا۔ یہ چھ سات بارکیں تھیں جن کی چھت ایک جگہ سے ٹوٹ کر فرش پر گری ہوئی تھی۔ لکڑی کا فرش جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔ اور گرد جمی ہوئی تھی۔ انسپکٹر نے فرش کو چاروں طرف سے دیکھ کر کہا:

"حیرانی کی بات یہ ہے کہ گوریلا اندر آیا ہے مگر اس فرش کی گرد پر اس کے پاؤں کے نشان بالکل نہیں ہیں۔"

ڈاکٹر والڈن بولا:

"ہو سکتا ہے وہ اس کی چھت پر چڑھا بیٹھا ہو۔"

عنبر نے کہا:

"وہ دن کی روشنی میں چھت پر نہیں بیٹھے گا۔ اس طرح اسے پکڑے جانے کا ڈر ہوگا۔"

ڈاکٹر والڈن نے اپنے سفید بالوں میں ہاتھ پھیر کر اپنی عینک

کے شیشے رومال سے صاف کرتے ہوئے کہا:

"تو پھر وہ کم بخت کہاں چلا گیا۔ یا خدا! میری بچی کو حفاظت میں رکھنا۔"

چیف انسپکٹر نے بارک کے سارے ٹوٹے پھوٹے کمروں میں گھوم پھر کر دیکھ لیا۔ باہر نکل کر چھت کا بھی معائنہ کیا۔ گوریلا کہیں بھی نہیں تھا۔ خدا جانے اسے زمین کھا گئی تھی کہ آسمان نے اوپر اٹھا لیا تھا۔

انسپکٹر نے پستول جیب میں ڈالتے ہوئے کہا:

"ظاہر ہے وہ اس جگہ تک ضرور آیا ہے۔ ہمیں اپنی تفتیش کے سلسلے میں اس جگہ پر زیادہ زور دینا ہوگا۔"

اس نے دونوں سپاہیوں سے کہا:

"تم لوگ اس جگہ پہرہ دو گے۔ رات کو تمہارے ساتھ دو اور پولیس والے شامل کر دیئے جائیں گے خبردار! تمہیں ہوشیار رہنا ہوگا۔ دشمن بے حد چالاک ہے اور اچانک وار کرتا ہے۔"

پھر وہ ڈاکٹر والڈن کی طرف متوجہ ہو کر بولا:

"ڈاکٹر! اطمینان رکھیں۔ ہم آپ کی چہیتی ملازمہ کو ضرور برآمد کر لیں گے۔ بس ہمیں آج کی رات دے دیں۔"

ڈاکٹر والڈن نے آہ بھر کر کہا:
"انسپکٹر! مارتھا میری ملازمہ ہی نہیں ہے۔ وہ مجھے اپنی
بچیوں کی طرح عزیز بھی ہے۔ خدا نہ کرے اگر اسے
کچھ ہو گیا تو ہو سکتا ہے میں یہ صدمہ برداشت نہ
کر سکوں۔"
اور ڈاکٹر والڈن جیب سے رومال نکال کر اپنی آنکھوں
میں آئے ہوئے آنسو پونچھنے لگے۔
انسپکٹر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی
اور کہا:
"حوصلہ مت ہارو ڈاکٹر! سکاٹ لینڈ یارڈ کے ہاتھ
بڑے لمبے ہیں۔ اس سے آج تک کوئی مجرم بچ
کر نہیں نکل سکا۔"
پھر اس نے عنبر سے پوچھا:
"مسٹر عنبر! تمہارا کیا پروگرام ہے؟"
عنبر نے کہا:
"میں اپنی ڈیوٹی پر جاؤں گا سر!"
"او کے۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ مارتھا زندہ ہے
گوریلے نے اسے ہلاک نہیں کیا ہو گا اور ہم آج
رات اسے پکڑ لیں گے۔"

عنبر نے پوچھا:
"مگر کیسے انسپکٹر؟ کیا گوریلا یہاں آدھی رات کو نکل
کر آئے گا؟ مارتھا اس کے پاس ہے۔ بھلا اسے
کیا ضرورت ہے باہر نکلنے کی؟"
"ٹھیک کہتے ہو عنبر" انسپکٹر نے کہا: "لیکن ہم
جاسوس لوگ کبھی ناامید نہیں ہوا کرتے۔ آؤ چلیں
اور ڈاکٹر والڈن کیا تم بھی ہسپتال چلو گے یا اپنی
لیبارٹری میں؟"
ڈاکٹر والڈن مارتھا کے غم میں بہت اداس تھا۔ اس کی
آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ جیب سے ایک بار پھر رومال
نکال کر آنکھیں پونچھ کر بولا:
"میں چیچک کی ایک نئی دوائی پر تجربہ کر رہا ہوں
اپنی لیبارٹری میں جا کر کام کروں گا۔ خدا کرے مارتھا
بیٹی مل جائے۔ اس کے بغیر میرا کام ادھورا رہ جائیگا۔"
اور ڈاکٹر والڈن آنسو پونچھتا ہوا آہستہ آہستہ اپنی لیبارٹری کی
طرف چل دیا جس کی جھکی ہوئی ڈھلانی چھت وہاں سے صاف
نظر آ رہی تھی۔ دونوں سپاہی ویران بارکوں کے باہر پہرہ دینے
کے لیے وہیں رہ گئے اور عنبر اور انسپکٹر واپس روانہ ہوئے۔
انسپکٹر کو سکاٹ لینڈ یارڈ میں چھوڑ کر عنبر بندرگاہ کی طرف اپنے

کام آگیا۔

مگر عنبر کا کام پر دل نہ لگا۔ سارا دن وہ مارتھا کے
اغوا اور قاتل گوریلے کے بارے میں غور کرتا رہا۔ اخباروں میں
بھی اس واقعے کو خوب اچھالا گیا اور پولیس کی فورس بھی
میدان میں اتر آئی تھی۔ شام کو کام سے فارغ ہو کر عنبر کچھ
دیر شہر کے علاقوں میں ٹہلتا رہا۔ پھر رات کو ویران بارکوں
کے علاقے میں آگیا۔ یہاں پولیس کے چار سپاہی پہرہ دے
رہے تھے۔ عنبر نے دور سے دیکھا۔ ڈاکٹر والڈن کی لیبارٹری
میں دھیمی روشنی ہو رہی تھی۔ بڑا محنتی اور انسان دوست ڈاکٹر
تھا یہ۔ راتوں کو بھی کام کرتا تھا۔ لیکن عنبر کی سمجھ میں ابھی تک
یہ معمہ نہیں آیا تھا کہ اس کی انگوٹھی میں نگینے میں وہ دوائی
پی کر چہرہ چھپائے پیچھے کو جاتا کیوں نظر آیا تھا۔

عنبر نے انگوٹھی کو ہاتھ سے رگڑا۔ مگر چونکہ چاندنی رات
نہیں تھی اس لیے اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ آسمان بادلوں
میں گھرا ہوا تھا اور اب بجلی کی چمک کے ساتھ بادلوں کی
گرج بھی سنائی دینے لگی تھی۔ عنبر پہرے پر سپاہیوں کو
دیکھ کر مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر بھی وہ بارکوں کے پیچھے آگیا
اور اس نے پیچھے گھاٹیوں اور کھائیوں میں جگہ جگہ مارتھا
اور گوریلے کا سراغ لگانے کی کوشش کی۔ وہاں کوئی ایسی

جگہ نہیں تھی جہاں گوریلا چھپ سکے۔ کوئی کھوہ یا غار نہیں
تھا۔ عنبر کچھ دیر وہاں رُکنے کے بعد واپس گرجے کی طرف
روانہ ہو گیا۔

دوسرے دن اسے کام پر سے چھٹی تھی۔ وہ گرجا گھر کی
کوٹھڑی سے نکل کر سڑک پر آیا تو اخبار والا شور مچاتا
ہوا گزر گیا۔

"قاتل گوریلے نے سکاٹ لینڈ یارڈ کے تین سپاہیوں
کو ہلاک اور ایک کو شدید زخمی کر دیا۔"

عنبر چونک پڑا۔ اسی وقت اخبار لے کر پڑھا اور
گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر ویران بارکوں کی طرف چل پڑا۔
وہاں چیف انسپکٹر ڈاکٹر والڈن اور پولیس کی پوری گارد
پہلے سے موجود تھی۔ تینوں سپاہیوں کی لاشیں سٹریچروں پر
پڑی تھیں۔ ان کی گردنیں توڑ دی گئی تھیں۔ شدید زخمی
سپاہی کو ہسپتال میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اس نے اپنے بیان
میں بتایا تھا کہ آدھی رات کو جب بادل زور زور سے
گرج رہے تھے۔ قاتل گوریلے نے اچانک حملہ کر دیا۔
یہ حملہ اتنا اچانک تھا کہ اس کے پہلے ہی وار میں تینوں
سپاہی وہیں ڈھیر ہو گئے اور وہ گوریلے کے پنجے کا زخم
اپنی گردن پر کھا کر وہاں سے بھاگنے کی بجائے گر پڑا۔

اور دم سادھ کر یوں ظاہر کیا جیسے وہ بھی مر گیا ہے۔ اس
نے بتایا کہ گوریلا اکیلا تھا اور غصّے کے عالم میں اس
کی سانس پھنکار بنی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر والڈن کا بھی پارہ چڑھا
ہوا تھا اور وہ پولیس والوں اور سکاٹ لینڈ یارڈ والوں کو
کوس رہا تھا۔

"آخر تم لوگ کس مرض کی دوا ہو۔ اگر تم ایک گوریلے
کو نہیں پکڑ سکتے تو پھر تمہیں کس بات کی تنخواہ دی
جاتی ہے یہ عوام کی جان و مال کا سوال ہے۔"

انسپکٹر اسے تسلی دے رہا تھا اور کسی گہری سوچ میں تھا
اس دفعہ گوریلے کے پاؤں کے نشان بارک کے فرش پر
بھی تھے اور وہاں سے دوسرے دروازے سے باہر نکل کر ان کا
رخ ان درختوں کی طرف ہو گیا تھا جہاں ڈاکٹر والڈن کی لیبارٹری تھی۔
لیکن ایک بار پھر حیرانی کی بات یہ تھی کہ چند قدم چلنے کے بعد
پاؤں کے نشان غائب ہو گئے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے یہاں
گوریلا درختوں ہو کر دوسری طرف جنگل کی جانب نکل
گیا ہو۔

○

ویران علاقہ، وحشی قاتل

پولیس کی بھاری فورس نے ویران بارکوں کو گھیرے میں
لے لیا۔

لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ قاتل گوریلا غائب ہو چکا تھا۔ ایک
ہفتہ گذر گیا۔ نہ قاتل گوریلا گرفتار یا ہلاک ہو سکا اور نہ بدنصیب
لڑکی کا کچھ پتہ چلا۔ عنبر نے بار بار آسمان کو دیکھا۔ لندن کا موسم
خراب تھا۔ آسمان پر چاند کہیں نہ تھا۔ ہر طرف بادل چھائے
ہوئے تھے نہیں تو وہ اپنی انگوٹھی سے کام لینے کی کوشش
کر سکتا تھا۔ ساتویں روز شام کو عنبر نے ایک فیصلہ کیا
اور رات کے بارہ بجے تک وہ شہر میں ادھر اُدھر آوارہ
گردی کرنے کے بعد بارکوں کی طرف آ گیا۔ پولیس انسپکٹر
نے اسے اندھیرے میں دیکھ کر للکارا۔ عنبر نے آگے بڑھ
کر اپنی شناخت کرائی۔ پولیس انسپکٹر اسے جانتا تھا۔ اس نے کہا:
"مسٹر! آدھی رات کو تمہارا یہاں پھرنا ٹھیک نہیں۔
یہاں خطرہ ہے اور تم نہتے ہو۔"

عنبر نے کہا:

"سر! میں ننھا نہیں ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں بھی گوریلے کی تلاش میں ہوں۔"

اور عنبر بارکوں کے پیچھے سے ہو کر ڈاکٹر والڈن کی لیبارٹری کے عقبی حصے میں آ گیا۔ یہاں لیبارٹری کی اونچی دیوار تھی جس کے کافی اوپر جا کر ایک چھوٹا سا روشن دان بنا ہوا تھا۔ اس روشن دان میں سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ عنبر نے ارد گرد اندھیرے میں غور سے دیکھ کر جائزہ لیا۔ ایک درخت کی شاخ روشن دان کے اوپر سے ہو کر گزر گئی تھی۔ عنبر خاموشی سے اس درخت پر چڑھ گیا۔ درخت کی ٹہنیوں میں رینگتا ہوا وہ روشن دان والی شاخ پر آ کر اس طرح لٹک گیا کہ اس کے پاؤں روشن دان پر جا کر ٹک گئے۔ اس نے جھانک کر اندر دیکھا۔

یہ دیکھ کر اس کا سانس اوپر کا اوپر گیا کہ ایک بستر پر مارتھا رسیوں سے جکڑی پڑی تھی۔ میز پر گیس کا لیمپ جل رہا تھا اور وہ سر دائیں بائیں مارتے ہوئے کراہ رہی تھی۔ عنبر نے چھلانگ لگا کر روشن دان کو پکڑ لیا اور پھر اس کے شیشے کا تختہ اٹھا کر کمرے میں دھم سے کود گیا۔ مارتھا نے چونک کر دیکھا۔ عنبر لپک کر اس کے پاس آ گیا۔

"مارتھا۔"

مارتھا نے آہستہ سے کہا:

"وہ — وہ آ رہا ہے۔"

اتنے میں عنبر کو گوریلے کے بھاری قدموں اور نتھنوں میں سے تیز تیز سانس لینے کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ جلدی سے ایک الماری کے پیچھے جا کر لیٹ گیا۔ کمرے کے دروازہ کا پردہ ہٹا اور سامنے وہی قاتل گوریلا دونوں بازو پھیلائے پھنکاریں مارتا کھڑا تھا۔ اس نے آتے ہی میز کے نیچے سے ہنٹر نکالا اور اسے گھما کر مارتھا کو مارنے ہی لگا تھا کہ عنبر الماری کے پیچھے سے چھلانگ لگا کر سامنے آ گیا۔ گوریلے نے عنبر کو دیکھا تو اس پر حملہ کر دیا۔ عنبر نے اس کے ہاتھ سے ہنٹر چھین کر اسے دھکا دیا تو وہ لڑھکنیاں کھاتا دیوار کے ساتھ جا ٹکرایا۔ گوریلے کو احساس ہو گیا کہ اس کا مقابلہ اپنے سے کسی طاقتور انسان کے ساتھ ہے۔ وہ دروازے کا پردہ اُٹھا کر بھاگ گیا۔

عنبر اس کے پیچھے بھاگا۔ گوریلا لیبارٹری روم میں آ کر مرتبانوں کو ادھر اُدھر پھینکتا گیلری میں چڑھ گیا۔ عنبر برابر اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ گیلری میں ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی۔ جہاں کئی ایک دواؤں کی بوتلیں اور مرتبان رکھے تھے۔ گوریلا

کوٹھڑی میں داخل ہوا اور دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ عنبر
بھاگ کر گیلری میں آ گیا۔ اس نے دروازے کو دھکا دیا۔
دروازہ لوہے کا تھا اور بڑا مضبوط۔ مگر عنبر کے لیے اس
کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس نے زور سے دھکا دیا اور
دروازہ کھل گیا۔

وہ اندر کی طرف لپکا۔ اچانک اندر سے ڈاکٹر والڈن گردن
جھاڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ وہ عنبر کو دیکھ کر اور عنبر اسے دیکھ
کر حیران ہوا۔

"مسٹر عنبر! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

عنبر نے کہا:

"ڈاکٹر! ابھی ابھی گوریلا اس کوٹھڑی میں گھسا تھا۔"

ڈاکٹر نے موم بتی جلائی اور اس کی روشنی میں کوٹھڑی میں
چاروں طرف دیکھ کر بولا:

"یہاں کوئی گوریلا نہیں ہے۔ تم خود دیکھ لو۔ اگر گوریلا
یہاں ہوتا تو میں اسے زندہ چھوڑ سکتا تھا۔"

عنبر نے کہا:

"لیکن ڈاکٹر مارتھا ساتھ والے کمرے میں رسیوں میں
جکڑی ہوئی ہے۔"

"کہاں ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

اور ڈاکٹر والڈن عنبر کو لے کر اس کمرے کی طرف بڑھا۔
کمرے میں داخل ہو کر عنبر نے پلنگ کی طرف اشارہ کیا:

"وہ دیکھو۔"

"کہاں ہے مارتھا؟" ڈاکٹر والڈن نے تعجب سے پوچھا:

عنبر کا دماغ چکرا گیا۔ جس پلنگ پر ابھی ابھی بدنصیب مارتھا
رسیوں میں جکڑی ہوئی پڑی تھی۔ وہ پلنگ اب خالی تھا۔ بستر
بڑی صفائی سے لگا تھا۔ سرہانے رکھے ہوئے تھے۔ ایسا لگتا
تھا کہ اس پر کبھی کوئی نہیں لیٹا۔ عنبر نے اپنا سر پکڑ لیا۔ وہ ڈاکٹر
کی طرف دیکھ کر بولا:

"مگر ڈاکٹر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ابھی
ابھی مارتھا کو یہاں رسیوں میں جکڑے ہوئے دیکھا تھا
اور ــــ اور گوریلے نے اس پر ہنٹر سے حملہ کیا
تھا۔ میں اس کی طرف لپکا تو وہ بھاگ کر تمہاری گیلری
والی کوٹھڑی میں جا چھپا۔"

ڈاکٹر والڈن نے آہستہ سے سر ہلا کر کہا:

"میرے بچے! یہ ایک مرض ہوتا ہے۔ اس مرض میں انسان
کو وہم حقیقت بن کر دکھائی دیتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے
کہ تم بھی اسی مرض میں مبتلا ہو۔ آؤ۔ میں تمہیں ایک دوا
پلاتا ہوں۔ بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

عنبر ابھی تک کمرے کی ایک ایک چیز کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ ڈاکٹر اسے کمرے سے باہر اپنی لیبارٹری میں لے گیا پھر ایک گلاس میں دوائی ڈالتے ہوئے عنبر کی طرف دیکھے بغیر بولا:

"لیکن عنبر! تم اس کمرے میں کیسے آ گئے تھے؟"

اس کا عنبر کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ یونہی آئیں بائیں شائیں کرتے ہوئے بولا:

"سر! میں ـــ میں گوریلے کے تعاقب میں اوپر آگیا تھا۔ وہ روشن دان میں سے اندر داخل ہوا تھا۔ میں بھی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا اور پھر وہ بھاگ گیا۔"

"ہی ہی ہی" ڈاکٹر والڈن ہنسا "میرے بچے! وہم کو حقیقت میں بدلنے والے مرض نے تم پر شدید حملہ کیا ہوا ہے لو۔ یہ دوا پی لو۔ طبیعت کو سکون آ جائے گا۔"

مگر عنبر اتنا احمق نہیں تھا کہ خواہ مخواہ دوا پی لیتا۔ کیوں کہ اسے تو معلوم تھا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ اس نے کہا:

"شکریہ ڈاکٹر والڈن! میں دوا کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔"

"تو پھر سادہ پانی پی لو۔ تمہیں کچھ نہ کچھ ضرور پینا چاہیے۔"

اور ڈاکٹر نے ایک دوسری بوتل میں سے سادہ پانی گلاس میں ڈال کر عنبر کو دیا اور کہا:

"یہ بتاؤ کہ تم نے گوریلا کس طرف سے کمرے میں آتے دیکھا تھا؟"

عنبر نے پانی کا گلاس پکڑ کر کہا:

"وہ دروازے کے پردے کے پیچھے سے اندر آیا تھا۔"

عنبر نے اس لیبارٹری کو پہچان لیا تھا۔ یہی وہ لیبارٹری تھی جو اس نے انگوٹھی کے نگینے میں دیکھی تھی۔ اور ساتھ ہی عنبر نے پانی کے دو تین گھونٹ پی کر گلاس کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ یہ عنبر کی سب سے بڑی حماقت تھی۔ کبھی دانا آدمی بھی تکبر کرنے سے اوندھے منہ گر پڑتا ہے۔ پانی پیتے ہی اس کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ ڈاکٹر والڈن باتیں کرتے ہوئے ذرا دور جا کر ایک الماری کھول کر کچھ چیزیں الٹ پلٹ کرنے لگا۔ جب اسے عنبر کے بے ہوش ہو کر زمین پر گرنے کی آواز آئی تو اس نے پلٹ کر عنبر کو دیکھا اور مکاری سے مسکرایا:

ڈاکٹر نے چٹکی بجائی۔ دوسرے کمرے میں سے ایک تنومند موٹا تازہ حبشی باہر نکل کر آیا اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر نے اشارے سے اسے کہا کہ عنبر کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔ حبشی نے عنبر کو کاندھے پر اٹھایا اور ساتھ والے کمرے

میں لے گیا۔

عنبر کو جب ہوش آیا تو وہ مارتھا کے پلنگ کے ساتھ ہی ایک الماری کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس نے رسی تڑوانے کے لیے اپنے جسم کو ہلایا ہی تھا کہ کمزوری کی وجہ سے اسے چکر آ گیا اور وہ پھر بے ہوش ہو گیا۔ دن گذر گیا۔ ایک بار پھر رات کی سیاہی شہر کے چاروں طرف پھیل گئی۔ ڈاکٹر والڈن اپنے خاص کمرے سے نکل کر لیبارٹری میں آیا۔ یہاں سپرٹ لیمپ کے اوپر ایک شیشے کی صراحی میں سبز رنگ کی کوئی دوا ابل رہی تھی اور اس کی بھاپ شیشے کی نلکیوں میں سے گذر کر آگے ایک چھوٹے سے گلاس میں قطرہ قطرہ گر رہی تھی۔

ڈاکٹر والڈن نے سپرٹ لیمپ بجھا دیا۔ گلاس میں سبز دوا کے قطرے گرنا بند ہو گئے۔ اس نے گلاس ہاتھ میں لے کر اسے آنکھوں کے سامنے لے جا کر غور سے دیکھا۔ اسے دوبار ہلایا۔ اس میں سے بھاپ نکلنے لگی۔ پھر اس نے گلاس ہونٹوں سے لگایا اور ساری دوا ایک ہی گھونٹ میں پی گیا۔ دوا پیتے ہی اس نے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا اور گیلری کی طرف بھاگا۔ وہاں ایک شیشہ لگا تھا۔ وہ شیشے کے آگے کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے آپ کو تکنے لگا۔ اس کے جسم میں ایک عجیب قسم کی تبدیلی رونما ہونے

لگی۔ سب سے پہلے اس کے کپڑے اور سفید کوٹ غائب ہو گیا۔ پھر اس کے جسم پر سیاہ بال اُگنا شروع ہو گئے۔ اس کے چہرہ بدلنے لگا۔ ہونٹ موٹے ہو گئے۔ رنگ سیاہ ہوتا گیا۔ جبڑا چوڑا ہو گیا۔ اور دو دانت باہر کو نکل آئے۔ ناک کے نتھنے بھی گوریلے کی طرح چوڑے ہو گئے۔ ماتھا چھوٹا ہو گیا۔ سر کے سفید بال سیاہ ہو کر کھوپڑی کے اوپر کانٹوں کی طرح کھڑے ہو گئے۔ آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ ہاتھ کے پنجے نکل آئے اور لمبے۔ لمبے ناخن بن گئے۔ ڈاکٹر والڈن دیکھتے دیکھتے انسان سے ایک گوریلا بن گیا تھا۔ اس کے حلق سے خرخر کی آوازیں اور ناک سے پھنکاریں نکلنے لگیں۔ وہ چھلانگ لگا کر اچھلا اور گیلری میں سے کودتا پھلانگتا۔ اس کمرے میں آ گیا جہاں مارتھا پلنگ پر اور عنبر الماری کے ساتھ رسیوں میں جکڑے بے ہوش پڑے تھے۔

ڈاکٹر گوریلے نے ایک ہنٹر سے دونوں کو مارنا شروع کر دیا۔ دونوں ہوش میں آ گئے۔ مارتھا کی چیخیں نکلنے لگیں۔ کوڑوں کی مار سے اس کے نازک بدن سے خون رسنے لگا۔ عنبر کو کوڑوں سے تو کچھ نہ ہوا لیکن اس کا دماغ ابھی تک چکرا رہا تھا۔ نہ جانے کس قسم کی دوا اس شیطان ڈاکٹر نے اسے سادہ پانی میں ملا کر پلا دی تھی کہ اس کی ساری قوت جواب دے گئی

تھی۔ ڈاکٹر گوریلا اسے دھڑا دھڑ کوڑے مار رہا تھا۔ عنبر کی طاقت آہستہ آہستہ واپس آ رہی تھی۔

جب عنبر کی طاقت پوری طرح واپس آگئی تو اُس نے ایک ہی جھٹکے سے اپنی رسی تڑا ڈالی اور ڈاکٹر گوریلے کی طرف بڑھا۔ گوریلے نے ہنٹر پھینک کر عنبر کو دونوں ہاتھوں سے اٹھایا اور پوری طاقت سے دیوار کے ساتھ دے مارا۔ اس کی جگہ اور کوئی ہوتا تو اس کی ساری ہڈیاں چُور چُور ہو گئی ہوتیں۔ مگر عنبر پر کوئی بھی اثر نہ ہوا۔ وہ زمین پر گرتے ہی اٹھا اور ڈاکٹر گوریلے کی طرف دیکھ کر بولا:

"ڈاکٹر والڈن! تیرا راز فاش ہو چکا ہے۔ تیرے ظلم کے دن پورے ہو چکے ہیں۔"

اور پھر آگے بڑھ کر اسے دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر چھت کی طرف اچھالا۔ گوریلا چھت سے ٹکرا کر نیچے دھماکے کے ساتھ فرش پر گرا۔ ساری لیبارٹری ہل گئی۔ آواز سن کر اس کا حبشی نوکر بھاگ کر وہاں آ گیا۔ گوریلے نے چیخ مار کر عنبر کی طرف اشارہ کیا۔ حبشی نے خنجر نکالا اور عنبر کی پیٹھ پر پیچھے سے آ کر زور سے مارا۔ خنجر اس کے ہاتھ سے پھسل کر نیچے گر پڑا۔ عنبر نے حبشی کی طرف دیکھ کر کہا:

"تم اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔"

اور ایک اُلٹا ہاتھ ایسا حبشی کی کنپٹی پر مارا کہ وہ اچھل کر پیچھے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ ڈاکٹر گوریلا لیبارٹری کی طرف بھاگا۔ اس نے تیزاب کی بوتل اٹھا کر عنبر پر پھینکی۔ عنبر نے اسے ہاتھوں میں دبوچ لیا کیوں کہ تیزاب سے لیبارٹری میں آگ لگ جانے کا خطرہ تھا اور عنبر گوریلے کو زندہ گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ اس نے گوریلے پر چھلانگ لگا دی۔ گوریلا بھی عنبر سے گتھم گتھا ہو گیا۔ مگر عنبر جتنی طاقت گوریلے میں نہیں تھی۔ بہت جلد گوریلا تھک گیا اور عنبر نے اس کے جبڑے پر زور سے مکّا مارا اور وہ پیٹھ کے بل فرش پر گرا اور گرتے ہی بے ہوش ہو گیا۔

عنبر اسے گھسیٹ کر مارتھا کے کمرے میں لے آیا۔ مارتھا کی رسیاں کھول کر اسے آزاد کر دیا۔ مارتھا کا خوف کے مارے دم نکلا جا رہا تھا۔ وہ عنبر سے چمٹ گئی۔

"خدا کے لیے مجھے اس گوریلے سے بچاؤ۔ میرے خدا! یہ مجھے ڈاکٹر کی لیبارٹری میں کیوں لے آیا تھا ڈاکٹر والڈن کہاں ہے؟"

عنبر نے گوریلے کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"یہی ڈاکٹر والڈن ہے۔"

"اوہ — نہیں — میرے خدا!"

عنبر نے گوریلے اور اس کے ساتھی حبشی دونوں کو رسیوں
میں اتنی زور سے جکڑ دیا کہ وہ ہوش میں آ کر چاہے جتنی
کوشش کریں اپنے آپ کو آزاد نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے
بعد عنبر نے مارتھا کے زخموں پر پٹی باندھ کر اسے آرام سے پلنگ
پر لیٹا دیا۔

مارتھا فوراً پلنگ سے اٹھ بیٹھی:

"نہیں نہیں۔ میں اس کمرے میں نہیں لیٹ سکتی۔ خدا
کے لیے مجھے یہاں سے لے جاؤ۔"

عنبر نے مارتھا کو ساتھ لیا اور ڈاکٹر والڈن کی لیبارٹری سے
باہر آ گیا۔ باہر سرد رات کا پچھلا پہر گزر رہا تھا۔ آسمان پر ابھی
تک بادل چھائے ہوئے تھے لیکن بوندا باندی رک گئی تھی۔ وہ
دونوں ویران پارکوں میں آئے تو پولیس کے پہرے داروں نے
انہیں دیکھ کر وہیں رکنے کو کہا۔ انسپکٹر پولیس نے قریب آ کر
عنبر سے کہا:

"تم لوگ ادھر کیا کر رہے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ
قاتل گوریلا اس علاقے میں پھر رہا ہے؟"

عنبر نے کہا:

"انسپکٹر! شاید تم نے مجھے اور میری ساتھی لڑکی کو
پہچانا نہیں میں عنبر ہوں جو ابھی تھوڑی دیر پہلے تم

سے اجازت لے کر اس طرف آیا تھا اور یہ وہ
لڑکی ہے جسے گوریلا اغوا کر کے لے گیا تھا۔"

انسپکٹر پولیس حیرانی سے تکنے لگا:

"کیا — کیا یہ وہی لڑکی ہے؟"

"ہاں انسپکٹر۔"

"اور — اور گوریلا کہاں ہے؟"

عنبر نے کہا:

"انسپکٹر! مارتھا کو پارک میں کسی جگہ لٹانے کا انتظام
کرو اور کسی آدمی کو بھیج کر چیف انسپکٹر کو فوراً بلاؤ
اسے کہو کہ اس کا قاتل گرفتار ہو چکا ہے۔"

انسپکٹر پولیس نے اسی وقت سپاہیوں کو حکم دیا کہ مارتھا
کو سٹریچر پر لٹا کر اس پر کمبل ڈال دیئے جائیں اور خود عنبر
سے کہنے لگا:

"گوریلا کہاں ہے؟ ہم اسے اسی وقت قابو میں
کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگوں کی جان کی حفاظت کا
معاملہ ہے۔"

عنبر نے کہا:

"فکر نہ کرو انسپکٹر۔ گوریلا پوری طرح سے قابو میں ہے۔"

"لیکن میں اسے قانون کی گرفت میں لینا چاہتا ہوں

آخر میں پولیس انسپکٹر ہوں اور یہ میرا فرض ہے۔"

عنبر نے کہا:

"تو پھر دس بارہ آدمی لے کر ڈاکٹر والڈن کی لیبارٹری میں جاؤ اور گوریلے اور اس کے حبشی ساتھی کو اٹھا لاؤ۔"

انسپکٹر نے کہا:

"دس بارہ آدمیوں کی کیا ضرورت ہے بھلا؟"

عنبر بولا:

"دو چار آدمیوں سے وہ نہ اُٹھ سکے گا۔"

پولیس انسپکٹر اسی وقت دس پولیس والوں کو ساتھ لے کر ڈاکٹر والڈن کی لیبارٹری کی طرف بھاگا۔ انہوں نے ہتھکڑیاں اور پستول پکڑ رکھے تھے۔ ایک آدمی کو سکاٹ لینڈ یارڈ کے چیف انسپکٹر کو بلانے کے لیے آدمی دوڑا دیا گیا تھا۔ انسپکٹر پولیس آدھ گھنٹے کی کوشش کے بعد بڑی مشکل سے دس آدمیوں کی مدد سے گوریلے اور حبشی کو کھینچ کر باہر لے آیا۔ گوریلا ابھی تک بے ہوش تھا۔ حبشی کو ہوش آ چکا تھا اور وہ رسیوں میں جکڑا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اندھیرے میں سپاہیوں کو تک رہا تھا۔ گوریلے کو پارک کے برآمدے میں فرش پر لٹا دیا گیا۔ عنبر مارتھا کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ ا

ہاتھ میں لے کر اسے تسلی دینے لگا۔ مارتھا کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ گوریلا ڈاکٹر والڈن کیسے ہو سکتا ہے۔ اُس نے عنبر سے پوچھا:

"مسٹر عنبر! یہ کیسے ممکن ہے۔ ڈاکٹر والڈن تو ایک انسان ہے۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ گوریلا؟ نہیں نہیں۔ وہ تو مجھ سے اپنی بچی کی طرح پیار کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔"

عنبر نے اس کے ہاتھ کو تھپتھپاتے ہوئے کہا:

"مارتھا بہن! تمہیں سب کچھ ابھی معلوم ہو جائے گا۔"

ابھی پو پھٹ ہی رہی تھی کہ سکاٹ لینڈ یارڈ کا چیف انسپکٹر پولیس کے خاص دستے کے ساتھ وہاں آن پہنچا۔ عنبر سے اس نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا اور پھر پارک میں پڑے ہوئے بے ہوش گوریلے کو دیکھ کر حیرت کے سمندر میں ڈوب گیا۔

"مجھے یقین نہیں آتا کہ اتنا بڑا اور خون خوار گوریلا لندن میں آزادی سے چل پھر کر لوگوں کو قتل اور عورتوں کو اغوا کر سکتا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"یہ گوریلا نہیں ہے۔"

چیف انسپکٹر بولا:

"کیا مطلب؟"

عنبر نے کہا:

"ابھی آپ کو معلوم ہو جائے گا۔"

چیف انسپکٹر نے عنبر سے پوچھا کہ اس نے اتنے بڑے وحشی گوریلے کو کس طرح پکڑا اور اس کا ساتھی کہاں تھا؟

عنبر نے کہا:

"بس یہ کچھ نہ پوچھیں۔ بس یہی سمجھ لیں کہ میں نے اسے پکڑ لیا۔ اس کا حبشی ساتھی مقابلے پر آیا تو اسے بھی بے بس کر کے پکڑ لیا۔"

چیف انسپکٹر خفیہ پولیس نے مارتھا کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا:

"بیٹی اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں سب ٹھیک ہو گیا ہے۔"

اور پھر اس نے حکم دیا کہ مارتھا کو ہسپتال پہنچا دیا جائے۔ اس کے بعد وہ گوریلے کو بھی وہاں سے ریڑھے میں ڈال کر اٹھوانے لگا تو عنبر نے اسے ایک طرف لے جا کر کہا:

"انسپکٹر! ابھی کچھ دیر اسی جگہ اسے پڑا رہنے دو۔"

"وہ کس لیے؟" انسپکٹر نے پوچھا:

عنبر نے کہا:

"تم زندگی کا سب سے حیرت انگیز تماشہ دیکھو گے ایسا منظر تم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہو گا۔"

چیف انسپکٹر ہنس دیا:

"مسٹر عنبر! شاید تم مجھ سے مذاق کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ مگر دوست! میرا وقت بہت قیمتی ہے اور ابھی مجھے اس کے بارے میں افسروں کو جگا کر پوری رپورٹ دینی ہے۔"

عنبر نے انسپکٹر سے کہا:

"خواہ کچھ ہو۔ ابھی اسے اسی جگہ رہنے دو۔ بس تھوڑی دیر اور — یعنی جب تک کہ رات کا اندھیرا دور نہیں ہو جاتا اور دن کی روشنی نہیں نکل آتی۔"

"پھر کیا ہو گا بھلا؟" انسپکٹر نے مسکرا کر کہا: "جو ہونا تھا ہو چکا۔ تم نے قاتل گوریلے کو پکڑ لیا۔ محکمہ تمہارا شکر گزار ہے۔ ہم تمہیں انعام دیں گے۔ اب ہمیں ہمارا کام کرنے دو۔"

عنبر نے کہا:

"صرف دس منٹ اور انتظار کر لو۔ انسپکٹر۔ میری خاطر — ایک عجیب و غریب منظر دیکھنے کی خاطر۔"

چیف انسپکٹر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عنبر اسے
کیا کہہ رہا ہے۔ جب عنبر نے بہت زیادہ مجبور کیا
وہ کندھے اچکا کر بولا:

"اچھا — میں تمہاری خاطر دس منٹ اسے یہیں
پڑا رہنے دیتا ہوں۔ مگر یاد رکھو عنبر — دس
منٹ بعد میں اسے —"

عنبر نے بات کاٹ کر کہا:

"اس طرف دیکھو انسپکٹر —"

چیف انسپکٹر خفیہ پولیس نے پارک میں پیڑ کے
پڑے بے ہوش گوریلے کی طرف دیکھا۔ رات کا اندھیرا
دور ہو گیا تھا اور دن کی روشنی چاروں طرف پھیل گئی تھی
چیف انسپکٹر نے دیکھا کہ روشنی میں گوریلے کے جسم کے
سیاہ بال غائب ہونے لگے ہیں۔ پھر اس کے ہاتھوں کے
ناخون بھی چھوٹے ہونے لگے۔ اس کے بعد گوریلے کا جسم
انسان کے جسم میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔

انسپکٹر کا منہ کھلے کا کھلا تھا:

"یہ — یہ کیا ہے مسٹر عنبر؟"

"شی:" عنبر نے کہا: "دیکھتے جاؤ انسپکٹر۔"

وہاں جو پولیس کے سپاہی کھڑے تھے وہ بھی دہشت

زدہ ہو کر رہ گئے تھے۔ دو تین سپاہی تو ڈر کر آنکھوں
پر ہاتھ رکھ کر وہاں سے چلے گئے۔ گوریلے کی کھوپڑی
انسان کی کھوپڑی میں بدل گئی تھی۔ چوڑے نتھنے چھوٹے
ہو گئے تھے۔ دانت اندر کو چلے گئے۔ اس کے جسم
کا رنگ گورا ہو گیا۔ وہ پورا انسان کا جسم بن گیا۔ سر کے
بال ڈاکٹر والڈن کے بالوں کی طرح سفید ہو گئے اور چہرے
کے نقش بھی اسی کی طرح ہو گئے۔ پھر ننگے بدن پر کپڑے
نمودار ہو گئے اور اب ان کی آنکھوں کے سامنے لندن
کا مشہور ڈاکٹر والڈن رسیوں میں بندھا فرش پر بے ہوش
پڑا تھا۔ رسیاں اب ڈھیلی ہو گئی تھیں۔ چیف انسپکٹر نے
عنبر کی طرف دیکھا اور دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بولا:

"میرے خدایا! یہ میں نے کیا دیکھا ہے۔"

عنبر نے مسکراتے ہوئے کہا:

"میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ یہ گوریلا انسان
ہے۔ اب آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا
کہ یہ ڈاکٹر والڈن ہے جو رات کو گوریلا بن کر
انسان کی جانوں سے کھیلتا تھا اور عورتوں پر ظلم
کرتا تھا۔"

"انسپکٹر نے کہا:

"لیکن — لیکن یہ گوریلا کیسے بن جاتا تھا؟"
عنبر نے کہا:
"ڈاکٹر والڈن نے ایک ایسی دوا ایجاد کر لی تھی جس کو پی کر وہ انسان سے گوریلا بن جاتا تھا۔"
"اور پھر" انسپکٹر نے پوچھا۔ "اور پھر گوریلا سے انسان کیسے بنتا تھا؟"
عنبر نے کہا:
"جیسا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ڈاکٹر والڈن کی دوا کا اثر رات کے اندھیرے تک ہی رہتا تھا جونہی رات ڈھلتی تھی اور صبح کی روشنی ہوتی تھی اس پر سے دوا کا اثر ختم ہونے لگتا اور وہ پھر سے انسانی شکل میں واپس آ جاتا تھا۔"
انسپکٹر نے کہا:
"لیکن وہ یہ سب کچھ کیوں کرتا تھا؟"
عنبر بولا:
"ڈاکٹر! انسان جب نیکی کے کام کرتا ہے تو وہ فرشتوں سے بھی بلند رتبے تک پہنچ جاتا ہے لیکن جب بدی کرتا ہے تو پھر جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔"

اتنے میں ڈاکٹر والڈن کو ہوش آ گیا۔ اس نے اپنے اردگرد پولیس انسپکٹر اور سپاہیوں کو دیکھا تو مسکرا کر بولا:
"میرا خیال ہے تم لوگوں پر میرا راز فاش ہو چکا ہو گا۔"
انسپکٹر نے جھک کر کہا:
"ہاں — تم نے ڈاکٹری ایسے معزز پیشے کو جس طرح ذلیل کیا ہے اس پر تمہیں شرم آنی چاہیے۔"
ڈاکٹر والڈن نے غصے کے ساتھ کہا:
"میں نے جو کچھ کیا اس کا میں خود ذمے دار ہوں۔ تم اپنا کام پورا کرو۔ اپنی ڈیوٹی پوری کرو۔ مجھے ہتھکڑی لگاؤ اور عدالت میں لے جا کر پیش کرو۔"
"وہ تو میں ضرور کروں گا اور یہی سلوک تمہارے اس ساتھی کے ساتھ بھی کروں گا جس کو تم نے اپنے شیطانی کام میں شامل کر رکھا تھا۔ اب تمہارے ساتھ وہ بھی پھانسی کے تختے کی سیر کرے گا۔"
چیف انسپکٹر خفیہ پولیس نے اشارہ کیا۔ اسی وقت ڈاکٹر والڈن اور اس کے حبشی ملازم کی رسیاں کھول کر انہیں ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔ پھر انہیں گھوڑا گاڑی میں سوار کروا کر پولیس اپنے ساتھ حوالات کی طرف لے گئی۔ چیف انسپکٹر

پولیس نے عنبر سے کہا:

"میرے دوست! اس شہر کے لوگ تمہارے احسان کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ تم نے انسان کی بھلائی کے لیے ایک یادگار کام کیا ہے۔"

عنبر نے کہا:

"یہ میرا انسانی فرض تھا جو میں نے ادا کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اگر انسان اس پوزیشن میں ہو کر وہ کسی دوسرے دکھی انسان کی مدد کر سکے تو اسے ضرور مدد کرنی چاہیے۔"

انسپکٹر نے کہا:

"لیکن میرے دوست! اتنا بڑا گوریلا تمہارے قابو کس طرح آ گیا؟"

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"میرے پاس گوریلے کو قابو کرنے کا ایک گُر ہے۔ میں نے وہ گُر استعمال کر کے اسے پکڑ لیا۔"

انسپکٹر نے کہا:

"کیا تم مجھے وہ گُر نہیں سکھاؤ گے؟"

عنبر بولا:

"سکھا نہیں سکتا لیکن اگر کبھی تمہیں کسی گوریلے نے

تنگ کیا تو تمہیں اس سے نجات ضرور دلا دوں گا"

وہ اور انسپکٹر خفیہ پولیس گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور پولیس کے دستے کے ساتھ ہیڈ کوارٹر کی طرف چل پڑے۔ وہ آہستہ آہستہ گھوڑوں کو دوڑانے لگے۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے وہ ایک ایسے راستے سے گزر رہے تھے جہاں درختوں نے اپنا سایہ کیا ہوا تھا۔ وہ گھوڑے دوڑاتے جا رہے تھے۔ اچانک آگے درخت کا ایک موٹا تنا آ گیا۔ انسپکٹر نے چلا کر عنبر کو خبردار کیا۔

"سر نیچے کر لینا۔ درخت کی شاخ آ رہی ہے۔"

عنبر مسکرایا۔

انسپکٹر نے گردن نیچی کر لی مگر عنبر نے اپنا سر نہ جھکایا۔ اس کا سر زور سے درخت کے تنے سے ٹکرایا۔ انسپکٹر کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور گھوڑے کی باگیں کھینچ لیں۔ سپاہی بھی رک گئے۔ اسے یقین تھا کہ عنبر کی گردن ٹوٹ چکی ہو گی مگر وہ یہ دیکھ کر ہکا بکا ہو کر رہ گیا کہ عنبر کا سر سلامت تھا اور درخت کا تنا ٹوٹ کر نیچے گرا ہوا تھا۔ سپاہی بھی عنبر کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

انسپکٹر گھوڑے کو قدم قدم چلاتا عنبر کے پاس آیا۔ عنبر مسکرا رہا تھا۔

چیف انسپکٹر آف سکاٹ لینڈ یارڈ نے اپنی زندگی میں بڑی بڑی عجیب چیزیں دیکھی تھیں۔ ابھی ابھی اس نے ایک گوریلے کو انسان بنتے دیکھا تھا مگر ایسا کبھی نہیں دیکھا تھا کہ ایک آدمی کا سر درخت کے موٹے ٹھن کے ساتھ زور سے ٹکرائے اور بجائے اس کے کہ آدمی کا سر پاش پاش ہو جائے درخت کا ٹھن ٹوٹ کر نیچے گر پڑے۔

انسپکٹر نے عنبر سے کہا:

"مسٹر عنبر! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

عنبر نے کہا:

"انسپکٹر! یہ وہی گُر ہے جس گُر کی مدد سے میں نے اتنے طاقت ور گوریلے کو قابو کیا تھا۔"

"لیکن ——" انسپکٹر بولا: "لیکن —— یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

عنبر نے انسپکٹر کو آنکھ مارتے ہوئے کہا:

"مائی ڈیئر انسپکٹر! انسان کی نیت نیک ہو تو اس دنیا میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ آؤ اب

چلیں۔"

اور عنبر گھوڑا دوڑاتے آگے آگے چل دیا۔ چیف انسپکٹر نے اپنے سپاہیوں کی طرف ایک نظر دیکھا اور پھر وہ بھی گھوڑا دوڑاتے ہوئے عنبر کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔

○

عنبر کی لاش پھینک دو

ڈاکٹر والڈن کی لیبارٹری کو لوگوں نے آگ لگا دی۔

ڈاکٹر والڈن اور اس کے حبشی ملازم پر مقدمہ چلا اور دونوں کو پھانسی کی سزا ہو گئی۔ مارتھا بالکل تندرست ہو گئی تھی۔ سکاٹ لینڈ یارڈ کے چیف انسپکٹر نے عنبر کو اپنے محکمے میں چیف جاسوس کی نوکری کی پیش کش کی۔ مگر عنبر نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ لندن میں زیادہ دن نہیں ٹھہر سکے گا۔ اسے بہت جلد واپس مصر اپنے ماں باپ کے پاس جانا ہو گا۔

ایک رات عنبر شہر کے باغ میں سیر کر رہا تھا۔ موسم بڑا صاف تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد چاند نکل آیا۔ عنبر باغ کے ایک بنچ پر بیٹھا ناگ ماریا اور کیٹی کو یاد کر رہا تھا کہ جانے وہ کس حال میں ہوں گے اور اس کی تلاش میں ہوں گے اور اس کی تلاش میں کہاں مارے مارے پھر رہے ہوں گے۔ اچانک اسے

اپنی انگوٹھی کا خیال آیا کہ کیوں نہ نگینے کو رگڑ کر کچھ منتظر دیکھے۔ ہو سکتا ہے اسے ناگ ماریا ہی نظر آ جائیں۔ کیونکہ انگوٹھی میں وہ جو چاہے نہیں دیکھ سکتا تھا بلکہ انگوٹھی کی اپنی مرضی تھی کہ اسے جو چاہے دکھا دے۔

عنبر نے انگوٹھی کے نگینے کو ہاتھ سے مل کر زور سے انگوٹھے کے ساتھ رگڑا تو نگینے کی لکیریں غائب ہو گئیں اور وہاں ایک فلم کی طرح تصویر ابھر آئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ پہاڑیوں کے درمیان ایک چھوٹا سا میدان ہے۔ لوگ ہاتھوں میں پتھر لیے کھڑے ہیں۔ تلواریں اور نیزے لیے سپاہی ارد گرد پہرہ دے رہے ہیں۔ ایک نوجوان کو جس کے بال سیاہ اور چہرہ روشن ہے چار سپاہی پکڑ کر لاتے ہیں۔ دو سپاہیوں نے پہلے سے ایک گڑھا کھود رکھا ہے۔ ایک بوڑھی عورت روتے ہوئے نوجوان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

"میرے بیٹے کو سنگسار مت کرو۔ وہ بے قصور ہے۔

اس نے چوری نہیں کی۔"

سپاہی عورت کو بار بار پیچھے دھکیل رہے ہیں۔ نوجوان کے چہرے پر سکون ہے اور اس کے لمبے سیاہ بال ہوا میں لہرا رہے ہیں۔ وہ کسی کو کچھ نہیں کہہ رہا۔ عنبر فوراً سمجھ گیا کہ اس

نوجوان کو زمین میں گاڑ کر لوگ اسے پتھر ماریں گے یہاں تک
کہ وہ لہولہان ہو کر مر جائے گا۔ اس نے چوری کی ہو گی
جس کی سزا میں اسے زمین میں گردن تک گاڑ کر سنگسار کر دیا
جائے گا۔

عنبر نے کہا:

"یہ کیا سین ابھر آیا ہے۔ کوئی دوسرا منظر آنا چاہیے
تھا۔"

عنبر نے ابھی اتنا کہا ہی تھا کہ اس کی دونوں آنکھیں
اپنے آپ بند ہو گئیں۔ آنکھوں کے پپوٹے آپس میں اتنی سختی
سے جُڑ گئے کہ عنبر کے لاکھ کوشش کرنے کے باوجود وہ نہ
کھل سکے۔ عنبر پریشان ہو گیا۔ پھر ایک دم سے اسے جیسے
کسی نے زمین پر سے اوپر ہوا میں اچھال دیا۔ اس کے بعد
وہ ہوا میں آہستہ آہستہ نیچے گرنے لگا۔

اب اس نے کوشش کی تو اس کی آنکھیں فوراً کھل گئیں۔
کیا دیکھتا ہے کہ وہ اسی میدان میں موجود ہے جہاں روشن
چہرے والے نوجوان کو سپاہی سنگسار کرنے کے لیے جا رہے تھے
اور اس کی ماں بین کرتی آ رہی تھی۔ عنبر پریشان ہو گیا کہ یہ
انگوٹھی اس کے ساتھ ہر بار کیسا مذاق کرتی ہے کہ جو وہ منظر
نگینے میں دیکھتا ہے انگوٹھی اسے وہیں پہنچا دیتی ہے۔ مگر اب

وہ اس زمانے میں آ چکا تھا۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔
اس نے نوجوان کی ماں کو روتے اور اپنے بیٹے کے لیے
بین کرتے دیکھا تو اس کا دل ہل گیا اور اس نے نوجوان کو
بچانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ ہجوم میں آگے بڑھا اور سپاہیوں سے بولا:

"بھائیو! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تم اس نوجوان پر رحم
کرو اور اسے چھوڑ دو؟"

سپاہی بولا:

"اس نے چوری کی ہے اور اس ملک میں چوری کی
سزا یہ دی جاتی ہے کہ چور کو زمین میں گاڑ کر اسے
پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ ہاں اس کو
چھوڑنے کی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ اس کی
جگہ اس کے خاندان کا کوئی اور نوجوان اس کی جگہ مرنے
کو تیار ہو جائے۔ پھر ہم اسے چھوڑ دیں گے۔"

عنبر نے کہا:

"تو پھر میں اس کی جگہ اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں۔"

"تم کون ہو؟" دوسرے سپاہی نے پوچھا۔

لوگ تعجب سے عنبر کو دیکھ رہے تھے جو ایک مرنے
والے کی جگہ اپنی جان کی قربانی پیش کرنے والا تھا۔ نوجوان کے

چہرے پر مسکراہٹ اور سکون تھا۔ اس کی ماں بھی آنسو بھری
کر رحم طلب نظروں سے عنبر کو تک رہی تھی۔

عنبر نے کہا:

"بھائیو! میں اس نوجوان کا قریبی رشتے دار ہوں۔
عرصہ ہوا سوداگری کرنے ملک یمن گیا ہوا تھا۔ آج
ہی وطن واپس آیا ہوں۔ میں اس کی جگہ اپنے آپ
کو پیش کرتا ہوں۔ اسے چھوڑ دو اور اس کی جگہ
مجھے سنگسار کر دو"

سپاہیوں نے کہا:

"ایک بار پھر سوچ لو۔ تم بڑی بری طرح مار
دیئے جاؤ گے"

عنبر نے کہا:

"مجھے منظور ہے۔ اس نوجوان کو چھوڑ کر مجھے پکڑ
لو۔ میں مرنے کو تیار ہوں"

سپاہیوں کے سردار نے اشارہ کیا۔ روشن چہرے والے
نوجوان کو چھوڑ دیا گیا۔ اس کی ماں اپنے بیٹے سے لپٹ گئی
اور سپاہیوں نے عنبر کو پکڑ لیا اور اسے زمین میں گاڑنے
لگے۔

روشن نوجوان نے ہاتھ بلند کر کے کہا:

"تم لوگ اس نوجوان کو نہیں مار سکو گے جس طرح
کہ تم مجھے نہیں مار سکے۔ خدا نے مجھے بچا لیا
ہے۔ کیوں کہ میں بے گناہ تھا۔ خدا اسے بھی بچا
لے گا۔ کیوں کہ اس نے بھی کوئی گناہ نہیں کیا"

سپاہیوں کے سردار نے تلوار والا ہاتھ بلند کر کے کہا:

"اے نوجوان! اپنی جان بچا کر اپنی بوڑھی ماں کے
ساتھ یہاں سے چلا جا اور خدا کا شکر ادا کر کہ
اس نوجوان نے تیری موت اپنے سر لے لی"

بوڑھی ماں نے اپنے روشن چہرے والے بیٹے کو ساتھ
لیا اور اسے زبردستی اپنے ساتھ ہجوم سے باہر لے گئی پھر
وہ ایک چٹان کے اوپر آ کر کھڑے ہو گئے۔ نوجوان کے
چہرے پر نور چمک رہا تھا۔ اس نے آسمان کی طرف چہرہ
اٹھا کر کہا:

"اے خدا! تو گواہ رہنا کہ میں نے ان لوگوں
کو تمہارا پیغام دیا مگر انہوں نے نافرمانی کی اور اب
تیرے عذاب سے انہیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ یہ
بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور گناہوں میں ڈوبے ہوئے
ہیں۔ اس نوجوان نے میری جگہ لے لی ہے تو اسے
اپنی امان میں رکھنا۔ میری طرح یہ بھی بے گناہ ہے"

روشن نوجوان کی بوڑھی ماں اسے گھر کی طرف کھینچ رہی
تھی مگر روشن نوجوان نے بڑے ادب سے کہا:
"میری محترم والدہ! ایک پل ٹھہرو۔ اور مجھے خدا
کی شان کا نظارہ کر لینے دو۔"
عنبر کو جب گردن تک زمین میں گاڑ دیا گیا تو سردار نے
بلند آواز سے پوچھا:
"کیا تم آخری بار کچھ کہنا چاہتے ہو؟"
عنبر نے کہا:
"کچھ نہیں۔ کیوں کہ یہ میری آخری بار نہیں ہے۔"
سردار نے قہقہہ لگایا اور کہا:
"ابھی تمہیں پتہ چل جائے گا کہ یہ تمہاری آخری
بار ہے۔ تم نے اس ملک کے ایک باغی
نوجوان کی جگہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں
ڈالا ہے۔ اب موت کا مزہ چکھو۔"
اور اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ سپاہی پیچھے ہٹ
آئے۔ اب میدان کے درمیان میں عنبر گردن تک زمین میں
دھنسا ہوا تھا۔ صرف اس کی گردن ہی زمین سے باہر تھی۔
روشن نوجوان چٹان کے اوپر کھڑا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا۔
اس کا دل عنبر کے لیے دعا کرنے میں مشغول تھا۔ سردار نے

لوگوں کی طرف دیکھ کر بلند آواز میں کہا:
"اس نوجوان کو پتھر مار مار کر ہلاک کر ڈالو۔"
اتنا سننا تھا کہ لوگوں نے عنبر پر پتھر برسانے شروع
کر دیئے۔ لوگوں نے اپنے پاس پتھروں کے ڈھیر لگا رکھے
تھے۔ وہ پتھر اٹھاتے اور عنبر کے منہ ناک اور آنکھ کا نشانہ
لگا کر زور سے پھینک دیتے۔ پتھر عنبر کے چہرے پر
آ کر لگ رہے تھے۔ مگر خون نہیں نکل رہا تھا اور اسے
کہیں چوٹ بھی نہیں آ رہی تھی۔ پتھر اس کے چہرے سے
لگ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے تھے۔ مگر عنبر نے سوچا کہ
یہاں مر جانے کا بہانہ کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اگر وہ نہ مرا تو
سپاہی دوبارہ روشن نوجوان کو گرفتار کریں گے۔
چنانچہ عنبر نے اپنے سر کو یوں ایک طرف ڈال دیا جیسے
مر گیا ہو۔ اس نے اپنا سانس بھی اوپر کو کھینچ لیا۔ دس منٹ
بعد جب سپاہیوں کو یقین ہو گیا کہ عنبر مر چکا ہے تو انہوں
نے اسے زمین میں سے باہر نکالا۔ سپاہی حیران تھے کہ عنبر
کے چہرے سے ذرا بھی خون نہیں بہا۔
سردار نے کہا:
"بزدل آدمی تھا۔ اس کا خون مرنے سے پہلے
ہی خشک ہو گیا تھا۔ اس کی لاش میدان میں پھینک

دو تاکہ چیل اور گدھ اپنا پیٹ بھریں۔"
سپاہیوں نے عنبر کی "لاش" کو میدان میں پھینک دیا اور
وہاں سے گھوڑوں پر سوار ہو کر سپاہی قلعے کی طرف روانہ ہو
گئے۔ لوگ بھی ایک ایک کر کے وہاں سے اپنے اپنے
گھروں کی طرف چل دیے۔ روشن نوجوان ابھی تک چٹان کے
اوپر کھڑا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا۔

اس کی ماں نے کہا:

"بیٹا! اس نے تم پر جان قربان کر دی وہ تمہارا
پرستار تھا۔ تمہارا مرید تھا۔ خدا نے تمہیں بچا لیا۔
اب واپس چلو"

روشن نوجوان نے کہا:

"اماں جان! خدا نے اسے بھی بچا لیا ہے"

عورت بولی:

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو۔ میں اپنی آنکھوں کے سامنے
اس کی لاش میدان میں پڑی دیکھ رہی ہوں اور لاش
پر گدھ منڈلانے لگے ہیں"

روشن نوجوان نے کہا:

"جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہی ہو اماں جان"
"بیٹا اب تم یہاں کب تک کھڑے رہو گے؟"

"میرے ساتھ آؤ ماں!"

اور نوجوان چٹان سے نیچے اترنے لگا۔ اس کی بوڑھی ماں
پیچھے پیچھے تھی۔ میدان بالکل خالی تھی سب لوگ عنبر کی "لاش"
کو گدھوں اور چیل کوؤں کے حوالے کر کے وہاں سے جا چکے
تھے۔ روشن نوجوان عنبر کی لاش کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور
ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے بولا:

"میں جانتا ہوں تم زندہ ہو۔ کیا تم ہمارے ساتھ
ہماری جھونپڑی میں چل کر خشک پھل اور دودھ قبول
نہیں کرو گے دوست؟"

عنبر نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بوڑھی
عورت حیران ہو گئی کہ مردہ کیسے زندہ ہو گیا؟ عنبر کو روشن
نوجوان نے گلے لگا لیا۔

عنبر نے کہا:

"مجھے آپ کی دعوت قبول کر کے خوشی ہو گی مگر
یہ کون سا زمانہ ہے؟ کون سا ملک ہے؟ اور
یہاں کس کی حکومت ہے؟"

روشن نوجوان مسکرایا، کہنے لگا:

"میرے دوست! میرے بھائی! ہماری جھونپڑی میں
چلو۔ تمہیں سب کچھ بتا دیا جائے گا۔"

اور عنبر اس روشن نوجوان کے ساتھ چلتا پہاڑیوں پر
ایک ندی کے کنارے بنی ہوئی جھونپڑی میں آ گیا۔ ندی پر
پتھروں کے درمیان شفاف پانی بہہ رہا تھا۔ جھونپڑی میں
گھاس پھونس بچھی تھی اور مٹی کے کٹورے پڑے تھے۔ ایک
گھڑے میں پانی تھا اور ایک کٹورا بکری کے دودھ سے بھرا
ہوا تھا۔ جھونپڑی کے باہر بکری بندھی ہوئی تھی۔ بوڑھی عورت
نے جھونپڑی کے آگے چٹائی بچھا دی۔ عنبر اور روشن نوجوان
چٹائی پر بیٹھ گئے۔ عورت نے عنبر کو دودھ اور خشک
میوے پیش کیے۔

عورت نے عنبر سے پوچھا:

"بیٹا تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اس
سے پہلے میں نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا اور ——
تم نے میرے بیٹے کی جگہ اپنی جان کیوں پیش کی؟
کیا تم میرے بیٹے کے مُرید ہو؟"

عنبر خاموش رہا۔ روشن نوجوان کے لبوں پر پرسکون مسکراہٹ
تھی۔ اس نے اپنی ماں کی طرف دیکھ کر کہا:

"اماں جان! نہ یہ نوجوان اس زمانے کا ہے اور نہ
یہ میرا مرید ہے۔ اسے خدا نے میری مدد کے لیے
بہت دُور کے زمانے سے میرے پاس بھیج دیا ہے۔"

عورت بولی:

"بیٹا تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں اتنا جانتی
ہوں کہ تو نیک ہے۔ ایک خدا کو مانتا ہے اور
بتوں کی پوجا نہیں کرتا۔"

عنبر نے پوچھا:

"کیا تم خدا کے درویش ہو؟"

روشن نوجوان نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک سرد آہ
بھری اور کہا:

"میں ایک خدا کا بندہ ہوں اور خدا کی طرف سے
لوگوں کو یہ سمجھانے اس دنیا میں آیا ہوں کہ وہ
ایک دوسرے کا مال نہ کھائیں۔ ایک دوسرے کو
قتل نہ کریں۔ شراب نہ پئیں۔ جُوا نہ کھیلیں اور
گناہوں سے توبہ کریں۔"

عنبر نے کہا:

"کیا تم کوئی اسرائیلی پیغمبر ہو؟"

روشن نوجوان بولا:

"میں پیغمبروں کے پاؤں کی خاک ہوں خود کوئی
پیغمبر نہیں ہوں۔ کیوں کہ میرے پاس کوئی کتاب
نہیں ہے۔ میں گزرے ہوئے پیغمبروں کے پیغام کو

آگے بڑھانے کے لیے آیا ہوں۔ ہاں پیغمبر میرے
بعد آئیں گے"۔

بوڑھی عورت نے کہا:

"بیٹا! بس اس کی انہی باتوں کی وجہ سے بادشاہ اس
کی جان کا دشمن ہو گیا۔ بتوں کے پجاری اس کی جان
کے قاتل بن گئے اور انہوں نے جھوٹے سچے قانون
کا منہ رکھنے کے لیے میرے بچے پر چوری کا
جھوٹا الزام لگا کر اسے موت کی سزا دے دی۔
لیکن تم نے آ کر اس کی جان بچا لی"۔

روشن نوجوان بولا:

"خدا کو میری زندگی منظور تھی۔ جب تم نے وہاں
میدان میں آ کر یہ کہا کہ کیا اس کی جان بچ سکتی
ہے تو سپاہیوں اور سردار نے لوگوں کے سامنے
قانون کا منہ رکھنے کے لیے کہہ دیا کہ ہاں اگر
اس کی جگہ کوئی دوسرا شخص اپنی جان پیش کرے
تو اس کی جان بچ سکتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے
کہ سپاہیوں کو کوئی علم نہیں تھا کہ بادشاہ اور بڑا
پروہت مجھے ہی مارنا چاہتے ہیں"۔

بوڑھی عورت نے کہا:

"اسی لیے تو میں اسے کہہ رہی ہوں کہ یہاں سے
بھاگ چلو کیوں کہ بادشاہ اور بڑا پجاری اب میرے
بچے کو کسی دوسری سازش سے قتل کروانے کی
کوشش کریں گے"۔

روشن نوجوان نے کہا:

"ہاں — وہ ضرور کوشش کریں گے۔ کیوں کہ میں
انہیں اور لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتا ہوں اور برے
کاموں سے روکتا ہوں۔ مگر میں بھاگوں گا نہیں۔
کیوں کہ میں بھاگنے کے لیے نہیں بلکہ لوگوں میں
رہ کر گزرے ہوئے پیغمبروں اور آنے والے پیغمبروں
کی نیک باتیں بتانے آیا ہوں"۔

بوڑھی عورت نے عنبر سے کہا:

"بیٹا تم ہی اسے کچھ سمجھاؤ۔ یہ میری بات نہیں
سنتا۔ اگر یہ اس شہر میں رہا تو بادشاہ اور پروہت
اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

عنبر نے کہا:

"تمہاری ماں ٹھیک کہتی ہے۔ تمہیں یہاں سے کسی
دوسرے ملک چلے جانا چاہیے"۔

روشن نوجوان کہنے لگا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس ملک کو
گناہوں میں ڈوبا ہوا چھوڑ کر چلا جاؤں میں خدا
کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ جب تک اس ملک میں
خدا کا نام روشن نہیں ہو جاتا میں کہیں نہیں
جاؤں گا۔"

عنبر خاموش ہو گیا۔ بوڑھی عورت سر جھکا کر چٹائی کے
کونے پر بیٹھ گئی۔ روشن نوجوان نے عنبر سے کہا:

"تم نے دودھ نہیں پیا میرے دوست؟"

عنبر نے دودھ کا ایک گھونٹ پی کر پیالہ رکھ دیا۔
روشن نوجوان کہنے لگا:

"میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ تم نے میری دعوت
قبول کی حالانکہ میں جانتا ہوں کہ تمہیں کھانے پینے
کی کوئی حاجت نہیں ہے۔"

عنبر نے چونک کر روشن نوجوان کی طرف دیکھا:

"کیا تم ـــ تم ـــ"

روشن نوجوان نے مسکراتے ہوئے عنبر کے کندھے پر
بڑی شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

"ہاں میرے دوست! میں تمہارے بارے میں سب
کچھ جانتا ہوں۔"

پھر اس نے عنبر کی انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کی طرف
اشارہ کر کے کہا:

"یہ انگوٹھی خدا کے حکم سے تمہیں میرے پاس
لے آئی ہے اور جس انگریز عورت نے تمہیں
یہ انگوٹھی دی تھی وہ بڑی نیک اور پاک دامن
عورت تھی۔ اسی لیے خدا نے تمہاری مدد سے
اس کی عزت اور اس کی جان بچا لی۔"

عنبر نے بے تابی سے پوچھا:

"تم بھی خدا کے نیک بندے ہو۔ اگر تم اتنا کچھ
جانتے ہو تو مجھے یہ بھی بتاؤ کہ میرے ساتھی ناگ
اور ماریا کہاں ہیں؟"

روشن نوجوان نے کہا:

"میرے دوست عنبر!"

عنبر چونک کر بولا:

"کیا تم میرا نام بھی جانتے ہو؟"

روشن نوجوان بولا:

"میں ناگ اور ماریا اور تمہاری تیسری ساتھی خلائی
لڑکی کیٹی کو بھی جانتا ہوں۔"

"تو پھر مجھے جلدی سے بتاؤ کہ وہ کہاں ہیں؟" عنبر

نے کہا:

روشن نوجوان نے کہا:

"میرے دوست عنبر! ناگ اور ماریا اور کیپٹن اس وقت ہمارے زمانے سے ایک ہزار سال آگے کے زمانے میں ملک بابل کی سرحد سے نکل کر ملک شام کی طرف جا رہے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہیں۔ ماریا غائب ہے اور کیپٹن کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھی ہے وہ تمہاری تلاش میں ہیں۔"

عنبر نے کہا:

"کیا تم مجھے اُن کے پاس پہنچا سکتے ہو؟"

روشن نوجوان بولا:

"یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

عنبر خاموش ہو گیا، پھر بولا:

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ میری ان لوگوں سے ملاقات کیسے ہو سکتی ہے؟ اور کب ہو گی؟"

روشن نوجوان نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر آنکھیں کھول کر بولا:

"یہ خدائی راز ہیں۔ میں ان کو فاش نہیں کر سکتا۔

میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ حالات تمہیں ایک دن ضرور آپس میں ملا دیں گے جس طرح اس سے پہلے تم بچھڑ بچھڑ کر ملتے رہے ہو۔"

عنبر اب کیا پوچھتا۔ ویسے وہ اس روشن چہرے والے نوجوان کی روحانی طاقت کا قائل ہو گیا تھا۔ اس میں خدا نے اس کی نیکی کی وجہ سے اتنی طاقت دے دی تھی کہ وہ لوگوں کے دلوں میں جھانک کر ان کے دل کا حال معلوم کر لیتا تھا اور گذرے ہوئے زمانے میں جھانک کر دیکھ سکتا تھا۔ اس کی ماں خاموش بیٹھی تھی۔ پھر وہ اٹھی اور بولی:

"میں جنگل سے کچھ لکڑیاں لینے جا رہی ہوں بیٹا تاکہ تمہارے لیے کھانا تیار کر دوں۔"

عنبر نے کہا:

"اماں — یہاں تو میں پکانے کو کچھ بھی نہیں دیکھ رہا۔"

عورت بولی:

"خدا سب کا رازق ہے۔ وہ ہمارا رزق بھی یہاں بھیج دیتا ہے۔"

عورت کلہاڑی اٹھا کر ندی کے ساتھ ساتھ جنگل کی

طرف چلی گئی۔ روشن نوجوان خاموشی سے اپنی ماں کو جاتے دیکھتا رہا۔ پھر آہ بھر کر بولا:

"اب اس عورت کو ایک مدت کے بعد اپنے بیٹے کی شکل دیکھنی نصیب ہو گی۔"

عنبر بولا:

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ وہ تو ابھی جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر تمہارے پاس آ جائے گی۔"

روشن نوجوان کے ہونٹوں پر بڑی اداس مسکراہٹ پیدا ہوئی اور بولا:

"جب یہ واپس آئے گی تو اس کا بیٹا یہاں موجود نہیں ہو گا۔"

"یہ — یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" عنبر نے کہا:

"خدا کی یہی مرضی ہے اور ہم خدا کی مرضی میں دخل دینے والے کون ہیں۔"

عنبر نے جھٹ کہا:

"میں تمہاری والدہ کو ابھی جا کر بلا لاتا ہوں تا کہ ماں سے اس کا بیٹا جدا نہ ہو اور ماں کو اپنے بچے کی جدائی نہ دیکھنی پڑے۔"

روشن نوجوان نے عنبر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا،

"ہونے والی بات کو کوئی نہیں روک سکتا۔ خاموشی سے بیٹھے رہو اور دیکھو خدا کو کیا منظور ہے۔"

عنبر خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ بوڑھی عورت کو گئے جب کافی دیر گذر گئی تو چار آدمی ندی کے دوسرے کنارے پر نمودار ہوئے۔ ان کے سر منڈے ہوئے تھے اور جسم پر کالے رنگ کے کپڑے تھے۔ ماتھوں پر سرخ تلک لگے تھے۔ وہ عنبر اور روشن نوجوان کی طرف گھور کر دیکھنے لگے۔ نوجوان نے عنبر سے کہا:

"وہ لوگ آ گئے ہیں۔ اب قدرت کا انوکھا مگر اٹل کھیل شروع ہونے والا ہے۔ یہ آدمی جو سب سے آگے ہے۔ اس ملک کا سب سے بڑا پروہت ہے۔ اور اس سے بڑا جادوگر آج تک پیدا نہیں ہوا۔"

عنبر نے اٹھتے ہوئے کہا:

"یہ لوگ تمہیں پکڑنے آئے ہیں تو میں ان کی گردنیں توڑے دیتا ہوں۔"

روشن نوجوان نے عنبر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں عنبر! ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ یہ بہت جلد اپنی موت آپ مر جائیں گے۔"

ان کے باتیں کرتے کرتے بڑے پروہت نے اپنے
جھولے میں سے ایک گیند کی طرح کی گول شے نکال کر
پھینکی جو روشن نوجوان اور عنبر کے درمیان آ کر گرتے ہی
پھٹ گئی اور دھوئیں کا ایک گہرا سفید بادل اُٹھا جس
میں وہ دونوں چھُپ گئے۔ جب دھواں چھٹا تو عنبر اور
روشن نوجوان وہاں بے ہوش پڑے تھے۔ پروہت نے
اشارہ کیا۔

چاروں دوسرے پجاری گھوڑے لیے ندی پار کر کے
عنبر اور روشن نوجوان کے پاس آئے اور انہیں گھوڑے پر
ڈال کر واپس لے گئے۔ بڑے پروہت نے حکم دیا:

"ان دونوں کو اس ملک کی سرحدوں سے دُور لے
جا کر کسی اندھے کنوئیں میں پھینک دو اور اوپر
سے کنوئیں کا منہ بند کر دو۔"

اتنا کہہ کر پروہت واپس مڑا اور درختوں میں غائب
ہو گیا۔ پجاری دونوں بے ہوش نوجوانوں کو لے کر ایک
طرف روانہ ہو گئے۔ وہ پہاڑوں سے نکل کر میدان میں آ
گئے۔ ان کے گھوڑے بڑے تیز دوڑ رہے تھے۔ وہ سا[را]
دن سفر کرتے رہے۔ شام کو وہ ایک جگہ رُکے۔ تھوڑی
دیر کے لیے آرام کیا اور پھر سفر پر چل پڑے ساری را[ت]

کے سفر کے بعد اگلے دن صبح کے وقت وہ ملک کی
سرحد سے کوسوں دور ایک ویرانے میں پہنچ گئے۔ یہاں
چاروں طرف اجاڑ میدان تھے۔ ایک جگہ ایک سوکھا درخت
کھڑا تھا۔ اس کے نیچے ایک اندھا کنواں تھا جس میں پانی کا
نام و نشان تک نہیں تھا۔ پجاریوں نے بے ہوش عنبر اور روشن
نوجوان کو اس اندھے کنوئیں میں پھینک کر اس کا منہ جھاڑیوں
اور خشک ٹہنیوں سے بند کر دیا اور گھوڑوں پر بیٹھ کر واپس
روانہ ہو گئے۔

عنبر کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک اندھے
کنوئیں میں گرا پڑا ہے اور روشن نوجوان اس کے قریب
[ایک] پتھروں پر بیٹھا کنوئیں کی دیوار سے ٹیک لگائے اسے
[م]سکراتی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

"عنبر! خدا کا شکر ہے کہ میری جان بچ گئی۔"

عنبر نے کہا:

"لیکن دوست! آخر ہم یہاں کب تک پڑے
رہیں گے۔ ان کم بختوں نے ہمیں بے ہوش کر کے
یہاں پھینک دیا تھا۔"

روشن نوجوان بولا:

"جس خدا نے ہماری جان بچائی ہے وہ ہمیں

اس اندھے کنوئیں سے نکلنے کا سبب بھی پیدا
کر دے گا۔"

عنبر بولا:

"لیکن میں یہاں اندھوں کی طرح نہیں پڑا رہ سکتا۔
میں کنوئیں کی دیوار پر بھی نہیں چڑھ سکتا۔ میں
اپنی انگوٹھی سے مدد لوں گا۔"

روشن نوجوان نے عنبر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں نہیں میرے دوست۔ ایسا نہ کرنا۔ تم کسی
اور مصیبت میں نہ پھنس جانا۔ کیوں کہ تم اس
انگوٹھی سے ابھی تک پوری طرح واقف نہیں ہوئے
یاد رکھو تم اس انگوٹھی میں جو منظر دیکھو گے
وہیں پہنچ جاؤ گے۔ خواہ تمہاری مرضی ہو یا نہ ہو۔
اب تک تمہارے ساتھ ایسا ہی ہوتا آیا۔ اس لیے
اس انگوٹھی کو سوچ سمجھ کر رگڑا کرو۔"

"تو کیا ہم ساری زندگی اس اندھیرے کنوئیں میں
ہی پڑے رہیں گے؟"

"جو خدا کو منظور۔"

عنبر نے جھلا کر کہا:

"لیکن خدا نے ہمیں کوشش کرنے کے لیے بھی

تو کہا ہے؟"

روشن نوجوان مسکرایا:

"میں کوشش کر رہا ہوں۔"

جس وقت یہ دونوں اندھے کنوئیں کے اندر پڑے آپس
میں باتیں کر رہے تھے عین اس وقت باہر دوپہر کا وقت
تھا اور دھوپ کی وجہ سے اجاڑ میدان تپ رہا تھا اور پھر
ایک جانب سے چار اونٹ سوار نمودار ہوئے۔ ان میں
سے ایک اونٹ سوار نے کنوئیں کے درخت کی طرف اشارہ
کر کے کہا:

"یا شیخ! وہ دیکھو درخت ـــ ضرور اس کے پاس
پانی ہو گا۔"

شیخ نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا:

"اگر ہمیں یہاں پانی مل جائے تو ہم اپنی چھاگلیں
پھر سے بھر لیں گے۔ ابھی دو دن کا سفر پڑا ہے اور
چھاگلوں میں پانی آج رات تک کے لیے ہی باقی رہ
گیا ہے۔ چلو۔ درخت کی طرف۔"

چاروں اونٹ سوار اونٹوں کو لیے اندھے کنوئیں والے خشک
درخت کے پاس آ گئے۔ وہ اونٹوں سے نیچے اُتر آئے۔

"یا شیخ! یہاں تو ایک کنواں ہے۔ مگر اسے جھاڑیوں

سے ڈھک دیا گیا ہے۔"

"جھاڑیاں پرے پھینک دو اور دیکھو اس کے اندر پانی ہے کہ نہیں۔"

شیخ کے حکم سے تینوں آدمی کنوئیں کے اوپر سے جھاڑیاں اور درخت کی ٹہنیاں ہٹانے لگے۔ اتنے میں کنوئیں کے اندر سے آواز آئی۔

"ہمیں باہر نکالو۔"

چاروں اونٹ سوار وہیں ٹھٹک گئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے!!

زہریلے سانپوں سے بھرا ہوا گڑھا

شیخ نے چلا کر کہا:

"کم بختو میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ کنوئیں میں جھانک کر دیکھو اندر کوئی انسان ہے۔"

تینوں اونٹ سواروں نے کنوئیں میں جھانکا۔ ان کا سردار شیخ درخت کے نیچے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس نے وہیں سے پکار کر کہا:

"کون ہے اندر؟"

ایک بولا:

"سردار! اندر دو آدمی ہیں!"

شیخ اٹھ کھڑا ہوا۔ مونچھوں پر ہاتھ پھیر کر بولا:

"اگر جوان ہوئے تو میں انہیں فروخت کر کے سونے کی پچاس اشرفیاں حاصل کر سکتا ہوں۔"

پھر اس نے حکم دیا:

"تلواریں نکال لو اور رسیاں لے آؤ۔"

ایک آدمی تلوار نکال کر کھڑا ہو گیا۔ دو آدمیوں نے کنوئیں
میں رسّی لٹکانے سے پہلے پوچھا:
"تم لوگ کون ہو؟"
"ہم مسافر ہیں۔ سفر پر جا رہے تھے کہ ڈاکوؤں نے
ہمارا سامان لوٹ کر ہمیں کنوئیں میں پھینک دیا۔"
یہ عنبر کی آواز تھی اور روشن نوجوان نے اسے ایسا ہی
کہنے کو کہا تھا۔ اوپر سے آواز آئی:
"ہم رسّی لٹکا رہے ہیں۔ اسے پکڑ کر باری باری
اوپر آ جاؤ۔"
کنوئیں میں رسّی لٹکا دی گئی۔
روشن نوجوان نے کہا:
"عنبر! جو واقعات ہونے والے ہیں وہ اسی طرح ہوں
گے اور میں ان میں ذرا بھی دخل نہیں دینا چاہتا۔
اس لیے تم باہر جا کر اپنی طاقت ظاہر نہ کرنا اور
کسی پر حملہ نہ کرنا نہیں تو میرا سارا کام بگڑ جائے
گا اور جن واقعات کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے
میں نے خدا کی مرضی کو پورا کرنا ہے وہ اُلٹ
پلٹ ہو جائیں گے اور پھر شاید میں کبھی اپنا نیک
مقصد پورا نہ کر سکوں گا اور اپنی والدہ سے نہ مل

سکوں گا۔ اس لیے وعدہ کرو کہ باہر نکل کر تم
ایک عام کمزور آدمی کی طرح میرے ساتھ رہو گے۔"
"میں وعدہ کرتا ہوں۔" عنبر نے مجبور ہو کر کہا:
پھر دونوں باری باری رسّی کو پکڑ کر کنوئیں سے باہر آ
گئے۔ شیخ نے جب دیکھا کہ وہ دونوں نوجوان ہیں تو بڑا
خوش ہوا اور تلوار لہرا کر بولا:
"خبردار اگر تم میں سے کسی نے ذرا سی حرکت
کی تو میں اس تلوار سے تمہاری گردنیں اتار دوں گا۔"
اس نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا:
"ان دونوں کو رسیوں سے باندھ کر اونٹ پر ڈال دو۔"
عنبر نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے روشن نوجوان کی طرف
دیکھا۔ وہ اپنی طرف بڑھتے ہوئے آدمیوں کی گردنیں توڑ ڈالنا
چاہتا تھا مگر روشن نوجوان نے اسے ہاتھ کے اشارے سے
ایسا کرنے سے روک دیا۔ ان دونوں کو پکڑ کر ان کے ہاتھ پیٹھ
کے پیچھے باندھ کر اونٹ پر لاد دیا گیا اور یہ قافلہ آگے
روانہ ہو گیا۔
شام کے وقت وہ ایک نخلستان میں پہنچے جہاں کھجوروں
کے درخت بھی تھے اور ٹھنڈے پانی کا تالاب بھی تھا۔ یہاں
ان سب نے پانی پیا اور کھجوریں کھائیں عنبر اور روشن نوجوان کو

بھی کھلایا پلایا گیا۔ رات کو پھر سفر شروع ہو گیا۔ ساری رات
صحرا میں سفر جاری رہا۔

دوسرے دن صبح صبح سامنے ایک شہر کی دیوار اور دروازہ
نظر آیا۔

شیخ نے قہقہہ لگا کر کہا:

"ہماری منزل آ گئی ہے۔ اس دفعہ راستے میں
خوب موٹا مال ہاتھ لگا۔ اگر یہ غلام بوڑھے ہوتے
تو چاندی کا ایک ٹکڑا بھی نہ ملتا۔ اب ان دونوں کی
کی پچاس اشرفیاں کھری کروں گا۔ ہاہاہا۔ ہاہا۔"

عنبر اور روشن نوجوان اونٹوں پر ایک دوسرے کی طرف
پیٹھ کیے بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ رسیوں سے پیچھے بندھے
ہوئے تھے۔ شہر میں داخل ہوئے تو لوگ انہیں دیکھ دیکھ
کر ہنسنے لگے۔ وہ ان دونوں کو قیدی سمجھے جنہیں پکڑ کر لایا جا
رہا تھا۔ شیخ وہاں سے سیدھا اپنے ایک دوست کی حویلی میں
آ گیا۔ یہ اس شہر کے ایک مکار اور ظالم ہرمان نامی سوداگر
کی حویلی تھی جو غلاموں اور کنیزوں کی تجارت کرتا تھا۔ وہ
نوجوان مردوں اور نوجوان عورتوں کو خرید کر آگے فروخت کرتا
تھا۔ وہ ناٹے قد کا گھٹی ہوئی موٹی گردن والا بھینسے ایسا آدمی
تھا اور اس نے اپنے دوست شیخ کو گلے لگا لیا اور بولا:

"معلوم ہوتا ہے ہمارے لیے اس بار کوئی مال بھی
لاتے ہو۔"

شیخ نے عنبر اور روشن نوجوان کو آگے کر دیا۔ ان کے
ہاتھوں کی رسیاں کھول دی گئیں۔

ہرمان نے اپنی گھنی کالی ڈاڑھی کھجا کر کہا:

"چالیس اشرفیاں دے سکتا ہوں شیخ۔"

شیخ نے قہقہہ لگایا اور ہرمان کے کندھے پر زور سے ہاتھ
مار کر کہا:

"دونوں نوجوان ہیں۔ پچاس اشرفیاں لوں گا۔"

"چلو۔۔۔ پچاس اشرفیاں منظور۔"

ہرمان نے کہا اور چمڑے کے تھیلے میں سے پچاس اشرفیاں
نکال کر شیخ کو دیں اور اپنے ہٹے کٹے حبشی غلام سے کہا:

"ان دونوں کو لے جا کر بند کر دو۔ اگر یہ کوئی
ایسی ویسی حرکت کریں تو ان کے جسم گرم لوہے
سے داغ دو۔"

عنبر اور روشن نوجوان کو حویلی کی پچھلی کوٹھڑی میں لے
جا کر بند کر دیا گیا اور ان کے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں
ڈال دی گئیں۔ جب غلام کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے چلا گیا تو
عنبر نے غصے میں کہا:

"کیا اسی دن کے لیے تم مجھے یہاں لائے تھے؟ خدا کی قسم تم نے مجھے ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرے ساتھ تم یہ سلوک کرو گے تو میں کبھی تمہاری جگہ اپنے آپ کو پیش نہ کرتا۔"

روشن نوجوان کے چہرے پر وہی نور اور سکون تھا۔ دھیمی اور میٹھی آواز میں کہنے لگا:

"عنبر! تم تو بہت صبر کرنے والے ہو۔ تم نے اپنے پانچ ہزار سال کے سفر میں اور اب واپسی کے سفر میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور کبھی اُف نہیں کی پھر تم کیوں گھبرا گئے؟"

عنبر نے کہا:

"لیکن میں ہر جگہ اپنی طاقت استعمال کرتا رہا ہوں۔ اب تو تم نے مجھے بے بس کر کے رکھ دیا ہے۔ تم نے مجھے اپنی زبردست طاقت استعمال کرنے سے روک دیا ہے۔"

روشن نوجوان بولا:

"یہی خدا کی مرضی ہے۔ تم خاموش رہو اور دیکھتے چلو کہ آگے کیا ہوتا ہے۔"

عنبر نے سر جھٹک کر کہا:

"مجبور ہو کر دیکھوں گا۔"

روشن نوجوان مسکرا رہا تھا اور اس کے چہرے کے نور میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ خاموش تھا اور دل میں خدا کے حضور دعا کر رہا تھا کہ اے خدا تو ہماری مدد کرنا اور ان لوگوں کو جو برائی کے راستے پر چل رہے ہیں نیکی کی راہ پر چلانا۔ وہ رات انہوں نے کوٹھڑی میں قید رہ کر گزار دی۔ دوسرے دن دو حبشی غلام اندر آئے اور عنبر اور روشن نوجوان کو کھانا دیا اور کہا:

"آج شام تمہیں بیچ دیا جائے گا۔"

روشن نوجوان نے کہا:

"جو خدا کی مرضی ہو گی وہی ہو گا۔"

عنبر نے غصے میں غلاموں کی طرف دیکھ کر کہا:

"ہمارے پاؤں کی بیڑیاں کب کاٹو گے؟"

حبشی غلام قہقہہ مار کر ہنسا:

"تم غلام ہو۔ جب مالک کی مرضی ہو گی یہ بیڑیاں کاٹ دی جائیں گی۔ جلدی سے کھانا کھاؤ۔ ہمیں برتن لے کر واپس جانا ہے۔"

عنبر اور روشن نوجوان کھانا کھانے لگے۔ اس زمانے میں غلاموں کو اچھا کھانا دیا جاتا تھا تاکہ وہ صحت مند رہیں اور

ان کی قیمت زیادہ پڑے۔ اتنے میں ایک غلام نے دوسرے غلام سے کہا:

"یار رات میں نے عجیب خواب دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میری گردن میں ایک سانپ لپٹا ہوا ہے میں اسے اتار رہا ہوں مگر وہ میری گردن سے چمٹا ہوا ہے۔ الگ نہیں ہوتا۔"

روشن نوجوان نے اس غلام کی طرف دیکھ کر کہا:

"تم آج شام قتل کر دیئے جاؤ گے۔ تمہارے خواب کی یہی تعبیر ہے۔"

غلام نے طیش میں آکر کہا:

"تم جھوٹے ہو۔ خبردار جو میرے بارے میں پھر ایسی بات زبان سے نکالی۔ میں تمہیں ہلاک کر ڈالونگا۔"

روشن نوجوان نے بڑے سکون سے کہا:

"تم خدا کی مرضی کو نہیں ٹال سکتے۔ تمہارے خواب کی یہی تعبیر ہے۔"

غلام نے غصے میں آکر کھانا آگے سے اٹھا لیا اور اپنے ساتھی کو لے کر کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

عنبر نے مسکرا کر کہا:

"دوست! تمہاری یہی سزا ہے کہ تم بھوکے رہو۔

تم نے خوامخواہ ایک ایسی بات کہہ دی جس کا تمہیں یقین ہی نہیں ہے۔"

روشن نوجوان نے کہا:

"میرے دوست عنبر! اس غلام کے خواب نے مجھے ساری بات بتا دی تھی۔ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا۔ یاد رکھنا۔ آج شام یہ غلام قتل کر دیا جائے گا۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا اور سر کو جھٹک کر بیٹھ گیا۔ وہ سخت بور ہو گیا تھا اس نوجوان سے اور چاہتا تھا کہ وہاں سے بیڑیاں توڑ کر ظلم کرنے والوں کی گردنیں مروڑ کر وہاں سے فرار ہو جائے۔ مگر اس کے آگے مجبور تھا۔ اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ اتنے نیک اور رحم دل نوجوان کو ان ظالموں کے رحم و کرم پر چھوڑ جائے۔ صبر کر کے چپکا بیٹھا رہا۔

کرنا خدا کا کیا ہوا کہ جس غلام نے رات کو سانپ والا خواب دیکھا تھا وہ اپنے مالک کا کوئی سودا خریدنے شام کے وقت بازار گیا۔ وہاں دکاندار سے اس کا کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ بات لڑائی تک جا پہنچی دونوں نے خنجر نکال لیے۔ مگر دکاندار زیادہ طاقتور تھا۔ اس لیے ایک ہی وار سے غلام

کے سینے میں خنجر گھونپ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ حویلی
میں شور مچ گیا کہ نئے غلام نے جو بات بتائی تھی وہ سچ
ثابت ہوئی۔ جب ہرمان کو پتہ چلا کہ اس نے ایک ایسا
غلام خریدا ہے جو خوابوں کی درست تعبیر بتاتا ہے تو وہ
خود چل کر عنبر اور روشن نوجوان کی کوٹھڑی میں آیا اور بولا:

"تم نے میرے غلام کے خواب کی جو تعبیر بتائی
تھی وہ بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ اب میں تمہیں ایک
لاکھ اشرفیوں کے بدلے بادشاہ کے پاس فروخت
کروں گا۔"

عنبر نے کہا:

"میرے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟"

ہرمان بولا:

"تم بھی اس کے ساتھ ہی بیچے جاؤ گے۔"

اور وہ قہقہہ لگاتا چلا گیا۔

دو روز بعد روشن نوجوان اور عنبر کو شاہی محل میں فروخت
کر دیا گیا۔ انہیں شاہی محل کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔

عنبر نے کہا:

"سوائے اس کے کیا فرق پڑا ہے کہ ہم ایک
قید خانے سے نکل کر دوسرے قید خانے میں آ

گئے ہیں۔"

روشن نوجوان مسکرا کر بولا:

"خاموشی سے دیکھتے جاؤ کہ خدا کی مرضی کیا ہے۔"

عنبر دیوار کو مکا مارتے مارتے رہ گیا۔

"میں تنگ آ گیا ہوں یہاں غلاموں کی طرح پڑے
پڑے۔"

روشن نوجوان نے عنبر کو میٹھے لہجے میں کہا:

"صبر میرے دوست صبر۔"

اور عنبر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

شاہی جیل میں آتے انہیں دس روز ہو گئے تھے کہ ایک
روز بادشاہ نے روشن نوجوان کو طلب کیا اور کہا:

"سنا ہے کہ تم خوابوں کی تعبیر صحیح بتاتے ہو۔"

روشن نوجوان بولا:

"اگر خواب سچا ہو تو اس کی تعبیر بھی سچی ہوتی ہے۔"

بادشاہ نے کہا:

"سنو! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میرے محل کے
اوپر ایک گدھ بیٹھا ہے اور اس کی چونچ میں ایک
انسان کا بازو ہے جسے وہ کھا رہا ہے۔ کیا تم اس
کی تعبیر بتا سکتے ہو؟"

روشن نوجوان نے کہا:

"اے بادشاہ! تمہارا خواب سچا ہے۔ اب اس کی تعبیر سنو۔ بہت جلد تمہارے ملک پر ایک ظالم دشمن حملہ کرنے والا ہے۔ اس کے لیے ابھی سے تیاری شروع کر دو۔ اگر تم نے تیاری نہ کی تو دشمن تمہارے ملک کو تباہ کر کے تمہارے تخت پر قبضہ کرے گا۔"

بادشاہ نے کہا:

"یہ حملہ کب تک ہوگا؟"

روشن نوجوان بولا:

"چاند کے دوبارہ طلوع ہونے کے بعد۔"

بادشاہ نے کہا:

"سارا دربار سن رہا ہے۔ دیوتاؤں کی قسم اگر تمہاری تعبیر غلط نکلی تو میں تمہارا سر اڑا دوں گا۔"

روشن نوجوان نے بڑے اطمینان سے کہا:

"اے بادشاہ! جیسا میں نے کہا ہے ویسا ہی ہوگا۔"

بادشاہ نے اسی وقت جنگی تیاریوں کا حکم جاری کر دیا۔ ٹھیک ایک ماہ بعد اس شہر پر دشمن کی فوجوں کو زبردست شکست ہوئی اور وہ میدان میں ہزاروں لاشیں چھوڑ کر بھاگ اٹھا۔

فتح کی بہت خوشیاں منائی گئیں۔ بادشاہ نے روشن نوجوان کو ایک بار پھر دربار میں طلب کیا اور تخت سے اتر کر اس کے پاس آیا اور اسے گلے لگا لیا۔ درباریوں نے خوشی سے نعرے لگائے۔

بادشاہ نے اعلان کیا۔

"آج سے میں اس نوجوان کو اپنا وزیر مقرر کرتا ہوں۔"

دربار ایک بار پھر مبارک مبارک کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اسی وقت روشن نوجوان کو شاہی لباس پہنایا گیا۔ عنبر کو بھی شاہی لباس پہنایا گیا اور وہ دربار میں بادشاہ کے پاس وزیر کی نشست کے قریب بیٹھ گیا۔ جب دربار ختم ہوا تو روشن نوجوان نے عنبر کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا:

"دیکھا خدا نے ہمیں ہمارے صبر کا پھل دیا۔"

عنبر نے کہا:

"تم ٹھیک کہتے ہو مگر اب کیا ارادے ہیں تمہارے؟"

روشن نوجوان نے کہا:

"میں سب سے پہلے فوج کا ایک دستہ بھیج کر اپنی والدہ کو یہاں بلواؤں گا۔"

"پھر؟" عنبر نے پوچھا۔

روشن نوجوان بولا:

"پھر میں شاہی محل میں بیٹھ کر بادشاہ سے ایسے فرمان جاری کرانے کی کوشش کروں گا جن سے لوگوں کی بھلائی ہو اور ملک سے ظلم کے اندھیرے دُور ہوں اور بتوں کی پوجا بند کر دی جائے۔"

عنبر نے کہا:

"بادشاہ سب کچھ مان لے گا مگر یاد رکھو بتوں کی پوجا والی بات وہ کبھی نہیں مانے گا۔ وہ خود بتوں کی پوجا کرتا ہے۔"

روشن نوجوان نے کہا:

"میں اس کے مندر کے سب سے بڑے بُت کو توڑ ڈالوں گا۔"

عنبر بولا:

"یہ غضب نہ کرنا۔ وہ تمھیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

روشن نوجوان بولا:

"خدا کی یہی مرضی ہے۔ مجھے ایسا ہی کرنا ہو گا۔"

عنبر دل میں افسوس کرنے لگا کہ یہ روشن نوجوان باز نہیں آئے گا اور جو کہتا ہی وہی کرے گا۔ اس نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ ابھی وہ اس سے جدا نہیں ہو گا اور اس پر جو مصیبت پڑے گی اس میں اس کی مدد کرے گا۔

روشن نوجوان نے اپنی ماں کو شاہی محل میں بلوا لیا۔ وہ اپنے بیٹے سے مل کر بہت خوش ہوئی اور یہ دیکھ کر اس کی خوشی اور زیادہ بڑھ گئی کہ اس کا بیٹا بادشاہ کا وزیر بن چکا ہے۔ وہ ہنسی خوشی اپنے بیٹے کے ساتھ رہنے لگی۔ لیکن اس کے بیٹے کی زندگی کا ایک مقصد تھا اور اس نے وہ مقصد پورا کرنا تھا۔ ایک روز اس نے بادشاہ سے کہا کہ وہ بتوں کی پوجا کرنی چھوڑ دے۔ کیوں کہ بت پتھر کے سوا کچھ نہیں ہوتے اور ایک خدا کی عبادت کرے۔

"اے بادشاہ! اگر تم بتوں کی پوجا چھوڑ دو گے۔ تو ساری رعایا بت توڑ ڈالے گی۔ میں تمھیں ایک خدا کی راہ دکھاتا ہوں۔"

یہ سننا تھا کہ بادشاہ سخت غصے میں آ گیا۔

"اے وزیر! مت بھولو کہ کل تک تم دو ٹکے کے غلام تھے۔ میں نے تمھیں وزیر بنایا ہے۔ اب تمھاری یہ ہمت کہ ہمارے بتوں کی توہین کرو اور مجھے ان کی پوجا کرنے سے منع کرو۔"

روشن نوجوان نے کہا:

"اے بادشاہ! میں خدا کے سوا کسی کا غلام نہیں۔ میں تمھیں نیکی کا راستہ دکھا رہا ہوں۔"

بادشاہ نے کہا:

"سنو اے وزیر! اگر اس کے بعد تم نے ایسی بات زبان سے نکالی تو تمہارے حق میں اچھا نہ ہو گا۔"

اور بادشاہ سخت غصے کی حالت میں چلا گیا۔

اس روز عنبر نے روشن نوجوان کو بہتیرا سمجھایا کہ وہ بادشاہ سے دشمنی مول نہ لے اور اپنی ماں کے ساتھ آرام سے شاہی محل میں زندگی بسر کرے۔

روشن نوجوان نے کہا:

"عنبر! انسان دنیا میں آرام سے زندگی بسر کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ وہ دنیا میں ایک نیک مقصد لے کر آیا ہے اور یہ مقصد خدا کو ایک ماننا۔ اسی کے آگے سجدہ کرنا اور اسی کی عبادت کرنا ہے۔ میں اپنے اس مقصد کو پورا کروں گا خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ روشن نوجوان کو جو کرنا ہے وہ ہر حالت میں کر کے ہی رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دو دن بعد شام کے وقت روشن نوجوان شاہی مندر میں گیا اور کلہاڑے کے ایک ہی وار سے مندر کے سب

سے بڑے دیوتا کے بت کو توڑ ڈالا۔ بت کا سر گردن سے الگ ہو کر فرش پر گرا اور پاش پاش ہو گیا۔ وہاں شور مچ گیا کہ بادشاہ کے وزیر نے شاہی مندر کے بڑے دیوتا کو توڑ ڈالا ہے۔

وزیر کو اسی وقت گرفتار کر لیا گیا۔ بادشاہ نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں حکم دیا:

"وزیر کو زہریلے سانپوں سے بھرے ہوئے گڑھے میں پھینک دیا جائے۔"

روشن جوان کی ماں کو واپس اس کے ملک کی سرحد پر پہنچا دیا گیا اور عنبر چونکہ روشن جوان کا ساتھی تھا اس لیے اس کے لیے یہ حکم ہوا کہ اسے نوکری سے برخاست کر کے شاہی محل سے نکال دیا جائے۔ عنبر شاہی محل سے نکل کر قلعے کی دیوار کی طرف آیا۔ اس نے ایک سپاہی کو دیکھا جو شاہی محل کی طرف جا رہا تھا۔ عنبر نے اسے بلایا۔ وہ چونکہ عنبر کو جانتا تھا اور ابھی اسے معلوم نہیں تھا کہ عنبر کو شاہی محل سے نکال دیا گیا ہے اس لیے اس کے پاس آ گیا۔ عنبر اسے ایک ضروری بات کرنے کے بہانے درختوں میں لے گیا اور اس کی گردن پر زور سے ہاتھ مارا۔

سپاہی لڑھک کر درخت سے جا ٹکرایا اور بے ہوش

ہو کر گر گیا۔

عنبر نے اس کا لباس پہن لیا اور اب وہ شاہی محل کا ایک عام سپاہی بن کر دوبارہ محل میں داخل ہوا اور شاہی بارہ دری اور دیوان خاص سے ہٹ کر ایک طرف پہرہ دینے لگا۔

بادشاہ کے حکم سے روشن نوجوان کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا اور شاہی سپاہیوں کا ایک دستہ اسے لے کر قلعے کے میدان میں اس گڑھے کی طرف چلا جس میں قسم قسم کے زہریلے سانپ بھرے ہوئے تھے۔ موقع پا کر عنبر بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ بادشاہ خود تخت پر بیٹھا ساتھ ساتھ چل رہا تھا جسے حبشی غلاموں نے اٹھا رکھا تھا۔ وہ ایک ایسے شخص کی درد انگیز موت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا جس نے اس کے مندر کے سب سے بڑے دیوتا کے بُت کو توڑ کر پاش پاش کر دیا تھا۔

سانپوں کے گڑھے کے پاس جا کر بادشاہ کا تخت روک دیا گیا۔ سپاہی دونوں طرف حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ تخت سے اترا اور گڑھے کے پاس آ گیا۔ گڑھے کے اردگرد تین فٹ کی ایسی چار دیواری بنا دی گئی تھی جس کے اندر لوہے کی کانٹے دار جالی لگی تھی تاکہ سانپ رینگ کر گڑھے

سے باہر نہ آ جائیں۔ بادشاہ نے جھک کر دیکھا۔ گڑھے میں سینکڑوں زہریلے سانپ ایک دوسرے کے اوپر رینگ رہے تھے۔ کسی نے پھن اٹھا رکھا تھا۔ کوئی اپنی دو شاخوں والی زبان لہرا رہا تھا۔ کوئی پھنکار رہا تھا۔ ان میں بنگال کا کوبرا سانپ بھی تھا اور افریقہ کا سیاہ ناگ بھی اور امریکی صحراؤں کا رٹیل سانپ بھی تھا۔ اس میں گرے ہوئے آدمی کے زندہ بچ جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار بادشاہ کے حکم سے اس گڑھے میں ایک غلام کو گرایا گیا تھا۔ سانپوں نے غلام کو ڈس ڈس کر سیاہ کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم پانی بن کر بہہ گیا اور ہڈیاں باقی رہ گئیں جسے سانپوں نے چاٹ چاٹ کر ختم کر دیا۔

بادشاہ نے حکم دیا:

"وزیر کو لاؤ۔"

روشن نوجوان زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اسے سپاہی آگے لائے۔ اس کے چہرے پر اب بھی وہی پُرسکون مسکراہٹ اور نور چمک رہا تھا۔ وہ خاموش تھا اور بالکل گھبرایا ہوا نہیں تھا۔ ادھر عنبر پریشان تھا۔ سپاہی کی وردی میں وہ گڑھے سے کچھ قریب ہو کر کھڑا ہونے لگا تو سالار نے کہا:

"تم اِدھر کیوں آ رہے ہو؟"

عنبر پرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ گڑھے کے سانپ اس کے جسم میں ناگ کی بُو پا لیں اور روشن نوجوان کو کچھ نہ کہیں۔ مگر ایسا ہونا مشکل نظر آ رہا تھا۔ عنبر ان سانپوں سے اتنے فاصلے پر تھا کہ انہیں اس کی بُو نہیں آ رہی تھی۔

ادھر بادشاہ نے حکم دیا کہ وزیر کو گڑھے میں پھینک دیا جائے۔

چار حبشی غلاموں نے روشن نوجوان کو اوپر اٹھا لیا۔ روشن نوجوان نے دونوں ہاتھ اٹھا کر خدا سے دُعا کی:

"اے خدا! میں نے جو کچھ کیا تیرے نام کو بلند کرنے کے لیے کیا۔ اگر میرا مرجانا ہی بہتر ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اگر تو مجھے زندہ رکھنا چاہتا ہے تو تجھ سے بڑا زندہ رکھنے والا اور کوئی نہیں۔"

غلاموں نے روشن جوان کو سانپوں کے گڑھے میں پھینک دیا۔ عنبر نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ سانپ اس نوجوان کو ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے گڑھے میں خاموشی چھا گئی۔ کسی سانپ کی پھنکار کی آواز

سنائی نہ دی۔ سانپوں کی پہلے پھوں پھوں کرنے کی جو آوازیں آ رہی تھیں اب وہ بھی بند ہو گئی تھیں۔ بادشاہ خود چل کر گڑھے کے پاس گیا کہ دیکھیں کیا معاملہ ہے۔ بادشاہ اور دوسرے درباریوں نے گڑھے میں جھانک کر دیکھا تو انہیں ایک عجیب منظر دکھائی دیا۔ وہ جو کچھ دیکھ رہے تھے اس پر ان کی آنکھوں کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

سانپوں کے گڑھے میں روشن نوجوان خاموشی سے سر جھکائے آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے سے نور کی کرنیں پھُوٹ کر گڑھے کو روشن کر رہی تھیں اور سارے کے سارے سانپ اس کے آگے سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔

بادشاہ حیرت سے تک رہا تھا۔ عنبر نے بھی یہ منظر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ وہ بھی روشن نوجوان کی روحانی طاقت کا قائل ہو گیا۔

اس نے بادشاہ سے کہا:

"اے بادشاہ! اب یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اس نوجوان کا خدا تمہارے پتھر کے دیوتاؤں سے زیادہ طاقت ور ہے۔ اس لیے اب اسے باہر نکلوا کر اپنے جھوٹے دیوتاؤں کو پاش پاش کر دے۔ مندروں کو توڑ دے اور ایک خدا کی

عبادت کرنے کا حکم جاری کر دے۔"

بادشاہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ وہ بار بار نیچے سانپوں کے گڑھے میں دیکھتا۔ وہاں روشن نوجوان اسی طرح خاموش بیٹھا تھا اور سانپوں نے اس کے آگے سر جھکا رکھے تھے۔

عنبر نے کہا:

"اے بادشاہ! تو کیا سوچ رہا ہے۔ اگر تجھے ایک خدا کی طاقت پر یقین نہیں آ رہا تو یہ دیکھ ایک خدا نے جو مجھے معمولی سی طاقت دے رکھی ہے اس کا نمونہ بھی دیکھ۔"

اور عنبر نے اپنے پاس کھڑے ایک سپاہی کو اُٹھا کر زور سے اچھالا۔ سپاہی آسمان میں دور تک اچھلتا چلا گیا۔ جب وہ نیچے گرنے لگا تو عنبر نے اسے تھام کر زمین پر کھڑا کر دیا۔

بادشاہ نے اسی وقت چلا کر کہا:

"اس نوجوان کو باہر نکالو اور مندر کے سارے بت توڑ ڈالو۔ آج سے میرے ملک میں ایک اور صرف ایک خدا کی عبادت ہوا کرے گی۔"

اب سوال یہ تھا کہ گڑھے میں سے روشن نوجوان کو

باہر کون نکالے۔

عنبر نے کہا:

"یہ کام میں کرتا ہوں۔"

عنبر اب اتنا قریب آ چکا تھا کہ سانپوں نے بھی ناگ دیوتا کی بُو سونگھ لی تھی۔ وہ بے چین ہو کر گڑھے میں ایک طرف ہو گئے۔ عنبر رسے کی مدد سے گڑھے میں اُتر گیا اور روشن نوجوان سے کہا:

"بھائی اب میرے ساتھ اوپر چلو۔ سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔ ویسے میں بھی تمہاری روحانی طاقت کو مان گیا ہوں۔"

روشن نوجوان نے کہا:

"خدا جو کچھ کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔"

اور وہ رسی کو تھام کر گڑھے سے باہر آ گیا۔ اس کے باہر آتے ہی لوگوں نے خوشی سے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ بادشاہ نے روشن نوجوان کو اپنے گلے سے لگایا اور کہا:

"مجھے معاف کر دو۔ میں تمہیں غلط سمجھا تھا۔ اب میں نے حکم دے دیا ہے کہ سارے ملک میں ایک ہی خدا کی عبادت ہوگی اور کہیں

کسی بت کی پوجا نہیں ہوگی"۔

روشن نوجوان نے کہا:

"تمہیں اس بات کی مبارک ہو۔ خدا تمہارے ساتھ ہے اور تم پر اپنی برکتیں نازل کرے گا۔"

بادشاہ نے کہا:

"میں تمہیں پھر وزیر بناتا ہوں اور اپنے ہاتھ سے تمہیں شاہی لباس پہنانا چاہتا ہوں"۔

روشن نوجوان نے کہا:

"اے بادشاہ! میرا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ بتوں کا جھوٹا عہد ختم ہوا اور ایک خدا کی حکمرانی کا دور شروع ہو گیا۔ اب مجھے تمہارے شاہی لباس کی حاجت نہیں رہی۔ مجھے اجازت دو کہ کسی دوسری جگہ جا کر خدائے واحد کا نور لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کروں"۔

بادشاہ نے کہا:

"مگر ہماری خواہش تھی کہ تم ہمارے پاس رہتے میری کوئی اولاد نہیں۔ میرے بعد میری حکومت کی باگ ڈور سنبھالتے"۔

روشن نوجوان مسکرایا:

"اے بادشاہ! ہم دنیا میں حکمرانوں کی باگ ڈور سنبھالنے نہیں آتے۔ ہم تو غریبوں کی جھونپڑیوں اور خدا کے نور کو عام کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اس لیے اب ہمیں اجازت دو"

روشن نوجوان نے عنبر کی طرف دیکھ کر کہا:

"عنبر! کیا تم میرے ساتھ چلو گے یا۔۔۔"

عنبر نے فوراً وردی اتار کر پھینک دی۔ نیچے اس نے اپنے کپڑے پہن رکھے تھے۔ کہنے لگا:

"خدا بچائے اس شاہی لباس سے۔ مجھے میرے سادہ کپڑے ہی پسند ہیں۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا"۔

روشن نوجوان نے کہا:

"تو پھر چلو ___ ہم اپنے ملک چلتے ہیں جہاں میں اپنی والدہ سے ملنا چاہتا ہوں تاکہ اس کے دل کو مجھے دیکھ کر ٹھنڈک پہنچے۔"

روشن نوجوان نے بادشاہ سے ہاتھ ملا کر اسے دعا دی اور عنبر کو ساتھ لے کر شاہی محل کے بڑے دروازے سے باہر نکل گیا۔

بادشاہ کے حکم سے انہیں شاہی نسل کے دو گھوڑے دیئے گئے اور سپاہی انہیں چھوڑنے شہر کے بڑے دروازے تک آئے۔

O

دیوی رشنک کے اژدہا

سورج غروب ہو رہا تھا۔

روشن نوجوان اور عنبر گھوڑے دوڑاتے صحرا میں چلے جا رہے تھے۔ روشن نوجوان اپنے ملک کی طرف جا رہا تھا جہاں وہ اپنی ماں سے ملنا چاہتا تھا۔ اگرچہ وہاں کا بادشاہ اور شاہی پجاری اس کا دشمن تھا مگر روشن نوجوان نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ اپنے ملک میں جا کر خدا کا نور پھیلائے گا اور بتوں کو توڑ ڈالے گا۔ عنبر نے بھی دل میں یہی فیصلہ کر رکھا تھا۔ تین دن کے سفر کے بعد وہ اپنے ملک کی سرحد کے اندر داخل ہو گئے۔ اس وقت شام نہیں ہوئی تھی۔

روشن نوجوان نے کہا:

"عنبر! رات کا اندھیرا پھیل جائے تو ہم گھر چلیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے میری والدہ کو کوئی نقصان پہنچے۔"

"اچھا خیال ہے" عنبر نے کہا:

جب رات گہری ہو گئی اور اندھیرا پھیل گیا تو روشن نوجوان نے عنبر کو ساتھ لیا اور شہر کی دیوار پھاند کر شہر میں داخل ہوا اور سیدھا اپنے گھر جا پہنچا۔ اس کی ماں نے اپنے بیٹے کو دیکھ کر گلے لگا لیا اور خوشی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ماں نے جھونپڑی کو لیپ پوت کر کچا گھر بنا رکھا تھا۔

اس نے اپنے بیٹے سے کہا:

"بیٹا اب باقی زندگی یہاں کیسے بسر ہو گی۔ یہاں کا بادشاہ ہماری جان کا دشمن ہے۔"

بیٹے نے کہا:

"اماں! میں اس ملک کے بادشاہ کو نیک راہ دکھانے آیا ہوں۔ اب وہ ہمارا دشمن نہیں رہے گا۔"

والدہ نے کہا:

"بیٹا یہ ہرگز نہ سوچنا۔ اگر تم نے اس کے دیوتاؤں کے خلاف کوئی بات کی تو پہلے تو اس نے اندھے کنوئیں میں پھنکوا دیا تھا اب وہ ہم میں سے کسی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

عنبر نے کہا:

"کم از کم مجھے مارنے والا ابھی تک کوئی مائی کا لعل پیدا نہیں ہوا اماں!"

روشن نوجوان مسکرا کر بولا:

"اماں! خدا ہمارے ساتھ ہے۔ تم گھبراؤ نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

ماں نے کہا:

"بیٹا اپنے دل سے بادشاہ کے دیوتاؤں کو تباہ کرنے کا خیال نکال دو۔"

بیٹا بولا:

"اماں! دیوتا ہمیشہ تباہ ہوئے ہیں۔ یہی خدا کی مرضی ہے اور میں خدا کی مرضی کے مطابق عمل کر رہا ہوں۔"

ماں خاموش ہو گئی اور اتنا کہہ کر چولہے میں آگ جلانے لگی:

"بیٹا تم سفر سے تھک کر آئے ہو۔ میں تمہارے لیے دودھ گرم کرتی ہوں۔"

پھر بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولی:

"میرے لعل! اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو پھر میں تمہیں سیدھے راستے سے روکنے والی کون ہوتی ہوں

میرا خدا دیکھ لے گا کہ اگر نیکی کی راہ میں اسے
میری جان کی ضرورت پڑی تو میں اس پر وہ بھی
قربان کر دوں گی۔"
روشن نوجوان نے اپنی ماں کے پاؤں پر ہاتھ رکھ دیئے
اور پھر انہیں چوم کر بولا:
"ماں! اللہ کی رحمتیں تم پر نازل ہوں گی نیکی سے
بڑھ کر کوئی اچھی اور بھلائی کی راہ نہیں ہے۔
اسی میں انسان کی سلامتی ہے۔ نیکی کی راہ میں
اگر موت بھی آ جائے تو وہ موت نہیں بلکہ زندگی
ہی ہوتی ہے۔"
عنبر نے کہا:
"درست! اس دفعہ بتوں کو توڑنے کا دلچسپ کام
میں کروں گا۔"
روشن نوجوان نے کہا:
"عنبر! شاید اس بار ہمیں تکلیف کرنے کی ضرورت
نہ پڑے۔"
عنبر نے کہا:
"تو کیا اس دفعہ بت اپنے آپ ٹوٹ کر گر
پڑیں گے؟"

روشن نوجوان بولا:
"اگر میں خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوتا تو ایسا ہو سکتا تھا
مگر میں پیغمبر نہیں ہوں بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے
پیغمبروں کا غلام ہوں اور خدائے واحد کا پرستار
ہوں۔ اس بار بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے بتوں
کو توڑے گا۔"
دن چڑھا تو روشن نوجوان نے عنبر کو ساتھ لیا۔ ماں
کی دعائیں لیں اور شاہی محل کی طرف چل پڑا۔ شاہی
محل کے دروازے پر اسے پہچان لیا گیا کہ یہ وہی نوجوان
ہے جس کو بادشاہ کے حکم سے پروہتوں نے بے ہوش
کر کے اندھے کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ سپاہیوں نے
اسے پکڑنے کی کوشش کی تو عنبر سپاہیوں کو پکڑ کر آپس میں
اس طرح ٹکرایا کہ دونوں الگ الگ بے ہوش ہو کر گر
وہاں افرا تفری مچ گئی۔ عنبر کی طرف کچھ اور سپاہی تلواریں
لے کر بڑھے۔ عنبر نے ان کی تلواروں کے وار اپنے بازو
پر لیے اور باری باری سپاہیوں کی تلواریں عنبر کے بازو
سے ٹکرا کر ٹوٹ گئیں۔ باقی سپاہی بھاگ گئے۔ روشن
نوجوان کو پتہ چلا کہ بادشاہ بڑے مندر میں بتوں کی
پوجا کرنے گیا ہوا ہے۔

اُس نے عنبر سے کہا:

"چلو یہ بھی اچھا ہے۔ آج کفر و ایمان کا فیصلہ
وہیں بڑے مندر میں ہو گا۔"

اور وہ دونوں گھوڑے دوڑاتے شاہی مندر کے باہر
آکر گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ پجاریوں نے انہیں اندر
جانے سے روکا تو عنبر نے دو چار پجاریوں کو وہیں
بے ہوش کر کے پھینک دیا اور روشن نوجوان کو لے
کر مندر میں داخل ہو گیا۔

اس وقت بادشاہ پوجا کر رہا تھا اور شاہی پروہت
چبوترے پر ہاتھ باندھے بڑے دیوتا کے بُت کے آگے
کھڑا تھا۔ شور سن کر بادشاہ اور پروہت نے دیکھا کہ
عنبر اور روشن نوجوان چلے آ رہے ہیں۔ بادشاہ نے پروہت
کی طرف دیکھ کر کہا:

"کیا تم نے اسے کنوئیں میں نہیں پھینکا تھا؟"

"پھنکوا دیا تھا حضور!"

"تو پھر یہ کیسے زندہ بچ گیا؟"

روشن نوجوان نے کہا:

"اے بادشاہ! زندگی اور موت صرف خدائے واحد
کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی انسان کسی دوسرے

انسان کو نہ زندہ کر سکتا ہے اور نہ مار سکتا ہے۔"

بادشاہ نے کہا:

"تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو؟"

پروہت نے کہا:

"میرا دیوتا مُردے کو زندہ بھی کر سکتا ہے اور
زندہ کو مار بھی سکتا ہے۔"

روشن نوجوان نے کہا:

"پھر میں کیوں زندہ رہا؟"

پروہت بولا:

"تم دیوتا سے دُور تھے۔ اب تم اس کے
سامنے کھڑے ہو کر اس کی توہین کر رہے ہو۔ وہ
تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

بادشاہ نے کہا:

"پروہت! اپنے دیوتا کو حکم دو کہ اس گستاخ
کو موت کی نیند سُلا دے۔"

روشن نوجوان نے کہا:

"اس کا دیوتا پتھر کا ہے۔ وہ اپنے منہ پر بیٹھی
ہوئی مکھی نہیں اُڑا سکتا۔ پھر وہ ایک انسان کو
کیسے موت کی نیند سُلا سکتا ہے بھلا؟"

پروہت کو غصہ آ گیا۔ اس کا چہرہ لال ہو گیا۔ سب پجاری پیچھے پیچھے ہٹ گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ اب اس کی خیر نہیں ہے۔ پروہت نے چبوترے پر کھڑے کھڑے لکڑی کی سونٹی اٹھا کر اس پر منتر پڑھا اور روشن نوجوان پر پھینکی۔ سونٹی آتے آتے راستے میں ہی سانپ بن گئی۔ یہ سانپ پھنکارتا ہوا روشن نوجوان پر لپکا۔ روشن نوجوان نے اسے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ میں آتے ہی سانپ کچے دھاگے کی رسی بن گئی۔ اس نے رسی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور بولا:

"اے جھوٹے دیوتاؤں کے پرستار! مجھ پر کوئی اور جادو آزما۔ تاکہ تیرے دل میں کوئی حسرت نہ رہ جائے۔"

پروہت نے منتر پڑھ کر پھونک ماری تو آسمان سے مندر کے فرش پر چھوٹے چھوٹے سانپوں کی بارش ہونے لگی۔ عنبر نے روشن نوجوان کی طرف دیکھا کہ اب وہ کیا کرتا ہے۔ اس نے ہاتھ بلند کر کے زمین پر مارا تو زمین سے ایک بہت بڑا اژدہا باہر نکل آیا اور اس نے تمام چھوٹے چھوٹے سانپوں کو ایک ہی زور دار سانس کھینچ کر نگل کر ہضم کر لیا۔ پروہت بغلیں جھانکنے لگا۔ مگر وہ بھی بہت بڑا جادوگر تھا۔ آخر اس نے وہی طریقہ استعمال کیا جس سے اس نے عنبر اور روشن نوجوان کو بے ہوش کیا تھا۔ اسے یہ خبر نہیں تھی کہ اس وقت روشن نوجوان کی روحانی طاقت پوری طرح بیدار ہو چکی تھی اور خدا اس کے ساتھ تھا۔

پروہت نے دو گولے پھینکے۔ عنبر اور روشن نوجوان بے ہوش کرنے والے دھوئیں میں پھنس گئے۔ اس دھوئیں میں سے روشن نوجوان کا ہاتھ بلند ہوا اور پھر اتنے زور کا بگولا چلا کہ وہ سارے دھوئیں کو اڑا کر مندر سے باہر لے گیا۔

روشن نوجوان بولا:

"اے پروہت! بتوں سے توبہ کر اور خدائے وحدت کا اقرار کر تیرا کوئی جادو مجھ پر نہیں چلے گا۔"

بادشاہ خاموش کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل میں پروہت کی قدر کم ہو رہی تھی اور روشن نوجوان کی قدر بڑھ رہی تھی۔ بادشاہ نے پروہت سے کہا:

"تیرا ہر وار خالی جا رہا ہے۔ کیا تمہارے پاس اس نوجوان کو شکست دینے کے لیے کوئی طاقت

باقی نہیں رہی؟"

پروہت نے کہا:

"بادشاہ سلامت! اب میرے دیوتا میری مدد کو آ گئے ہیں۔ میں حملہ کرنے لگا ہوں۔"

اور پروہت نے دیوتا کے پاس جا کر اس کے بُت کے پاؤں کے قریب پڑی ہوئی ایک کنکری اُٹھا کر روشن نوجوان پر پھینکی۔ یہ کنکری ایک بہت بھیانک عفریت بن کر روشن نوجوان کو نگل گئی۔ مندر میں پجاری خوشی سے ناچنے لگے۔ عنبر پریشان ہو گیا۔

پروہت خوش ہو کر بادشاہ سے بولا:

"بادشاہ سلامت! ہمارے دیوتا سچے ہیں۔ اب یہ نوجوان اس بلا کے پیٹ میں چلا گیا ہے اور کبھی باہر نہیں آئے گا۔"

عین اس وقت ایک دھماکہ ہوا اور عفریت یعنی بلا کا جسم پھٹ کر ذرے بن کر ہوا میں بکھر گیا اور لوگوں نے دیکھا کہ روشن نوجوان ایک خوب صورت قالین پر بیٹھا ہے اور اس کے سر کے گرد نُور کا ہالہ بنا ہوا ہے۔ قالین مندر کی چھت کی طرف اڑتا ہوا گیا اور پھر دیوتا کے بت کے سر پر جا کر ٹک گیا۔

روشن نوجوان نے کہا:

"میں تیرے دیوتا کے بُت کو پاش پاش کر سکتا ہوں مگر یہ کام میں نہیں بلکہ بادشاہ کرے گا۔"

بادشاہ اپنی جگہ پر خاموش کھڑا رہا۔ قالین روشن نوجوان کو لے کر اڑتا ہوا نیچے اتر آیا۔ پروہت کا رنگ کچھ کچھ اڑا ہوا تھا۔ اس کے سارے جادو ناکام ہو گئے تھے۔

روشن نوجوان نے اس کی طرف دیکھا اور کہا:

"اب تک تم نے مجھ پر حملے کیے ہیں۔ اب میں تم پر وار کرتا ہوں۔ اگر تم میں طاقت ہے تو بچ کر دکھاؤ اور میری طاقت کا توڑ نکالو۔"

اس نے جیب سے رسّی کا ایک معمولی سا ٹکڑا نکالا اور اسے پروہت کی طرف اچھال دیا۔ رسّی ہوا میں بل کھاتی، سانپ کی طرح لہراتی پروہت کی طرف گئی اور اس نے اسے جکڑ کر اس کی گردن میں پھندا ڈال دیا۔ پروہت کا دم گھٹنے لگا۔ اس کی آنکھیں باہر اُبل آئیں۔

اُس نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

"مجھے معاف کر دو۔ میری جان بخش دو۔ میرا دیوتا جھوٹا ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں۔"

روشن نوجوان نے ہاتھ بلند کیا۔ رسی نے پروہت کو چھوڑ دیا۔ وہ زمین پر گر پڑا۔

روشن نوجوان بولا:

"میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ لیکن عہد کرو کہ اب ایک خدا کی عبادت کرو گے۔"

پروہت نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا:

"میں عہد کرتا ہوں۔ تمہارا خدا سچا ہے ۔۔۔ تم سچے ہو۔"

بادشاہ نے کہا:

"میری آنکھیں کھل گئی ہیں۔ اب مجھے ایک خدا کا نور نظر آ گیا ہے۔"

اس کے بعد بادشاہ نے کلہاڑا پکڑا اور دیوتا کے بت کو توڑ توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پجاری بھی بادشاہ کے ساتھ ہو گئے۔ انہوں نے بھی باقی سارے چھوٹے چھوٹے بت توڑ ڈالے۔

بادشاہ نے روشن نوجوان سے کہا:

"میرے بچے! آج سے تم میرے ساتھ تخت پر بیٹھا کرو گے اور مجھے دین کے معاملوں میں مشورہ دیا کرو گے۔"

روشن نوجوان نے کہا:

"اے بادشاہ! میں تمہارے ساتھ تخت پر نہیں بیٹھوں گا۔ مگر نیکی کے معاملات میں میں تمہیں مشورے ضرور دوں گا۔"

یہ کہہ کر روشن نوجوان نے عنبر کو ساتھ لیا اور ندی کنارے اپنی والدہ کے پاس جھونپڑی والے کچے مکان میں آ گیا۔

جب اس مکان میں رہتے ہوئے عنبر کو چھ سات روز ہو گئے تو ایک روز عنبر نے روشن نوجوان سے کہا:

"دوست! اب میں ناگ اور ماریا کی تلاش میں نکلنا چاہتا ہوں اور تم سے جدا ہوتا ہوں۔"

روشن نوجوان نے مسکرا کر عنبر کی طرف دیکھا اور کہا:

"تو پھر تم ایسا کرنا کہ آج رات جب چاند نکلے تو جنگل میں جا کر اپنی انگوٹھی کو رگڑنا اور پھر جو تم چاہتے ہو وہی تمہیں مل جائے گا۔"

اس کے بعد روشن نوجوان نے آنکھیں بند کر لیں اور خدا کی عبادت کرنے لگا۔ عنبر سمجھ گیا کہ اب اس سے کوئی بات نہیں کرنی چاہیے۔ وہ جھونپڑی سے اٹھا اور ندی کنارے چلتا جنگل کی سیر کرنے لگا۔ شام کو وہ واپس آیا تو روشن

نوجوان لکڑیاں کاٹ رہا تھا اور اس کی ماں روٹیاں پکا رہی
تھی۔ اس نے عنبر کی طرف دیکھے بغیر کہا:
"میرے دوست! چاند نکلنے والا ہے۔ تمہیں اب
جنگل میں جا کر چاند کے نکلنے کا انتظار کرنا ہوگا۔"
عنبر کا دل کہہ رہا تھا کہ اب اس نوجوان سے شاید
ہمیشہ کے لیے بچھڑنے کا وقت آ گیا ہے۔ کیوں کہ پھر
جانے کب ملاقات ہو اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ پھر کبھی
ملاقات نہ ہو۔ عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ آگے بڑھا۔
اس نے روشن نوجوان کا ماتھا چوم کر اس کا ہاتھ تھام کر کہا:
"میرے دوست! تم اللہ کے نیک بندے ہو میرے
لیے دعا کرتے رہنا۔"
پھر عنبر نے والدہ کے آگے جھک کر سلام کیا اور کہا:
"اماں! تمہیں دیکھ کر مجھے میری ماں یاد آتی ہے
میں تمہاری کوئی خدمت نہیں کر سکا۔ مجھے
معاف کر دینا۔"
بوڑھی عورت نے عنبر کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا:
"خدا تمہارا نگہبان ہو میرے بچے:"
روشن نوجوان نے کہا:
"عنبر! چاند نکلنے والا ہے۔"

عنبر خاموشی سے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ روشن نوجوان
مسکراتے ہوئے لکڑیاں کاٹنے میں مشغول ہو گیا۔
جنگل میں عنبر ایک چٹان کے پاس کھڑا ہو گیا تھوڑی
دیر میں چاند نکل آیا۔ اس کی روشنی سارے جنگل میں پھیل
گئی۔ عنبر نے انگوٹھی کے نگینے کو چاندنی میں لا کر دیکھا۔
اس کو رگڑنے سے پہلے وہ سوچنے لگا کہ کاش یہاں
اس بار ماریا اور ناگ نمودار ہوں تاکہ وہ ان کے پاس
پہنچ جائے۔ روشن نوجوان نے اسے بتا دیا تھا کہ اس
انگوٹھی پر جو بھی منظر نظر آئے گا اس کو اسی منظر میں
داخل ہونا ہو گا۔ ایسا نہیں ہو سکے گا کہ وہ جو خواہش
کرے وہی منظر انگوٹھی پر آ جائے اور وہ اس میں داخل
ہو جائے۔ عنبر کے لیے یہ ایک بڑی مصیبت بن گئی
تھی۔ اب اسے ہر بار انگوٹھی رگڑنے کا خطرہ مول لینا
پڑتا تھا۔ خدا جانے کب انگوٹھی پر وہ ناگ اور ماریا کو
دیکھے گا۔
اس نے دل میں ناگ اور ماریا کا خیال کیا اور انگوٹھی
کے نگینے کو ہاتھ سے رگڑا۔ انگوٹھی پر کچھ نہ ابھرا۔ عنبر
نے اسے دوبارہ رگڑا تو نگینے پر ٹیلی ویژن کی طرح کی لکیریں
ابھرنے اور غائب ہونے لگیں۔ عنبر خاموشی سے انتظار

کرنے لگا۔ دل میں دعا مانگ رہا تھا کہ یا خدا ناگ اور ماریا نظر آ جائیں۔

لکیریں غائب ہو گئیں اور کیا دیکھتا ہے کہ پرانے زمانے کے ایک شہر کا بازار ہے۔ دکانوں پر چیزیں لگی ہیں مگر دکاندار نظر نہیں آ رہے۔ گھروں کے دروازے کھلے ہیں مگر نہ کوئی آدمی بازار میں نظر آتا ہے اور نہ گھروں سے کسی کی آواز آتی ہے۔ عنبر نے جھٹ انگوٹھی والا ہاتھ جیب میں چھپا کر کہا:

"خدا کے لیے میں ایسے آسیبی بازار میں نہیں جاؤں گا۔"

مگر یہ بات اس کے اختیار میں نہیں تھی۔ اس نے انگوٹھی کو رگڑ دیا تھا۔ انگوٹھی کی مرضی کے مطابق ایک منظر نگینے پر ظاہر ہو گیا تھا اور اب اسے اس میں جانا ہی تھا۔ عنبر کی آنکھوں کے پپوٹے بھاری ہونے لگے۔ اس نے پوری طرح سے آنکھیں کھول دیں۔

"میں نہیں جاؤں گا۔ کم بخت انگوٹھی کے نگینے! مجھے اگر لے جانا ہے تو ناگ ماریا کے پاس لے چل۔ یہ تو مجھے کہاں گھسیٹ رہا ہے۔"

عنبر کی آنکھوں کے پپوٹے اپنے آپ آنکھوں پر گر پڑے جس طرح دکانوں کے لوہے کے شٹر والے دروازے

گرتے ہیں اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس نے آنکھوں کو کھولنے کی بے حد کوشش کی۔ پورا زور لگایا مگر اس کی آنکھ ذرا سی بھی نہ کھل سکی۔ اس کے بعد اسے جھٹکا لگا اور وہ ہوا میں اوپر اچھل گیا۔ پھر نیچے گرتا چلا گیا۔ جب اس کے پاؤں زمین پر لگے تو اس کی آنکھیں اپنے آپ کھل گئیں۔

عنبر نے چاروں طرف دیکھا۔ دن کی روشنی میں وہ اسی انگوٹھی کے نگینے والے بازار میں اکیلا کھڑا تھا۔ اس نے انگوٹھی کو برا بھلا کہا۔ چاہا کہ اسے پھینک دے مگر کیا کرتا۔ پھر خیال آیا کہ ہو سکتا ہے کبھی یہ مجھے ناگ ماریا کے پاس لے جائے۔ اس نے انگوٹھی کو پھینکنے کا ارادہ بدل لیا۔ اب اس نے غور سے بازار کی ایک ایک چیز کو دیکھا۔ وہ ایک ایک دکان کے پاس گیا۔ دکانوں میں سودا اسی طرح لگا تھا۔ دودھ بیچنے والے کی دکان میں بھٹی پر کڑاہی رکھی تھی۔ اور اس میں دودھ ابل رہا تھا مگر دکان دار غائب تھا۔ گاہک بھی کوئی نہیں تھا۔ سارا بازار ویران سنسان پڑا تھا۔

عنبر نے ایک گھر کے کھلے دروازے میں سے جھانک کر دیکھا۔ اندر ڈیوڑھی میں ایک بکری کی زنجیر پڑی تھی اور بکری غائب تھی۔ باورچی خانے میں چولہے پر ہنڈیا میں چاول

اُبل رہے تھے مگر کوئی انسان، کوئی عورت، کوئی بچہ وہاں
نظر نہیں آ رہا تھا۔ سارے مکان میں سناٹا چھایا ہوا تھا عنبر
سارے شہر میں گھوم گیا۔ سارے بازاروں کی دکانیں کھلی
تھیں مگر دکان دار غائب تھے۔ مکانوں میں دستر خوان پر
کھانے سجے ہوئے تھے مگر گھر والے غائب تھے۔ ایسا لگتا
تھا کہ شہر کے سارے لوگ کھانے کے وقت اچانک کسی
مصیبت کا شکار ہو کر وہاں سے بھاگ گئے ہیں۔ وہ اس
معمے کے بارے میں سوچتا ہوا شہر کے دروازے میں آ گیا۔
شہر کا دروازہ کھلا تھا۔ یہاں بھی کوئی پہرے دار نہیں تھا۔
پہرے دار کا نیزہ اور تلوار لکڑی کی کرسی پر پڑی تھی۔

عنبر شہر سے باہر آ گیا۔ یہاں بھی اس نے کھیتوں میں
ہل پڑے ہوئے دیکھے۔ ہلوں کے آگے جُتے ہوئے بیل
اور ان کو چلانے والے کسان غائب تھے۔ یا خدا! اس شہر کے
لوگ کہاں غائب ہو گئے ہیں؟ ان کے ساتھ کیا حادثہ گذرا
ہے؟ وہ یہی سوچتا ہوا کھیتوں میں سے نکل کر ایک چھوٹے
سے ٹیلے کے پاس آ کر ایک جگہ اینٹوں کے بنے ہوئے
پرانے چبوترے پر آ کر بیٹھ گیا۔ وہیں بیٹھے اور سوچتے ہوئے
جب شام ہونے لگی تو عنبر اٹھ کر ایک بار پھر شہر کی طرف
چلا کہ شاید اب وہاں کوئی انسان نظر پڑ جائے۔

وہ شہر میں داخل ہونے کے بعد ایک تنگ گلی میں سے
گذر رہا تھا جس کے اوپر چھت پڑی ہوئی تھی۔ اس گلی میں
ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ عنبر نے گلی کا موڑ گھومتے
ہوئے ایک انسانی سائے کو ایک حویلی میں داخل ہوتے
دیکھا۔ عنبر ذرا ٹھٹھکا کہ یا خدا اس بے آباد قبرستان ایسے شہر
میں یہ انسانی سایہ کہاں سے آ گیا؟ وہ اس گتھی کو سُلجھانے
کے لیے اس حویلی کی طرف بڑھا۔ حویلی کا آدھا دروازہ بند
تھا اور آدھا کھلا تھا۔ عنبر نے اندر جھانک کر دیکھا۔ ڈیوڑھی
میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ لیکن اس اندھیرے میں بھی اس نے
ایک کمرے کے روشن دان میں سے چراغ کی دھیمی سی
روشنی نکلتی دیکھی۔ عنبر بڑی خاموشی کے ساتھ دبے پاؤں ڈیوڑھی
میں داخل ہو گیا اور دیکھا کہ ایک کمرے کا محرابی دروازہ بند
ہے اور اس کے اوپر اونچائی پر ایک روشندان میں
سے نارنجی رنگ کی روشنی نکل رہی ہے۔ پھر اچانک روشنی
کا رنگ سُرخ ہو گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد سُرخ رنگ پھر
مدھم مدھم پھیکی سی روشنی میں بدل گیا۔ عنبر حیران تھا کہ یہ
ماجرا کیا ہے۔

اسے گلی میں کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔
کوئی شخص حویلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عنبر اندھیرے میں
پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ ایک سیاہ پوش

سایہ جو سیاہ لبادے میں سر سے پاؤں تک چھپا ہوا تھا ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔ کمرے کے محرابی دروازے کے پاس آ کر اس نے دستک دی۔ اندر سے آواز آئی:

"اپنا نام بتاؤ۔"

سیاہ پوش سائے نے کہا:

"الو دودھ پیتا ہے۔"

یہ کوڈ لفظ تھا۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا اور وہ سیاہ پوش سایہ اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ پھر بند ہو گیا۔ عنبر نے سوچا کہ کسی طرح اندر چل کر دیکھا جائے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور جب اس چھوٹے سے شہر کے سارے لوگ غائب ہو گئے ہیں تو یہ لوگ کس طرح زندہ ہیں۔ وہ ابھی اندر جانے کی ترکیبیں ہی سوچ رہا تھا کہ گلی میں ایک بار پھر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ عنبر کے ذہن میں ایک خیال بجلی کی طرح چمکا۔ وہ بھاگ کر ڈیوڑھی میں آ کر دیوار کے ساتھ لگ کر چھپ گیا۔ یہ بھی ایک سیاہ پوش آدمی تھا جو دروازے میں سے ڈیوڑھی میں داخل ہوا۔ عنبر نے سانس روک لیا۔ جب وہ اس کے قریب سے گزرا تو عنبر نے اس کی گردن پر زور سے ایک مکا مارا۔ سیاہ پوش آدمی لڑکھڑا کر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ عنبر نے اسے کھینچ کر ڈیوڑھی میں ہی بنی ہوئی ایک

کوٹھڑی میں پھینک کر اس کا سیاہ لبادہ اتار کر اندھیرے میں اسے دیکھا۔ وہ ایک عام انسان تھا مگر اس کے ماتھے پر تکون کا سیاہ نشان بنا ہوا تھا۔ عنبر نے اس کے ہاتھ پیر جکڑ دیئے اور منہ میں اس کی قمیض پھاڑ کر کپڑا ٹھونس دیا۔ اس کے بعد اس کا سیاہ لباس خود پہن اور دروازے پر آ کر دستک دی۔

"نام بتاؤ۔" اندر سے آواز آئی۔

عنبر نے کہا:

"الو دودھ پیتا ہے۔"

دروازہ کھل گیا۔ عنبر اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ دوبارہ بند ہو گیا۔ عنبر نے دیکھا کہ بیس پچیس سیاہ پوش آدمی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہیں۔ ایک سیاہ پوش اونچا لمبا انسان سامنے ایک کالی آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے عنبر کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"یاغول! تم دیر سے آئے۔ چلو قطار میں کھڑے ہو جاؤ۔"

عنبر جلدی سے قطار میں دوسرے سیاہ پوش آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ سیاہ پوشوں کے سردار نے کرسی پر سے اٹھتے ہوئے کہا:

"ہمارے سارے ساتھی آ گئے ہیں۔ اب ہمیں اپنا دوسرا مشن شروع کرنا ہو گا۔"

پھر اس نے دونوں ہاتھ چھت کی طرف اُٹھائے اور کہا:

"اے دیوی روشنک! تمہاری مدد سے ہم نے اس چھوٹے سے شہر کے سارے مسلمانوں کو تیرے طلسماتی یاقوت کی مدد سے پہاڑ کے اندر غاروں میں بند کر دیا ہے تھوڑی دیر بعد ہم تیرے پالے ہوئے اژدہوں کی سرنگ کا منہ کھول دیں گے اور اژدہے ان قید مسلمانوں کو ایک ایک کر کے کھانا شروع کر دیں گے اور یہ سارے مسلمان بہت جلد اژدہوں کے پیٹ میں چلے جائیں گے۔ اے دیوی روشنک! ہمیں طاقت دے کہ اب ہم دوسرے شہر کے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے جائیں۔"

پھر اس نے قطار کی طرف دیکھا اور چل کر قریب آ گیا۔ عنبر قطار میں پہلا سیاہ پوش تھا۔

سردار نے عنبر کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"ادھر آ جاؤ۔"

عنبر سمجھ گیا کہ اس کا بھید کھل گیا ہے اور اب وہ ان سیاہ پوشوں کا بھید معلوم نہ کر سکے گا۔ [illegible] پتہ نہیں کیا کرے گا۔ اس شہر کے مسلمان کس [illegible] ہوں [illegible] لیکن اس کا خیال غلط تھا۔

سردار نے چار پانچ آدمی چھوڑ کر ایک اور سیاہ پوش کی

طرف انگلی اُٹھا کر کہا:

"تم بھی آ جاؤ۔"

وہ سیاہ پوش بھی قطار میں سے نکل کر عنبر کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

سردار نے ان دونوں کی طرف مڑ کر کہا:

"یاغول اور خاکول! میں نے تم دونوں کو اس لیے چُنا ہے کہ تم دونوں سمجھ دار اور بہادر ہو۔ ہمارا دوسرا خونی مشن شروع ہونے والا ہے۔ اور ہم یہاں سے پچاس میل جنوب میں دریا کنارے آباد مسلمانوں کے دوسرے شہر کی طرف جا رہے ہیں تاکہ ان کو ہلاک کرنے کا بھی انتظام کیا جائے۔ تم دونوں شہر سے باہر والے پہاڑ میں جا کر اژدہوں کی سرنگ کا منہ کھول دو تاکہ اژدہا قیدی مسلمانوں کو ہڑپ کرنا شروع کر دیں۔"

خاکول نے سر جھکایا۔ اسے دیکھ کر عنبر نے بھی سر جھکا دیا۔ سردار نے عنبر کی طرف گھور کر دیکھا اور اس کے نقاب پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"یاغول! تم نے سر جھکانے میں دیر کیوں کی؟"

عنبر نے گردن پر ہاتھ رکھا اور کہا:

"گردن --- درد ---

"اوہ —" سردار بولا : "کوئی بات نہیں ۔ مگر میں نہیں
چاہتا کہ تمہاری گردن کی درد تمہاری راہ میں رکاوٹ
بنے ۔ اپنا کام فوراً جا کر کرو اور پھر اس کے بعد
دوسرے شہر کے باہر چٹانوں کے نیچے والی سرنگوں
میں ہمارے ساتھ آ کر شامل ہو جاؤ ، جاؤ وقت
کم ہے ۔"

خاکول سیاہ پوش اور عنبر آگے پیچھے کمرے سے
نکل کر ڈیوڑھی اور پھر گلی میں آ گئے ۔ ایک مکان میں
دو گھوڑے بندھے تھے ۔ گھوڑوں کو باہر نکال کر وہ ان پر سوار
ہوئے اور شہر سے باہر نکل کر رات کے پھیلتے ہوئے
ہلکے ہلکے اندھیرے میں اس پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے جس
کے نیچے غاروں میں شہر کے مسلمانوں کو قید میں ڈالا
ہوا تھا ۔ عنبر نے راستے میں خاکول سے کوئی بات نہ کی ۔
وہ بھی خاموش رہا ۔ دونوں پہاڑ کے دامن میں آ کر ایک
جگہ رک گئے ۔ یہاں کیکر اور ببول کی جھاڑیوں کے درمیان
ایک خفیہ راستہ غار کے اندر جاتا تھا ۔

عنبر نے پوچھا :

"یہ مسلمان ان غاروں میں قید ہیں ؟"

"ہاں —" خاکول نے کہا ۔

پھر وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا اور بولا :

"تمہاری آواز یاغول کی آواز نہیں ہے ۔ تم کون
ہو ۔"

عنبر نے کہا :

"میں — میں یاغول ہی ہوں دوست !"

خاکول بولا :

"اگر تم یاغول ہو تو اپنا خفیہ نام بتاؤ ۔"

عنبر نے جھٹ کہا :

"الو دودھ پیتا ہے ۔"

"یہ خفیہ اشارہ ہے ۔ تمہارا خفیہ نام کیا ہے ؟"

عنبر بولا :

"یار بھول گیا ہوں ۔"

"تم کون ہو ؟"

اور یہ کہہ کر خاکول نے عنبر کے چہرے سے نقاب
کھینچ لیا اور موم بتی کی روشنی میں جب اسے ایک اور
ہی اجنبی چہرہ نظر آیا تو اس نے موم بتی پھینک کر تلوار
کھینچی اور بڑی ہی پھرتی سے عنبر کے شانے پر تلوار کا
بھرپور ہاتھ مار دیا ۔ عنبر نے ایسی پھرتی آج تک کسی
تلوار باز میں نہیں دیکھی تھی ۔ عنبر کا خیر کیا بگڑنا تھا مگر
خاکول کی تلوار دو ٹکڑے ہو گئی ۔ وہ بھونچکا سا ہو کر
پیچھے ہٹا اور اس نے خنجر نکال لیا ۔

عنبر نے کہا:
"اُلّو دودھ پیئے چاہے نہ پیئے مگر ثابت ہو گیا ہے
کہ تم اُلّو ضرور ہو۔ دیکھ چکے ہو کر تمہارے وار
کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا پھر بھی باز نہیں آتے؟"
خاکول نے دانت پیس کر کہا:
"تم کون ہو؟"
عنبر نے کہا:
"تمہارا والد صاحب!"
خاکول نے خنجر عنبر کے سینے پر مارا۔ اس نے غصے
میں آکر پوری طاقت سے خنجر مارا تھا مگر بھلا وہاں کیا
ہونا تھا۔ خنجر بھی ٹوٹ گیا عنبر نے آگے بڑھ کر خاکول
کی گردن دبوچ لی اور ذرا سا دبایا۔ خاکول کی آنکھیں اور
زبان باہر کو نکل آئیں۔ عنبر نے ذرا ہاتھ ڈھیلا کیا اور
پوچھا:
"تم مسلمانوں کو کیوں مار رہے ہو؟"
خاکول نے کھڑکھڑاتی آواز میں کہا:
"دیوی روشنک کے طلسمی زمرد کا حکم ہے۔"
"دیوی روشنک کے زمرد کا کیا راز ہے؟"
خاکول نے کہا:
"نہیں بتاؤں گا۔"

عنبر نے اس کی گردن کو تھوڑا اور دبایا۔ مگر خاکول
خاموش رہا۔ عنبر نے گردن کچھ اور دبائی خاکول کچھ نہ
بولا۔ عنبر نے اس سے راز اگلوانے کی بہت کوشش کی
مگر وہ مر گیا اور روشنک دیوی کے زمرد کا راز فاش نہ
کیا۔ عنبر نے اس کی لاش وہیں پھینکی اور اژدہوں کی
سرنگ کی طرف چلا کہ پہلے ان کا کام تمام کیا جائے۔
غار میں کافی آگے جا کر ایک جگہ عنبر کو اژدہوں کی خاص
بُو آئی۔ وہ اس طرف لپکا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں اژدہے
قیدی مسلمانوں پر سرنگ کا منہ توڑ کر حملہ نہ کر دیں۔
ایک جگہ اسے پتھروں کے پیچھے سے اژدہوں کی پھنکاریں
سنائی دیں۔ عنبر نے پتھر اکھاڑ دیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک
سرنگ ہے جس میں دس بارہ اژدہا بڑے بڑے منہ اوپر
اٹھائے پھنکاریں مار رہے ہیں اور ان کے جبڑوں سے
آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔
عنبر نے فوراً سانپوں کی زبان میں انہیں مخاطب کیا:
"میں ناگ دیوتا کا بھائی ہوں۔"
اژدہا ایک دم خاموش ہو گئے۔ ان کے جبڑوں سے
نکلتے شعلے بجھ گئے۔ اب انہوں نے بھی ناگ دیوتا کی
بُو محسوس کر لی تھی۔ سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ ایک
انسان نے اژدہوں کو سانپوں کی زبان میں مخاطب کیا تھا
جو سوائے ایسے انسان کے جو خود سانپ ہو اور کوئی دوسرا

انسان نہیں جانتا تھا۔

عنبر نے کہا:

"میں تمہیں ناگ دیوتا کی طرف سے حکم دیتا ہوں کہ اس پہاڑ کے تمام غاروں کے منہ توڑ کر جتنے شہر کے مسلمان قید ہیں انہیں آزاد کر دو۔"

اژدہوں نے کہا:

"ایسا ہی ہو گا۔"

عنبر غار میں سے باہر نکل کر پہاڑ پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے تھوڑی ہی دیر بعد دیکھا کہ پہاڑ کے نیچے چاروں طرف سے لوگوں کے ہجوم خوشیاں مناتے خوشی خوشی شہر کی طرف اپنے گھروں کو بھاگے جا رہے ہیں۔ ان میں بچے بھی تھے۔ بوڑھے بھی تھے۔ عورتیں بھی تھیں۔ اور جوان مرد بھی تھے۔ اس کام سے فارغ ہو کر عنبر پہاڑ سے اترا اور گھوڑے پر سوار ہو کر دوسرے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ کیوں کہ سیاہ پوشوں کے سردار کا حملہ اب اس شہر کے مسلمانوں پر ہونے والا تھا۔ دیوی رودشنک کے طلسماتی زمرد کی مدد سے اب وہ دوسرے شہر کے مسلمانوں کو ختم کرنے والا تھا۔

عنبر نے سیاہ لبادہ پہن رکھا تھا اور وہ بڑی تیزی سے گھوڑا دوڑاتا دوسرے شہر کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ کیونکہ اسے معلوم

تھا کہ سیاہ پوش سردار دیوی رودشنک کے طلسماتی زمرد کی مدد سے دوسرے شہر کے مسلمانوں پر جادو کر کے انہیں اس کی کشش سے کھینچ کر چٹانوں کے غاروں میں لے جائے گا اور پھر انہیں اژدہوں کی خوراک بنا دے گا اور یا اگر وہاں کوئی دریا یا سمندر قریب ہوا تو انہیں اس میں غرق کر دے گا۔ رات بڑی تاریک تھی۔ عنبر اس تاریکی میں گھوڑا دوڑائے چلا جا رہا تھا۔

O

- دیوی رودشنک کے طلسماتی زمرد کا راز کیا تھا؟
- عنبر یہاں سے کیسے نکلا؟
- اور وہ ناگ ماریا اور خلائی لڑکی کیپٹ سے کہاں ملا؟
- ماتری دیوی کی مالا کا معمہ کیا تھا؟
- لاہور کا لڑکا امجد عنبر ناگ ماریا سے کیسے ملا؟

یہ آپ عنبر ناگ ماریا کی واپسی کی اگلی قسط نمبر ۲ میں پڑھیں گے جس کا نام "عنبر کا سر کٹ گیا" ہے۔